(عصر حاضر کے پیش آمدہ وابتلاء عام مسائل کا انسائیکلوپیڈیا)

درسی و تعلیمی

اہم مسائل

جن میں ابتلاء عام ہے

پسند فرمودہ:

خادم القرآن حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی دامت برکاتہم

مؤلف : مفتی محمد جعفر ملی رحمانی حفظہ اللہ

محرّک : مولانا محمد حذیفہ وستانوی حفظہ اللہ

’’دارالافتاء جامعہ اکل کوا کی جانب سے مسائلِ مہمہ (۶ حصے)، جدید مسائل (۲ حصے)، مسائلِ ارکانِ خمسہ، اسی طرح بیسوں کتابوں کے مسائل (2536) کو عوام کی آسانی کے لیے ’’درسی و تعلیمی اہم مسائل‘‘ کے نام سے شائع کیا جارہا ہے، اگر روزانہ ایک دیڑھ صفحہ کی تعلیم گھر یا مسجد میں کی جائے، تو امید ہے کہ فضائل و ترغیبِ اعمال کے ساتھ ساتھ مسائل کے صحیح طریقے بھی معلوم ہو جائیں گے، نیز مکتب میں آخری سال کے طلباء کو پڑھانا بھی مفید ہوگا‘‘

دار الافتاء

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر، انڈیا

تقسیم کار

نام کتاب	: **درسی وتعلیمی اہم مسائل**
مؤلف	: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی
کمپیوٹر کتابت وترتیب	: عبد المتین اشاعتی کانڑگانوی
طبع اول	: ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء
صفحات	: 522
تعداد مسائل	: 2536
قیمت	:
باہتمام	: ابوحمزہ وستانوی
ناشر	: جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

ملنے کا پتہ:

دار الافتاء

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا ضلع نندر بار مہاراشٹر
Phone & Fax: 02567,252556
E-mail jafarmilly@gmail.com
fatawaakkalkuwa@gmail.com
http://jamiyaakkalkuwa.com/fatawa/

فہرست

پیش لفظ

مولانا محمد حذیفہ وستانوی صاحب حفظہ اللہ
ناظم تعلیمات - جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی حبیبنا وحبیب رب العالمین، أما بعد!

محترم قارئین! زیرِنظر کتاب ''درسی وتعلیمی اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے'' - یہ دراصل - دارالافتاء - جامعہ اکل کوا سے اہم مسائل پر شائع شدہ چند کتابوں (جو 3057 صفحات پر مشتمل ہیں) کا مجموعی نچوڑ ہے، اور وہ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ''ابتلائے عام اہم مسائل'' جلد اول (تیسرا ایڈیشن)، جلد ثانی (دوسرا ایڈیشن)، جلد ثالث، جلد رابع، جلد خامس، جلد سادس،

۲- ''محقق ومدلل جدید مسائل'' جلد اول (دوسرا ایڈیشن)، اور جلد ثانی (غیر مطبوعہ)،

۳- ''ارکانِ خمسہ'' (غیر مطبوعہ)،

مذکورہ تینوں کتابیں دارالافتاء جامعہ اکل کوا کے علمی ذوق کی شاہکار ہیں، کیوں کہ ان میں تقریباً ہر مسئلہ کو قرآن، حدیث، فقہ اور اصولِ فقہ سے مدلل کیا گیا ہے، اور حتی المقدور عصر حاضر کے معتبر فتاویٰ کی تائید کا التزام بھی کیا گیا ہے، دلائل کی کثرت، اسی طرح تمام مسائل پر واقع عناوین کی تفصیلی فہرست (جو کل 145 صفحات پر مشتمل ہے) کی وجہ سے کتاب کی ضخامت بہت بڑھ جاتی ہے، اور یہ کتاب چوں کہ بالخصوص عوام کے لیے ترتیب دی گئی ہے، اور ان کے لیے دلائل پر اطلاع کی چنداں ضرورت نہیں ہے، اس لیے انہیں حذف کر دیا گیا، رہی بات حضراتِ علماء، مفتیانِ کرام اور طلبہ کی! تو ان کے لیے مسائل کی واقفیت مع دلائل از حد ضروری ہے، تو وہ (مذکورہ) مدلل کتابوں سے رجوع کر سکتے ہیں۔

کتاب میں تمام مسائل کا استیعاب واحاطہ نہیں کیا گیا، کیوں کہ مزید کام ابھی جاری وساری ہے، البتہ عصر حاضر میں ابتلاء عام مسائل کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور نو (9) کتابوں میں منتشر اس طرح کے تمام مسائل کو اُن کے مناسب ابواب کے تحت، مثلاً تینوں کتابوں کے مسائلِ ایمان وعقائد کو ''ایمان وعقائد کا بیان'' کے تحت، مسائلِ طہارت کو ''پاکی وناپاکی کا بیان'' کے تحت، مسائلِ نماز کو ''نماز کا بیان'' کے تحت یکجا کر دیا گیا، اسی طرح زکوۃ، روزہ اور حج وغیرہ، تاکہ خواص اور عوام دونوں اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں، اور نو (9) کتابوں کے تتبع وتلاش کی بجائے ایک ہی جگہ، ایک ہی کتاب میں انہیں اُن کے مطلوبہ مسائل مل جائیں۔

''**مسائل**'' یعنی مسلمان کے لیے اپنے ہر قول وفعل سے متعلق - حلال وحرام، جائز وناجائز اور مکروہ ومستحب - احکام کا جاننا فرض ہے، مگر افسوس کہ عصر حاضر میں اس سے رُوگردانی اپنی تمام حدود پار کر چکی ہے، یہاں تک کہ بعض متدین مسلمان بھی احکام سے واقف نہیں

ہوتے، جس کی وجہ سے وہ شرعی احکام کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں، جو ایک عظیم وسنگین غلطی ہے، اس لیے اب ضرورت ہے کہ جس طرح مسجدوں میں "**فضائلِ اعمال**" کی تعلیم ہوتی ہے، اسی طرح "**مسائلِ اعمال**" کی تعلیم بھی ہو، اسی ضرورت کے پیشِ نظر اس کتاب کو مرتب کیا گیا، تاکہ اس کی تعلیم سے بہت سے مسائل سن کر معلوم ہوں، اور پھر دیگر مسائل کو معلوم کرنے کا داعیہ پیدا ہو، اور امت، علماء وفقہاء کی طرف ہر مسئلہ میں رجوع کرے!

اس کتاب کی افادیت کو عام کرنے کی چند صورتیں ہیں:

۱- ائمہ مساجد، کسی ایسی نماز میں جس میں لوگ بکثرت آتے ہوں، اس نماز کے بعد اِس کتاب سے دو چار مسائل یا ایک دو صفحات کی تعلیم کردیا کریں!

۲- گھر میں پانچ دس منٹ کا وقت متعین کرکے، ایک دو صفحات کی تعلیم تمام اہلِ خانہ کو جمع کرکے کردی جائے!

۳- مکاتب اور تعلیمِ بالغاں کے مدارس میں جب شرکاء اچھی طرح اردو سمجھنے لگیں، تو انہیں روزانہ دو یا تین صفحات پڑھائے جائیں، اور دوسرے دن ان کو زبانی سنا جائے، مکمل نہ سہی، تو خلاصہ ہی سہی، مگر ضرور سنا جائے!

۴- مسلم اسکولوں اور کالجز میں روزانہ اسمبلی (Assembly) میں، یا ایک وقت متعین کرکے تمام طلبہ واساتذہ کو جمع کرکے کم از کم اس کے دو صفحات کی تعلیم کسی عالم سے کروائی جائے!

۵- بازاروں میں کوئی وقت متعین کرکے تمام مسلمان تاجروں اور پیشہ ور لوگوں کو جمع کرکے کسی امام یا عالم کے ذریعہ دو تین صفحات کی تعلیم کروائی جائے!

۶- فیکٹریوں، کارخانوں اور دفاتر میں جہاں مسلمان معتد بہ ہوں، یک جا جمع ہوکر اس کی تعلیم کریں!

۷- مدارس وجامعاتِ اسلامیہ میں جو اساتذہ فقہ کی کتابیں پڑھاتے ہیں، وہ بھی اِس کتاب کے مطالعہ کا التزام کریں، اور ہر باب سے متعلق ابتلاءِ عام یا جدید مسائل سے طلبہ کو مطلع کریں، البتہ دلائل کے لیے اصل مدلل کتب کی طرف رجوع کریں، تو زیادہ مفید ہوگا!

۸- خاص طور پر "نور الایضاح" - "قدوری" - "کنز الدقائق" - "شرح وقایہ" - "ہدایہ" - پڑھنے والے طلبہ ہر باب سے متعلقہ مسائل کو دیکھنے کا التزام کریں، البتہ منتہی طلبہ مدلل کتابوں کی طرف ضرور رجوع کریں!

۹- شعبۂ افتاء، تخصص فی الفقہ میں زیرِ تعلیم طلبہ بھی تمارین کو حل کرنے میں اس سے مدد لے سکتے ہیں، مگر مدلل کتابوں کا دیکھنا ان کے لیے نہایت ضروری ہے!

۱۰- دعوت وتبلیغ کے احباب اپنے دعوتی اسفار میں اِس کتاب کی یا تو اجتماعی تعلیم کریں، یا کم از کم خود اس کا مطالعہ کریں!

اللہ تبارک وتعالیٰ جزاءِ خیر عطا فرمائے مفتی محمد جعفر ملی رحمانی صاحب صدر دار الافتاء جامعہ اکل کوا کو - جنہوں نے بڑی باریک بینی

وجانفشانی سے کتاب کو مرتب فرمایا، اور مفتی عبدالمتین، مفتی مجیب الرحمٰن ومفتی افضل صاحبان، اور دیگر تمام معاونین کو بھی، جو برابر اس کتاب کی تیاری میں شریک رہے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ اِس عمل کو شرفِ قبولیت سے نواز کر ہم سب کے لیے نجات کا ذریعہ بنائے، اور اپنی رضا وخوشنودی کا پروانہ عطا فرمائے۔

ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم ، وتب علينا إنك أنت التواب الرحيم

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه أجمعين. آمين

حذیفہ وستانوی

۱۴۳۵/۱/۱۱ھ

نوٹ:- ۱- اگر کسی مسئلہ کے سمجھنے میں دشواری ہو، تو معتبر وذی استعداد مفتیانِ کرام کی طرف رجوع کریں، خود سے اجتہاد نہ کریں۔

۲- کتاب کا مقصد امت کو حلال وحرام سے واقف کرانا ہے، لہٰذا اسے زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے، اور تقسیم کے لیے ہم سے رعایتی دام پر حاصل کیا جائے۔

عرض مرتب

مفتی محمد جعفر ملی رحمانی صاحب دامت برکاتہم
صدر دار الإفتاء- جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

الحمد لله رب العالمين، والعاقبة للمتقين، والصلوة والسلام على سيد المرسلين، أما بعد!
قال الله تعالى في كتابه الكريم، فأعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكّموك فيما شجر بينهم ثم لا تجدوا في أنفسهم حرجًا مما قضيت ويسلّموا تسليمًا ٥﴾. (النساء: ٦٥)...... وقال النبي ﷺ: " إذا أمرتكم بشيء فافعلوه ما استطعتم، وإذا نهيتكم عن شيء فانتهوا ". (بخاري:١٠٨٢)

محترم قارئین! الحمدللہ! ہم سب مومن و مسلمان ہیں، ہمارا اور آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارا خالق و مالک اللہ رب العزت ہے، اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، نیز ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دنیوی زندگی عارضی و فانی ہے، اور اس کے بعد آنے والی زندگی دائمی و باقی ہے، اِس عارضی زندگی میں جو بھی اعمال کیے جا رہے ہیں، ہر شخص کو کل قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے اُن کا حساب و کتاب دینا ہے، جو شخص بھی اِس نظریہ کا حامل ہے اُسے ہم کلِمہ گو کہتے ہیں، اور یہی کلمہ ہماری دنیوی فلاح واُخروی نجات کا ذریعہ بھی ہے، مگر اس وقت جب کہ اُس کے تقاضوں اور مطالبوں کو پورا کیا جائے، اور اُس کے تقاضے یہ ہیں کہ ہمارے عقائد و نظریات، ہماری عبادتیں، ہمارے معاملات، ہماری معاشرت اور ہمارے اخلاق یہ سب آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق ہوں، جب تک یہ تمام چیزیں شریعتِ مطہرہ کے مطابق نہیں ہوتیں، تب تک ہمارا ایمان بھی مکمل نہیں ہوسکتا، جیسا کہ آیتِ کریمہ: ''سو آپ کے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے، جب تک یہ لوگ اس جھگڑے میں جو ان کے آپس میں ہو، آپ کو حَکم نہ بنالیں، اور پھر جو فیصلہ آپ کردیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں، اور اس کو پورا پورا تسلیم کرلیں۔'' [نساء:٦٥] سے مفہوم ہوتا ہے۔

آج ہم مسلمانوں پر چہار جانب سے مصائب وآلام کا جو سلسلہ ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہم گرچہ مومن و مسلمان ہیں، مگر ہمارے عقائد، ہماری عبادتیں، ہمارے معاملات، ہماری معاشرت اور ہمارے اخلاق شریعتِ اسلامیہ کے مطابق نہیں ہیں، ورنہ اہلِ ایمان واسلام کے لیے تو اللہ رب العزت کا یہ وعدہ ہے: ﴿وأنتم الاعلون ان كنتم مؤمنين﴾- ''تم ہی غالب رہوگے اگر تم مومن رہے۔'' [آل عمران:١٣٩]...... پورے مسلم معاشرہ وسماج پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف باطل عقائد و نظریات کا شکار ہوچکا ہے، اُس کا ایک بڑا طبقہ عبادات سے نہ صرف غافل بلکہ بیزار ہے، اور جو لوگ عبادت کر بھی رہے، تو وہ اُس کے فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات سے پوری طرح واقف نہیں، جس کی وجہ سے وہ اِن عبادات پر مرتب ہونے والے ثمرات و نتائج سے محروم ہیں، یہی کچھ

حال اُس کے معاملات کا بھی ہے کہ مومن ومسلمان ہونے کے باوجود اس بات کا پاس ولحاظ نہیں کہ جو معاملات وکاروبار کیے جارہے ہیں، وہ حلال ہیں یا حرام؟ جائز ہیں یا ناجائز؟ شریعت کے موافق ہیں یا اُس کے مخالف، جس کا اثر براہِ راست آمدنی پر ہوتا ہے، جو اعمالِ صالحہ میں بنیادی کردار کی حامل ہے، کہ حلال وپاکیزہ غذا نیک کاموں پر آمادہ کرتی ہے، اورحرام وغیر پاکیزہ غذا اعمالِ صالحہ سے محرومی کا سبب بنتی ہے، معاشرت واخلاق پر نظر کی جائے، تو وہ پوری طرح طرزِ مغرب میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا ہے، کہ وہ اپنی وضع قطع، رہن سہن اور چال چلن، ہر چیز میں مغرب کی تقلید کر رہا ہے، بسا اوقات یہ پہچاننا تک مشکل ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ہے، مغرب کی اِس تقلید کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ وہ اسلامی معاشرت واخلاق کی خیر وبرکات، یعنی شرم وحیاء، عفت وپاکدامنی، اخوت وبھائی چارگی، ہمدردی وخیر خواہی وغیرہ سے محروم ہوگیا، اور خود انسان-انسانیت کی دہائی دینے لگ گیا، لہٰذا ضرورت ہے اِس بات کی کہ ہم مسلمان اپنے عقائد، عبادات، معاملات، اور معاشرت واخلاق کو شریعتِ اسلامیہ کے سانچے میں ڈھال لیں، اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب کہ اِن چیزوں کی مکمل تعلیم حاصل کی جائے، ورنہ بغیر علم کے عمل یا عبادت بجائے اصلاح کے فساد کا سبب ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص بغیر علم کے عمل یا عبادت کرتا ہے، وہ اصلاح سے زیادہ فساد کرتا ہے۔''

(کتاب الزہد: ص/۳۰۱، الفقیہ والمتفقہ: ۱/۱۹، نصیحۃ المسلمین: ص/۲۱۴)

دورِ حاضر میں تعلیم کے لیے بہت سے مواقع حاصل ہیں، مستقل مدارسِ اسلامیہ اور خانقاہیں قائم ہوچکیں، تعلیمی وتبلیغی تحریکیں وجود میں آگئیں، معتبر ومستند کتابیں مکتبوں میں اور آن لائن دستیاب ہیں، محض تھوڑی سی فکر کی ضرورت ہے، اگر وہ کر لی گئی تو مسلم معاشرہ کی حالت تبدیل ہوسکتی ہے، زیرِ نظر کتاب ''**درسی وتعلیمی اهم مسائل**'' اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے، جس میں عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت واخلاقیات سے متعلق (2536) مسائل کو یکجا کیا گیا، اور اس کے پسِ پشت یہی فکر کارفرما ہے کہ مسلم معاشرہ -عقائد، عبادات وغیرہ کے اَساسی وبنیادی مسائل سے واقف ہو، اور اس کے مطابق عمل کرکے اِن چیزوں کو شریعتِ اسلامیہ کے دائرہ وحدود میں لے آئے، تاکہ اُس کی یہ عارضی زندگی کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہو، اور بعد کی دائمی واَبدی زندگی میں بھی وہ کامیاب وبامراد ہو۔اس کتاب سے کس طرح استفادہ کیا جاسکتا ہے، اس کی تفصیل محترم عزیزم صالح نوجوان عالمِ دین ناظم تعلیمات مولانا محمد حذیفہ صاحب وستانوی حفظہ اللہ ورعاہ کے پیش لفظ میں آپ نے پڑھ لی، اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو شریعتِ اسلامیہ سے واقف ہونے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق بخشے۔آمین یارب العالمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین

مفتی محمد جعفر ملی رحمانی......۱۸/محرم الحرام، ۱۴۳۵ھ

ایمان وعقائد کا بیان

مسئلہ (۱): بعض لوگ اسم باری تعالیٰ ''اللہ'' کے ساتھ لفظ ''میاں'' کے استعمال پر اعتراض کرتے ہیں، جب کہ ان کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے، کیوں کہ لفظ ''میاں'' کا استعمال عام اردو محاورے میں عظمت و تعظیم کیلئے کیا جاتا ہے، اس لئے ''اللہ میاں'' کہنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ (امداد الفتاوی:۴/۵۱۳، ۵۱۴)

مسئلہ (۲): ہر زبان میں اللہ کے نام ہیں، اسی طرح ''گاڈ'' بھی خدا کا نام ہے، نیز اس لئے بھی کہ ان اسماء کا تلفظ ہر زبان میں مختلف ہے، لیکن اپنے محاورات اور بول چال میں اللہ تعالیٰ کا ایسا نام لینا اولیٰ اور مناسب ہے، جو قرآن شریف اور حدیث نبوی سے ثابت ہے۔ (صحیح مسلم:۲/۳۴۲، صحیح مسلم: رقم الحدیث:۲۶۷۷)

مسئلہ (۳): لفظِ ''خدا'' فارسی زبان کا لفظ ہے، جو کسی حد تک واجب الوجود کا ترجمہ ہے، اللہ رب العزت کے لیے اس کا استعمال اکابرِ امت سے چلا آرہا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا استعمال جائز ہے، لیکن چوں کہ یہ لفظ ''اللہ'' (اسمِ ذات) کا نہ نعم البدل ہے، اور نہ اس کے برابر، اس لیے اللہ کی پاک ذات کے لیے اس کا اسمِ ذات ''اللہ'' کا استعمال سب سے بہتر ہے۔ (تفسیر المظہری:۳/۴۶۶)

مسئلہ (۴): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس لیے اس کے لیے واحد کا صیغہ استعمال کرنا چاہیے، جیسے اللہ تعالیٰ ''کرتا دھرتا'' ہے، جمع کا صیغہ استعمال نہیں کرنا چاہیے، جیسے اللہ تعالیٰ ''کرتے دھرتے'' ہیں، اُن کا یہ خیال غلط ہے، صحیح بات یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے لیے واحد و جمع دونوں صیغے استعمال کیے جاسکتے ہیں، صیغۂ واحد کے استعمال کا صحیح ہونا تو ظاہر ہے، رہا صیغۂ جمع تو وہ تعظیماً و ادباً بولا جاتا ہے، اس لیے وہ بھی درست ہے، خود اللہ پاک نے اپنے لیے صیغۂ جمع استعمال فرمایا ہے، فرمانِ خداوندی ہے: ﴿إنّا أعطینک الکوثر﴾ ''بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا'' ﴿إنّا أنزلناه في ليلة القدر﴾ ''بے شک ہم نے قرآن شریف کو شبِ قدر میں اتارا'' اور ﴿ونحن أقرب إليه من حبل الوريد﴾ ''بے شک ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ''۔ (التفسیر الکبیر:۷/۱۲۳)

مسئلہ (۵): جن لوگوں کے نام اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام پر ہوں، جیسے عبد الرحمٰن، عبد القیوم وغیرہ، ایسے شخص کو اے رحمٰن اے قیوم کہہ کر پکارنا ایک قسم کی سوءِ ادبی ہے، لہٰذا اس طرح پکارنے سے احتراز کرکے پورا نام لینا چاہیے، اگر کوئی شخص قصداً اس طرح پکارے تو یہ کفر ہے، کیونکہ کسی کی تعظیم کرتے ہوئے اللہ پاک کا نام بولنا اس کو اللہ کے درجہ میں تسلیم کرنا ہے جو موجبِ کفر ہے، الا یہ کہ پکارنے والا معنیٔ لغوی کا قصد کرے تو موجبِ کفر نہیں، تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ پورا نام لیا جائے۔ (الدر:۹/۴۳۲)

مسئلہ(۶): اگر کوئی شخص کسی بات پر یہ قسم کھائے یا لکھے کہ ’’بھگوان میری مدد کرے گا‘‘ تو ایسا کہنا یا لکھنا شرک ہے، ایسے شخص کو فوراً استغفار کرنا چاہیے، کیوں کہ مدد تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے مانگنا جائز ہے، بھگوان کا وہ مفہوم نہیں جو خدا کا ہے۔ (روح المعانی:۶/۲۵۲)

مسئلہ(۷): بھگوان سے مدد مانگنا شرعاً درست نہیں، صرف خدا سے مدد مانگی جائے، کیوں کہ بھگوان کا وہ مفہوم نہیں جو خدا کا ہے۔ (سورۃ الأنفال:۱۰)

مسئلہ(۸): فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات یا اس کے اوامر ونواہی کے لیے گستاخانہ کلمات استعمال کرنا موجبِ کفر وارتداد ہے، تاہم اگر ایسا شخص توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہوگی، اور اگر شادی شدہ ہو تو، توبہ کے بعد تجدیدِ نکاح بھی لازمی ہے۔ (خلاصۃ الفتاوی:۴/۳۸۳)

مسئلہ(۹): ’’یوگا‘‘ جس کو آج کل ریاضت کا نام دیا گیا ہے، حقیقت میں سورج کی پرستش ہے، کیوں کہ اس ریاضت کے دوران سنسکرت زبان میں ایسے الفاظِ شرکیہ پڑھے جاتے ہیں، جن سے سورج کی عبادت اور تعظیم مقصود ہوتی ہے، اور یہ بدھسٹ قوم کا شعار ہے، لہٰذا ان کے اس شعار کو اپنانا گویا ان کی مشابہت اختیار کرنا ہے، اور غیروں کی مشابہت ناجائز وممنوع ہے، لہٰذا یوگا بھی ناجائز وممنوع ہونا چاہیے۔ (حاشیۃ القونوي علی تفسیر البیضاوي:۱۰/۲۲۶)

مسئلہ(۱۰): بعض لوگ کہتے ہیں کہ ’’مولانا‘‘ کا لفظ جو سورۂ بقرہ کی آخری آیت ﴿أنت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکٰفرین﴾ میں واقع ہے، جس کے معنی ’’کارساز‘‘ کے ہیں، تو علماء کیلئے لفظ ’’مولانا‘‘ کا استعمال صحیح نہیں ہونا چاہیے، جب کہ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ لفظ ’’مولانا‘‘ عربی زبان کا لفظ ہے، لغوی اعتبار سے لفظ ’’مولا‘‘ بمعنی رب، مددگار، آقا، سردار، رہنما، غلام اور نوکر وغیرہ اور کئی مختلف متضاد معنی میں مستعمل ہے، اور ’’نا‘‘ جمع متکلم کی ضمیر ہے، جو ’’مولا‘‘ کے ساتھ میں ہوتی ہے، اس طرح ان دونوں کے معنی ہمارے آقا، ہمارے سردار، ہمارے رہنما، اور ہمارے غلام وغیرہ کے آتے ہیں، جو ہر عبارت میں سیاق وسباق اور متعلقہ شخصیت کی حیثیت کے اعتبار سے موقع ومحل کی مناسبت سے مراد ہوتے ہیں، جب کہ سورۂ بقرہ کی آیت ﴿أنت مولٰنا﴾ سے مراد کارساز یعنی متولیٔ امور کے ہیں، اور احادیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: ’’ أنت أخونا و مولانا ‘‘ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ایک صحیح حدیث میں منقول ہے کہ ان کے پاس ایک جماعت آئی اور کہنے لگی: ’’السلام علیک یا مولانا ‘‘ – **ان** مواقع میں سے پہلے میں، آزاد کردہ غلام، اور دوسرے میں سردار اور بڑے کے معنی مراد ہیں، اور علماء کے لیے عموماً احترام کے طور پر بڑے اور سردار کے معنی میں مستعمل ہیں، اس لئے

بلا وجہ شک وشبہ میں پڑنے سے احتراز لازم ہے، اور علماء کے لیے اس لفظ (مولانا) کا استعمال جائز و درست ہے۔ (روح المعانی:۳/۱۱۵)

مسئلہ (۱۱): اگر کوئی مسلمان شخص ہندوؤں کی ''دُرگا'' (ہندوؤں کی دیوی بھوانی) پوجا اور سرِش وغیرہ کو اچھا سمجھ کر چندہ دیتا ہے تو سخت گنہگار ہوگا، اس کو فوراً توبہ کرنا لازم ہے، اگر کسی مجبوری کی وجہ سے دیتا ہے تو اس کو چاہیے کہ جو آدمی چندہ لینے کے لیے آئے، اس کو دینے کی نیت سے دے دے، براہِ راست پوجا کے لیے نہ دے۔ (روح المعانی:۱/۸۵)

مسئلہ (۱۲): مندر بنانے میں مسلمانوں کو حصہ لینا اور اس کی تعمیر کے لیے مالی امداد کرنا درست نہیں ہے، لیکن اگر کسی مجبوری کی وجہ سے امداد کرنا پڑتی ہے، تو براہِ راست نہ دے، بلکہ کسی کافر کو اس کا مالک بنا دے اور نیت امداد کی نہ ہو۔
(روح المعانی:۱/۸۵)

مسئلہ (۱۳): اگر کوئی نومسلم خواہ مرد ہو یا عورت، اسلام لانے کے بعد بھی بت خانہ میں جا کر افعالِ شرکیہ کرے، تو اس مرد یا عورت کو مسلمان شمار نہیں کیا جائیگا۔ (شرح الفقہ الأکبر:ص/۱۶۴،۱۶۵)

مسئلہ (۱۴): اگر کسی شخص کے سامنے خدا، رسول، قرآن اور حدیث کا حوالہ دیا جائے اور وہ یہ کہے کہ یہ سب تو پرانی باتیں ہیں اور اب دور دوسرا ہے، اس دور کے لیے اسی دور کے لحاظ سے باتیں لانی چاہیے، تو اگر ایسا کہنے والے شخص کا مقصد یہ ہے کہ قرآن وحدیث اس دور میں کارآمد نہیں، ان کے اصول واحکام قابل عمل نہیں رہے، ان سے زندگی کی اصلاح نہیں ہوسکتی (نعوذ باللہ)، تو ایسا شخص مسلمان نہیں ہے۔ (شرح الفقہ الأکبر:ص/۱۶۴،۱۶۵)

مسئلہ (۱۵): جب کسی شخص کو کوئی کام کرنا ہوتا ہے، تو وہ اس طرح کہتا ہے کہ ''خدا اور رسول کو منظور ہو تو'' یہ جملہ موہم شرک ہے، اس طرح کا جملہ نہیں کہنا چاہیے، ہاں اگر یوں کہے ''اگر خدا کو منظور ہو تو'' تو یہ کہنا درست ہے۔
(معجم اوسط للطبرانی:۱/۴۷۰،رقم الحدیث:۱۷۳۵)

مسئلہ (۱۶): کسی مسلمان شخص کا اپنے کھیت میں کنواں کھدوائی کا افتتاح مشرکانہ طریقہ پر کرنا، مثلاً کسی پتھر کو ''بھیر وں'' کے نامزد کر کے سیندور لگانا، پتھر کی پوجا کرنا، گڑ اور چنے کا بھوگ لگانا اور بھیروں کی جے بولنا، پھر زمین پر پھاوڑے لگانا، یہ تمام امور ناجائز و حرام ہیں، اور اگر کسی غیر مسلم کو اس کی اجازت دی باوجودیکہ اسے اس کا علم تھا کہ یہ مشرکانہ طریقہ ہے، تو اور زیادہ خطرناک ہے، اس لئے کہ یہ رضا بالکفر والشرک کے قبیل سے ہے، اور اگر عدم واقفیت کی وجہ سے ایسا کرنے کی اجازت دی ہے، تو پھر زیادہ تشدد کی ضرورت نہیں، تاہم توبہ واستغفار ضرور کریں۔ (سورۃ المائدۃ:۷۲)

مسئلہ (۱۷): اگر کافر سے جھاڑ پھونک کرانے میں اس کا اعزاز اور اس کے ساتھ عقیدت کا اظہار ہو، تو اس سے جھاڑ

پھونک کرانا ناجائز ہے، اسی طرح اگر کافر جھاڑ پھونک میں شرکیہ کلمات استعمال کرتا ہے، یا ایسا منتر پڑھتا ہے کہ اس کا معنی معلوم نہیں ہے، تو یہ بھی ناجائز ہے، لیکن اگر اس کے ساتھ عقیدت واعزاز کا اظہار نہ ہو، اور نہ وہ شرکیہ کلمات، یا ایسے کلمات جن کے معنی معلوم نہ ہوں، استعمال کرتا ہو، تو اس سے جھاڑ پھونک کرانا جائز ہے، بشرطیکہ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کو سمجھے۔
(سورۃ آل عمران:۲۸)

مسئلہ (۱۸): ایسا شخص جو قرآن وحدیث اور ادعیۂ مأثورہ کے خلاف کسی دوسرے الفاظ سے علاج کرتا ہے، مثلاً بتوں اور شیطانوں کے نام سے، یا کسی اور کلماتِ کفر سے، یا ایسے الفاظ سے جن کے معنی معلوم نہیں، تو اس کے پاس علاج کرانا جائز نہیں اور جب یہ بات یقینی ہے کہ غیر مسلم عامل خلافِ توحید منتر ہی سے علاج کرتا ہے تو اس کے پاس علاج کرانا بالکل حرام ہے۔ (السنن لأبي داود: ص۵۴۲)

مسئلہ (۱۹): اگر کوئی شخص منتر کے ذریعہ علاج کرتا ہو، اور اس کے بارے میں یہ یقین ہو کہ منتر کے الفاظ اور مضمون خلافِ توحید اور شرکیہ ہیں، تو اس شخص سے عمل کرانا جائز نہیں، اگرچہ اس کے منتر سے فائدہ ہو، کیوں کہ اس کے منتر سے فائدہ کا حاصل ہونا یہ اس کے حق ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ (صحیح مسلم:۲/۲۲۴)

مسئلہ (۲۰): ایصالِ ثواب بروح بزرگان واولیاء کرام، ثابت وموجبِ اجر وثواب ہے، اس میں کوئی کلام نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ کسی قسم کی تقیید وتخصیص با حداث فی الدین وبدعت ہے، اولیاء کرام کے نام پر جانور متعین کرنا اور پھر مزاروں پر لیجا کر ذبح کرنا ''ما أہل بہ لغیر اللہ'' میں داخل ہونے کی وجہ سے شرک ہے، اور اس کا کھانا حرام ہے، گرچہ اس پر ''بسم اللہ اللہ اکبر'' پڑھا گیا ہو۔ (سورۃ البقرۃ:۱۷۳)

مسئلہ (۲۱): کسی شخص کا کسی دوسرے شخص کے کہنے پر غیر اللہ کے لیے مثلاً کسی پیر، یا دیوی دیوتا کیلئے بکرا وغیرہ ذبح کرنا خواہ اجرت لے کر ہو یا بلا اجرت، شرعاً ناجائز وحرام ہے، نیز اس ذبیحہ کا کھانا بھی حرام ہے، اور ایسے شخص کی اذان، اقامت اور امامت مکروہِ تحریمی ہے، ہاں اگر وہ سچے دل سے توبہ کرلیں تو کراہت ختم ہوجائیگی۔ (التفسیر الکبیر:۴/۲۸۳، سورۃ المائدۃ:۳)

مسئلہ (۲۲): کبھی انسان انتہائی مشکلات وپریشانیوں میں گھر جاتا ہے، جو اس کی تقدیر کا حصہ ہوا کرتی ہیں، ان حالات میں وہ خوب دعائیں مانگتا ہے، مگر جب اپنی دعا کا اثر نہیں دیکھتا تو جہالت ونادانی میں یوں کہتا ہے: ''ہم دل سے دعا کررہے ہیں لیکن اللہ کہاں ہے؟ اور وہ ہماری دعا کیوں نہیں سنتا؟ وہ ہے بھی یا نہیں؟ اگر ہے تو ہماری مدد کیوں نہیں کرتا؟ وہ ہمارے اور ہمارے بچوں کا درد کیوں نہیں دیکھتا؟ اسے ہمارے اوپر رحم کیوں نہیں آتا؟'' وغیرہ۔ **اس** طرح کے کلمات اللہ تعالیٰ

کی ذات کے بارے میں شک وتردّد ظاہر کرتے ہیں، جو بلاشبہ کفر ہے، اس طرح کے کلمات کہنے کی وجہ سے انسان اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، اس کا نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے، اوراس پر ان کفریہ کلمات پر ندامت کے ساتھ ساتھ بصدقِ دل توبہ واستغفار لازم ہوجاتا ہے، نیز اس پر تجدید ایمان ونکاح بھی ضروری ہوجاتا ہے، اس لیے مصائب وپریشانیوں میں رضا بالقضاء اور قبولیتِ دعا کی امید کے ساتھ دعا کرتے رہنا چاہیے، اور ایسے کلمات سے بچنا چاہیے جو انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کردیتے ہیں۔
(فتاوی تاتارخانیہ:۴/۲۳۴)

مسئلہ (۲۳): جب تک گناہ کو حلال سمجھ کر، یابنیت استخفاف بالدین نہ کیا جاوے، شرعاً ایمان سلب نہیں ہوتا۔
(مشکوۃ المصابیح:ص/۱۴، رقم الحدیث:۲۶)

مسئلہ (۲۴): تجدید ایمان کا طریقہ یہ ہے کہ کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرے، دل سے اس کی تصدیق کرے، جس چیز سے انکار کی بنا پر ایمان سے خارج ہوا تھا، اس کا اقرار کرے، اگر اسلام سے خارج ہوکر کوئی مذہب اختیار کرلیا تھا، تو اس سے بیزاری کا اعلان کرے، حالتِ اسلام میں جو فرائض ادا کیے تھے، ان کی قضا کی ضرورت نہیں، البتہ اگر حج فرض ادا کیا تھا تو تجدید ایمان کے بعد اگر مالدار ہے، تو اسے دوبارہ حج کرنا ضروری ہے، اور حالتِ اسلام میں جو فرائض غفلت کی وجہ سے رہ گئے تھے، تجدید کے بعد ان کی بھی قضا لازم ہے۔ (صحیح مسلم:۱/۲۷)

مسئلہ (۲۵): بعض لوگ توبہ کرتے وقت اپنے رخساروں کو تھپتھپاتے ہیں شرعاً یہ طریقہ درست نہیں بلکہ محض ایک رسم ہے، توبہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ گناہوں پر ندامت ہو، آئندہ گناہوں سے بچنے کا پختہ ارادہ ہو اور اگر شریعت نے اس گناہ کے لیے کوئی کفارہ متعین کیا ہو تو کفارہ ادا کرے اور اگر معصیت کا تعلق کسی آدمی کے حق سے ہے تو وہ حق ادا کیا جائے یا اس سے معاف کرالیں۔ (شرح مسلم للنووی:۸/۲۹۳)

مسئلہ (۲۶): کسی غیر مسلم کو مسلمان بنانے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اسے غسل کرایا جائے، پھر اسے: ﴿أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰهُ وَحدهٗ لا شَرِيکَ لَهٗ، وأشهدُ أنّ مُحمَّدًا عَبدُهٗ ورسُولُه﴾ مع ترجمہ ومختصر مطلب پڑھایا جائے، نیز ایمانِ مجمل ومفصل پڑھانے کے ساتھ، اس سے اپنے سابق مذہب سے برأت کا اقرار بھی لے لیا جائے، اور آئندہ کے لیے اسلامی احکامات سیکھ کر اس کے مطابق زندگی گذارنے کی تلقین بھی کی جائے۔ (البحر الرائق:۵/۲۱۶)

مسئلہ (۲۷): بعض لوگ اپنی سیکولر ذہنیت کو ثابت کرنے، اور غیروں میں اپنی مقبولیت ومحبوبیت بڑھانے کے خاطر کہتے ہیں: ''سرودھرم ایکچ آہے''، یعنی سب مذہب ایک ہی ہیں، اس طرح کی بات کلمۂ کفر ہے، کیوں کہ اسلامی عقائد، اور دیگر

مذاہب کے عقائد میں فرق واضح ہے، اسلام حق اور کفر باطل ہے، اسلام اللہ کے نزدیک دین مقبول ہے، اور کفر و دیگر مذاہب مردود و منسوخ ہیں، تو تمام مذاہب یکساں کیسے ہو سکتے ہیں، اس لیے اس طرح کی بات کہنے سے بچنا واجب ہے، ہاں اسلام کے علاوہ تمام مذاہب ان کے باطل اور غیر مقبول ہونے میں یکساں ہو سکتے ہیں۔ (سورۃ آل عمران: ۸۵)

مسئلہ (۲۸): بعض جاہل پیر اور موجودہ دور کے پڑھے لکھے مرد و خواتین جو خود کو سیکولر، اسکالر، پروفیسر وغیرہ کہتے ہیں، اور ہندؤوں کی کتاب وید، بائبل، قرآن وغیرہ کو ایک ہی تصور کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ سب پر عمل کرنا واجب ہے، یہ سب آسمانی کتابیں ہیں، تو یہ کلماتِ کفر ہیں، اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے، اس کی دعوت دینے والے سب دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر و مرتد ہیں۔ (فتاوی ہندیہ: ۲/ ۲۵۷)

مسئلہ (۲۹): کسی بھی مسلمان شخص کو بلا کسی وجہ کے جان بوجھ کر کافر کہنا، اور اس پر کفر کا فتویٰ لگانا بھی کفر ہے۔
(صحیح البخاری: ۲/ ۸۹۳-۹۰۱)

مسئلہ (۳۰): اگر کسی کافر شخص کو اللہ نے ہدایت دی اور وہ شخص ایمان کی دولت سے سرفراز ہو گیا، اس کے ایمان لانے پر اگر کوئی مسلمان شخص اس نو مسلم کو طعنہ دیتا ہے، یا اس کو برا بھلا کہتا ہے، تو وہ شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اس کو ایسے نو مسلم شخص سے معافی مانگنی چاہیے، اور اس پر توبہ کرنا واجب ہے، کیوں کہ جب کوئی شخص مسلمان ہوتا ہے تو اس کے پچھلے تمام گناہ شرک وغیرہ سب معاف ہو جاتے ہیں، اور اگر اس نے قرآن شریف، نماز وغیرہ پڑھنے کا طریقہ سیکھ لیا ہے، تو اب اس کے پیچھے نماز پڑھنا بھی درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۲/ ۴۲۸، فتاوی دار العلوم: ۳/ ۱۴۸)

مسئلہ (۳۱): کافر کے معنی اسلام کو نہ ماننے والے کے ہیں، دوسرے لفظوں میں یہ غیر مسلم کے ہم معنی ہیں، اور جو شخص مسلمان نہ ہو، اگر اسے غیر مسلم یا کافر کہا جائے، تو اسے اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں، اس میں نہ اس کی تحقیر ہے نہ ہی توہین، بلکہ ایک حقیقت کا اظہار ہے، تاہم اگر انہیں اس سے ناگواری ہو تو ان کو اس لفظ ''یا کافر'' سے مخاطب نہیں کرنا چاہیے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی ''ذمی''، یعنی اسلامی ملک میں آباد غیر مسلم کو ''اے کافر'' کہنا گراں گذرتا ہو تو نہیں کہنا چاہیے، اور اگر کہے تو گنہگار ہوگا۔ (سورۃ الکفرون: ۱)

مسئلہ (۳۲): کسی کافر کو اس کے مرنے کے بعد برا بھلا کہنا منع ہے، اس لیے کہ یہ اصول ہے کہ جو کام اپنی ذات کے اعتبار سے جائز بلکہ طاعت و ثواب بھی ہو، مگر مقاصدِ شرعیہ میں داخل نہ ہو، اور اگر اس کے کرنے پر کچھ مفاسد لازم آجائیں، تو وہ کام ترک کر دینا واجب ہو جاتا ہے، پس اگر ہم کسی مردہ کافر کی برائی بیان کریں گے، تو کفار بھی ہمارے مرحومین کی برائی بیان

کریں گے، تو ہم کیوں اپنے مرحومین کی برائی بیان کروانے کا ذریعہ بنیں۔ (تاویلات أہل السنۃ للماتریدی:۴/ ۲۰۷)

مسئلہ (۳۳): آج ہر چیز کے بارے میں تحقیق ہورہی ہے، اور لوگ اپنی اپنی تحقیق پیش کررہے ہیں، ان ہی میں سے ایک ''ڈارون'' نام کا شخص ہے، جس نے اپنی تحقیق کے مطابق یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان مٹی سے نہیں پیدا کیا گیا ہے، بلکہ اس کی ابتداء بندر سے ہوئی ہے، جب کہ اللہ تعالی نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے، لہٰذا اس کا یہ عقیدہ قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے، یہ بے سروپا اور ملحدانہ عقیدہ ہے، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اس لئے اگر کوئی شخص (معاذ اللہ) اس قسم کا عقیدہ رکھتا ہو تو اسے فوراً اپنے اس عقیدے سے توبہ کرنا چاہیے اور تجدیدِ ایمان وتجدیدِ نکاح کرنا چاہیے۔ (سورۃ الواقعۃ: ۵۷-۵۹)

مسئلہ (۳۴): بعض لوگ مصیبت یا پریشانی کے وقت ایک مہمل وظیفہ ''جلّ تو جلال تو، آئی بَلا کو ٹال تو، قدرت ہے کمال تو، نبی جی کی جھولی بھرے، بیچ میں ہے قرآن تو'' پڑھتے ہیں، شرعاً اِس کی کوئی اصل نہیں ہے، اس کی بجائے اندیشہ کے موقع پر ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ﴾ ''میں اللہ کی ذات اور قدرت سے اُس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، جس کو میں پاتا ہوں اور جس سے میں ڈرتا ہوں'' - پڑھنا چاہیے۔ (صحیح مسلم:۲/۲۲۴)

مسئلہ (۳۵): اگر کوئی شخص ''یا محمد'' اور ''یارسول اللہ'' کہتا ہے درود وسلام کے ساتھ یا بلا درود وسلام، اس اعتقاد کے ساتھ کہ حضور ﷺ میری آواز کو بذاتِ خود ہر وقت، ہر جگہ سنتے ہیں، یا یہ کہ بنفس نفیس خود مجلسِ درود میں تشریف فرما ہوتے ہیں، تو اس شخص کا یہ اعتقاد ناجائز ہی نہیں بلکہ موجبِ کفر ہے، اس لیے کہ یہ صورتیں غیر اللہ کے لیے علمِ غیب کو ثابت کرنے کو متضمن ہیں اور علم غیب اللہ تعالیٰ شانہ کی صفتِ خاصہ ہے، اور اگر یہ عقیدہ نہیں ہے بلکہ محض تخیل کے طور پر شاعرانہ اور عاشقانہ انداز میں خطاب کرتا ہے، جیسا کہ اہل معانی وبلاغت نے بیان کیا ہے کہ بعض اوقات معدوم کو موجود فرض کرکے یا غیر حاضر کو حاضر فرض کرکے خطاب کیا جاتا ہے، تو یہ صورت فی ذاتہ بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک جائز ہے۔ (شرح الفقہ الأکبر:ص/ ۱۸۵)

مسئلہ (۳۶): ''یارسول اللہ'' اور ''صلی اللہ علیک یارسول اللہ'' کہنا اگر اس عقیدے سے ہو کہ آپ ﷺ کو علم غیب ہے، آپ دور سے سنتے ہیں، یا آپ حاضر وناظر ہیں، تو یہ شرک اور کفر ہے، اور اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو کفر نہیں ہے، البتہ مشابہ کفر ہے، اس لیے احتراز کرنا چاہیے، اور اگر ''یارسول اللہ'' درود شریف کے ضمن میں کہتا ہے، اس عقیدے سے کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ کی خدمت میں پہنچادیں گے تو جائز ہے، اور اگر روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر ''یارسول اللہ'' کہتا ہے، تو یہ بھی جائز ہے، اس لیے کہ وہاں آپ خود سنتے ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح:ص/ ۸۶)

مسئلہ (۳۷): اگر کوئی شخص شانِ اقدس ﷺ میں (العیاذ باللہ) گالی بکے، یا آپ ﷺ کی شان میں (نعوذ باللہ) گستاخانہ

کلمات کہے مثلاً یہ کہے کہ آپ شہوت پرست تھے وغیرہ، تو شرعاً ایسا شخص مرتد اور خارج از اسلام ہے، اس کو توبہ، تجدید ایمان اور تجدیدِ نکاح لازم ہے اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے۔ (مصنف عبدالرزاق:۵/۳۰۷)

مسئلہ (۳۸): بعض لوگ ۱۲/ربیع الاول کو خوشیاں مناتے ہیں، مدرسوں میں چھٹیاں رکھتے ہیں، صدقہ خیرات کرنے کو لازم سمجھتے ہیں، جب کہ اس دن آپ ﷺ کی ولادت نہیں ہوئی، آپ ﷺ کی تاریخ پیدائش صحیح قول کے مطابق ۹/ربیع الاول ہے، اسی طرح کسی خاص دن صدقہ وخیرات کو لازم سمجھنا بدعت ہے، البتہ اس دن نیک اعمال کی کثرت رکھی جائے۔
(الرحیق المختوم:ص/۶۲، السیرۃ النبویۃ:ص/۱۰۹، رحمۃ للعالمین:ص/۳۴)

مسئلہ (۳۹): حضور ﷺ کی عمر مبارک جمہور کے قول کے مطابق تریسٹھ ''۶۳'' سال ہوئی، حجۃ الوداع سے اکیاسی ''۸۱'' دن کے بعد آپ ﷺ کی وفات ہوئی، اور حجۃ الوداع سن دس ہجری میں ہوا۔ (فتح الباری:۷/۸۱۸)

مسئلہ (۴۰): حضور ﷺ کے والدین کا اللہ کے حکم سے زندہ ہونا، اور کلمۂ توحید کا پڑھنا، صحاحِ ستہ؛ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابی داوٗد، سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں تو موجود نہیں ہے، البتہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی روایت نقل کی ہے، اس لیے اس پر تشدد نہ کیا جائے، بلکہ سکوت اور خاموشی اختیار کرنا ہی بہتر ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ:۵/۱۰۹،۱۱۰)

مسئلہ (۴۱): نبی کریم ﷺ قیامت تک کے انسانوں اور جناتوں کے لیے نبی بنا کر مبعوث کیے گئے، لہٰذا سب کے سب آپ ﷺ کی امت میں داخل ہیں، بس فرق اتنا ہے کہ جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائے وہ امتِ اجابت ہیں، اور جو لوگ ایمان نہیں لائے وہ امتِ دعوت ہیں۔ (سورۃ الأعراف:۱۵۸)

مسئلہ (۴۲): امام طبری نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں اتارا گیا، پھر آپ علیہ السلام حضرت حوا علیہا السلام کی تلاش میں نکلے، یہاں تک کہ دونوں اکٹھا ہوئے، جس مقام پر ملے، اس کو مزدلفہ کہا جاتا ہے، اس لیے کہ ازلاف کے معنی قریب ہونے کے ہیں، اور جس جگہ دونوں نے آپس میں ایک دوسرے کو پہچان لیا، اس مقام کو عرفات کہتے ہیں، اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آدم علیہ السلام ہندوستان میں اور حضرت حوا علیہا السلام عرب میں اتریں۔ (أطلس تاریخ الأنبیاء والرسل:ص/۲۶)

مسئلہ (۴۳): جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں، ہاں بعض اس بات کے قائل ہیں کہ وفات پا چکے ہیں، حضرت خضر علیہ السلام انسان ہیں، اور آپ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، اکابر کی اکثریت اس پر ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی نہیں، بلکہ ولی تھے۔ (فتح الباری:۶/۵۴۰)

مسئلہ (۴۴): نبی اور ولی میں فرق ہے:...... ''**نبی**'' وہ بشر ہے جس کی طرف کسی فرشتہ کے ذریعہ وحی کی گئی ہو، یا اس کے قلب میں کوئی بات ڈالی گئی ہو، یا اس کو رؤیائے صالحہ کے ذریعہ خبر دی گئی ہو، اور ''**ولی**'' وہ بندہ ہے جو اللہ کی ذات وصفات کی معرفت رکھتا ہو، طاعات پر مواظبت کرتا ہو، اور سیئات سے اپنے آپ کو بچاتا ہو، نیز لذات وشہوات اور غفلات ولہوات میں انہماک سے اعراض کرتا ہو، نیز نبوت میں اللہ تعالی کی طرف سے انتخاب ہوتا ہے، جب کہ ولایت کسبی شئ ہے، جو تقوی کی زندگی اختیار کرنے سے عطا ہوتی ہے، نیز ولی وہی شخص ہوسکتا ہے جو متبعِ شریعت ومتبعِ سنت ہو۔ (النبراس:ص/۲۹۵)

مسئلہ (۴۵): اولیاء اور انبیاء کرام کے درمیان فرق ہے، اولیاء کرام، انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی طرح معصوم نہیں ہیں، اس لیے کہ معصوم کا اطلاق انبیاء، ملائکہ اور نابالغ بچوں پر ہوتا ہے، یعنی ان سے ایسے برے فعل کا صدور جو موجب عذاب ہو، ممتنع بالغیر ہے، اسی طرح اولیاء صحابہ کرام کی طرح محفوظ بھی نہیں ہیں، اس لیے کہ صحابۂ کرام کو صحبتِ نبی ﷺ حاصل تھی، نیز زمانۂ وحی کو صحابہ نے پایا تھا، وحی کے ذریعہ اور زبان نبوت سے ان کے اقوال واعمال کی تصدیق وتائید بھی ہوتی تھی، جبکہ اولیاء ان سب باتوں سے محروم ہیں۔ (جامع الترمذي:۱/۲۶۳)

مسئلہ (۴۶): ہر ایسا خرقِ عادت فعل جس کا صدور نبی سے ہو، وہ ''معجزہ'' کہلاتا ہے، اور ہر ایسا خرقِ عادت فعل جس کا صدور ولی سے ہو، وہ ''کرامت'' کہلاتا ہے، اور اگر وہ خرقِ عادت فعل کسی فاسق وفاجر یا کافر سے ظاہر ہو، تو وہ ''استدراج'' ہے، نیز تینوں میں فرق یہ ہے کہ معجزہ دعوئ نبوت کے مطابق وقوع پذیر ہوتا ہے، اور نبی کے ساتھ مختص ہوتا ہے، جبکہ کرامت ولی کے ساتھ مختص ہے، اور اس میں دعوئ نبوت ضروری نہیں، اور استدراج صرف فاسق وفاجر یا کافر ہی کے ساتھ خاص ہے۔
(ردالمحتار:۵/۱۹۸)

مسئلہ (۴۷): انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے اجسام قبر میں محفوظ رہتے ہیں، اور بعض لوگوں نے ان حضرات کے ساتھ اور بھی حضرات کو شمار کیا ہے، جن کے اجسام قبر میں محفوظ رہتے ہیں، اور مٹی ان کو نہیں کھاتی، مثلاً ثواب کی خاطر اذان دینے والا، شہید، جس نے کبھی گناہ نہ کیا اور حاملِ قرآن وغیرہ۔ (شرح الصدور:ص/۳۰۸،۳۰۹)

مسئلہ (۴۸): جس طرح مسلمان کے لیے نبی ثابت النبوۃ کی نبوت کا انکار جائز نہیں، اسی طرح غیر ثابت النبوۃ پر ایمان اور اقرار کرنا جائز نہیں ہے، بعض انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے نام قرآن وحدیث میں موجود ہیں، لیکن کرشن جی، رام چندر، یا ان کے علاوہ کسی بھی معین شخص کی نبوت پر ایمان لانا شرعاً درست نہیں ہے، البتہ اجمالاً جس قدر انبیاء مبعوث ہوئے ان تمام پر ہمارا ایمان ہے۔ (شرح العقیدۃ الطحاویۃ:ص/۲۸۹)

مسئلہ (۴۹): سِکھ لوگ گُرونانک کو اپنا مقتدیٰ مانتے ہیں، اور اس کی تعلیمات سے توحید کو بھی ثابت کرتے ہیں، اور بھی بعض ایسی چیزیں بتلاتے ہیں جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے، بعض کتابوں میں اس کا مسلمان ہونا بھی لکھا ہے، بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ گرونانک کو کوئی کتاب ملی ہے؟ تو اُن کے اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ خدائے پاک کی طرف سے کتاب رسول کو ملتی ہے، گرونانک کا وجود ایسے وقت میں ہے کہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا تھا، لہٰذا کتاب کا سوال ہی بے محل ہے۔
(التذکرۃ للقرطبی: ص/ ۱۸۵)

مسئلہ (۵۰): اگر کوئی مسلمان جین گرو جی کو جھک کر تعظیم کرے، اور مقصود اس سے عبادت و تعظیم ہی ہو تو کافر ہو جائیگا، اور اگر بطور سلامی کے جھک کر تعظیم کرے تو کافر نہیں ہوگا، مگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ضرور ہوگا، ایسے شخص کے لیے توبہ واستغفار اور احتیاطاً تجدید نکاح ضروری ہے۔ (ردالمحتار: ۹/ ۵۵۰، ۵۵۱)

مسئلہ (۵۱): ہر مسلمان پر تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا احترام واجب ہے، کیوں کہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور معصوم بندے ہوتے ہیں، ان پر کوئی عیب لگانا یا ان کی شان میں توہین آمیز کلمات کہنا موجبِ کفر ہے، مسلمانوں کو ایسے کلمات سے اجتناب کرنا لازمی ہے۔ (فتاوی بزازیہ: ۶/ ۳۲۷)

مسئلہ (۵۲): ''یا علی مشکل کشا'' کہنا یا اس طرح کے دیگر جملے کہنا یہ شرک ہے، اور شرک حرام ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی حاجت روا و مشکل کشا ہے، اس کے علاوہ کسی اور کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا شرعاً حرام ہے۔ (سورۃ الأنعام: ۱۷)

مسئلہ (۵۳): ''یا غوث اعظم المدد'' پکارنا، یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ یہ میری مرادوں کو پوری کریں گے، یا بے اولاد کو اولاد عطا کریں گے، یہ شرک ہے، کیوں کہ شرک کی چار قسمیں ہیں، جس میں سے ایک قسم ''شرک فی الصفات'' یعنی صفاتِ باری تعالیٰ میں کسی کو شریک ماننا ہے، اور اس طرح کا عقیدہ رکھنا یہ شرک فی الصفات میں داخل ہے۔ (سورۃ المؤمن: ۶۰)

مسئلہ (۵۴): اذانِ جمعہ کے بعد '' الصلاۃ سنۃ رسولِ اللہ '' پکارنا محض بے بنیاد اور بدعت ہے، جس کا کوئی ثبوت نہیں، جب تثویب للفرض میں اختلاف ہے، حالانکہ یہ ائمہ سے ثابت بھی ہے، تو تثویب للسنۃ بر بناء عدمِ ثبوت یقیناً ناجائز ہوگی۔ (المبسوط: ۱/ ۲۷۴، باب الأذان)

مسئلہ (۵۵): ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ وہاں ذکر کرنے والوں کی ایک جماعت اس طرح ذکر کر رہی ہے کہ ایک شخص زور سے کہتا ہے: سو مرتبہ ''اللہ اکبر'' پڑھو، تو سب لوگ (آواز ملا کر) کنکریوں پر تکبیر پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ سو مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھو، تو لوگ لا الہ الا اللہ پڑھنے

لگتے ہیں، اسی طرح ''سبحان اللہ'' بھی پڑھ رہے ہیں، تو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے ان پر سخت نکیر فرمائی اور ان کے درمیان جا کر ارشاد فرمایا: ''قسم ہے اللہ کی جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، تم سب ایک اندھیری بدعت کے مرتکب ہو رہے ہو، یا پھر حضور اکرم ﷺ کے صحابہ سے بھی زیادہ فوقیت رکھنے کے مدعی ہو (یعنی جس کام کو صحابہ نے اچھا نہیں سمجھا وہ تمہارے اچھا سمجھنے سے کیسے اچھا ہوسکتا ہے؟)، نیز یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی جماعت کو مسجد سے نکلوا دیا جو سب مل کر بیک آواز کلمۂ طیبہ اور درود شریف جہراً پڑھ رہے تھے، اور پھر حضرت عبداللہ ابن مسعود نے ان لوگوں سے فرمایا: ''میں تم سب کو بدعتی سمجھتا ہوں۔'' - **بعض** لوگ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ذکر بالجہر بدعت وحرام ہے، حالاں کہ اُن کا یہ استدلال غلط ہے، کیوں کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود کے اس عمل کو نقل کر کے اس کا صحیح محمل یہ لکھا ہے کہ- ہوسکتا ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود نے اس لیے منع کیا ہو کہ اس طرح ذکر بالجہر میں کوئی مصلحت نہ ہو- ورنہ ذکر بالجہر فی نفسہ تو جائز ہے، جیسے اذان، خطبہ اور حج میں، اس لیے ذکر بالجہر کے سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ وہ بلا اختلاف جائز بلکہ مستحب ہے، کیوں کہ اس سے قلب پر ضرب لگتی ہے اور حرارت پیدا ہوتی ہے، جو راہِ سلوک میں معین ہے، البتہ کسی عارض کی وجہ سے ممنوع ہو جائے گا، مثلاً جب ذکر بالجہر سے نمازیوں یا تلاوت کرنے والوں کو اذیت ہو، یا ریا کا خوف ہو، تو ایسی حالت میں آہستہ ذکر کرنا چاہیے۔ (مصنف عبدالرزاق:۳/۲۲۱)

مسئلہ(۵۶): بہت سے عامل حضرات مریض کو طشتری یا کسی برتن پر زعفران یا روشنائی سے قرآنی آیات لکھ کر دیتے ہیں، پھر اس میں پانی ڈال کر مریض کو پینے کو کہتے ہیں، ایسا کرنا شرعاً جائز ہے بشرطیکہ اس کو مؤثرِ حقیقی نہ سمجھا جائے۔
(جامع الأحکام الفقہیۃ للقرطبی:۳/۳۵۲)

مسئلہ(۵۷): **بدعت:** جس چیز پر شریعت نے ثواب نہ بتایا ہو، اس کو ثواب سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔ **رسم:** جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو اس کو کرنا، مگر اس میں ثواب کی نیت نہ ہو۔ (عمدۃ القاری:۵/۳۳۶)

مسئلہ(۵۸): موجودہ دور میں وہ تمام اشیاء جو وجود پذیر ہو رہی ہیں، ان پر بدعت کا اطلاق نہیں ہوگا، بلکہ بدعت اُن افعال کو کہتے ہیں جن کا وجود عہدِ رسالت، یا عہد خلفائے اربعہ میں نہیں تھا، اور ان کو ثواب سمجھ کر کیا جائے۔ (عمدۃ القاری:۵/۳۳۶)

مسئلہ(۵۹): اگر کسی شخص کو کسی فعل کے متعلق سنت یا بدعت ہونے میں شک یا تردد ہو تو اس فعل کو چھوڑ دیا جائے، کیوں کہ ترکِ بدعت لازم ہے اور اداء سنت لازم نہیں۔ (ردالمحتار:۲/۳۵۳)

مسئلہ(۶۰): کسی بھی بدعتی کی تعظیم کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، بدعتی وہ شخص ہے جس کا عقیدہ اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کے خلاف ہو۔ (مشکوۃ المصابیح:ص/۳۱)

مسئلہ (۶۱): ماہِ محرم میں تعزیہ مع علم کے نکالنا اور اس کے ساتھ مرثیہ پڑھنا، نیز جلوس کے ساتھ شریک ہونا اور نذرِ حسین کی سبیل نکالنا، اس کا پینا اور پلانا اور اس کو کارِ ثواب سمجھنا یہ جملہ امور بدعت و ناجائز اور روافض کا شعار ہیں، البتہ ایصالِ ثواب بلا تقییداتِ مخترعہ کے درست ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۳۷۱)

مسئلہ (۶۲): ہمارے عرف و سماج میں شادی سے پہلے اور شادی کے بعد، جہاں بہت ساری غیر شرعی رسومات نے جگہ لی ہے، ان ہی میں سے ایک رسم یہ بھی ہے کہ بعض لوگ شبِ برأت اور محرم کے موقع پر بیوی کو اس کے باپ کے گھر بھیج دیتے ہیں، اور وہ اپنے والدین کے یہاں آکر یہ کہتی ہے کہ میں ''محرم کا چاند دیکھنے آئی ہوں'' یا ''شبِ برأت منانے آئی ہوں''، دراصل ان دونوں رسموں کے پیچھے بھی وہی خیالِ جاہلیت کارفرما ہے کہ محرم اور شبِ برأت منحوس و نامبارک ہیں، ان دونوں زمانوں میں لڑکی کو اس کے شوہر کے گھر نہیں، بلکہ باپ کے گھر ہونا چاہیے، یہ دونوں رسمیں غلط ہیں، کیوں کہ کوئی مہینہ اور کوئی گھڑی منحوس و نامبارک نہیں، مبارک گھڑی وہ ہے جس میں انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالائے، اور نامبارک وہ ہے جس میں وہ اس کی نافرمانی کرے، البتہ اگر ان دونوں موقعوں پر لڑکی کو اس کے میکے بھیجنے میں یہ خیالِ جاہلیت کارفرما نہ ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (سورۃ التوبۃ:۵۱)

مسئلہ (۶۳): واقعۂ شہادتِ حسین یقیناً مسلمانوں کے لیے ایک روح فرسا مقام ہے، لیکن اس موقع پر بجائے اس کے کہ شرعی استرجاع کیا جائے، ماتم وغیرہ کرنا بدعت و شعارِ روافض ہے، اور اس کی دین میں کوئی اصل بھی نہیں ہے، لہٰذا اس سے اجتناب لازم ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم:ص/۳۰۰)

مسئلہ (۶۴): دس محرم، دیگر مہینوں کی دس تاریخ کی طرح ہے، بلا کسی تردد کے اس میں شادی بیاہ وغیرہ کا کرنا جائز ہے، کیوں کہ کسی دلیلِ شرعی سے اس کی حرمت و ممانعت ثابت نہیں ہے۔ (صحیح البخاري:۲/۸۵۷)

مسئلہ (۶۵): نویں اور دسویں محرم کے روزے کی سنیت پر فقہاء کرام کا اتفاق ہے، اس کے علاوہ کوئی خاص عبادت کتاب و سنت سے ثابت نہیں ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ:۲۸/۸۹)

مسئلہ (۶۶): اگر دس محرم کو مدارسِ دینیہ میں تعلیمی چھٹی رکھنے اور مجلسِ وعظ و بیان منعقد کرنے کو ضروری سمجھا جائے، یعنی اگر کوئی وعظ میں شریک نہ ہو تو اس کو ملامت کیا جائے، اور وعظ کہنے سننے کے ثواب کو اسی دن کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے، تو یہ بدعت ہے، اور یہی حکم عام لوگوں کے کاروبار بند رکھنے اور اجلاسِ عام منعقد کرنے کا ہے، جبکہ اس میں وہی علت پائی جائے جو اوپر ذکر کی گئی، ورنہ بذاتِ خود وعظ و بیان مباح ہے، بلکہ مومن کے لیے نفع بخش ہے۔ (صحیح البخاري:۱/۳۷۱)

مسئلہ (۶۷): بعض لوگ دس محرم کو لوگوں کو شربت پلاتے ہیں، یہ عمل اپنی ذات میں مباح تھا، کیوں کہ جب پانی پلانے میں ثواب ہے تو شربت پلانے میں کیوں نہیں، مگر آج کل لوگ اس عمل کو بطور رسم کرتے ہیں، نیز اس میں اہل رفض کے ساتھ تشبہ بھی ہے۔اسی طرح اس عمل میں ایک خرابی یہ بھی پوشیدہ ہے کہ شربت اس لیے پلایا جاتا ہے کہ حضراتِ شہدائے کربلا پیاسے شہید ہوئے تھے،اور شربت پیاس بجھانے والا ہے،اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس رسم کی پابندی کرنے والوں کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ شربت ان شہداء کو پہنچتا ہے، جبکہ یہ شربت وہاں نہیں پہنچتا، اور نہ ہی ان کو اس شربت کی ضرورت ہے، اللہ پاک نے ان کیلئے جنت میں اعلیٰ نعمتیں عطا کر رکھی ہیں، جن کے مقابلے میں یہاں کا شربت کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اس لیے شربت پلانے کی اس رسم سے احتیاط لازم ہے، تاکہ اس عقیدہ کی اصلاح ہو جائے۔ (صحیح البخاری:۱/۲۹)

مسئلہ (۶۸): بعض لوگ ماہِ صفر کو منحوس سمجھتے ہیں اس لئے نہ تو اس میں شادیاں رچاتے ہیں اور نہ کوئی تعمیری کام کرتے ہیں، نہ کسی امرِ عظیم کا افتتاح کرتے ہیں، نہ اس کے لئے کوئی پلان ومنصوبہ بناتے ہیں۔دوسری جانب بعض لوگ ماہِ صفر کے آخری بدھ کو مبارک ومسعود خیال کرتے ہیں، عمدہ کھانا پکاتے ہیں، شہر سے باہر پکنک کے لئے نکلتے ہیں، اس دن کو خوشی ومسرت کا دن سمجھتے ہیں، جبکہ یہ دونوں باتیں عقائدِ اسلام اور تاریخِ اسلام کے سراسر منافی ومخالف ہیں، کیونکہ عقائدِ اسلام میں کسی یوم وماہ (دن اور مہینہ) کو منحوس سمجھنے کی گنجائش نہیں ہے اور نہ تاریخِ اسلام سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ماہِ صفر کے آخری بدھ کو غسلِ صحت فرمایا، کیونکہ صفر کے آخر میں تو آپ کا مرض شروع ہوا، پہلے بخار ہوا، سر میں درد ہوا پھر تکلیف بڑھتی گئی اور ۱۲/ ربیع الاول کو آپ کا وصال ہوا۔اگر آخری بدھ کے دن منعقد کی جانے والی تقریبات میں ثواب کا اعتقاد رکھا جائے تو یہ بدعت ہے، لہٰذا اس طرح کے عقیدے اور رسومات سے کلی اجتناب برتا جائے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۵۷)

مسئلہ (۶۹): اسلامی سال کا دوسرا مہینہ صفر کا مہینہ ہے، اس کے آغاز سے عرب بدفالی لیتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ مہینہ منحوس ہے، اس مہینہ میں کوئی خیر نہیں ہے، حالانکہ آپ ﷺ نے اپنے ارشاد میں اس باطل عقیدہ کی تردید بھی فرمائی ہے، کہ یہ محض ایک شیطانی وسوسہ ہے، مگر آج بھی بہت سے لوگ اس جاہلانہ عقیدہ کی وجہ سے ماہِ صفر میں شادی بیاہ، اچھے اور بڑے کام کرنے کو معیوب اور بربادی سمجھتے ہیں، بعض لوگ تو اپنے اس غلط عقیدہ کی دلیل میں یہ موضوع حدیث بھی پیش کرتے ہیں: ''من بشّرني بخروج صفر بشّرتُه بالجنّة'' - ''جو شخص مجھے صفر کے گزر جانے کی خوشخبری دے گا میں اسے جنت کی خوشخبری دیتا ہوں''-جب کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو موضوع وبے اصل قرار دیا ہے، اس لیے ہمیں اس طرح کے عقیدے سے بچنا واجب ہے۔ (روح المعانی:۶/۱۶۶)

مسئلہ (۷۰): برادرانِ وطن اور مشرکانہ ماحول سے متأثر ہونے کی وجہ سے آج کل بہت سے مسلم گھرانوں میں بھی توہمات نے جڑ پکڑ رکھی ہے کہ کھڑا ہو کر کنگھی کی جائے تو تہمت لگے گی، چھپکلی گھر میں آئے تو ایمان کمزور ہوگا، دودھ اُبل جائے تو نقصان ہوگا، تیل گرے تو فائدہ ہوگا، ٹوٹا ہوا آئینہ نہیں دیکھنا چاہیے، جھاڑ و کھڑی رکھنے میں گھر میں جھگڑے ہوں گے، جامن کا درخت گھر میں ہو تو غربت آئے گی وغیرہ وغیرہ، شرعاً ان کی کوئی اصل نہیں ہے، کیوں کہ ہم مسلمان ہیں، اور ہمارا عقیدہ ہے کہ نافع اور ضار صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے، اس کی ذات کے سوا نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع، اگر شریعت نے کسی عمل کا کوئی نفع یا نقصان بتلایا ہے، تو اس کے پیچھے بھی اللہ کا حکم ہی کار فرما ہے۔ (روح المعانی:۶/۱۶۶)

مسئلہ (۷۱): ۲۲/رجب کو بعض جگہ کونڈہ کرنے کا رواج ہے، جب کہ کونڈوں کی مروجہ رسم اہلِ سنت والجماعت کے مذہب میں محض بے اصل، خلافِ شرع اور بدعتِ ممنوعہ ہے، کیوں کہ ۲۲/رجب نہ حضرت امام جعفر صادق کی تاریخ پیدائش ہے اور نہ تاریخ وفات، حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی ولادت ۸/رمضان ۸۰ھ یا ۸۳ھ میں ہوئی، اور وفات ماہِ شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی، البتہ ۲۲/رجب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محض پردہ پوشی کے لیے اس رسم کو حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، ورنہ درحقیقت یہ تقریب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔ جس وقت یہ رسم ایجاد ہوئی، اہلِ سنت والجماعت کا غلبہ تھا، اس لیے یہ اہتمام کیا گیا کہ شیرینی علانیہ تقسیم نہ کی جائے تاکہ راز فاش نہ ہو، بلکہ دشمنانِ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے یہاں جا کر اُسی جگہ یہ شیرینی کھالیں جہاں اس کو رکھا گیا ہے، اور اس طرح اپنی خوشی و مسرت ایک دوسرے پر ظاہر کریں، جب اس کا چرچا ہوا، تو اس کو حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر کے یہ تہمت اُن پر لگائی کہ انہوں نے خود اس تاریخ میں اپنی فاتحہ کا حکم دیا ہے، حالانکہ یہ سب من گھڑت ہے۔ (ماخوذ از دین اسلام ویب سائٹ)

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہرگز ایسی رسم نہ کریں، بلکہ دوسروں کو بھی اس کی حقیقت سے آگاہ کر کے اس سے بچانے کی کوشش کریں۔ (اکمال تہذیب الکمال:۳۰/۲۲،۲۳، تہذیب الکمال:۹/۲۰۴)

مسئلہ (۷۲): گیارہویں منانا، اس میں کھانا پکانا و کھلانا اور بے جا اسراف کرنا، اور مبتدعین کو دعوت میں مدعو کرنا، نہ تو حضور ﷺ سے ثابت ہے، اور نہ ہی صحابہ، تابعین، ائمۂ مجتہدین و محدثین سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے، لہٰذا گیارہویں کا منانا اور اس میں ان تمام امور کا انجام دینا بدعت ہے، اور بدعت کا ارتکاب جائز نہیں ہے۔ (شعب الإیمان للبیہقی:۷/۶۱)

مسئلہ (۷۳): ۱۲/ربیع الاول یا کسی بزرگ کی تاریخ وفات پر عرس لگتا ہے، جس میں ڈھول باجوں کے ساتھ قوالیاں

ہوتی ہیں، شرعاً عرس وقوالی ہر دو ناجائز اور ممنوع ہیں، شریعتِ مطہرہ میں اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ یہ بہت سے مفاسد و برائیوں پر مشتمل ہیں، جن میں سے ایک میوزک کے ساتھ قوالی کی محفل ہے، جس کے ناجائز ہونے پر دلائلِ فقہیہ دال ہیں۔
(الدر المنتقی فی شرح الملتقی: ۴/۲۱۹)

مسئلہ (۷۴): سیرت النبی ﷺ کے عنوان پر جلسے جلوس کرنا شرعاً جائز ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت وحالات پر مسلمانوں کو مطلع کرنا، جس کے ذریعہ زندگی مطابقِ سنت ہو اور دین کی پابندی کا شوق پیدا ہو، اسلام کا ایک اہم ترین فریضہ وموجبِ اجر وثواب ہے، بشرطیکہ اس میں التزام مالا یلزم اور کوئی عمل خلافِ شرع نہ ہو، مثلاً زمان ومکان کی تخصیص کرنا، اور یہ خیال رکھنا کہ آپ ﷺ محفل میں تشریف لاتے ہیں، اس لیے آپ کی تعظیم میں قیام کرنا وغیرہ، کیوں کہ یہ بدعت اور نصِ صریح کے خلاف ہے۔ (صحیح مسلم: ۱/۳۶۱)

مسئلہ (۷۵): ربیع الاول کے مہینے میں گاؤں اور شہروں میں سیرت النبی ﷺ کے جلسوں کا انعقاد کیا جاتا ہے، اسی طرح بسا اوقات محفل قرأت یا مظاہرۂ قرأت کے پروگرام ترتیب دیئے جاتے ہیں، اگر جلسوں اور محفلوں کا مقصد آپ ﷺ کی سیرت سے لوگوں کو واقف کرانا اور اتباعِ سیرت کی دعوت دینا، اور قرآن کریم کو صحیح پڑھنے کی رغبت وشوق دلانا، اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہو، تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں بلکہ یہ عمل مفید ہی مفید ہے، لیکن ان جلسوں اور محفلوں میں ایسا فل ساؤنڈ لاؤڈ اسپیکر چلانا کہ اس کی وجہ سے آس پاس کے رہنے والوں، مریضوں اور بیماروں کا آرام کرنا محال ہو جائے، اور جو لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہیں وہ قرآن کریم نہ سننے کے گناہ کے مرتکب ہوں، شرعاً درست نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: ۱/۶)

مسئلہ (۷۶): اگر کوئی شخص اس بات کی نذر مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا، تو میں مسجد میں میلاد شریف پڑھواؤں گا، تو اس کی نذر منعقد نہیں ہوگی، اور نہ اس کا ایفا واجب ہے، کیوں کہ بطریقِ مروّجہ مجلسِ میلاد منعقد کرنا شرعاً بے اصل، بدعت اور ناجائز ہے، اور نذر کے منعقد ہونے کے لیے منذور بہ کا قربتِ مقصودہ ہونا ضروری ہے، جب کہ مجلسِ میلاد قربتِ مقصودہ نہیں، اس لیے یہ نذر منعقد نہیں ہوگی، اور اس طرح کی نذر سے احتراز لازم ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۱/۴۹۷)

مسئلہ (۷۷): ہر نماز کے بعد مسجد نبوی ﷺ کے نقشے کی جانب رخ کر کے ہاتھ باندھ کر درود شریف پڑھنا کسی دلیلِ شرعی سے ثابت نہیں ہے، البتہ نماز سے پہلے یا بعد میں جب دل چاہے، جس قدر بھی توفیق ہو، بڑے ادب واحترام کے ساتھ بیٹھ کر درود شریف پڑھنا بہت بڑی سعادت ہے، درود شریف کی حدیث پاک میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ (صحیح البخاری: ص/۱۱۳۵)

مسئلہ (۷۸): فرض نمازوں کے بعد بالالتزام ﴿إن الله وملائكته يصلون على النبي﴾ اور درود شریف پڑھنا، خواہ جہراً ہو یا سراً، خلافِ شرع اور بدعت ہے، کیوں کہ یہ طریقہ قرونِ مشہود لہا بالخیر اور ایمۂ اربعہ میں سے کسی سے ثابت نہیں۔
(شرح الطیبی: ۱/۲۲۳، مشکوٰۃ المصابیح: ص/۳۰)

مسئلہ (۷۹): بعض لوگ وہ حدیث، جس میں آپ ﷺ کا دو قبروں پر ہری ٹہنیاں رکھنے کا تذکرہ ہے، کو دلیل بنا کر، تخفیفِ عذاب کے لیے قبر پر پھول دار چادر ڈالتے ہیں، جب کہ حضور اکرم ﷺ نے دو قبروں پر کھجور کی شاخ کے دو ٹکڑے رکھ کر فرمایا کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں گے عذاب میں تخفیف رہے گی، یہ آپ ﷺ کے دستِ اقدس کی برکت تھی، عذاب کا ہونا یقینی طور پر وحی کے ذریعہ معلوم تھا، آپ ﷺ نے تخفیفِ عذاب کے لیے دعا بھی فرمائی تھی، ان چیزوں کا حصول ہمارے لئے ممکن نہیں، لہٰذا یہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھا، ورنہ اگر عام ہوتا، تو صحابہ اور تابعین ضرور اس کا اہتمام فرماتے، لیکن کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا، معلوم ہوا کہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قبروں پر پھول ڈالنا شرعاً ناجائز اور بدعت ہے۔ (أبوداود: ص/۴)

مسئلہ (۸۰): مزاروں پر چڑھاوے چڑھانا اور منتیں مانگنا بدعت و حرام ہے، لہٰذا اس سے کلی اجتناب ضروری ہے۔
(سنن أبي داود: ص/۴۶۷)

مسئلہ (۸۱): اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرنے اور اپنی حاجت طلب کرنے میں کسی نبی یا ولی کو بطورِ وسیلہ کے ذکر کرنا اور یوں کہنا کہ اے اللہ بوسیلۂ فلاں نبی، یا بوسیلۂ فلاں ولی میرے حال پر رحم فرما، اور میری حاجت پوری کر، یہ جائز اور مسنون ہے اور اجابتِ دعا میں نہایت مؤثر ہے۔ (صحیح البخاري: ۲/۴۸۳، رقم الحدیث: ۵۹۷۴)

مسئلہ (۸۲): اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول و برگزیدہ بندوں پر بے شمار رحمت کی بارش ہوتی ہے، ان کی قبر کے قریب پہنچ کر بے مثال سکون نصیب ہوتا ہے، اور ان کی قبر کے پاس اور ان کے وسیلہ سے دعا- خدائے پاک سے مانگی جائے، تو جلد قبول ہوتی ہے، نیز ان کی برکت سے اللہ پاک مصائب دور فرماتے ہیں، لیکن براہِ راست صاحبِ قبر بزرگ کو خطاب کر کے ان سے مانگنا، اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہے۔ (صحیح البخاري: ۲/۱۰۹۷)

فائدہ:- جو بات جس قدر ثابت ہے اس کو تسلیم کیا جائے، اور جو ثابت نہ ہو اس سے پرہیز کیا جائے۔

مسئلہ (۸۳): بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد روحیں دوبارہ دنیا میں اپنے گھروں کو واپس آتی ہیں، ان کا یہ عقیدہ سراسر غلطی پر مبنی ہے، کیوں کہ مرنے کے بعد مردوں کی ارواح کا مکان پر آنا نہ تو قرآنِ کریم کی کسی آیت سے ثابت ہے اور نہ تو کسی صریح حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے، البتہ مرنے کے بعد ارواح کا مستقر قرآن وحدیث میں بیان کیا گیا ہے،

چنانچہ اس سلسلے میں اصولی جواب تو وہی ہے جو حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ نے دیا ہے، آپ ''اشرف الجواب'' میں رقمطراز ہیں: ''اگر مردہ منعم علیہ ہے تو اسے دنیا میں آ کر لپٹے پھرنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر معذب ہے تو فرشتگانِ عذاب کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔'' ...... نیز دوسرا عقیدہ یہ رکھتے ہیں کہ انبیاء اور اولیاء اپنے جسموں کو جہاں منتقل کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، یہ عقیدہ بھی سراسر غلط ہے، کیوں کہ جس طرح روح اپنے تصرفات کیلئے جسم کی محتاج ہوتی ہے اسی طرح جسم بھی بغیر روح کے تصرف نہیں کر سکتا، اور ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد جسم کے تصرفات ختم کر دیئے جاتے ہیں، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت ہو جائے تو اس کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ (سنن نسائی: ۱/۲۲۵)

مسئلہ (۸۴): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی مر جاتا ہے، اور اسے دفن کر دیا جاتا ہے، تو اس کی قبر سے روح اور ہڈیاں نکل کر ادھر ادھر گھومتی پھرتی ہیں، یہ محض ایک جاہلانہ توہم ہے، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ''اگر روح منعَّم علیہ ہے یعنی اس پر اللہ کا انعام ہے، تو اسے یہاں آ کر لپٹنے پھرنے کی کیا ضرورت ہے، اور اگر معذَّب ہے یعنی گرفتارِ عذاب ہے، تو فرشتگانِ عذاب کیوں کر چھوڑ سکتے ہیں۔'' (اشرف الجواب: ۱/۱۶۳)

اسی طرح بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں، کہ جس گھر پر الو بیٹھ کر بول دے، اس میں موت یا کوئی بڑا حادثہ ضرور ہوگا، یہ خیال بھی جاہلانہ توہمات میں سے ہے، اس لیے اس طرح کے عقائد سے بچنا لازم وضروری ہے۔ (تفسیر المظہری: ۱۰/۱۹۶)

مسئلہ (۸۵): جمہور علماء کا مذہب ہے کہ بزرگوں کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنا جائز ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۲۴/۸۹)

مسئلہ (۸۶): عرصۂ دراز سے عام لوگوں میں وقتاً فوقتاً ایک پمفلٹ (Pamphlet) اس مضمون کا تقسیم کیا جاتا ہے کہ مدینہ شریف سے شیخ احمد نے وصیت نامہ بھیجا ہے کہ میں اپنے مکان میں قرآن شریف پڑھ رہا تھا، اچانک مجھے نیند آ گئی، اور میں دیکھتا ہوں کہ محمد ﷺ تشریف لائے، اور فرمایا اس ہفتے اتنے ہزار آدمی مر گئے جس میں کوئی ایمان والا نہیں تھا، اور بہت برا وقت آنے والا ہے وغیرہ، اور جو شخص اس وصیت نامہ کو پڑھ کر اس کی نقل دوسروں تک پہنچائیگا، تو قیامت کے دن میں اس کی حفاظت کروں گا، جو غریب چھپوا کر تقسیم کرے گا وہ مالدار ہو جائیگا، ایک آدمی نے اسے جھوٹا سمجھا تو اس کا انتقال ہو گیا، ایک شخص نے چھپوانے میں لاپرواہی کی تو اس کی بیوی مر گئی، اور پانچ لوگوں نے مل کر ۱۵۰ر پرچے بانٹے تو ان کو پانچ لاکھ کی لاٹری لگ گئی وغیرہ۔ **حضرت** مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا وصیت نامہ بہت دفع شائع ہو چکا ہے، ہمیشہ اسی نام ولقب سے شائع ہوتا ہے، اول تو تعجب یہ ہے کہ ایک شخص اتنی بڑی عمر پائے، دوسرے یہ تعجب ہے کہ ایک شخص کے سوا اور کسی خادم کو یا اور ملکوں کے بزرگوں اور ولیوں کو یہ دولتِ زیارت اور ہم کلامی نصیب نہ ہو، تیسرے یہ کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو خود مدینہ میں

اس کی زیادہ شہرت ہونی چاہیے تھی، حالانکہ وہاں آنے جانے والوں یا خطوط سے ان امور کا نام ونشان بھی معلوم نہیں ہوتا، پھر محض اس طرح بلا سند کوئی مضمون قابل اعتبار نہیں ہوسکتا، ورنہ جو جس کے دل میں آوے مشہور کردیا کرے، شرع میں حکم یہ ہے کہ جو بات ہو خوب تحقیق کے بعد اس کو معتبر سمجھو۔ **علاوہ** اس کے اس میں بعض مضامین ایسے ہیں جو شرع وعقل کے خلاف ہیں، مثلاً:

۱- اتنے ہزار مسلمان کلمہ گو مرے، اوران میں صرف سترہ آدمی مسلمان ہوں، اول تو خدا کی رحمت غالب ہے اس کے غضب پر، دوسرے ہم خود دیکھتے ہیں کہ زیادہ مسلمان توبہ کرکے، کلمہ پڑھتے ہوئے مرتے ہیں، جو علامت خاتمہ بالخیر کی ہے، پھر اس مضمون کی گنجائش کہاں۔

۲- اس پرچے کو چھپوا کر تقسیم کرنے پر غنیٰ ومالداری کا حاصل ہونا، اوراس کو جھوٹا سمجھنے پر کسی کی موت واقع ہونا، یہ بھی خلاف عقیدہ بات ہے، کیوں کہ امیری وغریبی موت وحیات ذاتِ باری تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔

۳- اس پرچے کو چھپوا کر تقسیم کرنے سے لاٹری کا لگ جانا، اور جن لوگوں کی لاٹری لگ گئی ان میں سے ایک کا مسجد بنانے کی بات سوچنا، دونوں خلافِ شرع ہیں، کیوں کہ لاٹری شرعاً قمار وجوا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اسی طرح حرام مال سے اللہ کے گھر کی تعمیر بھی حرام ہے۔ **لہٰذا** اس طرح کے پمفلٹ کے مضامین پر اعتماد واعتقاد نہ رکھا جائے، اور نہ ان کو شائع کیا جائے، اس لیے کہ مومن کامل کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ نفع ونقصان، خیر وشر، امیری وغریبی، خوشی وغمی جیسے تمام امور ذاتِ باری تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ (عقیدۃ الطحاوی: ص/ ۹۵، امداد الفتاوی: ۴/ ۵۵۵)

مسئلہ (۸۷): بعض علاقوں میں کسی کے انتقال کرجانے پر اس کے گھر والے ایک لاکھ مرتبہ کلمۂ طیبہ کا ختم کرا کے ایصالِ ثواب کرتے ہیں، اور کلمۂ طیبہ پڑھنے والوں کو ختم کے بعد کھانا کھلاتے ہیں، کلمۂ طیبہ وغیرہ پڑھ کر میت کو ثواب پہنچانا یقیناً مفید اور باعث خیر ہے، لیکن ختم کے بعد کھانا کھلانا یہ اجرت کے مشابہ ہے، نیز میت کے ورثاء میں بعض دفعہ چھوٹے نابالغ بچے بھی ہوتے ہیں، تو ان کے مال میں تصرف کرنا اوران کے حصے سے صدقہ دینا بھی جائز نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ایصالِ ثواب کیلئے جو کھانا کھلایا جاتا ہے، اس کے مستحق غرباء ہیں، مالدار نہیں، جب کہ ختم کے بعد جو کھانا کھلایا جاتا ہے اس میں غریب وغنی سب ہوتے ہیں، اوراس میں شہرت ونا موری کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے، جیسا کہ دیگر تقریبات کا حال ہے، اس لیے اس طریقہ پر ایصال ثواب سے اجتناب ضروری ہے، البتہ انفرادی طور پر قرآن کریم، کلمۂ طیبہ وغیرہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی: ص/ ۶۲۱، ۶۲۲)

مسئلہ (۸۸): اگر کوئی شخص قرآنِ کریم مثلاً سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب تمام مسلم مرحومین کو پہنچائے، تو یہ ثواب ان کے درمیان تقسیم نہیں ہوگا، بلکہ تمام مرحومین کو پورا پورا ثواب پہنچے گا، اور پڑھنے والے کے ثواب میں بھی کمی نہیں آئے گی، اور یہی اللہ رب العزت کے فضل وکرم کے شایانِ شان بھی ہے۔ (کتاب شرح الصدور للسیوطی: ص/۲۹۶)

مسئلہ (۸۹): اگر کوئی شخص قرآن کریم مثلاً سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب تمام مسلم مرحومین کو پہنچائے تو یہ ثواب تمام مرحومین کو پورا پورا پہنچے گا، اور پڑھنے والے کے ثواب میں کمی نہیں آئے گی، اور یہی اللہ رب العزت کے فضل وکرم کے شایانِ شان بھی ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۹/ ۲۰۶، فتاوی رحیمیہ: ۷/ ۹۸)

مسئلہ (۹۰): ایصالِ ثواب پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ قرأۃ قرآن طاعت کے قبیل سے ہے، اور طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، اور اس صورت میں میت وقاری دونوں کو ثواب نہیں ملے گا۔ (المبسوط: ۱۶/ ۴۰)

مسئلہ (۹۱): مروجہ رسمِ قرآن خوانی اسلاف سے ثابت نہیں، البتہ ایصالِ ثواب احادیث سے ثابت ہے، مگر اس کے لیے مجلس کا اہتمام پھر شیرینی تقسیم کرنا یہ سب کسی آیتِ قرآنی، یا حدیثِ نبوی ﷺ، یا فعلِ صحابہ وغیرہ سے ثابت نہیں۔
(رد المحتار: ۹/ ۷۷)

مسئلہ (۹۲): مروجہ قرآن خوانی یعنی کسی میت کے گھر سوئم، چہلم اور برسی وغیرہ پر قرآن خوانی کی جاتی ہے، اور لوگ دور دور سے صرف قرآن خوانی کے لیے سفر کر کے آتے ہیں، ایسی مجلسوں میں شریک ہونا بدعت اور ناجائز ہے، کیوں کہ قرآن وحدیث اور قرونِ مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اس میں شریک ہونا، ناجائز اور گناہ ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی قرآن خوانی اور رسمی تقریبات کے متعلق ''معراج الدرایۃ'' سے نقل فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''قرآن کی تلاوت پر اجرت لینے والا مستحقِ ثواب نہیں ہوتا، نہ میت کو اس کا ثواب ملتا ہے اور نہ خود پڑھنے والے کو، دنیا کمانے کی خاطر قرآن پڑھنے سے باز رہنا چاہیے، ورنہ اجرت دینے والا اور لینے والا دونوں گنہگار ہوں گے۔ **ہمارے** زمانے میں قرآن خوانی کا جو عام رواج چل پڑا ہے، وہ جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس صورت میں قاری کو تلاوت کا حکم دیا جاتا ہے، ثواب آمر لیتا ہے، اور قاری مال حاصل کرنے کے لیے تلاوت کرتا ہے، تو جب خود قاری کو فسادِ نیت کے سبب کوئی ثواب حاصل نہیں ہوا، تو مستاجر کو کہاں سے حاصل ہوگا (کہ وہ میت کو اس کا ثواب پہنچائے) لہٰذا میت کو ثواب پہنچانے کے لیے قرآن پڑھنا اور اس پر اجرت دینا دونوں ناجائز ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضراتِ ائمہ میں سے کسی نے بھی اس کی اجازت نہیں دی ہے۔''

خلاصۂ کلام یہ کہ سوئم، چہلم، اجتماعی قرآن خوانی اور اس پر اجرت لینا، مٹھائی تقسیم کرنا، اہلِ میت کا کھانا کھلانا، قرآن

پڑھنے والوں کو رقم، شیرینی وغیرہ دینا، یہ تمام امور بدعت اور خرافات کے قبیل سے ہیں، جو واجب الترک ہیں۔ (ردالمحتار:۹/۶۶)

مسئلہ (۹۳): مروجہ قرآن خوانی محض ایک رسم بن چکی ہے، اس میں تلاوتِ قرآن پر اجرت لینا و دینا، خواہ اجرت طے کی جائے یا مشہور و معروف ہونے کی وجہ سے دل ہی میں مخفی رکھی جائے، خواہ روپے کی شکل میں ہو یا شیرینی، کپڑا، غلہ، کھانا وغیرہ کی شکل میں ہو، بہر صورت مکروہِ تحریمی ہے۔ (السعایۃ:ص/۲۶۵)

مسئلہ (۹۴): بعض مدارس میں ختمِ خواجگان اجتماعی طور پر پڑھا جاتا ہے، اس کے بعد اجتماعی دعا ہوتی ہے، یہ امر خلافِ شرع اور مکروہ نہیں ہے، کیوں کہ ختم خواجگان حصولِ برکت کیلئے پڑھا جاتا ہے، مشائخ کا مجرب عمل ہے، کہ اس کی برکت سے دعا قبول ہوتی ہے، لہٰذا یہ امرِ مباح ہے، اور امرِ مباح پر محض مداومت سے وہ قبیح و مکروہ نہیں ہوتا، بلکہ اس پر اصرار سے وہ مکروہ ہوتا ہے، اور اصرار یہ ہے کہ کسی عمل کو ہمیشہ کیا جائے، اور نہ کرنے والے کو گنہگار سمجھا جائے، اس کی تحقیر و تذلیل کی جائے۔
(مرقاۃ المفاتیح:۳/۲۶)

مسئلہ (۹۵): جو شخص سلفِ صالحین مثلاً حضراتِ صحابہ، ائمۂ اربعہ اور امت کے دیگر اکابرین کو برا بھلا کہتا ہے، وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے اس کو قیامت کی علامت قرار دیا ہے کہ اس امت کے پچھلے لوگ سلف کو لعن طعن کرنے لگیں گے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسا کرنا فسق و فجور ہے، اگر اسلامی حکومت نافذ ہوتی، تو ایسے شخص پر تعزیر کی جاتی، تاہم ایسے شخص کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے، اگر نا قابلِ اصلاح ہو تو اس سے قطع تعلق رکھا جائے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۹۳)

مسئلہ (۹۶): آج کل بہت سے مسلم نوجوان اپنی کلائی پر کالا دھاگا یا زنجیر یا کڑا باندھتے اور پہنتے ہیں، اگر ان چیزوں کا پہننا یا باندھنا کسی غلط عقیدہ پر مبنی ہے، یعنی ان سے فائدہ پہنچتا ہے، تو یہ حرام ہے، اور اگر محض زینت کے طور پر ہے تو یہ مکروہِ تحریمی ہے۔ (ردالمحتار:۹/۵۲۳)

مسئلہ (۹۷): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہاتھ میں جتنی لکیریں ہوتی ہیں، اتنی ہی پریشانیاں ہوں گی، اور اگر یہ لکیریں کم ہوں تو پریشانیاں بھی کم ہوتی ہیں، اسی طرح بعض لوگ ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ کر قسمت کا حال بتاتے ہیں، شرعاً یہ غلط اور بے بنیاد ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی تقدیر لکھ کر اسے فرشتوں کے حوالے فرما دیا ہے، یہ قسمت انسان کے ہاتھ یا جسم پر نہیں جاتی، لہذا لکیروں سے قسمت کا حال معلوم کرنا اور اس پر اعتماد کرنا سخت گناہ اور ناپسندیدہ ہے، نیز ایسا کرنا شرعاً ناجائز ہے، اسی طرح طبی اور سائنسی اعتبار سے ان لکیروں کا انسانی احوال سے کوئی تعلق نہیں ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے چہرے مہرے، رنگ و روپ، آواز اور چال ڈھال کے اعتبار سے ہر شخص کو دوسرے سے ممتاز بنایا ہے، اسی طرح انگوٹھے اور انگلیوں پر پائی

جانیوالی باریک لکیریں اور ہتھیلیوں میں موجود نمایاں لکیریں بھی ایک دوسرے سے ممتاز اور جداگانہ رکھی گئی ہیں، اس سے ہر شخص کی شناخت، اس کا تشخص متعلق ہے، نہ کہ اس کی تقدیر اور اس کے احوال وواقعاتِ زندگی۔ (صحیح مسلم:۲/۲۴۳)

مت یقیں کر اپنے ہاتھوں کی ان لکیروں پر
قسمت ان کی بھی ہوتی ہے جن کے ہاتھ نہیں ہوتے

مسئلہ (۹۸): آج کل معیاری اخبارات ورسائل میں ''ستاروں کے کھیل'' یا ''ستاروں کی دنیا'' کے نام سے کالم جاری ہوتے ہیں، جن میں غیبی حالات اور بھوشیے بتلائے جاتے ہیں، ہزاروں لوگ اس سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بعض نجومی اور جوتشی لوگوں کے ہاتھ کی ریکھا یعنی لکیر میں دیکھ کر بھوشیے بتلاتے ہیں، یہ سب من گھڑت، اٹکل اور بے بنیاد باتیں ہیں، اور شرعاً حرام اور گناہ کبیرہ کا باعث ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: جو آدمی کاہن یا عرّاف کے پاس آکر کچھ پوچھے، اور اس کی بات پر یقین کرلے، تو وہ محمد ﷺ پر نازل شدہ دین وقرآن سے مکمل طور پر تہی دست رہ گیا، اور اگر پوچھ لے اور یقین نہ بھی کرے، تب بھی اس جرم کی نحوست سے چالیس دن تک اس کی کوئی نماز مقبول نہ ہوگی۔ (الجامع الصغیر:۲/۵۰۶)

مسئلہ (۹۹): آج کل بدشگونی اور بدفالی کے بعض قبیح توہمات معاشرے میں پھیلے ہوئے ہیں، جیسے ماہ صفر میں شادی کرنے کو منحوس سمجھنا، شادی کے وقت ''قمر در عقرب'' والی تاریخ کو منحوس سمجھنا، سنیچر یا بدھ کو منحوس سمجھنا، غیر شادی شدہ لڑکا یا لڑکی کے دیگچی یا بھگونے میں کھانے سے ان کی شادی میں بارش ہونے کا شگون لینا، اسی طرح رات کے وقت، یا پیر وجمعرات کے دن ناخن کاٹنے کو منحوس سمجھنا، ایسے ہی کوے کے چیخنے سے مہمان کے آنے، اور بلی کے راستہ کاٹنے سے کام کے بگڑنے کا شگون لینا، اور علم رمل وجفر سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرنا وغیرہ محض اٹکل پچو اور من گھڑت باتیں ہیں، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، لہٰذا اس طرح کے تمام توہمات سے کلی اجتناب برتا جائے۔ (الإبانۃ عن أصول الدیانۃ:ص/۱۲)

مسئلہ (۱۰۰): آج کل ہمارے معاشرہ میں بہت سے ایسے توہّمات عام ہیں جو شرعاً ممنوع ہیں، مثلاً کالی بلی سامنے سے گذر جائے تو راستہ بدل لینا چاہیے، ورنہ اسی راستے پر چلنے سے نقصان ہوسکتا ہے، چھُری گرے یا خالی قینچی چلائی جائے تو لڑائی ہوجاتی ہے، کوا بولے تو مہمان آجاتا ہے، دائیں آنکھ پھڑکے تو اچھی اور بائیں آنکھ پھڑکے تو بری خبر ملتی ہے، ہتھیلی میں کھجلی ہو تو دولت آجاتی ہے، جوتی پر جوتی چڑھ جائے تو سفر پیش آتا ہے، وغیرہ۔ اس طرح کی تمام بدشگونیوں اور بدفالیوں سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، جب کہ اچھی اور نیک فال لینا مستحب ومندوب اور حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفارِ مکہ کی طرف سے جب سہیل بن عمرو صلح نامہ کے وکیل بن کر آئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''قد سهل لكم من

أمر کم'' کہ تمہارا معاملہ سہل وآسان ہوگیا۔

نوٹ-: اگر کسی کے دل میں بدشگونی وبدفالی کا خیال آئے تو وہ یہ دعا پڑھے: ''**اللّٰهم لا طَيرَ إلا طَيرُک ، ولا خَيرَ إلا خَيرُک ، ولا إلٰهَ غَيرُک**'' . (کتاب عمل الیوم واللیلۃ لإبن السنی: ص/۱۰۶، رقم الحدیث: ۲۹۲)

مسئلہ (۱۰۱): بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب انہیں کوئی نقصان ہوتا ہے، یا کسی مقصد میں ناکامی ہوتی ہے، تو وہ یہ جملہ کہتے ہیں کہ'' آج صبح سویرے نہ جانے کس منحوس کی شکل دیکھی تھی''- اُن کا اس طرح کہنا شرعاً درست نہیں ہے، کیوں کہ اسلام میں نحوست کا تصور نہیں، یہ محض توہم پرستی ہے۔ (روح المعانی: ۱۵/ ۲۸۵)

مسئلہ (۱۰۲): بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے خط پر ''اَلْقِطْمِیْر''لکھتے ہیں، اُن کا یہ عمل شرعاً صحیح ہے، کیوں کہ یہ ایک نیک فال ہے، اور وہ جائز ہے۔ **نیک فال** یہ ہے کہ '' قِطْمِیْر ''اصحابِ کہف کے کتے کا نام تھا، اور ''قِطْمِیْر ''لکھنے والے اس سے یہ نیک فال لیتے ہیں کہ- جیسے کتا غار پر بیٹھا ہوا تھا کہ کوئی اندر نہ آسکے، اسی طرح کوئی غیر آدمی اس خط کو نہ دیکھ سکے، اور نہ پڑھ سکے، اور خط محفوظ طریقے سے مکتوب الیہ کے پاس پہنچ جائے۔ (روح المعانی: ۹/ ۳۲۶)

مسئلہ (۱۰۳): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے، اور استدلال میں آپ ﷺ کی حدیث'' **لا یرُدُّ القضاء إلا الدعاء** ''- ''دعا سے تقدیر بدلتی ہے'' کو پیش کرتے ہیں، اُن کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اہلِ تحقیق کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قضا وتقدیر بدلتی نہیں، اگر بدلتی تو دعا سے بدل جاتی، یعنی تقدیر کی پختگی کو بتانا مقصود ہے، نیز دعا کی اہمیت کو ذہن نشین کرانا ہے، شروحِ حدیث میں اس کی تفصیل مذکور ہے، الغرض تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، مگر کسی کو نہیں معلوم کہ کیا لکھا ہے۔ (لمعات شرح مشکوۃ: ص/ ۱۹۵)

مسئلہ (۱۰۴): بعض اوقات انسان کسی جانی یا مالی خسارہ کا شکار ہوجاتا ہے، تو کہتا ہے: ''میری بدقسمتی کی وجہ سے ایسا ہوا''، اس کا یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہے، کیوں کہ حدیث شریف میں ہے: '' **وأن تؤمِنَ بالقدرِ خيره وشرِّه** '' کہ اچھی اور بری تقدیر دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ خیر ہے، اور چوں کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے، خیر وشر سے متعلق اس کے تمام فیصلے حکمت ومصلحت پر مبنی ہوتے ہیں، گو ہم کو وہ حکمت ومصلحت معلوم نہ ہو۔ (تفسیر المظہری: ۲/ ۳۸۳)

مسئلہ (۱۰۵): بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ- ایسی عورتیں جو اپنے خاوند کے انتقال کے بعد زندہ رہتی ہیں، وہ بدبخت ہیں، اور جو عورتیں خاوند سے پہلے انتقال کر جاتی ہیں، وہ خوش نصیب ہیں- اُن کا یہ خیال غلط ہے، کیوں کہ خوش بختی اور بدبختی انسان کے اچھے اور برے اعمال پر منحصر ہوتی ہے، پہلے یا بعد میں مرنے پر نہیں۔ (مشکوۃ المصابیح: ص/ ۴۵۰، مرقاۃ المفاتیح: ۵/ ۷۸)

مسئلہ (۱۰۶): آنکھ کبھی پھر پھر کرتی ہے، تو بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بائیں آنکھ میں ہوتا ہے، تو بُرا ہوگا، اور اگر یہ دائیں آنکھ میں ہو تو اچھا ہوگا، اس طرح کی باتیں واہیات ہیں، شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں، مسلمانوں کو ایسا عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے، اور اسلام ایسی تمام چیزوں کی مخالفت کرتا ہے۔ (روح المعانی: ص/۳۷۷)

مسئلہ (۱۰۷): ہمارے معاشرہ میں نظرِ بد اُتارنے کے لیے سرخ مرچیوں کو متأثرہ شخص کے گرد گھما کر انہیں جلا دیتے ہیں، اگر اس طریقہ کو مؤثر بالذات اور ثابت نہ سمجھا جائے، بلکہ محض ایک ٹوٹکے کے طور پر کیا جائے، تو اس میں کوئی گناہ نہیں، البتہ اس عمل کے دوران اگر کسی قسم کے شرکیہ کلمات وغیرہ سے دم کیا جائے، تو یہ بلاشبہ ممنوع ہے، اور اس سے شرک بھی لازم آئے گا، جس سے احتراز ضروری ہے، نظر اُتارنے کا بہتر اور مستحب عمل یہ ہے کہ سورۂ قلم کی آخری تین آیات: ﴿فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ o وَإِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوْا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ إِنَّهُ لَمَجْنُوْنٌ o وَمَا هُوَ إِلا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ o﴾- یا معوّذتین ﴿قل أعوذ بربّ الفلق ، قل أعوذ بربّ الناس﴾ پڑھ کر دم کیا جائے، یا حدیث پاک میں منقول دعا: ''أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ''- پڑھی جائے، اِس سے نظرِ بد کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔
(صحیح البخاری: ۲/۸۵۴، رقم الحدیث: ۵۴۳۸، صحیح مسلم: ۲/۲۲۳)

مسئلہ (۱۰۸): بچے کی پیدائش پر مائیں اپنے بچوں کو نظرِ بد سے بچانے کیلئے اس کے گلے یا ہاتھ کی کلائی میں کالے رنگ کی ڈوری باندھ دیتی ہیں، یا بچے کے سینے یا سر پر کاجل سے سیاہ رنگ کا نشان لگا دیا جاتا ہے تاکہ بچے کو بری نظر نہ لگے، اگر اس سے اعتقاد میں کوئی خرابی نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، صرف مقصد یہ ہو کہ بدنما کر دے تاکہ کسی کی نظرِ بد نہ لگے۔ (سنن نسائی: ۲/۲۷۰)

مسئلہ (۱۰۹): بعض مسلمان نیا مکان تعمیر کرتے وقت اس کی بنیادوں پر جو خون ڈالتے ہیں یہ گناہِ کبیرہ ہے، ہندوؤں اور بت پرستوں کا عقیدہ اور شعار ہے، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ (سورۃ آل عمران: ۸۵)

مسئلہ (۱۱۰): آج کل بازاروں میں ایسی جنتریاں دستیاب ہیں جن میں مختلف طریقوں سے فال نکالنے کے طریقے اور پیشن گوئیاں درج رہتی ہیں، ان فالناموں کو کھولنا اور ان کی خبروں پر یقین رکھنا، اسی طرح ان جنتریوں کی پیشن گوئیوں پر اعتقاد رکھنا شرعاً باطل ہے، لہٰذا ایسی جنتریوں کو خریدنے اور انہیں استعمال کرنے سے بچنا شرعاً واجب ہے۔ (القول المفید علی کتاب التوحید: ۲/۶۰، ۶۱)

مسئلہ (۱۱۱): آج کل جنتریوں میں بہت ساری پیشین گوئیاں دی جاتی ہیں، جن میں بعض چیزیں تو شرعی نہیں ہوتیں، جیسے گاڑیوں کے ٹائم ٹیبل وغیرہ، اور بعض چیزیں صرف عوام کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے ہوتی ہیں، لیکن بعض چیزیں پیشین گوئی سے متعلق ہوتی ہیں، جن کا تعلق کہانت سے ہوتا ہے، یا پھر علمِ نجوم سے، لہٰذا شرعی اعتبار سے ان چیزوں پر اعتماد و یقین کرنا جائز نہیں ہے۔
(السنن لأبی داود: ص/۵۴۵)

مسئلہ (۱۱۲): آج کل ایک تاریخی جنتری عام ہورہی ہے، جس میں پیشن گوئیاں لکھی ہوئی ہیں، ان پیشن گوئیوں پر اعتقادو یقین رکھنا شرعاً جائز نہیں ہے، بلکہ یہ اعتقاد و یقین کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ (السنن للترمذي:۱/ ۳۵، السنن لأبي داود: ص ۵۴۵)

مسئلہ (۱۱۳): بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ الٹا جوتا یا چپل اگر درست نہ کیا جائے تو اس سے کام بگڑ جاتا ہے، گھر میں جھگڑے ہوتے ہیں، کام الٹے ہوجاتے ہیں وغیرہ، اس لئے جلد از جلد اس کو سیدھا کردیا جائے، یہ عقیدہ رکھنا سراسر غلط ہے، البتہ کسی بھی چیز کو وضعِ اصلی کے مطابق رکھنا دائرۂ ادب وتہذیب میں داخل ہے۔ (روح المعانی: ۱۵/ ۲۸۵)

مسئلہ (۱۱۴): بہت سے دوکاندار صبح سویرے ادھار دینے کو منحوس سمجھتے ہیں، اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر صبح میں ادھار دیا جائے، تو شام تک ادھار ہی فروخت ہوگا، یا کسی کام کے کیلئے جاتے وقت بلّی اگر سامنے سے گزر جائے، تو یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ کام پورا نہیں ہوگا، یا کسی کے گھر الّو بیٹھے یا بولے تو کسی کی موت واقع ہوتی ہے یا گھر ویران ہوجاتا ہے، اسی طرح صفر کے مہینے میں شادی کو نامبارک سمجھتے ہیں، یہ خیالات اسلامی نقطۂ نگاہ سے بے بنیاد اور غلط ہیں (اور زمانۂ جاہلیت کی عکاسی کرتے ہیں)۔ (سورۃ التوبۃ: ۱۵)

مسئلہ (۱۱۵): بعض لوگ بلی کے رونے کی آواز سن کر یہ کہتے ہیں کہ اس کو بھگادو، ورنہ کوئی مرجائے گا، اسی طرح کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مرد کی بائیں آنکھ اور عورت کی دائیں آنکھ پھڑ کنے سے کوئی مصیبت یا رنج ہوتا ہے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ہتھیلی میں خارش یعنی کھجلی ہونے سے مال ملتا ہے، یا جوتے پر جوتا چڑھنے سے سفر پیش آتا ہے، یہ تمام باتیں غلط، بے بنیاد اور توہم پرستی ہیں، جن کا شریعتِ اسلامی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۸/ ۳۹۱)

مسئلہ (۱۱۶): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ مکان کی منڈیر پر کوے کے بولنے سے مہمان آتے ہیں، اسی طرح یہ بھی مشہور ہے کہ اگر مرغ اذان دے تو اس کو فوراً ذبح کردو کیوں کہ اس سے وبا پھیلتی ہے، یہ دونوں باتیں غلط، بے بنیاد اور توہم پرستی ہیں، جن کا دینِ اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے، ہمیں اس طرح کے غلط خیالات سے بچنا چاہیے۔ (معارج التفکر والتدبر: ۹/ ۳۹۹)

مسئلہ (۱۱۷): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ رات کے وقت پیڑ کو نہ ہلایا جائے، کیوں کہ وہ سوتا ہے، ہلانے سے وہ بے چین ہوجاتا ہے، اسی طرح کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس شخص کو جھاڑو لگ جائے تو اس کا جسم سوکھ جاتا ہے، یا رات کو جھاڑو نہ لگاؤ کیوں کہ اس سے فقر وفاقہ کی نوبت آتی ہے، یہ تمام باتیں غلط، بے بنیاد اور توہم پرستی ہیں، شریعتِ اسلامی سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ (معارج التفکر والتدبر: ۹/ ۳۹۹)

مسئلہ (۱۱۸): بسا اوقات کسی کی آمد کے عین موقع پر لائٹ چلی جاتی ہے، تو کہا جاتا ہے کہ ''آپ آئے تو لائٹ گئی'' یہ

بدفالی ہے، جوشرعاً جائز نہیں ہے، اسی طرح جب کوئی بات کہتے ہوئے لائٹ آجاتی ہے، تو کہا جاتا ہے کہ ''بات صحیح ہے، اس لئے لائٹ آگئی''، یہ فال نیک ہے، جوشرعاً جائز ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۵۷)

مسئلہ (۱۱۹): اگر کوئی شخص اپنے مستقبل کا حال جاننے کے لیے کسی کاہن، نجومی وجوتشی کو اپنا ہاتھ دکھائے، تو اس کا یہ عمل ناجائز ہے، کیوں کہ جس کا عقیدہ پہلے سے خراب ہو، اس کو عقیدہ صحیح کرکے توبہ کرنا لازم ہے، اور اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ جس کا عقیدہ پہلے سے خراب نہ ہو صرف تجربہ اور شوقیہ طور پر دکھلاتا ہو، تو اس کے لیے بھی اجازت نہیں، کیوں کہ خود اس کے عقیدہ کے خراب ہونے کا خطرہ ہے، اور فاسد العقیدہ لوگوں کے لیے فسادِ عقیدہ کی اس سے تائید ہوگی۔ (صحیح مسلم:۲/۲۳۳)

مسئلہ (۱۲۰): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی مصیبت پیش آئے، یا طبیعت خراب ہو، تو کالا بکرا یا کالا مرغا ذبح کرکے صدقہ کردینے سے مصیبت ٹل جاتی ہے، اور بیمار صحت یاب ہوجاتا ہے، ان کی یہ بات اس حد تک تو درست ہے کہ صدقہ سے بلائیں دور ہوتی ہیں، مگر اس کے لیے کالے بکرے، یا کالے مرغے کا ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ ہر وہ چیز جو رضائے الٰہی کے لیے اس کی راہ میں دی جائے وہ صدقہ کہلاتی ہے، لہٰذا صدقہ کے لیے کسی جنس اور رنگ ونسل کی قید لگانا شرعاً غلط ہے، جو لوگ اس طرح کی قید لگاتے ہیں وہ اکثر بددین ہوتے ہیں۔ (کنز العمال:۶/ ۱۴۸، رقم الحدیث:۱۵۹۷۸)

مسئلہ (۱۲۱): اگر کوئی شخص اس خیال سے سانپ کو مارنے سے احتراز کرے کہ ''یہ جن ہے جو سانپ کی شکل میں نمودار ہوا ہے، اگر اس کو ماروں گا تو دوسرے جن مجھ سے انتقام لیں گے'' اس خیال سے سانپ کو زندہ چھوڑنا مناسب نہیں، البتہ اگر کوئی ایسی علامت ظاہر ہوجائے جس سے یہ یقین ہوجائے کہ یہ واقعی جن ہے، سانپ نہیں ہے، تو پھر اسے زندہ چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں۔......علامہ تقی الدین ندوی دامت برکاتہم علامہ دمیری کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ اگر گھر میں سانپ آجائے تو اسے مارنے سے پہلے تین دن کی مہلت دینی چاہئے، مہلت کے لیے یہ الفاظ کہے جائیں: ''میں تمہیں اس عہد کی قسم دیتا ہوں جو تم سے حضرت نوح اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے دیا تھا کہ تم ظاہر نہیں ہوگے، اور ہمیں تکلیف نہیں پہنچاؤ گے، اگر یہ جن ہوگا تو خود ہی چلا جائیگا۔'' (حیوۃ الحیوان للدمیری:۱/۲۷۱)

مسئلہ (۱۲۲): آج کل بہت سے لوگ زمانۂ جاہلیت کے اہلِ عرب کی طرح یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر سانپوں کو مارا جائیگا، تو ان کا جوڑی دار آکر بطور انتقام ضرور ڈسے گا، ان کا یہ عقیدہ شرعاً غلط ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے سانپوں کو ان کے انتقام کے خوف سے چھوڑ دیا وہ ہم میں سے نہیں، ہم نے جب سے ان سے دشمنی کی ہے اس کے بعد ان سے صلح نہیں کی''، اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: ''تم سانپوں کو قتل کردو، جس نے ان کے انتقام کے ڈر سے انہیں چھوڑ دیا وہ ہم

میں سے نہیں‘‘، ان دونوں حدیثوں سے اس طرح کے اعتقاد اور قول کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین (نسائی:۲/۵۵)

مسئلہ (۱۲۳): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر کٹے ہوئے ناخن کسی کے پاؤں کے نیچے آ جائیں، تو جس کے ناخن ہیں اس کو اس شخص کی بیماری لگ جاتی ہے، جس کے پاؤں کے نیچے ناخن دبے تھے، ان کا یہ خیال محض توہم پرستی ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، مگر ناخن انسان کا جز ہے، اور انسان اپنے تمام اجزاء کے ساتھ مکرم ہے، اس لیے ناخنوں کو کاٹنے کے بعد انہیں اِدھر اُدھر نہیں پھینکنا چاہیے، کہ وہ کسی کے پاؤں تلے آ جائیں، بلکہ انہیں کسی ایسی جگہ ڈال دیا جائے یا دفن کیا جائے کہ وہ روندے نہ جاسکیں۔ (القول المفید علی کتاب التوحید:۲/۹۸)

مسئلہ (۱۲۴): بعض لوگ غروبِ آفتاب کے بعد صفائی کی غرض سے جھاڑو لگانے سے منع کرتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ اِس سے رزق میں کمی واقع ہوتی ہے، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ یہ اَغلاط العوام میں سے ہے، اس لیے بوقتِ ضرورت مغرب بعد بھی جھاڑو دی جاسکتی ہے۔ (سورۃ التوبۃ:۵۱)

مسئلہ (۱۲۵): عام طور پر بڑے بوڑھے لوگ حاملہ خواتین کو رات کے وقت گھر کے باہر نکلنے سے روکتے ہیں، اور خاص طور پر جمعرات کا پورا دن، ...... بڑے بوڑھوں کا یہ طرزِ عمل محض توہم پرستی پر مبنی ہے، جو شرعاً ممنوع ہے، صحیح بات یہ ہے کہ حاملہ عورت بوقتِ ضرورت، کسی بھی دن اپنے محرم کے ساتھ، شرعی پردے کا لحاظ رکھتے ہوئے باہر نکل سکتی ہے، اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ (أحکام القرآن للتھانوی:۳/۳۱۷-۳۱۹)

مسئلہ (۱۲۶): بعض مرد و عورتیں چاند گرہن میں حاملہ عورت کو قینچی، چھری اور چاقو وغیرہ کے استعمال سے منع کرتے ہیں، اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان چیزوں کے استعمال سے پیٹ میں موجود حمل میں کوئی نقص پیدا ہو جاتا ہے، یہ محض توہم پرستی ہے، شریعتِ اسلامیہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، لہٰذا چاند گرہن کے دوران حاملہ عورت بھی بقدرِ ضرورت قینچی، چھری اور چاقو وغیرہ کا استعمال کر سکتی ہے، اس سے حمل پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ مؤثر حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے، اس لیے اس طرح کے باطل عقائد اور توہمات سے بچنا چاہیے۔ (سورۃ الحدید:۲۲)

مسئلہ (۱۲۷): حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے، بارش شروع ہوئی، تو آپ ﷺ نے اپنے بدن مبارک کے بعض حصہ کو کھول دیا، ہم نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے یہ عمل کیوں کیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بارش اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، اس نے اسے ابھی پیدا فرمایا ہے، تو اس سے تبرک حاصل کرنا

چاہیے، اس لیے میں نے ایسا کیا ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ کا یہ عمل پہلی بارش میں نہانے کے استحباب پر دال ہے، لہٰذا پہلی بارش میں نہانا مستحب تو ہے، مگر اس مستحب پر عمل کے لیے ترکِ فرض یعنی برہنگی اور بے پردگی کی اجازت نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم:۱/۲۹۴، رقم الحدیث:۸۹۸)

مسئلہ (۱۲۸): عملیات کے ذریعہ متہم چور یا مجرم کو واقعۃً چور یا مجرم سمجھنا، بالکل ناجائز اور بدگمانی ہے، ایسے عملیات سے اجتناب کرنا چاہیے، کیوں کہ اس سے عقائد فاسد ہوتے ہیں، اور تہمت و بہتان کا بھی دروازہ کھلتا ہے، لہٰذا اس کے ذریعہ کسی کو چور قرار دیکر زبردستی اس سے مالِ مسروقہ وصول کرنا، اس کو گرفتار کرنا، سزا دینا، اور ذلیل ورسوا کرنا جائز نہیں۔
(بستان العارفین: ص/۵۳، بحوالہ فتاوی محمودیہ: ۲۰/۷۶)

مسئلہ (۱۲۹): علماء کرام نے تعویذ کو تین شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیا ہے: (۱) تعویذ کلامِ الٰہی، اسماءِ الٰہی اور صفاتِ الٰہی سے ہو۔ (۲) عربی زبان میں اور ایسے کلمات کے ذریعہ ہوں جن کے معانی معلوم ہوں۔ (۳) اعتقاد یہ ہو کہ تعویذات بذاتہا مؤثر نہیں بلکہ مؤثرِ حقیقی اللہ کی ذات ہے، اگر اس کی مشیت ہو تو اسے اثر انداز بنا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ (سورۃ الفلق: ۱-۵)

مسئلہ (۱۳۰): آج کل بہت سے لوگ اپنے مکانوں، دوکانوں اور گاڑیوں کے اندر یا باہر بدنظری یا حسد سے بچنے کے لئے تعویذات لٹکاتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں: قسم اول جائز، قسم دوم ناجائز: **قسم اول**: (۱) تعویذ کلام الٰہی، اسماء الٰہی اور صفات الٰہی سے ہو۔ (۲) عربی زبان میں ہو، اور ایسے کلمات سے ہوں جن کے معانی معلوم ومعروف ہوں۔ (۳) اعتقاد یہ ہو کہ تعویذات خود مؤثر نہیں، مؤثر حقیقی اللہ کی ذات ہے، اگر وہ چاہے تو اسے اثر انداز بنا سکتا ہے۔ **قسم ثانی**: جن تعویذات میں جن وغیرہ کی پناہ طلب کی گئی ہو، یا ایسے کلمات لکھے گئے ہوں کہ ان کے معانی معلوم ومعہود نہ ہوں، یا ان میں کلمات شرکیہ ہوں، ایسی تعویذات شرعاً ناجائز ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۸/ ۳۵۸، ۳۵۹)

مسئلہ (۱۳۱): جو تعویذات آیاتِ مبارکہ یا احادیثِ مبارکہ سے تیار کیے گئے ہوں، یا بزرگوں سے منقول ہوں، ان کے الفاظ درست ہوں، تو ایسے الفاظ یا ان کے ابجد حروف سے تعویذ بنانا اور اس کا استعمال کرنا درست اور شرعاً جائز ہے، جب کہ مبہم غیر معلوم المعنیٰ یا شرکیہ الفاظ سے تیار کی گئی تعویذ کا استعمال جائز نہیں ہے۔ (ردالمحتار: ۹/ ۵۲۳)

مسئلہ (۱۳۲): بعض لوگ کہتے ہیں کہ دفعِ مصائب وبلیّات کے لیے بخاری شریف ختم کر کے جو دعائیں مانگی جاتی ہیں، اس کا قرآن وحدیث میں کوئی ثبوت نہیں، اس لیے یہ بدعت ہے، جب کہ دفعِ مصائب کے لیے جو ختم کیا جاتا ہے، مثلاً سوالاکھ مرتبہ کلمۂ طیبہ یا آیت الکرسی کا پڑھنا، یا بخاری شریف کا ختم کر کے دعا مانگنا، یہ بطورِ علاج ہے، اس کے لیے قرآن

وحدیث سے ثبوت ضروری نہیں ہے، جیسے حکیم نسخے میں لکھتے ہیں: ''عُناب ۵/دانہ، بادام ۷/دانہ'' کہ تجربات سے ثابت ہیں،اس کے لیےقرآن وحدیث سے ثبوت طلب کرنا بےمحل ہے،اور جب اِس ختم کی شان مُعالَجہ کی ہے،تعبُّد وعبادت کی نہیں، تو یہ بدعت نہیں، بلکہ اس کو بدعت کی حد میں لانا بدعت ہے، بالخصوص جب کہ اس کی اصل بھی موجود ہے کہ ذکرِ خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے،اور بخاری شریف کےکلماتِ خیر پر مشتمل ہونے میں کس کو شبہ ہے،لہٰذا دفعِ مصائب وبلیّات کے لیے بخاری شریف کاختم کرکے دعائیں مانگنا درست ہے۔ (مقدمۃ لامع الدَّراری علی جامع البخاری:۱/۲۳،۲۴)

مسئلہ (۱۳۳): حضراتِ علماءکرام نے اسماءبدریین کے ذکر کے بعد دعا کےقبول ہونے کی صراحت فرمائی ہے،مگر یہ بات تجربہ سے ثابت ہے،نص سے نہیں، نیز قبولیتِ دعا اور حصولِ برکت کا یہ تجربہ اسماء بدریین کے ذکر پر ہے، نہ کہ محض ان کے عدد''۳۱۳'' کے ذکر یا لکھنے پر، اس لیے کہ نفسِ عدد''۳۱۳'' کو ان کے اسماء سے کوئی مناسبت نہیں ہے، بلکہ یہ غزوۂ بدر میں شریک حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مجموعی عدد ہے، جب کہ آج کل بہت سےلوگ اس عدد کوبطورِ تبرّک اپنی گاڑیوں کے نمبر پلیٹ یا موبائل کے سم کارڈ (Sim Card) نمبر وغیرہ کے لیے منتخب کرتے ہیں،تو ان کا یہ عمل باعتقادِ تبرّک درست نہیں، ہاں! اگر اس اعتقاد کے بغیر محض اپنی طبعی پسند کی وجہ سے انتخاب کرتے ہوں ،تو پھر اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہونا چاہیے۔ (کشف الباري شرح البخاري:ص/۱۷۸)

مسئلہ (۱۳۴): اصل شفا دینے والی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے،خواہ کسی حکیم وڈاکٹر کی دوا سے ہو، یا کسی عامل کی تعویذ سے ہو، یا جھاڑ پھونک سے یا کسی بزرگ کی کرامت (خاک قبر) وغیرہ سے دے، جب وہ چاہیں شفا دے، جب چاہے شفا نہ دے، یہ عقیدہ رکھنا صحیح اور درست ہے،شفا کو کسی غیر کے قبضۂ قدرت میں تجویز کرنا درست نہیں،خواہ وہ غیر کوئی زندہ ولی ہو یا مردہ،لہٰذا خدا تعالیٰ کوشافی اور مؤثرِ حقیقی سمجھتے ہوئے قبر کی مٹی سے شفا حاصل کرنا درست ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۵۵)

مسئلہ (۱۳۵): آج کل عام طور پر جو مسلمان مالدار اور متوسط گھرانے کے ہیں،اپنے بچوں کی سالگرہ منانے کا اہتمام کرتے ہیں،شرعاً یہ عمل بالکل جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ انگریزوں کی جاری کردہ ایک احمقانہ رسم ہے۔

(مصنف ابن أبی شیبہ:۱۰/۳۰۴،رقم الحدیث:۱۹۷۸۳)

مسئلہ (۱۳۶): بسنت میلہ ایک ہندوانہ تہوار ہے،اس کے کسی بھی عمل میں شرکت غیروں کی مشابہت اختیار کرنا ہے،جس پر حدیث میں سخت وعید وارد ہوئی ہے،اسی طرح تل سنکرات بھی غیر اسلامی تہوار ہے جس میں پتنگ بازی ، ناچ گانا ہوتا ہے، نیز اس میں وقت، پیسہ اور جانوں کے ضیاع جیسی عظیم قباحتیں اور برائیاں موجود ہیں، جوشرعاً ناجائز اور حرام ہیں۔(ابوداود:ص/۵۵۹)

مسئلہ (۱۳۷): منجملہ رسوماتِ غیر شرعیہ ایک رسم یہ بھی ہے کہ رمضان کے آخری جمعہ میں ''الوداع الوداع یا شہر رمضان'' اور ''الوداع الوداع یا ستۃ التراویح'' وغیرہ الفاظ پر مشتمل خطبہ جسے عوام الناس ''خطبۃ الوداع'' سے جانتے ہیں، اور اسے پڑھنا سنت بلکہ قریب بواجب سمجھتے ہیں، حالانکہ اس طرح کا خطبہ قرونِ مشہود لہا بالخیر میں منقول نہیں ہے، اسے سنت یا قریبِ واجب سمجھ کر پڑھنا تعدیٔ حدود اللہ اور بدعتِ ضالہ ہوگا، کیوں کہ حضراتِ فقہاء کرام کسی امرِ مستحب کے مؤکد جاننے کو بھی تعدیٔ حدود اللہ اور بدعتِ ضالہ قرار دیتے ہیں، تو اس طرح کا خطبہ جوامرِ مُحدَث ہے، بدرجۂ اولیٰ تعدیٔ حدود اللہ اور بدعتِ ضالہ ہوگا، اس لیے اس کا ترک واجب ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۳۷۱)

مسئلہ (۱۳۸): ملاقات کے شروع میں، یعنی جیسے ہی ملاقات اور سلام وجواب ہو، اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت جو مصافحے کئے جاتے ہیں، مثلاً نمازِ فجر، نمازِ عصر، نمازِ جمعہ، یا نمازِ عیدین وغیرہ کے بعد جو مصافحہ کیا جاتا ہے، اور اس کو سنت سمجھا جاتا ہے، یہ غلط ہے، یہ عمل آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ طریقہ مکروہ اور بدعتِ مذمومہ ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح:ص/۴۰۱)

مسئلہ (۱۳۹): آج کل لوگ بالالتزام نمازِ عیدین کے بعد مصافحہ ومعانقہ کرتے ہیں، جب کہ یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین سے بالکل ثابت نہیں ہے، لہٰذا یہ مکروہ اور بدعت ہے۔ نیز علامہ شامی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے۔ (روح المعانی:۱۵/۷۱)

مسئلہ (۱۴۰): مصافحہ ومعانقہ فی نفسہ مسنون ہے، لیکن بعد نمازِ جمعہ وعیدین یا دیگر فرض نمازوں کے بعد مصافحہ ومعانقہ کرنا اہلِ علم کے نزدیک مکروہ ہے، اور اس کو رواج دینا، اس کا التزام کرنا بدعت ہے، دین میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں ہے، کیوں کہ یہ طریقہ آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرام کے زمانہ میں نہیں تھا۔ (جامع الترمذی:۲/۱۰۲)

مسئلہ (۱۴۱): جب دو مسلمان باہم ملتے ہیں اور سلام کرتے ہیں، اور اس کے بعد مصافحہ بھی کرتے ہیں، تو اللہ پاک ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت فرمادیتے ہیں، اتنی بات حدیث سے ثابت ہے، لیکن مصافحہ کے بعد سینہ پر ہاتھ پھیرنا، نہ کسی حدیث سے ثابت ہے اور نہ ہی فقہاء کرام نے اسے ذکر فرمایا ہے، یہ محض ایک رواج ہے، اس سے بچنا چاہیے، کیوں کہ جو عمل آپ ﷺ سے جس کیفیت اور کمیت میں ثابت ہے، اسے اسی کیفیت اور کمیت میں کرنا چاہیے، اس میں کمی بیشی نہ کرنا یہی کمالِ اتباع ہے، جس کے ہم مکلّف و پابند ہیں۔ (تحفۃ الأحوذی:۷/۵۴۵)

مسئلہ (۱۴۲): کسی کو روزے پورے کرنے پر ضروری نہ سمجھتے ہوئے اور ثواب کا اعتقاد رکھے بغیر مبارک بادی دیتے ہوئے ''عید مبارک'' کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ردالمحتار:۳/۴۷)

مسئلہ (۱۴۳): جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملاقات کرتا ہے اور اسے سلام کرتا ہے، تو اس سلام کو تحیۃ اللقاء، یعنی زندگی اور سلامتی کی دعا دینا کہا جاتا ہے، تحیۃ اللقاء صرف سلام سے ادا ہو جاتا ہے، البتہ مزید اظہارِ مسرت ومودّت کے لیے علی سبیل البدل (بدل کے طور پر) دو طریقے مشروع ہیں، ایک مصافحہ دوسرے معانقہ، سلام کے بعد دونوں میں سے کسی ایک ہی کو تمام تحیہ بنایا جاسکتا ہے، مصافحہ ومعانقہ دونوں کو جمع کرنے کا واضح ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے یہ خلافِ سنت معلوم ہوتا ہے۔...... **معانقہ** میں تیامن وتیاسر یعنی دونوں کا دائیں جانب یا دونوں کا بائیں جانب سے معانقہ کرنے کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ملی، عام اصولِ شرع کے مطابق تیامن یعنی دونوں کا دائیں جانب سے معانقہ کرنا راجح معلوم ہوتا ہے، مگر معانقہ کا منشا فرطِ محبت ہے جس کا محل قلب ہے اور دونوں کا بائیں جانب سے معانقہ کرنے میں قلوب باہم زیادہ قریب ہوتے ہیں، اس لیے تیاسر یعنی بائیں جانب سے معانقہ کرنا راجح ہے، اسی لیے اس کا معمول ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ:۱۰/۳۰۴)

مسئلہ (۱۴۴): اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے زیادہ قابلِ تعظیم ہے، اسی کے سامنے جبینِ نیاز جھکائے، اسلام میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے، اسی بناء پر فقہاء کرام نے اس صورت کو مکروہ قرار دیا ہے کہ کوئی شخص کسی کے سامنے رکوع کے مانند جھک کر سلام کرے، یا تعظیم بجالائے، البتہ محسن کا شکریہ اس طریقہ پر بجالانا چاہیے، جو اسلام نے ہمیں بتلایا ہے، یعنی ''جزاک اللہ'' کہے۔ (جامع الترمذی:۲/۱۶-۲۴)

مسئلہ (۱۴۵): رمضان کی راتوں میں مساجد کو سجانا اور چراغاں کرنا بدعت ہے، کیوں کہ اس میں اضاعتِ مال، اور آتش پرستوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۳۲۵)

مسئلہ (۱۴۶): تراویح میں ختمِ قرآن پر مٹھائی تقسیم کرنا بہت سی خرابیوں کو مستلزم ہے، مثلاً: (۱) اس کو مستقل ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے، اس لئے یہ دین میں بدعت پیدا کرنا ہے۔ (۲) مٹھائی تقسیم کرنے کا اس طرح التزام کیا جاتا ہے کہ اس رسم کو کسی بھی حال میں ترک نہیں کیا جاتا اور التزام (ضروری سمجھنا) سے مستحب کام بھی مکروہ اور واجب الترک ہو جاتا ہے۔ (۳) اس مٹھائی کے لئے چند خاص لوگوں سے چندہ بھی لیا جاتا ہے، تو اس صورت میں چندہ دینے والے کی رضا متیقن نہیں ہوتی ہے، بلکہ ظنِ غالب یہ ہے کہ مروت اور غلبۂ حیا کی وجہ سے رقم دی گئی ہو، لہذا اس رقم سے خریدی گئی مٹھائی حلال نہ ہوگی، **لیکن** اگر کوئی اظہارِ مسرت وتشکر کی بنا پر اپنی طرف سے مٹھائی تقسیم کردے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (بخاری:ص/۴۷۷)

مسئلہ (۱۴۷): بسا اوقات میت کے گھر والے اپنے مکان پر مدرسہ کے طلباء یا عام مسلمانوں کو قرآن خوانی کی دعوت دیتے ہیں، اور تمام لوگ اجتماعی قرآن خوانی کے ذریعہ میت کیلئے ایصال ثواب کرتے ہیں، بعدہ اہل میت ان قرآن خوانی کرنے والوں کو کھانا کھلاتے ہیں، یا چائے وشیرینی وغیرہ سے ان کی ضیافت کرتے ہیں، اس طرح اہتمام کے ساتھ قرآن خوانی کرنا شرعاً ثابت نہیں ہے، البتہ انفرادی طور پر قرآن کریم پڑھ کر ایصالِ ثواب میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اسی طرح کھانا کھلانا، چائے وشیرینی سے ضیافت کرنا صورۃً معاوضہ ہے، اس لیے اس سے بھی بچنا چاہیے۔ (فتاوی بزازیہ:۱/۷۸)

مسئلہ (۱۴۸): کسی دینی تقریب یا اہلِ اسلام کے جلسے وجلوس کی ابتدا کلام اللہ شریف سے ہو تو نہایت مستحسن اور باعثِ برکت ہے، مگر یہ فرض اور واجب کے درجے میں نہیں ہے کہ اس کے ترک سے کوئی گناہ لازم آتا ہو، ہاں؛ البتہ اس کے ترک سے برکت اور ثواب سے محرومی رہے گی۔ (مرقاۃ المفاتیح:۶/۲۸۵)

مسئلہ (۱۴۹): کوئی سیاسی مجلس جس میں مسلم وہندو، دونوں شریک ہوں، اور یہ مجلس ہندو لیڈروں کی آمد پر منعقد کی گئی ہو، تو ایسی مجلس میں قرآن مجید کی تلاوت اگر اس مقصد سے کی جائے کہ ان کے قلوب متاثر ہو کر اسلام کے قریب ہو جائیں، تو تلاوت کی گنجائش ہے، لیکن اگر محض رسمی طور پر تلاوت ہو، یا ان کے اعزاز میں ہو، تو تلاوت کی اجازت نہیں ہے۔

(فتاوی محمودیہ:۳/۵۶۰)

مسئلہ (۱۵۰): جمعہ کے دن اذان کے بعد نمازِ جمعہ سے پہلے کسی ایک شخص کا ممبر پر بیٹھ کر بلند آواز سے سورۂ کہف پڑھنا، جس سے کسی کی نماز یا وظیفہ میں خلل ہو غلط رسم اور بدعت ہے، کیوں کہ آپ ﷺ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اس طرح پڑھنا ثابت نہیں ہے، اگر متفرق طور پر اس طرح پڑھے کہ کسی کو کوئی خلل واقع نہ ہو، تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(موسوعۃ أطراف الحدیث النبوي:۲/۳۴۲)

مسئلہ (۱۵۱): قرآنِ کریم اللہ کا مقدس کلام ہے جو اَز حد قابلِ تعظیم وتکریم ہے، اس کے اندر بلا ضرورت کسی بھی چیز کا رکھنا مکروہ ہے، ہاں! اگر بطورِ علامت کے ضرورۃً کوئی چیز رکھی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (کنز العمال:۱/۶۲۱)

مسئلہ (۱۵۲): آیتِ قرآنی اور اسماء حسنیٰ کا اثر یقیناً حق ہے، بسا اوقات کسی پڑھنے والے کی زبان کی وجہ سے اثر ظاہر نہیں ہوتا، اور کبھی ایسے شخص کے پڑھنے سے بھی ظاہر ہو جاتا ہے جو بظاہر بزرگ معلوم نہیں ہوتا، اگر ایسا کوئی شخص ہو جو بظاہر بزرگ معلوم نہیں ہوتا، مگر نمازی ہو، اور ایسے شخص کو کسی کامل بزرگ کی طرف سے کوئی آیت قرآنی یا اسماء حسنیٰ میں سے کوئی اسم عطا کیا گیا ہو اور وہ اس آیت یا اسماء حسنیٰ کو پڑھ کر پانی پر دم مار دیتا ہو، تو اس پانی کا پینا جائز ہے، ایسے پانی سے فائدہ بھی ہو سکتا ہے،

اور اللہ کی مدد سے اس پھونک کا اثر دور تک پہنچ بھی سکتا ہے۔ (نصاب الاحتساب: ص/۴۹)

مسئلہ (۱۵۳): اخبارات خیر کی باتوں کو پہنچانے کا بہت قوی اور مؤثر ذریعہ ہے، اس لئے اخباروں میں آیاتِ قرآنیہ کا شائع کرنا جائز ہے، خود آپ ﷺ نے بھی غیر مسلم حکمرانوں کو خطوط لکھے ہیں، جن میں آیاتِ قرآنی اور اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک بھی موجود تھا، البتہ اس طرح کے اخبارات کا احترام لازم ہوگا، جن میں آیاتِ قرآنیہ لکھی ہوئی ہوں، اور اگر ان کے بوسیدہ ہونے کی وجہ سے ان کا پڑھنا اور احترام کا باقی رکھنا دشوار ہو، تو انہیں کسی پاک جگہ دفن کیا جاسکتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۱/۵)

مسئلہ (۱۵۴): آیتِ قرآنی کے ذریعہ چور کا نام نکالنا، قرآن کریم کے احترام کے خلاف ہے، اس لئے ناجائز ہے، اور اگر کسی کا نام نکل بھی جائے تو اس کو چور نہیں قرار دیا جائے گا، کیوں کہ یہ کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، لہٰذا اس کو چور قرار دیکر اس سے مال وصول کرنا، اس کو سزا دینا جائز نہیں ہے، نیز اس طریقے کو ترک کرنا بھی لازم ہے، کیوں کہ اس سے بدگمانی پھیلتی ہے۔
(مجموعۂ رسائل اللکنوی: ۴/۱۷۲)

مسئلہ (۱۵۵): قرآن کریم کو حتی المقدور لہجے کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے، البتہ بے جا تکلف سے احتراز لازم ہے۔
(صحیح البخاري: ۲/۸۵۵)

مسئلہ (۱۵۶): شعائرِ الٰہی میں قرآن مجید سب سے بڑا شعار ہے، اس لیے اس کا احترام اور تعظیم مسلمانوں پر فرض ہے، اور اس کی توہین واہانت سے کفر لازم آتا ہے۔ (سورۃ الحج: ۳۲)

مسئلہ (۱۵۷): قرآن پاک کے لکھنے میں مصحف عثمانی کے رسم الخط کی رعایت ومتابعت لازم وضروری ہے، اور اس کے خلاف لکھنا اگرچہ وہ عربی رسم الخط میں ہی کیوں نہ ہو بالاجماع ناجائز ہے، بعض حروف عربی کے ساتھ مخصوص ہیں، جیسے: ط، ح، ض، ظ، وغیرہ، یہ حروف دوسری زبانوں میں استعمال ہی نہیں ہوتے، ان کے لیے ان زبانوں میں نہ صوت ہے نہ شکل وصورت، تو ان کی جگہ دوسرے حروف لکھنا عمداً تحریف وتغییر ہے جو حرام ہے، البتہ اگر متن قرآن کریم تو عربی اصل رسم الخط میں ہو، اور اس کا ترجمہ وتفسیر دوسری زبانوں میں ہو تو شرعاً مضائقہ نہیں۔ (الإتقان في علوم القرآن: ۲/۳۲۸)

مسئلہ (۱۵۸): اگر کوئی شخص کرسی، پلنگ یا چارپائی وغیرہ پر بیٹھا ہو، اور دوسرا شخص نیچے بیٹھ کر تلاوتِ قرآن کرے، یہ خلافِ ادب ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۳/۵۲۷)

مسئلہ (۱۵۹): مختار قول کے مطابق قبرستان میں قرآن لے جاکر پڑھنا شرعاً جائز ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۳/۵۷۴)

مسئلہ (۱۶۰): حضورِ اکرم ﷺ نے جہاد کی تیاری اور اس پر ابھارنے کیلئے اپنے اصحاب کے درمیان گھوڑ دوڑ کا مسابقہ

کرایا، تاکہ دین کا قیام مضبوط ہو جائے، اسی طرح سے مسابقاتِ قرآنیہ کرنا شرعاً جائز و ممدوح ہے، کیوں کہ جس طرح سے جہاد دین کے قیام کا ذریعہ ہے، اسی طرح سے مسابقاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ، قرآن وحدیث کے علوم کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور مسابقات کے ذریعے ان ہی علوم کے حاصل کرنے پر ابھارا جاتا ہے جو حفاظتِ دین میں مفید ومعاون ہوں۔ (عمدۃ القاری:۴/۲۳۶)

مسئلہ (۱۶۱): بسا اوقات کسی دینی، یا ایسی ہی عام کتاب کو کسی کا پیر لگ جاتا ہے، تو وہ اُس کے احترام کے لیے اُسے چومتا ہے، بعض لوگ اِس چومنے کو لازم- اور اپنی اِس غلطی کا کفارہ خیال کرتے ہیں، جب کہ اِس طرح کی غلطی کے لیے محض احساسِ ندامت اور آئندہ اِس طرح کی بے ادبی نہ ہو، اِس کا عزم کافی ہے، چومنے کو لازم یا کفارہ سمجھنا غلط ہے۔

(صحیح البخاری:ص/۷۳۵، رقم الحدیث:۴۱۴۱، صحیح مسلم:۹/۵۴)

مسئلہ (۱۶۲): شریعت اسلامیہ نے قرآن کریم کا ادب واحترام کرنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا اگر کسی کے ہاتھ سے قرآن کریم گر جائے، تو قرآن کی بے ادبی ہوئی، اس لیے توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے، اور عوام میں جو مشہور ہے کہ قرآن کریم گر جائے، تو قرآن کے برابر گندم صدقہ کرے، کسی فقہ کی کتاب میں اس کی تصریح نہیں ہے۔ (قرطبی:۹/۲۲۶، سورۃ الواقعۃ)

مسئلہ (۱۶۳): تفسیر بالرائے جو اصولِ عربیہ کے خلاف ہو جائز نہیں ہے، کیوں کہ جو شخص ائمہ تفاسیر کی متعین کردہ شرائط اور اصولِ عربیہ کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی رائے سے تفسیر کرتا ہے، اس کے لیے بڑی سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ (ترمذی:۴/۴۵)

مسئلہ (۱۶۴): ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿الله الذي خلق سبع سمٰوٰتٍ وّمن الأرض مثلهنّ﴾ سے سات زمینوں کا ثبوت ملتا ہے، اسی طرح احادیثِ صحیحہ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، مگر شریعت نے ان کی جگہ نہیں بتائی، اس لئے اس باب میں اقوال مختلف ہیں: (۱) سات زمینیں ایک دوسری کے اوپر ہیں، اور ہر دو کے درمیان فصل ہے۔ (۲) پہلے آسمان کے اوپر دوسری زمین ہے، پھر دوسرے آسمان کے اوپر تیسری زمین، علی ہذا القیاس چھٹے آسمان کے اوپر ساتویں زمین ہے، اور اس کے اوپر ساتواں آسمان ہے۔ (۳) اقالیم سبعہ مراد ہے۔ (۴) معادن یا مٹی کے سات طبقات مراد ہیں۔ (۵) بعض کا کہنا ہے کہ زمین ایک ہی ہے، اور مثلیت بعض صفات میں مراد ہے، عدد میں نہیں، مگر یہ قول صحیح نہیں ہے، قولِ اول راجح ہے۔

(الجامع لأحکام القرآن للقرطبی:۱۸/۱۷۵)

مسئلہ (۱۶۵): بعض علاقوں میں میت کے ایصالِ ثواب کے لیے تیجہ، ساتواں، دسواں، چالیسواں، ششماہی اور سالانہ کا کھانا پکا کر کھلایا جاتا ہے، شرعِ اسلامی میں اس کی کوئی اصل نہیں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب "جامع البرکات" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "بہتر آنست کہ نہ خورد" بہتر یہ ہے کہ اس طرح کا کھانا نہ کھائے۔...... اگر کسی کو ایصالِ ثواب

کرنا ہی ہو تو شرعی طریقے پر کریں نہ اس میں کھانوں کی قید ہو اور نہ ہی دن مخصوص کئے جائیں، جو کچھ حسبِ وسعت میسر آئے غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیں، رسمِ فاتحہ اور قل خوانی وغیرہ بدعت ہیں۔ (فتح القدیر:۲/۱۵۱)

مسئلہ (۱۶۶): ایصالِ ثواب جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے، مگر اس کا صحیح شرعی طریقہ یہ ہے کہ انسان کو جو کچھ میسر ہو صدقہ کر دے، یا کوئی بدنی عبادت مثلاً نفل نماز، نفل روزہ، تلاوتِ قرآن مجید کرے، اور اس کا ثواب جس کو بخشنا چاہے بخش دے، اس میں کسی دن اور تاریخ، یا کسی معین چیز کی تخصیص وتعیین نہ کرے، نہ اس کو لازم اور ضروری قرار دے، جیسے تیجہ، دسواں، چالیسواں اور برسی وغیرہ، ان کی تخصیص کرنے اور ان کو مستقل رسم قرار دینے کی وجہ سے بدعت ہیں، ان کی بطورِ رسم ادائیگی موجبِ ثواب ہی نہیں، پھر ایصالِ ثواب کہاں! (مشکوۃ المصابیح:ص/۲۰۶)

مسئلہ (۱۶۷): آج کل اکثر وبیشتر خطوں اور قصبوں میں یہ رواج ہے کہ میت کے انتقال کے بعد مخصوص دنوں اور متعینہ تاریخوں (مثلاً تین روز، یا چالیس روز بعد، یا جو بھی ایام متعین کیے گئے ہوں ان) میں میت کے گھر پر لوگ قرآن مجید پڑھتے ہیں، ختم قرآن مجید کے لیے حفاظ وقراء کو دعوت دے کر جمع کیا جاتا ہے، اسی طرح چنوں اور گٹھلیوں وغیرہ پر کلمہ پڑھ کر میت کو ثواب پہنچانا مروج ہے، اور پھر اخیر میں مٹھائی، شیرینی وغیرہ تقسیم کی جاتی ہے، جب کہ خیر القرون میں ایصالِ ثواب کا یہ طریقہ نہیں تھا، لہٰذا یہ تمام امور بدعت اور ناجائز ہیں، البتہ اپنے طور پر صدقاتِ نافلہ یا تلاوت یا تسبیح وتہلیل وغیرہ کا ثواب میت کو پہنچانا حدیث سے ثابت ہے۔ (فتاوی رحیمیہ:۲/۱۱۶، احسن الفتاوی:۱/۳۶۲)

مسئلہ (۱۶۸): عورتوں کا مزار پر بغرضِ زیارت جانا جائز ہے، لیکن چونکہ فی زمانہ مزارات پر مردوں اور عورتوں کا اختلاط لازم آتا ہے، جس سے فتنہ یقینی ہے، تو ایسی صورت میں عورتوں کا مزار پر جانا، ناجائز وحرام ہے۔ (عمدۃ القاری:۸/۹۷-۹۹)

مسئلہ (۱۶۹): جنازہ اٹھاتے وقت اور جس وقت لوگ نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے جمع ہوتے ہیں، اس وقت فاتحہ خوانی کا دستور مکروہ اور قابلِ ترک ہے، اسی طرح نمازِ جنازہ کے بعد متصلاً جمع ہو کر فاتحہ خوانی کا دستور بھی غلط اور مکروہ ہے، اور قبرستان کے باہر اور مکان پر جا کر فاتحہ خوانی کا دستور خلافِ سنت ہے، البتہ میت کو دفنانے کے بعد قبر پر کچھ دیر تک دعا کرنا اور کچھ پڑھ کر بخشنا ثابت اور مسنون ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۵/۳۱۹)

مسئلہ (۱۷۰): بعض جگہوں پر جب جنازے کو لے کر چلتے ہیں، تو آگے آگے چند آدمی بلند آواز سے کلمۂ طیبہ اور دوسرے دعائیہ الفاظ، مثلاً: " اغفر لي ، یا غفور " وغیرہ پڑھتے ہیں، اور یہ سلسلہ قبرستان تک رہتا ہے، جبکہ جنازے کے ساتھ ذکرِ خفی یعنی آہستہ سے ذکر کی اجازت ہے، زور سے پڑھنے کی اجازت نہیں، لہٰذا جنازے کے آگے چند آدمیوں کا آواز

ملا کر بلند آواز سے پڑھنے کا طریقہ خلافِ سنت اور مکروہِ تحریمی ہے۔ (البحر الرائق: ۵/ ۱۲۸)

مسئلہ (۱۷۱): تدفین کے بعد اور قبروں کی زیارت کے وقت، قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ممنوع نہیں، بلکہ مندوب ہے، البتہ قبر سامنے ہو اور صاحبِ قبر سے استمداد یعنی مدد مانگنے کا شبہ ہو تو ہاتھ اٹھانا ممنوع ہے۔

(فتاوی رحیمیہ: ۲/ ۳۴۷، امداد الفتاوی: ۱/ ۵۷۸)

مسئلہ (۱۷۲): قبر پر اذان دینا بے اصل، بے بنیاد اور بدعتِ مخترعہ ہے، جس کا ترک لازم اور ضروری ہے۔

(صحیح البخاري: ۱/ ۳۷۱)

مسئلہ (۱۷۳): مجذوم اور ابرص کے ساتھ اختلاط کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، بلکہ حتی الامکان ان سے نفرت کا اظہار نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ یہ من جانب اللہ ہے۔ (السنن لابن ماجۃ: ص/ ۲۵۳)

مسئلہ (۱۷۴): اگر کسی بستی میں وبا پھیل جائے، تو اس بستی سے اس خیال سے نکلنا کہ اگر یہاں رہیں گے تو وبا میں مبتلا ہو جائیں گے، اور اگر یہاں سے چلے جائیں تو بچ جائیں گے، ناجائز ہے۔ (صحیح مسلم: ۲/ ۲۲۸)

مسئلہ (۱۷۵): خدا کی وحی آپ ﷺ پر ہی منقطع ہو چکی ہے، اور وحی نام ہے اس کلام اللہ کا جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہو، اور جب سلسلۂ نبوت ہی ختم ہو چکا تو وحی بھی منقطع ہو چکی ہے۔ **مہدی** موعود قریش کے خاندان سے ہونگے، جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے۔ **مسیح** موعود نبی نہیں ہونگے بلکہ وہ اس امت کے حاکموں کی طرح ایک حاکم ہونگے۔ **اللہ** تعالی انسان جیسے ہاتھ پیر سے منزّہ ہے اور جہاں قرآنِ کریم میں وجہ، ید، نفس وغیرہ کا ذکر آیا ہے، اس کی کیفیت اللہ ہی کے شایانِ شان ہے۔

(صحیح البخاری: ۱/ ۴۹۰)

مسئلہ (۱۷۶): اہلِ سنت والجماعت، فرقۂ ناجیہ اور اہلِ حق وہ ہیں، جو پیغمبر اسلام، خاتم الانبیاء والمرسلین، حضرت رسول مقبول ﷺ اور آپ کے اصحاب، خصوصاً خلفائے راشدین مہدیین کے طریقے اور سنت کے مطیع و متبع ہیں، **جن کی بنیادی علامتیں یہ ہیں:**

۱- جو پنج وقتہ نمازیں باجماعت ادا کرتے ہوں۔

۲- صحابہ میں سے کسی کی برائی اور تنقیص نہ کرتے ہوں۔

۳- سلطانِ وقت کے خلاف علمِ بغاوت بلند نہ کرتے ہوں۔

۴- اور نہ اس کے ایمان میں شک کرتے ہوں۔

۵- جو اس بات پر ایمان رکھتے ہوں کہ اچھی یا بری تقدیر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

۶- جو دینِ الٰہی کے بارے میں مباحثہ ومجادلہ نہ کرتے ہوں۔

۷- جو کسی گناہ کے سبب اہلِ توحید میں سے کسی کی تکفیر نہ کرتے ہوں۔

۸- اور نہ اہلِ قبلہ میں سے کسی میت پر نمازِ جنازہ ترک کرتے ہوں۔

۹- جو مسح علی الخفین کو سفر وحضر میں جائز سمجھتے ہوں۔

۱۰- اور ہر نیک و گنہگار امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوں۔

نیز حاوی میں دس علامتیں اس طرح ہیں:

۱- جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہیں جو اس کی صفات کے لائق اور شایانِ شان نہ ہو۔

۲- جو قرآن کے کلامِ باری تعالیٰ ہونے کا اقرار کرتے ہوں، نہ کہ مخلوق۔

۳- جو ہر نیکو کار و بدکار کے پیچھے جمعہ وعیدین کی نمازیں پڑھنا صحیح سمجھتے ہوں۔

۴- جو اچھی اور بری تقدیر کو من جانب اللہ سمجھتے ہوں۔

۵- جو مسح علی الخفین کو جائز سمجھتے ہوں۔

۶- جو امیر کے خلاف علمِ بغاوت بلند نہ کرتے ہوں۔

۷- جو حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کو دیگر تمام صحابہ پر فضیلت دیتے ہوں۔

۸- جو اہلِ قبلہ میں سے کسی کو گناہ کی وجہ سے کافر نہ ٹھہراتے ہوں۔

۹- جو اہلِ قبلہ پر نمازِ جنازہ پڑھتے ہوں۔

۱۰- جو جماعت کو رحمت اور فُرقت کو عذاب سمجھتے ہوں۔ (تکملۃ البحر الرائق: ۸/۳۳۳، ۳۳۴، عقیدۃ الطحاوی: ص/۱۰)

مسئلہ (۱۷۷): مسح علی الخفین مذہبِ اسلام میں اہلِ سنت والجماعت کی خصلتوں میں سے ہے، مسح علی الخفین کے سلسلہ میں امام مالک فرماتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی مدت متعین نہیں، بلکہ آدمی جتنے دن چاہے مسح کرے، ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک مدت مسح متعین ہے، مسافر کے لیے تین دن تین رات، اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات۔ (السنن لأبی داود: ص/۲۱)

مسئلہ (۱۷۸): بنیادی گمراہ فرقے چھ ہیں، پھر ان میں سے ہر ایک کے تحت بارہ شاخیں نکلتی ہیں، اس طرح کل ملاکر بہتر "۷۲" اور ایک فرقۂ ناجیہ۔

چھ **بنیادی** فرقے: روافض، خوارج، جبریہ، قدریہ، جہمیہ، مرجیہ۔

روافض کی شاخیں: علویہ، ابدیہ، شیعیہ، اسحاقیہ، زیدیہ، عباسیہ، امامیہ، تناسخیہ، نادیہ، لاعنیہ، واجعہ، وابصہ۔

خوارج کی شاخیں: ازدیہ، اباحنفیہ، تغلبیہ، حارضیہ، خلقیہ، کوریہ، معتزلہ، میمونیہ، کنزیہ، محکمیہ، اخنسیہ، شرافیہ۔

جبریہ کی شاخیں: مضطریہ، افعالیہ، معیہ، معزویہ، مجازیہ، مطمئنیہ، کسلیہ، سابقیہ، حبیبیہ، خوفیہ، فکریہ، جسلسیہ۔

قدریہ کی شاخیں: احمدیہ، شنویہ، کسانیہ، شیطانیہ، شریلیہ، وہیمیہ، رویدیہ، ناکشیہ، تبریہ، فاسطیہ، نظامیہ، منزلیہ۔

جہمیہ کی شاخیں: مخلوقیہ، غیریہ، واقفیہ، خیریہ، زنادقیہ، لفظیہ، رابعیہ، متراقبیہ، واردیہ، فانیہ، حرقیہ، معطلیہ۔

مرجیہ کی شاخیں: تارکیہ، شانیہ، رابیہ، شاکیہ، بہمیہ، عملیہ، منقوحیہ، شتسنیہ، اثریہ، بدعیہ، حشویہ، مشبہہ۔

(عقیدۃ الطحاوی: ص/۱۱)

مسئلہ (۱۷۹): رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا نصوصِ شرعیہ سے ثابت ہے، قادیانی نے چونکہ نبوت کا دعویٰ کیا، لہٰذا جو شخص آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے، اور جو لوگ ایسے مدعی نبوت کی اتباع کریں نصوصِ شرعیہ اور ضروریات دین کے منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہیں۔ (سورۃ الأحزاب: ۴۰)

مسئلہ (۱۸۰): قادیان ضلع گورداس پور ''پنجاب'' کا ایک قصبہ ہے، یہیں مرزا غلام احمد کی پیدائش ہوئی تھی، اس نے پہلے مسیحِ موعود ہونے کا دعوی کیا، پھر اس کے بعد نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور اپنا ایک مستقل دین قائم کیا اور اس پر ایمان لانے والوں کو صحابہ کا ہم رتبہ قرار دیا، اور اس کی بیوی کو ام المؤمنین کا لقب دیا، اس ملت و مذہب پر ایمان لانے والے فرقہ کو فرقۂ قادیانیت کہا جاتا ہے۔

قادیانیوں کے عقائد:

آپ ﷺ خاتم النبیین نہیں تھے، خدا کی وحی آپ ﷺ کے ساتھ منقطع نہیں ہوئی، مہدی موعود قریش کے خاندان سے نہیں ہونا چاہیے، مسیحِ موعود نبی ہونگے، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پیر ہیں۔ (صحیح البخاری: ۲/۱۰۳۵)

مسئلہ (۱۸۱): بہائیت نے شیعیت سے جنم لیا اور اس کے بانی مرزا علی محمد باب شیرازی (۱۸۲۰ء) نے شیعی غلو محبت اور اعتقاد کی آڑ لے کر اس مذہب کو فروغ دیا اور عقائد و اعمال، اوہام و خرافات کا ایک ایسا معجون مرکب تیار کر کے پیش کیا، جسے اسلام سے تو کیا، کسی بھی آسمانی مذہب کے دعویدار نظام ہدایت و ارشاد سے دور کا بھی تعلق نہ رہا، چونکہ اس کی تاسیس ہی درحقیقت مذہب کی آڑ میں مسلمانوں کی عداوت پر رکھی گئی تھی، تو اس کے علمبرداروں نے بھی کسی اخلاقی مجد و شرف، انسانی اقدار و شرافت، عقل و فکر کی پختگی، عقیدہ و عمل کی اصابت کا لحاظ کیے بغیر اس ملغوبہ میں ہر وہ عنصر شامل کر دیا جو کسی نہ کسی طرح اخلاقی و مذہبی اقدار

سے باغی اباحیت زدہ انسانوں کے لیے باعث کشش بن سکے۔

بہائی فرقہ کے بارے میں ایسے قطعی شواہد مل چکے ہیں کہ وہ درپردہ عالم عرب اور مسلمانوں کے خلاف اسرائیل اور صیہونیت کا آلۂ کار ہے، اور اسرائیل میں قائم کردہ اپنے مرکز کے ذریعے پورے عالم عرب میں سازشوں کا جال بچھا رہا ہے، یہ لوگ اسرائیل کی مالی مدد بھی کرتے ہیں، ''قاہرہ عرب لیگ'' کی ایک قرارداد میں بہائیت کو قطعی غیر اسلامی صہیونی فرقہ قرار دیتے ہوئے بلیک لسٹ میں شامل کردیا گیا ہے۔ **فرقۂ بہائیہ** چونکہ ضروریاتِ دین کا منکر ہے، مثلاً روزِ قیامت، دخولِ جنت وجہنم سے انکار، اللہ تعالیٰ کا کسی کے جسم میں حلول کرنے کا اعتقاد رکھنا، ختمِ نبوت سے انکار، میراث میں مرد وعورت کی مساوات، عدت سے انکار وغیرہ، یہ تمام عقائد ضروریاتِ دین میں ہیں، اور پوری امتِ مسلمہ کا ان پر اجماع ہے، لہٰذا ان میں سے کسی ایک سے انکار کرنا یا کسی کے جسم میں اللہ تعالیٰ کے حلول کا عقیدہ رکھنا موجبِ کفر وارتداد ہے، اسلام میں داخل ہونے کے لیے ''کل ما ثبت بالضرورۃ'' کا یقین اور اقرار کرنا ضروری ہے، کسی ایک حقیقت کا انکار بھی موجبِ کفر بن سکتا ہے، لہٰذا بہائیت کا عقیدہ رکھنے والے کافر ہیں۔ (قاموس المذاہب والأدیان: ص/۵۵-۵۷، المذاہب المعاصرۃ: ص/۲۶۹، سلسلۃ ماذا تعرف؟: ۲/۵۳۴)

مسئلہ (۱۸۲): شیعہ کے مختلف فرقے ہیں اور ہر ایک کے عقائد جدا جدا ہیں، اور ان کے عقائد میں سلفاً وخلفاً اختلاف چلا آرہا ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ان کی عدمِ تکفیر کا فتویٰ دیا جائے، البتہ ان کا جو فرقہ ضروریاتِ دین کا منکر ہو، ان کی تکفیر میں کسی کا اختلاف نہیں، مثلاً جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمتِ زنا لگاتا ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا منکر ہو، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی الوہیت کا قائل ہو وغیرہ۔ (فتاوی حقانیہ: ۱/۲۸۶)

مسئلہ (۱۸۳): بہ نیتِ تبلیغ وہدایت، غیر مسلم، انگریز وغیرہ کو دینی تعلیم یا قرآن سکھا سکتے ہیں۔

(روح المعانی: ۴/۶/۱۷۱، سورۃ المائدۃ: ۶۸)

مسئلہ (۱۸۴): کتابی یعنی یہودی ونصرانی کا ذبیحہ دو شرطوں کے ساتھ حلال ہے، ایک یہ کہ وہ اصلی کتابی ہو یعنی مرتد نہ ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ ذبح کے وقت اللہ کے سوا کسی کا نام نہ لیا گیا ہو، ہمارے زمانے میں اکثر یہود ونصاریٰ (اسرائیلی وعیسائی) برائے نام ہیں، ایسوں کا حکم اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) کا سا نہیں ہے، اس لیے گوشت کے بارے میں جب تک اس بات کا پورا اطمینان نہ ہو کہ یہ مسلمان یا اصلی کتابی کا ذبیحہ ہے، اور اس نے ذبح کے وقت اللہ کے سوا کسی کا نام نہیں لیا، تو احتیاطاً اس کا کھانا درست نہیں ہے۔ (سورۃ الأنعام: ۱۲۲)

مسئلہ (۱۸۵): خروج فی سبیل اللہ میں ہر نیکی سات لاکھ نیکی کا درجہ رکھتی ہے، لیکن لفظِ خروج فی سبیل اللہ بہت عام ہے،

دین کی ہر جد و جہد کے لیے نکلنا خروج فی سبیل اللہ ہے، مثلاً علم دین سیکھنے، وعظ کہنے، اصلاحِ نفس کی خاطر کسی بزرگ کی خدمت میں جانے، اور تبلیغِ دین کے واسطے جماعت بنا کر نکلنے وغیرہ جیسے تمام کاموں کے لیے نکلنا خروج فی سبیل اللہ میں شامل ہے۔
(مشکوۃ المصابیح:ص/۳۳۵)

مسئلہ (۱۸۶): تبلیغی جماعت میں جانا فرض کفایہ ہے، کیوں کہ مروجہ تبلیغ من جملہ امر بالمعروف میں سے ہے اور اس کا فرض کفایہ ہونا متفق علیہ ہے، البتہ دین سیکھنا فرض عین ہے، خواہ مدرسہ میں داخل ہو کر، یا خارجِ مدرسہ پڑھ کر ہو، خواہ اہلِ علم اور اہلِ دین کی خدمت میں جا کر ہو، یا تبلیغی جماعت کے ساتھ نکل کر۔ (روح المعانی:۴/۳۴)

مسئلہ (۱۸۷): تبلیغی جماعت والوں کا چھ نمبر کے دائرہ میں رہ کر کام کرنا، اور انہی چھ نمبروں کی دعوت دینا، اور اس کی حدود سے باہر نہ نکلنا، یہ سب تبلیغی جماعت کے اکابرین کے بنائے ہوئے اصول ہیں، اور چوں کہ یہ چھ نمبر قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، اس لیے ان پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا ہے۔ (فیض القدیر:۳/۵۲۱، رقم الحدیث:۴۱۷۶)

مسئلہ (۱۸۸): بیوی بچوں کے نفقہ کا انتظام کرنا واجب ہے، اس لیے اس کا انتظام کئے بغیر جماعت میں جانا جائز نہیں ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۰۶)

مسئلہ (۱۸۹): تبلیغی جماعت کا مقصد دین سیکھنا، اس کو پختہ کرنا اور دوسروں کو دین سیکھنے اور پختہ کرنے کے لیے آمادہ کرنا ہے، اور اس جذبہ کو عام کرنے کے لیے طویل سفر بھی اختیار کیے جاتے ہیں، جس طرح مرد اپنے دین کو سمجھنے اور پختہ کرنے کے محتاج ہیں عورتیں بھی محتاج ہیں، اور گھروں میں عامۃً اس کا انتظام نہیں ہے، اس لئے اگر عورتیں دور دراز مقام پر محرم کے ساتھ شرعی حدود کی رعایت کرتے ہوئے جائیں، اور کسی کے حقوق تلف نہ ہوں تو شرعاً اس کی اجازت ہے، بلکہ دینی اعتبار سے مفید اور اہم ہے۔ (أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ:۳/۴۰۸)

مسئلہ (۱۹۰): وعظ گوئی اور تذکیر دین کا ایک عظیم الشان رکن ہے، اگر کوئی شخص قرآن وحدیث کا عالم نہ ہو، تو ایسا شخص اس عظیم الشان منصب کا اہل نہیں ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۱۴)

مسئلہ (۱۹۱): پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مخلوق میں سب سے افضل حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، اور ان میں سب سے افضل جناب نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے، اور حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد مخلوق میں سب سے افضل ملائکہ اربعہ ہیں، اور حضرات صحابہ وتابعین دیگر تمام ملائکہ سے افضل ہیں۔ (سورۃ البقرۃ:۳۰، ۳۱، ۳۳، ۳۴)

مسئلہ (۱۹۲): اگر کوئی شخص کسی امام کو اپنی ذاتی عداوت کی بنا پر گالی دیتا ہے، تو وہ شخص سخت گنہگار ہے، کیوں کہ عام

مسلمان کو بھی گالی دینا فسق ہے، چہ جائیکہ کسی امام کو، ایسے شخص پر توبہ لازم ہے، اور امام سے معافی مانگنا واجب ہے، اور اگر گالیاں دینا ذاتی عداوت کی وجہ سے ہے، اسلام یا منصبِ امامت کو ذلیل کرنے کے لیے نہیں، تو اس کے ارتداد اور فسخِ نکاح کا حکم نہیں دیا جائیگا، البتہ اُس کے اِس عمل کو فسق اور گناہِ کبیرہ کہا جائیگا۔ (فتاوی محمودیہ:۶/۳۲۹)

مسئلہ (۱۹۳): بغیر کسی سببِ ظاہری اور عداوت کے، امام کو حقارت کی نظر سے دیکھنا اور اس کو برا کہہ کر نکال دینا شرعاً حرام ہے۔ (سورۃ الحجرات:۱۱)

مسئلہ (۱۹۴): علماء دین کا استہزاء اور ان کی تحقیر کرنا اگر ان کے علم کی وجہ سے ہے تو کفر ہے، اور اگر کسی اور وجہ سے ہے تو سخت گناہ اور فسق ہے۔ (شرح الفقہ الأکبر:ص/۱۷۳)

مسئلہ (۱۹۵): علماء کرام وطلباء عظام کی اہانت، استخفاف، ان کو گالی دینا، برا بھلا کہنا اور ان کی توہین کرنا اگر اس بنا پر ہو کہ وہ حاملینِ علمِ دین ہیں تو یہ کفر ہے، اور اگر اس کی وجہ کوئی سببِ ظاہری یا عداوتِ دنیوی ہے، تو ایسا کرنا کفر نہیں بلکہ گناہ ہے۔ (جامع الترمذي:۲/۹۷، ۹۸)

مسئلہ (۱۹۶): علم اللہ کی صفت ہے اور اللہ اپنی اس صفت سے اپنے پسندیدہ بندوں کو ہی نوازتے ہیں، تا کہ وہ نائبینِ رسول بن کر لوگوں کو راہِ شریعت بتلائیں، بلا کسی سببِ ظاہری اور عداوتِ دنیوی، کسی عالمِ دین یا حافظِ قرآن کی اہانت درحقیقت علمِ دین کی اہانت ہے، جس کو کفر قرار دیا گیا ہے، اس لئے اس سے کلی اجتناب ضروری ہے۔ (مجمع الأنہر:۲/۵۰۹)

مسئلہ (۱۹۷): استاذ کی شان میں بلا وجہ شرعی گستاخی اور اس کی توہین کرنا گناہ ہے، اور اگر بر بناء استخفافِ علم دین استاذ کی توہین کی گئی، تو یہ موجبِ کفر ہونے کی وجہ سے، توبہ واستغفار اور تجدید ایمان ونکاح لازم ہوگا۔ (خلاصۃ الفتاوی:۴/۳۲۶، ۳۲۷)

مسئلہ (۱۹۸): نماز شعائرِ اسلام میں سے ایک اہم ترین اور بنیادی شعار ہے، لہٰذا اس کا تمسخر اور مذاق اڑانے والا شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہوگا، اور اس کا نکاح بھی ٹوٹ جائیگا، ایسے شخص پر تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح لازم اور ضروری ہے، جب تک توبہ کر کے تجدیدِ ایمان ونکاح نہ کرے اس وقت تک تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے شخص سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کردیں، اور اگر ایسی حالت میں عورت کو اپنے ساتھ رکھا تو اس درمیان جو بھی اولاد پیدا ہوگی وہ اولاد الزنا کہلائیگی، البتہ تجدیدِ نکاح سے پہلے جو اولاد پیدا ہوگی ان کا نسب شخصِ مذکور سے ثابت ہوگا۔ (رد المحتار:۶/۳۹۰، ۳۹۱، کتاب الجہاد)

مسئلہ (۱۹۹): مسجد شعائر اللہ میں داخل ہے، اور شعائر اللہ کی توہین بعض اوقات موجبِ کفر بنتی ہے، اس لیے اگر کوئی شخص مسجد کی توہین کرتا ہے تو اس پر کفر کا شدید خطرہ ہے، اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے،

جب تک وہ اپنے قول سے توبہ واستغفار نہ کرلے۔ (سورۃ الحج:۳۲)

مسئلہ (۲۰۰): اگر کوئی شخص فتویٰ کی توہین کرے اور وہ سمجھدار ہے، اور فتویٰ موافقِ شرع ہے، تو توہین کرنے والے کے لیے تجدید ایمان اور تجدید نکاح کی ضرورت ہے، کیوں کہ توہین کرنے والا شرعاً کافر ہے۔ (خلاصۃ الفتاوی:۴/۳۸۸)

مسئلہ (۲۰۱): بہت سے حضرات مسائلِ شرعیہ یعنی فتووں کی یہ کہہ کر تحقیر کرتے ہیں کہ یہ مفتیوں کی خانہ ساز باتیں ہیں، لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں، یا آج ان فتووں پر کون عمل کرتا ہے، اس طرح کی دیگر توہین آمیز باتیں فتاوی کے متعلق کہی جاتی ہیں، اگر یہ باتیں دیدہ ودانستہ، شریعت کی توہین واستخفاف کے لئے کہی جائے تو کہنے والے کے کفر کا اندیشہ ہے، اس لئے اس طرح کی باتوں سے کلی اجتناب ضروری ہے۔ (بزازیہ علی الہندیۃ:۶/۳۳۷، مالا بدمنہ:ص/۱۳۳)

مسئلہ (۲۰۲): داڑھی رکھنا واجب اور شعارِ اسلام میں سے ہے، داڑھی کا حلق کرنا، یا ایک مشت سے کم داڑھی کا رکھنا بالاجماع حرام ہے، نیز حضور ﷺ کی کسی ادنی سے ادنی سنت کا مزاق اڑانا اور استہزاء کرنا حضور ﷺ کے ساتھ استہزاء اور مذاق کرنے کے مترادف ہے جو کہ حرام وکفر ہے، اور داڑھی چونکہ شعارِ اسلام میں سے ہے اور وجوب کا درجہ رکھتی ہے، لہٰذا اس کا مذاق اڑانا اور استہزا کرنا تو اشد کفر اور حرام ہوگا، ایسے آدمی کا نکاح اور ایمان کی تجدید کرنا لازمی، اور آئندہ ایسے اقوال وافعال سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۷۵، مشکوۃ المصابیح:ص/۳۸۰)

مسئلہ (۲۰۳): کسی ادنیٰ سنت کی توہین اور اس کا مذاق اڑانا کفر ہے، تو داڑھی (جس کا رکھنا واجب اور شعائرِ اسلام میں سے ہے) کی توہین، مثلاً یوں کہنا، داڑھی رکھنا شیطان کا کام ہے، یا داڑھی والے جھوٹ بولتے ہیں، یا داڑھی گالوں پر کوڑا اور جنگل ہے، یا یہ کہے کہ داڑھی بکری کی دم ہے، بدرجۂ اولیٰ کفر ہوگا۔ (شرح الفقہ الأکبر:ص/۱۶۷)

مسئلہ (۲۰۴): داڑھی رکھنا صرف رسول اللہ ﷺ ہی کی محبوب سنت نہیں بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے، اور دینِ اسلام کے شعائر میں سے ہے، اس لیے داڑھی کی وجہ سے کسی مسلمان کی تحقیر کرنا اور اس کو برا بھلا کہنا ایمان کو زائل کردیتا ہے، لہٰذا داڑھی کی توہین کرنے سے مسلمانوں کو پرہیز کرنا چاہیے۔ (سورۃ الحج:۳۲)

مسئلہ (۲۰۵): اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو پردۂ شرعی کا حکم دیا اور جواباً اس عورت نے کہا کہ میں اخیر عمر تک یہ لعنت قبول نہ کروں گی، تو شرعاً عورت کا یہ کلمہ، کلمۂ کفر ہے، کیوں کہ اس میں صریح نصِ قطعی سے ثابت شدہ حکمِ حجاب کا انکار ہی نہیں بلکہ اہانتِ حکمِ شرعی ہے، اور نصِ قطعی سے ثابت شدہ حکم کا انکار اور اس کی توہین کرنے سے انسان کافر ہوجاتا ہے، لہٰذا اس عورت پر توبہ، تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح ضروری ہے۔ (البحر الرائق:۵/۲۰۵، احسن الفتاوی:۱/۳۹)

مسئلہ (۲۰۶): عمامہ باندھنا سنتِ نبوی ﷺ ہے، اگر کوئی مسلم شخص عمامۂ مسنونہ کی توہین وتحقیر کرتا ہے، تو اس کا یہ عمل موجبِ کفر ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۲/ ۵۳۹، جامع الفتاوی: ۱/ ۳۰۱)

مسئلہ (۲۰۷): اگر کوئی شخص کسی کو کوئی حدیث شریف سنائے اور اس پر وہ شخص یہ کہے میں تو اسے بار بار سن چکا ہوں، اگر اس کا یہ قول استخفافاً ہے تو اس کے لئے ایمان ونکاح کی تجدید اور توبہ لازم ہے، اور اگر استخفافاً نہیں ہے تو موجبِ کفر نہیں ہے۔ (البحر الرائق: ۵/ ۲۰۴)

مسئلہ (۲۰۸): آج کل تعلیم گاہوں میں جو علم پڑھا جاتا ہے وہ علم نہیں بلکہ ہنر، پیشہ اور فن ہے، وہ بذاتِ خود نہ اچھا ہے نہ برا، اس کا انحصار اس کے صحیح یا غلط مقصد اور استعمال پر ہے، حدیث میں جس علم کو فرض قرار دیا گیا ہے اس سے علمِ دین مراد ہے جو کہ اصل ہے، مثلاً: قرآن، تفسیرِ قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ، اور اسی کے حکم میں وہ علم بھی مراد ہوگا جو دین کے لیے وسیلہ وذریعہ کی حیثیت رکھتا ہو جیسے نحو، صرف، بلاغت، منطق وقرأت وغیرہ۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱/ ۴۳۴)

مسئلہ (۲۰۹): ہر ایک کی موت کا سبب اور وقت سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے، بعض دفعہ آدمی ڈوبتا ہے، زہر کھاتا ہے، مگر وقت نہیں آتا تو نہیں مرتا، جب وقت آتا ہے تب مرجاتا ہے، کوئی حفاظت موت کے لیے کارگر نہیں ہوتی، یہی حال خودکشی کرنے والوں کا ہے، کسی کی موت کسی کے ہاتھ میں نہیں ہوتی ہے، اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ خودکشی کرنے والے کی موت اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے، یہ غلط ہے۔ (صحیح مسلم: ۱/ ۳۰۱)

مسئلہ (۲۱۰): مرشدِ کامل کی پہچان یہ ہے کہ اس کے عقائد قرآن وحدیث کے مطابق ہوں، اخلاق نبویہ کے ساتھ متصف ہوں، ضروریات دین کا علم رکھتا ہو، متبع سنت ہو، مال وجاہ کا لالچی نہ ہو، آخرت درست کرنے کی فکر ہر وقت ہو، مخلوق پر شفیق ہو، کسی کامل بزرگ کی صحبت اور تعلیم کے ذریعہ سے اپنے نفس کی اصلاح کی ہو، اور ان بزرگ نے اس پر اعتماد کیا ہو، اس کی صحبت میں بیٹھنے والوں کی حالت روز بروز درست ہوتی ہو، یعنی دنیا کی رغبت کم اور آخرت کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہو۔ (شرح العقائد النسفیۃ: ص/ ۱۴۵)

مسئلہ (۲۱۱): پیر ومرشد کے لیے ضروری ہے کہ صحیح العقیدہ، صادق الاقوال ہو، بقدرِ ضرورت علمِ دین سے واقف ہو، متبعِ شریعت اور پابندِ سنت ہو، بدعت سے متنفر ہو، کسی بزرگ کی خدمت میں اپنے نفس کی اصلاح کرچکا ہو، اور ان بزرگ نے اس پر اعتماد فرمایا ہو۔ (القول الجمیل فی بیان سواء السبیل: ص/ ۶-۹، بحوالہ فتاوی محمودیہ: ۴/ ۳۵۸)

مسئلہ (۲۱۲): بیک وقت متعدد مشائخ سے بیعت کرنا اگر کسی ضرورت کی بنا پر ہو، مثلاً پہلے شیخ سے فیض میں کوئی خلل ظاہر ہو تو کوئی حرج نہیں، اور اگر بلا کسی عذر کے ہو تو یہ ایک طرح کا کھلواڑ ہے۔ (فتاوی حقانیہ: ۳/ ۲۵۸)

پاکی وناپاکی کا بیان

مسئلہ (۱): دہ دردہ حوض کی تعریف یہ ہے کہ اس کا کل رقبہ یعنی طول وعرض کا حاصلِ ضرب سوذراع برابر ۲۲۵/اسکوائر فٹ ہو، اس لحاظ سے مسجد میمنی کا حوض دہ دردہ مربع حوض کے حکم میں ہے، کیوں کہ اس کے طول وعرض کا حاصلِ ضرب تقریباً ۲۲۶ء۳/اسکوائر فٹ ہے، لہٰذا اگر اس حوض میں کوئی نجاست گر جاوے، تو جب تک اس کے پانی میں نجاست کا کوئی اثر یعنی رنگ، بو اور مزہ ظاہر نہ ہو، وہ پانی پاک ہی رہے گا، اور اس سے وضو اور غسل وغیرہ کرنا درست ہوگا۔ (ھدایہ:۱/۳۶)

مسئلہ (۲): ٹرین یعنی ریل گاڑی کی ٹنکی میں جو پانی ہوتا ہے، اگر اس میں اوصافِ ثلاثہ یعنی رنگ، بو اور مزہ میں سے کوئی وصف نہ پایا جائے تو وہ پانی پاک ہے، اس سے وضو اور غسل کرنا درست وجائز ہے، طبعی کراہت کی وجہ سے اس کی پاکی میں شبہ نہ کیا جائے۔ (ہندیہ:۱/۱۷)

مسئلہ (۳): ٹرین کے بیت الخلاء میں بذریعۂ نل آنے والا پانی پاک ہوتا ہے، لہٰذا اس سے وضو اور غسل درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ:۵/ ۱۲۸، کراچی)

مسئلہ (۴): آج کل عام شہروں میں گھروں کے اندر غسل خانوں وغیرہ میں پانی پہنچانے کیلئے پائپ سسٹم کا رواج ہے، جیسا کہ خود ہمارے جامعہ میں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، جس کا طریقۂ عمل یہ ہے کہ بورنگیں چالو کی جاتی ہیں، جس سے ٹنکیوں میں پانی پہنچ جاتا ہے، پھر ان ٹنکیوں کے ذریعہ یہ پانی مختلف جگہوں میں پہنچایا جاتا ہے، عام طور پر یہ ٹنکیاں دہ دردہ (جس کا کل رقبہ یعنی طول وعرض کا حاصلِ ضرب سوذراع برابر ۲۲۵/اسکوائر فٹ ہو) سے کم ہوتی ہیں، اگر ان میں نجاست ایسی حالت میں گری ہے کہ اس کا پانی دونوں طرف سے جاری ہے، مثلاً بورنگ کے ذریعہ ایک طرف سے پانی چڑھایا جارہا ہے اور دوسری طرف پائپ کے ذریعہ غسل خانوں، بیت الخلاء وغیرہ میں پانی نکالا جارہا ہو تو اکثر فقہاء کرام کے نزدیک اس وقت یہ ٹنکیاں ماءِ جاری کے حکم میں ہونے کی وجہ سے اس وقت تک ناپاک نہیں ہوں گی، جب تک پانی کے بنیادی تین اوصاف رنگ، بو اور مزہ میں سے کوئی ایک نہ بدل جائے، لیکن اگر یہ نجاست ٹنکی میں ایسے وقت گری کہ پانی دونوں طرف سے جاری تھا اور پھر کسی ایک طرف سے پانی کے بند ہونے کے بعد بھی اسی میں پڑی رہی، یا ایسے وقت گری کہ ان ٹنکیوں کا پانی دونوں طرف سے جاری نہ ہو، دونوں طرف میں سے کسی ایک طرف سے بند ہو، مثلاً بورنگ کے ذریعہ پانی چڑھایا تو جارہا ہے مگر اس کا اخراج نہیں ہورہا ہے، یا اخراج ہورہا ہے مگر پانی نہیں چڑھایا جارہا ہے، بلکہ محض ٹنکی میں موجود پانی کا اخراج ہورہا ہے، تو ایسی صورت میں یہ ٹنکیاں ناپاک ہوجائیں گی، اور اگر یہ ٹنکیاں دہ دردہ ہیں تو ماءِ جاری کے حکم میں ہوں گی، اور ناپاکی گرنے کے بعد اس وقت تک ناپاک

شمار نہ ہوں گی جب تک پانی کے تین وصفوں میں سے کوئی ایک وصف نہ بدل جائے، ان دونوں طرح کی ٹنکیوں کی پاکی کا طریقہ یہ ہوگا کہ اگر محسوس جسامت رکھنے والی ناپاکی گری ہے تو اسے ان ٹنکیوں سے نکال دیا جائے، پھر ان کو دونوں طرف سے جاری کردیا جائے، دوسری طرف سے پانی نکلتے ہی یہ ٹنکیاں پاک ہوجائیں گی، پانی کی کسی خاص مقدار کا نکالنا ضروری نہیں ہے، البتہ بعض فقہاء کرام کے نزدیک احتیاطاً تین مرتبہ اور بعض کے ہاں ایک مرتبہ حوض یا ٹنکی کا پانی بھر کر نکال دینا ضروری ہے، اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ ایک طرف سے پاک پانی داخل کر کے دوسری طرف سے اتنا پانی نکال دیا جائے جتنا کہ وقوعِ نجاست کے وقت اس حوض یا ٹنکی میں موجود ہے، اس کے بعد حوض یا ٹنکی اور اس کے پائپ کو پاک سمجھا جائے، اور اگر تھوڑا سا پانی نکل جانے کے بعد بھی استعمال کرلیا جائے تو قول مختار کے موافق گنجائش ہے۔ (الدر مع الرد:۱/۳۴۵)

مسئلہ (۵): اگر کوئی شخص بارش کا پانی پرنالہ کے ذریعہ کسی برتن وغیرہ میں روک کر ذخیرہ کرلے، اور اس میں کوئی نجاست نہ ہو تو وہ پانی پاک ہے، اس سے وضو اور غسل کرنا درست ہے۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ:۱/۷۹)

مسئلہ (۶): بارش میں سڑکوں اور راستوں پر جو کیچڑ یا پانی موجود ہوتا ہے، وہ عموماً ناپاک نہیں ہوتا، اس لیے اگر وہ بدن یا کپڑے وغیرہ پر لگ جائے تو بدن یا کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، ہاں! اگر اس کا ناپاک ہونا غالب ہو، مگر ناپاکی کا کوئی اثر دکھائی نہ دے، اور اس طرح کا پانی یا کیچڑ بلاقصد وارادہ بدن یا کپڑے پر لگ جائے، اور وہ شخص ایسا ہو کہ اس کو عام طور پر بازار آنا جانا پڑتا ہو، اور پانی و کیچڑ سے بچنا بھی مشکل ہو، تو اس کی نماز بدن یا کپڑے کو دھوئے بغیر بھی صحیح ہوگی، اور اگر وہ ایسا نہیں تو بدن اور کپڑے کو دھونا ضروری ہوگا۔ (ہندیۃ:۱/۱۷)

مسئلہ (۷): بعض بڑی مچھلیوں میں سرخ رطوبت زیادہ نکلتی ہے، حضرات فقہاء کرام کی رائے یہ ہے کہ وہ حقیقت میں خون نہیں ہے، کیوں کہ خون کی علامت یہ ہے کہ جب وہ سوکھتا ہے تو سیاہ پڑ جاتا ہے، اور مچھلی سے نکلنے والی رطوبت سوکھنے کے بعد سیاہ نہیں پڑتی، اس لئے راجح قول یہ ہے کہ مچھلی بڑی ہو یا چھوٹی، اور سرخ رطوبت زیادہ مقدار میں ہو یا کم مقدار میں، بہر صورت وہ خون کے حکم میں نہیں ہے، اس لئے کپڑے یا جسم پر لگ جائے تو اس کا دھونا ضروری نہیں، از راہِ نظافت دھولیا جائے تو بہتر ہے۔ **اس** کے علاوہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ خون مطلقاً ناپاک نہیں ہے، بلکہ بہتا ہوا خون جو رگوں سے خارج ہوتا ہے وہ ناپاک ہے، اور مچھلی سے جو خون خارج ہوتا ہے وہ گوشت کا خون ہوتا ہے نہ کہ رگوں کا۔ (ہندیہ:۱/۴۶)

مسئلہ (۸): چھپکلی دو طرح کی ہوتی ہے، بڑی چھپکلی، چھوٹی چھپکلی، بڑی چھپکلی جو شہر میں نہیں بلکہ جنگل میں ہوتی ہے، اور وہ بھی بعض علاقوں میں، اس میں خون ہوتا ہے، اگر وہ چھوٹے کنویں یا حوض میں گر کر مر جائے، تو اس سے کنواں اور حوض

ناپاک ہوجائیگا، اوراس چھپکلی کونکالنے کے بعد، ۲۰/سے۳۰/ڈول پانی نکالنے سے کنواں پاک ہوجائیگا، اوراگر وہ پھول گئی سڑ گئی، تو پوراپانی نکالنالازم ہوگا، اوراگر یہ ممکن نہ ہوتو ۲۰۰/سے۳۰۰/ڈول پانی نکالنے سے کنواں پاک ہوجائیگا، اور جو چھپکلی عامۃً گھروں کی چھتوں اور دیواروں پر ہوتی ہے وہ چھوٹی ہے، اگر وہ پانی میں گرگئی اور پھرنکال دی گئی تو وہ پانی پاک ہے، اس سے وضو اورغسل جائزہے۔ (بدائع الصنائع:۱/۳۶۸)

مسئلہ (۹): گرگٹ کوفقہاء ''سام ابرص'' سے تعبیر کرتے ہیں، چونکہ اس میں خون ہوتا ہے، اس لئے اس کے کنویں میں گرکرمرجانے سے بیس ڈول پانی نکالا جائیگا۔ (فتح القدیر لابن الہمام:۱/۱۰۷)

مسئلہ (۱۰): سانپ دوطرح کا ہوتا ہے، بحری اور بری وجنگلی، اگر بحری سانپ جس میں خون نہیں ہوتا، کنویں یا حوض میں مرجائے تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوگا، اوراگر برّی وجنگلی سانپ، جس میں خون ہوتا ہے، چھوٹے حوض یا کنویں میں گرکر مرجائے، تو اس کے مرنے سے کنواں یا حوض ناپاک ہوجائیگا۔ (الدرمع الرد:۱/۳۳۱)

مسئلہ (۱۱): اگر کپڑے پرایسی نجاست لگ جائے جوسوکھنے اورخشک ہونے کے بعدنظرآئے اور کپڑے کوبالٹی میں بھگو کرنکال لیا جائے اوراس کونچوڑ لیا جائے اورنجاست زائل ہوجائے تو وہ پاک ہوگا، اوراگر کپڑے پرایسی نجاست لگ جائے جو خشک ہونے کے بعدنظرنہ آئے تو اس کومحض بالٹی میں بھگوکرنکال لینے سے وہ پاک نہیں ہوگا، بلکہ اس کی پاکی کے لیے اس کوتین مرتبہ دھونا اور ہر بار نچوڑناضروری ہے۔ (مبسوط:۱/۲۲۲)

مسئلہ (۱۲): بعض لوگ کہتے ہیں کہ ناپاک کپڑادھوکر جب تک سوکھ نہ جائے وہ پاک نہیں ہوتا اس میں نمازنہیں ہوتی، یہ خیال بالکل غلط ہے، کپڑادھونے کے بعد پاک ہوجاتا ہے، اس کے ساتھ نمازبھی درست ہے اگر چہ کپڑاترہی کیوں نہ ہو۔ (بخاری:۱/۳۶)

مسئلہ (۱۳): فقہاءکرام نے نجس کپڑے کوپاک کرنے کا طریقہ یوں بیان فرمایا ہے کہ اگر کپڑے پرنجاستِ مرئیہ (ایسی نجاست جوخشک ہونے کے بعدنظرآئے) لگی ہوتوعینِ نجاست کا دورکرناضروری ہے، خواہ اس کا اثرباقی رہے اوراگر کپڑے پر نجاستِ غیرمرئیہ (ایسی نجاست جوخشک ہونے کے بعدنظرنہ آئے) لگی ہوتو اس کی پاکی میں مفتی بہ قول کے مطابق بلاتعیینِ عددِ غسل غلبۂ ظن کا اعتبار کیا گیا ہے، اورتین مرتبہ دھونے اور ہر مرتبہ نچوڑنے کاحکم اس لیے دیا گیا کہ اس سے غلبۂ ظن حاصل ہوجاتا ہے، اگراس طریقہ سے ناپاک کپڑے کودھویا گیا تو وہ پاک ہوگا، خواہ وہ دھونے والامسلمان ہویاغیرمسلم۔ (مبسوط:۱/۲۲۲)

مسئلہ (۱۴): اگرناپاک کپڑانل کے نیچے رکھ کر، اُس پراس قدر پانی بہادیا جائے کہ ناپاکی ختم ہوجائے، تو کپڑاپاک ہوجائیگا۔ (فتاوی محمودیہ:۵/۲۵۷)

مسئلہ (۱۵): دودھ پیتے بچے یا بچی کا پیشاب ناپاک ہے، لہٰذا اگر کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو اس کا دھونا ضروری ہے، بغیر پاک کئے نماز درست نہیں ہوگی۔ (السنن لأبی داود: ص/۵۴)

مسئلہ (۱۶): شرعاً کافر کا جسم پاک ہے، اور جس استرے سے کافر کی حجامت بنائی گئی ہو، وہ استرہ بھی پاک ہے، لہٰذا اسی استرے سے کسی مسلمان کی حجامت بنوانا بھی درست ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۳۴، سورۃ التوبۃ: ۲۸)

مسئلہ (۱۷): جنابت کی حالت میں ناخن اور بال ترشوانا مکروہ ہے۔ (رسالہ ہدایۃ النور: تتمہ ثالثہ: ص/۱۲، بحوالہ امداد الفتاوی: ۱/۸۵)

مسئلہ (۱۸): آج کل کوٹ پتلون یا شیروانی ڈرائی کلینر (Dry Cleaner) کے ذریعہ پٹرول وغیرہ سے دھوئے جاتے ہیں اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱- اگر یہ کپڑے پہلے سے پاک تھے اور ڈرائی کلینگ (Dry Cleaning) کے وقت ان کے ساتھ ناپاک کپڑے نہ ملائے گئے ہوں تو ان کپڑوں کی پاکی متاثر نہ ہوگی اور وہ پاک ہی رہیں گے۔

۲- اگر ان پر ایسی ناپاکی لگی تھی جو خشک ہونے کے بعد دکھائی دیتی ہے اور ڈرائی کلینگ (Dry Cleaning) کے بعد وہ دور ہوگئی تو یہ کپڑے پاک ہونگے، کیونکہ نجاستِ مرئیہ میں عینِ نجاست کا ازالہ مقصود ہوتا ہے، خواہ وہ کسی بھی طریقہ سے حاصل ہو، البتہ ان دونوں صورتوں میں بھی احتیاط اسی میں ہے کہ کپڑے دھل کر آنے کے بعد خود ان کو پاک کرلیں۔

۳- اگر کپڑوں پر ایسی ناپاکی لگی تھی جو خشک ہونے کے بعد دکھائی نہ دیتی ہو تو اس کی پاکی کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو تین بار دھویا جائے اور ہر بار نچوڑا جائے اور ڈرائی کلینگ (Dry Cleaning) میں یہ صورت نہیں پائی جاتی اس لیے وہ ناپاک ہی رہیں گے اور دھل کر آنے کے بعد بھی ان کو پاک کرنے کے لئے شرعی ضابطہ کے مطابق دھونا ضروری ہوگا۔

(الموسوعۃ الفقہیۃ المقارنۃ التجرید للقدوری: ۱/۶۰، رقم المسئلۃ: ۲)

مسئلہ (۱۹): واشنگ مشین (Washing Machine) میں دھوئے جانے والے کپڑے پاک اور ناپاک دونوں طرح کے ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے دھونے کے دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ جن کپڑوں کے بارے میں یقین ہے کہ یہ پاک ہیں انہیں پہلے دھولیا جائے، اور اس کے بعد ناپاک اور مشکوک کپڑوں کو دھولیا جائے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سب ایک ساتھ دھولئے جائیں، اور کھنگالتے وقت تمام کپڑوں کو تین بار پانی میں ڈال کر نچوڑ لیا جائے۔ (حلبی کبیری: ص/۱۸۳)

مسئلہ (۲۰): مٹی کا تیل، پیٹرول اور ڈیزل وغیرہ پاک ہیں، ان سے کپڑے وغیرہ دھونا تو جائز ہے، لیکن وضو اور غسل کرنا درست نہیں ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۵/۲۴۶، جدید فقہی مسائل: ۱/۸۶)

مسئلہ (۲۱): اگر کپڑے پر نجاستِ مرئیہ (نظر آنے والی ناپاکی) لگی ہو، تو عینِ نجاست کا دور کرنا ضروری ہے، خواہ اس کا اثر باقی رہے، اور اگر نجاستِ غیر مرئیہ (نظر نہ آنے والی ناپاکی) لگی ہو، تو اس کی پاکی میں مفتی بہ قول کے مطابق بلا تعیین عدد غسل، غلبۂ ظن کا اعتبار کیا گیا ہے، تین مرتبہ دھونے اور ہر مرتبہ نچوڑنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ اس سے غلبۂ ظن حاصل ہو جاتا ہے، اگر اس طریقہ سے ناپاک کپڑے کو دھویا گیا تو وہ پاک ہوگا، خواہ دھونے والا مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ (المبسوط:۱/۲۲۲)

مسئلہ (۲۲): اگر کسی شخص کو اپنے کپڑے کے پاک ہونے کے بارے میں یقین ہو اور ناپاک ہونے میں شک ہو، تو کپڑے کے پاک ہونے کا حکم لگایا جائیگا۔ (فتح القدیر لابن الہمام:۱/۱۱۱)

مسئلہ (۲۳): بعض صورتوں میں ناپاکی وغیرہ کے گر جانے پر کنویں کا پورا پانی نکالنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے پمپنگ سیٹ (Pumping Set) کا استعمال نہ صرف جائز بلکہ زیادہ آسان اور بہتر ہے، کیوں کہ مقصود پانی نکالنا ہے، خواہ وہ کسی بھی طریق سے ہو۔ (نور الایضاح:ص/۲۸)

مسئلہ (۲۴): طبیہ کالج کے طلباء کو آپریشن ٹریننگ دینے کیلئے جس مینڈک کا استعمال ہوتا ہے، غالبًا وہ برّی یعنی خشکی کا ہوتا ہے، جس کی انگلیوں کے درمیان پردہ نہیں ہوتا، اس میں خون ہوتا ہے، اگر دورانِ آپریشن اس کا خون یا پیشاب کپڑے یا بدن پر لگ جائے، تو تین بار دھو لینے سے پاک ہو جائیگا، اور اگر وہ بحری مینڈک (پانی میں رہنے والا، جس میں خون نہیں ہوتا) ہے، اور اس کا پیشاب کپڑے یا بدن پر لگ جائے، تو تین بار دھو لینے سے پاک ہو جائیگا۔ (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ:۱/۲۱)

مسئلہ (۲۵): بچہ کے اندر بے شعوری ہوتی ہے، اس کے ہاتھوں میں لگی نجاست کا احساس اُسے بھی نہیں ہوتا، لہٰذا اگر کسی بچہ نے اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں ڈال دیا، تو حضراتِ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر بچہ کے ہاتھ میں نجاست کا لگا ہونا یقینی ہو، تو پانی ناپاک ہو جائیگا، اور اگر ہاتھ کے پاک ہونے کا یقین ہو، تو پھر اس پانی سے پاکی حاصل کرنا جائز ہوگا، اور اگر معاملہ درمیان کا ہو، یعنی نہ ہی ہاتھ کے پاک ہونے کا علم ہو اور نہ ہی ناپاک ہونے کا یقین، تو ایسی صورت میں مناسب ہے کہ اس پانی سے پاکی حاصل نہ کرے، کیوں کہ بچے عادۃً نجاستوں سے بچتے نہیں ہیں، لیکن اگر کسی نے اُسی مشکوک پانی سے وضو یا غسل کر لیا، تو پاکی حاصل ہو جائیگی۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ:۱/۱۱۶، ۱۱۷)

مسئلہ (۲۶): بعض عورتیں اپنے بچوں کا رُخ یا پشت قبلہ کی جانب کرا کے پیشاب پاخانہ کرواتی ہیں، اور کہتی ہیں کہ یہ تو ابھی بچہ ہے، ان کا یہ عمل صحیح نہیں ہے، کیوں کہ خانۂ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ اور تجلیاتِ خداوندی کا مرکز ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی

طرف پاؤں پھیلانے اور تھوکنے، نیز اس کی طرف رُخ یا پشت کر کے قضاءِ حاجت سے روکا گیا ہے، اسی لیے حضراتِ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ عورتوں کے لیے بچوں کو پیشاب پاخانہ کراتے وقت اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ بچوں کا رُخ یا پشت قبلہ کی جانب نہ ہو۔ (الدر مع الرد:۱/۵۵۵)

مسئلہ (۲۷): بعض لوگ حالتِ جنابت میں نکلنے والے پسینہ کو ناپاک خیال کرتے ہیں کہ اگر وہ کپڑوں پر لگ جائے، یا ماء قلیل میں گر جائے تو کپڑا اور پانی ناپاک ہو جاتا ہے، اُن کا یہ خیال غلط ہے، صحیح بات یہ ہے کہ حالتِ جنابت میں نکلنے والا پسینہ پاک ہے، اس کے کپڑے پر لگ جانے اور پانی میں گر جانے سے کپڑا اور پانی ناپاک نہیں ہوں گے۔ (البحر الرائق:۱/۲۲۱،۲۲۲)

مسئلہ (۲۸): حالتِ جنابت میں قرآن کی کمپوزنگ بالکل جائز نہیں، البتہ بلا وضو کمپوزنگ کو اکثر فقہاء جائز قرار دیتے ہیں، لیکن باوضو ہونا بہتر اور احتیاطی عمل ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۳۹)

مسئلہ (۲۹): المونیم اور اسٹیل کے برتن پر اگر نجاستِ مرئیہ لگ جائے، تو عین نجاست کے دور کرنے سے وہ برتن پاک ہو جائیگا، اور اگر نجاست غیر مرئیہ لگ جائے، تو تین مرتبہ دھونے اور ہر بار دھو کر اتنی دیر چھوڑنے سے کہ قطرات کا ٹپکنا بند ہو جائے، پاک ہو جائیگا۔ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ:۱/۳۳۵)

مسئلہ (۳۰): ایسی چیز جس کو نچوڑنا ناممکن ہو مثلاً روئی اور فوم کے گدے، تو ان کی پاکی کا طریقہ یہ ہے کہ اگر نجاست، نجاستِ مرئیہ ہے، تو عینِ ناپاکی کے زائل ہونے سے یہ پاک ہو جائیں گے، اور اگر نجاست، نجاستِ غیر مرئیہ ہے، تو ان کی طہارت دھونے والے کے غلبۂ ظن پر مبنی ہے، اور اگر وہ غلبۂ ظن کا ادراک نہیں کر سکتا، تو انہیں تین مرتبہ دھوئے، ہر مرتبہ دھونے کے بعد چھوڑے رکھے یہاں تک کہ پانی کے قطرات ٹپکنا بند ہو جائیں، تب یہ پاک ہو جائیں گے، علاوہ ازیں کسی بڑے حوض یا جاری پانی میں ڈبو کر کچھ وقت گزرنے کے بعد نکالنے پر بھی پاک متصور ہوں گے۔ (ردالمحتار:۱/۴۶۹)

مسئلہ (۳۱): کافروں کے برتن دھونے سے پاک ہو جاتے ہیں، حضرت ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم جس علاقہ میں رہتے ہیں وہ اہلِ کتاب کا علاقہ ہے، ہم ان کی ہانڈیوں میں کھانا پکاتے ہیں اور ان کے برتنوں میں پانی پیتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم دوسرے برتن نہ پاؤ، تو ان کو خوب اچھی طرح پانی سے دھولو۔ (جامع الترمذی:۲/۲،رقم الحدیث:۱۷۹۷)

مسئلہ (۳۲): اگر تیل ناپاک ہو جائے تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جتنا تیل ہو، اتنا یا اس سے زیادہ پانی ڈال کر اس کو پکائے، جب پانی جل جائے تو پھر پانی ڈال کر جلائے، اس طرح تین دفعہ کرنے سے تیل پاک ہو جائیگا، یا ایسا بھی کیا

جا سکتا ہے کہ جتنا تیل ہو، اتنا پانی ڈال کر اُسے ہلایا جائے، جب تیل پانی کے اوپر آجائے، تو کسی طرح اُسے اُٹھالیا جائے، اس طرح تین دفعہ پانی ملا کر تیل اُٹھا لینے سے وہ پاک ہو جائیگا۔ (شامی:۱/۱۷۵، البحر الرائق:۱/۴۲)

مسئلہ (۳۳): ناپاک شہد کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں اس کی مقدار کے برابر پانی ملایا جائے، اور پھر آگ سے اس کو اتنا جوش دیا جائے کہ پانی کی جو مقدار زائد ہے آگ کے ذریعہ ختم ہو جائے، پھر باقی ماندہ حصہ پاک ہو جاتا ہے، اور یہ عمل تین مرتبہ کیا جائے، اور ناپاک تیل اور گھی کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تیل کو کسی برتن میں رکھا جائے اور اس میں تیل کے بقدر پانی ڈال کر خوب ہلایا جائے، یہاں تک کہ تیل پانی کے اوپر آجائے، پھر تیل کو پانی سے نکال لیا جائے اور یہ عمل تین مرتبہ کیا جائے۔ (فتاوی محمودیہ:۵/۲۴۰)

مسئلہ (۳۴): پیشاب نجس ہے، اگر اسے فلٹر (Filter) کیا جائے تب بھی نجس ہی رہے گا، کیوں کہ فلٹر کرنے سے محض اس کی بدبو زائل ہوگی، حقیقت تبدیل نہ ہوگی، لہٰذا اس سے انتفاع جائز نہیں۔ (قضایا طبیۃ معاصرۃ:۱/۳۲۱، ۳۲۲)

مسئلہ (۳۵): استنجاء میں ڈھیلوں کے ساتھ پانی کا استعمال افضل ہے، لیکن دورِ حاضر میں ڈھیلوں کا استعمال بہت کم ہوا ہے، اس کی جگہ ٹشو پیپر (Tessu Paper) نے لے لی ہے، نیز ٹشو پیپر کے استعمال سے وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے، جو ڈھیلوں کے استعمال میں ہے، یعنی عینِ ناپاکی کو ختم کرنا، اور چوں کہ ٹشو پیپر اسی مقصد سے بنایا بھی جاتا ہے، اس لیے استنجاء میں ٹشو پیپر اور پانی دونوں کا جمع کرنا بھی افضل ہے۔ (ردالمحتار:۱/۵۵۲)

مسئلہ (۳۶): اسپرے (Spray) اور ٹینچر (Tenture) کا استعمال جائز نہیں ہے، کیوں کہ دونوں میں شراب کے جوہر ہوتے ہیں اور شراب حرام ہے، اس لیے ان پر نجس ہونے کا حکم لگے گا، اگر یہ بدن یا کپڑے پر لگ جائیں یا لگائے جائیں تو دونوں یعنی بدن اور کپڑے کا دھونا واجب ہے۔ **کبھی** ان کا استعمال بطورِ دوا کے ہوتا ہے، اگر کوئی متبادل دوا نہ ملے، یا اس کے حصول کی طاقت نہ ہو، یا اس کی تلاش تک مرض کے بڑھ جانے اور شدت اختیار کرنے کا غالب گمان ہو، تو بقدرِ ضرورت اس کا استعمال جائز ہے۔ (سنن نسائی:۴/۱۸۶، رقم الحدیث:۶۸۲۰)

مسئلہ (۳۷): انجکشن یا دوا کے ذریعہ حیض کو بند کرنا جائز ہے، بشرطیکہ کسی نقصان کا اندیشہ نہ ہو، اور اگر حیض بند کرنے میں نقصان کا اندیشہ ہو تو جائز نہیں ہے، کیوں کہ انسان کے لیے اپنے نفس کی حفاظت لازم ہے، جب انجکشن یا دوا کے ذریعے ایام معتاد میں حیض نہ آئے، تو حیض کے احکام جاری نہیں ہوں گے، بلکہ طہر کے احکام ہی باقی رہیں گے۔

(کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ:۱/۱۱۶)

مسئلہ (۳۸): اگر کسی خاتون کو پہلی بار بچہ پیدا ہوا، اور بیس روز تک نفاس کا خون آتا رہا، بعد ازاں انیس روز تک پاک رہی، پھر بیسویں روز خون آیا، تو بیس روز کے بعد جو انیس روز تک طہر رہا، یہ طہر متخلل ہے، اس کو بھی نفاس شمار کیا جائیگا، گویا کہ یہ دمِ متوالی یعنی مسلسل آنے والا خون ہے، درمیان میں جو پاکی حاصل ہوئی، اس میں نماز روزہ ادا نہ کریں، البتہ بعد میں روزوں کی قضا کریں، نمازوں کی نہیں۔ (الدر مع الرد:۱/۴۳۲)

مسئلہ (۳۹): حالتِ حیض میں بیوی سے وطی کرنا منع ہے، لیکن اگر کسی شخص نے وطی کر لیا، تو ایک دینار (جس کا موجودہ وزن ۴رگرام ۳۷۴رملی گرام ہے) یا نصف دینار، صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح:ص/۵۶)

مسئلہ (۴۰): اگر عورت حالتِ حیض میں ہو، تو اس سے استمتاع (فائدہ اٹھانے کی) کی تین شکلیں ہیں:

(۱) استمتاع بالجماع، (۲) استمتاع بما فوق الازار (۳) استمتاع بما تحت الازار،

پہلی شکل بالاتفاق حرام ہے، **دوسری** شکل بالاتفاق حلال اور جائز ہے، **تیسری** شکل مختلف فیہ ہے، امام محمد بن حسن اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ جماع کو چھوڑ کر ناف اور گھٹنوں کے درمیانی حصہ سے استلذاذ یعنی لطف اندوزی کو جائز کہتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ نے تحت الازار استلذاذ و استمتاع یعنی لطف اندوزی اور فائدہ اٹھانے سے بھی منع کیا ہے۔ (فتاوی محمودیہ:۵/۲۰۵، امداد الاحکام:۱/۳۶۲، فتاوی حقانیہ:۲/۵۶۴)

مسئلہ (۴۱): **حائضہ و نفساء** بحالت حیض و نفاس نماز بالکل نہ پڑھیں، اور نہ روزہ رکھیں، مگر حیض و نفاس کے ایام گذرنے کے بعد روزوں کی قضا واجب ہے، نماز کی نہیں۔ **مستحاضہ** عورت معذور شخص کے حکم میں ہے، لہٰذا جن ایام کے خون کو استحاضہ قرار دیا جائے، وہ ان ایام میں نماز ادا کرتی رہے، اور ہر نماز کے وقت کے لیے الگ وضو کر کے نماز پڑھتی رہے۔ (صحیح مسلم:۱/۱۵۳)

مسئلہ (۴۲): اگر کسی خاتون کو بچہ کی ولادت ہوئی لیکن ولادت کے بعد نفاس نہیں آیا، تو ایسی خاتون کے متعلق قولِ مختار یہ ہے کہ اس پر غسل واجب ہوگا۔ (فتاوی محمودیہ:۵/۲۱۰)

مسئلہ (۴۳): اگر کسی عورت کو نفاس کا خون پہلی مرتبہ ۳۵ردن آیا، اور دوسری مرتبہ ۳۲ردن آیا، چونکہ دوسری مرتبہ چالیس دن سے کم میں خون بند ہو گیا، جب چالیس دن سے کم میں خون بند ہو گیا، تو ان ۳۲ردنوں کو اس کی عادت مان لی جائیگی، اب تیسری مرتبہ تیس ۳۰ دن خون آیا تو وہ عورت غسل کر کے نماز پڑھے گی، رمضان ہو تو روزہ رکھے گی، لیکن اس سے صحبت کرنا مکروہ ہے، ہاں ۳۲ردن کے بعد (جو اس کی عادت تھی) صحبت درست ہے۔ (فتاوی رحیمیہ:۴/۴۲)

مسئلہ (۴۴): کسی بھی خاتون یا معلّمہ کے لیے ایام حیض میں قرآن شریف کی تلاوت کرنا، یا اسے یاد کرنا جائز نہیں ہے، قرآن کریم یاد رکھنے کے لیے یہ تدبیر اختیار کرے کہ کسی کپڑے وغیرہ سے قرآن شریف کھول کر بیٹھے اور قلم وغیرہ سے ورق پلٹائے، اور قرآن میں دیکھ کر دل ہی دل میں پڑھے، زبان نہ ہلائے، یا کوئی تلاوت کر رہا ہو تو اس کے پاس بیٹھ کر سنتی رہے، اور یہ دونوں طریقے جائز ہیں۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی:۱/۷۰)

مسئلہ (۴۵): اگر آپریشن کے ذریعہ بچے کی ولادت ہو، اور خون شرمگاہ سے نکلے، تو وہ نفاس کا خون مانا جائیگا، اور اس عورت پر نفساء کے احکام جاری ہوں گے، لیکن اگر وہ خون شرمگاہ سے نہیں بلکہ آپریشن کی جگہ سے نکلے، تو وہ نفاس کا نہیں بلکہ زخم کا خون شمار ہوگا، اور اس عورت پر مستحاضہ کے احکام جاری ہوں گے۔ (الفتاوی الولوالجیۃ:۱/۵۶)

مسئلہ (۴۶): غیر مسلم کی طرف سے بے ادبی کا اندیشہ نہ ہو، ہدایت کی توقع ہو اور وہ غسل کر کے قرآن پاک کو چھوئے، تو غیر مسلم کو مطالعہ کے لیے قرآن پاک کا نسخہ دینا، یا اسے سکھانا جائز ہے، ممکن ہے وہ ہدایت پالے۔ (سورۃ الواقعۃ:۷۹)

مسئلہ (۴۷): غسل خانہ یا بیت الخلاء کا مستعمل لوٹا، جہاں استنجاء وغیرہ کا پانی نہیں پڑتا، ناپاک نہیں ہوتا ہے، اس لئے اگر کسی نے بیت الخلاء کے مستعمل لوٹے کو ڈرم میں ڈال دیا، تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوگا، اور اس پانی سے وضو وغیرہ کرنا درست ہوگا، لیکن اگر بیت الخلاء میں لوٹا ایسی جگہ رکھا جاتا ہو، جہاں استنجے کا پانی وغیرہ پڑتا ہے، تو اس صورت میں لوٹے کی تلی ناپاک ہوجائیگی، اور اس لوٹے کو ڈرم میں ڈالنے سے پانی ناپاک ہوجائیگا، اور اس پانی سے وضو کرنا درست نہ ہوگا، احتیاط اسی میں ہے کہ بیت الخلاء وغیرہ کا لوٹا ڈرم میں نہ ڈالیں۔ (فتاوی محمودیہ:۵/۲۸۳)

مسئلہ (۴۸): جب انسان بیت الخلاء میں جائے، تو بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے دعا پڑھے۔ (أبوداؤد:ص/۲)

مسئلہ (۴۹): قرآن کریم یا اس کے کسی بھی جزء کو جیب میں رکھ کر بیت الخلاء میں لے جانا، یہ قرآن کی بے ادبی ہے، ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، کیوں کہ بحالتِ حدث قرآن پاک کو چھونا گناہ ہے، تو ناپاکی کی جگہ میں قرآن کو لیجانا بدرجۂ اولیٰ گناہ ہوگا۔ (فتاوی ہندیہ:۵/۳۲۳)

مسئلہ (۵۰): جانوروں کے بطن سے جو مشک نکلتا ہے وہ پاک ہے۔ (الفقہ القضایا الطبیۃ المعاصرۃ:ص/۲۱۶)

وضو کا بیان

مسئلہ (۵۱): مسواک کے لیے بانس اور انار کی لکڑی کے علاوہ تمام درختوں کی لکڑی استعمال کر سکتے ہیں۔
(حلبی کبیر:ص/۳۳)

مسئلہ (۵۲): اگر مسواک میسر نہ ہو، یا منہ میں دانت نہ ہوں، یا مسواک کے استعمال سے کسی تکلیف یا ضرر کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں سیدھے ہاتھ کی انگلی یا کسی کھردرے کپڑے سے دانت صاف کرنا مسواک کے قائمِ مقام ہوسکتا ہے۔
(فتاوی ہندیہ:۱/۷)

مسئلہ (۵۳): مسواک میں دو چیزیں مطلوب ہیں، ایک آپ ﷺ کی اتباع، دوسرے منہ اور دانتوں کی صفائی، ٹوتھ پیسٹ اور برش کے استعمال سے دوسری چیز حاصل ہوگی، مگر اتباعِ سنت کا ثواب نہیں ملے گا، اس لیے بلا عذر ٹوتھ پیسٹ اور برش استعمال نہ کریں۔ (فقہ السنۃ للسید سابق :۱/۳۴)

مسئلہ (۵۴): آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی: ''اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میں امت کو مشقت میں ڈالوں گا، تو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا'' - یہ الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم نہیں دیا، دوسری روایت میں ''عند کل وضوء'' کے الفاظ ہیں، اِس سے- پہلی روایت کا مفہوم اور بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہر نماز سے پہلے وضو کرنے اور ہر وضو کی ابتدا مسواک سے کرنے کی ترغیب دی ہے، جب کہ عین نماز کی تکبیر کے وقت مسواک کرنے سے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں دانتوں سے خون نکل آئے، جیسا کہ کچے مسوڑھے والوں کے ساتھ ہوتا ہے، ظاہر ہے- اِس صورت میں دوبارہ وُضو کرنا ہوگا، پھر اگر مسواک کی طرح مسواک کی جائے، تو منہ صاف کیے بغیر مسواک کے ٹوٹے ہوئے اَجزاء کے ساتھ نماز پڑھنی ہوگی، جو نظافت کے خلاف اور خشوع وخضوع کے منافی ہے، اِس لیے مسواک کے سلسلے میں درست طریقہ یہ ہے کہ وُضو کرتے وقت مسواک کرکے اُسی وقت منہ صاف کرلیا جائے، اور بعد میں نماز ادا کی جائے، نہ یہ کہ صف میں کھڑے تکبیر کے وقت مسواک کی جائے، جیسا کہ بعض لوگ کیا کرتے ہیں۔ (جامع الترمذی:۱/۳۷)

مسئلہ (۵۵): وضو کے اندر چار چیزیں فرض ہیں:

۱- ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک، اور پیشانی کی سطح کے شروع ہونے کی جگہ سے ٹھوڑی کے نیچے تک چہرے کا دھونا۔

۲- کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کا دھونا۔

۳- چوتھائی سر کا مسح کرنا۔

۴- دونوں پیروں کو ٹخنوں سمیت دھونا۔ (سورۃ المائدۃ:٦)

مسئلہ (۵٦): وضو میں کل ۱۷ سنتیں ہیں:

۱- وضو کی نیت کرنا، یعنی وضو سے تقرب ورضاء الٰہی کی نیت کرنا، زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ دل میں ارادہ کرلے۔

۲- وضو کے شروع میں ''بسم اللہ'' پڑھنا سنت ہے، اور وضو میں سلف صالحین سے ''بسم اللہ'' کے الفاظ اس طرح منقول ہیں: '' **بسم الله العظيم والحمد لله على دين الإسلام** ''۔

۳- وضو سے پہلے دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک تین بار دھونا۔

۴- تین بار کلی کرنا، اور ہر بار نئے پانی سے کلی کرنا، اور کلی میں اس قدر مبالغہ کرنا کہ حلق کے قریب تک پانی پہنچ جائے، بشرطیکہ روزہ دار نہ ہو۔

۵- ناک میں تین بار پانی ڈالنا، اور ہر بار نیا پانی لینا۔

٦- کلی کرتے وقت مسواک کرنا۔

۷- داڑھی کا خلال کرنا۔

۸- ہاتھ کی انگلیوں میں تشبیک کے ذریعہ خلال کرنا۔

۹- وضو کے ہر عضو کو تین تین بار دھونا۔

۱۰- ایک مرتبہ پورے سر کا مسح کرنا۔

۱۱- دونوں کانوں کا مسح کرنا۔

۱۲- ترتیب قرآنی کے اعتبار سے اعضاء کو دھونا۔

۱۳- ''ولاء'' یعنی ایک عضو کے خشک ہونے سے پہلے دوسرا عضو دھولینا۔

۱۴- اعضاء وضو کو مل کر دھونا۔

۱۵- وضو میں ضرورت سے زیادہ پانی خرچ نہ کرنا۔

۱٦- داہنے عضو کو بائیں عضو سے پہلے دھونا۔

۱۷- ہاتھ کو انگلیوں کی طرف سے دھونا، نہ کہ کہنیوں کی طرف سے۔ (البحر الرائق:۱/۵۴)

مسئلہ (۵۷): پا کی کی حالت میں تبرکاً آبِ زمزم سے وضوو غسل کرنا اور بدن پر ملنا جائز ہے، البتہ ناپا کی کی حالت میں اس سے وضوو غسل کرنا اور نجاست کو دور کرنا ناجائز ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۲۲۱)

مسئلہ (۵۸): بسا اوقات پانی کے جراثیم مارنے کے لیے، پانی میں جراثیم کش پاؤڈر ڈالا جاتا ہے، جس کی وجہ سے پانی میں رِقّت اور سیلان تو باقی رہتا ہے، لیکن اس کا رنگ، بو اور مزہ میں فرق آجاتا ہے، اس طرح کے پانی سے وضو کرنا جائز ہے، کیوں کہ جب پانی میں کوئی جامد چیز مل جائے اور اسے پکائے بغیر اس کے اوصاف بدل جائیں، تو جب تک اس میں رِقّت اور سیلان باقی رہے، اس سے وضو کرنا جائز ہوتا ہے۔ (حلبی کبیر:ص/۹۰)

مسئلہ (۵۹): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جو پانی دھوپ میں گرم ہو گیا ہو، اُس سے وضو اور غسل کرنا صحیح نہیں ہے، اُن کا یہ خیال درست نہیں ہے، کیوں کہ عندالاحناف دھوپ سے گرم پانی کے استعمال کی کراہت مختلف فیہ ہے، اور راجح قول مکروہِ تنزیہی کا ہے، یہ کراہت بھی اُس وقت ہے جب کہ گرم علاقہ میں، گرم وقت میں، اور سونے چاندی کے سوا کسی دوسری دھات کے برتن میں، گرم ہونے کی حالت ہی میں اُسے استعمال کیا جائے، اور اگر ایسی صورت نہ ہو، تو اس کا استعمال بلا کراہت درست ہے۔ (سنن الدارقطنی:۱/۳۴)

مسئلہ (۶۰): وضو کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھانا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا، یہ دونوں عمل آدابِ وضو کے قبیل سے ہیں، اس لئے اسے ضروری نہ سمجھا جائے، اور نہ کرنے والوں پر نکیر بھی نہ کی جائے، کیوں کہ یہ دونوں عمل احادیثِ صحیحہ سے ثابت نہیں ہیں، صرف ابوداؤد اور مسند احمد کی روایت میں" ثم رفع نظره إلى السماء "کا اضافہ ملتا ہے، مگر اس روایت کے راویوں میں ایک راوی" ابن عمه "مجہول ہیں۔ (السنن لأبی داود:ص/۲۳)

مسئلہ (۶۱): وضو سے فراغت کے بعد دعا پڑھنا:" اشهد أن لا إله إلا الله ، واشهد أن محمدًا عبده ورسوله، اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين "وغیرہ احادیث نبویہ صحیحہ سے ثابت ہے، البتہ بوقتِ دعا نظر الی السماء یعنی آسمان کی طرف دیکھنا اور اشارہ بالسبابہ یعنی شہادت کی انگشت سے اشارہ کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں، صرف مسند احمد، اور ابوداؤد کی روایت میں" ثم رفع نظره إلى السماء"کا اضافہ ملتا ہے، مگر حدیث کے راویوں میں ایک شخص "ابن عمہ" کے متعلق ابوداؤد کے محشی، حضرت مولانا محمد حیات سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قال المنذري:" هو رجل مجهول"۔ نیز صاحب "بذل المجہود" علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (عن ابن عمه) "مجهول لا يعرف". اسی طرح "منیۃ المصلی" کے محشی مولانا محمد اسحاق نہٹوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: " لم أجد هذه العبارة في الشرحين

الکبیري والصغیري ولا في نسخة مکتوبة بالقلم کانت عندي ، ولم اطلع علی حدیث فیه هذه العبارة ، فلعلها لا یکون لها أصل معتمدٌ" . اورناصرالدین البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وهذه الزیادة منکرة ، لأنه تفرد بها ابن عمه إلی عقیل هذا ، وهو مجهولٌ "۔ اس لیے بوقت دعا قبلہ کی طرف رخ کرنا ہی اولیٰ اور بہتر ہوگا، کیوں کہ احناف کے نزدیک ہر دعا میں استقبالِ قبلہ مستحب ہے۔ (سنن أبی داود:۱/۲۳)

مسئلہ (۶۲): اگر کسی شخص کو گھموری نکل آئے، اور وہ بحالت نماز اسے کھجلائے، جس کی وجہ سے اس سے پانی نکل کر، جسم کے ایسے حصہ کی طرف بہہ جائے، جس کا وضو یا غسل میں دھونا فرض ہے، تو اس کی نماز فاسد ہو جائیگی، اور دوبارہ وضو کرنا بھی لازم ہوگا۔ (البحرالرائق:۱/۶۲)

مسئلہ (۶۳): آج کل اٹیچ باتھ روم (Bathroom) کا رواج عام ہوتا جارہا ہے، چونکہ بظاہر غسل خانہ میں کوئی نجاست نہیں رہتی ہے، اس لیے وضو کرنا درست ہے، البتہ اگر نجاست نظر آئے تو اس کو صاف کر کے وضو کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (البحرالرائق:۱/ ۵۸)

مسئلہ (۶۴): شریعت اسلامیہ نے نہ صرف پانی کو پاک رکھنے کا حکم دیا، بلکہ پانی کو آلودگی سے بچانے کی تاکید بھی فرمائی، لہذا پانی کو آلودگی سے بچانا بھی لازم ہے، بعض لوگ استنجاء خانوں میں بغیر چپل کے جاتے ہیں، اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو اپنے پیروں کو اس طرح دھوتے ہیں کہ کچھ پانی تو نالی میں گرتا ہے اور کچھ حوض میں، اور بعض حضرات پیروں کو حوض کے باہر دھونے کی زحمت نہ اٹھاتے ہوئے پیروں کو ہی حوض میں ڈال دیتے ہیں، جس سے پانی میں آلودگی آجاتی ہے، اور اگر آلودگی نہ بھی آئے تو کم از کم اتنا تو ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا انسان اس حوض کے پانی سے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں طبعی کراہت محسوس کرتا ہے، لہٰذا اس عمل سے اجتناب ضروری ہے۔ (صحیح البخاری:ص/۶۷)

مسئلہ (۶۵): بہت سے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ستر کھل جائے یا کسی کے ستر پر نظر پڑ جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہ خیال غلط ہے، کیوں کہ ستر کھلنا یا کسی کے ستر پر نظر پڑنا ناقضِ وضو نہیں ہے۔ (نصب الرایۃ:۱/۸۳)

مسئلہ (۶۶): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ برہنہ آدمی کو دیکھنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح بعض یہ کہتے ہیں کہ وضو کے بعد ستر دکھ جائے تو یا کھل جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہ دونوں باتیں غلط اور بے بنیاد ہیں، البتہ برہنہ آدمی کو دیکھنا یا کسی اور کے ستر کو دیکھنا شرعاً ناجائز وحرام ہے، لیکن اگر دیکھ لیا تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ (نصب الرایۃ للزیلعي:۱/۸۳)

مسئلہ (۶۷): بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ گالی دینے سے یا کھل کھلا کر ہنسنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، سو یہ خیال غلط

ہے، لیکن گالی دینے، غیبت کرنے اور کوئی برا شعر وغیرہ پڑھنے کے بعد وضو کرنا مستحب ہے، ہاں رکوع سجدہ والی نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (الفتاوی الہندیۃ:۱/۹)

مسئلہ (۶۸): جسم کے کسی حصہ پر ناپاکی لگ جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا بلکہ جسم کا وہ حصہ ناپاک ہوجاتا ہے، صحتِ نماز کے لیے صرف اسی حصہ کو پاک کرنا ضروری ہے نہ کہ وضو کا لوٹانا، کیوں کہ نقضِ وضو کے لیے نجاست کا بدنِ انسانی سے خارج ہونا ضروری ہے۔ (الاختیار لتعلیل المختار:۱/۱۶)

مسئلہ (۶۹): بعض عورتیں یہ خیال کرتی ہیں کہ وضو کے بعد بچہ کو دودھ پلانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہ خیال سراسر غلط ہے، بچہ کو دودھ پلانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ سبیلین کے علاوہ بدنِ انسانی سے ہر نکلنے والی چیز وضو کو نہیں توڑتی، بلکہ وہی چیز ناقضِ وضو ہوتی ہے جو نجس ہو اور نکل کر جسم کے ایسے حصے کی طرف بہے جس کا وضو یا غسل میں دھونا فرض ہے، جب کہ دودھ پاک ہے، اور پاک چیز کے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (مختصر القدوری:۱/۲۹)

مسئلہ (۷۰): اگر انجکشن کے ذریعے ٹیسٹ یا کسی دوسرے مقصد کے لیے خون نکالا جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جائیگا، کیوں کہ ٹیسٹ کے لیے عامۃً اتنا خون نکالا جاتا ہے جو نکل کر اپنے محل سے بہہ سکتا ہے، لیکن اگر دوا پہنچانے کی غرض سے انجکشن دیا تو یہ انجکشن ناقضِ وضو نہیں ہے، ہاں! اگر انجکشن لگوانے کے بعد اتنا خون نکلے جو اپنی جگہ سے بہہ سکتا ہو تو ناقضِ وضو ہوگا۔
(نصب الرایۃ:۱/۸۳-۸۵)

مسئلہ (۷۱): وضو کے ٹوٹنے کے لیے شرط یہ ہے کہ نجاست اگر سبیلین کے علاوہ سے ہو تو وہ بہہ جائے، یا بہنے کی مقدار میں ہو، اور بال اکھاڑنے سے بال کے ساتھ چکناہٹ نکلتی ہے (جو کہ نجس ہے)، وہ نہ تو بہتی ہے اور نہ بہنے کی مقدار ہوتی ہے، لہٰذا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (الدر مع الرد:۱/۲۶۲)

مسئلہ (۷۲): بسا اوقات مریض کو گلوکوز کی بوتل چڑھائی جاتی ہے، اگر گلوکوز چڑھاتے وقت سرنج کی نلکی میں اس قدر خون نکل آئے کہ اگر وہ سرنج میں نہ ہوتا تو بہہ جاتا، تو اس صورت میں وضو ٹوٹ جائیگا، اور اگر اس قدر نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔
(نصب الرایۃ للزیلعی:۱/۸۵)

مسئلہ (۷۳): وہ کیسٹیں، سی ڈیز اور موبائل کی چیپ (Chip) جن میں قرآنی آیات اور سورتوں کو محفوظ کیا جاتا ہے اس کو بے وضو چھونا جائز ہے، البتہ بعض فقہاء عصر بے وضو چھونے کو خلافِ ادب قرار دیتے ہیں، کیوں کہ ان میں محض قرآن کریم کی آیتوں اور سورتوں کی آواز ہوتی ہے اور آوازِ قرآن کا جسم سے مس ہونے کیلئے باوضو ہونا ضروری نہیں ہے، ورنہ جنبی کے لیے

قرآن کا سننا جائز نہیں ہوتا، یہی رائے حضرت حکیم الامت علامہ تھانوی رحمہ اللہ کی ہے۔ (السنن الکبری للنسائی:۱/۱۲۳)

مسئلہ (۷۴): زبانی قرآن کریم کی تلاوت کرنے یا سننے کیلئے باوضو ہونا شرط نہیں ہے، البتہ تلاوت کرنے کیلئے اگر قرآن کریم کو چھونا پڑتا ہے، چاہے کسی کاغذ وغیرہ پر ہو، یا کمپیوٹر کی اسکرین پر تو اسے بلا وضو چھونا جائز نہیں ہے، جب کہ بہتر یہی ہے کہ باوضو ہونے کی حالت میں تلاوت کی جائے۔ (جامع الترمذی:۱/۳۸)

مسئلہ (۷۵): موبائل فون میں قرآن کریم کا ڈاؤن لوڈ Download کرنا اور اس قرآن کریم سے پڑھنا اور سننا شرعاً جائز ہے، اور جس وقت اس کی اسکرین (Screen) پر قرآن کریم کے حروف نہ آرہے ہوں، اسے بے وضو ہونے کی حالت میں اپنے پاس رکھنا یا بیت الخلاء (Toilet) وغیرہ میں لے جانا جائز ہے، کیوں کہ اس حالت میں اس پر قرآن کریم کی تعریف صادق نہیں آتی ہے، ہاں البتہ جس وقت قرآن کریم کے حروف اسکرین (Screen) پر لکھے ہوئے آرہے ہوں تو اس حالت میں محدث (بے وضو شخص) اور جنبی (جس پر غسل واجب ہے) کیلئے اس کا چھونا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس پر قرآن کریم کی تعریف صادق آتی ہے۔ (کشف الأسرار لفخر الإسلام البزدوی:۱/۶۷)

مسئلہ (۷۶): اگر پاکٹ سائز قرآنِ کریم اس طور پر ہو کہ پاکٹ کو اس سے بسہولت الگ کیا جاسکتا ہو، تو اس پاکٹ کو بلا وضو چھونا جائز ہے اور اگر اس پاکٹ کو علیحدہ نہ کیا جاسکتا ہو، تو اس پاکٹ کو بلا وضو چھونا جائز نہیں ہے۔ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ:۱/۹۸)

مسئلہ (۷۷): جس کیسٹ یا سی ڈی میں کلام پاک ٹیپ کیا گیا ہو اس کو بلا وضو چھونا جائز ہے، کیوں کہ کیسٹ یا سی ڈی میں ایسے نقوش مکتوب نہیں ہوتے جنہیں ہم پڑھ سکیں، بلکہ محض آواز محبوس (روکی ہوئی) ہوتی ہے۔ (کشف الأسرار:۱/۶۷)

مسئلہ (۷۸): قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر خواہ (اردو، فارسی، انگریزی) کسی بھی زبان میں ہو، اسی طرح کتبِ احادیث و کتبِ فقہیہ کو بلا وضو چھونا مکروہ ہے۔ (حلبی کبیر:ص/۵۹)

مسئلہ (۷۹): اگر کسی شخص کا موبائل ناپاک پانی میں گر جائے، اور وہ اس کے ظاہری اور اندرونی حصہ کو پونچھ لے تو شرعاً وہ پاک ہو جائیگا، اس کے بعد اسے جیب میں رکھنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ (الدر مع الرد:۱/۴۴۴)

مسئلہ (۸۰): اگر اعضاء وضو و غسل وغیرہ پر پینٹ (Paint)، فی وی کوئک (Fevikwik) یا گوند وغیرہ لگ جائے، جو وضو اور غسل میں پانی پہنچنے کے لیے مانع ہو تو اس صورت میں وضو اور غسل نہیں ہوگا اور اس سے غفلت کی بنا پر جو نماز ادا کی جائیگی وہ نماز نہیں ہوگی، جب تک کہ اس چیز کو جدا کر کے اس پر پانی نہ بہا دیا جائے۔ (فتاوی تاتارخانیہ:۱/۱۱۱، بدائع الصنائع:۱/۱۴۲)

مسئلہ (۸۱): بعض عورتیں باوضو ہونے کی حالت میں اپنے چھوٹے بچے کا پیشاب پاخانہ دھلانے پر یہ خیال کرتی ہیں

کہ ان کے اس عمل سے خود ان کا وضو بھی ٹوٹ گیا، جب کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے، کیوں کہ وضو کے ٹوٹنے کیلئے نواقضِ وضو میں سے کسی ناقض کا پایا جانا ضروری ہے، اور وہ یہاں نہیں پایا گیا، اس لئے ان کا وضو بھی نہیں ٹوٹا۔ (نصب الرایۃ:۱/۸۳)

مسئلہ (۸۲): آج کل بہت سے لوگ اپنے مکان، دکان، ہوٹل اور مسافر خانہ وغیرہ میں بیت الخلاء کے ایک حصہ میں واش بیشن اور باتھ یعنی غسل کرنے کا ٹب بنواتے ہیں، تو اس طرح کے بنے واش بیشن یا باتھ یعنی ٹب میں وضو کرتے وقت دعاء وضو زبان سے نہ پڑھیں، بلکہ دل میں پڑھ لیں، تا کہ اسمِ باری تعالیٰ کی بے ادبی و بے حرمتی لازم نہ آئے۔
(عون المعبود:ص/۲۲، رقم الحدیث:۱۹)

مسئلہ (۸۳): بعض لوگ کھڑے ہو کر وضو کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ کھڑے ہو کر وضو کرنا مکروہ نہیں، بلکہ خلافِ ادب ہے، کیوں کہ فقہاء کرام نے بلند جگہ پر بیٹھ کر وضو کرنے کو آدابِ وضو میں شمار کیا ہے، اور ادب کی مخالفت سے کراہت لازم نہیں آتی۔ (شامی:۱/۲۴۷)

مسئلہ (۸۴): کھڑے ہو کر وضو کرنے میں استعمال شدہ پانی کی چھینٹیں بدن پر پڑنے کا احتمال یا اندیشہ ہے، اس لیے بیٹھ کر وضو کرنا چاہیے، لیکن اگر کوئی آدمی بدرجۂ مجبوری کھڑے ہو کر وضو کرے، اور پانی کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو بچائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (الفقہ الحنفی وأدلتہ:۱/۴۶)

مسئلہ (۸۵): وضو یا غسل کی جگہ پیشاب کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر غسل خانہ میں پانی نکلنے کی نالی ہے، اور پیشاب کے بعد فوراً پانی بہا دیا جائے اور پیشاب کا اثر باقی نہ رہے، تو مکروہ نہیں ہے، تاہم وہاں پیشاب کرنے سے احتیاط بہتر ہے۔
(حاشیۃ الطحطاوی:ص/۵۴)

مسئلہ (۸۶): جب آدمی پیشاب کرنے کا ارادہ کرے، تو اپنے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کرے، یعنی پیشاب کرنے سے چھینٹے اڑنے اور کپڑے یا جسم کے نجس ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو، رہی بات کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی تو بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے، اور یہ کراہت تحریمی نہیں بلکہ کراہتِ تنزیہی ہے۔ (السنن لأبی داود:ص/۲)

مسئلہ (۸۷): اگر کسی شخص کا نماز کا پورا وقت اس حالت میں گذر جائے کہ برابر قطرہ آتا رہے، اور اتنی مہلت بھی نہ مل سکے کہ وضو کر کے نماز پڑھ لے، تو ایسا شخص معذور شمار کیا جائے گا، اور وہ ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کریگا، اور اس میں جتنی چاہے نمازیں پڑھے گا۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۴۰)

مسئلہ (۸۸): اگر کسی شخص کو نماز میں کبھی کبھی محسوس ہوتا ہے کہ پیشاب کا قطرہ نکل رہا ہے، لیکن وہ بحالتِ نماز ہے،

یقین حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے، تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ اگر یہ محض متخیل ہے، واقعۃً قطرہ نہیں، تو نماز کو توڑنے کی ضرورت نہیں، لیکن اگر یہ تجربہ ہے کہ واقعۃً قطرہ ہے تو نماز کو توڑ کر دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھ لے۔ (النہر الفائق:۱/۵۰،۵۱)

مسئلہ(۸۹): "**مَــنــی**" وہ سفید گاڑھا پانی ہے، جس کے خروج پر عضو میں شکستگی پیدا ہوتی ہے، اس کی بو کچی کھجور کی طرح ہوتی ہے۔ "**مَــــذی**" وہ سفید پتلا پانی ہے، جو بوقتِ شہوت خارج ہوتا ہے، مگر شہوت کے ساتھ نہیں، اس میں دفق (کودنا) نہیں پایا جاتا، اور نہ اس کے خروج کے بعد عضو میں شکستگی پیدا ہوتی ہے، بسا اوقات اس کے خروج کا احساس تک نہیں ہوتا۔ "**وَدی**" وہ سفید، گدلا، گاڑھا پانی ہے، جس کی کوئی بو نہیں ہوتی، وہ کبھی پیشاب سے پہلے اور کبھی اس کے بعد خارج ہوتا ہے۔......ان تینوں کا حکم یہ ہے کہ منی کے خروج پر غسل واجب ہوتا ہے، اور مذی و ودی کے خروج پر وضو واجب ہوتا ہے۔
(تبیین الحقائق:۱/۷۰،۷۱)

مسئلہ(۹۰): وضو میں آنکھوں کے اندرونی حصہ کا دھونا فرض نہیں ہے، لہٰذا وضو کے وقت مصنوعی پتلیاں نکالنے کی حاجت نہیں ہے، اس کے بغیر بھی وضو شرعاً درست ہے۔ (ردالمحتار:۱/۲۷)

مسئلہ (۹۱): اگر کسی شخص کا کان درد کرتا ہو اور اس سے پانی نکلا کرتا ہے، یا کسی کے کان کے اندر دانہ یا پھنسی ہے، اور وہ ٹوٹ جاوے، تو جب خون، پیپ سوراخ کے اندر اس جگہ تک رہے جہاں غسل میں پانی پہنچانا فرض نہیں ہے، تو وضو نہیں ٹوٹیگا، اور جب ایسی جگہ پر پہنچ جاوے جہاں غسل میں پانی پہنچانا فرض ہے تو وضو ٹوٹ جائیگا، کیوں کہ یہ پانی نجس ہے، اور کچھ درد و تکلیف نہ ہو اور ایسے ہی پانی نکلے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۰-۱۱)

مسئلہ (۹۲): اگر کسی کی آنکھ کے اندر کوئی دانہ یا پھنسی وغیرہ تھی، اور وہ ٹوٹ گئی، یا خود اس نے توڑ دیا، اور اس کا پانی بہہ کر آنکھ میں پھیل گیا، لیکن آنکھ سے باہر نہیں نکلا، تو اس کا وضو نہیں ٹوٹا، اور اگر وہ پانی آنکھ سے باہر نکل پڑا تو وضو ٹوٹ جائیگا۔
(الدر مع الرد:۱/۲۷۹)

مسئلہ (۹۳): اگر کسی کی آنکھوں سے، تیز روشنی، دھوپ کی تپش، سرمہ لگانے، نماز میں کھانسی روکنے، نزلہ یا رونے کی وجہ سے پانی بہے، تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، کیوں کہ یہ پاک ہے، اور اگر کسی شخص کی آنکھ دکھنے میں پانی نکلتا ہے، تو بعض نے اسے نجس قرار دے کر ناقضِ وضو کہا ہے، لیکن حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے اس کو خلاف تحقیق قرار دیا ہے، نیز علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی ابن ہمام رحمہ اللہ کی یہ تحقیق نقل کی کہ ایسی صورت میں وضو کا حکم استحباباً ہے، وجوباً نہیں، اور قواعد شرعیہ کے مطابق یہی راجح ہے۔ (الدر مع الرد:۱/۲۷۹)

مسئلہ (۹۴): اگر کسی شخص کو پھوڑا پھنسی نکل آئے، اور اس سے خون پیپ نکلتا ہی رہتا ہے جس کی بناء پر اس نے اس پر روئی رکھ کر پٹی باندھ دی، اور اب خون اندر ہی اندر نکلتا رہے، پٹی کی وجہ سے باہر نہ نکلے، تو اگر اتنا خون نکلے کہ اسے روکا نہ جاتا تو وہ زخم کے مقام سے آگے بڑھ جاتا، تو اس صورت میں وضو ٹوٹ جائیگا۔ (حلبی کبیر: ص/۱۳۲)

مسئلہ (۹۵): اگر کسی شخص کی بھنویں، داڑھی یا مونچھ اس قدر گھنی ہیں کہ اس کے نیچے کی کھال نظر نہ آئے، تو وضو میں اس پوشیدہ وچھپی کھال کا دھونا فرض نہیں ہے، اور اگر بھنویں، داڑھی یا مونچھ اس قدر گھنی نہیں ہے اور اس کے نیچے کی کھال نظر آتی ہے، تو دھونا فرض ہے۔ (الدر مع الرد: ۱/۲۱۱)

مسئلہ (۹۶): دانتوں کے اندر خرابی کی وجہ سے سوراخ ہو جاتے ہیں، اور اس میں غذا کے ذرات داخل ہو کر تکلیف اور درد کا موجب بن جاتے ہیں، اس سے بچنے کیلئے ڈاکٹر بطور علاج سونا، چاندی، سیسہ یا سیمنٹ وغیرہ سے ان سوراخوں کو پُر کر دیتے ہیں، تاکہ غذا کے ذرات داخل نہ ہوں، اور وہ بدن کا جزء بن جاتے ہیں، لہذا وضو اور غسل میں اس پر پانی پہنچانا کافی ہوگا، اس کے نیچے پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے۔...... نیز حدیث اور فقہ میں سونے چاندی کے تاروں سے شکستہ دانتوں کو باندھنے اور سونے چاندی کی ناک بنوانے کی اجازت منقول ہے، ظاہر ہے کہ اس کے اندرونی حصہ میں پانی نہیں پہنچتا۔ (الدر مع الرد: ۱/۲۸۹)

مسئلہ (۹۷): مدارس اور مکاتب میں بہت سے چھوٹے اور نابالغ بچے ناظرہ قرآن کریم اور حفظِ کلام پاک کے درجات میں داخل ہوتے ہیں، ابھی وہ شریعت کے مکلّف نہیں ہیں، نیز انہیں قرآن کریم باوضو چھونے کا مکلّف و پابند بنانے میں ان کے لیے بڑا حرج ہے، اور بلوغت تک تاخیر میں تقلیلِ حفظ بھی لازم آتا ہے، اس لیے ان کے لیے بلا وضو قرآن کریم چھونے کی گنجائش ہے، مگر ان کو طہارت کی ہدایت کی جائے اور اس کا عادی بنایا جائے۔ (الدر مع الرد: ۱/۳۱۶، ۳۱۷)

مسئلہ (۹۸): آج کل چشمہ کی بجائے کنٹیکٹ لینسیز کا استعمال بہت عام ہو چکا ہے، یہ پلاسٹک کی گول شکل میں ہوتا ہے، جو آنکھ کے گول کالے حصے کو ڈھانپ لیتا ہے، بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آنکھ میں لینسیز کے موجودگی کے دوران اگر وضو یا غسل کیا جائے، تو وضو اور غسل درست نہیں ہوتا، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ لینسیز کے آنکھ میں موجود ہونے سے وضو اور غسل پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اور وضو اور غسل درست ہو جاتا ہے، کیوں کہ وضو اور غسل میں آنکھ کے اندرونی حصے کا دھونا، نہ فرض ہے، نہ سنت۔ (البحر الرائق: ۱/۲۷)

مسئلہ (۹۹): سردی کے موسم میں ہاتھ پاؤں کے اندر شگاف پڑ جاتے ہیں، ایسی حالت میں اگر یہ دوائی وغیرہ سے بھر دیئے جائیں، اور وضو کرتے وقت اُن کے اندر پانی پہنچنے سے نقصان کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں ہاتھ پاؤں کی جلد پر صرف پانی

کا بہانا کافی رہے گا، ان شگافوں کے اندر پانی پہنچانا لازم نہیں۔ (غنیۃ المتملی المشتہر بشرح الکبیر للحلبی: ص/۴۹)

مسئلہ (۱۰۰): اگر کوئی شخص وضو کرتے وقت وضو کی دعائیں بھی پڑھ رہا ہو، تو بہتر یہ ہے کہ نہ اسے سلام کیا جائے اور نہ وہ سلام کا جواب دے، اور نہ ہی دنیوی باتیں کریں، بلکہ وضو کی دعائیں پڑھیں۔ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۱/ ۴۱۵)

مسئلہ (۱۰۱): بعض اوقات بچہ دودھ پینے کے بعد فوراً دودھ کی قے کر دیتا ہے، یہ قے کبھی دودھ کے حلق سے نیچے اتر جانے کے بعد ہوتی ہے، اور کبھی حلق سے نیچے اترنے سے پہلے، اگر دودھ حلق سے نیچے اتر جائے، پھر قے ہو تو یہ قے ناپاک ہوگی، کیوں کہ پیٹ کی نجاستیں اس سے مل گئی ہیں، اور اگر دودھ حلق کے نیچے نہیں گیا، بلکہ منہ میں ہی تھا، اور بچہ نے اس کی قے کر دیا، تو اس قے کو ناپاک نہیں سمجھا جائیگا، اگر کپڑے پر لگ جائے تو دھونا بھی ضروری نہیں، ہاں! اگر بطورِ نظافت دھولے تو بہتر ہے۔ (حلبی کبیر: ص/ ۱۲۹)

مسئلہ (۱۰۲): نومولود بچوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنی انگلیوں کو منہ میں رکھ کر چوستے ہیں، جس کے سبب ان کے منہ سے لعاب گرتا رہتا ہے، یہ لعاب اس قدر تسلسل سے گرتا ہے کہ اس سے بچا نہیں جا سکتا، لہٰذا اگر یہ لعاب بدن یا کپڑے پر لگ جائے، تو اس کو دھونا ضروری نہیں ہے، کیوں کہ لعاب پاک ہے، ہاں! اگر کوئی بطورِ نظافت دھولے تو بہتر ہے۔

(اتحاف أولی الألباب: ص/ ۴۴۷)

مسئلہ (۱۰۳): ووٹنگ کے وقت حکومتی انتخابی عملہ ووٹر کی انگشت پر روشنائی لگاتا ہے، تاکہ ووٹر دھوکہ دے کر دوبارہ ووٹ نہ ڈال سکیں، انگشت پر لگائی جانے والی یہ روشنائی دھونے پر بھی آسانی سے نہیں نکلتی، بلکہ کئی دنوں تک باقی رہتی ہے، اس کے انگلی پر لگے رہنے کی حالت میں وضو وغسل صحیح ہے، کیوں کہ وہ تہہ دار نہ ہونے کی وجہ سے وضو اور غسل میں بدن تک پانی پہنچنے کو نہیں روکتی۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ: ۱/ ۵۳۷)

مسئلہ (۱۰۴): ایسی تزیین حرام ہے جو شرعی فرائض کی صحت کو مانع ہو، اور جو چیز بدن تک پانی پہنچنے سے مانع ہو اس کی موجودگی میں وضو اور غسل صحیح نہیں ہوتا، چنانچہ گندھا ہوا خشک آٹا صحتِ وضو سے مانع ہے، حالانکہ وہ ناخن پالش جتنا سخت نہیں ہوتا، اس لیے وضو اور غسل کی صحت کے لیے ناخن پالش کا نکالنا ضروری ہے، **اور** آج کل جو پالش ناخن وغیرہ پر لگانے کے لیے استعمال ہوتی ہے وہ عموماً ناخنوں تک پانی کے پہنچنے کو روکتی ہے، لہٰذا اس طرح کی پالش کے لگے رہنے سے وضو نہیں ہوگا، ہاں اگر ایسی کوئی پالش ہو جو پانی کے ناخنوں تک پہنچنے میں مانع نہ بنتی ہو، تو اس صورت میں وضو ہو جائیگا۔ (فتاوی ہندیہ: ۱/ ۴)

مسئلہ (۱۰۵): اگر ناخن پر مہندی لگی ہو، تو اس سے وضو میں کوئی فرق نہیں آئے گا، بلکہ وضو درست ہو جائیگا، کیوں کہ

مہندی پانی کے جسم تک پہنچنے میں رکاوٹ نہیں بنتی ہے۔ (منیۃ المصلی:ص/۱۷)

مسئلہ (۱۰۶): بسا اوقات لوگ مصنوعی دانت استعمال کرتے ہیں، عام طور پر ان دانتوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

قسمِ اول: یہ دانت اس طرح فٹ ہوتے ہیں کہ بلا مشقتِ شدیدہ ان کو نکالنا ممکن نہیں ہوتا، ان دانتوں کا حکمِ حقیقی دانتوں کا حکم ہے، یعنی وضو میں ان تک پانی پہنچانا مستحب اور غسل میں واجب ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں ان کو نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قسمِ ثانی: وہ دانت جو بوقتِ ضرورت ہی استعمال ہوتے ہیں اور ان کو نکالنے میں حرج و مشقت نہیں ہوتی، ان کا حکمِ شئ زائد کی طرح ہے، یعنی وضو میں ان کو نکال کر جسمِ حقیقی تک پانی پہنچانا مستحب اور غسل میں واجب ہے، اگر کوئی شخص غسل میں ان کو نکال کر جسمِ حقیقی تک پانی نہ پہنچائے، تو اس کا غسل صحیح نہیں ہوگا۔ (سعایہ:۲/۲۸۰،حلبی کبیر:ص۴۹،ردالمحتار:۹/۴۹۶)

مسئلہ (۱۰۷): بطور علاج اگر دانت کے سوراخوں میں چاندی وغیرہ بھر کر انہیں بند کر دیا گیا ہو، تو چونکہ ڈالی ہوئی چیز بدن کا جز بن جاتی ہے، اور اس کو نکال کر اس کے نیچے پانی پہنچانے میں ضرر و نقصان بھی ہے، اس لئے اس چیز پر پانی پہنچانا کافی ہے، اس کے نیچے پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے۔ (فتاوی تاتارخانیہ:۱/۸۴)

مسئلہ (۱۰۸): سرجری کے (Surgery) کے ذریعہ جوڑے ہوئے ہاتھ اور پاؤں وغیرہ کا حکم مصنوعی دانتوں کی طرح ہوگا، یعنی وہ اعضاء جو جوائنٹ (Joint) کئے جاتے ہیں دو طرح کے ہیں، ایک وہ جو بدن سے جدا نہیں کئے جاسکتے ہیں، اور دوسرے وہ جو بغیر مشقت کے بدن سے جدا کئے جاسکتے ہیں، تو اول کا حکم عضوِ اصلی کی طرح ہوگا، یعنی ان کو نکالا نہیں جائیگا، اور ثانی کا حکم یہ ہوگا کہ ان کو وضو کے وقت نکالا جائیگا، جب کہ وہ اعضاءِ وضو سے متعلق ہوں، اور غسل میں مطلقاً نکالا جائیگا۔
(ردالمحتار:۹/۴۹۶،الحظر والإباحۃ)

مسئلہ (۱۰۹): نقلی چوٹی کا استعمال شرعاً جائز نہیں ہے، اگر کوئی عورت نقلی چوٹی استعمال کرتی ہے، اور وضو میں صرف اسی پر مسح کرتی ہے تو اس کا وضو صحیح نہ ہوگا، ہاں اگر اس کے علاوہ چوتھائی سر کا مسح کرے تو وضو درست ہوگا، اور اگر غسل میں بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچ جاتا ہو تو اس کو نکالے بغیر غسل درست ہے۔ (فتاوی ہندیۃ:۱/۱۳)

مسئلہ (۱۱۰): بھنویں، داڑھی اور مونچھ پر پانی بہانا ضروری ہے، کیوں کہ یہ تینوں چہرے میں داخل ہیں، البتہ اگر بھنویں، داڑھی اور مونچھ کے بال گھنے ہیں، تو اس میں نیچے کی جلد تک پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے، اور اگر ہلکے بال ہیں کہ اس کے نیچے کی جلد نظر آتی ہے، تو اس تک پانی کا پہنچانا ضروری ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی:ص/۵۷)

مسئلہ (۱۱۱): وہ مرہم (Antiseptic,Cream) جس کے بنانے میں کتے کی زبان استعمال ہوتی ہے اس کا استعمال جائز نہیں ہے، لیکن اگر کسی سخت ضرورت کی بنا پر اسے لگا لیا تو بوقتِ وضو اس کو دھو کر زائل کرنا ضروری ہے، ورنہ نماز صحیح نہیں ہوگی۔ (بدایۃ المجتہد: ۲/۲۵۴)

مسئلہ (۱۱۲): سجدہ میں کہنی زمین پر ٹیک کر اور پیٹ کو رانوں سے لگا کر سونے سے وضو باقی نہیں رہتا ہے۔
(فتاوی محمودیہ: ۵/۱۷)

مسئلہ (۱۱۳): اگر دورانِ نماز کسی مقتدی کا وضو بلا قصد و اختیار ٹوٹ جائے، تو شرعاً اس کو اجازت ہے کہ وہ فوراً خاموش ناک پر ہاتھ رکھ کر چلا جائے، اور جس قدر پانی قریب ہو اس سے وضو کر لے، اور اگر اتنی دیر میں امام نماز سے فارغ ہو چکا ہے، تو جہاں چاہے اپنی نماز پوری کر لے، اور اگر امام فارغ نہیں ہوا ہے تو پہلی جگہ لوٹ آئے، اور وضو کرنے کے درمیان جو رکعت چھوٹ گئی ہو، اسے امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کر لے، اور یہ بھی جائز ہے کہ وضو کے درمیان جو رکعت چھوٹ گئی اسے پہلے بلا قرأت ادا کر لے، پھر امام کے ساتھ شریک ہو جائے۔ (اعلاء السنن: ۵/۴)

مسئلہ (۱۱۴): اگر کسی مقتدی کا وضو ٹوٹ جائے اور مسجد میں اتنا اژدحام ہو کہ پوری مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہو، تب بھی اس شخص کے لیے وضو کرنے کے لیے ہر صف کے دو آدمیوں کے درمیان سے گزرنا جائز ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان: ''فلینصرف'' یعنی لوٹ جائے، مطلق ہے، اس میں اژدحام وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے، اور اصول ہے: ''المطلق يجري على إطلاقه''، تاہم اگر نکلنا دشوار ہو اور نکلتے وقت کسی نمازی کے تحویلِ صدر ہو جانے سے نماز کے فاسد ہونے کا خطرہ ہو، تو یہ شخص وہیں اپنی جگہ بیٹھا رہے، نماز میں شریک نہ رہے، پھر وضو کر کے دوبارہ پوری نماز پڑھ لے۔ (سنن ابن ماجۃ: ص/۸۵)

مسح کا بیان

مسئلہ (۱۱۵): ہاتھ یا پیر میں پلاسٹر (Plaster) ہو تو وضو اور غسل میں اس پر مسح کر لینا کافی ہوگا۔ (ہدایہ: ۱/۴۴-۴۶)

مسئلہ (۱۱۶): اگر کسی شخص کے چہرے پر پھنسی یا زخم ہو جائے، اور اس پر مرہم کا پھایہ (سنی پلاسٹ) لگا ہوا ہو، تو اگر زخم کو پانی نقصان کرتا ہو، یا پھایہ ہٹانے میں تکلیف ہو، تو پھایہ ہٹائے بغیر اس پر مسح کرنے سے وضو ہو جائیگا۔
(السنن الکبری للبیہقی: ۱/ ۳۴۹، رقم الحدیث: ۱۰۸۲)

مسئلہ (۱۱۷): وِگ (Wig) یعنی مصنوعی بال اگر سر پر اس طرح فٹ کئے جائیں کہ انہیں بآسانی نکالنا ممکن نہ ہو، یا اس طرح فٹ کئے جائیں کہ بآسانی نکالے جا سکتے ہوں، بہر دو صورت سر کے اصل بالوں کے چوتھائی پر مسح لازم ہے، وِگ پر مسح کرنا

کافی نہ ہوگا، کیونکہ اس کو لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور آپ ﷺ نے اس سے منع بھی فرمایا ہے۔ (فتاوی ہندیہ: ۱/۵)

مسئلہ (۱۱۸): آج کل بالوں پر لگانے کے لیے ایک کریم بنام ''جیل کریم'' مارکیٹ میں دستیاب ہے، وہ بالوں کے ظاہر تک پانی پہنچنے سے مانع نہیں ہوتی، کیوں کہ لگانے کے بعد وہ تیل کی طرح ہو جاتی ہے، اس لیے اس کے ہوتے ہوئے سر کے بالوں کا مسح بلا شبہ درست ہوگا۔ (فتاوی ہندیہ: ۱/۵، فتاوی ولوالجیہ: ۱/۴۹)

مسئلہ (۱۱۹): اگر کوئی شخص چمڑے کے موزے پہن لے، تو اس کیلئے ان پر مسح کرنا بلا کسی اختلاف کے جائز و درست ہے، مقیم کیلئے مدتِ مسح ایک دن ایک رات اور مسافر کیلئے تین دن تین راتیں ہیں، اور اگر موزے سوت یا اون کے ہیں، تو ان پر مسح کے جائز ہونے کیلئے چار شرطیں ہیں: (۱) وہ ایسے دبیز، موٹے اور مضبوط ہوں کہ ان کے نیچے کی کھال نظر نہ آئے، (۲) ان کو پہن کر تین میل یا اس سے زیادہ چلنا ممکن ہو، (۳) وہ بغیر باندھے پنڈلی پر قائم رہ سکیں، (۴) ان میں پانی جذب ہو کر پاؤں تک نہ پہنچے، **آج کل** جو نائلون کے موزے استعمال ہوتے ہیں وہ بالکل رقیق اور پتلے ہوتے ہیں، اور ان میں مذکورہ چار شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں، اس لئے ان پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ (زجاجۃ المصابیح: ۱/۱۴۲، مشکوٰۃ المصابیح: ص/۵۴)

غسل کا بیان

مسئلہ (۱۲۰): **غسل کے فرائض تین ہیں:**

۱- کلی، غرغرہ کرنا۔

۲- ناک میں پانی ڈالنا۔

۳- پورے بدن پر اس طرح پانی بہانا کہ کوئی جگہ خشک باقی نہ رہے۔ (الاختیار لتعلیل المختار: ۱/۱۷)

مسئلہ (۱۲۱): **غسل میں چند چیزیں سنت ہیں:** غسل کرنے سے پہلے نیت کرنا، یعنی دل میں یہ ارادہ کرنا کہ میں یہ غسل نجاست سے پاک ہونے، رضائے الٰہی اور حصولِ ثواب کے لیے کرتا ہوں، ''بسم اللہ'' پڑھ کر دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھونا، شرمگاہ دھونا، خواہ اس پر نجاست ہو یا نہ ہو، اگر بدن کے کسی حصے میں نجاست لگی ہو تو پہلے اس کو دھونا، نماز کی طرح سنت کے مطابق وضو کرنا، پھر داہنے کندھے پر سے تین مرتبہ پانی بہانا، اس کے بعد بائیں کندھے پر سے تین مرتبہ پانی بہانا، اس کے بعد سر پر تین بار پانی ڈالنا، رگڑ کر سارے اعضاء کو دھونا، اگر ایسی جگہ غسل کر رہا ہو جہاں پانی جمع ہو جاتا ہو، تو غسل کے بعد کچھ ہٹ کر پیروں کو دھونا، تنہائی میں غسل کرنا، ہاتھ، پیر کی انگلیوں اور داڑھی کے بالوں کا تین بار خلال کرنا۔

غسل میں چند امور مستحب ہیں: ایسی جگہ غسل کرنا جہاں کسی نامحرم کی نظر نہ پڑے، تہبند وغیرہ باندھ کر

غسل کرنا، غسل کرتے وقت خواہ مخواہ بات نہ کرنا، قبلہ رو ہو کر غسل نہ کرنا، جو چیزیں وضو کے اندر مستحب ہیں، وہ غسل میں بھی مستحب ہیں، سوائے استقبالِ قبلہ، ادعیہ ماثورہ اور بچے ہوئے پانی کو پینے کے۔ (البحرالرائق:۱/۹۷، نورالإیضاح ونجاة الأرواح:ص/۲۹)

مسئلہ (۱۲۲): وضو اور غسل میں پانی کی مقدار کی کوئی تحدید نہیں، جتنی مقدار پانی سے وضو اور غسل ہو سکے اتنے پانی کا استعمال درست ہے، حدیث شریف میں جو وارد ہے کہ آپ ﷺ ایک صاع سے سوا صاع تک پانی سے غسل، اور ایک مد پانی سے وضو فرمایا کرتے تھے، وہ معتدل الخلقت شخص کے لیے استحباب پر دال ہے۔ (فتح الباری:۲/۳۸۳)

مسئلہ (۱۲۳): جس صابون میں نجاست ملی ہو احناف کے نزدیک اس کا استعمال جائز ہے، البتہ حنابلہ کے نزدیک ناجائز ہے، اور شوافع کے یہاں جواز وعدم جواز دونوں قول ملتے ہیں۔ (ردالمحتار:۱/۵۱۹، باب الأنجاس)

مسئلہ (۱۲۴): غسل کرنے سے وضو بھی حاصل ہو جاتا ہے، لیکن اگر غسل کرتے ہوئے درمیان میں وضو ٹوٹ جائے، تو اِس صورت میں شروع سے دوبارہ غسل کرنے کی ضرورت تو نہیں، مگر باوضو ہونے کے لیے دوبارہ وضو کر لینا بہتر ہے۔ (فتاوی شامیہ:۱/۲۶۳)

مسئلہ (۱۲۵): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ غسلِ جنابت کے دوران، غسل کے چھینٹے بالٹی وغیرہ میں موجود پانی میں گر جائیں، تو وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے، اُن کا یہ خیال درست نہیں ہے، کیوں کہ بدن کے مستعمل پانی کے کچھ قطرے برتن وغیرہ میں گر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، پانی کے ناپاک ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ ماءِ مستعمل یعنی استعمال کردہ پانی سے زیادہ اور ماءِ مطلق کم ہو۔ (المحیط البرہانی:۱/۱۲۱)

مسئلہ (۱۲۶): ایئر رنگ (Ear,Ring) یعنی کان کی بالی اتنی زیادہ تنگ ہو کہ پانی سوراخ میں داخل نہ ہو سکتا ہو تو اس کو حرکت دینا ضروری ہوگا، ورنہ حرکت دینے اور نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۴)

مسئلہ (۱۲۷): دانت صاف وسفید نظر آئیں، اس کے لیے آج کل یہ طریقہ اپنایا جاتا ہے کہ دانت کو کھُرچ کر اس پر پلاسٹک کا ایک خول چپکایا جاتا ہے، وہ مستقل دانتوں پر لگا رہتا ہے، دو تین سال کے بعد خود ہی کمزور ہو کر اتر جاتا ہے، عامةً اسے اتارنا آسان نہیں ہوتا، اگر یہ خول دانتوں سے اِس طرح جڑ گیا ہو کہ اسے دانتوں سے الگ کرنا واقعتاً دشوار ہو، تو اس کے دانتوں پر ہوتے ہوئے غسل درست ہو جائیگا۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۳، تاتارخانیة:۱/۸۴)

مسئلہ (۱۲۸): نیرودھ (کنڈوم) لگا کر مباشرت کرنے سے غسل واجب ہوگا، کیوں کہ یہ بہت باریک ہوتا ہے، جو فریقین (میاں بیوی) کے مابین لطف اندوزی کو مانع نہیں ہوتا، لہٰذا اگر حشفہ (سپاری) چھپ جائے تو غسل واجب ہوگا۔
(ردالمحتار:۱/۳۰۳، حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح:ص۴۵، ۵۵)

مسئلہ (۱۲۹): وجوبِ غسل کا سبب، نفسِ خروجِ منی یا ادخالِ منی نہیں بلکہ اصل علت اس میں لذت اور تسکینِ قلب ہے، جو شہوت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، لہٰذا اگر کسی عورت کے رحم میں مادۂ منویہ بذریعہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی داخل کیا جائے، تو اس میں لذت اور تسکین کی علت مفقود ہوتی ہے، اس لیے غسل واجب نہیں ہوگا، اور اس کی مثال عورت کا اپنی شرمگاہ میں انگلی داخل کرنے کی ہوگی، جو موجبِ غسل نہیں، البتہ اگر ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے عمل کے وقت عورت کو شہوت یا انزال ہو جائے تو غسل واجب ہوگا۔ (بدائع الصنائع:۱/۱۴۶)

تیمّم کا بیان

مسئلہ (۱۳۰): اگر سخت سردی میں وضو کرنے سے ہلاک ہونے، یا کسی عضو کے تلف ہو جانے، یا بیماری کے بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہو، اور گرم پانی بھی میسر نہ ہو، تو ایسی صورت میں بجائے وضو کے تیمّم کرنا جائز ہوگا۔ (البحر الرائق:۱/۲۴۶)

مسئلہ (۱۳۱): اگر کوئی شخص ایسے سرد ملک میں ہو جہاں سخت سردی پڑ رہی ہو، گرم پانی بھی میسر نہ ہو، اور غسل یا وضو کرنے کی صورت میں جان کے جانے، یا کسی عضو کے تلف ہونے کا قوی اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں تیمّم کرنا جائز ہے۔
(تفسیر المظہری:۲/۲۶۸)

مسئلہ (۱۳۲): اگر نماز کا وقت کم ہو، اور پانی بھی موجود ہو، مگر وضو کرنے تک نماز کے قضا ہو جانے کا خطرہ ہو، تو ایسی حالت میں اگر کوئی شخص تیمّم کر کے نماز ادا کرنا چاہے، تو درست نہیں ہے، کیوں کہ نمازِ موقتہ کو تنگیٔ وقت کی وجہ سے تیمّم کر کے ادا کرنا جائز نہیں ہے، گرچہ نماز قضا ہو جائے، بلکہ وضو کرنا ضروری ہے۔ (المبسوط:۱/۲۶۱)

مسئلہ (۱۳۳): اگر کسی شخص کو غسل کی حاجت ہوگئی ہو اور نماز کا وقت بھی تنگ ہو، تو ایسے شخص کے لیے تیمّم کرنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ وہ غسل کر کے ہی نماز پڑھے۔ (فتاوی محمودیہ:۵/۱۸۳)

مسئلہ (۱۳۴): اگر کوئی شخص مکان میں موجود ہو اور دوسرا شخص مکان میں غلطی سے قفل لگا کر چلا جائے، اور وہ کب آئیگا اس کا کوئی پتہ نہیں، اور نماز کا وقت بھی گذرتا جا رہا ہے، اور مکان میں پانی بھی موجود نہیں ہے، نیز اس شخص نے حتی المقدور کوشش بھی کی کہ کسی کو آواز دے کر پانی منگوالے لیکن کوئی شخص ملا نہیں، تو اب ایسے شخص کے لیے تیمّم کی اجازت ہوگی۔ (بذل المجہود:۲/۵۱۹)

مسئلہ (۱۳۵): ٹرین میں تیمّم سے نماز کے صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں: (۱) ریل گاڑی کے دوسرے ڈبے میں بھی پانی نہ ہو، (۲) کم از کم ایک میل یا اس سے کچھ دور کہیں پانی کے وجود کا علم نہ ہو، (۳) ریل گاڑی کے تختہ پر اتنی مقدار میں غبار ہو کہ بخوبی ہاتھ کو لگے۔ (سنن الدار قطنی:۱/۱۹۶، رقم الحدیث:۷۱۱)

مسئلہ (۱۳۶): اگر ٹرین کے کسی ڈبے میں پانی ختم ہوجائے اور قریب کے ڈبے جہاں تک وہ جاسکتا ہے، وہاں بھی پانی نہیں ہے، اور نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے کوئی ایسا اسٹیشن بھی آنے والا نہیں ہے، جہاں ٹرین اتنی دیر رکے، جس میں وضو کیا جاسکے، یا پانی لیا جاسکے، تو شرعاً تیمّم کی اجازت ہوگی، خواہ ٹرین کے گذرتے ہوئے باہر پانی نظر آرہا ہو، کیوں کہ وضو کے واجب ہونے کیلئے پانی کا موجود ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ اس کے استعمال پر قدرت شرط ہے، اسی لئے حضرات فقہاء کرام نے پانی کے موجود ہونے کے باوجود اس کے استعمال پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کو جائز قرار دیا ہے۔ **رہا** سوال کہ تیمّم کس سے کریں؟ تو جواباً عرض ہے کہ ٹرین کی بیرونی دیواروں پر؛ کیوں کہ غالباً وہ غبار آلود ہوتی ہیں، اگر ٹرین کی سیٹ یا اندرونی دیوار غبار آلود ہو، تو اس پر بھی تیمّم کیا جاسکتا ہے۔ (شرح الوقایہ:۱/ ۸۷، ۸۸)

مسئلہ (۱۳۷): پہاڑی کوئلہ جو کان سے نکالا جاتا ہے حکماً پتھر ہے، اس لئے یہ جنسِ ارض میں شمار ہوگا، لہٰذا اس پر اور اس کی راکھ پر تیمّم کرنا صحیح اور درست ہے، اور جو کوئلہ لکڑی کو جلا کر حاصل ہوتا ہے، اس پر جنسِ ارض کی تعریف صادق نہیں آتی ہے، اس لئے اس پر اور اس کی راکھ پر تیمّم کرنا صحیح نہیں ہے۔ (البحر الرائق:۱/ ۳۲۱)

مسئلہ (۱۳۸): فرش و دیواریں صاف ستھری رہیں، بار بار چونا کرانے کی ضرورت پیش نہ آئے، اس لئے آج کل فرش و دیواروں پر ماربل اور ٹائلس لگانے کا رواج عام ہوتا جارہا ہے، ٹائلس چونکہ سمینٹ، چونا وغیرہ سے بنایا جاتا ہے، جو زمین کی جنس سے ہے، اور جس چیز پر تیمّم کیا جارہا ہو، اس کا زمین کی جنس سے ہونا ضروری ہے، یعنی اس میں زمین کے اندر پائے جانے والے اجزاء شامل ہوں، اور انہیں معمول کی آگ میں جلایا جائے، تو وہ نہ راکھ بن جائیں اور نہ پگھل جائیں، یہ ضروری نہیں کہ وہ گرد آلود ہوں، اسی لئے فقہاء کرام نے پتھر پر بھی تیمّم کی اجازت دی ہے، لہٰذا ماربل و ٹائلس پر تیمّم کرنا درست ہوگا، خواہ ان پر گرد وغبار لگا ہو یا نہ لگا ہو۔ (صحیح البخاری:۱/ ۴۸)

نماز کا بیان

اذان کا بیان

مسئلہ (۱): ا- اذان کی مشروعیت اس طرح ہوئی کہ آپ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو کبھی نماز جلدی ہوتی تھی اور کبھی مؤخر، تو آپ ﷺ نے وقتِ ادائے صلوٰۃ کے سلسلہ میں صحابۂ کرام سے مشورہ کیا کہ لوگوں کو نماز کے لیے کیسے جمع کیا جائے، تا کہ جماعت نہ چھوٹے، لہٰذا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف آراء پیش کیں، آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا، بالآخر کوئی فیصلہ نہیں ہوا، اور صحابہ متفرق ہوگئے، حضرت عبداللہ بن زید انصاری فرماتے ہیں کہ رات کو میں **بین النائم و الیقظان** یعنی نیند اور بیداری کی حالت میں تھا، کہ یکا یک آسمان سے ایک فرشتہ اترا، اس کے ہاتھ میں ناقوس تھا، میں نے کہا: کیا تم مجھے یہ ناقوس بیچو گے؟ اس نے کہا: تم کیا کروگے؟ میں نے کہا: ہم اس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کی خبر دیں گے، اس نے کہا: کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز نہ بتادوں؟ میں نے کہا: ضرور، تو وہ ایک دیوار پر قبلہ رخ کھڑا ہوگیا اور **الله اکبر ، الله اکبر الخ** جو اذان معروف ہے، کہا، میں نے آپ ﷺ کے پاس آکر آپ کو اس خواب سے باخبر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: خواب سچا ہے، تم بلال کو وہ کلمات کہو، کیوں کہ اُن کی آواز تم سے بلند ہے، لہٰذا میں نے وہ کلمات بلال کو کہے، حضرت بلال اذان دینے لگے، اذان کی آواز سن کر حضرت عمر اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے آئے اور کہا کہ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے، مگر زید مجھ سے سبقت لے گئے۔

۲- اذان کی مشروعیت راجح قول کے مطابق سنہ ۱ھ میں ہوئی۔

۳- اذان کی مشروعیت کا سبب آپ ﷺ کا صحابہ سے وقتِ ادائے صلوٰۃ کے بارے میں مشورہ کرنا ہے۔ (ابن ماجہ: ص/۵۱)

مسئلہ (۲): احناف کلماتِ اذان واقامت میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو مستدل بناتے ہیں۔ (المبسوط: ۱/۱۷۱، ۱۷۲)

مسئلہ (۳): عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی اذان نہیں دی، مگر تقریراتِ رافعی میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک مرسل روایت نقل کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ اذان دی ہے۔ (تقریرات الرافعی: ۱۳/ ۶۵)

مسئلہ (۴): وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے غلطی سے وقت سے پہلے اذان دیدی، تو پہلے غلطی کا اعلان کردے، تا کہ لوگوں کو معلوم ہوجائے، اور وہ دھوکہ میں نہ پڑیں، پھر وقت ہونے پر دوبارہ اذان دے، اور یہی حکم اقامت کا بھی ہے۔ (المبسوط للسرخسی: ۱/ ۲۷۸)

مسئلہ (۵): اذان یہ شعائرِ اسلام میں سے ہے، اور اس کے بھی آداب ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص بلا وضو اذان کہے، تو اذان درست تو ہو جائے گی، مگر مستحب یہ ہے کہ باوضو ہو کر اذان دے۔ (فتاوی محمودیہ: ۵/۴۳۴)

مسئلہ (۶): اذان یا اقامت کے دوران اگر مؤذن کا وضو ٹوٹ جائے، تو بہتر یہ ہے کہ پہلے اذان یا اقامت پوری کرلے پھر وضو کرنے کے لیے جائے، لیکن اگر اذان یا اقامت پوری کیے بغیر وضو کرنے کے لیے چلا گیا، تو دوسرا شخص یا وہی جب وضو کر کے آئے، تو از سرِ نو اذان یا اقامت کہے۔ (المبسوط للسرخسی: ۱/۲۸۵)

مسئلہ (۷): اگر کوئی شخص اپنی تنہا نماز کے لیے بیٹھ کر اذان دے تو بلا کراہت جائز ہے، اور اگر جماعت کی نماز کے لیے بیٹھ کر اذان دے تو مکروہِ تحریمی ہے، اعادہ مستحب ہے۔ (بدائع الصنائع: ۱/۳۷۴)

مسئلہ (۸): مؤذن عاقل، نیک، پرہیزگار، اذان سے متعلق مسائل اور اوقاتِ نماز کا عالم اور بلند آواز والا ہونا چاہیے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۴/۹۰)

مسئلہ (۹): جمعہ کی دوسری اذان خطیب کے سامنے مسجد میں مسنون ہے، اس کے علاوہ اذانوں کا مسجد سے باہر ہونا ہی بہتر ہے، اور مسجد میں ہونا بھی جائز ہے، مگر خلافِ اَولیٰ ہے۔ (فتاوی ہندیہ: ۱/۵۵، شامیۃ: ۲/۴۸)

مسئلہ (۱۰): اذان کا مقصد غائبین کو خبر دینا ہے، لہٰذا اگر کسی جگہ مسجد کی مرمت ہو رہی ہو، مستقل کوئی اذان خانہ نہ ہو، تو جہاں سے یہ مقصد حاصل ہو، وہاں سے اذان دی جاسکتی ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۵/۳۸۹)

مسئلہ (۱۱): اذان و اقامت کیلئے کوئی جگہ متعین نہیں، مسجد سے باہر جس طرف بھی اذان کہی جائے درست ہے، خواہ دائیں طرف ہو یا بائیں طرف، اسی طرح اقامت بھی جس طرف کھڑے ہو کر کہی جائے درست ہے، عام طور پر مؤذن کیلئے امام کے پیچھے جگہ خاص کی جاتی ہے، ایسا کرنا جائز نہیں، بلکہ مسجد میں کسی کیلئے بھی جگہ متعین کرنا جائز نہیں، مؤذن اگر امام سے قریب رہنا چاہے، تو دوسرے نمازیوں سے پہلے آجائے، ورنہ جہاں بھی جگہ ہو، وہیں سے اقامت کہہ دے۔ (ہندیہ: ۱/۵۶)

مسئلہ (۱۲): شریعتِ مقدسہ میں اذان دینے والے کا عاقل ہونا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ ناسمجھ بچے کی اذان معتبر نہیں، چونکہ ٹیپ ریکارڈ میں عاقل ہونے کی شرط موجود نہیں، اس لیے ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ دی گئی اذان بھی صحیح نہیں ہوگی۔ (فتاوی رحیمیہ: ۴/۹۹)

مسئلہ (۱۳): ٹیپ ریکارڈ (Tape Record) سے نہ اذان درست ہے اور نہ امامت، اس لیے کہ مؤذن اور امام وہی ہو سکتا ہے جو ناطق ہو اور قوتِ گویائی رکھتا ہو، اور ٹیپ ریکارڈ میں یہ چیز مفقود ہے، نیز اذان و امامت کا مسئلہ بڑا اہم اور عظیم الشان

ہے، اس لیے اعلیٰ درجہ کا متقی و پرہیزگار عالم، عامل، عاقل، اخلاقِ حمیدہ سے متصف، حسنِ قرأت سے اچھی طرح واقف، صحیح العقیدہ، تندرست وجیہ الصوت، نماز کے مسائل کا جاننے والا، اور ظاہری عیوب سے پاک ہونا چاہئے، اور مذکورہ چیزوں میں سے ایک چیز بھی ٹیپ ریکارڈ میں نہیں پائی جاتی ہے، لہٰذا ٹیپ ریکارڈ سے نہ اذان، درست ہے نہ امامت۔ (بدائع الصنائع:۱/۶۴۶)

مسئلہ (۱۴): اذان کا مقصد ہے ''اعلام'' یعنی لوگوں کو نماز کی خبر دینا، اور یہ مقصد لاؤڈ اسپیکر میں بطریقِ احسن پایا جاتا ہے، لہٰذا لاؤڈ اسپیکر میں اذان دینا جائز ہے۔ (فتاوی محمودیہ:۵/۳۸۵)

مسئلہ (۱۵): عورت کا اذان دینا مکروہ ہے، کیوں کہ اگر وہ آواز کو بلند کریگی تو گنہگار ہوگی، اور اگر آواز کو پست کریگی تو جہر کی سنت چھوٹ جائیگی، نیز عورت کا اذان دینا محدثات (بدعات) میں سے ہے، لیکن اگر وہ اذان دیدے تو حصولِ مقصود (جو اعلام ہے) کی وجہ سے اذان کافی ہوگی، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، البتہ امام اعظم ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ اعادہ مستحب ہے۔ (فتاوی محمودیہ:۵/۴۶۳)

مسئلہ (۱۶): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ اس سے اذان کی آواز میں تیزی اور بلندی پیدا ہوتی ہے، جب کہ ہمارے زمانے میں لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینے سے یہ حکمت باقی نہ رہی، لہٰذا اذان دیتے وقت دونوں کانوں میں انگلیاں ڈالنے کی ضرورت نہیں، ان کا یہ خیال سراسر غلط ہے، کیوں کہ بوقت اذان کانوں میں انگلیاں ڈالنے کا عمل تواتر سے ثابت ہے، وہ آج بھی مستحب باقی رہے گا۔ (السنن لابن ماجۃ: ص/۵۲)

مسئلہ (۱۷): سنت یہ ہے کہ مؤذن اذان دیتے وقت شہادت کی دونوں انگلیوں سے کان کے سوراخ بند کرے، اور اگر کوئی مؤذن دونوں ہاتھ یا ایک ہاتھ کان پر رکھ کر اذان دے، تو یہ بھی جائز ہے، مگر خلافِ سنت ہے، اور اقامت کے وقت یہ عمل نہیں ہے، بلکہ ہاتھ چھوڑ دے۔ (بدائع الصنائع:۱/۳۷۳)

مسئلہ (۱۸): اذان و اقامت کے کلمات ترتیب وار کہنے چاہیے، اگر کسی نے اذان و اقامت کے کلمات آگے پیچھے کردیا، مثلاً '' أشهد أن محمدًا رسولُ الله'' کو پہلے کہا اور '' اشهد أن لا إله إلا الله'' کو بعد میں کہا، تو ازسرِنو اذان کا لوٹانا ضروری نہیں ہے، صرف اس کلمہ کو اس کی جگہ پر دوبارہ کہنا کافی ہے، جس کو پہلے کہا ہے، مثلاً '' حی علی الصلوۃ '' سے پہلے ''حی علی الفلاح'' کہہ دیا، تو '' حی علی الصلوۃ'' کہنے کے بعد دوبارہ '' حی علی الفلاح ''بھی کہہ دے، اور اگر اس کلمہ کو نہیں دہرایا جس کو پہلے کہا تھا تب بھی کوئی حرج نہیں، کیوں کہ اذان و اقامت کا مقصد پورا ہوگیا، البتہ بہتر یہی ہے کہ اس کلمہ کا اعادہ کرلے۔ (بدائع الصنائع:۱/۳۸)

مسئلہ(۱۹): مؤذن کے لیے اذان واقامت کے دوران بات چیت کرنا مکروہ ہے، اگر ایک دو بات کرلی، تو اذان واقامت درست ہے، لوٹانے کی ضرورت نہیں، لیکن اگر زیادہ بات چیت کی تو اذان کا لوٹانا مستحب ہے، البتہ اقامت کو نہیں لوٹایا جائیگا، کیوں کہ اقامت دوبارہ کہنا ثابت نہیں ہے۔ (المحیط البرہانی:۱/۳۹۹)

مسئلہ (۲۰): اذان واقامت کے تمام کلمات کے آخر کو ساکن کرنا مسنون ہے، حرکت دے کر پڑھنا خلافِ سنت ہے، البتہ پہلے ''اللہ اکبر'' کی ''را'' پر زبر لگا کر دوسرے ''اللہ اکبر'' سے ملا کر اس طرح کہے: ''اللہ اکبرَ اللہ اکبر'' تو یہ صحیح ہے۔
(ردالمحتار:۲/۵۲)

مسئلہ (۲۱): فجر کی اذان میں اگر مؤذن '' الصلوۃ خیرٌ من النوم'' کہنا بھول گیا، اور اذان کے درمیان یا اذان کے فوراً بعد یاد آئے، تو بہتر یہ ہے کہ ''الصلوۃ خیرٌ من النوم'' کہنے کے بعد ''الله اكبر ، الله اكبر ، لا إله إلا الله'' بھی کہہ دے، اور اگر کافی وقت گذرنے کے بعد یاد آئے تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۵۶)

مسئلہ(۲۲): اذان دیتے وقت کسی لفظ میں حرکت کا اضافہ کرنا جیسے '' أشْهَدُ''کو'' أشَهَدُ'' پڑھنا، یا حرف کا اضافہ کرنا جیسے '' اَللّٰهُ اَكْبَر ''کو'' آللّٰهُ اَكْبَر '' پڑھنا، یا مد کا اضافہ کرنا جیسے ''اَشْهَدُ أنْ لآ إلٰهَ إلا اللّٰه''کو'' اَشْهَدُ أنْ لآ إلٰهَ إلا اللّٰه'' پڑھنا غلط ہے، لہٰذا اِن سب سے بچنا ضروری ہے۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ :۲/۴۸، البحر الرائق:۱/۴۴۵، ۴۴۶)

مسئلہ(۲۳): جو شخص بوقتِ اذان مسجد میں تلاوت یا ذکر میں مشغول ہو، اس کے لئے تلاوت یا ذکر کو چھوڑ کر اذان کی طرف متوجہ ہونا، اور اس کا جواب دینا مستحب ہے۔ (تبیین الحقائق:۱/۲۳۹)

مسئلہ(۲۴): اذان کے وقت سلام کا جواب دینا واجب نہیں، کیوں کہ اذان کا جواب ذکر ہے، اور ذکر ودعا اور تسبیح وغیرہ کی حالت میں اگر سلام کیا جائے، تو اس کا جواب دینا واجب نہیں ہوتا، لیکن جوابِ اذان سے فارغ ہوکر سلام کا جواب دینا مناسب ہے، اور جو شخص جوابِ اذان میں مشغول ہو، اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۵/۳۲۵)

مسئلہ(۲۵): اذان کے بعد نماز کے لیے مسجد کی طرف چل دینا واجب ہے، کیوں کہ عام مشائخ کے نزدیک نماز با جماعت واجب ہے، اور ہر ایسا کام جو ترکِ واجب کا سبب ہو وہ مکروہ تحریمی ہوتا ہے، اس لئے اذان کے بعد اِدھر اُدھر کھڑے ہو کر، اس طرح باتوں میں مشغول ہونا کہ نماز با جماعت چھوٹ جائے، شرعاً مکروہِ تحریمی ہے۔ (بدائع الصنائع:۱/۳۸۴)

مسئلہ(۲۶): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جب اذان ہو رہی ہو تو استنجاء کیلئے جانا صحیح نہیں ہے، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ ضرورت زیادہ ہو تو فوراً اپنی ضرورت کو پوری کرلے، اذان کے ختم ہونے کا انتظار نہ کرے، اور اگر سخت ضرورت نہیں ہے تو

بہتر یہ ہے کہ بعد اذان ضرورت پوری کرے، کیوں کہ زبان سے اذان کا جواب دینا صحیح قول کے مطابق مستحب ہے واجب نہیں ہے۔ (شرح معانی الآثار:۱/۱۱۰)

مسئلہ (۲۷): اگر کسی شخص کی نماز فوت ہوگئی اور بعد میں وہ اُسے مسجد کے باہر قضا کرے، تو اذان واقامت دونوں کہے گا، خواہ تنہا پڑھے یا جماعت سے، اور اگر اس فوت شدہ نماز کی قضا مسجد میں جماعت کے ساتھ کی جائے، تو اذان واقامت نہیں کہی جائیگی، کیوں کہ اس میں لوگوں کو تشویش وغلط فہمی میں مبتلا کرنا لازم آتا ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۵۵)

مسئلہ (۲۸): اگر چند نمازیں فوت ہوجائیں اور مختلف وقتوں میں قضا کرے، تو ہر نماز کے لیے اذان واقامت کہنا مستحب ہے، اور اقامت پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے، اور اگر ایک ساتھ سب نمازیں قضا کرے تو پہلی نماز کے لیے اذان واقامت کہنا مستحب ہے، اور باقی میں اختیار ہے، چاہے ہر ایک کے لیے اقامت پر اکتفا کرے، چاہے ہر ایک کے لیے اذان واقامت دونوں کہے۔ (العنایۃ شرح الہدایۃ:۱/۲۰۸، البنایۃ شرح الہدایۃ:۱/۱۱۹)

مسئلہ (۲۹): اگر کسی وجہ سے نماز فاسد ہوجائے، اور وقت کے اندر مسجد میں دوبارہ جماعت کے ساتھ اسے ادا کیا جائے تو اذان واقامت نہ کہی جائے۔ (ردالمحتار:۲/۵۸)

مسئلہ (۳۰): اگر چند دنوں کے بعد نماز باجماعت فاسد ہونے کی تحقیق ہو، اور نماز کا اعادہ جماعت کے ساتھ، مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ ہو، تو اذان واقامت دونوں کہی جائیں۔ (ردالمحتار:۲/۵۸)

مسئلہ (۳۱): اگر مسافروں کی جماعت ہے تو ان کے لیے اذان واقامت کہنا افضل ہے، اور صرف اقامت پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے، البتہ دونوں کو ترک کرنا مکروہ ہے، مسافر اگر تنہا ہو تو بھی یہی حکم ہے۔ (جامع الترمذی:۱/۵۰)

مسئلہ (۳۲): اگر نمازِ فجر قضا ہوجائے اور اُسے مسجد کے باہر جماعت سے ادا کرنا ہے، تو اذان کہنا سنت ہے، اور اذان ویسی ہی ہونی چاہیے جس طرح صبح کی ہے، یعنی "الصلوۃ خیرٌ من النوم" کے ساتھ، اور اگر چھوڑ دے تو بھی کوئی حرج نہیں، کیوں کہ یہ نیند اور غفلت کا وقت نہیں۔ (بدائع الصنائع:۱/۳۸۰)

مسئلہ (۳۳): جو شخص آبادی سے دور کھیت یا جنگل میں تنہا ہو، اس کے لیے اذان واقامت کہنا مستحب ہے، اور اقامت پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے، البتہ دونوں کو ترک کرنا خلافِ اولیٰ ہے، ہاں! اگر کھیت یا باغ آبادی سے اتنا قریب ہو کہ بستی کی اذان وہاں تک سنی جاتی ہو، تو پھر اذان واقامت کے بغیر بھی نماز بلا کراہت جائز ہے، آبادی کی اذان واقامت اس کے لیے کافی ہے، اور یہی حکم اس شخص کے لیے ہے جو کسی وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہوسکے، اور گھر میں نماز پڑھے۔ (مشکوۃ:ص/۶۵)

مسئلہ (۳۴): ضرورت کے وقت چند آدمیوں کا ایک ساتھ، ایک ہی مسجد میں اذان دینا درست ہے۔ (محمودیہ:۵/۳۹۶)

مسئلہ (۳۵): ایک شخص کے لیے، ایک ہی وقت میں، دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہِ تحریمی ہے، خواہ وہ شخص کسی مسجد کا مؤذن ہو یا نہ ہو۔ (احسن الفتاوی:۲/۲۹۰، امداد الفتاوی:۱/۱۶۴، فتاوی رحیمیہ:۴/۹۴)

مسئلہ (۳۶): اگر کسی جگہ پر کئی مساجد سے بیک وقت اذان سنائی دے، تو پہلی اذان کا جواب دینا ضروری ہے، باقی اذانوں کا جواب دینا افضل ہے، خواہ محلّہ کے مسجد کی اذان ہو یا غیر محلّہ کے مسجد کی، اور اگر سب اذانیں ایک ساتھ ہوں تو صرف اپنی مسجد کی اذان کا جواب دے۔ (فتاوی رحیمیہ:۴/۹۸، احسن الفتاوی:۳/۲۹۲، رد المحتار:۲/۷۰، ۷۱)

مسئلہ (۳۷): اذان کا جواب زبان سے دینا افضل و مستحب ہے، البتہ ہر مسلمان مرد پر ضروری ہے کہ اذان سن کر نماز کے لیے تیار ہو جائے، بہتر یہ ہے کہ پہلے ہی سے تیار رہے، اس لیے کہ اجابت بالقدم واجب ہے، کیوں کہ جماعت سے پیچھے رہنے والوں کے بارے میں شدید وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ:۲/۶۵)

مسئلہ (۳۸): جو شخص بھی اذان سُنے اس کے لیے اذان کا جواب دینا افضل و مستحب ہے، اور جواب کا طریقہ یہ ہے کہ جب مؤذن ایک کلمہ کہہ کر رُکے تو جواب دینے والا وہی کلمہ کہے، اور جب مؤذن "حی علی الصلوۃ" اور "حی علی الفلاح" کہے تو جواب میں "حی علی الصلوۃ" اور "حی علی الفلاح" کے ساتھ "لا حول ولا قوۃ إلا باللہ" بھی کہے، اور فجر کی اذان میں جب مؤذن "الصلوۃ خیرٌ من النوم" کہے تو جواب دینے والا "صدقتَ وبررتَ" کہے۔

(کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ:۱/۲۸۳)

مسئلہ (۳۹): جس طرح زبان سے اذان کا جواب دینا مستحب ہے، اسی طرح اقامت کا جواب دینا بھی مستحب ہے، مُکبِّر جو کلمہ کہے جواب دینے والا بھی وہی کلمہ کہے، البتہ "حی علی الصلوۃ" اور "حی علی الفلاح" میں "لا حول ولا قوۃ إلا باللہ" کہے، اور "قد قامت الصلوۃ" کے جواب میں "أقامہا اللہ وأدامہا" کہے، ہم سب کو اس کا خاص اہتمام کرنا چاہیے، نہ یہ کہ اقامت کے وقت اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول ہوں۔ (مشکوۃ المصابیح:ص/۶۶)

مسئلہ (۴۰): اگر اذان کی آواز ہوا کی وجہ سے صحیح نہ آرہی ہو، یا لاؤڈ اسپیکر میں تکنیکی خرابی آنے کی وجہ سے آواز صحیح طور پر سنائی نہ دے، تو اگر الفاظ سمجھ میں آئیں تو جواب دیں، ورنہ نہیں۔ (رد المحتار:۲/۶۵)

مسئلہ (۴۱): جو شخص اذان کے وقت نماز، تلاوت، درس وتدریس، تقریر سننے، کھانے پینے یا استنجاء وغیرہ میں مشغول ہو، جس کی وجہ سے وہ اذان کا جواب نہ دے سکا اور اذان ختم ہو چکی ہو، مگر زیادہ دیر نہ ہوئی ہو، تو اسے ایک ساتھ پوری اذان کا

جواب دینا چاہیے، اور اگر زیادہ دیر ہو چکی ہو تو جواب نہیں دینا چاہیے۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ:۲/۶۰)

مسئلہ (۴۲): اگر کوئی شخص اپنے گھر میں تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو اور اذان شروع ہو جائے تو اس پر اجابت بالقدم یعنی قرآن کریم کی تلاوت موقوف کر کے جماعت کی حاضری کے لیے مسجد کی طرف چل دینا واجب ہے، جب کہ ایسا نہ کرنے سے جماعت فوت ہو جاتی ہو، اور اگر جماعت کے ساتھ نماز فوت نہ ہوتی ہو تو پھر واجب نہیں، اور اگر وہ مسجد میں تلاوت کر رہا ہو، تو تلاوت موقوف کر کے زبان سے اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ:۲/۶۹۶۵)

مسئلہ (۴۳): نمازی کم ہوں اور صفِ اول میں تکبیرا قامت کہنے سے سب کو آواز پہنچتی ہو تو تکبیر صفِ اول میں کہنا بہتر ہے، ہاں! اگر سب کو آواز نہ پہنچے اور درمیان کی کسی صف میں تکبیر کہی جائے کہ جس کی وجہ سے آگے پیچھے سب نمازی سُن سکیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (موسوعۃ الفقہ الإسلامی:۲/۳۸۷، فقہ العبادات لحسن أیوب:ص/۵۴، معجم لغۃ الفقہاء:ص/۸۲)

مسئلہ (۴۴): افضل یہ ہے کہ جو شخص اذان کہے وہی اقامت کہے، کسی اور شخص کے اقامت کہنے پر اگر مؤذن کو ناگواری ہوتی ہو تو دوسرے شخص کا اقامت کہنا مکروہ ہے، کیوں کہ اقامت کہنا مؤذن کا حق ہے، البتہ اگر مؤذن کی غیر موجودگی میں یا اس کی اجازت سے دوسرا شخص اقامت کہے تو بلا کراہت جائز ہے۔ (ابوداود:ص/۷۶)

مسئلہ (۴۵): اذان کی طرح اقامت میں بھی "حی علی الصلوٰۃ" اور "حی علی الفلاح" کہتے وقت دائیں اور بائیں چہرہ پھیرنا مسنون ہے۔ (فتاوی محمودیہ:۵/۴۶۳)

مسئلہ (۴۶): مغرب کی اذان واقامت کے درمیان تین چھوٹی آیتیں پڑھنے کے بقدر فصل ہے۔ (الدر مع الرد:۱/۶۲، ۶۳)

مسئلہ (۴۷): **اِن مواقع میں اذان سنت ہے:** فرض نماز کے وقت، بوقتِ ولادت بچہ کے کان میں، آگ لگنے کے وقت، کفار سے جنگ کے وقت، مسافر کو جب شیاطین ظاہر ہو کر ڈرائیں، غم کے وقت، غضب کے وقت، جب مسافر راستہ بھول جائے، جب کسی آدمی یا جانور کی بد خُلقی ظاہر ہو تو اُس کے کان میں، اور جب کسی کو مرگی آئے۔

(شامی:۲/۴۶، الموسوعۃ الفقہیۃ:۲/۳۷۲، ۳۷۳)

مسئلہ (۴۸): حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں، جس وقت امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتا تھا، صرف وہیں ایک اذان ہوا کرتی تھی، لیکن جب حضرت عثمان کا زمانہ آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام زوراء پر اذانِ ثانی دینے کا حکم فرمایا، اور تمام حضرات صحابہ کرام نے بھی اس پر اتفاق کر لیا، اس لئے اب دونوں اذانیں سنت ہیں، کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "تم میری اور میرے خلفاء کی سنت کو لازم پکڑو"- **اس**

حدیث کو امام احمد، ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے، اور دارمی، ابن ماجہ اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، جب کہ حاکم نے اس روایت کو بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے، اس لئے اذانِ ثانی کو بدعت کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ (السنن لأبی داود: ص/۱۵۵)

مسئلہ (۴۹): اذان کے بعد اعلان کرنا کہ "جماعت کا وقت ہو چکا یا جماعت کھڑی ہو چکی" درست ہے، کیوں کہ متاخرین فقہاء نے اذان کے بعد علی الاطلاق تثویب کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، نیز تثویب کیلئے کوئی مخصوص لفظ نہیں ہے، بلکہ ہر علاقہ میں اس لفظ سے تثویب کی جاسکتی ہے، جو ان کے نزدیک متعارف ہے۔ (المبسوط: ۱/۴/۲۷۴)

قبلہ و اوقاتِ نماز کا بیان

مسئلہ (۵۰): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ نماز میں استقبالِ قبلہ شرط ہے، تو جس طرح دیگر شرائط میں سے کسی شرط کے فقدان سے نماز درست نہیں ہوتی ہے، اسی طرح قبلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں تحری کر کے نماز پڑھ لی جائے، پھر خطا ظاہر ہو تو نماز درست نہیں ہونی چاہیے، جب کہ ان کا یہ خیال غلط ہے، کیوں کہ استقبال قبلہ کی شرطیت صرف نماز کی تکمیل اور نماز میں ملت کی شیرازہ بندی کیلئے ہے، نماز کا اصل فائدہ اس کے بغیر بھی حاصل ہو جاتا ہے، جب کہ دیگر شرائط، طہارت وغیرہ اس لئے شرط ہیں کہ ان کے بغیر نماز کی حقیقت ہی وجود میں نہیں آتی، اس لئے اگر کسی شخص کو قبلہ معلوم نہ ہو اور وہ تحری کر کے نماز پڑھ لے، گرچہ بعد میں خطا ظاہر ہو جائے، تب بھی اس کی نماز درست ہو جائیگی۔ (حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/ ۴۳۹)

مسئلہ (۵۱): دورِ حاضر میں تقویم کی بنیاد علمِ فلکیات (Astronomy) پر ہوتی ہے، لہٰذا اوقاتِ نماز میں تقویم کی رعایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، ہاں اگر دوسرے ذرائع سے وقت کا علم ہو جائے تو تقویم کو ترک کر دیا جائیگا۔ (ردالمحتار: ۲/۱۱۲)

مسئلہ (۵۲): دورِ حاضر میں بالخصوص سفر کی حالت میں تعیینِ قبلہ کیلئے موجودہ دور کا ایک آلہ جسے ہم قبلہ نما کہتے ہیں استعمال کیا جاتا ہے، چونکہ اس سے سمتِ قبلہ کا ظنِ غالب حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے شرعاً اس کا استعمال صحیح ہے اور اس کے متعین کردہ سمتِ قبلہ میں رخ کر کے نماز پڑھنا بھی جائز اور صحیح ہے۔ (الدر مع الرد: ۲/۱۰۰)

مسئلہ (۵۳): قبلہ کی تعیین کرنا جائز ہے، شریعت نے جہت کی تعیین میں سہولت رکھی ہے کہ کسی بھی طرح انسان کو جہتِ قبلہ کا ظنِ غالب ہو تو وہ اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھے، چونکہ قبلہ نما سے بھی ظنِ غالب حاصل ہوتا ہے، لہٰذا اس کے ذریعہ تعیینِ قبلہ جائز ہے۔ (ردالمحتار: ۲/۱۱۲)

مسئلہ (۵۴): اگر کسی شخص پر سمتِ قبلہ مشتبہ ہو جائے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے تحری کرے، پھر نماز ادا کرے، اگر بغیر تحری کے نماز پڑھ لی تو نماز نہیں ہوگی۔ (فتاوی محمودیہ: ۵/ ۵۲۶، ۵۲۷)

مسئلہ (۵۵): ٹرین اور بس میں استقبالِ قبلہ ابتداءِ صلوۃ اور دورانِ صلوۃ دونوں میں بھی ضروری ہے، کیونکہ ان میں اگر انحراف عن القبلہ ہوجائے تو قبلہ درست کرنا ممکن ہوتا ہے، لہٰذا اگر نماز شروع کرتے وقت قبلہ ٹرین کے بائیں رخ پر ہو تو مصلی بائیں طرف رخ کر کے نماز پڑھے، اور اگر دائیں رخ پر ہوجائے تو اپنا رخ دائیں طرف کرلیں۔ (الدر مع الشامیۃ:۲/۵۷۳)

مسئلہ (۵۶): (**الف**) ٹرین اگر کسی جگہ رُکی ہوئی ہو تو اس میں نماز پڑھنا درست ہے، اور ایسی صورت میں اس میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنا واجب ہوگا، کیوں کہ یہ زمین کے حکم میں ہے۔

(**ب**) لیکن اگر ٹرین اتنی دیر تک رکتی ہے کہ مسافر باہر نکل کر نماز پڑھ سکتا ہے، تو ٹرین کی بہ نسبت زمین پر نماز پڑھنا بہتر ہے، لیکن اگر ٹرین میں نماز پڑھ لیتا ہے تب بھی اس کی نماز ہوجائے گی۔

(**ج**) اور اگر ٹرین چل رہی ہو اور اس میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنے سے سر چکرانے لگتا ہو، یا اور کوئی عذر ہو جو کھڑے ہوکر نماز پڑھنے سے مانع ہو، تو ایسی حالت میں اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ (فتاوی تاتارخانیہ:۱/۵۲۸)

مسئلہ (۵۷): اگر ریل گاڑی میں اتنی بھیڑ ہے کہ کھڑے ہونے کی بھی جگہ نہ ہو، اور ہم سفر لوگوں سے جگہ مانگنے پر وہ جگہ بھی نہ دیں، تو ایسی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھے تاکہ قضا نہ ہو، لیکن جگہ ملنے پر کھڑے ہوکر نماز کا اعادہ کرلے۔
(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۲/۱۴۶)

مسئلہ (۵۸): ہوائی جہاز میں قبلہ رخ ہوکر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ جس طرح کشتی میں نماز ہوجاتی ہے اسی طرح ہوائی جہاز میں بھی نماز ہوجائیگی۔ (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ:۱/۲۰۶)

مسئلہ (۵۹): اگر کوئی شخص بذریعہ ہوائی جہاز سفر کر رہا ہو اور نماز کا وقت آگیا، تو اب وہ ہوائی جہاز میں فرض نماز ادا کرلے، قضا نہ کرے، پھر زمین پر اترنے کے بعد اس نماز کا اعادہ کرلیں، اور اعادہ بہتر ہے واجب نہیں، تاکہ ان علماء کی رائے پر بھی عمل ہوجائے جو ہوائی جہاز میں نماز کو ناجائز کہتے ہیں۔ (أحکام الطائرۃ فی الفقہ الإسلامی:ص/۱۳۶)

مسئلہ (۶۰): سمندری جہاز (Steamer) میں نماز کے وہی احکام ہیں جو کشتی کے ہیں، اگر جہاز ساحل پر لنگر انداز ہو اور کھڑے ہوکر پڑھنا ممکن ہو تو کھڑے ہوکر پڑھے، ورنہ بیٹھ کر جب کہ نکلنا ممکن نہ ہو، اور اگر حالتِ قیام میں سر چکرائے تو بیٹھ کر ادا کرلے، اگر چلتے ہوئے جہاز میں قیام ممکن ہو تو کھڑے ہوکر پڑھے ورنہ بیٹھ کر ادا کریں، استقبالِ قبلہ ہر حال میں ضروری ہے۔ (فتح القدیر لإبن الہمام:۱/۴۶۲)

مسئلہ (۶۱): **وقت فجر**: صبح صادق سے شروع ہوکر طلوعِ آفتاب سے کچھ پہلے تک رہتا ہے، جب سورج کا کنارہ

طلوع ہو گیا تو وقت فجر ختم ہو گیا، یہ تمام وقت کامل ہے۔

وقت ظہر: زوالِ آفتاب سے شروع ہو کر مثلین تک، یعنی استواء کے وقت جو سایہ ہوتا ہے اس کے علاوہ ہر شئ کا سایہ اس کے دو مثل ہو جائے، یہی تمام وقت کامل ہے۔

وقت عصر: مختار و مفتٰی بہ قول کے مطابق عصر کا وقت مثلین سے شروع ہو کر غروب تک ہے، البتہ صاحبین کے نزدیک مثلِ اول سے ہی شروع ہو جاتا ہے، لیکن آفتاب کے زرد ہونے سے پہلے وقت مستحب اور اس کے بعد غروب ہونے تک وقتِ مکروہ ہے۔

وقت مغرب: غروبِ آفتاب سے لے کر شفقِ ابیض کے غائب ہونے تک۔

وقت عشاء: شفقِ ابیض کے غائب ہونے پر وقتِ عشا شروع ہوتا ہے، اور صبح صادق طلوع ہونے پر ختم ہو جاتا ہے۔
(فتاوی محمودیہ:۵/۳۲۰)

مسئلہ (۶۲): اوقاتِ نماز کی تعیین اصالۃً علاماتِ سماویہ پر ہوتی ہے، علامات سے جنتریاں بنائی جاتی ہیں، اس لئے جس جنتری پر صحت کا ظن غالب ہو اور تجربہ سے اس کا صحیح ہونا معلوم ہو چکا ہو، تو اس کے مطابق عمل کر لینا براءتِ ذمہ کیلئے ان شاء اللہ کافی ہوگا۔ (جامع الترمذي:۱/۳۹)

مسئلہ (۶۳): ایسے مقامات جہاں پر چھ مہینوں کے دن اور چھ مہینوں کی رات ہوتی ہو، تو وہاں کے لوگ قریبی ممالک کے اوقات کا اعتبار کر کے، چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں پڑھیں گے۔ (خیر الفتاوی:۲/۱۸۱)

مسئلہ (۶۴): **اوقات مکروھہ تین ھیں**: (۱) طلوعِ شمس، (۲) غروبِ شمس، (۳) زوالِ شمس، ...... اِن اوقات میں فرض، نفل اور جنازے کی نماز مکروہ ہے، سوائے اسی دن کی عصر نماز کے، اس کو غروبِ شمس کے وقت ادا کرنا بھی جائز ہے، کیوں کہ یہی وقتِ ناقص اس کے وجوب کا سبب ہے۔ (فتاوی رحیمیہ:۴/۸۵، فتاوی دار العلوم:۲/۲۶۶)

مسئلہ (۶۵): شوافع فرماتے ہیں کہ نمازِ فجر غلس یعنی آخر رات کی تاریکی میں پڑھنا افضل ہے، اور احناف فرماتے ہیں کہ نمازِ فجر اسفار یعنی صبح کی روشنی میں پڑھنا افضل ہے۔ (صحیح البخاري:۱/۸۲، صحیح مسلم:۱/۲۳۰)

مسئلہ (۶۶): حنفیہ کا اصل مسلک تو یہی ہے کہ نماز فجر اسفار میں ہو، لیکن اس کی وجہ تکثیرِ جماعت ہے، رمضان المبارک میں غلس میں اگر نمازی نماز کے لیے جمع ہو جائیں اور اسفار تک مؤخر کرنے کی صورت میں جماعت چھوٹنے یا قضا کا اندیشہ ہو، تو پھر غلس کو اختیار کیا جائیگا۔ (صحیح البخاري:۱/۸۱)

مسئلہ (٦٧): دو نمازیں ایک ہی وقت میں ادا کرنا صحیح نہیں ہے، احادیث میں جو دو نمازیں ایک ساتھ پڑھنے کا ذکر ہے وہ ہمارے نزدیک جمعِ صوری پر محمول ہیں، کہ پہلی نماز کو اس کے آخری وقت میں اور دوسری نماز کو اس کے اولِ وقت میں ادا کیا جائے، کیوں کہ دو نمازوں کو ایک ہی وقت میں ادا کرنا اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ ایک نماز کو اپنے وقت میں اور دوسری نماز کو اس کے وقت سے پہلے ادا کیا جائے، یا پھر ایک نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے دوسری نماز کے وقت میں ادا کیا جائے، جب کہ پہلی صورت میں دوسری نماز ادا ہی نہیں ہوتی، اور دوسری صورت میں گناہِ کبیرہ لازم آتا ہے۔ (بدائع الصنائع:۱/۳۱۵)

مسئلہ (٦٨): بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ سفر یا کسی اور عذر سے جمع بین الصلوتین یعنی دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنا جائز ہے، ان کا یہ خیال درست نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ کسی عذر کے سبب بھی جمع بین الصلوتین جائز نہیں ہے، البتہ جمع حقیقی کی بجائے جمع صوری کر لی جائے تو یہ شرعاً جائز ہے۔ (شرح معانی الآثار:۱/۱۲۳)

شرائط وصفاتِ نماز کا بیان

مسئلہ (٦٩): **نماز کی شرائط یہ ہیں:**

(۱) طہارت (۲) سترِ عورت (ستر کا چھپانا) (۳) استقبالِ قبلہ (۴) نیت کرنا (۵) تکبیر تحریمہ کہنا۔ یہ کل پانچ ہیں۔

نماز کے ارکان یہ ہیں:

(۱) قیام (۲) قرأت (۳) رکوع (۴) سجود (۵) قعدۂ اخیرہ۔ (٦) نماز کو اپنے کسی فعل سے پوری کرنا (صحیح قول کے مطابق یہ ارکان میں داخل نہیں ہے)۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ:۲/٦٦-۱۱۲-۱۲۲)

مسئلہ (۷۰): صاحب بدائع الصنائع، ملک العلماء علامہ کاسانی (م/۵۸۷ھ) کے بقول، نماز کے اصل واجبات کل چھ ہیں:

۱- سورۂ فاتحہ اور ضم سورہ۔

۲- جہری نمازوں میں جہر اور سری نمازوں میں سر۔

۳- تعدیلِ ارکان۔

۴- قعدۂ اولیٰ۔

۵- تشہد۔

٦- ترتیبِ افعال۔

تاہم متعلقات اور جزئی صورتوں کے اعتبار سے یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہے، مگر علامہ شامی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۲۵۲ھ) نے ان میں سر کھپانے کو ضیاعِ وقت فرمایا ہے، اس لئے دیگر تفصیلات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے، ذیل میں ۲۱/ اہم واجبات ترتیب وار ذکر کیے جارہے ہیں:

۱۔ تکبیر تحریمہ میں ''اللہ اکبر'' کہنا۔

۲۔ سورۂ فاتحہ پڑھنا۔

۳۔ سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت ملانا۔

۴۔ فرض کی ابتدائی دو رکعتوں میں قرأت کی تعیین کرنا۔

۵۔ سورۂ فاتحہ کا سورت سے پہلے پڑھنا۔

۶۔ سورۂ فاتحہ کا تکرار نہ کرنا۔

۷۔ جہری نمازوں میں جہر کرنا (بلند آواز سے قرأت کرنا)۔

۸۔ سری نمازوں میں آہستہ قرأت کرنا۔

۹۔ تعدیلِ ارکان۔

۱۰۔ قومہ کرنا۔

۱۱۔ ہر رکعت میں دونوں سجدے لگاتار کرنا۔

۱۲۔ سجدہ میں پیشانی کے ساتھ ناک زمین پر رکھنا۔

۱۳۔ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا۔

۱۴۔ قعدۂ اولیٰ کرنا۔

۱۵۔ قعدۂ اولیٰ اور قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا۔

۱۶۔ قعدۂ اولیٰ کے بعد بلا تاخیر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا۔

۱۷۔ افعالِ نماز میں بلا فصل ترتیب باقی رکھنا۔

۱۸۔ لفظِ ''سلام'' سے نماز کو ختم کرنا۔

۱۹۔ وتر کی نماز میں قنوت پڑھنا۔

۲۰۔ عیدین میں تکبیراتِ زائدہ کہنا۔

۲۱۔ عیدین کی دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر کہنا۔ (حلبی کبیر: ص/۲۹۶، مراقی الفلاح: ص/۲۵۲، ردالمحتار: ۲/۱۶۳)

مسئلہ (۷۱): مستحباتِ نمازیہ ہیں :

۱۔ تکبیر تحریمہ کہتے وقت مردوں کو اپنے ہاتھوں کا آستین یا چادر وغیرہ سے باہر نکال لینا، بشرطیکہ کوئی عذر مثلاً سردی وغیرہ نہ ہو، اور عورتوں کا ہاتھوں کو نہ نکالنا بلکہ چادر یا دوپٹے وغیرہ میں چھپائے رکھنا۔

۲۔ حالتِ قیام میں اپنی نظر سجدہ کی جگہ رکھنا، رکوع میں قدم پر، سجدے میں ناک پر، بیٹھنے کی حالت میں زانو پر اور سلام پھیرتے وقت شانوں پر۔

۳۔ جہاں تک ممکن ہو کھانسی یا جمائی کو روکنا۔

۴۔ اگر جمائی آجائے تو حالتِ قیام میں داہنے ہاتھ کی پشت، ورنہ بائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھنا۔

۵۔ امام کو " قد قامت الصلوۃ " کے بعد فوراً تکبیر تحریمہ کہنا۔

۶۔ قعدۂ اولیٰ و اخیرہ میں وہی خاص تشہد پڑھنا جو ابنِ مسعود سے منقول ہے۔

۷۔ قنوت میں اسی خاص دعا یعنی: " اللهم إنا نستعينک الخ " کا پڑھنا۔

(التنویر و شرحہ مع الشامیۃ: ۲/۱۵۶، تبیین الحقائق: ۱/۲۸۲، ۲۸۳)

مسئلہ (۷۲): آدمی کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک ہے، جس کا نماز میں اور نماز کے باہر چھپانا واجب ہے، آدمی کے ستر کی جو مقدار بیان کی گئی ہے فقہاء کے نزدیک یہ آٹھ اعضاء پر مشتمل ہے، اگر ان میں سے کسی ایک عضو کا چوتھائی حصہ ایک رکن، یعنی تین تسبیحات پڑھنے کی بقدر کھلا رہا تو نماز فاسد ہوگی۔ (سنن الدار قطنی: ۱/۲۳۷)

مسئلہ (۷۳): نماز کی نیت الفاظ میں ادا کرنا ضروری نہیں ہے، اور بدعت ممنوعہ بھی نہیں ہے، ادا کرلے گا تو گنہگار نہیں ہوگا، نہیں ادا کرے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، کیوں کہ نیت مراد قلبی کا نام ہے، اور وہ ادائے نماز کیلئے کافی ہے، لوگوں کے قلوب پر افکار کا ہجوم رہتا ہے، اور وہ پوری یکسوئی کے ساتھ قلب کو حاضر نہیں کر پاتے ہیں، اس لیے زبان سے بھی الفاظ ادا کرائے جاتے ہیں، تاکہ حضورِ قلب میں جس قدر کمی ہے، وہ الفاظ کے ذریعہ سے پوری ہوجائے، اگر کوئی شخص احضارِ قلب پر قادر نہ ہو، تو اس کیلئے الفاظ کا ادا کرلینا بھی کافی ہے۔ (حلبی کبیر: ص/۲۵۴)

مسئلہ (۷۴): نماز کے صحیح ہونے کیلئے زبان سے الفاظ نیت کا کہنا حضرت نبی اکرم ﷺ سے منقول نہیں ہے، درحقیقت

نیت نام ہے ارادۂ قلبی کا، چونکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جن پر خیالات اور وساوس کا ہجوم رہتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے ارادۂ قلبی کو مستحکم و مستحضر نہیں کر سکتے، اس لئے ان کے حق میں الفاظ کا ادا کر دینا کافی قرار دیا گیا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص زبان سے الفاظ نہ کہے، صرف دل میں ارادہ کر لے، تو بھی اس کی نماز بلاشبہ درست ہوگی۔ (فتاوی ہندیہ: ۱/۶۵)

مسئلہ (۷۵): اگر امام صرف اپنی نماز کی نیت کرے، اور امامت کی نیت نہ کرے، تو نماز صحیح ہو جائے گی، البتہ جماعت کی امامت کا ثواب اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ وہ امامت کی نیت کرلے۔ (مجمع الأنہر: ۱/۱۲۹)

مسئلہ (۷۶): امام و منفرد دونوں کے لیے بحالتِ حضر و اطمینان، نمازوں میں قرأتِ مسنونہ کا لحاظ کرنا مسنون ہے، اسی طرح نماز کے ارکان کو اطمینان سے ادا کرنا واجب ہے، اطمینان کا مطلب یہ ہے کہ رکوع و سجود میں اس قدر ٹھہرا رہے کہ اعضاء کی حرکت ختم ہو کر کامل سکون پیدا ہو جائے، اور تمام اعضاء اپنی اپنی جگہ آ کر ٹھہر جائیں، جس کو فقہاء کرام نے ایک تسبیح سے مقدر فرمایا ہے، یعنی ایک مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہنے کی بقدر ٹھہرا رہے، اگر نماز میں تعدیلِ ارکان کی رعایت نہیں کی گئی، تو اس سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، اور نہ کرنے کی وجہ سے نماز ادا نہیں ہوگی، لہٰذا امام ہو یا منفرد اُسے چاہیے کہ نماز میں قرأتِ مسنونہ اور تعدیلِ ارکان کا خوب خیال رکھے، کیوں کہ تعدیلِ ارکان میں کوتاہی ''تطفیف'' میں داخل ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو جس نے نماز میں رکوع و سجود کو جلدی جلدی ادا کیا، فرمایا: '' لقد طفّفتَ '' تو نے اللہ کے حق میں کوتاہی کر دی، فاروقِ اعظم کے اِس قول کو نقل کر کے حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: '' لکلّ شيء و فاءٌ و تطفیفٌ '' یعنی پورا حق دینا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: ص/۸۰، ۸۱)

مسئلہ (۷۷): امام کے لیے جہر بالتکبیر یعنی بقدرِ ضرورت بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت ہے، واجب نہیں ہے۔

(احسن الفتاوی: ۳/ ۲۶۵، امداد الفتاوی: ۱/ ۱۸۷)

مسئلہ (۷۸): ظاہر روایت یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہتے ہی فوراً ہاتھ باندھنا سنت ہے، اور فتویٰ ظاہر روایت پر ہوتا ہے۔

(فتاوی محمودیہ: ۵/۵۸۱)

مسئلہ (۷۹): بعض لوگ تکبیرِ تحریمہ کہنے کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو چھوڑ دیتے ہیں پھر باندھتے ہیں جبکہ افضل یہ ہے کہ تکبیرِ تحریمہ کہنے کے بعد ہاتھ چھوڑے بغیر باندھ لیں اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔ (فتاوی ولوالجیہ: ۱/۹۰)

مسئلہ (۸۰): نماز کو شروع کرنے کیلئے پوری تکبیر تحریمہ کو بحالتِ قیام ادا کرنا شرط ہے، بسا اوقات لوگ امام کو رکوع کی حالت میں دیکھتے ہیں، تو رکعت پانے کیلئے دوڑے دوڑے آتے ہیں، اور تکبیر تحریمہ اس طرح کہتے ہیں کہ اس کا بعض حصہ بحالتِ قیام اور بعض حصہ بحالتِ رکوع ادا ہوتا ہے، اس طرح نماز میں شامل ہونا صحیح نہیں ہے، اور نہ ہی ایسے شخص کی نماز درست ہوگی۔ (الکافی فی فقہ الحنفی: ۱/۲۴۰)

مسئلہ (۸۱): نماز میں ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر، دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے۔ (بذل المجہود:۴/۱۰۲)

مسئلہ (۸۲): تکبیراتِ انتقال کا مسنون وقت یہ ہے کہ جہاں سے انتقال شروع ہو، وہیں سے تکبیر بھی شروع ہو، اور جہاں انتقال ختم ہو وہیں تکبیر بھی ختم ہو، اگر کسی رکن میں پہنچنے کے بعد بھی تکبیرِ انتقالی ختم نہ ہوئی، تو یہ عمل خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگا۔ (التنویر و شرحہ مع الشامیۃ:۲/۱۹۶)

مسئلہ (۸۳): اگر مقتدی پہلی رکعت میں، رکوع سے تھوڑی دیر پہلے امام کے ساتھ آکر ملے، اور ثناء پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ (حاشیۃ الشلبی علی التبیین:۱/۲۸۹)

مسئلہ (۸۴): نماز میں ثناء کا پڑھنا ہر مقتدی کے لئے سنت ہے، لیکن اگر کوئی شخص جہری نماز میں امام کی اقتداء اس وقت کرے جب وہ قرأت میں مشغول ہو چکا ہو تو وہ ثناء نہ پڑھے، کیوں کہ ثناء پڑھنا سنت ہے اور قرأتِ قرآن کا سننا واجب ہے اور ادائے سنت کے لئے ترکِ واجب درست نہیں، لیکن اگر کوئی شخص سری نماز میں اس وقت امام کی اقتدا کرے جب وہ قرأت میں مشغول ہو چکا ہو تو وہ ثناء پڑھے گا، کیونکہ سری نماز میں قرأت کا سننا فرض نہیں ہے، مقتدی کا خاموشی کے ساتھ کھڑا رہنا محض تعظیمِ قراءت کی وجہ سے مسنون ہے۔ (حاشیۃ الشلبی علی التبیین:۱/۲۸۹)

مسئلہ (۸۵): اگر کوئی شخص جہری نماز میں امام کی قرأت شروع ہونے کے بعد، نماز میں شریک ہو تو ثنا نہ پڑھے، کیوں کہ قرأتِ جہریہ میں استماعِ قرأت (قرأت بغور سننے) کے لئے انصات (خاموش رہنا) فرض ہے، اور اگر نماز سرّی ہو تو مسبوق اس وقت بھی ثنا پڑھے جس وقت وہ نماز میں داخل ہو، اور جب چھوٹی ہوئی رکعتیں پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو تب بھی پڑھے، کیوں کہ قرأتِ سریہ میں انصات (خاموش رہنے کا حکم) استماعِ قرأت (قرأت بغور سننے) کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے، اور مسبوق کے بوقتِ دخول نماز میں پڑھنے سے ترکِ استماعِ قرأت لازم نہیں آتا، اور نہ امام کی ثناء مقتدی کی ثناء ہے، اس لئے ثناء پڑھے گا۔ (التنویر و شرحہ مع الشامیۃ:۲/۱۸۹-۱۹۰)

مسئلہ (۸۶): سجدہ میں پیشانی کا اکثر حصہ زمین پر رکھنا واجب ہے، اگر کوئی شخص تھوڑا سا حصہ زمین پر رکھے، تو اس کی نماز کراہت کے ساتھ صحیح ہو جائیگی۔ (امداد الفتاوی:۱/۱۹۸، احسن الفتاوی:۳/۲۱)

مسئلہ (۸۷): ہر ایسی چیز پر سجدہ کرنا جائز ہوگا جس پر ناک اور پیشانی لگ جائیں، اگر کسی ایسی چیز پر سجدہ کیا جس پر ناک اور پیشانی نہ ٹک سکیں تو سجدہ جائز نہ ہوگا، اور جب سجدہ نہ ہوگا تو نماز بھی نہ ہوگی، روئی کے گدے پر یہ دونوں چیزیں ٹک

جاتی ہیں لہٰذا اس پر سجدہ کرنا جائز ہوگا۔ (ردالمحتار:۲/۱۴۳، ۱۴۴)

مسئلہ (۸۸): سجدہ میں پیشانی کا اکثر حصہ اور ناک زمین پر رکھنا واجب ہے، البتہ کسی عذر کی وجہ سے کسی ایک پر اکتفا کرنا جائز ہے۔ (جامع الترمذي:۱/۶۱)

مسئلہ (۸۹): نماز میں زمین پر سجدہ کرنا ضروری ہے یعنی زمین کی صلابت اور سختی کا ادراک ضروری ہے، آج کل قالین کارپٹ اور دری وغیرہ مسجدوں میں بچھائی جاتی ہیں ان میں زمین کی سختی کا ادراک ہوتا ہے، اس لئے ان پر نماز پڑھنا جائز ہے البتہ موٹے اور لچک دار فوم کے گدے پر نماز جائز نہیں۔ (تبیین الحقائق:۱/۳۰۵)

مسئلہ (۹۰): رکوع سے سر اٹھانا اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا، اور ان دونوں میں تعدیل واطمینان امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے، اور حضراتِ طرفین یعنی امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ سے مشہور روایت سنیت کی ہے، اور دوسری روایت وجوب کی ہے، اور وجوب کی روایت دلائل کے موافق ہے، کیوں کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے قومہ اور جلسہ پر مواظبت ثابت ہے، لہٰذا قومہ، جلسہ اور ان دونوں میں تعدیل واطمینان واجب ہے۔ (ردالمحتار:۲/۱۵۸)

مسئلہ (۹۱): رکوع سے سر اٹھانا اور ان دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور ان دونوں میں تعدیل واطمینان واجب ہے، نیز قومہ میں " **ربنا ولک الحمد ملأ السمٰوٰت والأرض وملأ ما بینهما وملأ ما شئت من شيء بعد** "، اور جلسہ میں " **اللهم اغفرلي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني** " کا پڑھنا مستحب ہے، خواہ فرض نماز ہو یا نفل۔ (شامی:۲/۱۵۸)

مسئلہ (۹۲): قعدۂ اُولیٰ جس طرح تین اور چار رکعت والی فرض نمازوں میں واجب ہے، اسی طرح سنن وغیرہ میں بھی واجب ہے۔ (فتاوی حقانیہ:۳/۸۶)

مسئلہ (۹۳): تشہد میں کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا بالاتفاق مسنون ہے، اور اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ابتداء میں انگلیاں سیدھی رکھی جائیں، جب کلمۂ شہادت پر پہنچے تو چھنگلی اور اس کے ساتھ کی انگلی کو بند کرلے، اور درمیان کی انگلی اور انگوٹھے کے سروں کو ملا کر حلقہ بنالے، پھر " **لا** " پر شہادت کی انگلی اٹھائے، اور " **إلا الله** " پر قدرے جھکائے، اس موقع پر عام لوگ انگلی بالکل گرادیتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ اشارہ کو ختم کرکے انگلی کا رخ نیچے کو کردیا جائے، اور یہ ہیئت اخیر تک باقی رہے، سب انگلیاں کھول کر نہ پھیلائی جائیں۔ (السعایۃ فی کشف ما فی شرح الوقایۃ:۲/۲۱۸)

مسئلہ (۹۴): اگر امام مقتدی کے تشہد مکمل کرلینے سے پہلے ہی کھڑا ہوجائے تو مقتدی کو اپنی تشہد مکمل کرلینے کے بعد کھڑا ہونا چاہئے۔ (کتاب الآثار:۱/۱۹۳، رقم الحدیث:۱۳۲)

مسئلہ(۹۵): بعض لوگ تشہد (التحیات) میں ”اشهد أن لا إله إلا الله“ کے بعد ”وحدهٗ لا شريک له“ بھی پڑھتے ہیں، اگرچہ ”وحدهٗ لا شريک له“ کے الفاظ بعض روایات میں وارد ہیں، لیکن حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ملتے، جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اسی روایت کو اختیار فرمایا ہے، اس لیے ”وحدهٗ لا شريک له“ کا نہ پڑھنا ہی اولیٰ ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۱۱۵)

مسئلہ (۹۶): حضرات فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ فرائض سے فارغ ہونے کے بعد امام کا اسی ہیئت پر قائم رہنا بدعت ہے، اس لیے امام اپنی ہیئت تبدیل کرلے، جس کی مختلف صورتیں ہیں، یعنی یا تو مصلے سے اٹھ کر چلا جائے، یا دائیں یا بائیں، یا مقتدیوں کی طرف مڑ کر بیٹھے، اگر نماز کے بعد سنتیں ہیں تو ان کو ادا کرنے کے لیے مصلے سے آگے پیچھے، یا دائیں بائیں طرف ہٹ کر پڑھے، امام کے اسی ہیئت پر قبلہ کی طرف رہنے میں آنے والوں کو جماعت باقی رہنے کا اشتباہ ہوسکتا ہے، خطرہ ہے کہ کوئی اقتدا کرلے، اور اس کی نماز صحیح نہ ہو، اس لیے امام کا ہیئت نہ بدلنا مکروہ ہے۔ **امام** کو فجر اور عصر کی نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھنا چاہیے، البتہ اگر امام کے محاذات یعنی برابری میں صف اول میں کوئی مسبوق ہو، تو اس کی طرف رخ کر کے بیٹھنا مکروہ ہے، لہٰذا اس صورت میں دائیں بائیں ہوکر بیٹھے۔ (احسن الفتاوی:۳/۳۶۸)

مسئلہ(۹۷): ستر عورت نماز کے شرائط میں سے ایک شرط ہے، اور عورت کا ستر چہرہ، ہتھیلی اور قدم کے علاوہ پورا جسم ہے، لہٰذا اگر ساڑی اس طرح ہے کہ اس سے چہرہ، ہتھیلی اور قدم کے علاوہ پورا جسم چھپا رہے، تو ساڑی پہن کر نماز درست ہوگی۔
(فتاوی محمودیہ:۵/۵۲۰)

مسئلہ(۹۸): فرض نمازوں میں قیام فرض ہے، عورتوں کے ساڑی پہننے کی وجہ سے قیام کو ترک نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا جو عورتیں ساڑی پہن کر نماز پڑھتی ہیں، ان پر قیام لازم ہے۔ (فتاوی محمودیہ:۵/۵۲۳)

مسئلہ (۹۹): جن نمازوں میں مردوں کے لیے قیام ضروری ہے، ان میں عورتوں کے لیے بھی قیام ضروری ہے، اس لیے کہ فرضیتِ قیام میں مرد و عورت کا حکم یکساں ہے، فرض کے علاوہ صرف سنتِ فجر میں قیام فرض ہے، باقی سننِ مؤکدہ میں قیام فرض نہیں ہے۔ (فتاوی محمودیہ:۵/۵۴۴)

مسئلہ(۱۰۰): بعض حضرات قوتِ حافظہ کیلئے پانچوں نمازوں کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر گیارہ بار ”یاقوی“ پڑھتے ہیں، یہ بزرگوں کا مجرب عمل ہے، لہٰذا اس کا پڑھنا صحیح و درست ہے، البتہ روایات میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ جب نماز سے فارغ ہوجاتے تو اپنا دایاں ہاتھ سر مبارک پر پھیرتے، اور بعض روایتوں میں ہے کہ پیشانی مبارک پر پھیرتے، اور یہ دعا پڑھا

کرتے تھے: " بسم الله الذي لا إله إلا هو الرحمن الرحيم ، اللهم أذهب عني الهم و الحزن "-" اس اللہ کے نام سے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے اللہ! مجھ سے رنج و غم کو دور فرما" -اس لیے اس دعا کا پڑھنا بہتر ہے۔ (کتاب عمل الیوم واللیلۃ :ص/۴۴،رقم الحدیث:۱۱۲)

مسئلہ (۱۰۱): فرض نمازوں کے بعد دعا کی ترغیب بھی ہے، فضیلت بھی ہے، نفسِ دعا مطلقاً مامور بہ بھی ہے، اور نماز کے بعد خصوصیت سے مقرون بالا جابۃ یعنی قبولیت سے متصل بھی ہے، نیز دعا کو عبادت کا مغز فرمایا گیا ہے، البتہ جس فرض نماز کے بعد سنتیں ہیں، مختصر دعائیہ کلمات یعنی بقدر " اللهم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والإکرام" - پڑھ کر سنتوں میں مشغول ہونا چاہئے ، اور جس فرض نماز کے بعد سنتیں نہیں ہیں، اس میں تسبیحاتِ فاطمہ اور طویل دعا بھی لکھی ہے۔ (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی :ص/۴۶،رقم الحدیث:۱۱۶)

مسئلہ (۱۰۲): دعا مانگتے وقت دونوں ہاتھوں کو پھیلانا ، اور دونوں کے درمیان کچھ فاصلہ رکھنا افضل ہے، اسی طرح ہاتھوں کو سینہ کے برابر میں آسمان کی طرف اٹھانا مستحب ہے، اور ختمِ دعا پر دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا بھی اکثر مشائخ کے نزدیک معتبر ہے، دعا میں اصل خفا ہے ﴿ادعوا ربکم تضرعا و خفیة﴾ (تم اپنے رب کو آہ وزاری کر کے اور چپکے چپکے پکارو)، لیکن اگر دعا کی تعلیم مقصود ہو، تو بلند آواز سے دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بشرطیکہ اس قدر آواز بلند نہ ہو کہ جس سے مسبوقین کی نماز میں خلل ہو۔ (فتاوی ہندیہ:۵/ ۳۱۸)

مسئلہ (۱۰۳): منفرد شخص کے لئے نفل نماز میں آیتِ رحمت پر طلبِ رحمت وسوالِ جنت اور آیتِ عذاب پر استغفار وتعوذ من النار کی دعا کرنا جائز ہے اور فرض نماز میں مکروہ ہے، اور امام ومقتدی کے لیے فرض ونفل دونوں میں طلبِ رحمت وسوالِ جنت اور استغفار وتعوذ من النار کی دعا کرنا مکروہ ہے، کیونکہ امام کے دعا کرنے کی وجہ سے مقتدیوں پر نماز لمبی ہو جائے گی اور مقتدی کی دعا کرنے کی وجہ سے انصات فی الصلاۃ (نماز میں خاموش رہنا) میں خلل واقع ہوگا۔ (ہدایہ:۱/ ۱۹۸)

مسئلہ (۱۰۴): فقہاء کرام کی تعریف کے مطابق صفِ اول وہ صف ہے، جو امام کے پیچھے ہو اور کسی مقتدی کے پیچھے نہ ہو، اس تعریف سے علامہ شامی رحمہ اللہ نے ایک جزئیہ یہ مستنبط کیا ہے کہ اگر صفِ اول منبر کی وجہ سے کٹ رہی ہو، تو اس منبر کے بالمقابل دوسری صف میں جو شخص ہو وہ بھی صفِ اول میں شمار ہوگا، اور اس کو بھی صفِ اول کا ثواب ملے گا، اس لیے کہ وہ امام کے پیچھے ہے، اس کے آگے کوئی مقتدی نہیں ہے، فقہاء کرام کی مذکورہ بالا تعریف اور شامی کے مذکورہ بالا جزئیہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ منبر کی وجہ سے درمیان سے منقطع صف، صفِ اول شمار ہوگی، اس لیے کہ وہ کسی مقتدی کے پیچھے نہیں ہے، بلکہ امام کے پیچھے ہے۔ (ردالمحتار:۲/ ۳۱۱)

مسئلہ (۱۰۵): مؤذن پر صفوں کو سیدھا کرانے کی ذمہ داری ڈالنا صحیح نہیں ہے، بلکہ صفوں کو درست کرانے کی ذمہ داری امام کی ہے، البتہ اگر امام کسی شخص کو اس پر مامور کرے تو شرعاً یہ جائز ہے۔ (فتاوی رحیمیہ:۴/۱۵۲)

مسئلہ (۱۰۶): پنڈلیوں اور ٹخنوں کے لحاظ سے صفیں سیدھی کرنی چاہیے، کیوں کہ پاؤں انسان کے قد وقامت کے لحاظ سے بڑے چھوٹے ہو سکتے ہیں، اس لیے اگر پنجوں یا ایڑیوں کے لحاظ سے صف درست کی جائے، تو لوگ آگے پیچھے ہو جائیں گے۔ (کتاب الفتاوی:۲/۲۷۶،۲۷۷)

مسئلہ (۱۰۷): جماعت کے ساتھ نماز میں صفوں کو سیدھا کرنا امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک سنت ہے، جب کہ ابن حجر اور بعض محدثین عظام کے نزدیک واجب، اور ابن حزم کے نزدیک فرض ہے، صفوں کو سیدھا کرنے میں ترتیب کے ساتھ صفوں کو پورا کرنا، یعنی اول پہلی صف، پھر دوسری صف کو پورا کرنا، اسی طرح صفوں میں خالی جگہوں کو پُر کرنا بھی داخل ہے، اور اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص صف میں خالی جگہ کو پُر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ایک درجہ کو بلند فرماتے ہیں، اور اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیتے ہیں''...... بسا اوقات آدمی نماز میں ہوتا ہے اور اسی حالت میں وہ اگلی صف میں خالی جگہ دیکھ لیتا ہے، اُس وقت وہ اِس تردّد میں ہوتا ہے کہ خالی جگہ کو پُر کرے یا اپنی جگہ کھڑا رہے، اس سلسلے میں حکم شرع یہ ہے کہ اُس خالی جگہ کو پُر کرنا لازم نہیں، افضل ہے، اور اُس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک قدم چل کر ایک رکن یعنی تین مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہنے کی بقدر ٹھہر جائیں، پھر ایک قدم چل کر پھر ٹھہر جائیں، اِس طرح اُس خالی جگہ میں جا کر کھڑے ہو جائیں، مسلسل نہ چلیں، ورنہ نماز فاسد ہو جائیگی۔ (صحیح مسلم:۱/۱۸۲، ابوداود:ص/۹۷)

مسئلہ (۱۰۸): بسا اوقات طلبہ واساتذہ جماعت میں شریک رہتے ہیں، جب امام سلام پھیرتا ہے تو جو طالب علم اپنے استاذ کے بازو میں ہوتا ہے وہ پیچھے کِھسک جاتا ہے، طالب علم کا اپنے استاذ کے ادب میں اس طرح کھسک کر بیٹھنا یہ بھی درست ہے، اور برابر میں بیٹھے رہنا یہ بھی خلافِ ادب نہیں، البتہ پیچھے کھسکتے وقت یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ پیچھے کی صف میں کوئی مصلی تو نہیں ہے، کہ اس طرح کھسک کر بیٹھنے کی وجہ سے اسے سجدہ وغیرہ میں تکلیف ہو، کیوں کہ کسی کے ادب کی خاطر کسی کو اذیت دینے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔
(رد المحتار:۲/۳۱۰، منحۃ الخالق علی البحر الرائق:۱/۶۱۹)

مسئلہ (۱۰۹): فرض نماز کی جماعت سے فراغت کے بعد امام اور مقتدیوں کے لیے جگہ بدل لینا مستحب ہے، ضروری نہیں، بعض لوگ اِسے ضروری سمجھتے ہیں، اور دائیں بائیں، آگے پیچھے جگہ نہ ہونے کے باوجود اس کی کوشش کرتے ہیں، اور نمازیوں کا خیال نہ کرتے ہوئے اُن کے آگے سے گزر کر، اِس استحباب پر عمل کرتے ہیں، جب کہ عملِ مستحب کے لیے مصلیوں کے آگے سے گزرنا نقلاً وعقلاً صحیح نہیں ہے، لہٰذا اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ (ابوداود:ص/۱۴۴، رقم الحدیث:۱۰۰۶)

جماعت کا بیان

مسئلہ (۱۱۰): شریعت میں باجماعت نماز پڑھنے کی بڑی فضیلت اور سخت تاکید آئی ہے، اور جماعت کے ترک پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، حنفیہ کے نزدیک جماعت سنتِ مؤکدہ قریب بواجب ہے، بلا عذر اس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے، جماعت کو بلا عذر ترک کرنے والے پر شرعاً تعزیر ہے، اور اس کی شہادت رد ہوگی۔ (تفسیر الجلالین:۱/۹، تفسیر البیضاوی:۱/۱۷)

مسئلہ (۱۱۱): بلا عذرِ شرعی جماعت کی نماز کو ترک کرنا بہت بڑی محرومی ہے، اور اسلام کے بڑے شعار کو ترک کرنا ہے، فقہاء کرام کے نزدیک اس جماعت چھوڑنے والے کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور وہ گنہگار ہوگا، حدیث شریف میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "**لم تقبل منه الصلوة التى صلّى**". (حلبی کبیر: ص/۵۰۹)

مسئلہ (۱۱۲): اگر کوئی طالب علم یا کوئی شخص مصلیوں کے جوتوں، چپلوں اور ان کے سامان و اسباب کی حفاظت پر، ذمہ دارانِ مدرسہ یا متولیانِ مساجد کی طرف سے مامور ہو، تو اس کیلئے ترکِ جماعت کی اجازت ہوگی، اور امید ہے کہ اسے جماعت کا ثواب بھی حاصل ہوگا، بشرطیکہ وہ بعد میں اپنی نماز پڑھ لے، کیوں کہ جب مصلیوں کو اپنے جوتے چپلوں اور سامان و اسباب کے محفوظ و مامون ہونے کا اطمینان ہوگا، تو وہ پوری دل جمعی اور سکون کے ساتھ اپنی نمازیں ادا کریں گے، اور اس پر ملنے والے ثواب میں وہ مامور شخص بھی شریک ہوگا۔ (السنن لأبی داود: ص/۳۴۰)

مسئلہ (۱۱۳): اگر کسی شخص کو پیشاب یا پاخانہ یا بھوک کی شدت لاحق ہوگئی ہو، تو ایسے حالات میں ترکِ جماعت جائز ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: ص/۹۶)

مسئلہ (۱۱۴): اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سب سے اول درجہ نماز کا ہے، قرآن وحدیث میں ایمان کے بعد جس درجہ نماز کی تاکید، اس کے فضائل اور اجر وثواب کا ذکر، اور ترکِ نماز پر جس قدر سخت وعیدیں مذکور ہیں، کسی اور امر کا اس درجہ اہتمام کے ساتھ حکم نہیں دیا گیا، سخت بیماری کی حالت میں بھی نماز معاف نہیں، خواہ کوئی بھی تعلیم ہو، اس کی خاطر نماز کا چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ (سورۃ العنکبوت: ۴۵)

مسئلہ (۱۱۵): اگر کسی شخص کا سفر کا ارادہ ہے اور جماعت کھڑی ہے، یا کھڑی ہونے والی ہے، لیکن جماعت میں مشغول ہونے سے گاڑی کے چلے جانے کا اندیشہ ہو، تو ایسے شخص سے جماعت ساقط ہے، لہٰذا اس کے لئے تنہا نماز پڑھنا درست ہے، لیکن محض سفر کی بنا پر جماعت چھوڑنا بڑی محرومی ہے، کیوں کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پر ستائیس درجہ بڑھی ہوئی ہے۔

(جامع الترمذی: ۱/۵۲)

مسئلہ (۱۱۶): پابندِ جماعت نمازی، شرکتِ جماعت سے محروم نہ رہیں، اور شرعی طریقہ پر وقتِ مکروہ داخل نہ ہو، اور قوم پر گراں بھی نہ ہو، تو کسی عالم دین کے خاطر، کسی قدر انتظار کرنے، یعنی تاخیر جماعت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (ردالمحتار:۱/۳۷۰)

مسئلہ (۱۱۷): تنہا عورتوں کی نماز باجماعت بہرحال مکروہِ تحریمی ہے، جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ (ردالمحتار:۲/۲۶۲)

مسئلہ (۱۱۸): صحن مسجد چونکہ مسجد کا حکم رکھتا ہے، اور اس میں جماعت کرنا گویا مسجد میں جماعت کرنا ہے، لہٰذا صحن مسجد میں جماعت کرنا شرعاً درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ:۶/۳۹۹، فتاوی رحیمیہ:۵/۱۳۸)

مسئلہ (۱۱۹): جس طرح مسجد حرام میں نماز پڑھنے پر مکمل ثواب ملتا ہے، ایسے ہی صحنِ حرم میں نماز پڑھنے پر بھی مکمل ثواب ملے گا۔ (صحیح مسلم:۱/۴۴۷)

مسئلہ (۱۲۰): جب فرض نماز باجماعت صحیح طریقہ پر ہورہی ہے، تو اسی نماز کو علیحدہ پڑھنا شرعاً نہایت ممنوع اور ناپسندیدہ ہے، کیوں کہ اس میں جماعت کی مخالفت لازم آتی ہے۔ (الدرالمختار مع الشامیۃ:۲/۲۸۷)

مسئلہ (۱۲۱): جب جماعت کھڑی ہو تو سنتوں میں مشغول ہونا درست نہیں، کیوں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب جماعت کھڑی ہو تو فرض کے علاوہ دوسری نماز نہیں'' ہاں اگر سنتِ فجر کی ادائیگی میں فجر کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو، یعنی اس کو امام کے ساتھ ایک رکعت مل سکتی ہے، یا امام کو قعدہ میں پاسکتا ہے، تو سنتِ فجر ادا کرلے۔ (جامع الترمذی:۱/۹۶)

مسئلہ (۱۲۲): اگر کوئی جماعت اپنے متعین مقام پر اس وقت پہنچی کہ وہاں اس وقت کی نماز باجماعت ختم ہوچکی ہو، تو ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اکیلے اکیلے نماز پڑھ لیں، یہی ظاہر روایت ہے، اس لیے کہ بلا اذان واقامت صحنِ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہِ تنزیہی ہے اور اذان واقامت کے ساتھ مکروہِ تحریمی ہے۔ (المبسوط:۱/۱۳۵)

مسئلہ (۱۲۳): حدودِ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ہوجانے کے بعد، بہتر یہی ہے کہ تنہا تنہا نماز پڑھ لیں، یہی ظاہر روایت ہے، اگر اذان واقامت کے ساتھ جماعت کرکے پڑھیں تو مکروہِ تحریمی ہے، اور بلا اذان واقامت جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہِ تنزیہی ہے۔ (المبسوط:۱/۲۳۵)

مسئلہ (۱۲۴): اگر فرائض میں سے کوئی فرض چھوٹ گیا جس کی وجہ سے دوبارہ اس فرض کا اعادہ کیا جارہا ہو، تو دوسری جماعت میں وہ لوگ شامل ہوسکتے ہیں جو پہلی جماعت میں شامل نہیں تھے، کیونکہ پہلی نماز سے فرض ذمہ سے ساقط نہیں ہوا تو دوسری نماز مستقل فرض نماز ہے، اور اگر واجباتِ نماز میں سے کوئی واجب چھوٹ گیا اور سجدۂ سہو نہیں کیا گیا، اس لئے نماز کا

اعادہ کیا جا رہا ہو، تو اس صورت میں وہ لوگ جو پہلی جماعت میں شامل نہیں تھے شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں اس میں اختلاف ہے، شرکت کی صورت میں صحتِ صلاۃ کا قول راجح واوسع ہے اور عدمِ صحت کا قول احوط ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی: ص/۴۶۲)

مسئلہ (۱۲۵): اگر کوئی دینی اجلاس یا پروگرام رات کے اخیر حصہ (دو تین بجے) تک ہوتا ہے، جس میں شرکت کی وجہ سے نمازِ فجر فوت ہونے کا غالب گمان ہو، تو اس طرح کے اجلاس میں شرکت نہیں کرنی چاہیے، اور اگر نمازِ فجر فوت نہ ہو تو شرکت کی اجازت ہے۔ (صحیح البخاری: ۱/۸۹)

مسئلہ (۱۲۶): اگر قضا نماز پڑھنے کی حالت میں ادا نماز کی جماعت قائم ہو جائے، تو نماز کو قطع نہ کرے، بلکہ قضا نماز پوری کرے، اس کے بعد جماعت میں شامل ہو جائے۔ (رد المحتار: ۲/۴۳۸)

مسئلہ (۱۲۷): اگر شوہر عذر شرعی کی بناء پر مسجد میں نہ جا سکے، تو گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ با جماعت نماز ادا کرنا جائز ہے، اور جماعت کا طریقہ یہ ہے کہ عورت پیچھے کھڑی رہے گی، گرچہ ایک ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ مرد کی طرح برابر میں کھڑی ہو جائیگی، تو نماز نہ ہوگی، مگر یہ بھی یاد رکھے کہ بلا عذر شرعی گھر میں نماز پڑھنے کی عادت بنانے والا سخت گنہگار اور بروئے حدیث منافق کہلانے کا مستحق ہوگا۔ (رد المحتار: ۱/۳۱۵)

مسئلہ (۱۲۸): اگر کوئی شخص بر بنائے عذر، شرعی مسجد میں نہیں جا سکتا، تو ایسے شخص کے لیے اپنے گھر میں بیوی، بیٹی وغیرہ کے ساتھ جماعت کرنا درست ہے، واضح رہے کہ بلا عذر شرعی ترک جماعت مسجد دائمی طور پر معصیت ہے، اور اصرار اس پر فسق ہے، لیکن اگر کبھی اتفاق سے مسجد میں جماعت نہ ملے تو گھر پر عورتوں بچوں کو شامل کر کے جماعت کر لے۔ (رد المحتار: ۲/۲۴۵)

مسئلہ (۱۲۹): اگر کسی شخص کو کسی کام کی جلدی ہو، مثلاً سفر یا اور کسی ضروری کام کی وجہ سے وہ اذان کے بعد مسجد کے اندر تنہا اپنی نماز پڑھ کر چلا جائے، تو شرعاً اس کی اجازت ہے۔ (البحر الرائق: ۱/۶۰۴)

مسئلہ (۱۳۰): اگر کوئی شخص وقت ہونے کے بعد، اذان سے پہلے نماز پڑھ لے، تو اس کی ادا کردہ نماز صحیح ہو جائے گی، اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اذان صحتِ نماز کے لیے شرط نہیں ہے، بلکہ فرض نمازوں کے لیے اذان سنت ہے، اور اس کی مشروعیت صرف وقتِ صلاۃ کی خبر دینے کے لیے ہے۔ (شرح الوقایۃ: ص/۱۳۳-۱۳۶)

مسئلہ (۱۳۱): اگر محلّہ کی مسجد میں جماعت چھوٹ جائے، تو دوسری مسجد میں جماعت کے لیے جانا درست ہے، لیکن اگر محلّہ کی مسجد میں ہی نماز پڑھ لے تو یہ بھی درست ہے۔ (البحر الرائق: ۱/۶۰۶، رد المحتار: ۲/۲۴۸)

مسئلہ (۱۳۲): اگر وقتِ مقررہ پر اکثر نمازی آ گئے ہوں، اور ایک دو شخص ہی نہیں آئے تو امام کے لیے انتظار فرض نہیں

بلکہ مکروہ ہے، لیکن اگر وہ شریر اور فتنہ پرور ہوں، تو دفعِ فتنہ کے لیے انتظار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ وقت میں بھی گنجائش ہو۔ (البحر الرائق:۱/ ۴۴۷)

مسئلہ (۱۳۳): اگر کسی مسجد میں کوئی مقتدی نہیں آیا، صرف امام اکیلا ہی تھا، اور بہت انتظار بھی کیا، تو ایسی صورت میں اگر امام تنہا ہی تکبیر کہہ کر نماز ادا کرلے، تو اس کو ان شاء اللہ جماعت کا ثواب مل جائیگا۔ (المصنف لإبن أبي شيبة:۲/ ۳۵۷)

مسئلہ (۱۳۴): جس مسجد میں ایک بار محلّہ کے لوگوں نے اپنے وقت پر نماز پڑھ لی ہو، اس مسجد میں دوسری جماعت کی شرعاً اجازت نہیں، اسی طرح عیدگاہ کا بھی یہی حکم ہے، لہٰذا جو لوگ دوسری جماعت کرنا چاہیں تو بااثر اور ذمہ دار حضرات پر لازم ہے کہ ان کو سمجھائیں اور جماعتِ ثانیہ سے روکیں، اگر فتنہ کا ڈر ہو تو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس کا وبال اور گناہ ان کے سر پر ہوگا۔ (ردالمحتار:۳/ ۲۴۵)

مسئلہ (۱۳۵): فرض نماز جماعت سے پڑھنا واجب ہے، اگر کوئی شخص جماعت کھڑی ہوجانے کے باوجود تنہا نماز پڑھتا ہے تو وہ مرتکبِ گناہ ہوگا، ایسے شخص کو اپنے اس فعل سے باز آنا لازم ہے، کیوں کہ یہ ممنوع ہے۔ (اعلاء السنن:۴/ ۱۷۵)

مسئلہ (۱۳۶): ذاتی رنجش کی بناء پر نماز باجماعت سے گریز کرنا غلط ہے، امام سے دل صاف نہ رکھنا اگرچہ برا ہے، لیکن نماز پھر بھی درست ہوجائے گی، فاسد نہیں ہوگی۔ (السنن لأبي داود:ص/ ۸۸)

مسئلہ (۱۳۷): اگر کسی امام کے عقائد کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہوں، تو اس کی امامت جائز نہیں ہے، اور اس کے پیچھے نماز بھی صحیح نہ ہوگی، ایسے حالات میں اگر مقتدی حضرات اپنے اپنے گھروں پر نماز باجماعت ادا کریں تو شرعاً درست ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/ ۸۴)

مسئلہ (۱۳۸): تہجد کی نماز نفل ہے، اور نفل نماز کو اگر علی سبیل التداعی جماعت کے ساتھ پڑھا جائے تو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، ہاں اگر ایک شخص کی دو یا تین شخص اقتدا کریں تو جائز ہے، اور اگر ایک شخص کی چار اشخاص اقتدا کریں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔ (ردالمحتار:۲/ ۴۳۶)

مسئلہ (۱۳۹): فرض نماز میں عورتوں کی جماعت جب مکروہ ہے، تو صلوۃ التسبیح جو نفل ہے، اور مردوں کے لیے بھی اس کی جماعت مکروہ ہے، تو عورتوں کے لیے اس کی کراہت میں زیادہ شدت ہوگی۔ (تبیین الحقائق:۱/ ۳۴۸، النہر الفائق:۱/ ۲۴۴)

مسئلہ (۱۴۰): عورتوں کی جماعت تمام نمازوں میں مکروہ ہے، خواہ وہ نماز فرض ہو یا وتر ہو، یا تراویح۔ (ردالمحتار:۲/ ۲۶۲)

مسئلہ (۱۴۱): تہجد کی نماز باجماعت پڑھنے کا اہتمام نہ حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے، اور نہ آپ کے صحابہ سے منقول

ہے، اس لیے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ تہجد وغیرہ نفل نماز با جماعت پڑھنا مکروہ ہے، البتہ بغیر بلائے ایک دو مقتدی کے ساتھ مکروہ نہیں ہے، تین مقتدی کے ہونے میں اختلاف ہے، اور چار مقتدی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔
(فتاوی دار العلوم:۴/ ۳۱۱، ۳۱۲، فتاوی محمودیہ:۳/ ۲۶۷)

امامت کا بیان

مسئلہ (۱۴۲): امامت کا حقدار وہ شخص ہے جو اعلم، اقرأ اور اورع ہو، یعنی شرعی مسائل کا علم زیادہ رکھتا ہو، قرآن شریف صحیح پڑھتا ہو اور پابندِ شریعت ہو۔ (صحیح مسلم:۱/ ۲۳۶)

مسئلہ (۱۴۳): جس شخص نے مجبوراً نس بندی کروائی ہو تو اس کی نماز بلا کراہت درست ہے، اور اگر برضا و رغبت کروائی ہو تو جب تک توبہ نہ کرلے اس کی امامت مکروہِ (تنزیہی) ہوگی۔ (الہدایۃ:۴/ ۴۷۴)

مسئلہ (۱۴۴): علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ صاحبِ حلیہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مبارک، اسحاق، ابراہیم اور ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''مستحب یہ ہے کہ امام رکوع اور سجدہ میں تسبیحات پانچ پانچ مرتبہ پڑھے، تا کہ مقتدی حضرات تین تین مرتبہ پڑھ سکیں، لہٰذا اگر امام نے اس کی رعایت نہیں کی، تو اُس کا یہ عمل مکروہ ہوگا۔'' (ردالمحتار:۱/ ۱۹۹)

مسئلہ (۱۴۵): اگر کسی مسجد کے اندرونی حصہ میں جماعت ہو رہی ہو اور سب پردے چھوٹے ہوئے ہیں، یا کواڑ بند ہیں، لیکن اس کے باوجود امام کے انتقالات کا صحیح علم ہوتا ہے، تو بغیر کواڑ کھولے اور بغیر پردے اٹھائے بھی، باہر صحن میں نماز پڑھنے والوں کی نماز درست ہو جائے گی، مگر بہتر یہ ہے کہ پردے اٹھا دیئے جائیں، یا کواڑ کھول دیئے جائیں۔ (ردالمحتار:۲/ ۳۴۴)

مسئلہ (۱۴۶): اگر امام کو ایسا عذر لاحق ہو کہ وہ قیام پر تو قادر نہیں مگر بیٹھ کر رکوع وسجدہ پر قادر ہے، تو اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھانا درست ہے، اور اس صورت میں مقتدی کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کریں گے، اور اگر امام بیٹھ کر رکوع سجدہ کے لیے اشارہ کرتا ہے تو رکوع سجدہ پر قادر نمازیوں کے لیے اس کی اقتدا درست نہیں۔ (صحیح مسلم:۱/ ۱۷۹)

مسئلہ (۱۴۷): اگر کوئی شخص عارضہ ناسور کا مریض ہو، اور قطرہ قطرہ رطوبت خارج ہو کر کپڑے میں جذب ہو جایا کرتی ہو، اور یہ مرض دائمی ہو، تو ایسا شخص معذور مانا جائیگا، اور معذور غیر معذورین کا امام نہیں بن سکتا۔
(فتاوی دار العلوم دیوبند:۱/ ۲۱۵، احسن الفتاوی:۳/ ۲۶۴)

مسئلہ (۱۴۸): ننگے سر نماز پڑھنا اور پڑھانا جب کہ عمامہ اور ٹوپی موجود ہو، مکروہ ہے، تاہم فریضہ اس سے ادا ہو جاتا ہے، اور اگر یہ خشوع وخضوع کے لیے ہو، تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/ ۱۰۶)

مسئلہ (۱۴۹): فیشن ایبل بال کٹوانا نصاریٰ اور فاسقوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ممنوع ومکروہِ تحریمی ہے، لہٰذا اس پر مداومت ومواظبت کرنے والا فاسق ہے، اور فاسق کی امامت بالیقین مکروہ ہے۔ (السنن لأبی داود: ص/ ۵۵۹)

مسئلہ (۱۵۰): ایک مشت سے داڑھی کم کرانا، کٹوانا یا منڈانا باجماع امت حرام ہے، اس لیے کسی متبع شریعت اور پوری داڑھی رکھنے والے پرہیز گار شخص کی موجودگی میں ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں ہے، جو ایک مشت سے داڑھی کم کراتا یا کٹواتا اور منڈواتا ہو، اگر مجبوری میں ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنا پڑ جائے، تو ایسے شخص کی اقتداء میں نماز کراہت کے ساتھ درست ہو جائیگی، اور اسے لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۲/ ۱۲۰۵)

مسئلہ (۱۵۱): جو شخص سینما دیکھتا ہو، وہ منصبِ امامت کے قابل نہیں ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اگر وہ توبہ نہ کرے اور امامت بھی نہ چھوڑے، تو دوسری مسجد میں نماز پڑھنی چاہیے، اگر دوسری مسجد نہ ہو، تو تنہا پڑھنے کے بجائے اسی امام کے پیچھے پڑھ لے، اس لیے کہ جماعت کی اہمیت اور تاکید بہت زیادہ ہے۔ (ہدایہ: ۱/ ۱۲۲)

مسئلہ (۱۵۲): اگر کسی کے اندر ایسی شرعی خرابی ہو، جس کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور اسی بنا پر مسلمان اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہتے ہوں، پھر بھی وہ نماز پڑھانے کے لیے ضد کرے، تو شرعاً اس کی اجازت نہیں، اور اس کی وجہ سے جو تفرقہ پیدا ہوگا، اس کی ذمہ داری اسی آدمی پر ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ فوراً امامت کو ترک کردے اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرے، اور اگر اس کے اندر شرعی خرابی نہیں، لیکن غلط اغراض کی وجہ سے لوگ اس کو امامت سے علیحدہ کرنے اور کسی غلط آدمی کو امام بنانا چاہتے ہوں، تو وہ تمام لوگ گنہگار اور سخت مجرم ہوں گے، ان کو توبہ واستغفار کرنا لازم ہوگا۔ (فتاوی محمودیہ: ۶/ ۳۲۳)

مسئلہ (۱۵۳): اگر امام قرآن شریف ایسا غلط پڑھتا ہے کہ جس سے معنی بگڑ جاتے ہیں، تو اس کے پیچھے بالکل اَن پڑھ لوگ جن کو تین آیتیں بھی صحیح یاد نہیں، اُن کی نماز درست ہے، اور جن کو تین آیتیں صحیح یاد ہیں، ان کی نماز درست نہیں، کسی صحیح پڑھنے والے کو امام بنانا چاہیے، تاکہ سب کی نماز درست ہو جائے۔ (حاشیۃ الطحطاوی: ص/ ۱۵۷)

مسئلہ (۱۵۴): لحنِ جلی وہ خطأ لفظی ہے جو معنی میں اور اعراب میں خلل انداز ہوتی ہے، اور لحنِ خفی وہ خطأ ہے جو حروف کی ادائیگی میں خلل انداز ہو، لحنِ خفی سے نماز کی صحت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، جبکہ لحنِ جلی سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اس لیے اگر کوئی شخص لحنِ خفی سے قرآن شریف پڑھتا ہے، تو نماز میں کوئی فساد واقع نہیں ہوگا، لیکن اگر لحنِ جلی سے قرآن شریف پڑھتا ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی، لہٰذا ایسے شخص کی امامت جائز نہیں ہے۔ (المحیط البرہانی: ۱/ ۳۸۵)

مسئلہ (۱۵۵): استاذ یا والدین کی نافرمانی کرنا گناہِ کبیرہ ہے، اگر کسی شخص نے اپنے والدین یا استاذ کو ناراض کیا ہو، تو

جب تک ان کو راضی نہ کرلے اس وقت تک ایسے شخص کو امام بنانا مکروہِ تحریمی ہے، البتہ توبہ کے بعد اس کی امامت بلا کراہت درست ہے۔ (صحیح مسلم:۱/۶۴)

مسئلہ (۱۵۶): اگر کسی شخص کو سلسلِ بول کی بیماری ہو، تو اس کو امام بنانا درست نہیں ہے، ایسا شخص معذور ہے، اور معذور غیر معذورین کا امام نہیں بن سکتا، اگر معذور امام بن جائے تو غیر معذورین کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

(فتاوی دارالعلوم:۱/ ۲۱۵، أحسن الفتاوی:۳/ ۲۶۴، فتاوی امارت شرعیہ:۲/ ۱۶۳)

مسئلہ (۱۵۷): مغربی طرز کا لباس (شرٹ، پتلون) پہننے والے امام کے پیچھے نماز تو ہوجائے گی، مگر کراہیت سے خالی نہیں، کیوں کہ ایسے تنگ و چست لباس میں بوقتِ رکوع و سجود اعضائے مستورہ کی ساخت اور ہیئت صاف طور پر نمایاں ہوجاتی ہے، نیز کفار و فجار کی مشابہت اختیار کرتے ہوئے، عوام الناس کا مرغوب لباس پہننے کی سعیٔ لاحاصل امام کے شایانِ شان نہیں ہے۔ (سنن أبی داود:ص/ ۵۵۹)

مسئلہ (۱۵۸): فاسق و فاجر کی امامت مکروہِ تحریمی ہے، بشرطیکہ اس سے بہتر امامت کے لائق دوسرا صالح شخص موجود ہو، اور فاسق وہ شخص ہے جو گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو۔ (فتاوی محمودیہ:۶/ ۹۶، عزیز الفتاوی:۱/ ۲۱۱، احسن الفتاوی:۳/ ۲۶۰، ۲۶۱)

مسئلہ (۱۵۹): اگر کسی شخص کے بال انگریزی ہوں، داڑھی خش خشی ہو، اور لباس بھی صالحین کا نہ ہو بلکہ خلافِ شرع ہو، تو ایسے شخص کو دوسرے لوگ امام نہ بنائیں، اور نہ وہ خود امامت کے لیے مصلے پر جائے، کیوں کہ ایسا شخص فاسق ہے، اور فاسق کو مستقل امام بنانا مکروہِ تحریمی ہے۔ (خلاصۃ الفتاوی:۱/ ۱۵۰)

مسئلہ (۱۶۰): بالغ امرد کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، مگر غیر امرد اس سے مقدم ہے، خاص کر جب کہ وہ امرد صبیح و ملیح ہو۔ (ردالمحتار:۲/ ۲۵۸)

مسئلہ (۱۶۱): اگر امام مسجد اپنی جگہ کسی کو اپنا نائب بنا کر چلا جائے، تو نائب کے ہوتے ہوئے کسی اور کا امامت کرنا درست نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع:۱/ ۳۹۰)

مسئلہ (۱۶۲): نمازِ جنازہ میں حرمین میں غیر حنفی امام ایک ہی سلام پھیرتا ہے، لہٰذا اگر کوئی حنفی مقتدی، غیر حنفی امام کی اقتداء کرے، تو وہ بھی ایک ہی سلام پھیرے گا۔ (صحیح البخاري:ص/ ۱۳۸)

مسئلہ (۱۶۳): اگر یہ یقین ہو کہ امام نماز کے ارکان و شرائط میں دوسرے مذاہب کی رعایت کرتا ہے، تو اس کی اقتداء بلا کراہت جائز ہے، اور اگر رعایت نہ کرنے کا یقین ہو تو اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز صحیح نہ ہوگی، اور جس کا حال معلوم نہ ہو اس کی

اقتدا مکروہ ہے، آج کل کے غیر مقلدین کی اکثریت صرف یہی نہیں کہ رعایت مذاہب کا خیال نہیں رکھتی بلکہ مذاہبِ اربعہ کو غلط سمجھتی ہے، اور عمداً اس کے خلاف کا اہتمام کرتی ہے، اور اس کو ثواب سمجھتی ہے، اس لیے ان کی اقتدا سے حتی الامکان احتراز لازم ہے، مگر بوقتِ ضرورت ان کے پیچھے نماز پڑھ لے، جماعت نہ چھوڑے، یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ امام صحیح العقیدہ ہو، اگر اس کا عقیدہ فاسد ہے، مقلدین کو مشرک جانتا ہے، اور سبِّ سلف کرتا ہے، تو اس کی امامت بہر حال مکروہِ تحریمی ہے۔
(فتاوی محمودیہ:٦/ ٣٧٥،٣٧٦، احسن الفتاوی:٣/٢٨٢)

مسئلہ (١٦٤): اگر کسی شخص نے امامت کرائی، بعد میں لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ شخص مسلمان نہیں، بلکہ مجوسی یا کافر ہے، تو ایسی صورت میں مقتدیوں کی نماز تو درست ہو جائے گی، لیکن احتیاط کا پہلو یہ ہے کہ ان نمازوں کو دوبارہ پڑھ لیا جائے۔
(فتاوی ہندیہ:١/ ٨٧)

مسئلہ (١٦٥): صحتِ اقتداء کے لیے شرط یہ ہے کہ مقتدی اور امام کے درمیان اتنا کشادہ راستہ نہ ہو، جس میں سے گاڑی گذر سکتی ہو، الا یہ کہ اس راستہ پر متصل صفیں لگ جائیں تو اقتداء صحیح ہے، اگر مسجد اور کمرے کے درمیان کوئی راستہ نہ ہو بلکہ کمرہ مسجد سے متصل ہو، یا راستہ ہو لیکن مسجد اور کمرہ کے درمیان متصل صفیں لگی ہوئی ہوں، اور امام کی حالت مشتبہ نہ ہو، تو اقتداء صحیح ہو جائیگی ورنہ صحیح نہیں ہوگی۔ (فتاوی محمودیہ:٦/٥٣٣)

مسئلہ (١٦٦): امام کا ظہر کی سنت ادا کیے بغیر نماز پڑھانا درست ہے، مگر اس پر لازم ہے کہ فرض نماز کے بعد سنتیں ادا کرلے۔ (السنن للترمذی:١/ ٩٧)

مسئلہ (١٦٧): اگر امام صاحب نماز پڑھاتے ہوئے، قعدۂ اخیرہ میں پہنچے ہی تھے کہ اچانک ان کا انتقال ہو گیا، تو اس صورت میں بقیہ لوگوں کی نماز باطل ہو جائے گی، اور نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔ (فتاوی رحیمیہ:٥/١١٤)

مسئلہ (١٦٨): حضور اکرم ﷺ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی ہے۔
(صحیح مسلم:١/ ١٨٠)

مسئلہ (١٦٩): اگر مقتدی لوگ طہارت وغیرہ کا احتیاط نہ کریں، تو امام پر اس کا اثر پڑتا ہے، جو کہ حدیث سے ثابت ہے۔ (مشکوۃ المصابیح:ص/ ٣٩)

مسئلہ (١٧٠): اگر کسی مسجد میں مقتدی صرف ایک ہو اور وہ بھی نابالغ ہو، تو جماعت کا ثواب مل جائے گا، بشرطیکہ وہ سمجھدار ہو۔ (احسن الفتاوی:٣/ ٢٩٩)

مسئلہ (١٧١): حرم کے اطراف رہائشی مکان یا دکان والے اگر اپنے مکان یا دکان میں رہ کر حرم کے ساتھ نماز ادا کریں،

توان کی صحتِ اقتدا کے لیے شرط یہ ہے کہ مقتدی اور امام کے مابین اتنا کشادہ راستہ نہ ہو، جس میں سے گاڑی وغیرہ گذر سکتی ہو، الا یہ کہ اس راستہ پر متصل صفیں لگ جائیں تو اقتدا صحیح ہے، ورنہ نہیں۔ (البحر الرائق:۱/۶۳۴)

مسئلہ (۱۷۲): متوضی شخص کی اقتدا متیمم کے پیچھے جائز ہے۔ (رد المحتار:۲/۲۸۹)

مسئلہ (۱۷۳): اگر امام کو مقرر کرتے وقت سب نے امام کے ذمہ جھاڑو دینے، حمام میں پانی بھرنے اور بیت الخلاء وغیرہ کی صفائی کی شرط لگائی ہے، تو امامت کی طرح یہ امور بھی امام کے ذمہ ضروری ہوں گے، اور اگر تقرر صرف امامت پر ہوا ہے، تو یہ امام کے ذمہ ضروری نہیں، باہمی رضامندی ضروری ہے، البتہ مسجد کے متولیوں کو چاہیے کہ مسجد کی صفائی کے لیے کسی اور کو رکھیں، امام سے یہ کام نہ لیں۔ (شرح المجلۃ:ص/۲۵۴، المادۃ:۴۵۱)

قرأت کا بیان

مسئلہ (۱۷۴): حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک سرّی اور جہری دونوں نمازوں میں سورۂ فاتحہ اور ضم سورت سے پہلے ''بسم اللہ'' آہستہ پڑھنا سنت ہے، شوافع کے نزدیک جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ اور ضم سورت سے پہلے ''بسم اللہ'' بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے، مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق نماز میں سورۂ فاتحہ اور ضم سورت سے پہلے مطلقاً ''بسم اللہ'' کا پڑھنا مکروہ ہے، البتہ ان کا ایک احتیاطی قول یہ بھی ملتا ہے کہ سورۂ فاتحہ سے پہلے ''بسم اللہ'' کو آہستہ پڑھ لیا جائے، جہراً پڑھنا مکروہ ہے، مذاہبِ ائمہ کے درمیان یہ اختلاف آپ ﷺ سے ثابت روایات کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے، اس لیے اگر کوئی شافع المسلک امام جہری نماز میں سورۂ فاتحہ اور ضم سورت سے پہلے بلند آواز سے ''بسم اللہ'' پڑھے، تو اس سے حنفی مقتدیوں کی نماز میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا، بشرطیکہ صحتِ اقتدا کے لیے اور کوئی مانع موجود نہ ہو، جیسے خون کا نکلنا، یا قے کا ہونا، جس کے بعد شافعی امام نے وضو نہ کیا ہو۔
(الموسوعۃ الفقہیۃ:۱۶/۱۸۱،۱۸۲)

مسئلہ (۱۷۵): اگر کوئی شخص نماز میں اتنا آہستہ قرآن کریم پڑھے کہ حروف صحیح ادا ہو جائیں، لیکن وہ خود نہ سن سکے تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق، اس کی نماز درست نہیں ہوگی، کیوں کہ سرّ کی حد یہ ہے کہ آدمی ایسی آواز میں قرأت کرے کہ وہ خود اسے سن سکے، محض زبان کی حرکت، بدونِ آواز قرأت کے حکم میں نہیں ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۱۰۶)

مسئلہ (۱۷۶): قرأت کے معنی ہیں پڑھنا، اور قرأت کی دو قسمیں ہیں: (۱) جہری (۲) سرّی؛

قرأت جہری: اتنے بلند آواز سے پڑھنا کہ دوسرا شخص سن سکے۔ **قرأت سرّی**: آہستہ پڑھنا، اس کا اطلاق کس کیفیت پر ہوگا، اس سلسلے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے؛

(۱) **قولِ اول** : علامہ فقیہ ابوجعفر ہندوانی، علامہ فضلی اور امام شافعی رحمہم اللہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں: سر کی حد یہ ہے کہ آدمی ایسی آواز میں قرأت کرے کہ وہ خود اسے سن سکے۔

(۲) **قولِ ثانی** : بِشر مُریسی اور امام احمد رحمہما اللہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں: سر کی حد یہ ہے کہ ایسی آواز میں قرأت کرے، کہ اگر کوئی شخص اپنا کان اس کے منہ سے لگائے تو وہ سن سکے، یعنی منہ سے آواز کا نکلنا کافی ہے، خواہ کان تک نہ پہنچ پائے۔

(۳) **قولِ ثالث**: امام کرخی اور ابوبکر بلخی رحمہما اللہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں: سر کی حد یہ ہے کہ حروف صحیح ہو جائے اور بن جائے، نہ خود سنے اور نہ کوئی دوسرا کان لگائے تو وہ سن سکے۔

اکثر مشائخ نے قولِ اول کو اختیار کیا ہے، یعنی اس قدر آواز سے قرأت کرے کہ خود سن سکے، اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے، کیوں کہ محض زبان کی حرکت بغیر آواز کے قرأت کے حکم میں نہیں ہے اور نہ اس کو قرأت کہا جاسکتا ہے۔ (شامی:۲/۲۵۲،۲۵۳)

مسئلہ (۱۷۷): نماز میں قرأت نہ زیادہ زور سے کرے، نہ زیادہ آہستہ کرے، بلکہ اتنی زور سے کرے کہ آخری صف تک آواز پہنچ جائے۔ (سورۃ الإسراء:۱۵)

مسئلہ (۱۷۸): امام ومنفرد، دونوں کے لیے بحالتِ حضر واطمینان، فجر وظہر میں طوالِ مفصل، یعنی ''سورۂ حجرات'' سے ''سورۂ بروج'' تک، عصر وعشاء میں اوساطِ مفصل، یعنی ''سورۂ بروج'' سے ''سورۂ لم یکن'' تک، اور مغرب میں قصارِ مفصل، یعنی ''سورۂ لم یکن'' سے ''سورۂ ناس'' تک کی سورتوں میں سے قرأت کرنا مسنون ہے، کبھی کبھی ان سورتوں کے علاوہ دوسری سورتوں کا پڑھنا بھی ثابت ہے، مگر عامۃً ان ہی سورتوں کو پڑھنا چاہیے۔ (مشکوۃ المصابیح:ص/۸۰،۸۱)

مسئلہ (۱۷۹): اگر کسی مسجد کا امام نمازوں میں مسنون طریقہ پر قرأت کرتا ہو اور اُس کے اِس عمل سے مصلی اور محلّہ کے لوگ ناراض ہوں، تو امام کو چاہیے کہ مصلی اور محلّہ کے لوگوں کی ناراضگی کی وجہ سے مسنون قرأت کرنا نہ چھوڑے، بلکہ مصلیان کو نرمی سے سمجھا دے کہ خلافِ سنت عمل سے نبی اکرم ﷺ ناخوش ہوتے ہیں، جو کہ مسلمان کے لیے زیبا نہیں، آپ ﷺ کو ناراض کر کے قیامت میں شفاعت کی درخواست کیسے کرسکیں گے، اور بغیر آپ ﷺ کی شفاعت کے نجات کیسے ملے گی۔

(مشکوۃ المصابیح:ص/۲۷، رقم الحدیث:۱۴۳)

مسئلہ (۱۸۰): نماز میں ترتیلاً یعنی ٹھہر ٹھہر کر قرآن کریم پڑھنا بہتر ہے۔ (سورۃ المزمل:۲۹)

مسئلہ (۱۸۱): بعض ائمہ مجہول قرأت کرتے ہیں، تو محض مجہول قرأت کی وجہ سے ان کی نماز اور امامت کے صحیح نہ ہونے کا حکم نہیں لگایا جائیگا، البتہ اگر دورانِ قرأت لحنِ جلی کی بناء پر کسی کلمہ کا معنی ایسا بگڑ جائے جو فسادِ نماز کا ذریعہ ہو تو نماز فاسد ہوگی،

تاہم خصوصاً ائمہ حضرات اور عموماً تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی قرأت کی درستگی کی فکر کریں۔ (المحیط البرہانی:۱/۳۷۹)

مسئلہ (۱۸۲): اگر امام یا منفرد نماز کی پہلی رکعت میں کسی سورت کے درمیان سے یا اس کے آخر سے کچھ حصہ پڑھے اور دوسری رکعت میں کسی اور سورۃ کے درمیان سے یا اس کے آخر سے کچھ حصہ پڑھے، تو اس کا یہ عمل ظاہرِ روایت کے مطابق خلافِ اولیٰ ہے، البتہ اگر ایک ہی سورت کے آخری حصہ کو دونوں رکعتوں میں اس طرح پڑھے، کہ بعض آیتیں پہلی رکعت میں اور بعض دوسری میں تو یہ مکروہ نہیں ہے، مگر ہر مصلی کے لئے خواہ امام ہو یا منفرد، مسنون طریقہ سے قرأت کرنا مسنون ہے، لیکن کبھی اس کے خلاف کر دیا جائے تو اس پر کراہت کا حکم نہیں ہوگا۔ اور **مسنون** طریقہ یہ ہے کہ فجر اور ظہر میں طِوالِ مفصل یعنی ''سورۂ حجرات'' سے لیکر ''سورۂ بروج'' تک، عصر وعشاء میں اوساطِ مفصل یعنی ''سورۂ بروج'' سے لیکر ''سورۂ لم یکن'' تک اور مغرب میں قِصارِ مفصل یعنی ''سورۂ لم یکن'' سے آخر قرآن (سورۂ ناس) تک۔ (حلبی کبیر:ص/۳۱۲)

مسئلہ (۱۸۳): ہر رکعت میں مکمل سورت کا پڑھنا بہتر ہے، اگر چہ کسی سورت کا جزء پڑھنا بھی بلا کراہت درست ہے، پیغمبر علیہ السلام سے ثابت ہے، لیکن کسی سورت کا جزء پڑھتے وقت بطورِ خاص مضمونِ آیات کی تکمیل کی رعایت کرنی چاہیے۔
(حلبی کبیر:ص/۴۹۳)

مسئلہ (۱۸۴): اگر کوئی شخص پہلی رکعت میں ہی سورۂ ناس پڑھ دے، تو اس کو چاہیے کہ دوسری رکعت میں بھی اسی سورت کو پڑھ کر نماز پوری کرے۔ (ردالمحتار:۲/۲۳۸)

مسئلہ (۱۸۵): قصداً قرآن مجید کی کی خلافِ ترتیب قرأت مکروہ ہے، اس لیے اگر کوئی شخص بلا قصد پہلی رکعت میں سورۂ ناس پڑھ لے، تو اُسے چاہیے کہ وہ بقیہ رکعت میں بھی سورۂ ناس ہی پڑھے، کیوں کہ تکرارِ سورۃ منکوس اور اُلٹی قرأت سے اَہون ہے۔ (فتح القدیر لابن الہمام:۱/۳۵۲)

مسئلہ (۱۸۶): قرآن مجید کی ترتیب بدل کر اُلٹا پڑھنا مکروہ ہے، اور یہ کراہت قصداً پڑھنے کی صورت میں ہے، اگر کوئی شخص قصداً نماز میں ایسا کرے، تو نماز ہو جائیگی مگر مکروہ ہوگی، اور اگر بلا قصد ایسا ہو جائے تو کراہت بھی نہیں، اور نماز بلا کراہت درست اور صحیح ہوگی۔ (الدر مع الرد:۲/۲۶۹)

مسئلہ (۱۸۷): قرآن مجید کی بالترتیب تلاوت کرنا آدابِ تلاوت میں سے ہے، اس لیے محققین فقہاء کرام کے نزدیک قرآن کریم کی خلافِ ترتیب تلاوت مطلقاً مکروہ ہے، صرف بچوں کی تعلیم کے لیے منکوس تلاوت بلا کراہت جائز ہے۔
(حاشیۃ الطحطاوی:ص/۳۵۲)

مسئلہ (۱۸۸): نماز میں سورتوں کو عمداً خلافِ ترتیب پڑھنا مکروہ ہے، اور اگر سہواً خلافِ ترتیب، سورت پڑھ دیا تو مکروہ نہیں ہے۔ (امداد الفتاوی:۱/۲۲۰، فتاوی رحیمیہ:۵/۱۴۲)

مسئلہ (۱۸۹): کبھی مصلی امام صاحب سے یہ فرمائش کرتے ہیں کہ آج ''سورۂ رحمٰن'' پڑھیے، یا آج ''سورۂ ملک'' پڑھیے، تو امام پر مصلیوں کی اس فرمائش کا پورا کرنا لازم نہیں ہے، لیکن اگر امام صاحب نے مصلیوں کی فرمائش پوری کی، تو نماز تو ہو جائیگی، مگر مصلیوں کو چاہیے کہ وہ اپنے امام کو اس طرح کی فرمائش کا مکلّف و پابند نہ بنائیں۔ (ابوداود:ص/۷۷)

مسئلہ (۱۹۰): کبھی کوئی مقتدی امام کو اس کے مختصر قرأت کرنے پر ٹوک دیتا ہے، کہ آپ طویل قرأت نہیں کرتے، جس کی وجہ سے امام غصہ اور جھنجھلاہٹ میں اس قدر طویل قرأت کرتا ہے کہ مقتدی تکلیف محسوس کرنے لگتے ہیں، تو امام کا یہ فعل غلط ہے، اس سے احتراز ضروری ہے، کیوں کہ امام کو قدرِ مسنون کے بعد مقتدیوں کے حال کی رعایت کرنی چاہیے، کہ ان میں بوڑھے، ضعیف، بیمار ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، اسی لیے شریعت نے ان کی رعایت کرتے ہوئے طِوال، اوساط اور قصارِ مفصل کی قرأت تجویز کی ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۹۷)

مسئلہ (۱۹۱): اگر کوئی امام نمازِ فجر میں قرآن کریم کو اس طرح ترتیب سے ختم کرے، جیسے تراویح میں ختم کیا جاتا ہے، مثلاً سورۂ بقرہ ''الم'' سے شروع کرے اور روزانہ تھوڑا تھوڑا بالترتیب سورۂ ناس تک اسی طرح پڑھتے رہے، اور پورا قرآن کریم نمازِ فجر میں ختم کرے، تو اس کا یہ عمل خلافِ سنت ہے، ائمہ کرام کو اس سے احتراز ضروری ہے، گو نماز اس طرح ترتیب سے قرأت کرنے سے بھی صحیح ہو جاتی ہے، مگر مسنون طریقہ یہ ہے کہ فجر میں طوالِ مفصل یعنی سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک کی سورتیں، وقت کی گنجائش اور مقتدیوں کے تحمّل کی رعایت کرتے ہوئے پڑھی جائیں، اگر پورا قرآن کریم نماز میں پڑھنا ہو تو اپنی تنہا نفل نماز میں پڑھیں۔ (صحیح البخاری:۱/۹۷)

مسئلہ (۱۹۲): بعض لوگ فرض نماز میں دو سورتوں کے درمیان کسی سورت کو چھوڑ کر تیسری سورت کے پڑھنے کو مطلقاً مکروہ خیال کرتے ہیں، ان کا یہ خیال غلط ہے، کیوں کہ صحیح بات یہ ہے کہ دو سورتوں کے درمیان کسی ایسی سورت سے فصل کرنا، جس کی وجہ سے دوسری رکعت پہلی رکعت کے مقابلے میں طویل ہو جاتی ہو، مکروہ نہیں ہے، اسی طرح قصداً کسی چھوٹی سورت کے ذریعہ فصل کرنا محض مکروہِ تنزیہی ہے، اور اگر یہ سہواً ہو تو مکروہ بھی نہیں ہے۔ (ردالمحتار:۲/۲۶۹)

مسئلہ (۱۹۳): بعض فقہاء کرام کے نزدیک عورت کی آواز بھی ستر ہے، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عورت جہری نمازوں میں جہری قرأت نہ کرے، ورنہ ان فقہاء کے قول کے مطابق اُس کی نماز فاسد ہوگی، البتہ جو نمازیں جہری قرأت کے

ساتھ پڑھ چکی، اُن کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (ردالمحتار:۲/۷۲)

مسئلہ (۱۹۴): اگر امام نے قرأت میں ایسی فحش غلطی کی کہ اگر عمداً ایسا کرتا تو کفر لازم آتا، مثلاً: ﴿إن الأبرار لفی نعیم﴾ کے بجائے ﴿إن الأبرار لفی جحیم﴾ پڑھ دیا، یا ﴿إن الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت أولئک هم خیر البریة﴾ کی بجائے ﴿أولئک هم شر البریة﴾ پڑھ دیا، بعدہ کسی کے لقمہ دینے پر یا ازخود یاد آنے پر، اس غلطی کی اصلاح کرلی، تو اس صورت میں نماز کا اعادہ لازم ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں ہمارے مشائخ کے فتاویٰ مختلف ہیں:

۱- حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جب قرأت کی غلطی بذاتِ خود درست کرلے، یا مقتدی کے لقمہ دینے سے درست کرلے، تو حرج اور عمومِ بلویٰ کے پیشِ نظر نماز صحیح ہونے کا فتوی دیا جائیگا۔'' (فتاوی رحیمیہ:۵/۱۰۳)

۲- حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ''نمازِ ایں صحیح باشد۔'' (امداد الفتاوی:۱/۲۱۸)

۳- فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب پاکستانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ''نماز ہوگئی''۔ (احسن الفتاوی:۳/۴۴۵)

۴- شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''نماز میں قرأت کی غلطی ہوجانے کے بعد اس کا تدارک کرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نماز درست اور صحیح ہوگی۔'' (فتاوی حقانیہ:۳/۱۷۷)

ان تمام بزرگوں نے اپنے جوابات کی تائید میں فتاوی عالمگیری کی یہ عبارت نقل کی ہے: **وذکر فی الفوائد: لو قرأ فی الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحیحًا، قال: عندی صلاته جائزة.** (ہندیۃ:۱/۸۲)

البتہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اصح قول کی بناء پر ایسی غلطی سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اور جب فاسد ہوگئی تو دوبارہ لوٹا کر صحیح پڑھنے سے درست نہ ہوگی، لہٰذا اس کا اعادہ کرنا چاہیئے''۔ [فتاوی محمودیہ:۷/۱۱۸] اور آپ نے اپنے اس جواب کی تائید میں ''حسن بن منصور بن محمود الأوزجندی المعروف بہ قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ'' سے یہ عبارت نقل کی ہے: **وإن تغیر المعنی بأن قرأ: ﴿إن الأبرار لفی جحیم، وإن الفجار لفی نعیم﴾ أو قرأ: ﴿إن الذین آمنوا وعملوا الصلحت أولئک هم شر البریة﴾، أو قرأ: ﴿وجوه یومئذ علیها غبرة، أولئک هم المؤمنون حقاً﴾، تفسد صلاته، لأنه أخبر بخلاف ما أخبر الله تعالی به، وقال بعضهم: لا تفسد صلاته لعموم البلویٰ، والأول أصح.** (فتاوی قاضی خان:۱/۶۸)

مذکورہ بزرگوں کا جواب توسع اور عموم بلویٰ پر مبنی ہے، جبکہ حضرت مفتی محمود صاحب کا جواب احتیاط پر مبنی ہے، جیسا کہ خود قاضی

خان رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت شاہد ہے کہ: وما قاله المتقدمون أحوط، لأنه لو تعمد يكون كفراً وما يكون كفراً لا يكون من القرآن، وما قاله المتأخرون أوسع ، لأن الناس لا يمزون بين اعراب واعراب فلا تفسد الصلاة .
(فتاوی قاضی خان:۱/ ۶۸) **اس** لیے حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب کا جواب بایں وجوہ راجح ہونا چاہیے:

(۱) فقہ کا قاعدہ ہے: الإحتياط في حقوق الله لا في حقوق العباد . کہ ''حقوق اللہ میں احتیاط برتی جاتی ہے۔''
(قواعد الفقہ:ص/۵۴،المادۃ:۱۰)

(۲) امام صاحب رحمۃ اللہ بھی فساد صلاۃ کے قائل ہیں، اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:'' الفتوى على قول الإمام في العبادات '' کہ ''عبادات میں امام صاحب کے قول پر فتوی دیا جاتا ہے''۔ (شرح عقود رسم المفتی:ص/۱۴۶)

(۳) اس مسئلہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی امام صاحب کے ساتھ ہیں، اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:وإن كانت المسئلة مختلفاً فيها بين أصحابنا، فإن كان مع أبي حنيفة أحد صاحبيه يأخذ بقولهما، أي بقول الإمام ومن وافقه لوفور الشرائط،واستجماع أدلة الصواب فيها . کہ ''اگر کسی مسئلہ میں ہمارے اصحاب کے مابین اختلاف ہو، اور صاحبین میں سے کوئی ایک امام صاحب کے ساتھ ہو، تو امام صاحب اور جو آپ کے موافق ہو، اسی کے قول کو اختیار کیا جائیگا۔''
(رسم المفتی:ص/۱۲۵)

مفسدات ومکروہاتِ نماز کا بیان

مسئلہ (۱۹۵): **مکروہ کی دو قسمیں ہیں** : (۱) مکروہِ تنزیہی، (۲) مکروہِ تحریمی، ...... **مکروہ تنزیھی** اقرب الی الحلال ہونیکی وجہ سے موجبِ عقاب نہیں ہوتا، اور مکروہِ تحریمی اقرب الی الحرام ہونیکی وجہ سے موجبِ عقاب ہوتا ہے، لہذا اگر نماز میں کراہتِ تنزیہی کا ارتکاب ہوجائے یعنی کوئی سنت چھوٹ جائے تو اعادۂ نماز اولیٰ ہے، اور کراہتِ تحریمی کا ارتکاب ہوجائے، یعنی کوئی واجب چھوٹ جائے اور سجدۂ سہو نہ کیا جائے تو اعادۂ نماز واجب ہوگا۔ (حلبی کبیر:ص/۳۴۵)

مسئلہ (۱۹۶): وہ اشیاء جن سے نماز فاسد ہوجاتی ہے یہ ہیں:

۱- نماز میں گفتگو کرنا۔

۲- نماز کی شرطوں میں سے کسی شرط کا فوت ہونا۔

۳- نماز کے فرائض میں سے کسی فرض کا ترک ہوجانا، خواہ عمداً ہو یا سہواً۔

۴- نماز کے واجبات کا عمداً چھوڑ دینا، اور سہواً کی صورت میں سجدۂ سہو نہ کرنا۔

۵۔ نماز میں دنیوی ضرورت والے الفاظ سے دعا مانگنا، جیسے اے اللہ مجھے فلاں کپڑا پہنا دے، یا میرا نکاح فلانی عورت سے کرادے وغیرہ۔

۶۔ نماز میں سلام کرنا۔

۷۔ نماز میں سلام کا جواب دینا۔

۸۔ نماز میں مصافحہ کرنا۔

۹۔ نماز میں عملِ کثیر کرنا، بشرطیکہ اعمال نماز کی جنس سے یا نماز کی اصلاح کی غرض سے نہ ہو، اگر اعمال نماز کی جنس سے ہوں، مثلاً کوئی شخص ایک رکعت میں دو رکوع یا تین سجدے کرے، تو نماز فاسد نہ ہوگی، اسی طرح اگر نماز کی اصلاح کی غرض سے ہو، تب بھی نماز فاسد نہ ہوگی جیسے مسئلۂ بناء۔

۱۰۔ نماز میں سینہ قبلہ سے پھیرنا، لیکن دو حالتیں اس سے مستثنیٰ ہیں، ایک یہ کہ نماز پڑھتے ہوئے حدث لاحق ہو جائے، اور آدمی طہارت کے لیے صف چھوڑ کر جائے، دوسرے یہ کہ صلوٰۃ خوف میں دوران صلوٰۃ نقل و حرکت کرے کہ یہ دونوں حالتیں مفسدِ نماز نہیں ہیں۔

۱۱۔ دورانِ نماز کھانا، پینا۔

۱۲۔ دانت میں اٹکی ہوئی چیز اگر چنے کے برابر ہو تو اس کا نگلنا۔

۱۳۔ بغیر کسی عذر کے کھانسنا۔

۱۴۔ نماز کی حالت میں آواز سے پھونکنا یا اُف، تف کی آواز منہ سے نکالنا۔

۱۵۔ نماز میں رونا اور کراہنا، البتہ اگر سخت تکلیف کی بناء پر بے اختیار آواز نکل جائے، یا جنت وجہنم کے تصور سے رقت طاری ہو جائے تو مفسد نہیں۔

۱۶۔ چھینکنے والے کا جواب دینا۔

۱۷۔ کلماتِ ذکر کو عام گفتگو کی جگہ استعمال کرنا، لیکن اگر نماز میں کسی کو چھینک آجائے اور اس نے ''الحمد للہ'' کہہ دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اس لئے کہ یہ کلمہ جواب کے لیے نہیں بلکہ ثواب کے حصول کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔

۱۸۔ قرآن کریم کی کسی آیت کو جواب کی جگہ استعمال کرنا۔

۱۹۔ تیمّم کر کے نماز پڑھنے والے شخص کا دوران نماز پانی پر قادر ہو جانا۔

۲۰- اَن پڑھ (جاہل) شخص کا دوران نماز کسی آیت کا سیکھ لینا۔

۲۱- دوران نماز مدتِ مسح علی الخفین کا پورا ہو جانا۔

۲۲- برہنہ شخص کا کپڑا پا جانا۔

۲۳- اشارہ سے رکوع وسجدہ کرنے والے کا، رکوع وسجدہ پر قادر ہو جانا۔

۲۴- صاحب ترتیب شخص کو فوت شدہ نماز کا یاد آ جانا، اگر کوئی شخص صاحب ترتیب ہو، یعنی اس کے ذمہ کوئی نماز پہلے کی قضا نہ ہو، اور اس نے وقت میں گنجائش کے باوجود بھول کر وقتیہ نماز کی نیت باندھ لی، پھر نماز کے دوران اسے یاد آ جائے کہ اس پر تو پچھلی نماز بھی قضا ہے، تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اب پہلے فوت شدہ نماز پڑھے اس کے بعد وقتیہ نماز ادا کرے، مگر یہ فسادِ موقوف ہے، وہ اس طرح کہ آئندہ پانچ نمازوں کے وقت کے اندر اس نے فوت شدہ نماز قضا نہ کی، تو اس درمیان پڑھی جانے والی سب نمازیں درست ہو جائیں گی، اور اگر پانچ نمازوں کے وقت کے اندر سابقہ فوت شدہ نماز قضا کر لی، تو بقیہ نمازیں نفل بن جائیں گی، اور اسے بالترتیب سب نمازیں ادا کرنی ہوں گی۔

۲۵- امام کا ایسے شخص کو خلیفہ بنانا جو امامت کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔

۲۶- نماز پڑھتے ہوئے وقت کا نکل جانا۔

۲۷- زخم درست ہو کر پٹی کا کھل جانا۔

۲۸- معذور شرعی شخص کا عذر زائل ہو جانا۔

۲۹- دورانِ نماز جان بوجھ کر حدث کرنا۔

۳۰- عورت کا مرد کے دائیں بائیں یا سامنے کھڑے ہونا، چند شرائط کے ساتھ:

(۱) وہ عورت قابلِ جماع ہو، (۲) مرد و عورت دونوں نماز کی حالت میں ہوں، اور ایک ہی نماز میں ہوں، (۳) کوئی حائل درمیان میں نہ ہو، اگر درمیان میں اتنی جگہ خالی ہو کہ ایک آدمی وہاں کھڑا ہو سکتا ہے، تب بھی نماز فاسد نہ ہوگی، اور وہ جگہ حائل سمجھی جائیگی، (۴) عورت میں نماز کے صحیح ہونے کی شرطیں پائی جاتی ہوں، (۵) نمازِ جنازہ نہ ہو، (۶) محاذات ایک رکن کی بقدر باقی رہے، اس سے کم نہ ہو، (۷) تحریمہ دونوں کی ایک ہو، یعنی اس عورت نے اس مرد کی اقتدا کی ہو یا ان دونوں نے کسی تیسرے کی اقتدا کی ہو، (۸) مکان دونوں کا ایک ہو، (۹) دونوں کی جہت ایک ہی ہو، (۱۰) امام نے اس عورت کی نیت شروع نماز میں ہی کی ہو۔

۳۱۔ دورانِ نماز عضو مستور کا چوتھائی یا اس سے زیادہ تین تسبیح پڑھنے کی بقدر کھل جانا۔

۳۲۔ حدث کے بعد وضو کے لیے جاتے اور آتے ہوئے قرآن پڑھنا، البتہ اگر تسبیح وغیرہ پڑھتا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۳۳۔ نماز میں وضو ٹوٹنے کے بعد بلا عذر اپنی جگہ ٹھہرے رہنا تین مرتبہ تسبیح پڑھنے کے بقدر۔

۳۴۔ قریب پانی رہتے ہوئے بغیر عذر کے دور چلے جانا۔

۳۵۔ حدث کے شک میں مسجد سے یا صفوں سے باہر نکل جانا۔

۳۶۔ بے وضو ہونے کے خیال میں وضو کے لیے چل پڑنا۔

۳۷۔ مقتدی کا امام کے علاوہ دوسرے شخص کو لقمہ دینا۔

۳۸۔ امام کا غیر مقتدی سے لقمہ لینا۔

۳۹۔ دورانِ نماز، نئی نماز شروع کرنے کی نیت سے تکبیر تحریمہ کہنا۔

۴۰۔ دورانِ نماز قرآن پاک دیکھ کر پڑھنا۔

۴۱۔ مقتدی کا امام سے پہلے کوئی رکن ادا کر لینا۔

۴۲۔ نماز کا کوئی رکن سوتے ہوئے ادا کرنا، مثلاً سجدہ میں سوتا رہ جائے تو بعد میں اس رکن کا دہرانا لازم ہے، اگر دہرائے بغیر سلام پھیر دے گا تو نماز فاسد ہو جائیگی۔

۴۳۔ قرأت میں فحش غلطی کرنا، اس طور پر کہ معنی بالکل بدل جائیں اور تاویل کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔

۴۴۔ نماز پڑھتے ہوئے عورت کا بچہ کو دودھ پلانا یا خود بچہ کا دودھ پینا۔

۴۵۔ نماز کے دوران بے ہوش یا پاگل ہو جانا۔

۴۶۔ نماز کے دوران موت واقع ہو جانا۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ:۲/ ۳۱۹،۳۲۰)

مسئلہ (۱۹۷): عملِ کثیر نمازی کے اس عمل کو کہا جاتا ہے جو اصلاحِ صلوۃ کے لیے نہ ہو، اور اعمالِ صلوۃ میں سے بھی نہ ہو، اور اس کو اس انداز سے کیا جائے کہ اچانک دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے، ایسے عمل سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، بہت سے لوگوں سے نماز میں عملِ کثیر سرزد ہوتا ہے، جس کی وجہ سے ان کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، مگر عملِ کثیر کی یہ تعریف معلوم نہ ہونے کی وجہ سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی نماز ہوگئی، اس لیے نماز میں خوب اطمینان وسکون سے کھڑا ہونا چاہیے۔

(تبیین الحقائق:۱/ ۴۱۲)

مسئلہ (۱۹۸): اگر کوئی شخص فجر کی نماز شروع کرتے وقت دل میں تو فرضِ فجر کی نیت کرے، مگر زبان سے بجائے فجر کے ظہر کہہ دے، تو اس صورت میں اس کی نماز درست ہو جائیگی۔ (فتاوی محمودیہ:۵/ ۵۰۷)

مسئلہ (۱۹۹): بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں اگر امام محراب میں کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو نماز درست نہیں ہوتی، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ نماز درست ہو جاتی ہے، البتہ امام کا محراب میں کھڑا ہو کر نماز پڑھانا مکروہ ہے، لیکن جگہ کی تنگی اور ضرورت کی حالت میں محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/ ۱۰۸)

مسئلہ (۲۰۰): امام سے پہلے رکوع یا سجدہ میں جانے کے متعلق بڑی سخت وعید وارد ہوئی ہے، اگر کوئی شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدہ میں چلا جائے اور اس رکوع یا سجدہ میں امام بھی پہنچ گیا تو نماز درست ہو جائیگی، اور اگر اس مقتدی نے امام کے رکوع یا سجدہ میں پہنچنے سے پہلے ہی سر اٹھا لیا، پھر دوبارہ امام کے ساتھ یا امام کے بعد رکوع یا سجدہ نہیں کیا، تو نماز فاسد ہو جائیگی۔
(صحیح البخاري:۱/ ۹۶)

مسئلہ (۲۰۱): بحالتِ نماز اگلی صف میں موجود شخص کی ٹی شرٹ پر لکھے ہوئے کو قصداً و ارادۃً دل سے پڑھ لینے سے نماز میں کراہت تو آتی ہے، لیکن فساد نہیں آئے گا، اور اگر زبان کو حرکت دیدیا تو یہ تلفظ ہوا، اس سے نماز میں فساد آجائیگا، اور اگر بغیر قصد کے دل سے پڑھ لیا تو کراہت بھی نہیں آئے گی۔ (فتاوی ہندیہ:۱/ ۱۰۱)

مسئلہ (۲۰۲): اگر کوئی شخص پیشاب یا شراب کی شیشی جیب میں رکھ کر نماز پڑھتا ہو، تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔
(ردالمحتار:۲/ ۷۴)

مسئلہ (۲۰۳): حرم شریف میں اگر نماز کے دوران عورت مرد کے محاذات میں، یعنی دائیں، بائیں، متصل یا آگے آکر کھڑی ہو جائے، اور دونوں ایک ہی نماز میں شریک ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائیگی، بشرطیکہ امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو، لہٰذا مرد مصلی نماز از سرنو ادا کرے، اور اگر امام نے عورت کے امامت کی نیت نہ کی ہو، تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی، چنانچہ عرصہ ہوا امام حرم سے دریافت کیا گیا تھا، تو انہوں نے بتایا تھا کہ ہم عورت کی امامت کی نیت نہیں کرتے، لہٰذا اگر آج بھی یہی صورت ہو، یعنی امام حرم عورت کی امامت کی نیت نہ کرتے ہوں، تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی، جب فاسد نہیں ہوگی تو مرد مصلی از سرنو نماز ادا نہیں کریگا، بلکہ اسی حالت میں نماز کو پوری کرے گا۔ (معجم کبیر للطبرانی:۹/ ۲۹۵، رقم الحدیث:۹۴۸۴)

مسئلہ (۲۰۴): اگر امام سلام پھیرتے وقت ''السلام علیکم'' کے بجائے ''سلام علیکم'' کہہ دے، تو نماز تو ہو جائیگی، البتہ خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (ردالمحتار:۳/ ۲۱۳)

مسئلہ (۲۰۵): اگر کسی شخص کو بحالتِ نماز چھینک آ جائے، اور وہ چھینکنے کے بعد ''الحمد للہ'' کہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اسی طرح ''یرحمک اللہ'' کہے، تب بھی نماز فاسد نہیں ہوگی، ہاں! اگر کسی چھینکنے والے کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہے، تو نماز فاسد ہوجائیگی، ومن عطس فقال له آخر : يرحمك الله ، وهو في الصلوٰة فسدت صلاته ، لأنه في مخاطبات الناس ، فكان من كلامهم بخلاف ما إذا قال العاطس أو السامع : الحمد لله على ما قالوا، لأنه لم يتعارف جوابًا . (ہدایہ:۱/۱۳۶)

مسئلہ (۲۰۶): تراویح میں مصحف یعنی قرآن شریف میں دیکھ کر پڑھنا، یا سننا، دونوں سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، کیوں کہ قرآن کا پکڑنا، اوراق کو پلٹنا وغیرہ عملِ کثیر ہے، اور عملِ کثیر سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ (بدائع الصنائع:۱/۵۴۳)

مسئلہ (۲۰۷): حنفیہ کے نزدیک امام کے پیچھے قرأت جائز نہیں بلکہ مکروہِ تحریمی ہے، '' لا صلوة إلا بفاتحة الكتاب '' والی حدیث کو لے کر قرأت خلف الامام کو ثابت کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ '' لا صلوٰة الخ '' سے مراد منفرد کی نماز ہے (جو امام پر بھی صادق آتا ہے) مقتدی اس میں شامل نہیں ہیں، اس دعویٰ پر کہ '' لا صلوٰة ''، صلوٰۃِ مقتدی کو شامل نہیں، مشہور محدث امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ '' لا صلوٰة '' سے منفرد مراد ہے، مقتدی نہیں، لہٰذا قرأت خلف الامام کی حرمت ثابت ہوگئی۔ (سورۃ الأعراف:۲۰۴)

مسئلہ (۲۰۸): اگر کوئی عورت نماز پڑھ رہی تھی کہ نماز ہی کی حالت میں اس کے بچے نے اس کا دودھ پی لیا، تو اس عورت کی نماز فاسد ہوجائیگی، لیکن اگر بچے نے دودھ نہیں پیا صرف پستان منہ میں لیا تھا، تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (ہندیہ:۱/۱۰۴)

مسئلہ (۲۰۹): مصلی کے لیے ایسی انگیٹھی سامنے رکھ کر نماز پڑھنا، جس میں چنگارہ نظر آرہا ہو، تشبہ بالمجوس کی وجہ سے مکروہ ہے، کیوں کہ مجوس کے آگ کی عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ چنگارہ انگیٹھی یا تنور میں ہوتا ہے، اور وہ اس کی پوجا کرتے ہیں، لیکن کانگڑی (یعنی مٹی کا ایسا برتن جس میں آگ ہوتی ہے، لوگ ٹھنڈی سے بچنے کے لیے اس کا استعمال اس طرح کرتے ہیں کہ اس پر راکھ ڈالی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے آگ نظر نہیں آتی ہے، اور نمازی حضرات اس کو سامنے رکھ کر نماز پڑھتے ہیں) میں چونکہ انگارہ انگیٹھی میں نہیں بلکہ کانگڑی میں ہوتا ہے، مزید برآں اس پر راکھ بھی ڈالی ہوئی ہوتی ہے،، جس کی وجہ سے علتِ کراہت یعنی آتش پرستوں کے ساتھ مشابہت کا تحقق نہیں ہوتا ہے، لہٰذا انگیٹھی کو سامنے رکھ کر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ودرست ہے۔ (البحر الرائق:۲/۵۶)

مسئلہ (۲۱۰): اگر نماز کی حالت میں کسی مصلی کو قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد حدث لاحق ہوجائے تو اس کو اختیار ہے، چاہے تو بنا کرے، یعنی وضو کر کے سلام پھیر دے، لیکن چونکہ بنا کی شرائط سے عامۃً لوگ واقف نہیں ہوتے ہیں، اس لئے نماز کو لوٹا لینا افضل ہے۔ (اعلاء السنن:۵/۳)

مسئلہ (۲۱۱): بحالت قیام دونوں قدموں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ رکھنا چاہیے، آپ ﷺ سے عمامہ کے نیچے ٹوپی کا ثبوت ملتا ہے، لہٰذا ننگے سر نماز پڑھنا اور پڑھانا خلافِ سنت ہے۔ دونوں ہاتھوں کا ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے، نہ کہ سینے پر۔

لباس کا مقصود اعضاء کا چھپانا ہے، لہٰذا اگر لباس سترِ عورت کے مقصد میں مخل ہوگا، تو اس کو پہن کر نماز پڑھنا درست نہیں ہوگا، اگر پینٹ شرٹ ایسی ڈھیلی ڈھالی ہے کہ جس میں اعضاء کی ساخت نمایاں نہیں ہوتی ہے، تو اس کو پہن کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، کیوں کہ شریعت نے انسان کے لیے کسی لباس کو متعین نہیں کیا ہے، تاہم لباس کے سلسلے میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اتقیاء وصلحاء کا لباس ہو، کیوں کہ اخلاق واعمال پر لباس کا بھی اثر پڑتا ہے، ہاف آستین کا کرتہ پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (المصنف لابن أبي شيبة:۳/۳۲۱، رقم الحدیث:۳۹۵۹)

مسئلہ (۲۱۲): بلا کسی عذرِ شرعی کے صف کے پیچھے تنہا ایک آدمی کا کھڑا ہونا مکروہ ہے، البتہ نماز صحیح ہوگی۔

(الفقہ الإسلامي وأدلتہ:۲/۱۲۶۷)

مسئلہ (۲۱۳): بعد میں آنے والا شخص صف میں جس طرف بھی جگہ خالی نظر آجائے کھڑا ہو جائے، اگر کسی طرف جگہ خالی نہ ہو تو انتظار کرے، اگر رکوع سے پہلے پہلے کوئی اور مقتدی آجائے تو اس کے ساتھ مل کر کھڑا ہو جائے، ورنہ کسی شخص کو جو اس مسئلہ سے واقف ہو پیچھے کھینچ لے اور پچھلی صف میں دونوں کھڑے ہو جائیں، اگر کوئی مسئلہ سے واقف شخص نہ ہو، تو تنہا امام کے محاذات میں کھڑا ہو جائے۔ (الفتاوی الہندیۃ:۱/۸۹)

مسئلہ (۲۱۴): اگر کسی مسجد میں جگہ بالکل تنگ ہو، اور کوئی دوسری صورت نہ ہو، تو مقتدی حضرات امام کے دائیں بائیں کھڑے ہو جائیں گے، لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ امام مقتدیوں سے، اس قدر آگے ہو جائے کہ اس کے پیر مقتدیوں کے پیروں سے آگے رہیں۔ (فتاوی محمودیہ:۶/۴۹۲)

مسئلہ (۲۱۵): اگر کوئی شخص آئینہ کے سامنے نماز پڑھ رہا ہو اور اس کا عکس اس آئینہ میں نظر آ رہا ہو، تو ایسے شخص کی نماز تو درست ہو جائیگی، البتہ نمازی کو چاہیے کہ نظر نیچی رکھے، تاکہ خشوع حاصل ہو اور دھیان نہ ہٹنے پائے، ورنہ نماز مکروہِ تنزیہی ہوگی۔ (حاشیۃ الطحطاوي:ص/۳۶۰)

مسئلہ (۲۱۶): اگر قرأت کرتے وقت کوئی آیت چھوٹ جائے، بایں طور کہ وقف، وقفِ تام ہو، پھر دوسری آیت کو پڑھے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر وقف، وقفِ تام نہ ہو، اور دوسری آیت بایں طور ملالی جائے کہ معنی بدل جائے، تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ (تبیین الحقائق:۱/۴۲۰)

مسئلہ (۲۱۷): اگر کسی شخص نے قرأت میں صیغۂ واحد مؤنث کی جگہ، صیغۂ واحد متکلم پڑھ دیا، مثلاً: ﴿يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلأْتِ﴾ کی جگہ ﴿هَلِ امْتَلأْتُ﴾ پڑھ دیا، تو اس صورت میں چوں کہ خطاب جہنم کو ہے اور صیغہ واحد مؤنث کا ہے، پڑھنے میں غلطی یہ ہوئی کہ یہ واحد متکلم کا صیغہ ہو گیا، اگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصول کہ ''خطائے اعراب مفسدِ صلوۃ نہیں'' سے صَرفِ نظر بھی کر لیا جائے تب بھی ایک تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ جہنم مظہرِ غضب ہے، جتنا غضبِ الٰہی شدید ہوتا ہے اسی قدر جہنم پر اثر ہوتا ہے، ﴿هَلِ امْتَلأْتُ﴾ کا مطلب یہ ہوگا کہ ﴿هَلِ امْتَلأْتُ غَضَبًا﴾ یعنی کیا میرا غضب شدید ہو گیا ہے جس کے نتیجہ میں تجھ کو بھر جانا چاہیے، تو کیا تو بھر گئی ہے، یہ مطلب مقصدِ قرآن کے خلاف نہیں، اس لیے فسادِ نماز کا حکم نہیں دیا جائیگا، مگر قصداً اس طرح پڑھنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ (فتاوی قاضی خان:۱/۷۵)

مسئلہ (۲۱۸): اگر امام کو قرأت میں التباس ہو جائے اور اسے کسی خارجِ صلوۃ آدمی نے لقمہ دیا، تو اگر خارجِ صلوۃ آدمی کے لقمہ پورا ہونے سے پہلے ہی امام کا التباس ختم ہو جائے اور وہ آگے قرأت شروع کر دے، تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر اس کا لقمہ پورا ہونے کے بعد وہ آگے قرأت کرتا ہے، تو یہ سمجھا جائیگا کہ اس نے نماز کے باہر کے آدمی کا لقمہ لیا، اس لیے نماز فاسد ہو جائیگی۔ (البحر الرائق:۲/۱۱)

مسئلہ (۲۱۹): اگر کوئی غیر نمازی کسی امام کو لقمہ دے، اور امام لقمہ نہ لے مگر کوئی مقتدی اس لقمہ کو لیکر امام کو دے، اور امام وہ لقمہ لے لے تو اس صورت میں بھی سب کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، کیوں کہ مقتدی نے جب غیر نمازی کا لقمہ لیا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی، اور وہ نماز سے نکل گیا، اور جب امام نے اس کا لقمہ لیا، تو یہ مقتدی اس وقت نماز سے نکل چکا تھا، لہٰذا غیر نمازی کا لقمہ لینے کی وجہ سے امام اور تمام مقتدیوں کی بھی نماز فاسد ہو جائیگی۔ (النہر الفائق:۱/۲۶۹)

مسئلہ (۲۲۰): نماز کی حالت میں ضرورتاً تین قدم کی مقدار چلنے کی اجازت ہے، جیسے بارش، یا اگلی صف میں خالی جگہ پُر کرنے کے لیے، بشرطیکہ چلنا تسلسل کے ساتھ نہ ہو، بلکہ ایک قدم چل کر ایک رکن کی مقدار ٹھہر جائے، پھر ایک قدم چل کر ایک رکن کی مقدار ٹھہر جائے، پھر چلے اور ٹھہر جائے۔ (بدائع الصنائع:۱/۵۱۲)

مسئلہ (۲۲۱): اگر کوئی شخص چاکلیٹ کھا رہا تھا کہ جماعت کھڑی ہوگئی، اور وہ جماعت میں شامل ہو گیا، لیکن اس کے منہ میں صرف اس چاکلیٹ کی مٹھاس ہی باقی ہے، نہ کہ چاکلیٹ، تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (فتاوی رحیمیہ:۵/۱۱۲)

مسئلہ (۲۲۲): امام صاحب نماز پڑھا رہے تھے کہ ان کے حلق میں مکھی یا مچھر چلا گیا اور باوجود کھنکھارنے کے نہیں نکلا اور حلق کے نیچے اتر گیا، تو ایسی صورت میں نماز درست ہو جائیگی، اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع:۲/۱۴۷)

مسئلہ (۲۲۳): اگر کسی شخص کو نماز کی حالت میں وسوسے آتے ہوں، تو ان کے دفع کرنے کا علاج یہ ہے کہ دورانِ صلوٰۃ اللہ رب العزت کے جاہ وجلال اور اس کی عظمت کا پورا پورا استحضار ہو، اور نماز کو اس کے تمام آداب وارکان کا لحاظ کرتے ہوئے ادا کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ (صحیح البخاري:۱/۱۲)

مسئلہ (۲۲۴): دیہات میں عام طور پر غریب وخستہ حال لوگ رہتے ہیں، مکان کا فرش کچا ہوتا ہے، ٹائلس (فرش) لگانے کی استطاعت نہیں ہوتی، اس لیے بہت سے لوگ مٹی کے گارے میں گوبر ملا کر، یا عینِ گوبر سے اپنے گھروں کو لیپتے ہیں، تو اس طرح گوبر سے لیپی ہوئی خشک جگہ پر پاک کپڑا اچھا کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج ومضائقہ نہیں ہے، بلکہ جائز ہے، نماز صحیح ہوجائیگی۔ (رد المحتار:۲/۳۸۷)

مسئلہ (۲۲۵): ناپاک، تر یا خشک زمین پر ایسا موٹا کپڑا یا چٹائی یا پلاسٹک بچھا کر نماز پڑھنا کہ جس سے نجاست اوپر معلوم نہ ہوتی ہو، تو نماز درست ہوجائے گی۔ (حلبی کبیر:ص/۲۰۳)

مسئلہ (۲۲۶): اصحابِ نبی ﷺ سے آمین بالجہر والسر کے سلسلے میں دونوں طرح کی روایات مروی ہیں، لیکن چوں کہ آمین کہنا دعا ہے، اور دعا میں اصل اخفاء ہے، لہٰذا آمین بالسر کہنا سنت ومستحب ہے۔ (جامع الترمذي:۱/۵۷)

مسئلہ (۲۲۷): دورانِ نماز گھڑی دیکھنے اور سمجھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی مگر یہ عمل مکروہ ہے، کیوں کہ یہ ایسے عمل میں مشغول ہونا ہے جو اعمالِ نماز میں داخل نہیں، لیکن اگر بلا قصد گھڑی پر نظر پڑ جائے اور ٹائم سمجھ میں آجائے تو مکروہ نہیں ہے۔
(رد المحتار:۲/۳۹۷،۳۹۸)

مسئلہ (۲۲۸): اگر کوئی عورت آدھی آستین کا قمیص پہنی ہو، تو آدھی آستین والی قمیص کے اوپر ایسی کوئی چادر یا اوڑھنی اوڑھ لی جائے، جس سے پورا بدن چھپ جائے، تو اس کی نماز درست ہوگی ورنہ نہیں، کیوں نماز میں عورت کے لیے سوائے چہرہ، دونوں ہتھیلیوں اور قدم کے، پورے بدن کا چھپانا فرض ہے۔ (البحر الرائق:۱/۴۷۰)

مسئلہ (۲۲۹): عام حالات میں اتنی تنگ اور چست پتلون پہننا کہ اعضاء ستر کی بناوٹ ظاہر ہو، اور نماز میں رکوع وسجدہ کی حالت میں حصۂ سرین کی ساخت بالکل نمایاں ہو، جو پیچھے کے مقتدیوں کی نماز مکروہ ہونے کا سبب بنے، یہ شرعاً ناپسندیدہ ومکروہِ تحریمی ہے، نیز یہ فساق وفجار کا طریقہ ہے۔ (سنن أبي داود:ص/۵۵۹)

مسئلہ (۲۳۰): آج کل بیل بوٹم پینٹ (پتلون) اور شارٹ شرٹ (چھوٹے قمیص) کا رواج عام ہو چلا ہے، جب اس کو پہننے والا سجدہ اور رکوع میں جاتا ہے تو شرٹ اوپر کی طرف اور پینٹ نیچے کی طرف کھسک جاتی ہے، اور ان آٹھ اعضاء میں سے

ایک عضو کا اکثر حصہ کھل جاتا ہے، جس کا چھپانا شرعاً واجب ہے، جس کی وجہ سے خود اس کی نماز فاسد اور دوسرے کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے، اس لیے اس طرح کا لباس پہننا شرعاً مکروہِ تحریمی ہوگا۔ (نصب الرایۃ:۱/۳۷۱)

مسئلہ (۲۳۱): ان شرٹ یعنی پتلون میں قمیص کرنا، اور ایسا چھوٹا شرٹ پہن کر نماز پڑھنا جس سے سترِ اعضاء کی ساخت ظاہر ہو، اور لوگوں کی نماز مکروہ ہونے کا سبب بنے، شرعاً یہ عمل ناپسند و مکروہ ہے، نیز یہ غیروں کا طریقہ ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''اور اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اس شخص سے جو مسلمان ہو کر غیروں کے طور طریقے اختیار کرے۔'' (مشکوۃ المصابیح:ص/۲۷)

مسئلہ (۲۳۲): سستی اور بغیر کسی عذر کے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے، جیسا کہ آج کل کے بعض فیشن ایبل حضرات کا وطیرہ ہے، البتہ عذر اور تذلل (اپنے آپ کو حقیر سمجھنا) کے طور پر ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے۔ (التنویر و شرحہ مع الشامیۃ:۲/۴۰۷)

مسئلہ (۲۳۳): نماز کی حالت ہو یا کوئی دوسری حالت، ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا لنگی پہننا شرعاً منع ہے، نیز یہ متکبرین اور فساق کا شیوہ ہے، جو اسلامی تہذیب و معاشرت سے بے زار، اور مغربی تہذیب و ثقافت کے دلدادہ ہیں، ایسے لوگوں کی مشابہت بھی شرعاً مذموم و ممنوع ہے۔ (أبوداود:۲/۵۵۹)

مسئلہ (۲۳۴): بعض لوگ شلوار یا پینٹ ٹخنوں کے نیچے رکھتے ہیں، اور جب انہیں نماز پڑھنی ہوتی ہے، تو ان کو اوپر موڑ لیتے ہیں، جب کہ دیگر بعض اسی حالت میں بغیر موڑے ادا کرتے ہیں، جو لوگ موڑ کر پڑھتے ہیں ان کی نماز بلا کراہت درست ہوگی، اور جو بغیر موڑے پڑھتے ہیں ان کی نماز کراہت کے ساتھ ادا ہوگی، لیکن عام حالات میں بھی مردوں کیلئے پائجامہ یا شلوار کو ٹخنوں کے نیچے تک رکھنا منع ہے، اس لئے اس کا گناہ دونوں پر آئیگا۔ (السنن لأبي داود:ص/۹۳)

مسئلہ (۲۳۵): جس لباس کو پہن کر انسان بازار جانا، یا شادی غمی کی مجالس میں شرکت کرنا پسند نہ کرتا ہو بلکہ معیوب سمجھتا ہو، مثلاً نائٹی اور لنگی (جو رات میں پہن کر سونے کیلئے مخصوص ہوتی ہے) پہن کر نماز پڑھنا مکروہِ تنزیہی ہے۔ (اعلاء السنن:۵/۱۳۶)

مسئلہ (۲۳۶): نمازی کا سجدہ میں جاتے وقت شلوار یا پاجامہ کو اوپر اٹھانا، یا رکوع سے اٹھنے کے بعد قمیص کو درست کرنا، بلاضرورت و بلا عملِ کثیر ہو تو مکروہ تحریمی ہے، اور ضرورتاً ہو تو بلا کراہت جائز ہے، اور اگر عملِ کثیر سے ہو تو مفسدِ صلوٰۃ ہے۔
(التنویر و شرحہ مع الشامیۃ:۲/۴۰۶، ۴۰۷)

مسئلہ (۲۳۷): کہنی تک آستین چڑھا کر نماز پڑھنا، اور کہنی تک نیم آستین والے قمیص وغیرہ پہن کر نماز پڑھنا منع ہے، اس سے نماز مکروہ ہوتی ہے، جیسا کہ صاحب خلاصۃ الفتاوی فرماتے ہیں: ''ولو صلی رافعاً کمیه إلی المرفقین یکرہ''۔
(خلاصۃ الفتاوی:۱/۵۸)

مسئلہ (۲۳۸): اگر کوئی شخص رکعت کے فوت ہونے کے ڈر سے جلدی جلدی جماعت میں شامل ہو گیا، اور آستینیں اوپر چڑھی رہ گئیں، تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ اپنی آستینیں کچھ قیام میں، کچھ رکوع میں، کچھ قومہ میں، کچھ سجدہ میں اور کچھ جلسہ میں عملِ قلیل سے اُتار لے، ایسی صورت اختیار نہ کرے کہ عملِ کثیر ہو جائے اور نماز فاسد ہو۔ (درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام: ۱/۴۱)

مسئلہ (۲۳۹): اکثر لوگ حصولِ ثواب کی نیت سے چٹائی کی ٹوپیاں نمازیوں کے استعمال کے لیے مسجدوں میں رکھتے ہیں، چونکہ انسان انہیں پہن کر دیگر مجالس میں جانا پسند نہیں کرتا، بلکہ معیوب سمجھتا ہے، اس لیے یہ ٹوپیاں ثیابِ بذلہ کے حکم میں ہیں، لہٰذا ایسی ٹوپیاں پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (اعلاء السنن: ۵/۱۳۶)

مسئلہ (۲۴۰): بعض حضرات ٹائی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں جب کہ ٹائی کے ساتھ نماز پڑھنا تشبہ بالکفار کی وجہ سے مکروہ ہے، کیوں کہ ٹائی صلیب کی علامت ہے جو نصاریٰ کا شعار ہے۔ (فتح الباری: ۱۲/۲۶۲، رقم الحدیث: ۶۸۸۲)

مسئلہ (۲۴۱): منقش مصلیٰ جس پر بیت اللہ، مسجد نبوی ﷺ یا بیت المقدس وغیرہ کی تصویر ہو، اس پر نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے، اس لئے کہ وہ اصل نہیں، بلکہ محض ایک غیر ذی روح کی تصویر کے حکم میں ہے، اور غیر ذی روح کی تصویر پر نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ایسے مصلوں کو خریدا ہی نہ جائے تا کہ ان کا بنانا ہی چھوڑ دیا جائے۔ (رد المحتار: ۲/۳۶۱)

مسئلہ (۲۴۲): بعض حضرات ایسے مصلے پر نماز پڑھنے کو ناجائز کہتے ہیں، جن میں کعبۃ اللہ، مسجدِ نبوی ﷺ اور روضۂ اقدس وغیرہ کی تصویریں ہوتی ہیں، جب کہ اس قسم کے مصلے پر مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر نماز پڑھنا جائز ہے:

۱- جائے نماز پر غیر ذی روح شئ کی تصویر کا ہونا مانع صلاۃ نہیں، اور نہ اس سے کوئی کراہت لازم آتی ہے۔

۲- عین کعبہ یا اس کی دیواروں پر نماز پڑھنا جائز ہے، تو اس کی تصویر پر نماز پڑھنا جائز ہوگا۔

۳- نماز پڑھنے کے دوران ان تصاویر پر سر رکھا جاتا ہے، پاؤں نہیں، اور اس میں تعظیم ہے توہین نہیں۔

۴- تصویر کا حکم عین شئ کا حکم نہیں ہے، تاہم اس طرح کے مصلوں پر نماز پڑھتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ ان تصاویر پر پاؤں نہ آئے، تا کہ بے ادبی کا شبہ پیدا نہ ہو، ورنہ یہ عمل مکروہِ تنزیہی ہوگا۔ (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی: ص/۱۶۱)

مسئلہ (۲۴۳): روپے پیسے یا شناختی کارڈ وغیرہ جن میں تصویر ہوتی ہے اس کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، کیوں کہ یہ جیب میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ (بخاری: ۱/۳۶۱)

مسئلہ (۲۴۴): آج کل بنیان، ٹی شرٹ وغیرہ پر جانداروں کی تصویریں بنی ہوتی ہیں، ایسے کپڑوں میں نماز ادا کرنا اور نماز کے باہر ان کو پہننا دونوں مکروہِ تحریمی ہے۔ (فتاوی قاضیخان علی ہامش الہندیۃ: ۱/۱۱۹)

مسئلہ (۲۴۵): آج کل بہت سے پینٹ اور شرٹ وغیرہ پر صلیب (عیسائیوں کی نشانی) ''Redcrass'' کی علامت کڑھائی کی ہوئی ہوتی ہے، ان کا استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، کیوں کہ صلیب عیسائیوں کا شعار ہے اور ایسے کپڑوں کا استعمال کرنا عیسائیوں کے شعار کی ترویج واشاعت کے مترادف اور تعاون علی الاثم ہے، جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے، اور ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔ (بخاری:۲/۸۸۰)

مسئلہ (۲۴۶): کبھی کبھی دوکاندار اپنی دوکان میں نماز پڑھتا ہے، اور سامان کے ڈبوں پر مختلف تصویریں ہوتی ہیں، اگر آگے ڈبوں پر جاندار کی تصویریں ہوں تو یہ مکروہِ تحریمی ہے، اس سے بچنا ضروری ہے، ان ڈبوں کو کپڑے یا کسی چیز سے ڈھانک کر نماز پڑھے اور اگر دونوں جانب کے ڈبوں پر تصویریں ہوں تو اگرچہ یہ کراہتِ شدید درجہ کی نہیں، پھر بھی کراہت سے خالی نہیں۔ (حلبی کبیر:ص/۳۵۹)

مسئلہ (۲۴۷): بعض لوگ نماز کی صحیح ترکیب ذہن نشین کرانے کیلئے نماز کا پورا مسنون طریقہ تصویروں کے ساتھ شائع کرتے ہیں، جس میں قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ وغیرہ کی مسنون ہیئت بنی ہوتی ہے، اگر یہ تصویریں بغیر سر کی، صرف گردن تک بنائی جائیں، تو جائز ہیں، کیوں کہ وہ تصویر کے حکم میں نہیں ہیں، اور اگر یہ تصویریں سر کے ساتھ بنائی جائیں، تو جائز نہیں ہیں۔
(صحیح البخاری:۲/۸۸۰)

مسئلہ (۲۴۸): سجدہ میں دونوں پیروں کا زمین سے اس طرح اٹھالینا، کہ ایک انگلی بھی زمین پر نہ ٹکی رہے، اور یہ حالت ایک رکن کی ادائیگی کے بقدر، یعنی تین مرتبہ تسبیح پڑھنے تک باقی رہے تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۲/۱۳۵)

مسئلہ (۲۴۹): جوتے پہن کر نماز پڑھنا حضرت نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام سے بھی منقول ہے، اب ہماری مساجد کی وہ حالت نہیں جو اس زمانے میں تھی، اب فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جوتا پہن کر مسجد میں جانا مکروہ ہے، البتہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں پاک جوتوں کے ساتھ نماز پڑھے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اتباع سنت کی نیت ہو تو اس پر ثواب بھی ملے گا۔
(ابوداؤد:ص/۹۵)

مسئلہ (۲۵۰): نماز پڑھنے کی حالت میں جیب سے رومال نکال کر، ناک پوچھنا اگر عمل کثیر کی حد تک پہنچ جائے، تو نماز فاسد ہوجائیگی، ورنہ مکروہ ہے۔ (الدر مع الرد:۲/۳۳۲)

مسئلہ (۲۵۱): نماز کی حالت میں انگلیاں توڑنا مکروہِ تحریمی ہے، کیوں کہ یہ فعلِ عبث ہے، بخلاف نماز کے باہر کہ اگر بلا ضرورت، یعنی انگلیوں کے جوڑوں کو آرام دینا مقصود نہ ہو، تو مکروہِ تنزیہی ہے۔ (سنن ابن ماجہ:ص/۶۸)

مسئلہ (۲۵۲): جب جماعت کھڑی ہو تو سنتوں میں مشغول ہونا مکروہ ہے، ہاں! فجر کی دو رکعت سنت پڑھ سکتے ہیں جبکہ امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ ملنے کی امید ہو، پھر دیگر فرائض سے پہلے سنتوں میں مسنون یہ ہے کہ انہیں گھر میں، یا مسجد کے دروازے کے پاس، یا ستون کے پیچھے، یا صفوں سے علیحدہ ہو کر، مسجد کے کسی گوشے میں پڑھیں، جماعت کھڑی ہونے کی حالت میں صفوں کے درمیان انہیں پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۲۰)

مسئلہ (۲۵۳): اگر کھانسنا کسی عذر کی وجہ سے ہو جیسے کھانسی کا مرض ہو، یا بے اختیار کھانسی آ جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، خواہ اس کھانسنے میں کتنے ہی حروفِ ہجائیہ حاصل ہوں، کیوں کہ یہ صاحبِ حق یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے معاف ہے، لیکن اگر کھانسنا بلا عذر اور بلا غرضِ صحیح ہو، یعنی نہ قرأت کیلئے آواز صاف کرنے، اور نہ یہ بتلانے کیلئے کہ وہ نماز میں ہے، اور نہ اپنے امام کو اس کی غلطی پر آگاہ کرنے کیلئے، تو اس کھانسنے میں اگر دو حرف حاصل ہوں جیسے ''اُح، اُح''، تو طرفین یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک نماز فاسد ہوگی، اور اگر کھانسنا بلا عذر مگر غرض صحیح سے ہو، مثلاً قرأت کیلئے آواز صاف کرنے، یا اپنے نماز میں ہونے کو بتلانے، یا اپنے امام کو اس کی غلطی پر آگاہ کرنے کیلئے ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (البحر الرائق:۲/۷،۸)

مسئلہ (۲۵۴): نماز میں جمائی لینا اصل میں غفلت، تھکان اور بے توجہی کی علامت ہے، اس لیے ممکن حد تک جمائی لینے سے بچنا چاہئے، مجبور ہو جائیں تو جمائی لیں، اور جمائی لیتے وقت منہ پر ہاتھ رکھ لیں، قیام کی حالت میں دایاں ہاتھ رکھیں، اور نماز کی دوسری حالتوں میں بایاں ہاتھ رکھیں، اور ہاتھ رکھنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ اس کے پشت کا حصہ منہ پر رکھا جائے، جمائی کی حالت میں گو نماز میں ہو منہ کھلا رکھنا مکروہ ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۰۷)

مسئلہ (۲۵۵): اگر کسی شخص نے نماز کے کسی ایک رکن میں تین مرتبہ کھجلایا، اور کھجلانے کے لیے ہر مرتبہ ہاتھ اٹھایا، تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر ہر مرتبہ علیحدہ سے ہاتھ نہ اٹھایا، بلکہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ کھجلایا، تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر کھجلانا ایک مرتبہ ہو تو یہ مکروہ ہے۔ (حلبی کبیر:ص/۴۴۸)

مسئلہ (۲۵۶): بعض لوگ فرض اور سننِ مؤکدہ کے درمیان دنیوی باتیں کرتے ہیں، ان کا یہ عمل شرعاً صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس سے سنتوں کے ثواب میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۱۳)

مسئلہ (۲۵۷): رکعت پانے کیلئے دوڑنا منع ہے، خواہ رکوع نہ ملے، اس لئے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب نماز کیلئے جماعت کھڑی ہو تو تم دوڑتے ہوئے نہ آؤ، اور اطمینان کے ساتھ چل کر آؤ، جتنی رکعتیں ملے ان کو پڑھ لو، اور جو چھوٹ جائے اس کو بعد میں ادا کرلو۔'' (صحیح مسلم:۱/۲۲۰)

مسئلہ (۲۵۸): کسی عالمِ دین یا بزرگ کو تعظیماً اگلی صف میں اپنی جگہ دینا بلا کراہت درست ہے۔ (منحۃ الخالق علی البحر: ۱/۶۱۹)

مسئلہ (۲۵۹): بسا اوقات بڑی مسجد میں یہ صورت پیش آجاتی ہے کہ اگلی صف میں دائیں بائیں جگہ خالی ہوتی ہے، بعد میں آنے والا شخص چاہتا بھی ہے کہ دائیں بائیں خالی جگہ پہنچ کر امام کی اقتداء کرلے، لیکن امام رکوع میں ہوتا ہے، اور ڈر لگا رہتا ہے کہ اگر میں نے صف میں پہنچنے کی کوشش کی تو امام رکوع سے سر اٹھالے گا، اور میری رکعت چھوٹ جائیگی، اس لئے وہ پچھلی صف میں ہی کھڑے ہوکر امام کی اقتدا کرلیتا ہے، رکعت پانے کیلئے یہ عمل مکروہ نہیں ہے، بلکہ افضل ہے، لیکن جان بوجھ کر اقامت کہی جانے تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے کھڑے رہنا، اور پھر امام کے رکوع میں جانے کے بعد رکعت پانے کیلئے جس صف میں چاہے کھڑے ہوجانا، شرعاً درست نہیں ہے۔ (السنن لأبی داود: ص/۹۹)

مسئلہ (۲۶۰): اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پچھلی صف میں کھڑا ہونا، سخت ناپسندیدہ اور مکروہِ تحریمی ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے ہمیں صفوں میں مل کر کھڑے ہونے، اور خلاء کو پر کرنے کا حکم بصورتِ امر فرمایا ہے، اور فقہ کا قاعدۂ مسلمہ ہے: "الأمر للوجوب" کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے، اور ترکِ امر کراہتِ تحریمی کو مستلزم ہے، نیز اگلی صفوں میں خالی جگہ چھوڑ کر پچھلی صفوں میں کھڑا رہنا آدمی کو اللہ کے فضل، اس کی رحمت، اور دولتِ علم سے محروم کرتا ہے۔ (الدر المختار مع الشامیۃ: ۲/۳۱۲)

مسئلہ (۲۶۱): پہلی صف میں نماز پڑھنے کے لئے صفوں کو چیر کر، دوسروں کو تکلیف دے کر، پہلی صف میں پہنچنا، نازیبا حرکت اور سخت مکروہ ہے، اس لئے مسجد میں جہاں جگہ ملے وہیں نماز پڑھے، ہاں! اگر اگلی صف میں جگہ خالی ہو، تو صف چیر کر خالی صف میں پہنچنا جائز ہے۔ (رد المحتار: ۲/۳۱۰)

مسئلہ (۲۶۲): اگر کسی مسجد میں صفِ اول کے درمیان منبر اس طرح حائل ہوجائے کہ اس کی بناء پر انقطاعِ صف لازم آتا ہے، تو اس منبر کو اکھاڑ کر اس کی جگہ لکڑی کا منبر بنانا تاکہ اس پر خطبہ بھی پڑھ لیا جائے، اور بوقتِ جماعت علیحدہ کردیا جائے، تاکہ انقطاعِ صف لازم نہ آئے، جائز اور درست ہے، کیوں کہ اتمامِ صف سنت ہے۔ (صحیح مسلم: ۱/۱۸۲)

مسئلہ (۲۶۳): قیام کی حالت میں یکے بعد دیگرے اس طرح، کہ درمیان میں سکون واطمینان اختیار نہ کرے، کبھی دائیں اور کبھی بائیں پاؤں پر زور ڈال کر کھڑا ہونا مکروہ ہے، لیکن اگر نماز طویل ہو اور بغرضِ استراحت، کچھ دیر دائیں اور کچھ دیر بائیں پاؤں پر سہارا لیکر کھڑا ہو تو مکروہ نہیں ہے، اور اگر کوئی عذر ہو تب بھی یہی حکم ہے۔ (شامی: ۲/۱۳۱، منیۃ المصلی: ص/۱۰۶)

مسئلہ (۲۶۴): مقتدی کا امام کے سلام سے پہلے عمداً بلا ضرورت سلام پھیرنا، واجبِ متابعتِ امام (امام کی پیروی کا واجب ہونا) کے ترک کی وجہ سے مکروہِ تحریمی ہے، اور اس صورت میں اعادۂ نماز (نماز کا لوٹانا) مبنی بر احتیاط ہوگا، لیکن اگر مصلی کا سلام

پھیرنا ضرورت کی وجہ سے ہو مثلاً: حدث، خروجِ وقتِ جمعہ، یا سامنے سے کسی گزرنے والے کا اندیشہ ہو، تو اس صورت میں نماز بلا کراہت درست ہوگی۔ (شامی: ۲/۲۴۰)

مسئلہ (۲۶۵): اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے آگے کی صف میں بالکل اس کی سیدھ میں کوئی شخص قبلہ رخ ہو کر محض بیٹھا ہوا ہے، نماز نہیں پڑھ رہا ہے، تو یہ بیٹھنے والا شخص اس نماز پڑھنے والے کے لیے سترہ ہو جائیگا، اور گزرنے والوں کے لیے اس بیٹھے ہوئے شخص کے سامنے سے گزرنا جائز ہوگا۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۲۴/۱۷۹)

مسئلہ (۲۶۶): اپنی سنن ونوافل سے فراغت کے بعد، کسی نماز پڑھنے والے کی طرف رخ کر کے بیٹھنا مکروہِ تحریمی ہے، اور اسی طرح کسی کے عین چہرہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا بھی مکروہِ تحریمی ہے، اور نماز واجب الاعادہ ہے۔ (الدر مع الرد: ۲/۴۱۱)

مسئلہ (۲۶۷): نمازی کے آگے سے کسی مرد کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی، مگر گزرنے والا سخت گنہگار ہوتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو یہ علم ہو کہ اس سے کس قدر گناہ ہوتا ہے، تو چالیس سال تک کھڑے رہنا اس کے لئے نمازی کے آگے سے گزرنے کی بہ نسبت بہتر ہے۔“ (جامع الترمذی: ۱/۷۹، بدائع الصنائع: ۲/۸۴)

مسئلہ (۲۶۸): اگر کوئی شخص میدان یا بڑی مسجد (جس کا رقبہ ”۳۳۴۴۵۱“ مربع میٹر ہو) میں نماز پڑھ رہا ہو تو دو صف، یعنی تقریباً آٹھ فٹ چھوڑ کر اس کے آگے سے گزرنا جائز ہے، اور چھوٹی مسجد (جس کا رقبہ بڑی مسجد کے بیان کردہ رقبہ سے کم ہو) میں مطلقاً گزرنے کی اجازت نہیں ہے، اگر گزرے گا تو گنہگار ہوگا، البتہ جو شخص نمازی کے بالکل سامنے بیٹھا ہو، تو اس کو اٹھ کر جانے کی اجازت ہے۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ: ۲/۳۹۸)

مسئلہ (۲۶۹): نمازی کے آگے سے گذرنے والے کے گذرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی، مگر گذرنے والا سخت گنہگار ہوتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”اگر نمازی کے آگے سے گذرنے والے کو یہ معلوم ہوتا کہ اس سے کس قدر گناہ ہوتا ہے، تو وہ چالیس سال تک اپنی جگہ کھڑا رہتا، مگر گذرنے کی ہمت نہ کرتا“۔ **اس** لئے جو لوگ مسجد میمنی کے باہری حصہ میں سے اس حال میں گذرتے ہیں کہ طلباء وعوام صحن میں نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں، اور یوں خیال کرتے ہیں کہ ان پر نمازی کے آگے سے گذرنے کا گناہ نہیں ہوگا، ان کا یہ خیال سراسر غلط ہے، کیوں کہ فرشِ مسجدِ میمنی کی سطح اس کی فرشِ صحن سے اس قدر بلند نہیں کہ گذرنے والا گنہگار نہ ہو، اس لئے کہ فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص زمین کی نچلی سطح پر نماز پڑھ رہا ہو، اور گذرنے والا زمین کی اس قدر بلند سطح سے گذر رہا ہو کہ اس کا نیچے کا آدھا بدن نمازی کے اوپر کے آدھے بدن کے محاذات وبرابری میں آجاتا ہے تو یہ مکروہ ہے، **لہٰذا** طلباء، علماء اور عوام کو چاہیے کہ گذرگاہ سے بچ کر نماز ادا کرنے کی سعی کریں، اور گذرنے والوں کو چاہیے کہ اگر ممکن ہو تو

دوسرے راستہ کا انتخاب کریں، تاکہ نمازی اور گذرنے والا دونوں گناہ سے بچ جائیں، ورنہ دونوں گنہگار رہوں گے۔ (شامی:۲/۴۴۴)

مسئلہ (۲۷۰): بعض دفعہ بڑے آدمیوں کی صف میں خالی جگہ ہوتی ہے، اور اس کے پیچھے بچوں کی لمبی صف ہوتی ہے، ایسی صورت میں اگلی صف میں موجود خالی جگہ پُر کرنے کے لیے بڑے آدمی کو بچوں کی اُس صف کے سامنے سے گزرنا پڑتا ہے، تو بڑے آدمی کے لیے بچوں کی صف کے سامنے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے، کیوں کہ یہ گزرنا ضرورۃً ہے، البتہ بلا ضرورت ان کے سامنے سے گزرنا بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ اُن کی نماز بھی شرعاً نماز ہے۔ (النہر الفائق:۱/۲۴۶، مراقی الفلاح:ص/۱۱۴)

مسئلہ (۲۷۱): اگر کوئی شخص عین کسی کے پیچھے نماز کی نیت باندھ کر کھڑا ہو جائے، تو اگلا شخص اپنی ضرورت کے لیے وہاں سے کھسک سکتا ہے، اور یہ کھسکنا ممنوع مرور میں داخل نہیں ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۷۳)

مسئلہ (۲۷۲): بعض حضرات نماز کی حالت میں آسمان کی طرف دیکھتے ہیں یہ عمل خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے مکروہِ تحریمی ہے۔ (ہندیہ:۱/۱۰۶)

مسئلہ (۲۷۳): اگر کسی شخص کی ٹوپی نماز میں بحالتِ قیام ورکوع گر جائے اور وہ اسے اٹھا کر پہن لے، تو اس کی نماز عملِ کثیر کی وجہ سے فاسد ہوگئی، اور اگر سجدہ کی حالت میں سر کے سامنے گری اور اس نے عملِ قلیل کے ساتھ مثلاً ایک ہاتھ سے لیکر پہن لی تو اجازت ہے بلکہ افضل ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (الدر مع الرد:۲/۳۳۲)

مسئلہ (۲۷۴): بعض حضرات نماز کی حالت میں مفلر یا رومال اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ ان کے دونوں سرے لٹکے رہتے ہیں، شرعاً یہ عمل مکروہ ہے، بہتر یہ ہے کہ ان کو لپیٹ لیا جائے، کیونکہ آپ ﷺ نے نماز کی حالت میں سدل سے منع فرمایا ہے۔ (فتاوی قاضیخان:۱/۵۸، بدائع الصنائع:۲/۸۸)

مسئلہ (۲۷۵): چادر اور کمبل اوڑھ کر اس طرح نماز ادا کرنا کہ رکوع اور سجدہ کی حالت میں بھی ہاتھ چادر کے اندر ہی رہے مکروہ ہے، ہاں اگر سخت سردی ہو تو گنجائش ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی:ص/۲۷۶)

مسئلہ (۲۷۶): بہت سے طلباءِ کرام فجر اور ظہر کی نمازیں غلبۂ نیند کی حالت میں ادا کرتے ہیں، جب کہ نماز کے تمام ارکان کو پوری بیداری کی حالت میں ادا کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ غلبۂ نیند کی حالت میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔

(معارف السنن:۳/۴۳۶)

مسئلہ (۲۷۷): بعض لوگ نماز سے پہلے موبائل کو سوئچ آف نہ کرتے ہوئے صرف موبائل کی گھنٹی بند کر کے وائب ریٹ (Vibrate) پر رکھ کر نماز پڑھتے ہیں، ان کا ایسا کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ جب کسی کا فون آئیگا تو وائب ریٹ شروع ہوگا، اوردل اس کی طرف مشغول ہوگا، اور نماز کے علاوہ کسی ایسی چیز میں مشغول ہونا جس سے خشوع وخضوع میں خلل واقع ہو مکروہ ہے۔ (السنن للترمذی:۱/۲۶۳)

مسئلہ (۲۷۸): بعض علاقے انتہائی سرد ہوتے ہیں، ان میں سردی سے بچنے کے لیے مختلف چیزیں استعمال کی جاتی ہیں، ان میں سے ایک گیس ہیٹر بھی ہے، جو مکان، دکان اور مساجد وغیرہ میں نصب کیے جاتے ہیں، ان گیس ہیٹروں کی پلیٹوں پر انگاروں کی شکل بنی ہوتی ہے، جب ہیٹر جلتے ہیں تو وہ انگاروں کی طرح بھڑ کتے نظر آتے ہیں، اس طرح کے ہیٹر سامنے رکھ کر نماز جائز تو ہے، مگر آتش پرستوں کی مشابہت سے بچنے کے لیے ان کو اطرافِ مسجد یا سجدہ کی جگہ سے اونچا کر کے نصب کرنا چاہیے۔ (البحر الرائق:۲/۵۶)

مسئلہ (۲۷۹): اگر کسی شخص کو نماز کی حالت میں اپنے برابر یا قریب کے کسی دوسرے نمازی کا سہو معلوم ہو جائے، جو خود اُسے معلوم نہ ہوا ہو، مثلاً وہ چار کی بجائے تین یا پانچ رکعتیں پڑھ لے، تو نماز سے فراغت کے بعد اُس کو آگاہ کر دینا ضروری ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح:۹/۱۹۵، تحت رقم:۴۹۸۵)

مسئلہ (۲۸۰): اگر نماز پڑھتے ہوئے کسی نمازی کی ٹوپی سر سے اُتر جائے، اور کوئی دوسرا غیر نمازی شخص اُس کے سر پر ٹوپی اٹھا کر رکھنا چاہے، تو رکھ سکتا ہے، اسی طرح نمازی معمولی ہاتھ کی حرکت سے خود بھی رکھ سکتا ہے، اور اگر ٹوپی سر پر نہ رکھی اور بغیر ٹوپی کے نماز پڑھ لی، تب بھی نماز ہو جائیگی۔ (الدر مع الرد:۲/۳۵۱)

مسئلہ (۲۸۱): آج کل مسجدوں اور نمازوں میں، جہاں ضرورت ہے وہاں بھی اور جہاں ضرورت نہیں ہے وہاں بھی، لاؤڈ اسپیکر کا استعمال عام ہے، حالانکہ اس کا استعمال اسی صورت میں ہونا چاہیے جب اس کی ضرورت ہو، اور اس صورت میں بھی اس کا والیوم (Volume) یعنی آواز اس قدر بلند رکھنا چاہیے کہ تمام مصلیوں کو امام کی آواز سنائی دے، اس سے زیادہ نہیں، کیوں کہ صاحب درمختار علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام کیلئے ضرورت سے زیادہ بلند آواز میں قرآن پڑھنا بہتر نہیں ہے، جس مسجد میں امام کی آواز بآسانی تمام مصلیوں تک پہنچ جاتی ہے، وہاں لاؤڈ اسپیکر استعمال نہ کرنا بہتر ہے، کیوں کہ بسا اوقات درمیان نماز کسی تکنیکی خرابی کی وجہ سے اس کے شور وغل سے نمازیوں کے خشوع وخضوع میں خلل واقع ہوتا ہے، اور بلاضرورت اس کا تحمل غیر معقول ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔ (سورۃ الإسراء:۱۱۰)

مسئلہ (۲۸۲): اعلیٰ بات یہ ہے کہ نماز باجماعت سادہ طریقے پر سنت کے مطابق (بغیر لاؤڈ اسپیکر کے) ادا کی جائے، مجمع زیادہ ہو اور تکبیراتِ انتقالاتِ امام کی آواز سب تک نہ پہنچ سکے، تو مکبروں کا انتظام کیا جائے، ان کے لیے جگہ اور صف متعین کردی جائے، تاکہ تمام مصلیوں تک آواز پہنچ سکے، قرأتِ امام کی آواز سب تک پہنچنا ضروری نہیں ہے، **نیز** لاؤڈ اسپیکر کے خراب وغیرہ ہوجانے کی صورت میں بعض مفاسد بھی سامنے آتے ہیں، لیکن اگر مجمع کی کثرت کی وجہ سے لاؤڈ اسپیکر کے بغیر زیادہ انتشار ہونے کا اندیشہ ہو، تو وہاں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال یقیناً مناسب اور بہتر ہوگا، اور نماز کے بلاشبہ درست ہوجانے میں کوئی شبہ نہیں، کیوں کہ مائک سے جو آواز نکلتی ہے وہ متکلم کی آواز ہے، مائک اُسے محض بلند کرتا ہے، اکثر ماہرینِ فن کا اس پر اتفاق ہے، مگر اس صورت میں یہ باتیں ملحوظ رہنی چاہیے کہ لاؤڈ اسپیکر اعلیٰ قسم کا ہو کہ امام کو اس کی طرف منہ کرنے کی ضرورت نہ ہو، کہ توجہ الیٰ غیر اللہ مقصودِ صلوۃ کے منافی ہے، مکبرین کا مکمل انتظام ہو، تاکہ لاؤڈ اسپیکر فیل ہوجائے تو نماز میں گڑبڑ نہ ہو۔

(فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/ ۱۶۸، فتاویٰ عثمانی: ۱/ ۵۵۸، امداد الفتاویٰ: ۱/ ۶۷۰، جواہر الفقہ: ۵/ ۹۹)

سجدۂ تلاوت کا بیان

مسئلہ (۲۸۳): سجدۂ تلاوت کے صحیح ہونے کی شرائط وہی ہیں، جو نماز کے صحیح ہونے کی ہیں، یعنی طہارت، سترِ عورت، نیت اور استقبالِ قبلہ۔ تحریمہ اس میں شرط نہیں ہے، نیز جن چیزوں سے نماز فاسد ہوجاتی ہے ان چیزوں سے سجدۂ تلاوت بھی فاسد ہوجاتا ہے۔ **سجدۂ تلاوت** کا طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رو ہوکر نیت کرکے جہراً " الله اکبر " کہے اور سجدہ کرے، پھر اٹھتے وقت بھی " الله اکبر " کہہ کر اٹھے، سجدہ سے پہلے اور بعد میں سیدھا کھڑا ہونا مستحب ہے، آیت سجدہ اگر فرض نمازوں میں پڑھی جائے تو اس کے سجدے میں مثل نماز کے سجدہ کے " سبحان ربي الأعلى " کہنا بہتر ہے، اور نفل نمازوں میں یا خارج نماز میں اگر آیتِ سجدہ پڑھی جائے تو اس کے سجدہ میں اختیار ہے کہ " سبحان ربي الأعلى " کہیں، یا اور جو تسبیحات احادیث میں وارد ہوئی ہیں، وہ پڑھیں، جیسے: " سجد وجهي للذي خلقه وصوره وشق سمعه وبصره بحوله وقوته فتبارك الله أحسن الخالقين "۔ اور اگر دونوں کو جمع کرلیں تو اور بہتر ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: ص/۹۴)

مسئلہ (۲۸۴): اگر کوئی شخص آیتِ سجدہ تلاوت کرنے کے بعد فوراً، یا دو تین چھوٹی آیتیں تلاوت کرنے کے بعد رکوع میں چلا گیا، اور رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی تو سجدہ ادا ہوجائے گا، اور اگر رکوع میں نیت نہ کرے تو سجدے میں بغیر نیت کے بھی سجدۂ تلاوت ادا ہوجاتا ہے، لیکن اگر امام نے رکوع میں نیت کرلی اور مقتدیوں نے نہیں کی تو مقتدیوں کا سجدۂ تلاوت ادا نہیں ہوگا، بلکہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ تلاوت ادا کریں، پھر اپنے قعدۂ اخیرہ کا اعادہ کرکے سلام پھیر کر اپنی نماز مکمل

کریں، اگر قعدہ کا اعادہ نہ کیا تو نماز فاسد ہو جائیگی، لہٰذا امام کو چاہیے کہ رکوع میں نیت نہ کرے، اگر نیت کرنی ہو تو نماز شروع کرنے سے پہلے اعلان کردے کہ کس رکعت میں سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، اور وہ کہاں نیت کریگا، آیا رکوع میں، یا سجدے میں، تاکہ مقتدیوں کی نماز میں فساد پیدا نہ ہو، اور اگر رکوع میں نیت نہ کرے تو نماز کے سجدے میں بغیر نیت کے بھی دونوں کا سجدہ ادا ہو جائیگا۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۲/۵۸۶،۵۸۷)

مسئلہ (۲۸۵): اگر ٹی وی (TV) پر پروگرام براہِ راست (Telecast) نشر کیا جائے، تو اس کے ذریعہ آیتِ سجدہ سننے پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، اور اگر پہلے ویڈیو ریکارڈ (Video,Ricord) کیا جائے، پھر نشر کیا جائے تو سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا۔ (الدر مع الشامیۃ:۲/۵۷۵)

مسئلہ (۲۸۶): ٹی وی پر جو قرآن کریم کی تلاوت نشر کی جاتی ہے عام طور سے پہلے اس کو ریکارڈ کرلیا جاتا ہے، اور اس کے بعد ٹی وی (TV) پر نشر کیا جاتا ہے، تو اس صورت میں آیتِ سجدہ سننے والوں پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا، یہی حکم موبائل میں محفوظ آیتِ سجدہ کو سننے کا ہے، ہاں! اگر کسی پروگرام میں براہِ راست قاری کی آواز سنائی جارہی ہو، یا براہِ راست موبائل فون سے آیتِ سجدہ سنی جائے، تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔ (نفع المفتی والسائل المعروف بہ مجموعۃ المسائل:ص/۳۷۶)

مسئلہ (۲۸۷): آیتِ سجدہ ٹائپ کرنے والے (Type Writer) پر اسی طرح (Composer) کمپوزنگ کرنے والے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا، مگر یہ کہ وہ آیتِ سجدہ زبان سے پڑھے تو اس صورت میں سجدۂ تلاوت لازم ہوگا۔ (رد المحتار:۲/۵۷۵، نصب الرایۃ:۲/۱۷۸)

مسئلہ (۲۸۸): ا- اگر کسی قاری یا متکلم کی قرأت وآواز کو کسی آلہ میں محفوظ کرلیا گیا ہو تو اس میں آیتِ سجدہ کے سننے سے سجدۂ تلاوت لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ نقل اور عکس ہے، نیز ٹیپ ریکارڈ کا بھی یہی حکم ہے۔

۲- لیکن ریڈیو میں تقاضۂ احتیاط یہ ہے کہ آیتِ سجدہ سن کر سجدۂ تلاوت کیا جائے، بشرطیکہ اس سے اصل آواز براہِ راست سنائی دے رہی ہو، کوئی ریکاڈ کردہ آواز نہ ہو۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۱/۷۴۲)

مسئلہ (۲۸۹): اگر کوئی شخص کاغذ پر آیتِ سجدہ لکھے اور زبان سے اس کا تلفظ نہ کرے تو ایسے شخص پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا، کیوں کہ سجدۂ تلاوت کے وجوب کیلئے کلمۂ سجدہ کے ساتھ اکثر آیتِ سجدہ کا زبان سے پڑھنا یا سننا ضروری ہے، اور کتابت تلاوت نہیں ہے۔ (حلبی کبیر:ص/۵۰۰،۵۰۱)

مسئلہ (۲۹۰): اگر کسی شخص نے کسی سوئے ہوئے مکلّف آدمی سے آیتِ سجدہ سنی، تو اس سننے والے شخص پر سجدۂ تلاوت

واجب ہوگا۔ (الفتاویٰ التاتر خانیۃ:۱/۴۸۸)

مسئلہ (۲۹۱): کسی ایسے شخص نے جو نماز نہیں پڑھ رہا ہے آیتِ سجدہ تلاوت کی، اور نمازی نے اس کو سن لیا تو وہ نماز میں سجدۂ تلاوت ادا نہ کرے، بلکہ نماز سے فراغت کے بعد ادا کرے۔ (بدائع الصنائع:۱/۴۶۷)

مسئلہ (۲۹۲): اگر بچہ یا بچی آیتِ سجدہ کی تلاوت کرے، یا کسی دوسرے سے آیتِ سجدہ کو سن لے، تو ان پر سجدۂ تلاوت کا ادا کرنا ضروری نہیں ہے، کیوں کہ سجدۂ تلاوت کے واجب ہونے کے لیے اہلیتِ سجدہ ضروری ہے، اور بچہ یا بچی میں اس کی اہلیت نہیں ہے، لیکن اگر کوئی عاقل بالغ شخص آیتِ سجدہ کو کسی بچہ یا بچی سے سنے تو وجوبِ سجدہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ بچہ یا بچی سنِ شعور و تمیز کو پہنچ گئے ہیں، تو اس سننے والے شخص پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، ورنہ نہیں۔ (حاشیۃ الطحطاوی:ص/۴۸۴)

مسئلہ (۲۹۳): کوئی استاذ مختلف بچوں سے ایک ہی آیتِ سجدہ، ایک ہی مجلس میں سنے، تو استاذ پر ایک ہی سجدہ واجب ہوگا، اور اگر ایک ہی مجلس میں مختلف آیاتِ سجدہ سنے، تو جتنی آیاتِ سجدہ سنی اتنے سجدے واجب ہوں گے، اور اگر مجلس بدل جائے، تو جتنی مجلسیں ہوں اتنے سجدے واجب ہوں گے۔ (بدائع الصنائع:۱/۴۳۱)

سجدۂ سہو کا بیان

مسئلہ (۲۹۴): نماز میں کوئی واجب ترک ہوگیا ہو اور سجدۂ سہو نہ کیا گیا ہو یا جو نماز کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا ہوئی ہو وہ واجب الاعادہ ہے، مگر اعادہ کا یہ حکم وقت کے باقی رہنے تک ہی ہے، وقت کے نکل جانے پر اعادہ کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے، اب اس کی مکافات استغفار کے ذریعہ کی جائے گی، لیکن اگر وقت نکل جانے کے بعد اعادہ کرلیا جائے تو افضل ہے۔
(الدر مع الرد:۲/۴۵۵)

مسئلہ (۲۹۵): مسنون یہی ہے کہ سجدۂ سہو سلام کے بعد کیا جائے، اور یہی جمہور صحابہ سے منقول ہے، اور سجدۂ سہو کے بعد تشہد واجب ہے، کیوں کہ سجدۂ سہو کی وجہ سے پہلے پڑھا ہوا تشہد مرتفع ہوگیا، البتہ اگر سلام سے پہلے سجدۂ سہو کرلیا تو بھی جائز ہے، اور اس صورت میں اعادۂ تشہد واجب نہیں ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۱۶۴)

مسئلہ (۲۹۶): اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سجدۂ سہو نہیں کیا، تو اس کو چاہئے کہ اپنی نماز کے اخیر میں سجدۂ سہو کرلے۔
(المبسوط:۱/۳۹۰)

مسئلہ (۲۹۷): مسبوق جس کی کوئی رکعت چھوٹ گئی، اس پر سجدۂ سہو میں امام کی متابعت لازم ہے نہ کہ سلام میں، لہٰذا وہ اپنے امام کے ساتھ سجدۂ سہو تو کریگا مگر سلام نہیں پھیرے گا، اگر یہ جانتے ہوئے بھی کہ میری نماز ابھی باقی ہے، امام کے ساتھ

سلام پھیر دیا تو نماز فاسد ہوگی، اور اعادہ لازم ہوگا، اور اگر بھول کر سلام پھیر دیا تو نہ نماز فاسد ہوگی اور نہ ہی سجدۂ سہو لازم ہوگا۔
(بدائع الصنائع:۱/۶۰۷)

مسئلہ (۲۹۸): مسبوق جو اولِ صلوٰۃ یعنی نماز کے شروع میں امام کے ساتھ شریک نہیں تھا، آخر نماز میں امام کے ساتھ شریک ہوا، اور امام نے کسی واجب کے ترک پر سجدۂ سہو کیا تو مسبوق بھی امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے گا، اور امام کے سلام کے بعد اپنی چھوٹی ہوئی رکعتوں کی قضاء کرے گا، اور اگر مسبوق کو اپنی فوت شدہ رکعتوں کی ادائیگی کے دوران سہو ہو جائے تو اس کو دوبارہ سجدۂ سہو کرنا لازم ہوگا، پہلا سجدۂ سہو کافی نہیں ہوگا۔ (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید:۱/۲۸۱)

مسئلہ (۲۹۹): امام نے جب سلام پھیرا اور اس میں لفظ ''السلام'' کے میم پر پہنچا، اگر اسی وقت مسبوق کو یاد آ گیا اور وہ سلام پھیرنے سے رک گیا تب تو اس کے ذمہ سجدہ سہو نہیں، اور اگر اس کے بعد سلام پھیرا اور پھر یاد آ گیا تو اس کے ذمہ سجدہ سہو لازم ہے، اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز واجب الاعادہ ہے۔ (بدائع الصنائع:۱/۴۲۱)

مسئلہ (۳۰۰): اگر امام پر سجدۂ سہو واجب ہو اور وہ سجدۂ سہو کر کے قعدہ کی حالت میں ہو، اس درمیان کوئی مسبوق نیت باندھ کر امام کے ساتھ شریک ہو تو اس کی اقتداء درست ہوگی، اور اس پر سجدۂ سہو کی قضاء لازم نہیں ہوگی۔
(عمدۃ الرعایۃ علی ہامش شرح الوقایۃ:۱/۱۸۵)

مسئلہ (۳۰۱): اگر کوئی شخص بجائے فاتحہ کے التحیات، یا التحیات کے بجائے سورۂ فاتحہ پڑھ لے، تو دونوں صورتوں میں مصلی پر ترکِ واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (اعلاء السنن:۷/۱۸۴،۱۸۵)

مسئلہ (۳۰۲): اگر کوئی شخص فرض نماز کی پہلی یا دوسری رکعت میں، سورۂ فاتحہ پڑھنے سے پہلے بھول کر تشہد پڑھ لے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا، اور اگر سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد تشہد پڑھ لے تو ضمِ سورۃ یعنی سورت کے ملانے میں تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (اعلاء السنن:۷/۱۸۴،۱۸۵)

مسئلہ (۳۰۳): بعض دفعہ منفرد (تنہا نماز پڑھنے والا) یا امام سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد کچھ دیر سوچتا ہے کہ کونسی سورت پڑھے، اس کا یہ سوچنا اگر ایک رکن کے ادا کرنے یعنی تین مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے کے بقدر ہے، اور اس دوران وہ بالکل خاموش سوچتا رہا، نہ قرأت میں مشغول ہوا اور نہ ذکر و تسبیح میں، تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا، اور اگر اس کا سوچنا ایک رکن کی ادائیگی سے کم ہو تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔ (البحر الرائق:۲/۱۷۳)

مسئلہ (۳۰۴): اگر کوئی شخص نماز میں بھول کر سورۂ فاتحہ کو دوبار مسلسل پڑھ لے، تو ضمِ سورت یعنی سورت ملانے میں

تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا، اور اگر ضمِ سورت کے بعد سورۂ فاتحہ کا اعادہ کرے تو سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا، اس طرح فرض نماز کی اخیری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کو دو بار مسلسل پڑھ لے تو بھی سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔ (سنن نسائی:۱/ ۲۰۷)

مسئلہ (۳۰۵): سجدۂ سہو واجب ہونے کی صورت میں، سجدۂ سہو ادا کرنے کے بعد صرف درود شریف اور دعاء ماثورہ پڑھنا کافی نہیں، بلکہ التحیات کا پڑھنا اور سلام کا پھیرنا دونوں واجب ہیں، کیوں کہ پہلے پڑھی ہوئی التحیات کا اعتبار سجدۂ سہو کی وجہ سے ساقط ہوگیا، اب اگر کوئی شخص بعد از سجدۂ سہو التحیات نہ پڑھے، تو نماز تو صحیح ہوگی مگر ترکِ تشہد (واجب) کی وجہ سے واجب الاعادہ ہوگی۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ:۲/ ۵۴۱)

مسئلہ (۳۰۶): اگر کسی شخص نے قعدۂ اخیرہ میں تشہد کو مکرر پڑھا تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا، کیوں کہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف اور دعاء ماثور ہے، اور دعائیں بھی متعدد ہوا رد ہوئی ہیں، اس لئے طویل دعاؤں اور تکرار تشہد سے ایسی تاخیر نہیں ہوتی جس سے سجدۂ سہو لازم آئے، البتہ قعدۂ اولیٰ میں تکرارِ تشہد سے تیسری رکعت کے قیام میں تاخیر ہوتی ہے، اس لئے اس میں تکرار تشہد سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (البحر الرائق:۲/ ۱۷۲)

مسئلہ (۳۰۷): کسی شخص کو نماز میں سہو ہوا، لیکن اس نے دو سجدوں کے بجائے ایک ہی سجدہ کیا تو یہ کافی نہیں ہوگا، کیوں کہ سہو میں دو سجدے کرنا ضروری ہے، لہٰذا نماز ناقص ادا ہونے کی وجہ سے واجب الاعادہ ہوگی، ایسی صورت میں اگر نمازیوں کے منتشر ہونے سے پہلے یاد آجائے تو اعادۂ صلوٰۃ با جماعت ضروری ہے، ورنہ علیحدہ علیحدہ ادا کرلیں۔ (الدر مع الرد:۲/ ۱۴۷، ۱۴۸)

مسئلہ (۳۰۸): اگر امام رکوع سے سر اٹھاتے وقت بجائے "سمع اللہ لمن حمدہ" کہنے کے "اللہ أکبر" کہے، یا سجدہ میں جاتے وقت بجائے "اللہ أکبر" کہنے کے "سمع اللہ لمن حمدہ" کہے تو سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ تکبیراتِ انتقال سننِ صلوٰۃ میں سے ہے، اور سجدۂ سہو کا وجوب ترکِ واجب، یا تاخیرِ واجب، یا تاخیرِ رکن سے ہوتا ہے۔
(سنن نسائی:۱/ ۲۰۷، رقم الحدیث:۵۹۴)

مسئلہ (۳۰۹): اگر کسی شخص کو دورانِ نماز کسی رکن کے ادا کرنے یا ادا نہ کرنے میں شک ہو، اور وہ ایک رکن ادا کرنے یعنی تین مرتبہ "سبحان اللہ" پڑھنے کے بقدر سوچتا ہی رہے، نہ قرأت میں مشغول ہوا اور نہ ذکر وتسبیح میں، تو اس صورت میں اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا، اور اگر سوچنے کے دوران نماز بھی پڑھتا رہا تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۲/ ۵۶۲)

مسئلہ (۳۱۰): اگر کسی شخص کو قعدۂ اخیرہ کے بعد رکعت چھوٹ جانے کا غالب گمان ہو، اور وہ اس رکعت کو ادا کرنے کیلئے سلام پھیرنے سے قبل یا سلام پھیرنے کے بعد متصلاً کھڑا ہو جائے، اور پھر اس کو یاد آئے کہ میں نماز مکمل پڑھ چکا ہوں تو یہ شخص

فوراً بیٹھ کر سلام پھیرے، اور اگر کھڑے ہونے کی حالت میں سلام پھیر دے تو بھی جائز ہے مگر خلافِ سنت ہے۔
(الدر المختار مع الشامیۃ: ۲/۵۵۳)

مسئلہ (۳۱۱): اگر کوئی شخص نمازِ وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنا بھول جائے، اور رکوع میں جانے کے بعد یاد آئے تو اب اس کو رکوع چھوڑ کر کھڑے ہو کر، یا رکوع ہی میں دعائے قنوت پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ نماز پوری کر لے اور ترکِ واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو کر لے۔ (حاشیۃ الطحطاوی: ص/۲۵۰)

مسئلہ (۳۱۲): اگر امام عشاء کی نماز میں قعدۂ اولیٰ پر بیٹھنے کے بجائے پوری طرح تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے، اب پیچھے سے کوئی مقتدی اسے لقمہ دے تو اسے چاہئے کہ وہ قعدہ میں نہ بیٹھے، کیوں کہ بیٹھنے کی صورت میں بعض فقہاء کرام نے فسادِ نماز کا حکم لگایا ہے، لیکن اگر بیٹھ گیا پھر تیسری اور چوتھی رکعت مکمل کر لی اور آخر میں سجدۂ سہو بھی کر لیا، تو اصح قول کے مطابق نماز صحیح ہو جائیگی۔ (الدر مع الرد: ۲/۴۷۸)

مسئلہ (۳۱۳): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ چار یا تین رکعت والی فرض نماز کی اخیری رکعتوں میں سورت ملانے سے، رکوع میں تاخیر ہونے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، جب کہ یہ خیال درست نہیں ہے، کیوں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اخیر کی دو یا ایک رکعت میں سورت ملانے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا ہے، یہی ظاہر روایت ہے، کیوں کہ اخیر کی رکعتوں میں بلا کسی تعیین کے قرأت مشروع ہے، نیز اخیر کی رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پر اکتفاء کرنا مسنون ہے، اور سورت ملانا خلافِ سنت ہے، اور سجدۂ سہو ترکِ واجب سے لازم ہوتا ہے۔ (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید: ۱/۲۱۰)

مسئلہ (۳۱۴): اگر امام بھول کی وجہ سے رکوع یا سجدہ میں جانے کی تکبیر جہراً کہنے کی بجائے سراً کہہ کر رکوع یا سجدہ میں چلا جائے، تو اِس سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ امام کا تکبیراتِ انتقال کو بآوازِ بلند کہنا سنت ہے، اور ترکِ سنت سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا۔ (التنویر و شرحہ مع الشامیۃ: ۲/۱۷۱)

مسئلہ (۳۱۵): اگر امام سری نماز مثلاً ظہر یا عصر میں بھول کر بلند آواز سے قرأت شروع کر دے، اور مقتدیوں کے لقمہ دینے یا خود کو یاد آنے پر خاموش ہو جائے، تو اگر تین آیتوں سے کم قرأت کی تھی، تو سجدۂ سہو واجب نہیں، اور اگر تین آیتوں یا اس کی مقدار قرأت کی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، خواہ یہ تین آیتیں سورۂ فاتحہ کی ہو یا ضم سورہ کی۔ (حلبی کبیر: ص/۴۵۷)

سجدۂ شکر کا بیان

مسئلہ (۳۱۶): انسان کو جب کوئی نعمت حاصل ہو، یا کوئی خوشخبری ملے، یا کوئی مصیبت ٹل جائے تو اس کے لیے مفتیٰ بہ

قول کے مطابق سجدۂ شکر کرنا مستحب ہے، لیکن نماز کے بعد متصلاً اور نماز کے بعد جس وقت میں نفل پڑھنا مکروہ ہے، اس وقت میں سجدۂ شکر ادا کرنا بالاتفاق مکروہ ہے، کیوں کہ ناخواندہ لوگ اس کو واجب یا مسنون اعتقاد کریں گے، اور ہر ایسا امرِ مباح و جائز جو اس اعتقاد کی طرف مؤدی ہو وہ مکروہ ہے۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۲/ ۵۹۷، ۵۹۸)

مسئلہ (۳۱۷): بسا اوقات کرکٹ کھیلنے والوں کی ایک ٹیم جیت جاتی ہے تو وہ سجدۂ شکر بجالاتے ہیں، اسی طرح دیگر لوگ تالیاں بجا کر ان کی اس خوشی میں شریک ہوتے ہیں، جبکہ کرکٹ کھیلنا خود تضییعِ اوقات اور دیگر مفاسد کی وجہ سے فعلِ مکروہ ہے، جس پر سجدۂ شکر نہیں بلکہ استغفار کی ضرورت ہے، اور لوگوں کا تالیاں بجا کر ان کی خوشی میں شرکت، یہ بھی درست نہیں، کیوں تالیاں بجانا کفار و فجار کی عادت اور ان کے ساتھ مشابہت میں داخل ہے، اور شرعاً ہمیں کفار و فجار کی عادتوں اور ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (تفسیر النسفی لأبی البرکات:۱/ ۶۴۳، ۶۴۴)

مسئلہ (۳۱۸): عام حالات میں دعا کے لیے سجدہ جائز ہے، مگر اس کا التزام بدعت ہے، اور نماز کے بعد متصلاً چونکہ سجدۂ تلاوت بھی مکروہِ تحریمی ہے، اس لیے نماز کے بعد متصلاً سجدہ میں جا کر دعا مانگنا مکروہ ہوگا۔ (حلبی کبیر:ص/ ۵۶۹)

آدابِ سفر کا بیان

مسئلہ (۳۱۹): جب سفر کا ارادہ ہو تو اپنے میں سے کسی با اخلاق اور علم و عقل میں بڑھے ہوئے شخص کو امیر بنالے، امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لوگوں کی آراء، منزلوں، راستوں اور سفر کی مصلحتوں میں مختلف ہوتی ہیں، کسی کو امیر بنائے بغیر نظام سفر برقرار نہیں رہ سکتا ہے، اِکائی میں نظام ہے اور کثرت میں فساد ہے''، اس لئے کسی ایک کو امیر بنالیں۔ (سنن ابی داود:ص/ ۳۵۱)

مسئلہ (۳۲۰): جب مسلمان سفر کا ارادہ کرے تو اپنے لئے ایسے رفقائے سفر کا انتخاب کرے جو نیکی کے کاموں میں اس کے مددگار رہوں، اور برے کاموں سے روکنے والے ثابت ہوں۔ (صحیح البخاری:۱/ ۴۲۱)

مسئلہ (۳۲۱): جب مسلمان سفر کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے اس پر واجب ہے کہ اپنے ذمہ لازم قرض اور دیگر حقوق کو ادا کرے، نہ یہ کہ سفر میں جاتے ہوئے مزید قرض کا بوجھ اپنے اوپر لادے، جیسا کہ آج کل عموماً کیا جاتا ہے، نیز مسافر کیلئے مستحب ہے کہ اپنے گھر والوں کو اور اپنے دوستوں کو الوداع کہہ کر جائے، چپکے چپکے سفر میں نہ نکل جائے، کیوں کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، چنانچہ آپ ﷺ مسافر کو یہ دعا دے کر رخصت فرماتے تھے: '' استودع اللہ دینک و أمانتک و خواتیم عملک ''۔ (سنن أبی داود:ص/ ۳۵۰)

مسئلہ (۳۲۲): جس ضرورت و مقصد سے سفر کیا جائے اس کے پورا ہونے پر اپنے گھر والوں کی طرف جلد لوٹ آنا

مستحب ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: " السفر قطعة من العذاب يمنع أحدكم طعامه وشرابه ونومه ، فإذا قضى نهمته من سفره فليعجل إلى أهله". "سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے تم میں سے کسی کو اس کے کھانے پینے سونے سے روکتا ہے، جب وہ اپنے سفر کی غرض کو پورا کرلے تو جلد گھر لوٹ آئے"- آپ ﷺ نے جلد لوٹ آنے کا حکم اس لئے فرمایا کہ گھر والوں کے ساتھ رہنا صلاحِ دین و دنیا اور قوت علی العبادۃ میں معاون و مددگار رہے۔ **طلبۂ** مدارسِ دینیہ کیلئے تعطیلات کے ختم ہونے پر فوراً مدرسہ لوٹ آنے میں صلاحِ دین ہے، اس لئے ان کے لیے بھی لوٹ آنا مستحب ہوگا، اور بسا اوقات امر مستحب و مباح جبکہ اس کا مقصد واجب ہو، واجب ہو جاتا ہے، اور ہم اور آپ بخوبی جانتے ہیں کہ طلبِ علم دین ہر مسلمان پر فرض ہے، اس لئے جلد لوٹ کر آنا بھی واجب ہونا چاہیے۔ (صحیح مسلم:۲/۱۴۴)

مسئلہ (۳۲۳): جب مسافر اپنے سفر سے لوٹ رہا ہو، تو اپنے مقام سے قریب پہنچنے پر گھر والوں کو اپنی آمد سے مطلع کرنا اس کیلئے مستحب ہے، تاکہ گھر والوں کے حق میں اس کی آمد اچانک نہ ہو، آپ ﷺ نے آدمی کو اس بات سے منع فرمایا کہ وہ رات کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس آئے، موجودہ زمانے میں مواصلاتی نظام نے کافی ترقی کرلی ہے، اس لئے موبائل فون وغیرہ کے ذریعہ سے اپنے آمد کی اطلاع دے کر اس استحباب پر عمل کرنا بڑا آسان ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۲۴۲)

مسئلہ (۳۲۴): آپ ﷺ جب سفر کیلئے نکلتے تو سواری پر سوار ہو کر تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے، پھر سفر کی دعا: " سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ ، وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ " پڑھتے، پھر " اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى ، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهُ ، اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِيْ السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الأَهْلِ ، اللهم إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنْ وعثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ المَنْظَر وسُوءِ المنقلب فِي المَال والأهل " پڑھا کرتے تھے، اور جب سفر سے واپس ہوتے تو یہی کلمات پڑھا کرتے اور اس پر ان کلمات کا اضافہ فرماتے: "آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون"، اور گھر جانے سے پہلے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتے، اس لئے اس دعا کا پڑھنا اور گھر جانے سے پہلے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنا سنت ہے، نیز مسافر کو بحالت سفر نمازوں، دعا اور رجوع الی اللہ کا پورا اہتمام والتزام کرنا چاہیے، اپنے لئے اور اپنے مسلمان بھائیوں کیلئے دنیا و آخرت کی بھلائی مانگنا چاہیے، کیوں کہ مسافر کی دعاء قبول ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۴۳۴)

مسافر کی نماز کا بیان

مسئلہ (۳۲۵): ہر سفر سے وطنِ اقامت باطل نہیں ہوتا، بلکہ جس سفر سے وطنِ اقامت باطل ہو جاتا ہے، اس کا سفرِ شرعی ہونا ضروری ہے، جس کی مسافت موجودہ زمانے میں تقریباً ساڑھے ستتر "۷۷،۱/۲" کلومیٹر ہے۔ (العنایۃ شرح الہدایۃ:۱/۴۲۶)

مسئلہ (۳۲۶): **(الف)** جو آدمی اپنے گھر سے اپنے شہر کے اندر ہی کسی مقام پر جانے کے لیے نکلے، تو خواہ وہ کتنی ہی لمبی مسافت طے کرے، اگر اس کا ارادہ شہر کے اندر ہی اندر رہنے کا ہے تو وہ شرعاً مسافر شمار نہیں کیا جائیگا، اور اس کے لیے سفر کی وہ رخصتیں نہیں ہوں گی جو مسافتِ شرعی کے سفر سے متعلق ہیں۔

(ب) جو آدمی اپنی آبادی و شہر سے باہر سفرِ شرعی کے ارادے سے نکلے، وہی شرعاً نماز میں قصر اور رمضان المبارک میں روزہ توڑنے کی اجازت کے مسئلہ میں مسافر ہوگا۔

(ج) چھوٹے شہروں میں مسافتِ شرعی کا حساب اسی جگہ سے ہوگا جہاں شہر ختم ہوا ہے، یعنی شہر ختم ہونے کے بعد ۴۸ میل کا سفر کیا جائے تبھی وہ مسافر ہوگا۔

(د) بڑے شہروں میں، جن کی آبادی میلوں تک پھیل گئی ہے، مسافتِ شرعی کا شمار کس مقام سے ہوگا؟ اس میں دو نقطۂ نظر ہیں، زیادہ حضرات کی رائے ہے کہ جہاں شہر ختم ہوتا ہے وہیں سے ۴۸ میل کی مسافت شمار کی جائیگی، دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جس محلّہ سے سفر شروع ہوا ہے وہیں سے مسافت کا شمار ہوگا، البتہ اس پر سبھوں کا اتفاق ہے کہ نماز میں قصر کا حکم شہر سے باہر نکلنے کے بعد ہی شروع ہوگا، اور اسی طرح واپس ہوتے وقت شہر میں داخل ہونے سے پہلے پہلے تک ہی قصر کرنا درست ہوگا۔

(البحر الرائق: ۲/۲۳۳)

مسئلہ (۳۲۷): اگر کسی مسافر امام نے چار رکعت نماز پڑھائی، تو مسافر امام کے حق میں آخری دو رکعت نفل رہیں گی، جب کہ مقیم مقتدیوں کی پوری نماز فرض ہے، لہٰذا مفترض یعنی فرض ادا کرنے والے کی اقتداء متنفل یعنی نفل ادا کرنے والے کے پیچھے لازم آنے کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز فاسد ہوجائیگی اور اعادہ ضروری ہوگا۔ (منحۃ الخالق علی البحر: ۲/ ۲۳۸، خلاصۃ الفتاوی: ۱/۲۰۲)

مسئلہ (۳۲۸): اگر مسافر شخص مقیم امام کے ساتھ چار رکعت والی وقتیہ نماز کی تیسری رکعت میں شریک ہوا، تو امام کے ساتھ سلام نہیں پھیرے گا، بلکہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مزید دو رکعت اور پڑھ کر اتمام کرے گا، کیوں کہ جس طرح مسافر پر اقامت کی نیت سے اتمام لازم ہوتا ہے، اسی طرح مقیم کی وقتیہ نماز میں اقتداء کرنے سے بھی اتمام لازم ہوجاتا ہے۔

(الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید: ۱/۳۱۴)

مسئلہ (۳۲۹): اگر کسی شخص کا وطنِ اصلی سے صرف گزر ہو، قیام نہ ہو، تو وہ دورانِ سفر قصر کرے اور وطن میں اتمام۔

(بدائع الصنائع: ۱/ ۲۷۹)

مسئلہ (۳۳۰): اگر کسی مقام کی مسافت، ریل اور بس سے سفر کرنے میں مختلف ہو، یعنی بس کے ذریعہ مسافتِ شرعی، جس کے متعلق ہمارے اکابر کا اختلاف ہے، کہ بعض نے ۴۸ر میل شرعی = ۷۷ر کلومیٹر ۸۲۷ر میٹر ۴۰ر سینٹی میٹر کہا ہے، اور بعض

نے ۴۸ رمیل انگریزی = ۷۷ رکلومیٹر ۲۴۸ رمیٹر ۵۱ رسینٹی میٹر، ۲ رملی میٹر، یعنی تقریباً سوا ستہتر (77.1/4-K.M.) کلومیٹر کہا ہے، سے کم ہو، اور ریل کے ذریعہ مسافت شرعی کی بقدر یا اس سے زائد ہو، یا اس کے برعکس ہو، تو جس راہ سے سفر کیا جائیگا قصر و اتمام میں اسی کا اعتبار ہوگا۔ (فتاوی ہندیہ: ۱/ ۱۳۸)

مسئلہ (۳۳۱): **(الف)** اگر کسی شخص کا سسرال اس کے وطن سے مسافتِ شرعی کی بقدر دور نہ ہو، تو وہ نماز میں اتمام یعنی پوری نماز پڑھے گا۔

(ب) اگر سسرال مسافتِ شرعی کی دوری پر ہو، اور بیوی بچوں کے ساتھ وہاں قیام پذیر نہ ہو تو یہ اس کا وطنِ اقامت ہوگا، پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت ہے تو نماز پوری پڑھے، ورنہ قصر کرے (یعنی چار رکعت والی نماز کو دو رکعت پڑھے)، بشرطیکہ مقیم امام کی اقتدا نہ کی ہو، ورنہ مقیم امام کی متابعت کی وجہ سے نماز پوری پڑھنی ہوگی۔ (الفتاوی الہندیۃ: ۱/ ۱۳۹)

نوٹ:- سفرِ شرعی کی مسافت کم از کم ۴۸ رمیل ہے، اگر اس سے (یعنی ۴۸ میل سے) کم کا سفر ہو تو وہ شرعی سفر نہیں ہوگا۔

مسئلہ (۳۳۲): کھانے پینے کی طرح رہائش انسان کی بنیادی ضرورت ہے فرمانِ خداوندی ہے: ﴿**واللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا**﴾ –اللہ نے تمہارے گھر تمہاری رہنے کی جگہ بنائی۔ [سورۃ النحل: ۸۰] اسی لیے انسان اپنی اور اپنے اہل وعیال کی رہائش کے لیے جس جگہ مکان بناتا ہے اور اس میں رہائش اختیار کرتا ہے اس کو فقہاء کرام اس کا وطنِ اصلی قرار دیتے ہیں، جس طرح وطنِ اصلی اور مستقل قیام گاہ انسان کی ضرورت ہے اسی طرح سفر اور نقل وحرکت بھی اسکی ضروت ہے، اس لیے شریعت نے سفر وحضر کے احکام الگ الگ رکھے ہیں۔ فقہاءعظام نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ کو سامنے رکھتے ہوئے وطن کی تین قسمیں بیان فرمائی ہے: (۱) وطنِ اصلی۔ (۲) وطنِ اقامت۔ (۳) وطنِ سکنی؛...... **وطنِ اصلی**: وہ جگہ ہے جہاں انسان کی پیدائش ہو، یا وہ شہر ہے جس میں اس نے شادی کی ہو۔ **وطنِ اقامت**: وہ جگہ ہے جہاں مسافر نے پندرہ دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت کی ہو۔ **وطنِ سکنی**: وہ جگہ ہے جہاں مسافر نے پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی ہو۔

(فتاوی ھندیۃ: ۱/ ۱۴۲، بدائع الصنائع: ۱/ ۲۸۰)

مسئلہ (۳۳۳): بعض لوگ ملازمت وغیرہ کیلئے اپنے وطنِ اصلی سے تعلق رکھتے ہوئے کسی اور جگہ اقامت اختیار کر لیتے ہیں، اور ان کا سال کا زیادہ تر حصہ اسی جائے قیام پر گزرتا ہے، عید، بقرعید، یا طویل تعطیلات میں ہی وہ اپنے وطنِ اصلی جاتے ہیں، اگر اس طرح کے لوگ جائے ملازمت میں اپنا ذاتی مکان بنالیں اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ وہاں رہائش پذیر ہوں، اور اس جگہ مستقلاً رہنے کا عزمِ مصمم کرلیں تو یہ جگہ ان کے لئے وطنِ اصلی ہے۔ (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۸۰)

مسئلہ (۳۳۴): جن لوگوں نے جائے ملازمت میں ذاتی مکان نہ بنایا ہو، کرایہ کے مکان یاادارہ وکمپنی کی طرف سے دیئے گئے مکان میں اہل عیال کے ساتھ رہتے ہوں ،اور مستقلاً رہنے کا عزم بھی ہو، نیز ان کی حالت وپوزیشن (Possession) کچھ ایسی ہو کہ اس عزم وارادہ کے منافی ومخالف نہ ہوتو یہ جگہ ان کیلئے وطنِ اصلی ہوگی ،اورانہیں وہاں نمازیں پوری پڑھنی ہوگی۔ (الدرمع الشامیۃ:۲/۶۰۹)

مسئلہ (۳۳۵): اگرکوئی آدمی جائے ملازمت میں تنہارہ رہا ہو، بال بچے ساتھ نہ ہوں اور مکان بھی ذاتی نہ ہو،اوراس جگہ مستقلاً رہنے کا عزمِ مصمم ہواوراس کی حالت اس عزم کے منافی ومخالف نہ ہوتو یہ جگہ اس کے لیے وطنِ اصلی ہوگی ،اوروہ وہاں نمازیں پوری پڑھے گا،جیسا کہ وطنِ اصلی کی اس تعریف سے مفہوم ہوتا ہے۔ (ردالمحتار:۲/۶۰۹)

مسئلہ (۳۳۶): **(الف)** جائے ملازمت وتجارت میں طویل اقامت کے ساتھ ذاتی مکان بھی بنالینادائمی قیام کی نیت پردلالت کرتا ہے،اس لیے مذکورہ جگہ وطنِ اصلی شمار کی جائیگی ،کیوں کہ وطنِ اصلی میں تعدد ہوسکتا ہے،اس لیے وہاں چاررکعت والی نماز پوری کی جائیگی ۔**(ب)** جائے ملازمت وتجارت میں ذاتی مکان تونہیں بنایا، بلکہ کرایہ کے مکان یاادارہ وکمپنی کے فراہم کردہ مکان میں اہل وعیال کے ساتھ مستقل قیام کی نیت سے رہائش پذیر ہے،تواس جگہ کووطنِ اصلی کاحکم حاصل ہوگا، اوروہاں ہرحال میں اتمام کرے گا۔ (بدائع الصنائع:۱/۴۹۸)

مسئلہ (۳۳۷): ہم میں سے جس طالب علم یامعلم/استاذ کاوطن ساڑھے ستہتر''۷۷/۲/۱''کلومیٹر کی دوری پرواقع ہے، وہ اب دوبارہ جامعہ میں حاضر ہوا،اور پندرہ روز یااس سے زائد یہاں ٹھہرنے کا قصد وارادہ ہےتو اسے نمازیں پوری پڑھنی ہوگی ،کیوں کہ یہ اس کا وطنِ اقامت ہے۔اتنی بات یادرہے کہ کوئی بھی مقام اسی وقت وطنِ اقامت قرارپاتا ہے،جب کہ وہاں اقامت کی نیت کی ہوورنہ نہیں۔ (شامی:۲/۶۱۴)

مسئلہ (۳۳۸): فرائضِ اسلام میں نمازایک اہم ترین فرض ہے، جو ہر مسلمان مردوعورت،عاقل وبالغ پرفرض ہے، خواہ وہ صحیح ہویامریض،مقیم ہویامسافر،اس لئے بحالتِ سفراس بات کی پوری کوشش کرناواجب ہے کہ کوئی نماز نہ چھوٹے اورنہ قضاہو،کیوں کہ نماز کوجان بوجھ کرچھوڑنایاقضاکرناشرعاً گناہِ کبیرہ ہے۔ (الدرالمختارمع الشامیۃ:۲/۵۱۸)

مسئلہ (۳۳۹): اگرمسافر برسرِ سفر ہے،کسی جگہ نماز کے لئے ہی ٹھہرا ہے،اورسنن میں مشغول ہونے سے گاڑی کی آمد وروانگی کے وقت ہجوم کی وجہ سے گاڑی میں چڑھنا،اوراپنی سیٹ تک پہنچنادشوارہو،یاگاڑی چھوٹ جانے کااندیشہ ہو،یاکوئی اور عجلت درپیش ہوتوسنتیں پڑھنے کی ضرورت وتاکیدنہیں ہے،صرف فرض پراکتفاکرے،لیکن اگراپنی پرائیویٹ گاڑی سے سفرکررہا

ہو اور کسی قسم کی عجلت بھی نہ ہو تو سنن پڑھنا افضل ہے، اور یہی قول راجح ہے۔ (الدر المختار مع الشامیۃ: ۲/۶۱۳)

نوٹ:- سنتیں جب بھی پڑھی جائیں گی تو پوری پڑھی جائیں گی، ان میں قصر نہ ہوگا۔

مسئلہ (۳۴۰): جن طلباء یا اساتذہ کا وطن ساڑھے ستہتر "۲/۱: ۷۷" کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، اور دورانِ سفر ان کی نمازیں قضاء ہوگئی ہوں تو وہ جامعہ میں آکر اپنی دورانِ سفر چھوٹی ہوئی نمازوں کو قصر کے ساتھ پڑھیں گے، اور اگر کوئی عین سورج غروب ہونے کے وقت، سفر سے واپس ہوکر اپنے وطنِ اقامت (جامعہ) میں داخل ہوا تو قصر کریگا، ورنہ اتمام کرے گا۔
(الدر المختار مع الشامیۃ: ۲/ ۶۱۸)

مسئلہ (۳۴۱): جامعہ کی حیثیت طلباء کے لئے وطنِ اقامت کی ہے، اگر کوئی طالب علم جامعہ میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ رہنے کی نیت کرے تو نماز پوری ادا کرنی ہوگی، اور اگر پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہ کی تو وہ شرعاً مسافر ہی ہے، اور اگر کوئی طالب علم جامعہ سے ساڑھے ستہتر "۲/۱/ ۷۷" کلومیٹر، یا اس سے زائد اپنے وطنِ اصلی یا کسی اور مقام کی طرف سفر کرتا ہے تو وہ شرعاً مسافر ہوگا، اور دورانِ سفر چار رکعت والی نماز میں قصر کرے گا، جب وطن پہنچ جائے یا کسی اور مقام پر پندرہ روز اقامت کی نیت کرے تو وہ مقیم ہوگا، اب وہ نمازیں قصر نہیں کرے گا بلکہ پوری پڑھے گا۔ (التنویر مع الدر والرد: ۲/۶۰۳، ۶۰۶)

مسئلہ (۳۴۲): جناب نبی کریم ﷺ کے عہدِ مبارک اور اس کے بعد کے ادوار میں، منیٰ کی آبادی مکہ مکرمہ کی آبادی سے بالکل الگ اور خاصے فاصلے پر تھی، مکہ معظّمہ اور منیٰ کو دو الگ الگ آبادیاں شمار کیا جاتا تھا، اس لیے اگر کوئی شخص مکہ اور منیٰ دونوں میں ملا کر پندرہ ایام کے قیام کی نیت کرتا تھا تو بھی اس پر مسافر کے احکام جاری ہوتے تھے، اور وہ مقیم کی امامت میں نماز ادا نہ کرنے کی صورت میں قصر کرتا تھا، مگر اب صورتِ حال بدل چکی، مکہ مکرمہ کی آبادی بڑھتے بڑھتے منیٰ تک ہی نہیں بلکہ اس سے آگے پہنچ چکی، اور منیٰ سرکاری طور پر بھی بلدیہ مکہ مکرمہ کا حصہ بن چکا ہے، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے ایک خط کے جواب میں امام وخطیبِ مسجدِ حرام، الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل فرماتے ہیں: "دورِ حاضر میں شہر منیٰ مکہ مکرمہ کا ایک حصہ بن چکا ہے، اور مکہ مکرمہ کی آبادی نے نہ صرف اس کا احاطہ کیا بلکہ وہ حدودِ عرفہ تک بڑھ چکی، اسی بنا پر منیٰ مکہ مکرمہ کے محلوں میں داخل ہو چکا، اور منیٰ جانے والا شخص مسافر شمار نہیں ہوتا، اور نہ حاجی کے لیے قصر جائز ہے، اور نہ منیٰ میں جمع بین الصلوٰتین جائز ہے (ان علماء کے قول کے مطابق جو اس کے قائل ہیں)، کیوں کہ منیٰ میں قصر کی علت سفر ہے، اور منیٰ میں جانے والا شخص حدودِ مکہ سے نکلا ہی نہیں، نیز سعودی حکومت منیٰ کو شہر معظم مکہ مکرمہ کا ایک محلّہ ہی گردانتی ہے، اور منیٰ میں تعمیرات سے روکنا مصلحتِ عامہ کی خاطر ہے۔" (امام وخطیب مسجد حرام کی تحریر)...... **شیخ** کی اس تحریر سے معلوم ہو رہا ہے کہ مکہ مکرمہ اور منیٰ

دونوں بلدِ واحد (ایک شہر) کے حکم میں ہیں، اس لیے حاجی ان دونوں مقاموں کے قیام میں پندرہ دنوں کی نیت کرے تو قصر نہیں بلکہ اتمام کرے گا، جیسے کوئی شخص کسی بڑے شہر کے دو مقاموں میں پندرہ روز کے قیام کی نیت کرے تو وہ مقیم کہلائے گا اور نمازوں میں اتمام کرے گا۔...... **فقہاء** کرام نے اتمام سے جو منع فرمایا تھا، اسکی وجہ اور علت ماضی بعید میں مکہ اور منیٰ دونوں کی آبادیوں کا الگ الگ ہونا تھا، جواب ختم ہو چکی ہے، اور جب علتِ منع ختم ہو چکی تو ممنوع بھی ختم ہوگا، قاعدۂ مسلمہ ہے: " إذا زال المانع عاد الأصل " (جب مانع ختم ہو تو اصل لوٹ آئیگا)، اور قیام کی حالت میں اصل اِتمام ہے۔

صاحب البحر الرائق، کنز الدقائق کے متن " لا بمكة ومنىٰ " کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " ماتنِ کنز الدقائق نے " لا بمكة ومنى " میں دو شہروں کی قید اس لیے لگائی کہ اگر دو ایسے مقام جو اقامت کی صلاحیت رکھتے ہوں، میں کوئی شخص پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرے تو وہ مقیم نہیں ہوگا، اس میں اس سے احتراز مقصود ہے کہ اگر ایک ہی شہر کے دو مقاموں، یا ایک ہی گاؤں کے دو مقاموں میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرے تو یہ نیتِ اقامت صحیح ہوگی، کیوں کہ ایک شہر کے دو مقام یا ایک گاؤں کے دو مقام حکماً ایک ہی ہیں۔" (البحر الرائق:۲/۲۳۳)...... **دورِ** حاضر میں چوں کہ مکہ اور منیٰ ایک ہی شہر شمار ہو رہے ہیں، اس لئے اگر حاجی دونوں مقاموں کے قیام کو ملا کر پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرتا ہے تو وہ مقیم ہوگا، اور اپنی نمازیں پوری پڑھے گا قصر نہیں کرے گا۔

مسئلہ (۳۴۳): جو جماعت مسافتِ شرعی یعنی ستہتر (۷۷) کلومیٹر ۲۴۸/میٹر، ۵۱/سینٹی میٹر، ۲/ملی میٹر، یعنی تقریباً ساڑھے ستہتر کلومیٹر طے کر کے کسی مقام پر پہنچی، اور ذمہ دارانِ مرکز نے انہیں پندرہ دن قیام کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی جماعت کے ہر ساتھی نے پندرہ دن قیام کی نیت کی تو وہ (جماعت) اس مقام پر قصر ہی کریگی، اگر چہ یہ احتمال ہو کہ ذمہ داران کی طرف سے پندرہ روز قیام کا حکم مل سکتا ہے۔ (ہدایہ:۱/۱۴۶)

مسئلہ (۳۴۴): جو جماعتیں مسافتِ شرعی یعنی ستہتر (۷۷) کلومیٹر ۲۴۸/میٹر، ۵۱/سینٹی میٹر، ۲/ملی میٹر، یعنی تقریباً ساڑھے ستہتر کلومیٹر طے کر کے کسی مقام پر پہونچے، اور ذمہ دارانِ مرکز نے ان کے پہونچتے ہی بتلا دیا کہ آپ حضرات کو پندرہ دن یا اس سے زیادہ یہیں رہ کر کام کرنا ہے، اور جماعت کے ہر ساتھی نے وہاں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کی، تو اب یہ جماعت نماز پوری پڑھے گی قصر نہیں کریگی، اگر چہ یہ احتمال ہو کہ پندرہ دن سے کم پر ہی یہاں سے کسی اور مقام پر بھیج دیا جا سکتا ہے۔ (ہدایہ:۱/۱۴۶)

مسئلہ (۳۴۵): بعض لوگ سفر سے اپنے وطن پہنچتے ہیں اور وطن میں نماز با جماعت ہو چکی ہوتی ہے، جب کہ نماز کا وقت باقی رہتا ہے، اور ان لوگوں کے ذمہ وقتیہ نماز باقی رہتی ہے، تو وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کو دو رکعت ہی پڑھنی ہے، جب کہ ان کا

یہ خیال غلط ہے، کیوں کہ دو یا چار رکعت کے وجوب میں آخری وقت کا اعتبار ہوتا ہے، اور آخری وقت یہ لوگ مقیم ہیں، لہٰذا انہیں نماز پوری پڑھنی ہوگی۔ (البحر الرائق:۲/۲۴۲)

مسئلہ (۳۴۶): اگر کوئی شخص اپنے گھر سے سفرِ شرعی (یعنی تقریباً ساڑھے ستھتر کلومیٹر) کے ارادے سے نکل کر بس اسٹینڈ یا ریلوے اسٹیشن پہنچے، ابھی بس یا ٹرین کے آنے میں دیر ہے، اور وہاں وقتیہ نماز پڑھنا چاہتا ہے، تو وہ پوری نماز پڑھے گا یا قصر کرے گا؟ اس کا مدار اس پر ہے کہ شہر کی آبادی بس اسٹینڈ یا ریلوے اسٹیشن تک مسلسل ہے یا نہیں؟ اگر مسلسل ہے تو وہ نماز پوری پڑھے گا، اس لیے کہ وہ ابھی مسافر نہیں ہوا، اور اگر مسلسل نہیں ہے، یعنی بس اسٹینڈ یا ریلوے اسٹیشن شہر کی آبادی سے کچھ باہر دوری پر واقع ہے، تو وہ قصر کرے گا، اس لیے کہ اب وہ مسافر ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/ ۱۳۸، ۱۳۹)

مریض ومعذور کی نماز کا بیان

مسئلہ (۳۴۷): بیمار آدمی فرض نماز اس وقت بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے جب کہ وہ قیام پر قادر نہ ہو، کہ کھڑا ہو تو گر جائے یا سر چکرائے، یا مرض کے بڑھ جانے یا شفا میں تاخیر ہونے کا اندیشہ ہو، یا کھڑے ہونے میں سخت تکلیف ہو، لیکن اگر تکبیرِ تحریمہ کہنے کے بقدر بھی قیام پر قادر ہو، تو اسے چاہیے کہ کھڑا ہو کر تکبیرِ تحریمہ کہے، پھر بیٹھ کر یا ٹیک لگا کر نماز مکمل کرے۔ (جامع الترمذي:۱/ ۸۵)

مسئلہ (۳۴۸): انسان کے اندر جس قدر طاقت واستطاعت ہو، اسی کے موافق نماز پڑھ لے، اگر قیام کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے، اور اگر بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز ادا کرلے، الغرض تکلیف بقدرِ وسعت ہے۔ (صحیح البخاری:۱/ ۱۵۰)

مسئلہ (۳۴۹): ہر نماز کا فدیہ ایک صدقۃ الفطر کے بقدر ہے، جو ایک کلو ۶۳۶ گرام، احتیاطاً پونے دو کلو ہوتا ہے، اور وتر کو مستقل نماز شمار کریں، یعنی ہر دن رات میں چھ نمازوں کا فدیہ دیں، اگر میت وصیت کر کے مرا ہے تو اس کے تہائی مال میں سے اس کے ورثاء کے ذمہ فدیہ ادا کرنا واجب ہے، اور اگر وصیت نہ کی ہو تو اس میت کے ورثاء جو کہ بالغ ہوں، اپنی طرف سے تبرعاً واحساناً دے سکتے ہیں۔ (فتاوی محمودیہ:۷/ ۳۸۸، فتاوی دار العلوم:۴/ ۴۳۷)

مسئلہ (۳۵۰): اگر کسی شخص کے گھٹنوں یا قدموں میں معمولی تکلیف ہے تو اس معمولی تکلیف کی وجہ سے فرض نماز میں قیام کو ترک کر دینا اور بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ قیام فرض ہے معمولی عذر کی وجہ سے قیام کو ترک کرنا جائز نہیں ہے، ہاں! اگر تکلیف اس حد تک پہنچ چکی ہو کہ آدمی کھڑے ہوتے ہی گر جاتا ہے یا مرض کے بڑھ جانے یا شفایابی میں دیر لگ جانیکا ظن غالب ہو یا ناقابلِ برداشت تکلیف پہنچتی ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن اگر تھوڑی دیر کیلئے بھی کھڑے ہونے کی طاقت ہو تو جتنی دیر کھڑا رہ سکتا ہے اتنی دیر کھڑا رہنا فرض ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ:۱/ ۲۰۴)

مسئلہ (۳۵۱): اگر کوئی شخص قیام پر قادر ہے مگر رکوع وسجدہ پر قادر نہیں تو اس کے حق میں قیام ساقط ہوگا، وہ بیٹھ کر اپنے سر سے رکوع وسجدہ کیلئے اشارہ کر کے نماز پڑھے اور یہی اس کے لئے افضل ہے، کیونکہ یہ حالت اشبہ بالسجود ہے، لیکن اگر وہ کھڑے ہو کر اشارہ سے رکوع وسجدہ کر کے نماز پڑھے تو یہ بھی جائز ہے، البتہ اشارۂ سجود کو اشارۂ رکوع سے بہر صورت ذرا پست رکھے۔
(فتح القدیر لابن الہمام:۲/۶)

مسئلہ (۳۵۲): بعض لوگ قیام پر قدرت نہیں رکھتے ہیں، لیکن زمین پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ پر قادر ہوتے ہیں، پھر بھی کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں، جب کہ ان کا یہ خیال غلط ہے، کیوں کہ زمین پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ پر قادر ہوتے ہوئے کرسی پر بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھنا شرعاً درست نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع:۱/۲۹۱)

مسئلہ (۳۵۳): اگر کوئی مصلی رکوع اور سجدہ پر قادر نہیں ہے، اور قیام پر قدرت رکھتا ہے تو اس مصلی کیلئے بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھنا افضل ہے، اور کھڑے ہو کر اشارے سے نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ (تاتارخانیہ:۱/۵۸۲)

مسئلہ (۳۵۴): **کرسی پر نماز**: جب شریعت نے معذوروں اور مریضوں کی نماز کی تمام حالتیں بیان کر دی کہ: (۱) جو شخص قیام پر قادر نہیں وہ زمین پر بیٹھ کر رکوع وسجود کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے۔

(۲) جو شخص زمین پر بیٹھ کر رکوع وسجود پر قادر نہیں تو وہ زمین پر بیٹھ کر رکوع وسجود کے لیے اشارہ کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے۔

(۳) جو شخص زمین پر بیٹھ کر رکوع وسجود کے لیے اشارہ کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا وہ پہلو کے بل یا چت لیٹ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ عن عمران بن حصين – رضي الله عنه – قال : كانت بي بواسيرُ فسألتُ النبي – ﷺ – عن الصلاة فقال: " صلّ قائمًا ، فإن لم تستطع فقاعدًا ، فإن لم تستطع فعلى جنبٍ ". (بخاری:۴/۳۷۷، عمدۃ القاری:۱۱/۲۳۰)

اور اگر کوئی شخص مذکورہ تینوں حالتوں میں سے کسی بھی حالت پر نماز نہیں پڑھ سکتا، اور اس کی یہ حالت ایک دن رات یعنی پانچ نمازوں سے زیادہ رہتی ہے، تو اس سے فریضۂ نماز ساقط ہے۔ [درمختار:۲/۵۷۰، عمدۃ الفقہ] تو پھر کیوں نماز جیسی عظیم الشان عبادت میں ایک نئی صورت (کرسی پر نماز) کی اجازت دے کر اُن مفاسد کا دروازہ کھولا جا رہا ہے، جن کا بعض فتاویٰ میں اندیشہ کیا جا رہا ہے، حالانکہ یہ مفاسد اندیشوں کے مقام سے نکل کر مشاہدات کا درجہ اختیار کیے جا رہے ہیں، مزید برآں جو حضرات بعض مخصوص صورتوں میں کرسی پر نماز کی اجازت دے رہے ہیں، اُن میں سے بعض کرسی پر نماز پڑھنے والے شخص کے سجدے کے سلسلے میں مختلف باتیں لکھ رہے ہیں، مثلاً: "جو شخص اپنے سامنے میز ٹیبل وغیرہ رکھ کر سجدے پر قادر ہے":

۱- اُس کے لیے اُس پر سجدہ کرنا فرض ہے۔

۲- اُس کے لیے اُس پر سجدہ کرنا اولیٰ ہے۔

۳- اُس کے لیے اُس پر سجدہ کرنا فضول ہے۔

حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ جب یہ شخص زمین پر سجدہ کرنے پر قادر ہی نہیں، تو وہ سجدہ کے لیے اشارہ ہی کا مکلّف ہے، خواہ وہ زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو یا کرسی پر، اور یہ حقیقت بھی کسی پر پوشیدہ نہیں کہ کرسی پر بیٹھنے کی ہیئت زمین پر بیٹھنے کی طرح نہیں ہے کہ وہ اپنی نشست کے برابر یا اُس سے زیادہ ۱۲/انگل اونچی چیز پر سجدے کی قدرت رکھنے کی صورت میں اُس پر سجدے کا مکلّف ہوگا، اسی لیے دارالعلوم دیوبند کے مفتیانِ کرام نے جس صورت میں کرسی پر نماز کی اجازت دی، اُس میں یہی تحریر فرمایا کہ- سادہ کرسی پر نماز ادا کی جائے، ٹیبل والی کرسی استعمال نہ کی جائے، یعنی ایسا شخص رکوع وسجود کے لیے اشارہ کرے۔ **لہٰـــذا** ہمیں چاہیے کہ اپنے فتاویٰ میں معذوروں اور مریضوں کو نماز کی وہی حالتیں بتلائیں، جو حدیثِ پاک سے منصوص وثابت ہیں، کرسی پر نماز کے جواز کو رواج نہ دیں، کیوں کہ یہ طریقہ صحیح ثابت سنت کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ نماز کی اصلِ روح کمالِ تواضع وعاجزی کے مخالف ہے، نیز بہت سے اُن مفاسد اور خرابیوں کا داعی ہے، جن کی وجہ سے جماعت العلماء تامل ناڈو کے تقریباً ۳۵۰ علماء کرام نے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کو قطعاً ناجائز قرار دیا، **اور** جو حضرات مفتیانِ کرام حدیث وآثار اور مختلف فقہی عبارتوں کو بنیاد بنا کر، معقول اعذار کی صورت میں، کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت دے رہے ہیں، وہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والوں کو رکوع وسجود کے لیے اشارہ کا مامور کریں، اپنے سامنے میز یا ٹیبل پر سجدہ کا حکم دے کر اجتہاد در اجتہاد نہ کریں، کیوں کہ عبادات امرِ تعبدی ہیں، اور اُن میں اِس طرح قیاس واجتہاد کی گنجائش نہیں۔

تجزیہ وتجویز: ۱- معذور ومریض حدیث پاک سے منصوص وثابت طریقہ پر ہی نماز ادا کرے، کرسی پر نہیں، کیوں کہ کرسی پر نماز صحیح ثابت سنت کے مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ نماز کی روح کے منافی اور بہت سے مفاسد اور خرابیوں کا داعی ہے۔

۲- اگر کوئی مریض سجدہ پر قادر ہے، پورے قیام پر قادر نہیں، تو جتنی دیر قیام کرسکتا ہے، اُتنا قیام اُس پر فرض ہے، خواہ ایک آیت یا تکبیرِ تحریمہ کے بقدر ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ شروع ہی سے زمین یا کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرتا ہے، تو اُس کی نماز نہیں ہوگی۔ (درمختار مع شامیہ:۲/ ۲٦۷)

۳- اگر کوئی مریض کھڑے ہونے پر قادر ہے، رکوع سجدہ، یا صرف سجدہ پر قادر نہیں، تو اُس کے حق میں قیام ساقط ہے، اور اس کے لیے زمین پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے لیے اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے۔ (ایضاً:۲/ ۵٦۷)

۴- اگر کوئی مریض بعض مفتیانِ کرام کے فتاویٰ پر عمل کرتے ہوئے، بعض مخصوص صورتوں میں کرسی پر نماز پڑھتا ہے، تو وہ رکوع وسجود کے لیے اشارہ ہی کرے گا، اپنے سامنے میز یا ٹیبل رکھ کر اُس پر سجدے کا مکلّف و پابند نہ ہوگا۔

مسئلہ (۳۵۵): جس مریض کے کپڑے ناپاک ہوں، اوران کا پاک کرنا یا بدلنا اس کیلئے ممکن نہ ہو، اوراس کے پاس کوئی دوسرا شخص موجود نہ ہو، جو اس کے کپڑوں کو پاک کردے یا بدل دے، تو اس کیلئے ان ہی ناپاک کپڑوں میں نماز ادا کر لینا درست ہے، اوراگر دوسرا شخص موجود ہو جو مریض کے کپڑے پاک یا تبدیل کرادیگا، تو ایسی صورت میں دوسرے کی مدد سے پاک لباس پہن کر نماز پڑھنا ضروری ہے، بشرطیکہ مریض کو لباس بدلنے میں غیر معمولی مشقت نہ ہوتی ہو، ورنہ انہیں کپڑوں میں نماز پڑھنا درست ہے۔ (سورۃ البقرۃ:۲۸۶)

جمعہ کا بیان

مسئلہ (۳۵۶): آج کل لوگ موبائل اورای میل وغیرہ کے ذریعہ جمعہ کے دن، ''جمعہ مبارک'' کہتے ہیں، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں، اورنہ ہی حضراتِ صحابہ، تابعین، تبعِ تابعین اور بزرگانِ دین کے عمل سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے، لیکن اگر کسی شخص نے ایسا کہہ دیا تو ناجائز وبدعت بھی نہیں۔ (صحیح البخاري: رقم الحدیث:۲۶۹۷، مرقاۃ المفاتیح:۱/۳۳۵)

مسئلہ (۳۵۷): آج کل آبادیاں بڑھ گئیں جس کی وجہ سے ایک ہی گاؤں اورشہر میں متعدد مسجدیں بن گئیں، اورمتعدد مسجدوں میں نمازِ جمعہ بھی پڑھی جانے لگی، ہر مسجد میں اذان وجماعت کا ایک وقت مقرر ہے، جس کی بنا پر کسی مسجد میں اذان پہلے اور کسی مسجد میں بعد میں ہوتی ہے، جمعہ کے دن اذانِ جمعہ کے بعد سعی واجب اورخرید وفروخت مکروہ ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکم اپنے محلّہ کی اذان کے بعد ہوگا، یا شہر میں کسی بھی مسجد میں پہلے دی جانے والی اذان کے بعد؟...... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس کی روایتِ صریحہ احقر نے نہیں دیکھی، لیکن فقہاء کرام یہ فرماتے ہیں کہ جب متعدد اذانیں سنی جائیں، تو ان میں سے پہلی اذان کا جواب دے، خواہ وہ اذان مسجدِ محلّہ کی ہو یا غیر محلّہ کی، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سعی کا وجوب اور بیع کی کراہت بھی شہر کی اذانِ اول پر ہو، خواہ یہ اذان مسجد محلّہ میں ہو یا غیر محلّہ میں۔
(حاشیۃ الطحطاوی: ص/۳۰۲)

مسئلہ (۳۵۸): جمعہ کے دن پہلی اذان کے بعد جمعہ کی تیاری کے علاوہ کوئی بھی کام جائز نہیں ہے، خواہ دینی کام ہی کیوں نہ ہو۔ (بیان القرآن:۳/۵۴۷، تفسیرات احمدیہ: ص/۸۰۵، حصہ دوم)

مسئلہ (۳۵۹): بعض تاجر جمعہ کے دن، جمعہ کی پہلی اذان کے بعد مسجد سے باہر اس کے صحن میں ٹوپی، تسبیح، عطر اور سرمہ

وغیرہ بیچتے ہیں، اور دوسری اذان یعنی جب خطبہ کی اذان ہوتی ہے، تو اپنا یہ کاروبار بند کر کے نمازِ جمعہ میں شامل ہو جاتے ہیں، اُن کا اس طرح کاروبار کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ جمعہ کی اذانِ اول کے بعد خرید وفروخت مکروہ ہے، شریعت نے اس سے صاف صاف منع کیا ہے، لہٰذا انہیں چاہیے کہ پہلی اذان پر ہی خرید وفروخت بند کر دیں، اور نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر بیچیں، اس میں کوئی حرج ومضائقہ نہیں ہے۔ (ہدایہ:۱/۱۷۱)

مسئلہ (۳۶۰): شہروں میں جمعہ صحیح ہے دیہاتوں میں نہیں، البتہ جن دیہاتوں میں پہلے سے نمازِ جمعہ ہوتی ہے وہاں بند نہ کیجائے، کیونکہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔

شہر کی تعریف: جمعہ کے مسئلہ میں شہر سے مراد ایسی بستی ہے جہاں ضرورت کی چیزیں مل جاتی ہوں، تھانہ یا تحصیل اور ڈاکخانہ ہو، کوئی عالم یعنی مسائلِ ضروریہ بتانے والا اور کوئی معالج موجود ہو۔ (بدائع الصنائع:۲/۱۸۸)

مسئلہ (۳۶۱): اگر کوئی آبادی ایسی ہے جس میں معتد بہ لوگ رہتے ہیں اور وہ شہر کے اندر بھی ہے لیکن دفاعی، انتظامی یا حفاظتی وجوہ سے اس آبادی میں ہر شخص کو آنے جانے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ وہاں کا داخلہ وجوہِ مخصوصہ کی بناء پر کچھ خاص قواعد کا پابند ہے، جیسے: ایئرپورٹ، قید خانہ، فیکٹریاں وغیرہ، تو اس آبادی کے کسی بھی حصہ میں جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ (الدر مع الرد:۳/۲۴)

مسئلہ (۳۶۲): قولاً یعنی زبان سے اذان کا جواب دینا مستحب ہے، قدم سے یعنی اذان سن کر جماعت کے ساتھ ادائیگیٔ نماز کے لیے پہنچنا واجب ہے، لیکن جمعہ کے دن خطیب کے سامنے جو اذانِ ثانی دی جاتی ہے اس کا جواب دینا مستحب نہیں ہے۔ (البحر الرائق:۱/۴۵۰)

مسئلہ (۳۶۳): جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے جو اذان دی جاتی ہے، اُس کا جواب خطبہ کے دوران- جب آپ ﷺ کا اسم مبارک سنے- تو آپ ﷺ پر درود، دوسرے خطبہ میں جب امام دعائیہ کلمات پڑھے، تو اُن پر آمین، اور دو خطبوں کے درمیانی وقفہ میں مانگی جانے والی دعا- دل ہی دل میں ہونا چاہیے، زبان سے نہیں، کیوں کہ خطبہ کی حالت میں اِن امور کو زبان سے انجام دینے کو حضراتِ فقہاء کرام نے مکروہ لکھا ہے۔ (منحۃ الخالق علی البحر الرائق:۱/۴۵۰)

مسئلہ (۳۶۴): نمازِ جمعہ کے لیے خطبہ شروع ہونے سے پہلے آنا چاہیے، کیوں کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جمعہ کی حاضری لکھنے کے لیے فرشتے مقرر ہوتے ہیں، جو شخص پہلی گھڑی میں آئے اس کے لیے اونٹ کی قربانی کا ثواب لکھا جاتا ہے، اور بعد میں آنے والوں کا ثواب گھٹتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب خطبہ شروع ہوتا ہے تو فرشتے صحیفے لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ خطبہ شروع ہونے کے بعد آتے ہیں، اُن کی حاضری نہیں

لگتی، لہٰذا جس شخص نے خطبہ نہیں سنا، امام کے ساتھ نماز تو اس کی بھی ہو جائے گی، مگر فرشتوں کے رجسٹر میں جمعہ کے دن کی حاضری لگوانے سے وہ محروم ہو گیا۔ (مشکوۃ المصابیح:ص/۱۲۲، رقم الحدیث:۱۳۷۴)

مسئلہ (۳۶۵): امامِ جمعہ منبر کی کسی بھی سیڑھی پر کھڑا ہو کر خطبہ دیدیوے، تو اس سے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینے کی سنت ادا ہو جائیگی، شرعاً اس میں کچھ تحدید نہیں ہے۔ (السنن لأبی داود:ص/۱۵۶)

مسئلہ (۳۶۶): خطبۂ جمعہ کے درمیان ہاتھ میں عصا لینا سنتِ غیر مؤکدہ یعنی مستحب کے درجے میں ہے، لیکن اگر اس کو سنتِ مؤکدہ سمجھ کر، لیا جاتا ہو تو مکروہ وبدعت ہے، کیوں کہ جب مندوبات کو ان کے رتبے سے بڑھایا جاتا ہے تو وہ مکروہات میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ (الدر مع الرد:۳/۳۸)

مسئلہ (۳۶۷): نمازِ جمعہ کے لیے خطبہ شرط ہے، لہٰذا خطبہ کے لیے عاقل، بالغ اور صالح آدمی زیادہ مناسب اور بہتر ہے، تاہم اگر کوئی ذی شعور مراہق جو خطبہ دینے کی صلاحیت رکھتا ہو، خطبہ دے، اور بالغ آدمی نماز پڑھائے، تب بھی درست ہے، نیز افضل اور اشہر یہی ہے کہ امام اور خطیب ایک ہی ہو۔ (خلاصۃ الفتاوی:۱/۲۰۵)

مسئلہ (۳۶۸): خطبۂ جمعہ کا محض عربی میں ہونا لازم ہے، کیوں کہ یہی متوارث ومتواتر رہا ہے، دوسری زبان میں مکروہ ہے، نیز صحابہ کرام نے بلادِ عجم کو فتح کیا اور وہاں بھی عربی زبان میں خطبہ دیا، اور مختصر خطبہ دینا مسنون ہے، طویل خطبہ دینا خلافِ سنت ہے۔ (المصفی شرح المؤطا:ص/۱۵۴)

مسئلہ (۳۶۹): دو خطبوں کے درمیان تین چھوٹی آیتوں کے بقدر خطیب کے لیے بیٹھنا سنت ہے، نیز نمازیوں کو چاہیے کہ اس درمیان دل ہی دل میں بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کریں، کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان درانحالانکہ وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہو، اللہ رب العزت سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اسے عطا کر دیتے ہیں۔'' ......اس مبارک گھڑی کے متعلق تقریباً بیالیس اقوال ہیں، علامہ زُرقانی نے ان میں سے دو قولوں کی تصحیح فرمائی ہے: (۱) امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز پوری ہونے تک، (۲) جمعہ کے دن کی آخری گھڑی، یعنی سورج کے غروب ہونے سے پہلے۔ **اس** لیے جمعہ کے دن سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔
(سنن أبی داود:ص/۱۵۶، رقم الحدیث:۱۰۹۲)

مسئلہ (۳۷۰): بروزِ جمعہ، بوقتِ جلسہ دونوں خطبوں کے درمیان دل ہی دل میں دعا مانگے، زبان سے نہ مانگے اور ہاتھ بھی نہ اٹھائے۔ (السنن لأبی داود:ص/۱۵۰)

مسئلہ (۳۷۱): خطبہ کے دوران بالکل خاموش رہنا واجب ہے، اور حدیث میں یہ وارد ہے کہ اگر کوئی شخص بول رہا ہو تو اسے چپ کرانے کے لئے بولنا بھی ناجائز ہے، لہٰذا جب امام آیتِ کریمہ ﴿إن اللّٰہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبي﴾ الخ. پڑھے تو مقتدیوں کو دل ہی دل میں درود شریف پڑھنا چاہئے، زبان سے پڑھنا درست نہیں، خطبے کے دوران جب نماز پڑھنا ناجائز ہے تو درود شریف پڑھنا بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا۔ (صحیح البخاری:۱/۱۲۷)

مسئلہ (۳۷۲): اگر کوئی شخص جمعہ سے پہلے کی چار رکعت سنتِ مؤکدہ پڑھ رہا ہو، اور جمعہ کا خطبہ شروع ہو جائے، تو صحیح یہی ہے کہ ہلکی ہلکی رکعتیں پڑھ کر سنت کو پورا کر لے، اور توڑے نہیں، یہاں یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ خطبہ کا سننا واجب ہے، اور نماز سنت ہے، کیوں کہ نفل نماز بھی شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہے، اس لیے اس صورت میں ایک واجب کے لیے دوسرے واجب کو چھوڑا جا رہا ہے۔ (البحر الرائق:۲/۱۲۵)

مسئلہ (۳۷۳): جس گاؤں میں ایک ہی جگہ نمازِ جمعہ پڑھی جاتی ہو، وہاں کسی شخص کی نماز جمعہ چھوٹ جائے تو وہ ظہر کی نماز ادا کرے، نہ کہ جمعہ کی۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۳/۳۳)

مسئلہ (۳۷۴): اگر کوئی شخص نمازِ جمعہ کیلئے ایسے وقت پہونچا کہ نمازِ جمعہ ختم ہو چکی ہو، تو اگر کسی اور مسجد میں نمازِ جمعہ مل سکتی ہو تو وہاں جا کر ادا کرے ورنہ ظہر کی نماز پڑھے، کیوں کہ نمازِ جمعہ کی قضاء نہیں ہے۔ (المحیط البرہانی:۲/۲۰۱)

مسئلہ (۳۷۵): جو شخص جمعہ کے دن امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ میں سلام سے پہلے شریک ہوا، وہ جمعہ کی نماز پوری کریگا، نہ کہ ظہر کی، اور جو شخص امام کے سلام پھیرنے سے پہلے شریک نہ ہو سکا، تو وہ ظہر کی نماز پڑھے گا، نہ کہ جمعہ کی۔ (تاتارخانیہ:۱/۵۵۴و۵۵)

مسئلہ (۳۷۶): نمازِ جمعہ کے بعد چار رکعت سنتِ مؤکدہ ہونا مرفوع حدیث سے ثابت ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چھ رکعتیں مروی ہیں، پہلے چار مؤکدہ پھر دو غیر مؤکدہ، لہٰذا چھ پڑھنا افضل ہے اور اس کو امام ابو یوسف، امام طحاوی اور اکثر مشائخ رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے، یعنی یہی مفتی بہ قول ہے۔ (مصنف عبد الرزاق:۳/۲۴۷)

عیدین کا بیان

مسئلہ (۳۷۷): اگر کسی شخص نے فجر کی نماز نہیں پڑھا، تو وہ نمازِ فجر کے ترک کی وجہ سے گنہگار تو ہوگا، لیکن اس کی عید کی نماز درست ہو جائیگی، کیوں کہ دونوں نمازوں کا حکم الگ الگ ہے۔ (صحیح مسلم مع شرحہ:۱/۶۱)

مسئلہ (۳۷۸): عیدین کے دن اجتماعی دعا کا ذکر حدیث شریف میں ملتا ہے، لیکن نماز یا خطبہ کے بعد کی کوئی تعیین وتخصیص روایات میں نہیں ملتی، مگر ہر نماز کے بعد دعا کرنے کا ثبوت حدیث میں موجود ہے، تو عیدین کی نماز بھی اسی عموم میں

داخل ہوگی، اور خطبہ کے بعد دعا کرنے کا ثبوت کہیں پر بھی نہیں ہے۔ (صحیح البخاري:۱/۱۳۴)

مسئلہ (۳۷۹): اگر چاند ہونے کی اطلاع دیر سے ہوئی، یا کوئی اور ایسا عذر (بارش وغیرہ) پیش آ گیا کہ یکم شوال کو لوگ نمازِ عید نہیں پڑھ سکے، تو دوسرے دن نماز ادا کی جاسکتی ہے، دوسرے دن کے بعد نہیں پڑھی جاسکتی، خود رسول اللہ ﷺ سے بھی ایسے ہی ایک موقع پر دوسرے دن نمازِ عید ادا کرنا ثابت ہے، البتہ اگر بلا عذر تاخیر کی تو مکروہ ہے، اور عذر کے ساتھ تاخیر کی تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (أبوداود: ص/۱۶۳، ۱۶۴)

مسئلہ (۳۸۰): اگر کسی شخص نے عیدین کے خطبوں میں تکبیرات نہیں پڑھا، تب بھی خطبہ ادا ہو جائیگا، کیوں کہ خطبہ میں تکبیرات کا پڑھنا مستحب ہے، اور خطبہ نمازِ عید کے لیے شرط نہیں، بلکہ خطبہ کے بغیر بھی نمازِ عید صحیح ہو جائیگی۔ (البحرالرائق: ۲/۲۸۳)

مسئلہ (۳۸۱): بعض جگہوں پر (خصوصاً دیہاتوں میں) عیدین کی نماز کے بعد دورانِ خطبہ، لوگ خطیب صاحب کو روپئے دینے کے لیے اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کر جاتے ہیں، اور کچھ لوگ خطیب صاحب کے لیے روپئے لینے کے واسطے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور روپئے لیتے ہیں، ان کا اس طرح کا یہ عمل درست نہیں ہے، بلکہ ادب کے ساتھ ایک جگہ بیٹھ کر خطبہ سننا لازم ہے، اور رہی بات روپیوں پیسوں کی تو وہ نماز سے پہلے جمع کرلیں، یا سلام کے بعد خطبہ سے پہلے جمع کرلیں۔ (بخاری: ۱/ ۱۲۷، ۱۲۸)

مسئلہ (۳۸۲): جس آدمی کی نمازِ عید چھوٹ جائے تو وہ نمازِ عید نہیں پڑھ سکتا، البتہ اگر چاہے تو اپنے گھر آ کر دو چار رکعت نفل پڑھ لے، لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ ایک ہی جگہ نمازِ عید ہوتی ہو، اگر کسی دوسری جگہ نماز ہوتی ہو تو وہاں جا کر ادا کر لے۔
(اعلاء السنن: ۸/ ۱۴۶، ۱۴۷)

مسئلہ (۳۸۳): عیدگاہ یا مساجد میں عید کی نماز ہو جانے کے بعد، عورتیں اپنے گھروں میں تنہا تنہا بطور شکرانہ کے نفل نماز پڑھ سکتی ہیں، نمازِ عید سے پہلے نفل پڑھنا مرد و عورت دونوں کے لیے ممنوع اور مکروہ ہے۔ (جامع الترمذی: ۱/۱۲۰)

مسئلہ (۳۸۴): اگر کوئی شخص عید الاضحیٰ کے موقع پر، نماز کے بعد تکبیراتِ تشریق کہنا بھول گیا، اور اس نے نماز کے بعد کسی آدمی سے بات چیت بھی شروع کردی اور پھر یاد آیا، تو اب اگر وہ تکبیر تشریق پڑھنا چاہے تو نہیں پڑھ سکتا ہے، کیوں کہ تکبیر تشریق کا وقت فرض نماز کے فوراً بعد ہے، جب بات چیت کرلی تو وقت ختم ہوگیا۔ (التنویر مع الدر والرد: ۳/ ۶۱، ۶۲)

مسئلہ (۳۸۵): وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز ہے، جو واجب ہے، مگر اس کی قضا نہیں ہے۔ (اعلاء السنن: ۸/۱۰۴)

مسئلہ (۳۸۶): عیدگاہ میں جماعتِ ثانیہ کرنا درست نہیں ہے، اس لئے جن حضرات کی عید کی نماز چھوٹ جائے، وہ دوسری جگہ چلے جائیں جہاں جماعت مل سکتی ہو، یا پھر ایسی مسجد میں جماعت کرلیں جہاں عید کی نماز نہ ہوئی ہو۔ (ردالمحتار: ۳/ ۵۵)

سنن ونوافل کا بیان

مسئلہ (۳۸۷): بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فرض اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور سنتیں نبی پاک ﷺ کے لیے ہیں، اُن کا یہ خیال غلط ہے، نماز چاہے فرض ہو، یا سنت ونفل، سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، البتہ سنن ونوافل، فرض نماز میں، خشوع وخضوع میں جو کمی رہ جاتی ہے اس کو پورا کرنے کے لیے ہیں، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ قیامت کے دن جب نمازوں کا حساب ہوگا، تو بندے کی فرض نماز میں جو کوتاہی اور کمی ہوگی اُس کو سنن ونوافل کے ذریعہ پورا کیا جائیگا۔
(جامع الترمذي: ۱/ ۳۰۸، رقم الحدیث: ۴۱۴)

مسئلہ (۳۸۸): طلوعِ فجر یعنی صبح صادق کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک فجر کی فرض اور دو رکعت سنتِ مؤکدہ کے علاوہ تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو اور دیگر نوافل پڑھنا مکروہ ہے، اسی طرح عصر اور مغرب کے درمیان بھی نفل پڑھنا مکروہ اور منع ہے، البتہ فجر کے بعد سورج کے طلوع ہونے سے کچھ پہلے تک اور عصر کے بعد سورج کے زرد ہونے سے پہلے تک قضا نماز، نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت جائز ہے، مگر سورج کے طلوع کے وقت اور اس کے زرد ہونے کی حالت میں قضا نماز، نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت جو اس سے پہلے واجب ہو چکا تھا، جائز نہیں، ہاں! اگر جنازہ اسی وقت آیا، یا آیتِ سجدہ اسی وقت میں پڑھی، تو نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت کراہتِ تنزیہی کے ساتھ درست ہے، اس لیے سجدۂ تلاوت کو مؤخر کرنا بہتر ہے، مگر نمازِ جنازہ کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔
(الاختیار لتعلیل المختار: ۱/۶۲)

مسئلہ (۳۸۹): سننِ مؤکدہ کو ہلکا سمجھ کر چھوڑنا انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس کی تاکید کا اعتقاد رکھتے ہوئے مسلسل ترک کرتا ہے، تو وہ گنہگار ہوگا " إلاّ من عُذرٍ شرعيٍّ " (مگر کسی عذرِ شرعی کی وجہ سے)۔ (فتاوی ہندیہ: ۱/۱۱۲)

مسئلہ (۳۹۰): بعض لوگ باتوں باتوں میں کہہ دیتے ہیں: -"اَجی! یہ تو سنت ہے، فرض تو ہے نہیں- کہ اس کے چھوڑنے پر گناہ ملے گا"- اگر وہ سنت کو ہلکا سمجھ کر ایسا کہتے ہیں تو یہ بڑی خطرناک بات ہے، ایسا کہنے سے ڈرنا اور بچنا چاہیے، البتہ اتنی بات حقیقت ہے کہ سنت کا درجہ فرض کے برابر نہیں، لیکن جو سنتیں مؤکدہ ہیں، عملی اعتبار سے وہ واجب کے درجہ میں ہیں، بلا عذر اُن کا چھوڑ دینا گناہ ہے، اور ان کو چھوڑنے پر اصرار کرنا یہ گناہ کی سنگینی کو مزید بڑھاتا ہے، تارکِ سنت یعنی سنت کو چھوڑنے والا مستحقِ عقاب قرار پاتا ہے، آپ ﷺ نے اپنی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم فرمایا ہے، اور اس سے اعراض ورُوگردانی کرنے والے کے متعلق فرمایا کہ-"وہ مجھ سے نہیں ہے"۔ (مجمع الأنہر: ۲/۵۰۶)

مسئلہ (۳۹۱): اگر کسی شخص کو فجر کی سنت پڑھنے کا موقع نہ ملے تو فجر کی نماز کے بعد سورج کے طلوع ہونے سے پہلے

بالاتفاق اس کی قضا نہیں کی جائیگی، کیونکہ فجر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے، اب طلوع شمس کے بعد اس کی قضا کی جائیگی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، شیخین کے نزدیک قضا نہیں کی جائیگی، لیکن اگر کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، اور امام محمد کے نزدیک زوال سے پہلے تک قضا کرنا مستحب ہے، یعنی نہ کیا تو کوئی ملامت نہیں، گویا یہ اختلاف اتفاق سے قریب ہے۔ (الدر مع الرد:۲/۵۱۲)

مسئلہ (۳۹۲): اگر کسی شخص کی ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنتِ مؤکدہ چھوٹ جائے تو اس کیلئے بہتر یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد پہلے دو رکعت سنتِ مؤکدہ پڑھے پھر چار رکعت سنتِ مؤکدہ ادا کرے۔ (مجمع البحرین:۱۴۳۵)

مسئلہ (۳۹۳): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعت سنتِ مؤکدہ ادا کرتے ہوئے، اگر فرض نماز شروع ہو جائے تو دو رکعت پر سلام پھیر کر فرض نماز میں شریک ہونے، اور اس سے فراغت کے بعد دو رکعت پڑھ لینے سے پہلی والی چار رکعت سنت مؤکدہ ادا ہو جاتی ہے، جب کہ ان کا یہ خیال غلط ہے، کیوں کہ ظہر میں فرض سے پہلے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ مسنون ہے، اگر کسی نے ان کو دو سلام سے ادا کیا تو سنت ادا نہیں ہوگی، بلکہ فرض کے بعد چار رکعت سنت کو ایک ہی سلام کے ساتھ ادا کرنا ہوگا، کیوں کہ فرض سے پہلے جن دو رکعت پر سلام پھیر دیا تھا وہ نفل ہو گئیں۔ (شرح معانی الآثار:۱/۳۳۲)

مسئلہ (۳۹۴): اگر کسی شخص نے ظہر، مغرب، یا عشاء کی نماز کو با جماعت ادا کرلیا، اور فرض نماز کے بعد والی سنتیں بھی پڑھ لی، پھر معلوم ہوا کہ پڑھی ہوئی فرض نماز فاسد ہوگئی، تو فرض نماز کے اعادہ کے ساتھ سنتوں کا اعادہ بھی لازم ہوگا، بشرطیکہ نماز کا وقت باقی ہو، کیوں کہ سنتیں فرض نماز کے تابع ہوتی ہیں، البتہ وتر کو فرض کے فاسد ہونے کی وجہ سے نہیں لوٹایا جائے گا، کیوں کہ وتر مستقل نماز ہے۔ (بدائع الصنائع:۱/۶۰۱)

مسئلہ (۳۹۵): بعض لوگ اذان کے فوراً بعد مسجد آجاتے ہیں، جو یقیناً بڑی اچھی بات ہے، لیکن وہ سنت سے فارغ ہوکر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے بیٹھتے ہیں، اس سے پڑھی ہوئی سنتیں باطل تو نہیں ہوتیں کہ ان کا اعادہ لازم ہو، مگر ثواب باطل ہو جاتا ہے، اس لیے سنتوں کے ثواب کو بچانے کے لیے خاموش بیٹھے رہنا، یا ذکر و تسبیح اور تلاوت میں ہی مشغول رہنا چاہیے، ورنہ ثواب باطل ہو جائیگا۔ (فتاوی ابن نجیم الحنفی:ص/۹)

مسئلہ (۳۹۶): بعض طلباء طلوعِ فجر کے بعد اذانِ فجر سے پہلے مسجد میں پہنچتے ہیں اور تہجد کی نیت سے نفل پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، جب کہ طلوعِ فجر کے بعد فجر کی سنت کے علاوہ کوئی دوسری نفل پڑھنا مکروہ ہے، مثلاً آج کل طلوعِ فجر کا وقت ۵/ بج کر ۵۷/منٹ پر ہے، لہذا اس کے بعد سوائے سنتِ فجر کے اور کوئی نفل پڑھنا مکروہ ہے، البتہ قضاء نماز اور سجدۂ تلاوت کر سکتے ہیں۔ (النہر الفائق:۱/۱۶۸)

مسئلہ (۳۹۷): بلا عذر شرعی بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ بیٹھ کر پڑھنے والے کا ثواب کھڑے ہوکر پڑھنے والے کے مقابلہ میں نصف ہوتا ہے۔ (صحیح البخاري:ص/۱۵۰)

مسئلہ (۳۹۸): صلوٰۃ التسبیح مستحب ہے، صلوٰۃ التسبیح کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً چار رکعت کی نیت باندھ کر ثنا یعنی "سبحانک اللهم وبحمدک الخ" پڑھے، پھر پندرہ دفعہ "سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر" پڑھے، پھر رکوع میں دس مرتبہ تسبیح کہے، پھر رکوع سے سر اٹھا کر دس مرتبہ تسبیح کہے، پھر سجدہ کرے اور سجدہ میں دس مرتبہ کہے، پھر سجدے سے سر اٹھا کر دس مرتبہ کہے، پھر دوسرا سجدہ کرے اور دس مرتبہ تسبیح کہے، ایسے ہی چاروں رکعتیں پوری کرے، ہر رکعت میں پچہتر "۷۵" تسبیح ہوجائیں گی۔ (فتاوی محمودیہ:۷/۲۵۰)

مسئلہ (۳۹۹): فقہاء کرام اور محدثین عظام کے ظاہری اقوال کے تتبع سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اِشراق وچاشت دو الگ الگ نمازیں نہیں، بلکہ دونوں ایک ہی ہیں، البتہ بعض علماء کے نزدیک اِشراق وچاشت دو الگ الگ نمازیں ہیں، ماضی قریب کے مستند حنفی عالم، محدث وفقیہ، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے بھی نمازِ اشراق وچاشت کو دو علیحدہ نمازوں کے طور پر ذکر کیا ہے، اور دونوں کی فضیلتوں پر بھی روشنی ڈالی ہے، شارحِ ترمذی علامہ سراج احمد کی بھی یہی رائے ہے، بلکہ انہوں نے علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ایک ایسی حدیث کی بھی تخریج کی ہے، جس میں نمازِ اشراق کا تذکرہ ہے۔

علامہ علاء الدین علی متقی رحمہ اللہ مرتب "کنز العمال" کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے، چنانچہ انہوں نے اپنی عظیم شاہکار تصنیف "کنز العمال" میں اشراق وچاشت کی نمازوں کا الگ الگ باب کے تحت تذکرہ کیا ہے، اس لیے اگر کوئی شخص اشراق وچاشت کی دو دو رکعتیں پڑھے، تو یہ بھی درست ہے، البتہ چاشت کی نماز چار رکعت پڑھنا بہتر ہے۔ (اعلاء السنن:۷/۳۲،۳۳)

مسئلہ (۴۰۰): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی، پھر وہ اُسی جگہ بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتا رہا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو، پھر اس نے دو رکعت نماز پڑھی، تو اس کے لیے حج وعمرہ کے برابر ثواب ہوگا، ان دو رکعتوں کا وقت سورج کے طلوع سے تقریباً پندرہ منٹ گزرنے پر (جب کہ شعاع صاف ہوجاتی ہے کہ اس پر نظر نہ ٹھہر سکے) شروع ہوجاتا ہے، اور زوال سے پہلے تک رہتا ہے، البتہ شروع وقت میں پڑھنا افضل ہے، اشراق کی کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ چار رکعتیں ہیں۔ (جامع الترمذي:۱/۱۳۰، رقم الحدیث:۵۸۶)

مسئلہ (۴۰۱): نمازِ چاشت کا وقت، اشراق کی نماز کے بعد متصل شروع ہوکر، زوال سے پہلے تک ہے، لیکن اس کا افضل وقت دن کا ایک چوتھائی حصہ گزرنے کے بعد ہے، مثلاً آج کل صبح صادق ساڑھے پانچ بجے اور غروبِ آفتاب پانچ بج کر پچاس

منٹ پر ہے، تو چاشت کا افضل وقت تقریباً پونے نو بجے سے شروع ہوتا ہے، چاشت کی نماز کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا عام معمول مبارک چار رکعت نمازِ چاشت ادا کرنے کا تھا، اس لیے کم از کم چار رکعت نمازِ چاشت ادا کرنا چاہیے، اور آٹھ رکعتیں پڑھنا افضل ہے۔ (اعلاء السنن:۷/۳۶-۳۸)

مسئلہ (۴۰۲): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھی اور درمیان میں کوئی بری بات نہ کہی، تو یہ اس کے لیے بارہ سال کی عبادت کے برابر ہوں گی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مغرب کے بعد بیس رکعت پڑھی اللہ پاک اس کے لیے جنت میں ایک محل بنا دیں گے، اوابین کی تعداد کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعتیں ہیں، مغرب کی دو سنتیں اوابین میں داخل ہیں، اس لیے اگر کوئی شخص دو رکعت سنتِ مؤکدہ کے علاوہ چار رکعت یا اٹھارہ رکعات اوابین پڑھتا ہے، تو وہ بھی اِس ثواب کا مستحق ہوگا، اوابین کا وقت مغرب کے بعد سے عشا سے پہلے تک ہے۔

(التنویر وشرحہ مع الشامیۃ:۲/۳۹۳،۳۹۴)

مسئلہ (۴۰۳): نفل نمازوں میں سنتِ مؤکدہ کے بعد تہجد کی نماز افضل ترین نماز ہے، تہجد کی کم سے کم مقدار دو رکعت ہے، متوسط درجہ چار رکعت پڑھنا ہے، اور بہتر یہ ہے کہ آٹھ رکعت پڑھی جائے، نمازِ عشاء کے بعد سے فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے پہلے تک کسی بھی وقت تہجد ادا کی جا سکتی ہے، البتہ رات کے آخری تہائی حصہ میں تہجد پڑھنا افضل ہے۔

(معارف السنن:۴/۱۲۹)

مسئلہ (۴۰۴): جب کافروں کی طرف سے عام مسلمانوں پر ظلم و زیادتی اور تشدد ہو رہا ہو اور مسلمان پریشان ہوں، ابتلاء و آزمائش کا سلسلہ جاری ہو، تو امام کے لئے فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد اس قدر بلند آواز سے قنوتِ نازلہ پڑھنا جو آوازِ قرات سے کم تر ہو، مستحب ہے اور مقتدی امام کے ہر سکتہ پر آہستہ سے آمین کہے۔ (أوجز المسالک:۳/۳۱۵، شرح معانی الآثار:۱/۱۷۲)

مسئلہ (۴۰۵): امام و مقتدی کو چاہیے کہ قنوتِ نازلہ میں ہاتھ چھوڑے رکھیں، اس لیے کہ قنوتِ نازلہ رکوع کے بعد قومہ میں پڑھی جاتی ہے، اور قومہ ہاتھ کو چھوڑے رکھنے کا محل ہے، ہاتھ باندھنے کا محل نہیں ہے۔ (رد المحتار:۲/۴۴۹)

وتر وتراویح کا بیان

مسئلہ (۴۰۶): اگر کسی شخص کو تہجد میں اٹھنے کا بھروسہ ہوتو اس کے لیے افضل یہ ہے کہ تہجد کی نماز کے بعد وتر پڑھے، اور اگر بھروسہ نہ ہو تو عشا کی سنتوں کے ساتھ ہی پڑھ لینا ضروی ہے۔ (صحیح مسلم:۱/۲۵۵)

مسئلہ (۴۰۷): وتر کی نماز میں دعاء قنوت کا پڑھنا واجب ہے، اور مشہور دعا: ''اللهم إنا نستعينک ''الخ پڑھنا مسنون ہے، اگر یہ دعا یاد نہ ہو تو کوئی دوسری دعا: '' ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار ''یا ''اللهم اغفرلي '' یا'' یا رب ''، تین مرتبہ پڑھنے سے نمازِ وتر صحیح ہو جائیگی۔ (بدائع الصنائع:۲/۲۳۳)

مسئلہ (۴۰۸): جس عبادت کی ادا واجب ہے اس کی قضا بھی واجب ہے، نمازِ وتر چونکہ واجب ہے اس لیے اس کی قضا بھی واجب ہوگی، خواہ وتر سہواً چھوٹی ہو یا قصداً، قریبی زمانہ میں چھوٹی ہو یا زیادہ عرصہ گزر چکا ہو، بہرصورت قضا واجب ہے، اور طریقۂ قضا بھی وہی ہے جو فرض کا ہے، یعنی جس طرح فرض میں اول فرض یا آخر فرض کی نیت کی جاتی ہے اسی طرح اول وتر یا آخر وتر کی نیت کی جائیگی۔ (ردالمحتار:۲/۳۸۲)

مسئلہ (۴۰۹): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ رمضان المبارک کے مہینے میں اگر کوئی شخص وتر کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا، اور امام کے ساتھ دعاء قنوت بھی پڑھ لی، یا اس نے امام کو تیسری رکعت کے رکوع میں پالیا، اور دعاء قنوت نہیں پڑھی تو ایسے مسبوق شخص کو دوبارہ دعاء قنوت پڑھنا ضروری ہے، ان کا یہ خیال غلط ہے، کیوں کہ اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ ایسے مسبوق شخص کیلئے جس نے امام کو تیسری رکعت میں پایا اور دعاء قنوت پڑھ لی، یا تیسری رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہوا، اور دعاء قنوت نہیں پڑھی، دونوں صورتوں میں دعاء قنوت کو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ پہلی صورت میں حقیقۃً اور دوسری صورت میں حکماً اس نے دعاء قنوت پڑھ لی ہے۔ (البحرالرائق:۲/۷۲)

مسئلہ (۴۱۰): رمضان المبارک میں تہجد گذار شخص کیلئے بھی وتر کو جماعت کے ساتھ پڑھنا، تنہا تہجد کے وقت پڑھنے سے افضل ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کو تراویح کے ساتھ وتر کی نماز باجماعت پڑھائی تھی، پھر تراویح کے فرض ہو جانے کے اندیشہ سے اسے ترک فرمایا تھا، نیز یہی عمل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اُبی بن کعب کا رہا، اور اس وقت سے آج تک تمام اسلاف کا معمول بھی یہی ہے کہ تراویح اور وتر رمضان المبارک میں باجماعت ادا کرتے ہیں۔ (ہندیہ:۱/۱۱۶)

مسئلہ (۴۱۱): اگر کسی شخص نے رمضان المبارک میں تراویح کی ۲۰/ رکعت کی ادائیگی کے بعد وتر کی نماز ادا کرلیا، پھر معلوم ہوا کہ تراویح کی دو رکعت میں غلطی کی وجہ سے وہ واجب الاعادہ ہے، تو وتر کو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ وتر کو

تراویح سے پہلے پڑھنا بھی صحیح ہے، اور بعد میں پڑھنا بھی صحیح ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۱۵)

مسئلہ (۴۱۲): نمازِ تراویح کی بنیاد خود نبی کریم ﷺ نے رکھی اور اسے ادا فرمایا ہے، نمازِ تراویح شرعاً سنتِ مؤکدہ ہے، اور بیس رکعات کا ثبوت آپ ﷺ اور حضرت عمر بن خطاب سے ہے، اور دیگر صحابۂ کرام کا معمول بھی بیس رکعات پڑھنے کا تھا، اہلِ علم نے صحابہ سے ۲۰/ رکعات ہی نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح:ص/۱۱۴)

مسئلہ (۴۱۳): دین میں کسی نئی چیز کی ایجاد کی اصل شریعت میں موجود ہو، تو اسے بدعتِ حسنہ کہا جاتا ہے، اور اگر اصل موجود نہیں تو اُسے بدعتِ سیئہ کہا جاتا ہے، مگر بدعت کی یہ تقسیم باعتبار لغت ہے، ورنہ شرعی معنی کے اعتبار سے بدعت، بدعتِ سیئہ ہی ہوتی ہے، حسنہ نہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نئے نظام کے تحت مسجدِ نبوی ﷺ میں لوگوں کو ایک امام کے پیچھے تراویح کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر جو ارشاد فرمایا تھا: ’’ **نعمت البدعة هذه** ‘‘ یہ باعتبار معنیٔ لغوی ہے، کہ اس کی اصل موجود ہے، اور وہ آپ ﷺ کا دو یا تین دن باجماعت نمازِ تراویح پڑھانا ہے۔ (شامی:۲/۲۹۹)

مسئلہ (۴۱۴): حضور ﷺ کا تراویح کی بیس رکعت پڑھنا بعض روایات سے ثابت ہے، گرچہ اس روایت پر بعض حضرات نے کلام کیا ہے، اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے، لیکن مؤید بالاجماع والتعامل ہونے کی بنا پر اس میں قوت آجاتی ہے۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی:۲/۶۹۸)

مسئلہ (۴۱۵): عشا کی فرض نماز پڑھے بغیر تراویح ادا کرنا درست نہیں ہے۔ (الفتاوی الہندیۃ:۱/۱۱۵)

جنازہ کا بیان

مسئلہ (۴۱۶): قریب بمرگ شخص جس کے آثار سے معلوم ہو رہا ہو کہ عنقریب اس کا انتقال ہونے والا ہے، تو اسے کلمۂ طیبہ کی تلقین کرنا حدیث سے ثابت ہے، تاکہ وہ بھی کلمہ پڑھ لے اور اس دنیا سے جاتے وقت سب سے آخری کلام ﴿**لا إلـه إلا الله محمد رسول الله**﴾ ہو، پھر جب غسل، کفن، اور نمازِ جنازہ سے فارغ ہو جائیں، اور اس کو لحد میں رکھا جائے تو رکھتے وقت یہ پڑھے: ’’ **بسم اللـه وبـاللـه وعلى ملة رسول الله** ‘‘، یہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔ **اور** دفن کے بعد تلقین میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض عدمِ جواز کے، عالمگیری میں عدمِ تلقین کو ظاہر الروایۃ بیان کیا گیا ہے، اور ترجیح ظاہر الروایۃ کو ہوتی ہے، نیز تلقین مذکور کے بارے میں اکثر اوقات عملی واعتقادی خرابی دیکھنے میں آتی ہے، لہٰذا احتراز اولیٰ ہے، تاہم اگر کوئی کرے تو اس کو روکا نہ جائے۔ (الدر المنتقی فی شرح الملتقی:۱/۲۶۴)

مسئلہ (۴۱۷): شریعتِ اسلامیہ میں قریب المرگ شخص پر تلقین کا حکم دیا گیا ہے، بچوں پر مرتے وقت تلقین کے سلسلے

میں حضراتِ فقہاء نے لکھا ہے کہ ان پر تلقین کی حاجت نہیں ہے، کیوں کہ جن لوگوں سے قبر میں سوال نہیں کیا جائیگا، ان کے لیے تلقین کی ضرورت نہیں ہے، اور صحیح قول کے مطابق بچوں سے قبر میں سوال نہیں کیا جائیگا۔ (صحیح مسلم:۱/۳۰۰)

مسئلہ (۴۱۸): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جو بچہ یا بچی زندہ پیدا ہو، اور اس کے کان میں اذان دینے سے پہلے ہی وہ مرجائے، تو اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائیگی، اُن کا یہ خیال صحیح نہیں ہے، بلکہ شریعتِ اسلامیہ کا حکم یہ ہے کہ جو بچہ یا بچی زندہ پیدا ہو، خواہ اس کے کان میں اذان دی گئی یا نہیں، اس کے مرنے پر اس کا نام بھی رکھا جائے، غسل بھی دیا جائے، اور اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے، اور اگر کسی کو بغیر نمازِ جنازہ پڑھے دفن کردیا گیا، تو اس کے پھولنے پھٹنے سے پہلے اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی جائیگی۔ (تبیین الحقائق:۱/۵۸۰،۵۸۱)

مسئلہ (۴۱۹): بسا اوقات ڈاکٹر حضرات کسی انسان کے متعلق یہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ دماغی طور پر مرچکا ہے، تو محض ڈاکٹروں کے اسے دماغی طور پر مردہ قرار دینے سے اس پر میت کے احکام جاری نہیں ہوں گے، جب تک یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو کہ وہ واقعۃً مرچکا ہے، یعنی اس کی حرکتِ قلب اور سانس بند ہوجائے، اور اس پر دیگر علامتیں ظاہر ہوجائیں، جو اس کی یقینی موت پر دلالت کرتی ہوں، کیوں کہ یہاں شخصِ مذکور میں حیات اصل ہے، اور بدونِ یقین اس سے عدول ورُوگردانی نہیں کی جاسکتی۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ:۳۹/۲۴۸)

مسئلہ (۴۲۰): ولادت کے وقت بچے کا کچھ حصہ نکلنے کے بعد اگر بچہ اور ماں دونوں کا انتقال ہوجائے، تو ماں اور بچے کے ظاہری حصے کو غسل دے کر، کفن پہنا کر، نماز پڑھ کر، ماں کے ساتھ ہی دفن کردیا جائیگا، اس لیے کہ بچہ جب تک ماں سے جدا نہیں ہوتا، ماں کا جز شمار کیا جائیگا۔ (بدائع الصنائع:۲/۲۶)

مسئلہ (۴۲۱): اگر بچہ دورانِ ولادت انتقال کرجائے، تو اس پر نمازِ جنازہ کے سلسلے میں حضراتِ فقہاء کرام نے یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ اگر بچہ کے بدن کا اکثر حصہ یعنی سَر کی طرف سے پیدا ہونے کی صورت میں سینے تک، اور پیر کی طرف سے پیدا ہونے کی صورت میں ناف تک، باہر آنے تک اس میں آثارِ حیات باقی ہوں، تو یہ بچہ زندہ شمار ہوگا، اور مسنون طریقے سے اس کی تجہیز وتکفین کے بعد اس پر نمازِ جنازہ پڑھ کر اسے دفن کیا جائیگا، اور اگر اکثر حصہ نکلنے سے پہلے ہی وہ مرجائے، تو اسے مردہ شمار کیا جائیگا، اور اس کو دھوکر پاک کپڑے میں لپیٹ کر بلا نمازِ جنازہ کے دفن کردیا جائیگا، البتہ نام دونوں صورتوں میں رکھا جائیگا۔
(البحر الرائق:۲/۳۳۰)

مسئلہ (۴۲۲): بعض دفعہ کسی شخص کا ایسے مقام پر انتقال ہوجاتا ہے، جہاں اس کے ورثاء نہیں ہوتے، اور ان کے پہنچنے

میں وقت درکار رہوتا ہے، یا بعض دفعہ کوئی قانونی پیچیدگی پیدا ہوجاتی ہے، یا بعض دفعہ شناخت مشکل ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے تدفین میں تاخیر ہوتی ہے، ایسے موقع پر میت میں تعفّن پیدا نہ ہو، اس لیے اُسے سردخانہ (Cold House) میں رکھتے ہیں، شرعاً اس کی گنجائش ہے، لیکن محض اس غرض سے سردخانہ میں رکھنا کہ اس پر جمِّ عظیم نمازِ جنازہ پڑھ سکے، مکروہ ہے۔

(فتاویٰ بنوریہ، رقم الفتویٰ:۱۱۱۹۶)

مسئلہ (۴۲۳): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر میت بحالتِ جنابت یا بحالتِ حیض ونفاس ہو، تو اس کو دومرتبہ غسل دیا جائیگا، اُن کا یہ خیال درست نہیں ہے، کیوں کہ صحیح بات یہ ہے کہ جنبی شخص اور حیض ونفاس والی عورت کو بھی ایک ہی مرتبہ غسل دیا جائیگا۔ (موسوعۃ مسائل الجمہور:۱/۲۴۵)

مسئلہ (۴۲۴): اگر نومولود بچہ پیدائش کے بعد روئے پھر مر جائے، تو اسے غسل بھی دیا جائیگا، اور اس پر نمازِ جنازہ بھی ادا کی جائیگی، نیز اس کا نام بھی رکھا جائیگا، کیوں کہ پیدائش کے بعد نومولود کا رونا یہ بچے کے اندر زندگی کے پائے جانے کی علامت ہے۔ (البحر الرائق:۲/۳۳۰)

مسئلہ (۴۲۵): بالغ شخص نیز باشعور بچے کو غسلِ جنازہ دیتے وقت وضو بھی کرایا جائے گا، لیکن بے شعور بچہ جسے نماز وغیرہ کی واقفیت نہ ہو، کو غسلِ جنازہ دیتے وقت وضو نہیں کرایا جائیگا۔ (فتاوی ولوالجیہ:۱/۱۶۱)

مسئلہ (۴۲۶): مُردے کو غسل دینے میں چوں کہ میت کی بے پردگی کا بہت زیادہ اندیشہ رہتا ہے، اس لیے میت کے صنفِ مخالف کو اُسے غسل دینے سے منع کیا گیا ہے، لیکن اگر لڑکا لڑکی حدِ شہوت کو نہ پہنچے ہوں، تو اُن کو مرد اور عورت دونوں غسل دے سکتے ہیں۔ (اتحاف أولی الألباب بحقوق الطفل وأحکامہ:ص/۴۵۶)

مسئلہ (۴۲۷): اگر کسی شخص کا پیر کسی حادثہ میں ٹوٹ گیا، اور ڈاکٹروں نے اس پر پلاسٹر چڑھا دیا، پھر وہ شخص انتقال کر گیا، تو اب اس کا وہ پلاسٹر چھڑا کر غسلِ جنازہ دیا جائے، کیوں کہ اب پلاسٹر کی ضرورت باقی نہ رہی۔ (الفتاوی الہندیۃ:۱/۳۵)

مسئلہ (۴۲۸): بعض لوگ مردے کو غسل دینے سے پہلے اُس کا ناخن بال وغیرہ کاٹتے ہیں، اُن کا یہ عمل مکروہ ہے، اس لیے اِس عمل سے احتراز کرنا چاہیے۔ (موسوعۃ مسائل الجمہور:۱/۲۴۶)

مسئلہ (۴۲۹): اگر کسی شخص کا انتقال ہوجائے، اور اس کی آنکھوں میں کونٹیک لینس ہے، تو چوں کہ وہ لینس دوسرے کے لیے استعمال نہیں کر سکتے، اور آنکھوں سے نکالنے میں بھی دِقّت ہے، اور یہ ایک زائد چیز بھی معلوم نہیں ہوتی، لہٰذا میت کی آنکھوں سے نہیں نکالنا چاہیے۔ (شامی:۲/۲۳۸)

مسئلہ (۴۳۰): اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے منہ میں مصنوعی دانت ہوں، جو بآسانی نہیں نکل سکتے، تو انہیں منہ کے اندر ہی چھوڑ دیا جائے، غسل اور دفن میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، اسی طرح اگر دانت سونے کے ہوں، اور انہیں نکالنا مشکل ہو، اور زیادہ محنت کرنے میں میت کی بے حرمتی ہو، تو اندر ہی چھوڑ دیئے جائیں، کیوں کہ میت کی حرمت مال کی حرمت سے زیادہ ہے۔ (شامی:۲/۲۳۸)

مسئلہ (۴۳۱): بچہ کے نمازِ جنازہ میں بچہ کے لیے استغفار نہیں ہے، کیوں کہ گناہوں سے استغفار اور گناہوں کی معافی کی درخواست تو ان لوگوں کے حق میں ہے، جن کے اعمال، ثواب و گناہ سے مخلوط ہوں، حالانکہ بچہ احکامِ اسلام کا مخاطب ہی نہیں، بلکہ وہ معصوم ہوتا ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے خود نمازِ جنازہ میں بچہ کی مغفرت کے لیے دعا کا حکم نہیں فرمایا، اور بچہ کے والدین کے لیے اس بچہ کو مغفرت و رحمت کا ذریعہ بنانے کی دعا کی تلقین فرمائی۔ (نیل الأوطار للشوکانی:۴/۷۰، رقم الحدیث:۱۴۲۷)

مسئلہ (۴۳۲): اگر کسی ایسی فرض نماز کے بعد نمازِ جنازہ پڑھنی ہو جس کے بعد سنت ہے تو پہلے سنت پڑھی جائے بعد میں نماز جنازہ ادا کی جائے، اس لیے کہ نمازِ جنازہ کو سنتوں پر مقدم کرنے کی صورت میں لوگوں کے سنتوں کو چھوڑ دینے کا اندیشہ ہے۔ (منیۃ المصلی:ص/۶۰۷)

مسئلہ (۴۳۳): قبرستان کی خالی جگہ میں جب کہ سامنے قبریں نہ ہوں، اور اگر ہوں تو اتنے دور ہوں کہ نمازی کی نگاہ ان پر نہ پڑتی ہو، یا درمیان میں کوئی چیز حائل ہو، تو نمازِ جنازہ بلا کراہت جائز ہے، اور اگر سامنے قبریں ہیں اور درمیان میں کوئی چیز حائل نہیں ہے، تو بلا عذر قبرستان میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، اور اگر عذر ہے تو کوئی کراہت نہیں ہے۔ (جامع الترمذي:۱/۲۰۳)

مسئلہ (۴۳۴): عندالحنفیہ نمازِ جنازہ کیلئے میت کا سامنے موجود ہونا ضروری ہے، غائب پر درست نہیں، آپ ﷺ کے بعد صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں سے کسی کا میتِ غائب پر نمازِ جنازہ پڑھنا نہیں دیکھا گیا، البتہ امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ جائز ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی ہے، لیکن شراحِ حدیث نے لکھا ہے کہ نجاشی کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے کر دیا گیا تھا، لہٰذا وہ غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں تھی۔ (البحر الرائق:۲/۳۱۴)

مسئلہ (۴۳۵): بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب کسی غیر مسلم کے مرنے کی خبر سنی جائے، یا اس کی نعش لے جاتے ہوئے دیکھے، تو ﴿في نار جهنّم خٰلدين فيهآ أبدًا﴾ پڑھنا چاہیے، جب کہ فقہ کی کتابوں میں اس طرح کی کوئی عبارت نہیں ملتی، ہاں! کسی بھی میت کی خبر ملے، یا کوئی بھی میت سامنے جاتے ہوئے دیکھے، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اس کو دیکھ کر اپنی موت کو یاد کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، جس کے لیے بہتر الفاظ یہ ہیں: ﴿إنا لله و إنا إليه راجعون﴾۔ (مؤطا مالک:ص/۷۸، صحیح البخاری:۱/۱۶۶)

مسئلہ (۴۳۶): مسلم کا غیر مسلم کی عیادت کرنا، مرنے پر تعزیت کرنا شرعاً جائز ہے، مگر میت و جنازہ لے کر چلنا، یا اس کے لیے دعاء مغفرت وسفارش کرنا، اور ان کی مذہبی رسومات کی ادائیگی میں شرکت کرنا ناجائز ہے۔ (تبیین الحقائق: ۱/ ۵۷۱، ۵۷۲)

مسئلہ (۴۳۷): چار تکبیرات نمازِ جنازہ کے ارکان ہیں اور دعا مسنون ہے، اس لئے اگر کسی شخص نے تین تکبیرات پڑھی نماز ختم کردی تو اس کی نماز نہیں ہوگی، اور اگر کوئی شخص دعا چھوڑ دے تو اس کی نماز ہوجائیگی، اگر امام بھول کر پانچویں تکبیر کہے تو مقتدی پانچویں تکبیر نہ کہے، بلکہ امام کے سلام کا انتظار کرے، یہی قول مفتیٰ بہ ہے، اور اگر انتظار نہ کر کے سلام پھیر دے تب بھی ان کی نماز ہوجائیگی۔ (حاشیۃ الطحطاوی: ص/ ۵۸۱)

مسئلہ (۴۳۸): اگر کوئی شخص جنازہ کی نماز میں ایسے وقت شریک ہوا کہ امام دو تکبیر کہہ چکا تھا، تو یہ شخص تیسری تکبیر کہہ کر امام کے ساتھ شریک ہوکر دعاء پڑھے، پھر چوتھی تکبیر کے بعد جب امام نماز پوری کردے تو یہ ایک تکبیر کہہ کر ثناء پڑھے، دوسری تکبیر کہہ کر درود شریف پڑھے، اور اگر جنازہ جلدی اٹھائے جانے کا اندیشہ ہو تو صرف دو تکبیر کہہ کر نماز ختم کردے، اور اگر ایسے وقت پہنچا کہ امام چاروں تکبیریں کہہ چکا تھا، مگر ابھی سلام نہیں پھیرا تھا تو یہ شخص نماز میں شریک ہوجائے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد تین تکبیریں بغیر دعا کے کہے۔ (ہندیہ: ۱/ ۱۶۵)

مسئلہ (۴۳۹): اگر کسی آدمی کی نمازِ جنازہ میں ایک یا دو تکبیریں فوت ہوجائیں، تو وہ امام کے فارغ ہونے کے بعد، جنازہ کے اٹھائے جانے سے پہلے تکبیر کہہ کر سلام پھیر دے۔ (فتاوی دار العلوم: ۵/ ۳۱۹)

مسئلہ (۴۴۰): اگر کسی شخص نے نمازِ جنازہ میں صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اُٹھانے کی بجائے بھول سے چاروں تکبیروں میں ہاتھ اُٹھایا، تو نمازِ جنازہ درست ہوگی، اعادہ کی حاجت نہیں، کیوں کہ ائمۂ ثلاثہ کے علاوہ بہت سے فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ چاروں تکبیروں میں ہاتھ اُٹھائے جائیں گے، لہٰذا چاروں تکبیروں میں ہاتھ اُٹھانے کو مفسد نہیں کہا جاسکتا، نیز تنفُّل بصلوۃ الجنازہ (نمازِ جنازہ کو مکرر پڑھنا) مکروہ ہے، لیکن آئندہ احتیاط کی جانی چاہیے۔ (المبسوط: ۲/ ۱۰۲، ۱۰۳)

مسئلہ (۴۴۱): جنازہ کی نماز ایک دفعہ ہے اس سے زیادہ نہیں، ہاں اگر ولی نے ابھی نماز نہیں پڑھی، بلکہ کسی اور نے اس کی اجازت کے بغیر پڑھ لی، پھر ولی پڑھنا چاہے تو اس کو اجازت ہے، لیکن اگر ولی نے کسی اور کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دیدی، اجازت چاہے صراحۃً ہو یا دلالۃً، یعنی دوسرے لوگوں نے اپنے طور پر نماز شروع کی اور ولی نے اقتدا کرلی، یا ولی وہاں موجود ہوتے ہوئے نماز جنازہ میں محض اس لیے شریک نہ ہوا، تا کہ دوبارہ، سہ بارہ نماز جنازہ ہوسکے، تو اس صورت میں بھی دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، اس لیے کہ ایک بار نماز پڑھ لینے سے فریضہ ساقط ہوگیا، اب دوبارہ سہ بارہ نمازِ

جنازہ پڑھنا خلافِ مشروع ہونے کی وجہ سے بدعت ہے، اوراس میں تنفل جائز نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص نمازِ جنازہ کے بعد حاضر ہوا ہو تو دعا واستغفار کرلے۔......اگر کوئی شخص حضرات صحابہ کے عمل سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہے کہ ”انہوں نے حضوراقدس ﷺ کی نماز جنازہ یکے بعد دیگرے ادا کی“، تو اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں، اس لیے کہ فقہائے کرام نے ان کے عمل کی توجیہات بیان فرمائی ہیں:

۱- بحیثیت خلیفۃ المسلمین حق ولایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل تھا، آپ کے پڑھنے سے قبل دوسرے لوگ پڑھتے رہے، خلافت کے انتظام اور تسکین فتنہ کے بعد جب آپ نے پڑھ لی، تو اس کے بعد کسی نے بھی نہیں پڑھی۔

۲- یہ حضوراقدس ﷺ کی خصوصیت تھی۔

۳- حضوراقدس ﷺ کا صحابہ پر جو حق عظیم ہے، وہ ظاہر ہے، لہٰذا ہر وہ صحابی جو اس وقت وہاں موجود تھے، ان پر نمازِ جنازہ فرض عین تھی، مکرر پڑھنا ان کے حق میں نفل نہیں تھا۔ (ہندیہ:۱/۱۶۳)

مسئلہ (۴۴۲): اگر کئی جنازے جمع ہوجائیں تو بہتر یہ ہے کہ ہر جنازہ پر الگ الگ نماز پڑھی جائے، پہلے اس پر نماز پڑھی جائے جو افضل ہو، پھر اس کے بعد جو افضل ہو، اسی ترتیب کے ساتھ، اور اگر اس ترتیب کا لحاظ نہیں کیا گیا تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر تمام جنازوں پر اکٹھا نماز پڑھی گئی تو یہ بھی درست ہے، اور اس صورت میں تمام جنازوں کو قبلہ کی سمت میں اس طرح لمبی صف بنا کر رکھدیں کہ سب کے سینے امام کے محاذات میں ہوں۔ (منحۃ الخالق علی البحر:۱/۲۷۷)

مسئلہ (۴۴۳): اگر کسی خاتون کے دو بچے ایک ساتھ پیدا ہوں، پھر دونوں کا ایک ساتھ انتقال ہو، تو دونوں بچوں کی نمازِ جنازہ علیحدہ علیحدہ پڑھنا بہتر ہے، اور اگر ایک ساتھ پڑھی جائے تو یہ بھی درست ہے، لیکن دونوں کی نیت ضروری ہے۔
(التنویر وشرحہ مع الشامیۃ:۳/۱۱۸)

مسئلہ (۴۴۴): ایک ساتھ ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہو کر فوت ہوجائیں، تو بہتر یہ ہے کہ دونوں کی نمازِ جنازہ الگ الگ پڑھی جائیں، اگر ایک ساتھ پڑھے، تو یہ بھی درست ہے، دونوں کی نیت کرلیں، اور دعا دونوں پڑھی جائیں، اسی طرح اگر بالغ ونابالغ ہوں، تو پہلے بالغ کی، پھر نابالغ کی دعا پڑھیں۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص/۵۹۲،۵۹۳)

مسئلہ (۴۴۵): نماز جنازہ کی صفوں میں طاق عدد کا لحاظ رکھنا شرعاً مستحب ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جس شخص پر تین صفوں نے نمازِ جنازہ پڑھی اس کی مغفرت ہوجاتی ہے، چنانچہ اگر کسی جنازہ میں محض سات آدمی ہوں تو ان میں سے ایک امامت کیلئے آگے بڑھ جائے، اور اس کے پیچھے تین لوگ کھڑے ہوں، پھر ان کے پیچھے دو اور ان کے پیچھے ایک، نیز اس طاق

عدد کے لحاظ میں نابالغوں کو بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔ (السنن لأبی داود: ص/۴۵۱)

مسئلہ (۴۴۶): جوتا یا چپل پہن کر نمازِ جنازہ پڑھنا جبکہ وہ پاک ہوں جائز ہے، اور اگر نیچے کا حصہ نجس ہو تو پیر سے نکال کر ان پر پیر رکھ کر نماز پڑھنا درست ہے، بشرطیکہ اوپر کا حصہ پاک ہو، اگر اوپر کا حصہ نجس ہو تو پھر نکالنا اور پیر سے علیحدہ کرنا ضروری ہے، ورنہ نماز درست نہیں ہوگی۔ (البحرالرائق: ۲/ ۳۱۵)

مسئلہ (۴۴۷): جس طرح پوری مسجد میں کہیں بھی امام کی اقتدا جائز ہے، خواہ صفیں متصل نہ ہوں، اسی طرح پوری عیدگاہ میں کہیں بھی امام کی اقتدا جائز ہوگی، خواہ صفیں متصل نہ ہوں، عیدگاہ کا مسجد کے حکم میں ہونا محض اسی اعتبار سے (یعنی جوازِ اقتدا بصورتِ عدم اتصالِ صفوف) ہے، اس لئے عیدگاہ میں نمازِ جنازہ ممنوع نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: ۱/ ۱۶۷)

نوٹ:- پوری مسجد یا پوری عیدگاہ میں کسی بھی جگہ اقتدا کے جواز سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس طرح چاہے امام کی اقتدا کرلی جائے، بلکہ اگلی صفوں اور خالی جگہوں کو پُر کرنا واجب ہے، اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں کراہت لازم آئیگی، کیوں کہ کسی امر کے جائز ہونے سے اس کا غیر مکروہ ہونا لازم نہیں آتا، اس لئے کہ جواز کراہت کے ساتھ جمع ہوجاتا ہے، یعنی ایک ہی امر جائز ہونے کے باوجود مکروہ ہوسکتا ہے۔

مسئلہ (۴۴۸): اگر کسی جگہ پر نمازِ عید کے وقت ہی جنازہ بھی حاضر ہو، تو اولاً نمازِ عید پڑھی جائیگی، بعدہٗ نمازِ جنازہ، پھر اس کے بعد خطبہ پڑھا جائے۔ (فتاوی محمودیہ: ۸/ ۳۷۸)

مسئلہ (۴۴۹): احناف کے نزدیک بلا کسی عذر مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، کیوں کہ آپ ﷺ اور حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا دائمی عمل مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا نہیں تھا، بلکہ مسجد کے باہر اس کیلئے مستقل علیحدہ جگہ بنوائی گئی تھی، لہٰذا بعض لوگوں کا حضرت عائشہ والی روایت: "والله قد صلی رسول الله ﷺ علی ابنَي بیضاء في المسجد" "قسم بخدا آپ ﷺ نے سہیل بن بیضاء اور ان کے بھائی پر مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی"۔ اور مؤطا امام مالک کی روایت: "صلی علی عمر بن الخطاب في المسجد" "عمر بن خطاب کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی گئی" سے حضرت ابوہریرہ کی روایت: "من صلی علی جنازة في المسجد فلا شيء له" "جو شخص مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھے اس کو کوئی اجر نہیں ملے گا" کے منسوخ ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ محدثین نے حضرت عائشہ والی روایت کے یہ جوابات دیئے ہیں:

(۱) سہیل ابن بیضاء کی نمازِ جنازہ مسجد میں عذر کی وجہ سے پڑھی گئی تھی، (۲) حدیث عائشہ میں خود صحابہ کا انکار: "ما کانت الجنائز یدخل بها المسجد"، ثابت کرتا ہے کہ نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھنے کا دستور نہ تھا۔

(۳) حدیث عائشہ مرسل ہے، اور مرسل سے استدلال صحیح نہیں ہے، جب کہ اس کے مقابلے میں حدیث مرفوع متصل موجود ہو۔

(۴) محض سہیل ابن بیضاء کی مثال دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ دوسرے جنازے خارج مسجد پڑھے جایا کرتے تھے، اور مذکورہ جنازہ کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں پڑھا گیا تھا، اور موٴطا امام مالک والی روایت کے مندرجہٴ ذیل جوابات دیئے ہیں:

(۱) عمر بن خطاب پر مسجد میں نماز جنازہ کا پڑھنا بربناء عذر تھا، اور عذر یہ تھا کہ حضرت عمر کو حضور ﷺ کے قریب دفن کرنا تھا، اور وہ حجرہ مسجد میں ہونے کی وجہ سے جنازہ مسجد میں سے لیجائے بغیر چارہٴ کار نہ تھا، اسی وجہ سے صحابہ نے اور توسع کی اور نماز بھی مسجد میں پڑھائی گئی۔

(۲) اگر حضرت عمر کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھا جانا روایتِ ابو ہریرہ کیلئے ناسخ بن گیا، تو پھر صحابہ نے حضرت سعد کے جنازے کو مسجد میں لانے پر اتنی چہ می گوئیاں کیوں کیں، جب کہ حضرت سعد کی وفات حضرت عمر کے ایک سال بعد ہوئی، اگر صحابہ کے نزدیک حدیثِ ابو ہریرہ منسوخ ہی تھی تو ایسا کیوں ہوا؟...... **خلاصہ** یہ ہے کہ مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔
(صحیح البخاری:۱/۱۶۷)

مسئلہ (۴۵۰): جنازہ کے ساتھ چلتے وقت خود نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طرزِ عمل یہ تھا کہ خاموش رہتے یا آہستہ آواز میں ذکر وغیرہ کیا کرتے تھے، اس لئے فقہاء عظام نے بھی اسی طرزِ عمل کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور جنائز کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کو ناپسندیدہ اور بدعت قرار دیا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق:۳/۴۵۳)

مسئلہ (۴۵۱): اگر کسی شخص کا جنازہ قبرستان جا رہا ہو، تو راستے میں چائے خانوں اور ہوٹلوں پر بلاضرورت بیٹھے ہوئے لوگوں کو چاہیے کہ وہ جنازہ کے ساتھ قبرستان تک جائیں، اور نمازِ جنازہ وعملِ تدفین میں شریک ہوکر اپنے مسلمان بھائی کے ایک حق ''اتباع الجنائز'' کو ادا کریں، لیکن اگر کسی ایسے ضروری کام میں مشغول ہوں کہ بعد میں اس کام کی انجام دہی نہیں ہوسکتی، تو پھر نہ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیوں کہ یہ فرضِ کفایہ ہے، بعض لوگ جنازے کو آتا دیکھ کر محض احترامِ میت میں اپنی جگہوں پر کھڑے ہوتے ہیں جبکہ ان کا شرکت کا ارادہ نہیں ہوتا ہے، تو ان کا یہ عمل شرعاً درست نہیں ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۱۶۵)

مسئلہ (۴۵۲): بعض لوگ نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر میت کیلئے دعا مانگتے ہیں، جب کہ کتبِ فقہ میں نمازِ جنازہ کے بعد مستقلاً میت کیلئے دعا مانگنے کو منع کیا گیا ہے، کیوں کہ نمازِ جنازہ خود دعا ہے۔ (بدائع الصنائع:۲/۵۲)

مسئلہ (۴۵۳): بسا اوقات کسی بچہ کی ولادت ہسپتال میں ہوتی ہے، اور وہ وہیں مرجاتا ہے، تو ہسپتال کی غیر مسلم نرسیں اسے غسل وکفن کردیتی ہیں، اور اس کے بعد اسے گھر پر غسل نہیں دیا جاتا، اور قبرستان میں دفنا دیا جاتا ہے، شرعاً ایسا کرنا درست

ہے، کیوں کہ غیر مسلم کے ہاتھوں دیا گیا غسل صحیح ہے، غسل دینے والے کا مکلفِ شرع ہونا شرط نہیں ہے، مگر چونکہ اس صورت میں دو خرابیاں پائی جاتی ہیں، اول تو یہ کہ غیر مسلم کے ہاتھوں دیا گیا غسل خلافِ سنت ہوگا، ثانی یہ کہ مسلم جنازہ کی تجہیز و تکفین مسلمانوں پر لازم ہے، اور یہ ذمہ داری ان پر باقی رہ جاتی ہے، لہذا بہتر یہ ہے کہ اس بچہ کو دوبارہ موافقِ سنت غسل دیا جائے۔
(عمدۃ القاری: ۵۲/۸)

مسئلہ (۴۵۴): اگر کسی جگہ کپڑے میں لپٹی ہوئی کسی عورت کی لاش ملی اور اس پر مسلم یا غیر مسلم ہونے کی کوئی علامت موجود نہیں ہے، تو اگر لاش کے ملنے کی جگہ سے قریب والی بستی میں کل یا اکثر مسلمان بستے ہیں، تو لاش کو مسلمانوں کی طرح کفن دفن کیا جائیگا، اور اگر کل یا اکثر غیر مسلم آباد ہیں، تو اسے نہلا کر، کفن پہنا کر غیر مسلموں کے قبرستان میں دفن کیا جائیگا، اور اگر قریب والی بستی کے لوگوں میں مسلموں اور غیر مسلموں کی تعداد برابر ہے، تو نہلا کر، کفن پہنا کر بغیر نماز جنازہ پڑھے کسی علیحدہ جگہ دفن کیا جائیگا۔ (المحیط البرہانی: ۳۳۱/۲)

مسئلہ (۴۵۶): اگر کوئی مردہ عورت سیلاب میں بہہ کر آئی، اور اس پر مسلم یا غیر مسلم ہونے کوئی علامت نہ پائی جاتی ہو، تو اس کو مسنون طریقے کی رعایت کیے بغیر نہلا کر، کفن پہنا کر، کسی جگہ دفن کر دیا جائے، اور اگر کسی قرینہ سے مسلمان ہونے کا گمان ہو، تو مسلمانوں کی طرح کفن دفن کیا جائے۔ (ردالمحتار: ۸۸/۳)

مسئلہ (۴۵۶): اگر کسی بس یا کار میں مسلمان و کافر سفر کر رہے ہوں، ناگاہ گاڑی حادثہ کا شکار ہوگئی اور تمام مسافرین جائے حادثے پر اس طرح ہلاک ہوگئے کہ شناخت کی کوئی شکل باقی نہیں رہی، تو تمام کو غسل اور کفن دے کر ایک ساتھ سامنے رکھ کر نمازِ جنازہ پڑھی جائیگی اور نیت صرف جنازۂ مسلم کی کیجائیگی۔ (بدائع الصنائع: ۳۱/۲)

مسئلہ (۴۵۷): اگر کوئی شخص دکان، مکان، فیکٹری یا میل وغیرہ میں آگ لگ جانے کی وجہ سے جل کر مر گیا، اور اس کے بدن کا اکثر حصہ خاکستر ہوگیا، تو اس پر غسل و نماز کچھ بھی لازم نہیں ہے، اور اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائیگا، اور اگر سر کے ساتھ نصف بدن، یا بغیر سر کے نصف سے زیادہ بدن صحیح سالم ہے، تو اس کو غسل دیا جائیگا اور اس پر نماز بھی پڑھی جائیگی۔ (مجمع الأنہر: ۲۷۳/۱)

مسئلہ (۴۵۸): اگر کوئی آدمی ایکسیڈنٹ میں یا ڈوب کر مر گیا، اور اس کا نصف بدن بغیر سر کے ملا تو نہ اس کو غسل دیا جائیگا اور نہ کفن دیا جائیگا، اور نہ ہی اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائیگی، بلکہ اس کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائیگا، اور اگر نصف بدن سے زیادہ حصہ ملا، گرچہ بغیر سر کے ہو، یا نصف بدن سر کے ساتھ ملا تو اس کو غسل اور کفن دیا جائیگا، اور اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائیگی۔ (حلبی کبیر: ص/۵۹۰)

مسئلہ (۴۵۹): اگر کوئی شخص پانی میں ڈوب کر مرجائے، اور پانی زیادہ ہونے کی وجہ سے کافی کوشش کے باوجود نعش نہ ملی، پھر چند روز کے بعد نعش اوپر آئی تو اس میں تعفن پیدا ہو گیا، مگر نعش پھولی پھٹی نہیں ہے تو اس کو غسل دیا جائیگا، اور نماز بھی پڑھی جائیگی، کیوں کہ پانی میں ڈوبنا غسل کیلئے کافی نہیں ہے، بلکہ غسل میں فعلِ غسل کا پایا جانا ضروری ہے، اور وہ زندوں کی طرف سے نہیں پایا گیا، ہاں اگر نکالتے وقت غسل کی نیت سے میت کو تین بار پانی میں حرکت دیدی جائے تو یہ غسل کیلئے کافی ہو جائیگا، اور اگر نعش پھول پھٹ گئی ہے کہ بدن کو ملنا متعذر رہے تو ایسی صورت میں نعش پر صرف پانی بہا دینا کافی ہے، اور اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، کیوں کہ نمازِ جنازہ بدن پر مشروع ہے، اور اس کے پھٹ جانے کی صورت میں وہ باقی نہ رہا۔

(منحۃ الخالق علی البحر: ۲/ ۳۰۵)

مسئلہ (۴۶۰): خودکشی کرنا بہت بڑا گناہ ہے، لیکن اس گناہ گار پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائیگی، اور جملہ امور تجہیز و تکفین موافقِ سنت ادا کئے جائیں گے، اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔ (ہندیہ: ۱/ ۱۶۳)

مسئلہ (۴۶۱): اگر کوئی عورت اپنی عزت بچانے کے لیے ماری جائے، تو وہ شہید ہوگی۔ (عارضۃ الأحوذی: ۳/ ۱۵۲)

مسئلہ (۴۶۲): اگر کسی شخص کا کسی حادثہ میں انتقال ہو جائے اور اس کا جسم بھی متاثر ہو جائے، اگر اس صورت میں جسم کا اکثر حصہ یا نصف حصہ سر کے ساتھ مل جائے تو اس کو غسل و کفن دیا جائیگا اور اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائیگی اور اگر جسم کا آدھا حصہ بغیر سر کے مل جائے یا لمبائی میں پھٹا ہوا مل جائے تو نہ اس کو غسل دیا جائیگا نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائیگی محض ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائیگا۔ (شرح کتاب السیر: ۱/ ۱۶۴)

مسئلہ (۴۶۳): بعض لوگ نمازِ جنازہ پڑھانے کے بعد، میت کے دیدار سے منع کرتے ہیں کہ نماز کے بعد عالمِ برزخ کے احوال شروع ہو جاتے ہیں، حالانکہ موت کے بعد ہی انسان عالمِ برزخ میں پہنچ جاتا ہے، اور موت کے بعد نمازِ جنازہ سے پہلے کسی نے بھی دیدار کو منع نہیں کیا، کیوں کہ یہ حضراتِ صحابہ کے عمل سے ثابت ہے، اس لیے موت کے بعد احوالِ برزخ کا آغاز، دیدار کے ممنوع ہونے کی وجہ نہیں بن سکتا۔ بعض علماء، نمازِ جنازہ کے بعد دیدار کو اس لیے مکروہ قرار دیتے ہیں کہ یہ ایک ایسی رسم ہے جس کی شرعاً کوئی اصل نہیں، اور اس کی وجہ سے عملِ تدفین میں تاخیر ہوتی ہے، جب کہ اس میں تعجیل کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اگر کسی مصلحت کی بنا پر، کسی شخص کی نمازِ جنازہ پہلے پڑھ لی جائے اور پھر اس کے گھر والوں کو اس کا دیدار کرایا جائے، اور اس عمل میں زیادہ تاخیر بھی نہ ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اتنی بات یاد رہے کہ موت کے بعد انسان کو دیکھنے کے وہیں آداب ہیں جو زندہ کو دیکھنے کے ہیں، کہ مرد، مرد کا چہرہ، عورت، عورت کا چہرہ، بیوی، شوہر کا چہرہ، اور مرد، محرم عورت کا چہرہ دیکھ

سکتے ہیں، غیر محرم عورت کو جیسے زندگی میں دیکھنا جائز نہیں ہے، موت کے بعد بھی دیکھنا جائز نہیں ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۱۷۶)

مسئلہ (۴۶۴): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ موت کی وجہ سے نکاح ختم ہو جاتا ہے، اس لیے شوہر موت کے بعد نہ اپنی بیوی کا چہرہ دیکھ سکتا ہے، اور نہ اس کے جنازے کو کندھا دے سکتا ہے، یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں، کیوں کہ فقہاء کرام نے شوہر کو اپنی بیوی کی موت کے بعد اس کا چہرہ دیکھنے، اور اس کے جنازے کو کندھا دینے کی اجازت دی ہے، نیز عقل بھی اس کا تقاضہ کرتی ہے کہ یہ دونوں چیزیں جائز ہوں، اس لیے کہ انسان جس رفیقۂ حیات کے ساتھ اپنی عمر کی ایک لمبی مدت اور اس میں پیش آنے والے خوشی وغمی کے لمحات کو گذارتا ہے، اُسے اسکے آخری دیدار اور اس کی آخری منزل تک پہنچانے کے لیے کندھا دینے سے محروم کرنا معقول نہیں ہے۔ (المبسوط للسرخسی:۲/۸۸)

مسئلہ (۴۶۵): کفن کیلئے بہتر وافضل یہی ہے کہ وہ سفید کپڑے کا ہو، اس کے علاوہ دوسرے رنگ کے کپڑوں میں بھی کفن دیا جاسکتا ہے، فقہاء کرام نے اس سلسلے میں یہ اصول لکھا ہے کہ زندگی میں جس کپڑے کو پہننا جائز ہے، موت کے بعد اس میں کفن دینا بھی جائز ہے، مردوں کیلئے چونکہ ریشمی اور زعفرانی کپڑا حرام ہے، اس لئے اس میں کفن دینا جائز نہیں، اور عورتوں کیلئے زندگی میں ایسے کپڑوں کو پہننا درست ہے، اس لئے ان کو ایسے کپڑوں میں بھی کفن دینا درست ہے۔ (بدائع الصنائع:۲/۳۹)

مسئلہ (۴۶۶): اگر کوئی کمپنی اپنے ملازم کو تجہیز وتکفین کی پالیسی (Policy) کی سہولت مہیا کرے، یعنی جب اس ملازم کا یا اس کے اہل وعیال میں سے کسی کا انتقال ہو جائے، تو وہ کمپنی اپنی طرف سے تجہیز وتکفین کا خرچہ دیتی ہے، تو پالیسی کی یہ رقم کمپنی کی طرف سے عطیہ اور ایک قسم کا تعاون ہے، لہٰذا اس کا وصول کرنا اور استعمال کرنا درست ہے، جس طرح پراویڈنٹ فنڈ، بونس اور پینشن کی رقم لینا شرعاً درست ہے۔ (الاختیار لتعلیل المختار:۲/۵۳۳)

مسئلہ (۴۶۷): اکثر علاقوں میں جنازہ کی چادر پر قرآنی آیات کی کشیدہ کاری کا رَواج ہے، اس میں قرآنی آیات کی بے ادبی کا خطرہ ہے، نیز یہ عمل سنت سے ثابت نہیں، لہٰذا اسے چھوڑ دینا ضروری ہے۔ (مجموعۃ رسائل اللکنوی:۴/۱۵۹)

مسئلہ (۴۶۸): بعض لوگ میت کو رات میں دفن کرنے کو برا خیال کرتے ہیں، اُن کا یہ خیال درست نہیں ہے، صحیح بات یہ ہے کہ میت کو رات میں دفن کرنا بلا کراہت جائز و درست ہے۔ (موسوعۃ مسائل الجمہور:۱/۲۵۸)

مسئلہ (۴۶۹): اگر کسی مسلم غیر مختون یعنی جس کی ختنہ نہیں ہوئی تھی، اس کا انتقال ہو جائے تو اسے اسی حالت میں دفن کیا جائیگا، اس کی ختنہ نہیں کی جائیگی۔ (موسوعۃ مسائل الجمہور:۱/۲۴۸، حلبی کبیر:ص/۵۷۹)

مسئلہ (۴۷۰): شریعت کا حکم یہ ہے کہ آدمی جس جگہ وفات پائے اسے وہیں دفن کر دیا جائے، گرچہ اس نے وصیت کی

ہو کہ اسے کسی اور بستی میں دفن کیا جائے، کیوں کہ اس طرح کی وصیت باطل ہے، نیز میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اگر کہیں کسی فقیہ نے اس کی اجازت بھی دی ہے تو وہ ایک دو میل کی قید کے ساتھ مقید ہے، اس لئے آدمی کا انتقال جس جگہ ہوا سے وہیں دفن کر دینا چاہیے۔......بعض لوگ میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے جواز کو ثابت کرنے کیلئے حضرت یعقوب و یوسف علیہما السلام کے مصر سے ملک شام منتقل کئے جانے کے واقعے سے استدلال کرتے ہیں، جب کہ ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیوں کہ یہ واقعہ شریعت سابقہ کا ہے، اور شریعت سابقہ اس وقت تک ہم پر لازم نہیں ہوتی جب تک کہ اللہ اور اس کے رسول نے اسے بغیر انکار کے بیان نہ کیا ہو، لیکن اگر بیان کے بعد صراحۃً یا دلالۃً انکار کر دیا ہو تو اس کے احکام ہم پر لازم نہیں ہوتے ہیں۔ (الدر مع الرد:۱۰/ ۲۹۷)

مسئلہ (۴۷۱): جب لوگ مردے کو دفن کر چکیں، تو اس کے سر کے پاس سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات یعنی ﴿الٓم ذلک الکتٰب لا ریب فیه﴾ سے ﴿أولٓئک هم المفلحون﴾ تک، اور پاؤں کے پاس سورۂ بقرہ کی آخری آیات ﴿آمن الرسول بما أنزل إلیه من ربه والمؤمنون﴾ سے ﴿فانصرنا علی القوم الکافرین﴾ تک کا پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، اور میت کو دفن کرنے کے بعد کچھ دیر تک ٹھہرنا اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہنا اور دعا کرنے میں مضائقہ نہیں، بلکہ یہ بہتر ہے، کیوں کہ اس سے میت کے سوال و جواب میں آسانی ہوتی ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی:۷/ ۱۶)

مسئلہ (۴۷۲): وقتِ واحد میں چند مردوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرنا درست نہیں ہے، مگر ضرورۃً ایسا کیا جا سکتا ہے، اگر مردے مخلوط ہوں تو پہلے مرد کو رکھا جائے، اس کے بعد لڑکے کو، اس کے بعد خنثیٰ کو، اس کے بعد عورت کو، اور ہر دو میت کے درمیان مٹی سے آڑ کر دی جائے، تا کہ حکماً وہ دو قبریں ہو جائیں، اور اگر سب مرد ہوں، یا سب عورتیں ہوں، تو لحد میں پہلے افضل کو رکھا جائے، اس کے بعد غیر افضل کو۔ (صحیح البخاری:۱/ ۱۷۹)

مسئلہ (۴۷۳): کسی ایسی قبر کو جس میں پہلے سے کوئی شخص مدفون ہے، کسی دوسری میت کو دفن کرنے کیلئے نہیں کھودا جائیگا، لیکن اگر پہلی میت بالکل مٹی بن گئی ہو تو اس میں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے، بالخصوص ہمارے اس زمانے میں کہ شہری و دیہی آبادیاں اس قدر بڑھ گئیں کہ جو قبرستان ماضی میں شہروں اور گاؤں سے کافی دوری پر واقع تھے آج وہ بالکل قلب شہر میں آ چکے ہیں، اور قبرستانوں کیلئے دوسری جگہوں کا ملنا بڑا مشکل ہو گیا ہے۔ (رد المحتار:۳/ ۱۲۹)

مسئلہ (۴۷۴): اگر قبرستان کسی شخص کا ذاتی ہے، جیسے بعض مقامات پر لوگ اپنی ذاتی ملک میں اپنے مردوں کو دفن کرتے ہیں، اور وہ اراضی یعنی زمین اپنی ملک سے خارج نہیں کرتے، اور نہ دوسروں کو دفن کی عام اجازت دیتے ہیں، ایسے مقابر میں اگر

قبریں پرانی ہوجائیں اور لاش کے مٹی ہوجانے کا گمانِ غالب ہوجائے، تو پھر ایسی پرانی قبروں کی جگہ پر نہ صرف یہ کہ دوسرے مردوں کو دفن کرنا جائز ہوگا، بلکہ اس پر کاشت کرنا اور تعمیر کرنا بھی درست ہوگا۔ (ہندیہ:۱/۱۶۷)

مسئلہ (۴۷۵): بسا اوقات زمین کے نرم ہونے یا کسی اور وجہ سے قبر دھنس جاتی ہے، تو اس صورت میں اس پر دوبارہ مٹی ڈال کر، اسے برابر اور درست کرنا بلاشبہ جائز ہے۔ (معجم کبیر للطبرانی:۲۴/۳۰۶، ۳۰۷، رقم الحدیث:۷۷۶)

مسئلہ (۴۷۶): مُردے کو دفن کرتے وقت اگر کسی شخص کا کوئی قیمتی سامان قبر میں گر گیا، خواہ وہ ایک درہم یا اس کی قیمت کے برابر کوئی چیز ہی کیوں نہ ہو، تو دوبارہ قبر کی مٹی کھود کر اس سامان کو نکالنا درست ہے، اس طور پر کہ مدفون کو قبر سے نہ نکالا جائے، اس لیے کہ مسلمان کا مال محترم ہے، اور قبر میں مالِ محترم چھوڑ دینا اضاعتِ مال میں شامل ہے، جب کہ آپ ﷺ نے ہمیں اضاعتِ مال سے منع فرمایا ہے، صحیح حدیث شریف میں ہے کہ مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی آپ ﷺ کی قبرِ اطہر میں گر گئی تھی، تو انہوں نے اینٹ ہٹا کر اپنی انگوٹھی نکالی، اور رسول اللہ ﷺ کے دونوں چشمِ مبارک کے درمیان بوسہ بھی لیا تھا۔ (المبسوط للسرخسی:۲/۱۱۸)

مسئلہ (۴۷۷): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ دفن کے وقت مُردے کے کفن کی گرہ کھولنے کا حکم اِس لیے دیا گیا تاکہ وہ منکر نکیر کے سوال کے وقت بآسانی بیٹھ سکے، اُن کا یہ خیال درست نہیں ہے، کیوں کہ فقہاء کرام نے اِس حکم کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ گرہ باندھنا انتشارِ کفن کے خوف سے تھا، اور اب یہ خوف باقی نہیں رہا، اِس لیے گرہ کھول دی جائیگی۔ (المبسوط للسرخسی:۲/۹۵)

مسئلہ (۴۷۸): قبر کو پختہ بنانا جائز نہیں ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، اور قبر پر کتبہ لگانا جبکہ خاص ضرورت ہو، مثلاً قبر کا نشان باقی رہے، قبر کی بے حرمتی نہ ہو، لوگ اسے پامال نہ کریں، تو ان مصلحتوں کے پیشِ نظر حسب ضرورت صرف نام اور تاریخِ وفات لکھنے کی گنجائش ہے، قرآن کی آیت یا کلمہ وغیرہ لکھنا مکروہ ہے، فقہاء کرام نے ضرورت کی صورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے، تاہم بہتر صورت یہ ہے کہ قبر بالکل سادہ رکھی جائے، اس پر کچھ نہ لکھا جائے، اگر قبر کا نشان باقی رکھنے کی ضرورت ہو تو کوئی پتھر رکھ دیا جائے یا کوئی درخت لگا دیا جائے۔ (صحیح مسلم:۱/۳۱۲، السنن لأبی داود:ص/۴۵۷)

مسئلہ (۴۷۹): شوہر کے سوا کسی دوسرے کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں ہے، اسی طرح تعزیت کی شرعی مدت تین دن ہے، البتہ جو شخص بروقت حاضر نہ ہوسکا اور بعد میں آیا تو وہ تین دن گذر جانے کے بعد بھی تعزیت کرسکتا ہے، بار بار تعزیت کرنا مکروہ ہے، کہ اس میں ورثاء کے غم کو تازہ کرنا ہے، بعض علاقوں میں لوگ چالیس دن تک تعزیت کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں، اور چالیس دن مکمل ہونے پر ہی یہ سلسلہ بند ہوتا ہے، جسے ''میت کا بستر اٹھانا'' کی رسم سے جانا جاتا ہے، شرعاً یہ رسم غلط، بے بنیاد اور قابلِ ترک ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۱۷۱)

مسئلہ (۴۸۰): اہلِ میت کو ایک دن ایک رات کا کھانا دینا عزیز رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے لیے مستحب ہے، تاہم کہیں یہ انتظام نہ ہو سکے تو خود اہلِ میت اپنے گھر میں پہلے دن بھی کھانا پکا کر کھا سکتے ہیں، لہٰذا یہ خیال کرنا کہ اہلِ میت اپنے گھر میں چولہا نہیں جلا سکتے، غلط ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح:۴/۱۹۴، رقم الحدیث:۱۷۳۹)

مسئلہ (۴۸۱): بعض لوگ کسی شخص کے مرنے کے بعد اس کی برائی کرتے ہیں کہ وہ ایسا تھا، وہ یوں تھا وغیرہ، جب کہ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ مرنے کے بعد لوگوں کو معاف کر دینا چاہیے، کیوں کہ ''کفنوں کو میلا کرنے'' اور ''پھٹے میں ٹانگ اُڑانے'' سے کچھ ہاتھ نہیں آتا، اُن کو اُجلا رہنے دینا ہی بہتر ہے، ایک دن ہمیں بھی قبر کی گود میں جانا ہے، تب ہمیں بھی زمانے سے یہی توقع ہوگی کہ وہ ہمارے کفن پر داغ نہ آنے دے، ویسے بھی ''قبروں کی مٹی اڑانا'' باعظمت لوگوں کا کام نہیں، نیز اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی بے کراں ہے کہ خیال سے بھی ماوراء ہے، لہٰذا آپ ﷺ کے فرمان: "اُذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ ، وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِيهِمْ" کہ ''اپنے مرنے والے لوگوں کے محاسن بیان کرو اور ان کی سیئات پر اپنی زبانیں بند رکھو'' پر عمل کرتے ہوئے ہمیں مرنے والے شخص کے عیوب بیان کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ (عارضۃ الأحوذي:۳/۱۸۸)

مسئلہ (۴۸۲): عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ نفل نماز، روزہ، تلاوتِ کلام پاک وغیرہ کا ثواب مُردوں ہی کو ہدیہ کیا جا سکتا ہے، زندوں کو نہیں، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ والدین، عزیز و اقارب اور دوستوں کی زندگی میں بھی انہیں اپنے مذکور نیک اعمال کا ثواب ہدیہ کرنا بلاشبہ جائز اور درست ہے۔ (بدائع الصنائع:۳/۲۷۰)

مسئلہ (۴۸۳): **شہید** کی دو قسمیں ہیں: شہید دنیوی، شہید اخروی؛...... **شہید** دنیوی کا حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہیں دیا جاتا، اور نہ اس کے پہنے ہوئے کپڑے اتارے جاتے ہیں، بلکہ بغیر غسل کے اس کے خون آلود کپڑوں سمیت کفن برابر کر کے نمازِ جنازہ کے بعد دفن کر دیا جاتا ہے۔ **شہادت** کا یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو مسلمان، عاقل اور بالغ ہو، وہ کافروں کے ہاتھوں سے مارا جائے، یا میدان جنگ میں مرا ہوا پایا جائے، اور اس کے بدن پر قتل کے نشانات ہوں، یا ڈاکوؤں، چوروں نے اس کو قتل کر دیا ہو، یا وہ اپنی مدافعت کرتے ہوئے مارا جائے، یا کسی مسلمان نے اس کو آلۂ جارحہ کے ساتھ ظلماً قتل کر دیا ہو، اور قاتل پر دیت واجب نہ ہو، یا وہ شخص مندرجہ بالا صورتوں میں موقع پر ہلاک ہو گیا، اور اسے کچھ کھانے پینے، علاج و معالجہ، سونے، یا وصیت کرنے کی مہلت نہ ملی ہو، یا ہوش و حواس کی حالت میں اس پر ایک نماز کا وقت نہ گذرا ہو، اور اس پر پہلے سے غسل واجب نہ ہو، تو ایسے شخص کو شہید دنیوی کہہ سکتے ہیں، اور اگر کوئی مسلمان قتل ہو جائے اور مذکورہ بالا شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے، تو اس کو غسل بھی دیا جائیگا، اور دنیوی احکام کے اعتبار سے وہ شہید نہیں کہلائیگا، البتہ آخرت میں اس کا شمار شہداء میں ہوگا۔ (ردالمحتار:۳/۱۴۷-۱۵۳، الاختیار لتعلیل المختار:۱/۱۴۵-۱۴۷)

مدرک، مسبوق اور لاحق کا بیان

مسئلہ (۴۸۴): اگر مدرک پہلی رکعت میں اس وقت شریک ہوا، جو وقت امام کی قرأت کا ہو، تو ثناء نہ پڑھے، یہی حکم اس وقت ہے جب امام کو رکوع کی حالت میں پائے اور ثناء پڑھنے میں رکوع چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو، مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی رکعتوں کو ادا کرتے وقت شروع میں ثناء پڑھ لے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۹۰، فتاوی تاتارخانیہ:۱/۳۴۹)

مسئلہ (۴۸۵): مسبوق شخص جب امام کے ساتھ اس وقت شریک ہوا کہ وہ جہری قرات میں مشغول ہو چکا ہو تو ثناء نہ پڑھے، اور اگر سری قرات میں مشغول ہے تو ثناء پڑھے، پھر جب امام فارغ ہونے کے بعد اپنی چھوٹی ہوئی رکعتوں کو پورا کرنے کے لئے کھڑا ہو تو اس وقت بھی دوبارہ ثناء پڑھے۔ (فتاوی قاضیخان:۱/۴۳)

مسئلہ (۴۸۶): اگر امام کا وضو ٹوٹ جائے تو بہتر ہے کہ وہ کسی مدرک، یعنی ایسا شخص جو تکبیر تحریمہ کے بعد سے ہی امام کے ساتھ شریک ہے کو خلیفہ بنائے، تاہم اگر امام نے کسی مسبوق کو خلیفہ بنا دیا تو بھی درست ہے، اور یہ مسبوق خلیفہ سلام کے وقت کسی ایسے شخص کو اپنی جگہ امام بنا دے جس کی نماز پوری ہوگئی ہے، وہ سلام پھیر دے، اور یہ مسبوق کھڑا ہو کر اپنی باقی ماندہ رکعات پوری کر لے۔ (الدر مع الرد:۲/۳۱۴)

مسئلہ (۴۸۷): اگر امام کو نماز کی حالت میں حدث لاحق ہو جائے، جس کی بنا پر اسے خلیفہ بنانے کی ضرورت پڑ جائے، اور خلیفہ کو یہ معلوم نہ ہو کہ کتنی رکعتیں باقی ہیں، تو محدث امام کو چاہیے کہ اگر ایک رکعت باقی تھی تو ایک انگلی سے، اور اگر دو رکعتیں باقی تھیں تو دو انگلیوں سے اشارہ کرے، اگر رکوع چھوٹا ہوا ہے تو گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر، سجدہ چھوٹا ہوا ہے تو پیشانی پر ہاتھ رکھ کر، اور قرأت چھوٹی ہوئی ہے تو منہ پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کرے، سجدۂ تلاوت کیلئے پیشانی اور زبان پر ہاتھ رکھ کر، اور سجدۂ سہو واجب تھا تو سینہ پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کرے۔ (النہر الفائق:۱/۲۵۸)

مسئلہ (۴۸۸): نماز عیدین میں اگر کسی کی پہلی رکعت چھوٹ گئی اور وہ امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شریک ہوا، تو وہ شخص امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو اور پہلے قرأت کرے، پھر رکوع میں جانے سے پہلے تین زائد تکبیرات کہے، اور اپنی نماز پوری کرے۔ (فتاوی تاتارخانیہ:۱/۵۶۲)

مسئلہ (۴۸۹): کوئی شخص نماز میں مسبوق ہو، یعنی اُس کی کوئی رکعت چھوٹ گئی ہو، مگر اُسے اپنی مسبوقیت یاد نہیں رہی، جس وقت امام نے سلام پھیرا تو ساتھ ساتھ اُس نے بھی سلام پھیر لیا، اب اُس کے پہلو میں نماز پڑھنے والے شخص نے اُس سے کہا کہ آپ کی ایک رکعت باقی ہے، اگر یہ مسبوق اس کے کہنے پر کھڑا ہوا، تو اس کی نماز فاسد ہوگی، اُسے دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی،

اور اگر کہنے والے کے کہنے سے یاد آیا اور پھر کھڑا ہوا، تو نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ امام کے ساتھ سلام پھیرنے کی وجہ سے اُس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (خلاصۃ الفتاوی:۱/۱۲۱)

مسئلہ (۴۹۰): اگر امام کو نماز کی حالت میں دورانِ قرأت حدث لاحق ہو جائے، اور وہ کسی شخص کو اپنا خلیفہ بنائے، تو یہ خلیفہ قرأت ہی سے نماز کو شروع کرے، اگر خلیفہ کو وہ سورت یاد نہ ہو جو امام پڑھ رہا تھا، تو وہ کوئی بھی سورت پڑھ کر رکوع کر دے، بلکہ اگر امام بقدر واجب قرأت کر چکا تھا، تو خلیفہ اس کی جگہ جا کر فوراً رکوع میں بھی جا سکتا ہے۔ (بدائع الصنائع:۱/۲۹۷)

مسئلہ (۴۹۱): اگر کسی مقتدی کا وضو بلا قصد و اختیار ٹوٹ جائے، تو شرعاً اس کو اجازت ہے کہ وہ خاموش ناک پر ہاتھ رکھ کر چلا جائے، اور جس قدر پانی قریب ہو اس سے وضو کر لے، اور اگر اتنی دیر میں امام نماز سے فارغ ہو چکا ہے، تو جہاں چاہے اپنی نماز پوری کر لے، اور اگر امام فارغ نہیں ہوا ہے تو پہلی جگہ لوٹ آئے، اور وضو کرنے کے درمیان جو رکعت چھوٹ گئی ہو، اسے امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کر لے، اور یہ بھی جائز ہے کہ وضو کے درمیان جو رکعت چھوٹ گئی اسے پہلے بلا قرأت ادا کر لیں، پھر امام کے ساتھ شریک ہو۔ (اعلاء السنن:۵/۴)

مسئلہ (۴۹۲): اگر کسی مقتدی کا وضو ٹوٹ جائے اور مسجد میں اژدحام بہت ہے کہ پوری مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہے، تب بھی اس شخص کیلئے وضو کیلئے ہر صف کے دو آدمیوں کے درمیان سے گزرنا جائز ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: "**فلینصرف**"، یعنی لوٹ جائے، مطلق ہے، اس میں ازدحام وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے، اور اصول ہے کہ "**المطلق يجري علی إطلاقه**"، تاہم اگر نکلنا دشوار ہو اور نکلتے وقت کسی نمازی کے تحویل صدر ہو جانے سے نماز کے فاسد ہونے کا خطرہ ہو، تو یہ شخص وہیں اپنی جگہ بیٹھا رہے، نماز میں شریک نہ رہے، پھر وضو کر کے دوبارہ پوری نماز پڑھ لے۔ (ہندیہ:۱/۹۴)

مسئلہ (۴۹۳): لاحق شخص پر ضروری ہے کہ وہ اولاً اپنی فوت شدہ نماز بلا قرأت ادا کرے، اس کے بعد اگر ابھی امام نے سلام نہیں پھیرا ہو، تو اس کے ساتھ شامل ہو کر نماز مکمل کر لے، اگر اس کے برخلاف کیا، یعنی امام کے ساتھ رہا اور اس کے سلام پھیرنے کے بعد فوت شدہ رکعت پڑھی، تو اس صورت میں بھی نماز ہو جائیگی، لیکن پہلی صورت بہتر ہے۔

(احسن الفتاوی:۳/۳۸۴، کتاب المسائل:۱/۳۹۳، فتاوی حقانیہ:۳/۱۹۳)

مسئلہ (۴۹۴): بعض لوگ جماعت شروع ہونے کے بعد مسجد دیر سے پہنچتے ہیں، اور امام کو سجدہ یا قعدہ میں پا کر اس کے کھڑے ہونے کا انتظار کرتے ہیں کہ جب امام کھڑا ہوگا، تو جماعت میں شریک ہوں گے، یہ طریقہ بالکل غلط ہے، بلکہ امام کو جس حال میں بھی پائے تکبیرِ تحریمہ کہہ کر اسی حال میں شریک ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح بعض لوگ امام کو رکوع میں پا کر بھاگ

پڑتے ہیں، اور عجلت کی وجہ سے جھکتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں شریک ہوجاتے ہیں، ایک تو نمازی کیلئے دوڑنا درست نہیں، سکون اور وقار سے چلنا ضروری ہے، دوسرے ان لوگوں کی تکبیر تحریمہ صحیح نہ ہونے کی وجہ سے نماز بھی نہیں ہوتی، کیوں کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر کہنا فرض ہے۔ **صحیح طریقہ** یہ ہے کہ سیدھے کھڑے ہوکر تکبیر تحریمہ کہے، ہاتھ نہ باندھے، اور ثناء پڑھے بغیر، رکوع کی تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں چلا جائے، ہاں اگر امام کو سجدہ یا قعدہ میں پائے تو تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھے، پھر تکبیر کہہ کر امام کے ساتھ شریک ہوجائے (مگر قعدۂ اخیرہ میں اگر امام سلام پھیرنے کے قریب ہو، تو تکبیر تحریمہ کہہ کر فوراً بیٹھ جائے) اور اگر امام کو قرأت میں پائے تو جہری نماز میں تکبیر کہہ کر خاموش کھڑا ہوجائے، اور سری نماز میں ثناء بھی پڑھ لے۔ (جامع الترمذی:۱/۱۳۰)

مسئلہ (۴۹۵): امام کے سلامِ اول میں لفظ ''السلام'' کہنے سے پہلے تک مسبوق امام کی اقتدا کرسکتا ہے اس کے بعد اقتدا صحیح نہیں ہوگی، کیوں کہ دائیں جانب سلام پھیرنے سے نماز ختم ہوجاتی ہے۔ (بدائع الصنائع:۱/۴۵۷)

مسئلہ (۴۹۶): اگر مسبوق قعدۂ اولیٰ میں امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوا، اور وہ جیسے ہی قعدہ میں بیٹھا امام تیسری رکعت کے قیام کیلئے کھڑا ہوا، تو مسبوق التحیات پڑھ کر قیام کرے، کیوں کہ مسبوق پر امام کے تابع ہوکر تشہد واجب ہوچکی، التحیات پڑھے بغیر کھڑے ہونا مکروہِ تحریمی ہے، لیکن اگر کوئی شخص کھڑا ہوگیا تو نماز ہوجائیگی۔ (ردالمحتار:۲/۱۶۵)

مسئلہ (۴۹۷): بعض امام رکوع سے قومہ میں منتقل ہوجانے یعنی رکوع سے سر اٹھانے کے بعد تکبیرِ انتقال یعنی ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتے ہیں، اس صورت میں جن لوگوں نے امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اسکی اقتدا کی ان کو وہ رکعت نہیں ملی، اس لیے ان پر لازم ہے کہ وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس چھوٹی ہوئی رکعت کو پڑھ لیں۔ (ہندیہ:۱/۵۷)

نوٹ:- ائمہ حضرات تکبیراتِ انتقال کا پورا پورا خیال رکھیں کہ جہاں انتقال کا آغاز ہو وہیں سے تکبیرِ انتقال بھی شروع کریں اور جہاں انتقال ختم ہو وہیں تکبیرِ انتقال بھی ختم کریں۔ خصوصاً رکوع میں کیونکہ اگر امام رکوع سے سر اٹھانے کے بعد تکبیر کہے گا تو جس مقتدی نے اس کو نہیں دیکھا وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ امام رکوع ہی میں ہے اور مجھے رکعت مل چکی ہے، جبکہ یہ خلافِ واقعہ ہے اور چھوٹی ہوئی رکعت کے نہ پڑھنے سے نماز صحیح نہیں ہوگی۔

مسئلہ (۴۹۸): جب دو شخص جن کی کچھ رکعتیں چھوٹ گئیں، ایک ساتھ جماعت میں شریک ہوں، ان میں سے ایک کو تو اپنی چھوٹی ہوئی رکعتیں یاد ہوں، مگر دوسرے کو یاد نہیں، اگر دوسرا شخص (جس کو یاد نہیں) پہلے شخص کی دیکھا دیکھی اپنی نماز پوری کرلے، تو اس کی نماز صحیح ہوگی، بشرطیکہ وہ شخصِ اول کی اقتدا کی نیت نہ کرے، کیوں کہ مسبوق کی اقتدا جائز نہیں ہے۔ (شامی:۲/۳۴۸)

مسئلہ (۴۹۹): مسبوق اگر امام کے ساتھ سلام پھیر دے، پھر دوسرے کی کہنے کی بنا پر اپنی نماز مکمل کرے تو اس کی نماز فاسد ہوجائیگی، ہاں! اگر سلام پھیرنے کے بعد یاد آ گیا (خواہ یہ یاد آنا اپنے بازو میں نماز پڑھنے والے کو دیکھ کر ہی ہو پھر کھڑا ہوا) تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (ہندیہ:۱/۹۲)

مسئلہ (۵۰۰): اگر کوئی شخص مغرب کی نماز میں اپنے امام کو تیسری رکعت کے رکوع میں پالے، تو اسے یہ تیسری رکعت مل گئی، اب وہ بقیہ نماز اس طرح ادا کرے، کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر ثناء، تعوّذ، تسمیہ، فاتحہ، اور کوئی سورت پڑھ کر رکوع وسجدہ کر کے قعدہ کرے، اور اس میں تشہد پڑھے، پھر دوسری رکعت کیلئے کھڑا ہو کر، فاتحہ وسورت پڑھ کر رکوع اور سجدہ کر کے التحیات، درود شریف اور دعاء ماثورہ پڑھ کر سلام پھیر دے، اگر شخصِ مذکور نے دوسری رکعت، یعنی امام کی فراغت کے بعد پہلی رکعت پر قعدہ نہیں کیا، تب بھی استحساناً اس کی نماز صحیح ہوگی، اور اس پر سجدۂ سہو بھی لازم نہ ہوگا۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ:۲/۳۴۶، ۳۴۷)

مسئلہ (۵۰۱): اگر کوئی شخص نمازِ مغرب کی آخری رکعت میں شریک ہو، یعنی اس کو امام کے ساتھ صرف ایک رکعت ہی ملی، اور دو رکعتیں چھوٹ گئیں ہوں، تو چھوٹی ہوئی رکعتوں کو پورا کرنے کے دو طریقے ہیں:

۱- امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت ادا کر کے قعدۂ اولیٰ کرے، اب یہ مسبوق کی دو رکعتیں ہوں گی، پھر قعدۂ اخیرہ کے ساتھ تیسری رکعت پوری کرلے، اور یہی صورت بہتر اور اَولیٰ ہے۔

۲- امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی دو رکعتیں قعدۂ اخیرہ کے ساتھ پڑھ لے، دوسری رکعت پر قعدۂ اولیٰ نہ کرے، اس سے بھی نماز درست ہوجائے گی اعادہ کی ضرورت نہیں، نیز اس صورت میں استحساناً سجدۂ سہو بھی لازم نہیں ہوگا۔

نوٹ:- واضح رہے کہ مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھے گا۔ (حلبی کبیر:ص/۴۶۸)

مسئلہ (۵۰۲): اگر کوئی شخص امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے پہلے ایک لحہ بھی امام کو رکوع میں پالے، گو یہ لحہ ایک تسبیح سے کم ہو تو وہ اس رکعت کو پانے والا سمجھا جائیگا، البتہ اگر امام رکوع سے اٹھنے کی حالت میں ہو، اور مقتدی رکوع میں جانے کی حالت میں ہو، تو وہ رکعت کو پانے والا نہ ہوگا، لہٰذا اس کو رکعت دہرانا لازم ہوگا۔ (حلبی کبیر:ص/۲۸۱)

مسئلہ (۵۰۳): بعض لوگ امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اپنی تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع کرتے ہیں اور امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوجاتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں وہ رکعت مل گئی، جبکہ صحیح یہ ہے کہ ان کو وہ رکعت نہیں ملی، امام کے فارغ ہونے کے بعد اس رکعت کی قضاء ضروری ہے، ورنہ نماز نہیں ہوگی۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ:۲/۵۱۶)

مسئلہ (۵۰۴): بعض لوگ امام کے ساتھ نماز میں شریک ہونے کیلئے کھڑے ہو کر انتظار کرتے ہیں، جب وہ قیام میں

پہنچتا ہے یا قعدہ میں بیٹھتا ہے، تب تکبیر تحریمہ کہہ کر شریک ہوتے ہیں، جب کہ حکم یہ ہے کہ امام کو جس حال میں پاؤ شریک ہو جاؤ۔ (اعلاء السنن:۴/۳۲۵)

مسئلہ (۵۰۵): مسبوق امام کے قعدۂ اخیرہ میں صرف التحیات پڑھے، درود شریف اور دعاء ماثورہ نہ پڑھے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ التحیات کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھے، تاکہ امام کے سلام پھیرنے تک فارغ ہو، یا پھر التحیات سے فارغ ہو کر خاموش رہے۔
(فتاوی تاتارخانیہ:۱/۵۶۰)

زکوۃ کا بیان

مسئلہ (۱): زکوٰۃ اور ٹیکس میں متعدد فروق ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

زکوٰۃ ایک عبادت ہے، اس میں نیت وارادہ اور خالص اللہ کی رضا کے لیے دینا ضروری ہے، اور اس کے مصارف و مستحقین متعین ہیں، انہی پر زکوٰۃ خرچ کرنا لازم ہے، غیر مسلم غیر مستحقین اور عام رفاہی کاموں میں زکوٰۃ کا استعمال جائز نہیں ہے، اور یہ سب احکام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے ثابت شدہ ہیں، جب کہ ٹیکس عبادت نہیں بلکہ سراسر ظلم ہے، اس میں نیت اور ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہے، اس کے مصارف بھی متعین نہیں ہیں۔ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ:۳/۱۷۹۹)

مسئلہ (۲): زکوۃ اسی شخص پر واجب ہوگی جس میں وجوبِ زکوۃ کی شرطیں موجود ہوں اور وہ شرائط یہ ہیں:

صاحبِ مال کا آزاد ہونا، عاقل ہونا، بالغ ہونا، مسلمان ہونا، مقدارِ نصاب کا مالک ہونا، ملک کا تام ہونا، مالِ نصاب پر حولانِ حول یعنی ایک سال گزر جانا، مال کا ضرورتِ اصلیہ اور قرض سے خالی ہونا۔ (البحر الرائق:۲/۳۵۳، ۳۵۵، بدائع الصنائع:۲/۳۷۷)

مسئلہ (۳): ۱- مالِ نامی ہر اس مال کو کہتے ہیں جو بڑھنے والا ہو، خواہ حقیقتاً ہو جیسے مویشی کہ ان کی نسل بڑھتی ہے، اور مالِ تجارت، یا تقدیراً جیسے سونا چاندی اور وہ سکے جو رائج ہوں۔

۲- سونا چاندی میں بہر دو صورت زکوٰۃ واجب ہوگی، خواہ ان دونوں کے ذریعہ تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ یہ دونوں اصل خلقت کے اعتبار سے تجارت ہی کے لیے ہیں، اور سونا چاندی کے علاوہ سامان میں اگر تجارت کی نیت ہو، یا مویشی سائمہ ہوں، تو زکوٰۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں، نیز اس مال پر حولانِ حول یعنی سال گزرنا شرط ہے۔ (ردالمحتار:۳/۱۷۹)

مسئلہ (۴): اگر کسی شخص نے زکوٰۃ ادا کی اور بقیہ مال جو بقدر نصاب تھا، ویسا ہی پڑا رہ گیا، تو یہ مال، مالِ نامی ہے، اور مالِ نامی پر سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اب چاہے وہ اس مال سے تجارت کرے یا نہ کرے۔
(الفقہ المیسر علی مذہب الإمام أبی حنیفۃ:ص/۲۴۵)

مسئلہ(۵): اگر کوئی ملازم فنڈ کی رقم کی وصولیابی سے پہلے صاحبِ نصاب نہیں تھا، اور نہ ہی رقم اتنی ملی کہ جس سے وہ صاحبِ نصاب بنتا تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ وجوبِ زکوۃ کے لیے صاحبِ نصاب ہونا ضروری ہے۔

(فتاوی تاتارخانیہ:۲/۳)

مسئلہ(۶): زکوۃ کی ادائیگی کے واجب ہونے کے لیے کوئی مہینہ یا تاریخ متعین نہیں، بلکہ جس دن نصاب پر سال پورا ہوا اسی تاریخ کو زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوگی، مثلاً کوئی شخص یکم محرم الحرام کو صاحبِ نصاب ہوا، تو آئندہ یکم محرم الحرام کو اس پر زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوگی، مگر عام لوگ رمضان المبارک میں زکوۃ ادا کرتے ہیں، بعض تو وہ ہوتے ہیں کہ رمضان ہی میں ان کے نصاب پر سال پورا ہوتا ہے، وہ وقت پر ہی ادا کر رہے ہیں، اور بعض لوگ وہ ہوتے ہیں کہ ان کے نصاب پر سال پہلے ہی پورا ہو چکا ہوتا ہے، مگر زکوۃ کی ادائیگی رمضان میں کرتے ہیں، ان کے لیے بہتر یہ تھا کہ جس وقت سال پورا ہوا اسی وقت ادا کرتے، کیونکہ ادائے زکوۃ میں تاخیر کرنا مکروہِ تحریمی ہے، اور بعض وہ ہوتے ہیں جو رمضان المبارک کی فضیلت وبرکت (ثواب میں ستر "۷۰" گنا اضافہ) سے فائدہ اٹھانے کے لیے پیشگی زکوۃ دیتے ہیں جو کہ جائز ہے، مگر تین شرطوں کے ساتھ:

(۱) بوقتِ تعجیل (پیشگی زکوۃ ادا کرتے وقت) سال شروع ہو چکا ہو۔ (۲) آخر سال میں وہ نصاب کامل ہو جس کی پیشگی زکوۃ دی گئی۔ (۳) درمیان میں اصل نصاب فوت نہ ہو۔ (فتاوی تاتارخانیہ:۲/۲۸)

مسئلہ(۷): اگر کوئی شخص نصاب پر سال گزرنے سے پہلے ہی پیشگی زکوٰۃ ادا کر دے تو جائز ہے، سال پورا ہونے پر نصاب باقی ہے تو یہ پیشگی ادا کردہ زکوۃ، زکوۃ ہوگی، ورنہ صدقۂ نافلہ ہوگی، نیز زکوۃ کی ادائیگی کے وجوب کیلئے کوئی مہینہ یا تاریخ متعین نہیں ہے، بلکہ جس دن نصاب پر سال پورا ہو، اسی تاریخ کو زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوگی، مگر بہت سے لوگ رمضان المبارک میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، بعض تو وہ ہوتے ہیں کہ رمضان ہی میں ان کے نصاب پر سال پورا ہوتا ہے وہ وقت ہی پر ادا کر رہے ہیں، اور بعض وہ ہوتے ہیں کہ ان کے نصاب پر سال پہلے ہی پورا ہو چکا ہوتا ہے، ان کیلئے بہتر یہ تھا کہ جس وقت سال پورا ہوا اسی وقت ادا کرتے، کیوں کہ اداءِ زکوٰۃ میں تاخیر کرنا مکروہِ تحریمی ہے، اور بعض وہ ہوتے ہیں جو رمضان المبارک کی فضیلت وبرکت (ثواب میں ۷۰ گنا اضافہ) سے فائدہ اٹھانے کیلئے پیشگی زکوۃ دیتے ہیں جو کہ جائز ہے، مگر مذکورہ تین شرطوں کے ساتھ۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۷۰)

مسئلہ(۸): زکوۃ کی نیت کئے بغیر زکوۃ ادا کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ مالِ زکوۃ دیتے یا نکالتے وقت زکوۃ کی نیت کرنا ضروری ہے۔ (المختصر القدوری:ص۴۳، الفتاوی الہندیۃ:۱/۱۷۰)

مسئلہ(۹): زکوۃ اس وقت واجب ہوگی جبکہ نصابِ زکوٰۃ پر قمری (اسلامی) سال کے اعتبار سے پورا سال گزر جائے، انگریزی سال کا اعتبار نہیں ہوگا، مثلاً: اگر کوئی شخص رجب المرجب کی ۶/ تاریخ کو صاحبِ نصاب ہوا تو آئندہ سال ۶/ رجب المرجب کو اس کے نصاب پر سال پورا ہوگا اور ادائیگی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید:۱/ ۳۵۶)

مسئلہ(۱۰): زکاۃ سے متعلق نصوص اور عام فقہاء کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جیسے سونا و چاندی میں سے ہر ایک خلقۃً، طبعاً، اور استعمالاً ثمن ہے، اسی طرح نصابِ زکاۃ میں بھی دونوں میں سے ہر ایک کا نصاب مستقل ہے، دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر متفرع نہیں ہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ چاندی کے نصاب سے متعلق نصوص زیادہ ہیں، اور وہ قوت میں بھی فائق ہیں اسی لئے چاندی کا نصاب اتفاقی ہے اور سونے کے نصاب کی بابت کچھ اختلاف رہا ہے، بلکہ مشہور تابعی حضرت عطاء رحمہ اللہ کا بیان تو یہ ہے کہ اس عہد میں چاندی ہی زیادہ رائج تھی یعنی دراہم نہ کہ دینار۔ **آج** کے اس دور میں سونے اور چاندی کے نصاب کی مالیت میں زمین و آسمان کا فرق واقع ہو چکا ہے، اس لئے نصابِ حرمتِ زکوٰۃ و وجوبِ زکوۃ کی کم سے کم مقدار نصابِ چاندی سے مقرر کی جائے تو یہ انفع للفقراء واحوط لغیر ہم ہے، انفع للفقراء اس طرح کہ جس کے پاس بھی نصاب چاندی کی مقدار میں مال ہوگا وہ زکوۃ نکالے گا، جس میں فقراء کا فائدہ ہے، اور احوط لغیر ہم اس طرح کہ جس کے پاس بھی نصاب چاندی کی مقدار میں مال ہوگا وہ زکوۃ لے گا نہیں بلکہ دے گا، اور یہ دونوں باتیں اس کے حق میں اولیٰ و بہتر ہیں۔
(فقہ الزکاۃ: ص/ ۱۷۱)

مسئلہ (۱۱): اگر کسی شخص کے پاس سونے اور چاندی کا مقرر کردہ نصاب ساڑھے باون تولہ (۵۲/۱/۲) یعنی چھ سو بارہ گرام پینتیس ملی گرام (۶۱۲/۳۵) چاندی، یا ساڑھے سات تولہ (۷/۱/۲) یعنی موجودہ مقدار ستاسی گرام چار سو اُناسی ملی گرام (۸۷،۴۷۹) سونا نہیں ہے، تو فی الحال جتنے روپے میں ساڑھے باون تولہ (۵۲/۱/۲) چاندی خریدی جاسکے، اتنے روپئے کے مالک کو صاحبِ نصاب قرار دیا جائیگا، اور ان روپیوں میں ڈھائی فیصد (۲/۱/۲٪) کے حساب سے زکاۃ واجب ہوگی، اور اگر کسی کے پاس سونا اور چاندی ہوں مگر دونوں نصاب کو نہ پہنچتے ہوں، تو اگر دونوں کی مجموعی قیمت، چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر ہو جائے تب بھی ڈھائی فیصد (۲/۱/۲٪) کے حساب سے زکاۃ واجب ہوگی۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۳/ ۲۲۸،۲۲۹)

مسئلہ(۱۲): اگر کسی شخص کے پاس ساڑھے سات تولا سونے کے زیورات ہیں، جن کی مالیت مثلاً فی تولہ 17200 کے اعتبار سے 129000 ہوتی ہے، اور اس پر واجب ہونے والی زکوٰۃ کی مقدار 3225/ ہوتی ہے، اور اگر اس میں بناوٹ کی قیمت فی تولہ 200 کو ملاتے ہیں، تو ان زیورات کی مالیت 1,30500 ہوگی، اور اس پر واجب ہونے والی زکوٰۃ کی مقدار

3262 روپئے 5 پیسے ہوگی، اب سوال یہ ہے کہ ان دو مالیتوں (مالیت با جرت صنعت، اور مالیت بدونِ اجرت صنعت) میں سے ادائیگی زکوٰۃ میں کس کا اعتبار رہوگا؟......تو اس کا **جواب** یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ عین سونا یا عین چاندی سے ادا کی جارہی ہو، تو ساڑھے سات تولہ سونا اور ساڑھے باون تولہ چاندی کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کردے، یا اس چالیسویں حصے کی جو قیمت بھی بنتی ہو وہ ادا کردے، اور اگر زکوٰۃ میں عین سونا یا عین چاندی کا چالیسواں حصہ یا اس کی قیمت ادا نہ کی جارہی ہو، بلکہ سونا یا چاندی کے زیور کی قیمت کو بنیاد بنا کر زکوٰۃ روپیوں سے ادا کی جارہی ہو، تو اس صورت میں محض زیورات میں لگی ہوئی سونا یا چاندی کی مقدار کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ یہ دیکھا جائیگا کہ مارکیٹ میں اس زیور کی قیمت کتنی ہے، اس کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کی جائیگی، اور اس صورت میں سونا یا چاندی کی مقدار کے ساتھ زیور کی صنعت میں لگی ہوئی رقم پر بھی زکوٰۃ کا وجوب ہوگا، اور اس کی بھی زکوٰۃ ادا کی جائیگی۔ (ہندیہ:۱/۱۷۸)

مسئلہ (۱۳): زکوۃ ادا کرتے وقت بازار میں سونے کی جو موجودہ قیمت ہوگی اس کا اعتبار رہوگا، اسی طرح چاندی وغیرہ کا حکم ہے، مثلاً زید نے دو ہزار آٹھ (2008) میں دس تولہ سونا پینتالیس ہزار (45000) کا خریدا، اور اب دو ہزار نو (2009) میں اس کی قیمت ساٹھ ہزار (60,000) ہوگئی تو اس دوسری قیمت کا اعتبار رہوگا۔ (الدرمع الشامیۃ:۳/۲۱۱)

مسئلہ (۱۴): کسی شخص نے اپنے مال وغیرہ کا حساب لگا کر جتنی زکوٰۃ اس پر ہوتی تھی نکال کر علیحدہ کردی، اب اس کی جیب کسی نے کاٹ لی، یا کسی طرح اس کی زکوٰۃ کی رقم ضائع ہوگئی، تو اس صورت میں اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، بلکہ اسے دوبارہ زکوٰۃ دینی ہوگی۔ (الدرمع الرد:۳/۱۸۹)

مسئلہ (۱۵): حوائج اصلیہ میں مصروف ومشغول رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لیکن جو رقم کسی ضرورت کی تکمیل، مثلاً مکان، دکان، گھریلو سامان وغیرہ کے لیے رکھی گئی ہو، اور اس مجموعی رقم پر سال بھی گزر چکا ہو، تو اس کی زکوۃ بھی واجب ہوگی۔
(احسن الفتاوی:۴/۳۰۱، خیر الفتاوی:۳/۴۳۱، فتاوی حقانیہ:۳/۴۸۹)

مسئلہ (۱۶): وجوبِ زکاۃ کیلئے ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ آدمی کے پاس جو مال ہے وہ اس کی حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو، اور حوائج اصلیہ میں درجہ ذیل امور معتبر ہیں؛

(۱) اپنے اور اپنے اہل وعیال، نیز زیرِ کفالت رشتہ داروں سے متعلق روزمرہ کے اخراجات، (۲) رہائشی مکان، کپڑے، سواری، آلاتِ صنعت وحرفت، مشین اور دیگر وسائلِ رزق جن کے ذریعہ کوئی شخص اپنی روزی کماتا ہے، (۳) حوائج اصلیہ کے مد میں ضروریاتِ زندگی، اور روزمرہ پیش آنے والے اخراجات داخل ہیں، اور اعتبار سال بھر کے اخراجات کا ہوگا، اور آئندہ

سال کی ضرورت کے لئے جو سرمایہ محفوظ رکھا جائیگا، زکوۃ نکالتے وقت حوائجِ اصلیہ میں شمار ہوکر اموالِ زکاۃ سے منہا (وضع) نہیں کیا جائیگا۔ (النتف فی الفتاوی:ص/۱۱۰)

مسئلہ (۱۷): شرعاً زکوۃ صرف سونے، چاندی، نقدی، مالِ تجارت، زرعی پیداوار اور مویشیوں پر فرض ہوتی ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ:۱/۱۸۰)

مسئلہ (۱۸): استعمالی چیزیں جیسے فریج (Freeze)، واشنگ مشین (Washing Machine)، موٹر سائیکل (Moter Cycle)، ٹیپ ریکارڈ (Tape-Record) اور کمپیوٹر (Computer) وغیرہ پر زکوۃ واجب نہیں ہے، ہاں! اگر ان چیزوں کی تجارت کرتا ہو اور ان کی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر ہو تو زکوۃ واجب ہوگی۔ (الدر مع الشامیۃ:۳/۱۸۲)

مسئلہ (۱۹): بعض لوگ یوں خیال کرتے ہیں کہ جو مال جس وقت ملکیت میں آئے، اسی وقت سے اس کا سال شروع ہوتا ہے، اور وہ ہر مال کا الگ الگ سال شمار کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جو مال سال بھر ان کی ملکیت میں رکھا رہا، اور کسی وقت بھی ملکیت سے نہیں نکلا، اسی پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، جب کہ یہ دونوں خیالات صحیح نہیں ہیں، کیوں کہ جب کوئی شخص ایک مرتبہ مال کی وجہ سے صاحب نصاب بن جاتا ہے، تو سال پورا ہونے سے پہلے جو بھی قابلِ زکوۃ مال اس کی ملک میں آتا ہے، سال کے پورا ہونے پر تمام قابل زکوۃ موجود مالوں کی زکوۃ کا ادا کرنا اس پر لازم ہوتا ہے، خواہ کوئی مال سال پورا ہونے سے ایک مہینہ یا دس دن، یا محض ایک دن پہلے ہی اس کی ملکیت میں آیا ہو۔ (موسوعۃ التجرید:۳/۱۱۶۶)

مسئلہ (۲۰): تاجروں پر اپنے اموالِ تجارت کی زکوۃ سال ختم ہونے پر بازاری قیمت کے اعتبار سے واجب ہے، نہ کہ اصل قیمتِ خرید کے اعتبار سے، لہٰذا اگر تاجر نے بنیت تجارت کوئی پلاٹ پانچ ہزار روپئے میں خریدا تھا، اور آج اس کی مارکیٹ قیمت سات لاکھ روپئے ہیں، تو زکوۃ میں مارکیٹ قیمت کا چالیسواں حصہ یعنی سترہ ہزار پانچ سو روپئے دینا ہوگا۔ (ہندیہ:۱/۱۷۹)

مسئلہ (۲۱): اگر درمیان سال حاصل ہونے والے منافع کی جنس کا نصاب موجود ہو، تو اصلِ نصاب اور ان منافع، دونوں پر زکوۃ واجب ہوگی۔ (فتاوی محمودیہ:۹/۳۳۹، زکوۃ کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا:ص/۶۰)

مسئلہ (۲۲): اگر کوئی چیز اس نیت سے خریدے کہ نفع مل جائے تو بیچ دونگا، تو جب تک فروخت نہ کردے زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ (ردالمحتار:۳/۱۹۴)

مسئلہ (۲۱): اگر کسی عورت کے پاس بقدر نصاب زیورات ہیں، مگر زکوۃ ادا کرنے کے لیے اس کے پاس پیسے نہیں ہے، اور وہ یہ چاہتی ہے کہ زکوۃ مجھ پر نہ آئے، اس لیے وہ زیورات اپنی نابالغ لڑکیوں کو دیدیتی ہے، اس طور پر کہ وہ لڑکیاں بعد میں

پھراس کو دے دیں گی، تو ایسی عورت کے لیے اس طرح کا طریقہ اختیار کرنا مکروہ ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح:ص/۱۳)

مسئلہ (۲۲): زوج کے ذمہ دینِ مہر واجب ہے، اگر وہ معجّل ہے، یعنی جس وقت بھی زوجہ طلب کرے اس کا ادا کرنا ضروری ہے، یا مؤجل ہے، لیکن زوج خود ہی اس کو ادا کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہے، اور جمع کر رہا ہے، تا کہ ادا کرے، تو ایسا دین وجوبِ زکوٰۃ سے مانع ہے، اس مقدار کے علاوہ اس کے پاس بقدرِ نصاب مال ہوگا، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں، اور اگر زوج ادا کرنے کی فکر وسعی میں لگا ہوا نہیں، بلکہ اس کو اطمینان ہے کہ ادا نہیں کرنا ہے، تو ایسا دین وجوبِ زکوٰۃ سے مانع نہیں ہے۔
(بدائع الصنائع:۲/۸۴)

مسئلہ (۲۳): اگر شوہر دینِ مہر عورت کو دیدے، اور وہ مقدارِ نصاب ہو اور اس پر سال بھی گذر جائے، تو عورت کے ذمّہ اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر وہ مقدارِ نصاب نہیں ہے، لیکن عورت کے پاس اس کے علاوہ اتنی مقدار دوسرا مال موجود ہے کہ اس کو مہر کے ساتھ ملانے پر نصاب پورا ہوسکتا ہے، تو اس کو ملا کر زکوٰۃ ادا کی جائیگی، اگر نصاب پورا نہیں ہوتا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ (ہندیہ:۱/۱۷۵)

مسئلہ (۲۴): اگر کسی عورت کا مہر، جو شوہر کے ذمہ بصورتِ دینِ مؤجل لازم ہے، عورت پر اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اس لیے کہ عورت کا مہر، شوہر کے ذمہ دینِ ضعیف ہے، اور دینِ ضعیف کا حکم یہ ہے کہ جب تک اس پر قبضہ نہ ہوجائے، اور سال نہ گزر جائے، زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔ (الفقہ المیسر :ص/۲۵۲)

مسئلہ (۲۵): اگر بیٹی نے مہر کی رقم باپ کو اپنے خوشی سے ہبہ کردی، اور مہر کی رقم نصاب کے بقدر ہو، تو باپ پر زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر بیٹی نے یہ رقم شرم وحیاء کی بناء پر دی ہے، تو اس ہبہ کا اعتبار نہیں، کیوں کہ ہبہ میں واہب کی رضامندی ضروری ہے، اس اعتبار سے یہ رقم بیٹی کی ہی ملک ہوگی، اور مہر کی زکوٰۃ لڑکی پر واجب ہوگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح:ص/۲۵۵)

مسئلہ (۲۶): جوائنٹ فیملی کے تمام افراد اگر صاحبِ نصاب ہوں، اور وہ اپنی زکوٰۃ انفرادی طور پر نکالیں تو یہ افضل ہے، اور اگر تمام افراد اپنے اوپر واجب زکوٰۃ کی مقدار کسی ایک فرد کے پاس جمع کردیں، اور وہ سب کی طرف سے وکیل بن کر مستحقین کو دیدے، تو اس صورت میں بھی سب کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، بشرطیکہ ہر فرد اپنے اوپر واجب مقدار وکیل کو دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرلے۔ (فتح القدیر لابن الہمام:۲/۱۷۱،۱۷۲)

مسئلہ (۲۷): اگر کچھ افراد ایک ساتھ رہتے ہوں مگر اپنی سب کمائی سربراہ کو دے دیتے ہوں، وہ اس سے ان کے کھانے پینے، رہنے وغیرہ کا انتظام کرتا ہو، اور پھر بقیہ رقم سے کوئی چیز مثلاً، سونا چاندی وغیرہ خریدا جاتا ہو تو اگر وہ اتنا ہوجائے کہ تقسیم کیا

جائے تو ہر کسی کا حصہ نصاب کو پہنچ جائے تو زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں، اسی طرح اگر کچھ افراد مل کر کاروبار وغیرہ کرلے تو بھی یہی حکم ہوگا۔ (مجمع البحرین وملتقی النیرین:۱/۱۷۹)

مسئلہ (۲۸): آج کل لمیٹیڈ کمپنیوں کا رواج عام ہو چکا ہے جس میں چند اشخاص مشترکہ کاروبار کرتے ہیں، کمپنی کا مجموعی سرمایہ نصابِ زکوۃ کے بقدر یا اس سے زائد ہوتا ہے، لیکن اگر اس کی مجموعی مالیت حصہ داروں پر تقسیم کیجائے اور ہر ایک کے حصہ میں بقدرِ نصاب نہ آتی ہو تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ وجوبِ زکوۃ کے لیے نصابِ کامل کا ہونا ضروری ہے، اور اگر ہر ایک کے حصہ میں بقدرِ نصاب آتی ہے تو زکوۃ واجب ہوگی۔ (ردالمختار:۳/۱۷۴)

مسئلہ (۲۹): فرضیتِ زکوٰۃ کا تعلق کسی خاص قوم مسلم سے نہیں، بلکہ جو شخص بھی صاحب نصاب ہوگا اس پر قاعدہ شرعی کے موافق زکوٰۃ فرض ہو جائے گی، خواہ وہ کسی قوم سے ہو، ہمارے معاشرے میں بعض لوگ فقیر قوم سے تعلق رکھتے ہیں اور فقیری یعنی مانگنا ان کا آبائی پیشہ ہوتا ہے، وہ صاحب نصاب ہونے کے باوجود محض اس لئے زکوٰۃ نہیں دیتے کہ وہ فقیر قوم سے تعلق رکھتے ہیں، جب کہ فقیر مانگ مانگ کر اگر اتنی رقم اکٹھا کرلے کہ خود صاحب نصاب بن جائے، تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اب اس کیلئے مانگنا جائز نہیں ہوگا، اگر کوئی شخص اس کی حالت کو جاننے کے باوجود اس کو زکوٰۃ وغیرہ کی رقم دیتا ہے، تو وہ بھی گناہگار ہوگا، کیوں کہ اس نے فعل ممنوع وحرام پر تعاون کیا ہے۔ (البحر الرائق:۲/۳۵۳-۳۵۵)

مسئلہ (۳۰): اگر کسی شخص نے مرغی یا مچھلی کا فارم قائم کیا، تو مرغی خانہ اور مچھلی کے تالاب کی زمین اور متعلقہ ساز وسامان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، اسی طرح اگر مرغیوں اور چوزوں یا مچھلیوں اور ان کے بچوں کو خریدتے وقت ان کو بیچنے کی نیت نہ ہو، بلکہ ان کے انڈوں یا ان کے بچوں کو فروخت کرنے کی نیت ہو، تو ان پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، کیوں کہ اس صورت میں ان مرغیوں اور مچھلیوں کو باقی رکھتے ہوئے ان سے منفعت حاصل کرنا مقصود ہے، اگر ان سے حاصل منفعت کی مالیت بقدر نصاب ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ اگر مرغیوں اور چوزوں، مچھلیوں اور ان کے بچوں کو خریدتے وقت ان ہی کو فروخت کرنے کی نیت ہو تو یہ مالِ تجارت میں داخل ہوں گے، اور ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (السنن لأبی داود:ص/۲۱۸)

مسئلہ (۳۱): مرغی فارم (Poultry Forms)، مچھلی کے تالاب کی زمین اور ان کے لیے درکار اسباب وسامان پر زکوۃ نہیں ہے، ہاں اگر فارم اور تالاب کی آمدنی بقدرِ نصاب ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔ (بدائع الصنائع:۲/۴۱۷)

مسئلہ (۳۲): اگر کسی شخص کے پاس مرغی فارم یا مچھلی تالاب ہو، تو مرغی خانہ اور مچھلی تالاب کی زمین، مکان اور متعلقہ سامان پر زکوۃ نہیں، اگر مرغیاں اور چوزے خریدتے وقت خود انہی کو بیچنے کی نیت ہو، تو ان کی مالیت پر زکوۃ فرض ہے، اسی طرح

مچھلیاں یا ان کے بچے تجارت کے لیے خرید کر تالاب میں ڈالے، تو ان کی مالیت پر بھی زکوۃ فرض ہے، نیز مرغی فارم اور تالاب کی آمدنی اگر نصاب کے بقدر ہوں، تو ان پر بھی زکوۃ فرض ہے۔ (البنایۃ شرح الہدایۃ:۴/۱۹)

مسئلہ (۳۳): اگر کسی شخص کے پاس مرغی فارم ہے، اور وہ شخص صرف انڈے پارسل کرتا ہے، مرغیوں کی تجارت نہیں کرتا، تو ان مرغیوں پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ وہ تجارت کا سامان نہیں ہے، ہاں! انڈے پارسل کرنے کی وجہ سے جو آمدنی ہو، اگر وہ نصاب کے بقدر ہے، تو اس شخص پر زکوۃ واجب ہوگی۔ (فتاوی رحیمیہ:۷/۱۶۰)

مسئلہ (۳۴): اگر کسی شخص نے بھینس یا گائے کا فارم بنایا، تا کہ ان سے حاصل ہونے والا دودھ فروخت کرے گا، تو اس صورت میں بھینس اور گائے کی مالیت پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ یہ سائمہ جانور نہیں ہیں، البتہ دودھ فروخت کرنے کے بعد جو آمدنی حاصل ہوگی اگر وہ نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہے، تو سالانہ ڈھائی فیصد زکوٰۃ واجب ہوگی۔
(الدر مع الرد:۳/۱۶۳)

مسئلہ (۳۵): بعض دفعہ مکانات یا دوکانیں کرایہ پر لیتے ہوئے مالکِ مکان کو کچھ پیشگی رقم بطورِ ضمانت (Securety -Deposit) دی جاتی ہے، اس رقم کی زکوۃ نہ تو دینے والے پر واجب ہوگی اور نہ ہی لینے والے پر، کیونکہ یہ رہن کے حکم میں ہے، اور رہن میں نہ راہن (رہن رکھنے والا) پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اور نہ مرتہن (جس کے پاس رہن رکھا گیا) پر، اور جب رہن کی رقم واپس مل جائے تو سالہائے گذشتہ کی زکوۃ بھی واجب نہیں ہوگی۔ (الدر مع الرد:۳/۱۸۰)

مسئلہ (۳۶): اگر کسی شخص کے پاس بقدرِ نصابِ زکوۃ مال تو ہے، لیکن دوسرے کے پاس رہن (گروی) رکھا ہوا ہے، تو راہن (گروی رکھنے والا) اور مرتہن (جس کے پاس گروی رکھی گئی) دونوں پر اس مالِ مرہون (گروی رکھے ہوئے مال) کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ وجوبِ زکوۃ کے لئے ملک اور قبضہ دونوں ضروری ہیں، جب کہ مالِ مرہون راہن کی ملکیت میں تو ہے مگر قبضہ نہیں، اور مرتہن کا قبضہ تو ہے مگر ملکیت نہیں، اگر راہن مرہون پر قبضہ کر لے، تو اس کے ذمہ گذشتہ ایام کی زکوٰۃ بھی لازم نہیں ہوگی۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ:۳/۱۸۰)

مسئلہ (۳۷): فکس ڈپوزٹ (Fixed-Deposit) میں رکھی ہوئی رقم پر زکوۃ واجب ہے، جب مل جائے تو اصل رقم پر سالہائے گذشتہ کی زکوۃ بھی واجب ہوگی، اور بطورِ سود ملی ہوئی پوری رقم کا تصدق بلانیتِ ثواب واجب ہوگا۔ (ردالمحتار:۷/۳۰۱)

مسئلہ (۳۸): حکومت اپنے ملازمین کی تنخواہوں سے ماہانہ کچھ رقم پراویڈنٹ فنڈ (Provident Fund) کے نام سے جبراً کاٹ لیتی ہے، اور اتنی ہی رقم اس میں شامل کرکے ملازمین کے نام سے اپنی تحویل میں رکھتی ہے، اور یہ رقم نوکری

چھوڑنے پر انہیں ادا کر دی جاتی ہے، اس پوری رقم کا لینا حلال ہے، کیوں کہ اس میں نصف رقم خود ملازم کی ہے، اور نصف حکومت کی طرف سے انعام ہے، فی الحال اس رقم پر زکوۃ واجب نہیں ہے، کیوں کہ اس پر ملازم کا قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے ملکیت، ملکیتِ تامہ نہیں ہے، جو وجوبِ زکوٰۃ کا سبب ہے، البتہ جب یہ رقم مل جائے تو اس پر سال گذر جانے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی، سالہائے گذشتہ کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، مگر احتیاط وتقویٰ یہ ہے کہ ہر سال اپنی وضع شدہ رقم سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔
(التجرید:۳/۱۱۹۹، رقم المسئلۃ:۳۱۰)

مسئلہ (۳۹): ملازمین اپنی تنخواہوں میں سے ماہانہ کچھ رقم پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے خود اپنے اختیار سے کٹواتے ہیں، ادارہ ان کو مجبور نہیں کرتا ہے، اور یہ رقم نوکری چھوڑنے پر اضافہ کے ساتھ انہیں ادا کر دی جاتی ہے، اس صورت میں جتنی رقم کاٹی گئی ہے اتنی ہی رقم کا لینا حلال ہے، اس سے زیادہ لینے میں سود کا شبہ اور سود کا ذریعہ بنا لینے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ **اب** جتنی رقم جمع ہوئی ہے اگر وہ نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہے، یا یہ ملازم پہلے سے صاحب نصاب ہے، تو سالانہ اس فنڈ میں جمع شدہ رقم کی بھی زکوٰۃ دینا لازم ہوگا، کیوں کہ جب ملازم نے خود اپنے اختیار سے رقم ادارے کی تحویل میں دیدیا، تو گویا ادارہ ملازم کا وکیل ہوا، اور وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ شمار ہوتا ہے۔ (فتاوی تاتارخانیہ:۴/۳۲۶)

مسئلہ (۴۰): بعض کمپنیاں اپنے ملازمین کو اُن کے ملازمت سے سُبکدوش ہونے (Retirement) پر گریجویٹی فنڈ دیتی ہیں، گریجویٹی فنڈ کے نام سے ملازمین کو دی جانے والی یہ رقم، ملازمین کے مقام ومرتبہ کے لحاظ سے کم وبیش ہوتی ہے، اور یہ رقم بطورِ تبرّع وقدر شناسی دی جاتی ہے، لہٰذا جب تک وہ رقم وصول نہ ہو اور نصاب کے بقدر نہ ہو، اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ (النتف فی الفتاوی للسغدی:ص/۱۰۹)

مسئلہ (۴۱): فنڈز (Funds) کی مختلف صورتیں ہیں اور ان کے احکام بھی مختلف ہیں:

۱- گورنمنٹ پرائیوٹ فنڈ (GPF)، اس میں حکومت کی حیثیت مستاجر (اجرت پر رکھنے والا) اور ملازم کی حیثیت اجیر (اجرت پر کام کرنے والا) کی ہوتی ہے، فنڈ کی رقم حکومت کے قبضہ میں ہونے کی وجہ سے ملازم کا اس پر قبضہ نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے مِلک کا فقدان ہوتا ہے، اس لیے اس فنڈ پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، ہاں اگر یہ فنڈ مل جائے اور بقدرِ نصاب ہو تو سال گزرنے پر زکوۃ واجب ہوگی، گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

۲- اگر ملازم اس فنڈ سے کسی بیمہ کمپنی میں حصہ لے، تو کمپنی کے فنڈ کی رقم پر قابض ہونے کی وجہ سے ملازم کا قبضہ مان لیا جائیگا، کیوں کہ وہ کمپنی اس ملازم کی وکیل ہوگی، اور وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ کہلاتا ہے، اور فنڈ کی رقم پر ہر سال زکوۃ واجب ہوگی،

اس طرح ملک ملکِ تام ہوگی۔ (المؤطا للإمام محمد:ص/۱۷۴،نصب الرایۃ:۲/۳۳۴)

مسئلہ (۴۲): چند لوگوں نے آپس میں ملکر بیسی لگائی، مثلاً دس لوگوں نے دو دو ہزار روپئے بیسی میں لگائے، پھر قرعہ اندازی کے ذریعہ یہ رقم کسی ایک شخص کے پاس جمع کی گئی تو اس پر صرف دو ہزار (2000) ہی کی زکوۃ واجب ہوگی (جو اس کی ذاتی ملک ہے)، بقیہ اٹھارہ ہزار (18000) کی حیثیت قرض کی ہے جس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ (تفسیر کبیر:۶/۱۳۵)

مسئلہ (۴۳): انعامی بانڈز (Price Bands) پر زکوۃ واجب ہے، جب بانڈز مالیت کی شکل اختیار کر کے حاصل ہو تو موجودہ وگذشتہ سالوں کی زکوۃ دینا واجب ہوگا۔ (ہدایہ:۱/۱۶۷)

مسئلہ (۴۴): اگر کوئی شخص انعامی بانڈز ہی زکوۃ میں دے تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی، کیوں کہ ادائیگیٔ زکوۃ کے صحیح ہونے کے لیے مستحقِ زکوۃ کو مالِ زکوۃ کا مالک بنانا ضروری ہے، جب کہ یہ بانڈز مال نہیں بلکہ اس مال کی رسید ہے جو حکومت (Bank) کے پاس موجود ہے۔ (تبیین الحقائق:۲/۳،النہر الفائق:۱/۴۱۱)

مسئلہ (۴۵): مکان یا دوکان کا کرایہ دار جو رقم مالکِ مکان کو بطورِ پگڑی ادا کرتا ہے، اس کی زکوۃ مالکِ مکان یا دوکان پر لازم ہوگی، اس لیے کہ وہ اس رقم کا مالک ہو چکا ہے۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ:۲/۳)

مسئلہ (۴۶): تجارت کے مال سے زکوۃ نکالتے وقت قیمتِ فروخت کا اعتبار ہوتا ہے، قیمتِ خرید کا نہیں، لہٰذا سال مکمل ہونے پر جب تاجر زکوۃ نکالے گا، تو اس وقت بازار میں اس کی جو قیمت ہے، اسی قیمت سے ڈھائی فیصد زکوۃ ادا کی جائیگی۔

مسئلہ (۴۷): اگر کسی مالِ تجارت کا ریٹ کنفرم نہ ہو، اور وہ مال بازار میں عام فروخت نہ ہوتا ہو، تو ایسے مالِ تجارت کی قیمت کے تعین کرنے کا تعلق تجربہ سے ہے، تجربہ سے اس کا فیصلہ کرے، اور انصاف واحتیاط کے ساتھ اس کی تخمینی یعنی اندازاً قیمت لگائیں کہ جب یہ سامان فروخت ہوگا، تو ہمیں اس کے اتنے روپئے ملیں گے، اس طرح قیمت کا تعین کر کے اس کے حساب سے زکوۃ ادا کریں۔

مسئلہ (۴۸): مالِ تجارت میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کو آدمی نے بیچنے کی غرض سے خریدا ہو، لہٰذا اگر کسی شخص نے بیچنے کی غرض سے کوئی پلاٹ خریدا، یا زمین خریدی، یا کوئی مکان خریدا، یا گاڑی خریدی، اور اس مقصد سے خریدی کہ اس کو بیچ کر نفع کماؤں گا، تو یہ سب چیزیں مالِ تجارت میں داخل ہیں، لہٰذا اگر کوئی پلاٹ، کوئی زمین، کوئی مکان خریدتے وقت شروع ہی میں یہ نیت تھی کہ میں اس کو فروخت کروں گا، تو اس کی مالیت پر زکوۃ واجب ہے۔ **بہت** سے لوگ انویسٹمنٹ کی غرض سے پلاٹ خرید لیتے ہیں، اور شروع ہی سے یہ نیت ہوتی ہے کہ جب اس پر اچھے پیسے ملیں گے، تو اس کو فروخت کردوں گا، اور فروخت

کرکے اس سے نفع کماؤں گا، تو اس پلاٹ کی مالیت پر بھی زکوۃ واجب ہے، لیکن اگر پلاٹ اس نیت سے خریدا کہ اگر موقع ہوا، تو اس پر رہائش کے لیے مکان بنالیں گے، یا موقع ہوگا، تو اس کو کرایہ پر چڑھادیں گے، یا کبھی موقع ہوگا، تو اس کو فروخت کردیں گے، کوئی ایک واضح نیت نہیں ہے، بلکہ ویسے ہی خرید کرڈال دیا ہے، اب اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آئندہ کسی وقت اس کو مکان بنا کر وہاں رہائش اختیار کرلیں گے، اور یہ احتمال بھی ہے کہ کرایہ پر چڑھادیں گے، اور یہ احتمال بھی ہے کہ فروخت کردیں گے، تو اس صورت میں اس پلاٹ پر زکوۃ واجب نہیں ہے، لہٰذا زکوۃ صرف اس صورت میں واجب ہوتی ہے، جب خریدتے وقت ہی اس کو دوبارہ فروخت کرنے کی نیت ہو، یہاں تک کہ اگر پلاٹ خریدتے وقت شروع میں یہ نیت تھی کہ اس پر مکان بنا کر رہائش اختیار کریں گے، بعد میں ارادہ بدل گیا، اور یہ ارادہ کرلیا کہ اب اس کو فروخت کرکے پیسے حاصل کرلیں گے، تو محض نیت اور ارادہ کی تبدیلی سے فرق نہیں پڑتا، جب تک کہ اس پلاٹ کو فروخت نہ کردیا جائے۔

مسئلہ (۴۹): اگر کسی شخص کے پاس مالِ تجارت موجود ہے، مگر وہ فروخت نہیں ہورہا ہے، تو خود وہ مال بھی زکوۃ میں مستحق اور ضرورت مند کو دیا جاسکتا ہے، سامانِ تجارت کی زکوۃ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ نقد روپیہ ہی دیا جائے، بلکہ وہ سامانِ تجارت جس کی زکوۃ نکالی جارہی ہے، اسی سامانِ تجارت کا کچھ حصہ زکوۃ کے طور پر دے سکتے ہیں، البتہ اگر وہ سامان عام استعمال کا سامان نہیں ہے، اور خیال یہ ہے کہ غریب اور فقیر کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، تو اس صورت میں انصاف کے ساتھ اندازہ اور تخمینہ سے اس کی قیمت لگا کر پھر اس کی قیمت پر زکوۃ ادا کی جائے۔

مسئلہ (۵۰): اگر کسی شخص نے کوئی پلاٹ (Plot) بیچنے اور فروخت کرنے کی نیت سے خریدا ہو، تو اس پر بازاری قیمت (Market Rate) کے اعتبار سے زکوۃ واجب ہوگی، مثلاً: جس وقت خریدا ہو اس وقت اس کی قیمت صرف پچاس ہزار (50000) تھی، لیکن جس دن سال پورا ہوا، اس روز اس کی قیمت بازار کے اعتبار سے ایک لاکھ (100000) روپئے ہوں تو ایک لاکھ کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔ (بدائع الصنائع: ۲/۴۱۶)

مسئلہ (۵۱): بسا اوقات انسان مصالح خاصہ کی بنا پر سونے چاندی کے اعضاء مثلاً: ناک، دانت وغیرہ بناتا ہے، یا سونے کے تاروں سے اسے باندھتا ہے، اگر بوقتِ ضرورت بسہولت انہیں نکال کر دوبارہ اپنے محل میں لگانا ممکن ہو تو زیورات کے حکم میں ہوں گے، اور اس پر زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر نکالنا ممکن نہ ہو تو اجزاءِ انسانی میں شمار ہونگے، اور زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ وجوبِ زکوۃ کے لیے مال کا نامی یا محتملِ نمو ہونا ضروری ہے، اور اس صورت میں یہ ممکن نہیں ہے۔

(الاختیار لتعلیل المختار: ۱/۱۴۸)

مسئلہ (۵۲): بعض اوقات کپڑوں میں سونے چاندی کے تار لگے ہوتے ہیں، پہلے زمانے میں اس کا رَواج اور استعمال کچھ زیادہ ہی عام تھا، اسی طرح گھڑی میں لگی ہوئی سونے چاندی کی سوئیاں، اور سونے یا چاندی کے قلم، کرتے میں لگے بٹن، قرآن یا برتن میں بنے ہوئے سونے یا چاندی کے ستارے، اور سونے چاندی کے وہ اجزاء جو باقی رہتے ہوئے کسی چیز کے ساتھ لگائے جاتے ہیں، جن کو الگ کرنا بھی باآسانی ممکن نہیں ہوتا، چاہے تجارت کیلئے رکھا ہو یا خرچ کیلئے، یا زینت مقصود ہو، یا کچھ بھی نیت نہ ہو، تو اس سلسلہ میں احناف کے یہاں سونے چاندی کے ان اجزاء پر بھی زکوۃ واجب ہوتی ہے، اگر ان اجزاء سے ہی سونے چاندی کا نصاب پورا ہو جائے تو وجوبِ زکوۃ کے لئے یہی کافی ہے، ورنہ دوسری صورت میں سونے اور چاندی کی جو مقدار موجود ہے اس کو بھی ضم (ملا) کر کے زکوۃ واجب ہوگی۔ (بدائع الصنائع:۲/۴۰۶)

مسئلہ (۵۳): شادی میں عورتوں کو جو زیورات ملتے ہیں اس کی چند صورتیں ہیں:

۱- پہلی صورت یہ ہے کہ دولہے کے ماں باپ نے اپنی بہو کو زیورات دیئے ہوں، اور اس صورت میں اگر زیورات دیتے وقت ملک کی صراحت کی ہو، تو وہ بہو کی ملک ہو جائے گی، اور اگر عاریت کی صراحت کی ہو تو عاریت ہے، بہو ان زیورات کی مالک نہیں ہوگی، اور اگر صراحت نہیں کی تو شوہر کے خاندان کا رَواج معتبر ہوگا، اگر رواج تملیک کا ہے تو وہ بہو کی ملک ہوگی، اور اگر رواج عاریت کا ہے تو وہ عاریت ہے، اور اگر کوئی رواج نہیں (نہ ملک کا نہ عاریت کا) تو اس صورت میں دولہے کے ماں باپ کی نیت وقول کا اعتبار ہوگا، اگر نیت وقول عاریت کے ہیں تو وہ عاریت ہیں، اور نیت وقول تملیک کی ہے، تو وہ زیورات عورت کی ملک ہو جائے گی۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ دولہے کے رشتہ داروں نے ہونے والی بہو کو زیورات تحفے کے طور پر دیئے ہوں، تو اس میں عرف عام یہی ہے کہ وہ بہو کی ملک ہوتی ہے۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ وہ زیورات بہو کو خالصتاً تحفے کے طور پر دیئے گئے ہوں، تو ان میں بھی بہو کی ملک ہو جائیگی۔

۴- چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ زیورات جو لڑکی کے ماں باپ نے دیئے ہوں، تو اس صورت میں اگر عرف یہ ہے کہ ماں باپ تملیکاً دیتے ہیں، تو ان کے زیورات کی مالک بیٹی ہو جائیگی، اور اگر عرف عاریۃً دینے کا ہے تو وہ عاریت ہے، اور اگر کوئی عرف نہیں (جیسے مصر و شام میں) تو باپ کے قول کا اعتبار ہوگا، اگر وہ کہے کہ میں نے عاریت کے طور پر دیا تھا، تو وہ عاریت ہے، اور اگر تملیک کے طور پر دیا تھا، تو وہ بیٹی کی ملک ہو جائیگی۔ **چونکہ** ہمارے یہاں عرف یہی ہے کہ بیٹی کو تملیکاً دیئے جاتے ہیں، لہٰذا وہ زیورات بیٹی کی ملک ہو جائیں گے، اور بیٹی پر ان کی زکوٰۃ واجب ہوگی، **مذکورہ** چاروں صورتوں میں سے جن صورتوں

میں عورت زیورات کی مالک بن جائیگی، ان صورتوں عورت پر زکوۃ واجب ہوگی۔ (صحیح مسلم:۱/۳۱۸)

مسئلہ (۵۴): اگر زکوٰۃ عین سونا یا چاندی سے ادا کی جارہی ہو، تو ساڑھے سات تولہ سونا اور ساڑھے باون تولہ چاندی کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کردے، یا اس چالیسویں حصے کی جو بھی قیمت بنتی ہو وہ ادا کردے، اور اگر زکوٰۃ میں عین سونا یا چاندی کا چالیسواں حصہ یا اس کی قیمت ادا نہ کی جارہی ہو، بلکہ سونا یا چاندی کے زیور کی قیمت کو بنیاد بنا کر، روپیوں سے زکوۃ ادا کی جارہی ہو، تو اس صورت میں محض زیورات میں لگی ہوئی سونا یا چاندی کی مقدار کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ یہ دیکھا جائیگا کہ مارکیٹ میں اس زیور کی قیمت کتنی ہے؟ اسی کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی، اور اس صورت میں سونا یا چاندی کی مقدار کے ساتھ ساتھ زیور کی صنعت میں لگی ہوئی رقم پر بھی زکوۃ کا وجوب ہوگا، اور اس کی بھی زکوٰۃ ادا کی جائیگی۔ (البحر الرائق:۲/۳۹۵)

مسئلہ (۵۵): سونے یا چاندی سے اگر ایسی چیز ملی ہوئی ہو کہ جس کو اس سے الگ کیا جاسکتا ہو تو وہ سونے چاندی کے حکم میں نہیں ہے، لہٰذا نگ بھی ایسی ہی چیزوں میں سے ہے کہ اسے اصل زیور سے نکالا جاسکتا ہے، اس لیے نگ میں زکوۃ واجب نہیں، لیکن اس نگ کے وزن کو معلوم کرکے اس وزن کو زیور کے وزن سے منہا (وضع) کرکے زکوۃ کا حساب درست ہوگا، البتہ وہ کھوٹ جو سونے چاندی میں ملا دی گئی ہو وہ سونے چاندی ہی کے وزن میں شمار ہوگی، اور اس کھوٹ ملے سونے چاندی کی جو قیمت بازار میں ہوگی، اسی کے حساب سے زکوۃ ادا کی جائیگی۔ (فتح القدیر:۲/۲۱۸-۲۲۰)

مسئلہ (۵۶): اگر کوئی شخص بطورِ ضمانت کچھ رقم حکومت یا سرکار کے پاس جمع کرے، اور پھر ایک مدت کے بعد وہ رقم اسے واپس مل جائے، تو گذشتہ سالوں کی زکوۃ بھی واجب ہوگی۔ (رد المحتار:۳/۱۸۴، ۱۸۵)

مسئلہ (۵۷): مکان یا دوکان کا کرایہ دار جو رقم مالکِ مکان کو بطورِ پگڑی ادا کرتا ہے، اس کی زکوۃ مالکِ مکان یا دوکان پر لازم ہوگی، اس لیے کہ وہ اس رقم کا مالک ہو چکا ہے۔ (التنویر مع الدر والرد:۳/۱۷۴-۱۷۶)

مسئلہ (۵۸): جو رقم بطور قرض واجب الاداء ہو، اس سے مقروض کو بری کردینا ادائے زکوٰۃ کے لیے کافی نہیں ہے، البتہ اگر مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے، پھر اس سے اپنے قرض میں وصول کرلی جائے تو درست ہے۔ (النہر الفائق:۱/۴۱۹)

مسئلہ (۵۹): جو رقم قرضِ حسنہ کے طور پر دی گئی اس کے وصول ہونے پر سالہائے گذشتہ کی زکوۃ واجب ہوتی ہے، اگر وصول ہونے سے پہلے دیدیا تو یہ بھی جائز ہے، اور اگر وصولی کی بالکل ہی امید نہ ہو تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی، لیکن خلافِ توقع وامید وصول ہوجائے تو سالہائے گذشتہ کی زکوۃ دینا بھی واجب ہوگا۔ (حاشیۃ الطحطاوی:ص/۳۹۰)

مسئلہ (۶۰): ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اور زکوٰۃ کی رقم ٹیکس کے طور پر ادا کرنا بھی درست نہیں، کیوں کہ

زکوٰۃ ایک عبادت ہے، اس میں نیت وارادہ ضروری ہے، اوراس کا خالص اللہ کے لیے دینا ضروری ہے، نیز اس کے مصارف و مستحقین متعین ہیں، انہیں پر زکوٰۃ کو خرچ کرنا لازم ہے، غیر مسلم، غیر مستحق اور عام رفاہی کاموں میں زکوٰۃ کے مال کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، جب کہ ٹیکس عبادت نہیں، بلکہ سراسر ظلم ہے، اس میں نیت اور ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہے، اس کے مصارف بھی متعین نہیں ہیں، اگر کسی نے ٹیکس ادا کر کے یہ سمجھا کہ زکوٰۃ ادا ہوگئی تو ایسا سمجھنا غلط ہے، لہٰذا اپنے مال کا حساب لگا کر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ میں ادا کرنا لازم ہے۔ (بدائع الصنائع:۲/۱۳۷)

مسئلہ(۶۱): **دَیْنْ** کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ دین جس کے وصول ہونے کی کوئی امید نہ ہو، جیسے ڈوبی ہوئی رقم، (۲) وہ دین جس کے وصول ہونے کی پوری امید ہو۔...... **جس** دین کے وصول ہونے کی امید نہیں تھی، اگر وہ وصول ہو جائے تو وصولی کے دن سے ایک سال گزرنے کے بعد ہی زکوۃ واجب ہوگی، اور جس دین کے وصول ہونے کی پوری امید تھی، اس کی تین صورتیں ہیں:

(**الف**) وہ دین قرض کی صورت میں ہو، یا سامانِ تجارت کی قیمت کسی کے ذمہ باقی ہو، اس دین کے وصول ہونے کے بعد سالہائے گذشتہ یعنی گزرے ہوئے سالوں کی زکوۃ بھی ادا کرنی ہوگی۔

(**ب**) وہ دین جو ایسے مال کے عوض ہو جو تجارت کیلئے نہیں، اور نہ قرض کے طور پر تھا، جیسے مالِ وراثت یا مالِ وصیت۔

(**ج**) ایسا دین جو کسی مال کا عوض نہ ہو، جیسے مہر، ان دونوں صورتوں (صورت بؔ وجؔ) میں گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ (تحفۃ الفقہاء:۱/۲۹۳،۲۹۴)

مسئلہ(۶۲): اگر کسی شخص نے حج کو جانے کیلئے حج کمیٹی، یا کسی اور ٹورس کمیٹی والے کو پیشگی رقم جمع کر دی، تو آمد ورفت کے کرائے اور معلم فیس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ جو رقم کرنسی کی صورت میں واپس دی جاتی ہے اور وہ خرچ کے بعد بچ جاتی ہے اور نصاب کے بقدر ہے، تو سال پورا ہونے پر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (ردالمحتار:۳/۱۷۹)

مسئلہ(۶۳): اگر کسی شخص نے حج کی تیاری میں، حج کی ٹکٹ کے لیے رقم جمع کی، اوراس جمع کردہ رقم پر ایک سال گزر گیا، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (البحر الرائق:۲/۳۶۱، الفتاوی الہندیۃ:۱/۱۷۳)

مسئلہ(۶۴): آج کل کمپنیاں طرح طرح کے قیمتی موبائل ایجاد کررہی ہیں، اگر کسی شخص کے پاس اپنے ذاتی استعمال کیلئے ایک یا چند موبائل ہوں، اور وہ اتنی قیمت کے ہیں کہ اتنی قیمت پر آدمی صاحب نصاب ہو جاتا ہے، تو بھی ان کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، خواہ وہ کتنے ہی قیمتی ہوں، کیوں کہ یہ اموال تجارت میں شامل نہیں ہیں، البتہ اگر کوئی شخص موبائل کی

تجارت کرتا ہے اور موبائل کی مالیت بقدر نصاب ہونے کے ساتھ اس پر سال گذر جائے، تو موبائل پر اس کی مالیت کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (فتح القدیر:۲/۱۷۳)

مسئلہ (۶۵): جو گاڑیاں کرایہ پر چلتی ہیں جیسے ٹرک، ٹیکسی اور رکشہ وغیرہ، ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، کیوں کہ اس صورت میں ان گاڑیوں کو باقی رکھتے ہوئے ان سے منفعت حاصل کرنا مقصود ہے، البتہ اگر ان سے حاصل منفعت کی مالیت بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گذر جائے تو ڈھائی فیصد زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (فتح القدیر:۲/۱۷۳)

مسئلہ (۶۶): اگر کسی شخص کا کاروبار ٹرانسپورٹ (Transport) کا ہے جس میں اس کی ٹرکیں یا بسیں چلتی ہیں، یا کسی کی کوئی ٹرک یا بس ٹرانسپورٹ میں چلتی ہے، تو ان ٹرکوں اور بسوں سے حاصل ہونے والے منافع پر زکوۃ واجب ہوگی۔ (تاتارخانیہ:۲/۱۹)

مسئلہ (۶۷): کسی شخص کے پاس ایک آٹو رکشا یا فور وہیلر گاڑی تھی، جس کو کرایہ پر چلا کر اس کی آمدنی سے اس نے سال بھر میں مزید آٹو یا فور وہیلر گاڑیاں کرایہ پر چلانے کیلئے خریدی، اور آخر سال میں اس کے پاس اس کمائی سے کوئی نقد رقم باقی نہ رہی، یا باقی رہی مگر بقدر نصاب نہ رہی، تو اس شخص پر ان آٹو رکشا یا فور وہیلر گاڑیوں کی قیمت پر زکوۃ واجب نہیں، کیوں کہ یہ ذرائع آمدنی میں داخل ہیں، اور ذرائع آمدنی پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔ (ہندیہ:۱/۱۷۲)

مسئلہ (۶۸): کسی شخص نے مکان بنانے کیلئے کوئی رقم جمع کی اور اس جمع شدہ رقم پر سال گذر گیا، تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، زکوٰۃ ادا کرے پھر مکان وغیرہ بنالے، جب تک یہ رقم مکان بنانے میں خرچ نہیں ہوتی، سال گذرنے پر اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی رہے گی۔ (الدر مع الرد:۳/۱۸۶)

مسئلہ (۶۹): بسا اوقات ماں باپ شادی سے پہلے اپنی بچی کیلئے زیورات بنا کر رکھتے ہیں، اگر وہ زیورات لڑکی کی ملک کر دیئے گئے ہیں، اور لڑکی نابالغ ہے تو اس کی زکوٰۃ نہ لڑکی پر واجب ہے اور نہ والدین پر، لڑکی پر اس لئے نہیں کہ وہ بالغہ نہیں ہے، جب کہ وجوب زکوٰۃ کیلئے بلوغت شرط ہے، اور والدین پر اس لئے نہیں کہ یہ زیورات ان کے قبضے میں تو ہیں لیکن ملکیت میں نہیں، ہاں بالغ ہونے کے بعد لڑکی پر اس کی زکوٰۃ فرض ہوگی، بشرطیکہ وہ نصاب کے برابر ہوں۔ (البحر الرائق:۲/۳۵۳،۳۵۴)

مسئلہ (۷۰): اگر کسی شخص نے اپنی بیٹی کی شادی میں دینے کے لیے زیورات خریدے، اور اس پر سال بھی گذر چکا، اگر ان زیورات کو لڑکی کی ملک کر دیا گیا ہے اور وہ نابالغ ہے، تو بلوغت سے پہلے ان زیورات کی زکوۃ نہ لڑکی پر واجب ہے، نہ والدین پر، ہاں! بلوغت کے بعد خود لڑکی پر ان کی زکوۃ فرض ہوگی، اور اگر لڑکی کی ملک میں نہیں دیئے گئے، تو جس کی ملک ہوگی اسی پر زکوٰۃ فرض ہے۔ (البحر الرائق:۲/۳۵۳)

مسئلہ(۷۱): اگر کسی نے مکان یا فلیٹ (Flat) کرایہ پر دینے کے لیے خریدا نہ کہ اپنی رہائش کے لیے، تو اس سے حاصل ہونے والے کرایہ پر جب کہ وہ بقدرِ نصاب ہو زکوۃ واجب ہوگی۔ (فتاوی تاتارخانیہ:۲/۱۹)

مسئلہ(۷۲): کسی کاروبار میں اصل رقم والد صاحب کی ہے، اس سے تجارت شروع کی گئی، لڑکے بھی اس کاروبار میں والد کے ساتھ کام کرتے ہیں، کسی کو روپیہ کی ضرورت ہو تو اس کی ضرورت کے مطابق اسے روپیہ دیا جاتا ہے، باقی تمام آمدنی تجارت ہی میں لگا دی جاتی ہے، تو اس کاروبار کا اصل مالک باپ ہی ہوگا، اور لڑکے باپ کے معاون شمار ہوں گے، اس لئے زکوٰۃ صرف باپ پر ہی واجب ہوگی، کاروبار میں شریک لڑکوں پر نہیں، اسی طرح ان لڑکوں کیلئے اپنے باپ کی اجازت کے بغیر صدقہ، عطیہ اور زکوۃ وغیرہ کی رسیدیں بنوانا جائز نہیں ہے، اور نہ ان کے عمل سے اس طرح باپ پر واجب زکوٰۃ ادا ہوگی۔
(فتاوی تاتارخانیہ:۲/۴۸)

مسئلہ (۷۳): وجوبِ زکوٰۃ کے لیے زکوۃ ادا کرنے والے کا عاقل اور بالغ ہونا شرط ہے، اس لیے نابالغ پر زکوۃ واجب نہیں ہے، اور نہ اس کی ادا کا اعتبار ہے۔ (السنن لأبی داود:ص/۶۰۵)

مسئلہ(۷۴): کسی آدمی نے اپنے نابالغ لڑکے کے نام سے بینک یا ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کیا، اور وہ روپیہ اسی نابالغ کی ملک ہے، گرچہ وہ روپیہ نصاب یا اس سے زیادہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، کیوں کہ وجوب زکوٰۃ کیلئے بالغ ہونا ضروری ہے۔ (المحیط البرہانی:۲/۴۵۰)

مسئلہ(۷۵): اگر باپ نے اپنی نابالغ لڑکی کو اپنی طرف سے سونا دلایا، اور اس کو اس کا مالک بھی بنا دیا تو نابالغ ہونے کی وجہ سے نہ لڑکی پر زکوۃ واجب ہوگی، اور نہ (مالک نہ ہونے کی وجہ سے) باپ پر، البتہ بالغ ہونے کے بعد بچی پر زکوۃ واجب ہوگی، اور صرف بچی کو دلا دینے اور مالک نہ بنانے کی صورت میں باپ پر زکوۃ واجب ہوگی۔ (الہدایۃ:۱/۱۶۵)

مسئلہ(۷۶): آج کل بعض لوگ تجارت کی غرض سے بعض پرندوں اور پالتو بلیوں کی پرورش کرتے ہیں، اور ایک مدت کے بعد انہیں فروخت کر دیتے ہیں، اگر ان پرندوں وغیرہ کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی تک پہنچ جائے، تو اس مجموعۂ مالِ تجارت کی مالیت میں سے چالیسواں حصہ بطورِ زکوۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔ (الدر مع الرد:۳/۲۲۸)

مسئلہ(۷۷): گھر کے وہ برتن جو کم استعمال میں آتے ہیں ان پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔ (ردالمحتار:۳/۱۷۸)

مسئلہ (۷۸): اگر کسی شخص نے جہیز کے لیے بہت سارے برتن خرید کر رکھے ہوں، تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ وہ تجارت کا سامان نہیں ہے۔ (احسن الفتاوی:۴/۳۰۵)

مسئلہ (۷۹): گوڈویل (Good Will) پر فروخت کی ہوئی بلڈنگ کی رقم پر بھی زکوۃ واجب ہوگی، جب رقم وصول ہوجائے تو سالِ موجودہ وگذشتہ کی زکوۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔ (حاشیۃ الطحطاوی:ص/۷۱۵)

مسئلہ (۸۰): قیمتی پتھروں میں زکوۃ واجب نہیں، لیکن اگر ان کی تجارت کی جائے تو زکوۃ واجب ہوگی۔ (ہندیہ:۱/۱۸۰)

مسئلہ (۸۱): پستول (Revolver) کلاشنکوف اگر اپنی حفاظت کے لیے ہے تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے، اور اگر اس کا کاروبار کرتا ہے تو اس میں لگی مالیت پر زکوۃ واجب ہوگی، اور وجوبِ اداءِ زکوۃ کے دن کی مالیت معتبر ہوگی۔
(فتح القدیر لابن الہمام:۲/۱۷۲)

مسئلہ (۸۲): سمندر سے نکالی جانے والی اشیاء جیسے عنبر، موتی، مونگا، اور مچھلی وغیرہ کی اگر تجارت کیجائے تو زکوۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ:۲/۱۷)

مسئلہ (۸۳): اگر کوئی شخص دس پندرہ سلینڈر خریدے اور پھر سلینڈر کا نہیں بلکہ گیس کا کاروبار کرے، یعنی سلینڈر خالی ہونے پر گیس جمع کرلے اور خالی سلینڈر واپس کردے تو زکوۃ گیس کی قیمت پر واجب ہوگی، سلینڈر پر لگی ہوئی رقم پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ (ردالمحتار:۳/۱۸۳)

مسئلہ (۸۴): جس شخص کا گیس سلینڈر کا کاروبار ہے، اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱- وہ کمپنی کا محض ایجنٹ ہے، اور سلینڈر کمپنی یا گاہکوں کے ہیں، تو اس پر اس کاروبار سے ہونے والی آمدنی پر زکوۃ واجب ہوگی، سلینڈر کی نہیں۔

۲- اس کے نزدیک سلینڈر بنانے کی فیکٹری ہے، کہ وہ سلینڈر بنا کر کمپنی یا ضرورت مندوں کو فروخت کرتا ہے، چوں کہ اس صورت میں سلینڈر مالِ تجارت ہے، اس لئے ان کی مالیت اور اس کاروبار سے حاصل شدہ منافع، دونوں پر زکوۃ واجب ہوگی۔
(الموسوعۃ الفقہیۃ:۲۳/۲۶۸)

مسئلہ (۸۵): اگر کسی شخص کے پاس برقی ٹرانسفر مشین (Transfer Machine) یعنی برقی رو کی طاقت گھٹانے اور بڑھانے والی مشین ہے، تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، بلکہ اس سے حاصل ہونے والے منافع پر زکوۃ واجب ہوگی۔
(فتاوی ہندیہ:۱/۱۷۲،۱۷۳)

مسئلہ (۸۶): جو روپئے حج کے لیے الگ کر رکھا ہے اس پر بھی زکوۃ واجب ہوگی۔ (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی:ص/۳۸۹)

مسئلہ (۸۷): اگر کسی شخص نے حج میں جانے کے لیے حج کمیٹی یا کسی ٹور والے کو پیشگی رقم جمع کردی تو آمدورفت کا کرایہ، معلم فیس، پر زکوۃ واجب نہیں، البتہ جو رقم اس کو کرنسی کی صورت میں واپس دی جائے، اور وہ خرچ کے بعد بچ جائے تو سال

پورا ہونے پر اس کی زکوۃ واجب ہوگی۔ (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی:ص/۳۸۹)

مسئلہ (۸۸): غصب، رشوت، سود، چوری اور خیانت وغیرہ کے ذریعہ حاصل کئے ہوئے مال میں زکوۃ واجب نہیں، کیونکہ یہ سب مالِ حرام ہے، اور مالِ حرام کا حکم یہ ہے کہ وہ ان کے اصل مالکوں، یا ان کے ورثاء کو واپس کردیا جائے اگر وہ معلوم ہوں، اور اگر معلوم نہ ہوں تو بلانیتِ ثواب صدقہ کردیا جائے۔ (ردالمحتار:۳/۲۱۸)

مسئلہ (۸۹): اگر کسی شخص کے کئی مکان ہوں، ایک میں وہ رہائش پذیر ہے، اور دوسرے مکانوں کو کرایہ پر دے رکھا ہے تو جو مکان کرایہ پر دے رکھا ہے، ان سے حاصل ہونے والا کرایہ بقدرِ نصاب ہو تو زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

نوٹ:- کرایہ پر دیئے ہوئے مکانوں کی مالیت (قیمت) پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ (فتاوی تاتارخانیہ:۲/۱۹)

مسئلہ (۹۰): کرایہ پر دیئے ہوئے مکانات کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ ان مکانات سے حاصل ہونے والی کرایہ کی رقم اگر بقدر نصاب یا اس سے زائد ہو اور حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہو، اور اس پر سال گزر جائے، تو کرایہ کی اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (بدائع الصنائع:۲/۹۱)

مسئلہ(۹۱): سال پورا ہونے پر شیئرز کی بازاری قیمت (ValueMarket) کے اعتبار سے زکوۃ واجب ہوگی۔ (الدرمع الشامیۃ:۳/۲۱۱)

مسئلہ (۹۲): ۱- اگر شیئرز ایسی کمپنی کے ہیں جو تجارت کرتی ہے، مثلاً لوہا، کپڑا، سمینٹ، الکٹرانک سامان، پہننے اور اوڑھنے کی چیزیں وغیرہ فروخت کرتی ہے، تو شیئرز اور منافع دونوں پر زکوۃ واجب ہوگی۔

۲- اور اگر شیئرز ایسی کمپنی کے ہیں جو تجارت نہیں کرتی، بلکہ محض کرایہ وصول کرتی ہے، جیسا کہ ریلوے کمپنی اور بس کمپنی وغیرہ تو محض منافعِ شیئرز پر زکوۃ واجب ہوگی۔

۳- اگر شیئرز ایسی کمپنی کے ہیں جو خام مال خرید کر سامان اور چیزیں تیار کرکے فروخت کرتی ہے، تو شیئرز اور منافع دونوں پر زکوۃ واجب ہوگی۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۷۵، الہدایۃ:۱/۱۷۳)

مسئلہ(۹۳): اگر کسی شخص نے کمپنی کے شیئرز میں اتنی رقم لگا رکھی ہے جو چاندی کے نصاب کی قیمت کے برابر ہو تو حولانِ حول (سال گزرنے) کی صورت میں اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔ (ردالمحتار:۳/۲۳۶)

مسئلہ (۹۴): جس وقت کمپنی نے اپنے شیئرز مارکیٹ میں لانچ کئے، اس وقت اس پر درج قیمت کو (Face-Value) کہتے ہیں، اور بازار میں جس قیمت میں وہ فروخت ہو رہا ہے اسے (Market-Value) کہتے ہیں، اور جس وقت کمپنی بند

ہوجائے اس وقت شیئرز کی جو قیمت ہوتی ہے اسے (Break up value) کہتے ہیں، زکوۃ کی ادائیگی میں بازاری قیمت (ValueMarket-) کا اعتبار ہوگا۔ (ردالمحتار:۳/۲۱۱)

مسئلہ (۹۵): اگر کسی شخص کا کاروبار حرام ہے، اور اس کے پاس حرام مال کی رقم کا حساب محفوظ ہے کہ کتنی رقم حرام کی ہے اور کتنی حلال کی؟ تو حرام کمائی بلانیتِ ثواب پوری کے پوری غرباء وفقراء پر تقسیم کردینا واجب ہے، اور پھر اس حرام کاروبار کو ترک کرکے حلال کاروبار اختیار کرے، باقی حلال وجائز رقم کی زکوٰۃ ادا کرے، اگر مال خالص حرام ہے، تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ وہ قابض کی ملک نہیں، اور وجوبِ زکوٰۃ کے لیے ملکیت شرط ہے، اگر مال خلط ملط ہوگیا کہ تمیز کرنا ممکن نہ ہو، تو پورے مال کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ:۲۳/۲۴۸)

مسئلہ (۹۶): کسی شخص کے پیسے بینک میں جمع تھے، اور بینک دیوالیہ ہوگیا، تو اب اس شخص پر بینک میں جمع کردہ رقم کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ (بدائع الصنائع:۲/۴۹۱)

نوٹ-: بلاضرورت سودی بینک میں پیسے جمع کرنے سے احتراز کیا جائے۔

مسئلہ (۹۷): مالِ مرہون کی زکوٰۃ نہ راہن پر واجب ہے اور نہ مرتہن پر، کیوں کہ راہن کی ملک ہے، قبضہ نہیں، اور مرتہن کا قبضہ ہے ملک نہیں، جب کہ وجوبِ زکوٰۃ کے لیے قبضہ وملک دونوں ضروری ہیں، اگر راہن مرہون پر قبضہ کرلے، تو اس کے ذمہ گذشتہ ایام کی زکوٰۃ بھی لازم نہیں ہوگی۔ (ردالمحتار:۳/۱۶۸)

مسئلہ (۹۸): اگر کسی شخص نے سیونگ اکاؤنٹ یا کرنٹ اکاؤنٹ میں اپنے پیسے جمع کررکھا ہے، اور اس میں جمع کرنے والے کو ہر وقت اپنے پیسے لینے کی قدرت رہتی ہے، لہٰذا یہ ایسا ہی ہوا جیسے کہ پیسے اپنے پاس ہیں، پس اگر وہ جمع شدہ روپیہ نصاب کے برابر ہے، اور اس پر سال گزر چکا ہے، اور حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے، تو ان روپیوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔
(فتاوی محمودیہ:۹/۳۳۴، فتاوی رحیمیہ:۷/۱۷۶، زکوٰۃ کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا:ص/۹۱)

مسئلہ (۹۹): اگر کسی کے پاس آٹا مشین، روٹی مشین اور سلائی مشین ہوں، تو اگر یہ تمام مشینیں برائے فروخت ہوں، تو مالِ تجارت ہونے کی وجہ سے ان پر زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر تجارت کے لیے نہیں بلکہ آمدنی حاصل کرنے کے لیے ہیں، تو ان پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ (سنن أبی داود:ص/۲۱۸)

مسئلہ (۱۰۰): پاورلوم مشینیں اگر تجارتی ہیں اور ان کی قیمت نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہے، تو ان کی مالیت یعنی قیمتِ فروخت پر سالانہ زکوۃ فرض ہے، اور اگر پاورلوم مشینیں تجارتی نہیں بلکہ استعمال کی ہیں، تو ان کی مالیت پر زکوۃ فرض نہیں،

البتہ آمدنی پر جب کہ وہ بقدر نصاب اور زائد از حاجتِ اصلیہ ہوں، زکوۃ فرض ہے۔ (بدائع الصنائع:۲/۱۰۹)

مسئلہ (۱۰۱): ٹی وی، ویڈیو اور وی سی آر انسانی ضرورت میں داخل نہیں ہیں، بلکہ بہت سی برائیوں کے عام ہونے کا ذریعہ وسبب ہیں، مگر ان پر اس وقت تک زکوۃ نہیں جب تک کہ تجارت کی نیت سے نہ رکھی جائیں۔ (أبوداؤد: ص/۲۱۸)

مسئلہ (۱۰۲): اگر کسی آدمی کے پاس بغیر سلے ہوئے کپڑے اتنے ہوں، جو نصاب کی قیمت کے بقدر ہیں، تب بھی ان پر زکوۃ فرض نہیں ہے، کیوں کہ زکوۃ کے وجوب کے لیے نامی ہونا شرط ہے، اور نامی کی دو صورتیں ہیں: حقیقی، تقدیری۔

حقیقی: جیسے مویشی، کہ ان کی نسل بڑھتی ہے، اور مالِ تجارت۔

تقدیری: جیسے سونا، چاندی اور وہ سکے جو رائج ہوں، جب کہ بغیر سلے ہوئے کپڑے نہ تو حقیقتاً نامی ہیں، اور نہ تقدیراً، اس لیے ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ (ردالمحتار:۳/۱۷۹)

مسئلہ (۱۰۳): اگر کسی شخص کو اتنا ہدیہ ملا کہ وہ نصاب کے برابر ہوگیا، اور وہ اس کا مالک بھی ہوگیا، تو اب اگر یہ ہدیہ اس کے حوائج اصلیہ اور دَین سے خالی ہو، اور اس پر سال بھی گزر جائے، تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔ (السنن للترمذي:۲/۳۴)

مسئلہ (۱۰۴): گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب ہے، اور زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر سال کے مال کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے، اول سال تو پورے مال کی زکوۃ ادا کرے، اس کے بعد مقدارِ واجب وضع کرنے کے بعد ادا کرے، مثلاً پورے مال کی قیمت ایک لاکھ روپئے ہیں، تو پہلے سال پورے ایک سال کی زکوۃ دو ہزار پانچ سو ''2500'' ادا کرے، پھر دوسرے سال کی زکوۃ 975000 میں سے 2437 اور پانچ پیسے نکالے، اور تیسرے سال کی زکوۃ 95063 میں سے 2376 روپئے اور 57 پیسے نکالے، اس طرح تمام سالہائے گذشتہ کی زکوۃ ادا کرے۔ (بدائع الصنائع:۲/۸۶)

مسئلہ (۱۰۵): تیس گائے یا بھینس پر ایک سالہ گائے یا بھینس، پھر چالیس پر دو سالہ، پھر ساٹھ پر دو عدد یک سالہ، پھر ستر پر ایک یک سالہ اور ایک دو سالہ، اسی طرح ہر تیس پر ایک یک سالہ اور ہر چالیس پر ایک دو سالہ گائے یا بھینس واجب ہے، اور جو عدد تیس اور چالیس دونوں پر تقسیم ہو جائے، اس میں اختیار ہے کہ تیس کے حساب سے زکوٰۃ دے یا چالیس کے حساب سے، اور چالیس بکریوں پر ایک سال کی ایک بکری یا بکرا واجب ہے، چالیس سے ایک سو بیس تک یہی واجب ہے، پھر ایک سو بیس سے دو سو تک دو بکریاں، پھر دو سو ایک سے تین سو ننانوے تک تین بکریاں، پھر چار سو پر چار بکریاں، اس کے بعد ہر سو پر ایک بکری واجب ہے۔ (الجامع للترمذي:۱/۱۳۶)

مسئلہ (۱۰۶): اگر کسی مدرسہ کے مہتمم سے مالِ زکوۃ ضائع ہو جائے، تو زکوۃ ادا ہو جائیگی، کیوں کہ زکوۃ کی وصولی میں فقہ

اکیڈمی کے فیصلے کے مطابق ''مہتمم طلبہ کا وکیل ہے، اور وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ ہوتا ہے''، اور اگر مالِ زکوۃ مہتمم کے پاس سے بلا تعدی ہلاک ہوا، تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا، اور تعدی کی صورت میں ہلاک ہونے کی وجہ سے ضمان لازم ہوگا، کیوں کہ مالِ زکوۃ مہتمم کے پاس امانت ہے، اور امانت کا حکم یہی ہے۔ (البحر الرائق: ۷/۲۶۴)

مسئلہ (۱۰۷): جو فلاحی ادارے اور تنظیمیں زکوٰۃ جمع کرتے ہیں، وہ زکوٰۃ کی رقم کے مالک نہیں ہوتے، بلکہ زکوۃ دہندگان کے وکیل ہیں، لہٰذا اگر وہ صحیح مصرف پر خرچ کریں گے، تو زکوۃ دہندگان کی زکوۃ ادا ہوگی، ورنہ نہیں۔ (سورۃ التوبۃ: ۶۰)

مصارفِ زکوۃ کا بیان

مسئلہ (۱۰۸): آج کل بہت سے اربابِ مدارس زکوۃ کی رقم صرف جمع کرکے رکھ لیتے ہیں، اور اسے مستحقین میں خرچ نہیں کرتے ہیں، اِن اربابِ مدارس کو زکوۃ کی رقم اسی سال کام میں لے لینا چاہیے جس سال کہ وہ ادا کی گئی، جمع کرکے نہ رکھیں، البتہ مدرسہ میں خواہ کتنی ہی زکوۃ کی رقم موجود ہو، زکوۃ دینا منع نہیں ہے، کیوں کہ دینی مدارس کے ذمہ داران غریب طلباء کے وکیل ہوتے ہیں، انہیں زکوۃ کی رقم دینے سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔ (سورۃ التوبۃ: ۶۰)

مسئلہ (۱۰۹): بعض تنظیمیں مستحقین کیلئے زکوٰۃ اور فطروں کی رقومات جمع کرتی ہیں، اور سال بھر مستحقین زکوٰۃ کو اس جمع کردہ رقم میں سے دیا کرتی ہیں، ان کا یہ عمل قابلِ تحسین ہی نہیں بلکہ باعثِ اجر وثواب بھی ہے، البتہ ان تنظیموں کو اس بات کا پورا خیال رکھنا چاہیے کہ آئندہ سال آنے تک اپنے پاس جمع رقم مستحقین تک پہنچادے، جمع نہ رکھیں، ورنہ ان کا یہ عمل ''نیکی برباد، گناہ لازم'' کا مصداق ہوگا، کیوں کہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ کو آئندہ سال تک اپنے پاس جمع رکھنا اور مصارف میں خرچ نہ کرنا گناہ کی بات ہے۔ (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید: ۱/۳۵۹)

مسئلہ (۱۱۰): کسی شہر میں غرباء وفقراء موجود ہونے کے باوجود، صاحبِ نصاب کا دوسرے شہر میں غرباء وفقراء مسلمانوں کو زکوٰۃ کا مال بھیجنا مکروہ ہے، البتہ ایسی جگہ زکوٰۃ بھیجنا جہاں بہت زیادہ ضرورت مند مسلمان ہوں، یا اس کے قریبی رشتہ دار ہوں، تو بلا کراہت زکوٰۃ کا مال بھیجنا درست ہے۔ (البحر الرائق: ۲/۴۳۵)

مسئلہ (۱۱۱): زکوۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک یعنی مالک بنانا ضروری ہے، اور تسلیط یعنی قابض بنانا بھی تملیک ہی کی ایک صورت ہے، جو کہ منی آرڈر میں یقیناً متحقق ہے، پس بوقت منی آرڈر ادائے زکوۃ کی نیت کافی ہے، لہٰذا منی آرڈر اور ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجنے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ: ۱۲/۲۶۱)

مسئلہ (۱۱۲): زکوۃ کا سب سے بہترین مصرف اپنے دیندار اقرباء ہیں، جب کہ وہ مستحق زکوۃ ہوں، اس کے ساتھ اگر وہ

دین میں مشغول ہوں تو اس میں رشتہ داری اور تعلیم دین دونوں کی رعایت ہوسکتی ہے، فساق، فجار، جواری اور شرابی جو نہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ روزہ رکھتے ہیں، بلکہ محض بھیک مانگتے پھرتے ہیں، ان کو دینے سے تعلیم دین میں مشغول ہونے والوں کو دینا بہر حال افضل وبہتر ہے، پھر بھی اگر کسی نے دیدیا اور یہ لوگ صاحب نصاب نہیں ہیں، تو زکوۃ ادا ہوجائیگی۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۹۰)

مسئلہ (۱۱۳): اصول یعنی ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ، اسی طرح فروع یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہ، ان رشتہ داروں کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، اسی طرح شوہر اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے شوہر کو زکوۃ نہیں دے سکتی، البتہ مالِ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مال سے ان کی خدمت کرنا انتہائی ثواب وسعادت کی بات ہے۔ (مجمع الأنہر:۱/۳۳۱)

مسئلہ (۱۱۴): وہ رشتہ دار جن کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے، مندرجہ ذیل ہیں:

اپنے اصول یعنی جن سے پیدا ہوا، جیسے باپ، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ، اور اپنے فروع یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہ کو، اور میاں بیوی کا ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، طلاق کے بعد بھی، جب تک کہ عدت نہ گزرجائے۔

(البحر الرائق:۲/۴۲۵)

مسئلہ (۱۱۵): اپنے حقیقی غریب بھائی، بہن، بھتیجے، بھتیجی، بھانجہ اور بھانجی کو زکوۃ دینا درست ہی نہیں بلکہ افضل ہے۔

(الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید:۱/۳۷۳)

مسئلہ (۱۱۶): اگر کوئی شخص خود اپنے داماد کو اپنی زکوۃ کی رقم سے اعلیٰ تعلیم دلوانا چاہتا ہے اور داماد صاحب نصاب یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنی قیمت نقد کا مالک نہیں ہے، اور نہ ہی وہ سید ہے، تو شرعاً یہ جائز ہے، اور اس صورت میں خسر کی زکوۃ بھی ادا ہوجائیگی۔ (شامی:۳/۲۹۳)

مسئلہ (۱۱۷): اگر صاحبِ نصاب شخص کو کسی آدمی کے بارے میں یہ بات معلوم ہو کہ وہ زکوۃ کا مستحق ہے، اور زکوۃ کو زکوۃ کہہ کر دینا مناسب نہیں ہے، تو ایسے آدمی کو ہدیہ یا تحفہ کے نام سے زکوٰۃ دے سکتا ہے، زکوۃ ادا ہوجائیگی، بشرطیکہ دل میں زکوۃ کی نیت ہو۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ:۲/۳۵)

مسئلہ (۱۱۸): مستحقِ زکوۃ شخص کو، عیدی یعنی ہدیہ کے نام سے زکوۃ دینا جائز ہے، البتہ دیتے وقت دل میں زکوۃ دینے کی نیت ہو۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۷۱)

مسئلہ (۱۱۹): ایک نابالغ یتیم لڑکا ہے، اور اس کی والدہ صاحبِ نصاب ہے، لیکن مرنے والے شخص نے اپنے نابالغ بچے کے لیے کوئی مال نہیں چھوڑا ہے، اور وہ لڑکا محتاج ہے، تو اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، کیوں کہ اس کے لڑکے کی ماں کے مالدار

ہونے کی وجہ سے، اس لڑکے کو مالدار شمار نہیں کیا جائیگا۔ (تبیین الحقائق: ۲/۱۲۵)

مسئلہ (۱۲۰): اگر کسی مدرسہ میں تمام پڑھنے والے طلباء مالدار ہوں، تو ان میں جو طلباء اپنے وطن میں صاحبِ نصاب ہوں اور مدرسہ میں ان کے پاس بقدرِ نصاب مال نہیں، اور وہ اپنے وطن سے منگوا بھی نہیں سکتے، تو وہ زکوۃ کی رقم، چرمِ قربانی کی قیمت اور صدقۂ فطر کے مصرف ہیں، لہٰذا ان کو اگر زکوۃ دی جائے تو زکوۃ ادا ہو جائیگی۔ (سورۃ التوبۃ: ۶۰)

مسئلہ (۱۲۱): مدرسہ کے طلبہ کو بطور تملیک، زکوۃ کی مد سے دوائیاں دینا درست ہے، اس سے زکوۃ ادا ہو جائیگی، البتہ معطی یعنی زکوۃ دینے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ دی جانے والی دوائیوں کی مالیت کا حساب محفوظ رکھیں، تا کہ یہ پتہ رہے کہ اس پر زکوۃ کی رقم کس قدر واجب ہے، اور اس میں سے کتنی رقم کی دوائیاں طلبہ کو دی جا چکی ہیں، اس لئے کہ محض اندازہ سے زکوۃ نکالنا کافی نہیں ہے، ورنہ زکوۃ باقی رہ جانے کی صورت میں آخرت میں گرفت ہوگی۔ (سورۃ التوبۃ: ۶۰)

مسئلہ (۱۲۲): جو طلبائے مدارس غنی و مالدار ہوں، اپنے آپ کو اکتسابِ معاش سے فارغ کر چکے ہوں، اور افادہ واستفادۂ علم میں مشغول ہوں، بعض فقہاء نے ان کے لیے زکوٰۃ لینا جائز قرار دیا ہے، تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ انہیں وظیفہ اور کھانا وغیرہ کسی فقیر اور مستحق کو تملیک کرا کے دیا جائے۔ (الدر مع الرد: ۳/۲۵۸)

مسئلہ (۱۲۳): زکوۃ کے مال کا، مستحقِ زکوۃ کو مالک بنانا شرط ہے، پس اگر طلباء کو کتابوں کا مالک بنا دیا جائے، تو زکوۃ ادا ہو جائیگی۔ (الفقہ المیسر: ص/۲۵۷)

مسئلہ (۱۲۴): بہت سارے مدارس میں طلباء کو مطبخ میں بلا کر کھانا کھلایا جاتا ہے، کھانے کا مالک نہیں بنایا جاتا، جب کہ وہ کھانا زکوۃ کی رقم سے پکتا ہے، اور زکوۃ کا کھانا مستحق کو بطور تملیک یعنی مالک بنا کر دینا لازم ہے، اور مستحق یہ سمجھتا ہو کہ اتنی مقدار میری ملک ہے، خواہ میں کھاؤں یا فروخت کر دوں، یا کسی کو کھلاؤں، اور ایک ساتھ سب کو کھلانے میں یہ بات نہیں ہوتی، یعنی شرطِ تملیک نہیں پائی جاتی، لہٰذا اس کی تدبیر یہ کی جائے کہ اول نقد روپیہ یا اجناس وغیرہ زکوۃ کی تملیک کرادی جائے، پھر اس کی طرف سے داخل مدرسہ کر کے کھانا طلباء کو کھلایا جائے۔ (البحر الرائق: ۲/۴۲۵)

مسئلہ (۱۲۵): فقراء کو زکوۃ کی رقم کے بجائے ان پیسوں کا کھانا بطور تملیک کے دیدیا جائے، تو زکوۃ کی ادائیگی درست ہے۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ: ۳/۱۷۱)

مسئلہ (۱۲۶): آج کل مدارسِ عربیہ و مکاتبِ قرآنیہ میں پڑھانے والے علماء کی تنخواہیں بہت کم ہوتی ہیں، عیالداری کی وجہ سے بمشکل اخراجات پورے ہوتے ہیں، تو اگر مدارس و مکاتب میں پڑھانے والے کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس

کی قیمت کے بقدر روپیہ، حوائج اصلیہ سے زائد نہ ہو، تو وہ مستحقِ زکوۃ ہیں، ان کو زکوۃ کی رقم دینا جائز ہے، البتہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہ رقم بطور عوض یعنی تنخواہ میں نہ دی جائے۔ (مجمع الأنہر:۱/۲۸۴)

مسئلہ (۱۲۷): مدرسہ کے اساتذہ یا خادمین کی تنخواہ زکوۃ کی رقم سے دینے کا طریقہ یہ ہے کہ حیلۂ شرعی کرلیا جائے، یعنی کسی مستحقِ زکوۃ کو مالک بنائے، اور وہ یہ رقم بطیب خاطر اہلِ مدرسہ کو دیدے تو جائز ہے، لیکن براہِ راست بلا تملیک یعنی بغیر مالک بنائے زکوۃ کی رقم سے تنخواہ دینا جائز نہیں ہے۔ (تبیین الحقائق:۲/۱۲۰)

مسئلہ (۱۲۸): مدرسہ میں آنے والے مہمانوں کو زکوۃ کی رقم سے کھانا کھلانا، اس وقت صحیح ہے جب کہ یہ مہمان مستحقِ زکوۃ ہوں، اور کھانا تملیکاً یعنی مالک بنا کر دیا گیا ہو، نہ کہ اباحۃً، اور اگر مہتمم مدرسہ نے زکوٰۃ کی رقم کی تملیک کرلی، تو جو کھانا اس رقم سے پکایا گیا ہو، وہ مستحقِ زکوٰۃ وغیر مستحقِ زکوۃ دونوں طرح کے مہمان کھا سکتے ہیں، اور زکوۃ دینے والوں کی زکوۃ بھی ادا ہوجائیگی، رہے وہ اساتذہ جو مدرسہ میں بدونِ اہل وعیال مقیم ہیں، یا مدرسہ کی طرف سے ملی ہوئی رہائش میں مع اہل وعیال مقیم ہیں، اور وہ مستحقِ زکوۃ ہیں، تو ان کے لیے زکوۃ کی رقم سے پکا ہوا کھانا درست ہوگا، بشرطیکہ یہ کھانا تملیکاً یعنی مالک بنا کر دیا گیا ہو، نہ کہ اباحۃً، لیکن اگر یہ اساتذہ مستحق زکوۃ نہ ہوں، یا مستحقِ زکوۃ ہوں مگر یہ کھانا انہیں جزءِ تنخواہ کے طور پر دیا جاتا ہو، تو اس صورت میں زکوۃ دینے والوں کی زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔ (سورۃ التوبۃ:۶۰)

مسئلہ (۱۲۹): انجمن اصلاح الکلام، لجنۃ القراءۃ والتجوید وغیرہ شعبوں میں سے کسی شعبہ پر صرفِ زکوۃ کی ایک صورت یہ ہے کہ ان شعبوں کی ضروریات، مثلاً کتابیں، مائک، لاؤڈ اسپیکر اور تپائیاں وغیرہ پر زکوۃ کی رقم صرف کی جائے، شرعاً یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ زکوۃ کی رقم میں مالک بنانا ضروری ہے، اور وہ یہاں مفقود ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ اس انجمن میں حصہ لینے والے طلباء مستحقِ زکوۃ ہوں، تو زکوۃ کی رقم ان کو مالک بنا کر دینا شرعاً صحیح ودرست ہے، کیوں کہ یہاں ملکیت پائی جارہی ہے۔ (سورۃ التوبۃ:۶۰)

مسئلہ (۱۳۰): زکوۃ کی ادائیگی کے لیے مستحقِ زکوۃ کو بلا کسی عوض کے مالک بنانا شرط ہے، مالک بنائے بغیر زکوۃ ادا نہیں ہوتی، تعمیری کاموں میں زکوۃ کی رقم استعمال کرنے کی صورت میں تملیک نہیں ہوتی، لہٰذا مسجد ہو یا مدرسہ، اس کی تعمیر میں زکوۃ کی رقم استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ (البحر الرائق:۲/۴۲۴)

مسئلہ (۱۳۱): رفاہِ عامہ کے کاموں میں زکوۃ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ زکوۃ کی رقم کی ادائیگی کے لیے تملیک یعنی مالک بنانا شرط ہے، اور وہ یہاں مفقود ہے۔ (تفسیر القرطبی:۸/۱۶۷)

مسئلہ (۱۳۲): زکوۃ میں تملیک شرط ہے، لہذا جو اسلامی فلاحی تنظیمیں ہیں، جیسے جمیعۃ علماء ہند، مسلم پرسنل لا بورڈ وغیرہ، اگر یہ تنظیمیں زکوۃ کی رقم غرباء و مستحقین پر تملیکاً یعنی مالک بنا کر صرف کرتی ہیں، تو ان کو زکوۃ کی رقم دینا درست ہے، ورنہ نہیں، اگر مالک خود کسی غریب کو دیدے اور وہ مالکانہ قبضہ کرنے کے بعد از خود جمیعۃ علماء ہند، مسلم پرسنل لا بورڈ وغیرہ کو بطور عطیہ دیدے، تو درست ہے۔ (تبیین الحقائق:۲/۱۲۰)

مسئلہ (۱۳۳): اگر کسی جگہ پر فساد واقع ہوگیا ہو، یا سیلاب آگیا ہو، اور وہاں کے لوگ پریشان حال ہوں، تو اگر ظنِ غالب یہ ہو کہ وہ مستحقینِ زکوٰۃ ہیں، یعنی ان کے پاس نصابِ زکوۃ کے بقدر مال نہیں ہے، تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، بشرطیکہ ان اشیاء یا رقوم کا ان کو مالک بنا دیا جائے۔ (البحر الرائق:۲/۳۵۲)

مسئلہ (۱۳۴): آج کل بہت سے سماجی اور رفاہی ادارے زکوۃ، چرمہائے قربانی اور دوسرے عطیات جمع کرنے کیلئے ان ہی مدات میں سے بہت سی رقم پبلسٹی اور اشتہارات پر خرچ کرتے ہیں، ان کا یہ عمل شرعاً جائز نہیں ہے۔ (مشکوۃ المصابیح:۱/۱۵۵)

مسئلہ (۱۳۵): جو حکم اہلِ سنت والجماعت کے مدارس میں زکوۃ دینے کا ہے، وہی حکم جماعتِ اسلامی، بریلوی اور اہلِ حدیث کے مدارس کو زکوۃ دینے کا بھی ہوگا، یعنی طلباء مستحقِ زکوۃ ہوں اور اُن پر زکوۃ کی رقم تملیکاً صرف کی جاتی ہو، تو ان اداروں میں زکوۃ دینا درست ہے، ورنہ نہیں۔ (سورۃ التوبۃ:۶۰)

مسئلہ (۱۳۶): جو کالج مدارسِ عربیہ کے تحت چلتے ہوں اور ان میں پڑھنے والے طلباء غرباء و فقراء اور مستحقِ زکوٰۃ ہوں، تو ان کے ذمہ داران کو زکوۃ دے سکتے ہیں، بشرطیکہ ذمہ داران اس رقم کو تملیکاً یعنی مالک بنا کر صرف کرتے ہوں، اور اس رقم کو مدرسین کی تنخواہ یا مدرسہ کی تعمیر و کالج وغیرہ میں خرچ نہ کرتے ہوں۔ (خلاصۃ الفتاوی:۱/۲۴۲)

مسئلہ (۱۳۷): زکوۃ کی رقم مکان کی تعمیر، شادی یا آپریشن وغیرہ کے لیے، کسی مستحقِ زکوٰۃ کو بطور تملیک یعنی مالک بنا کر دی جائے، اور وہ اس رقم کو شادی، آپریشن یا مکان کی تعمیر میں صرف کرے تو جائز ہے، البتہ بغیر تملیک کے مذکورہ چیزوں میں استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ (ردالمحتار:۳/۱۵۰)

مسئلہ (۱۳۸): عام حالات میں ایک جگہ کے صدقاتِ واجبہ کو دوسری جگہ منتقل کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر منتقل کر دی گئی تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، البتہ فقہائے کرام نے ایسی جگہ زکوٰۃ بھیجنے کو، جہاں زیادہ حاجت مند ہوں، یا اس کے رشتہ دار ہوں، بلاکراہت درست فرمایا ہے، چنانچہ ایسے ممالک جہاں مظلوم مسلمان ہوں، مثلاً فلسطین، عراق، چیچینیا اور بوسنیا وغیرہ، ان کی امداد کے لیے زکوٰۃ بھیج سکتے ہیں۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۹۰)

مسئلہ (۱۳۹): رمضان شریف میں مالِ زکوٰۃ کو افطاری میں صَرف کرنا اس وقت جائز ہے، جب کہ افطاری کرنے والے مسکین ہوں، اوران کو افطاری کا کھانا مالک بنا کر تقسیم کر دیا جائے، اگر افطاری کھانے والے غنی ہوں تو جائز نہیں ہے، البتہ حیلۂ تملیک کر کے مالداروں کو بھی کھلایا جاسکتا ہے۔ (البحر الرائق: ۲/۴۲۴)

مسئلہ (۱۴۰): حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام رحمہ اللہ فتاویٰ قاضی میں فرماتے ہیں:

موجودہ دور میں کسی ہاشمی کو جو فقیر ہو زکوۃ دینا میرے نزدیک جائز ہے۔اس بارے میں مشہور مسلک سے الگ ہوکر ایک قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا یہ منقول ہے کہ ہاشمی کی زکوۃ ہاشمی کو دی جاسکتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ابوعصمہ کی روایت یہ ہے کہ امام صاحب سادات کے لیے علی الاطلاق جوازِ زکوۃ کے قائل ہیں، خواہ زکوۃ ہاشمی کے مال کی ہو یا غیر ہاشمی کے مال کی، امام صاحب کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ خمس الخمس جو اہلِ قرابتِ رسول کے لیے تھا، اب جب کہ وہ بدل ختم ہو گیا، تو اصل یعنی زکوۃ ان کے لیے حلال ہوگی، امام طحاوی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، شوافع میں اصطخری اور بعض حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے۔

متاخرین علماء ہند میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے بارے میں فیض الباری میں نقل کیا ہے کہ- سادات کا مجبور ہوکر بھیک مانگنے کے مقابلہ میں زکوۃ کھانا آسان تر ہے، لہٰذا میں بھی یہی فتویٰ دیتا ہوں، کفایت المفتی مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی رحمہ اللہ کا فتویٰ جواز ہی کا نقل کیا گیا ہے، گرچہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کو اس سے اتفاق نہیں۔

بہر حال قولِ امام مختلف ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ اور بعض دیگر علماء نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اختلافِ دلیل و براہین کا نہیں، بلکہ بدلتے ہوئے حالات اور زمانہ کا ہے، اس لیے اپنے دور کے حالات کے اعتبار سے اس روایتِ غیر مشہورہ پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔...... **موجودہ** حالات یہی ہیں کہ خمس الخمس سادات کو ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، عطایا و ہدایا کے ذریعہ سادات کی خدمت کا جذبہ مفقود ہوتا جا رہا ہے، لہٰذا میں پوری طمانینتِ قلب کے ساتھ یہ رائے رکھتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ ضرورت مند سادات کو زکوۃ شرعاً دی جاسکتی ہے۔ (فتاویٰ قاضی: ص/ ۸۸، ۸۹)

مسئلہ (۱۴۱): اگر کوئی شخص کسی نشہ کے عادی، مسلم، مفلس اور محتاج شخص کو زکوٰۃ دینا چاہے، تو دے سکتا ہے، اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، البتہ زکوٰۃ، صدقات اور خیرات کی رقم نیک صالح لوگوں کو دینا زیادہ بہتر ہے، اور اگر یہ پختہ یقین ہے کہ نشہ کا عادی شخص زکوٰۃ کی اس رقم کو نشہ میں ہی استعمال کرے گا، تو اس کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ تعاون علی الاثم والعدوان کے قبیل سے ہے، جو درست نہیں ہے۔ (فیض القدیر: ۱/ ۵۳۷، رقم: ۱۱۰۱)

مسئلہ (۱۴۲): اگر کسی کی ہوٹل میں مسلم نوکر کام کررہے ہوں اور وہ غریب محتاج ہوں، تو ہوٹل کے مالک کا اُن کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے، بشرطیکہ یہ زکوۃ اُن کی تنخواہ کے علاوہ ہو۔ (صحیح البخاري:۱/۲۰۲)

مسئلہ (۱۴۳): اگر کوئی شخص اپنی زکوٰۃ، یہودی، نصرانی، پارسی، ہندو اور بدھ وغیرہ، یعنی کسی بھی غیر مسلم کو دینا چاہے، تو اس کی اجازت نہیں ہے، کیوں کہ کسی بھی غیر مسلم کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے۔ (صحیح البخاري:۱/۲۰۲)

مسئلہ (۱۴۴): بعض لوگ غیر مسلم فقراء کو زکوٰۃ دیدیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی، جبکہ اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، کیوں کہ زکوٰۃ کا مصرف، صرف مسلمان فقراء ہیں، اس لئے ان پر دوبارہ اتنی زکوٰۃ مسلمان غریبوں کو دینا لازم ہے۔ (منہاج المسلم للجزائری:ص/۲۳۰)

مسئلہ (۱۴۵): زکوٰۃ کی رقم سے غرباء کے لیے مکان بنوا کر اوران کو مالک بنا کر قبضہ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، بشرطیکہ غرباء کوان مکانات کا مالک بنا کر دینے کے بعد، زکوٰۃ دینے والے آدمی کا ان مکانات میں کسی قسم کا کوئی حق وتعلق باقی نہ رہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۷۰)

مسئلہ (۱۴۶): زکوٰۃ کی رقم سے خیراتی دواخانہ یا مسافر خانہ وغیرہ بنانا درست نہیں ہے، کیوں کہ ادائے زکوٰۃ کے صحیح ہونے کے لیے زکوۃ کے مال کا مالک بنانا شرط ہے، اوراس صورت میں تملیکِ مالِ زکوٰۃ نہیں پائی گئی، اس لئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۸۸)

مسئلہ (۱۴۷): جس شخص کے پاس رہنے کے لیے مکان، پہننے کے لیے کپڑے، اور کھانے پینے وغیرہ کی تمام ضروریات ہیں، مگر وہ صاحبِ نصاب نہیں ہے، تو ایسے شخص کو آسودہ ہونے کی وجہ سے دستِ سوال دراز کرنا حرام ہے، اور صاحبِ نصاب نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ لینا درست ہے۔ (البحر الرائق:۲/۴۱۹)

مسئلہ (۱۴۸): کسی مسجد، قبرستان، یا مسجد کی زمین کے مقدمے میں زکوٰۃ کی رقم لگانا درست نہیں، بلکہ کسی مستحق کو دیدی جائے، وہ مالکانہ قبضہ کے بعد اگر دیدے، تو مقدمہ میں خرچ کرنا درست ہوگا۔ (البحر الرائق:۲/۳۶۸)

مسئلہ (۱۴۹): زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک شرط ہے، بدونِ تملیک زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے زکوٰۃ کی رقم سے مسجد، مدرسہ، یا عیدگاہ کے لیے لاؤڈ اسپیکر خریدنا جائز نہیں، تاہم اگر تملیک کے بعد، وہ شخص جسے زکوٰۃ دی گئی، اپنی طرف سے مسجد، مدرسہ یا عیدگاہ کے لیے لاؤڈ اسپیکر خرید کر وقف کردے تو جائز ہے۔ (سورۃ التوبۃ:۶۰)

مسئلہ (۱۵۰): زکوۃ کی رقم سے مسجد کے لیے جنریٹر (Genrater) یا اور کوئی چیز خریدنا جائز نہیں ہے۔ (النہر الفائق:۱/۴۶۲)

مسئلہ (۱۵۱): اگر کوئی شخص صاحبِ نصاب نہیں ہے، تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے، چاہے وہ اس سے حج کرے یا کسی اور مصرف میں خرچ کرے، اور اگر وہ شخص صاحبِ نصاب ہے، مگر حج کے مصارف میں خرچ کے لیے کچھ رقم کی ضرورت پڑ رہی ہے، تو ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ کا لینا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی مستحقِ زکوٰۃ کو، زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنا دیا جائے، پھر وہ اپنی خوشی سے اس حج کرنے والے کو دے دے، تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ (المحیط البرہانی:۲/۴۳۳)

مسئلہ (۱۵۲): اگر کسی شخص کی ساس مستحقِ زکوۃ ہو، تو وہ اُسے زکوۃ دے سکتا ہے، بلکہ یہ دوہرے اجر کا باعث ہے، ایک اجر صلہ رحمی پر، دوسرا زکوۃ پر، البتہ زکوۃ کی رقم سے اپنی ساس کو حج وعمرہ کرا دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی، لیکن اگر ساس کو زکوۃ کی رقم دی جائے اور وہ اس رقم کی مالک بن جانے کے بعد اس سے حج وعمرہ کرے، تو اسے اختیار ہے، البتہ کسی ایک فرد کو زکوۃ کی اتنی رقم دینا کہ اس کی ضروریات پوری ہو کر، اتنی رقم بچ جائے جس سے وہ صاحبِ نصاب بن جائے، حضراتِ فقہاء کرام نے اسے مکروہ لکھا ہے، تاہم اس صورت میں بھی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔ (البحر الرائق:۲/۴۲۵)

مسئلہ (۱۵۳): اگر کوئی شخص اس لیے زکوۃ کی رقم لیتا ہے تاکہ حج میں جائے تو اس کا یہ عمل جائز نہیں ہے۔
(الدر مع الشامیۃ:۳/۲۹۵،۲۹۶)

مسئلہ (۱۵۴): اگر کسی ہسپتال میں مریضوں کو زکوۃ کی رقومات سے دوائیں دی جاتی ہوں تو یہ دوائیں وہی مریض لے سکتے ہیں جو مستحقِ زکوۃ ہوں، صاحبِ نصاب لوگوں کو یہ دوائیں لینا اور انتظامیہ کا ان کو دینا دونوں عمل شرعاً ناجائز ہیں، اس طرح یہ دوائیں برادرانِ وطن کو دینا بھی جائز نہیں ہے۔ (الاختیار لتعلیل المختار:۱/۱۷۲)

مسئلہ (۱۵۵): اگر کسی شخص کے ذمہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی مقدار تھوڑی بنتی ہو، اور اس نے غلطی سے زیادہ زکوٰۃ دیدی، تو اس کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ اس زائد مقدار کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں شمار کرلے، اور اگر اس زائد مقدار کو نفلی صدقہ تصور کرے، اور آئندہ سال کی زکوٰۃ اپنے وقت پر الگ حساب لگا کر ادا کرے، تو بھی حرج نہیں، بلکہ یہ زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔
(صحیح البخاری:۱/۱۸۹)

مسئلہ (۱۵۶): کسی شخص کے پاس بہت سی کھیتی باڑی کی زمین ہے، جس کی قیمت لاکھوں روپئے ہوتی ہیں، مگر وہ آباد نہیں ہے، اس سے پیداوار نہیں ہوتی ہے، یا ہوتی تو ہے مگر اتنی نہیں ہوتی کہ جس سے اس کی اور اس کے بال بچوں کی سال بھر کی ضرورتیں پوری ہو جائیں، تو ایسا شخص بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ (البحر الرائق:۲/۴۲۷)

مسئلہ (۱۵۷): اگر کوئی لڑکی مستحق زکوٰۃ ہے، اور اس کے والدین بھی غریب ہیں، مصارف نکاح کا تحمل نہیں کر سکتے،

اور وہ اپنی بچی کی شادی بیاہ کے لئے کسی سے زکوٰۃ کی رقم طلب کرتے ہیں، تو صاحب نصاب شخص کے لئے انہیں اپنی زکوٰۃ کی رقم دینا شرعاً درست ہے، اب شخص مذکور اس رقم کا مالک بن جانے کے بعد اپنی بچی کی شادی کی تمام ضرورتوں میں اسے خرچ کرسکتا ہے، اگر وہ اسی رقم سے باراتیوں کیلئے کھانے کا انتظام کرے اور باراتیوں میں صاحب نصاب لوگ بھی ہوں، تو ان کے لیے یہ کھانا کھانا جائز ہے، کیوں کہ ملکیت کے بدل جانے سے اب وہ زکوٰۃ کی رقم، زکوٰۃ کی نہ رہی۔ (صحیح البخاری:۱/۲۰۲)

مسئلہ (۱۵۸): کسی شخص نے منتظم مدرسہ کو زکوٰۃ کی رقم دی، تاکہ وہ مدرسہ کے طلباء کو لحاف وبستر وغیرہ بنائے، منتظم صاحب نے اس رقم سے لحاف وبستر بنائے اور مستحق طلباء کے مابین تقسیم کردیئے، تو اب یہ لحاف وبستر سالانہ تعطیلات کے موقع پر طلباء سے اس اندیشہ سے واپس نہیں لئے جاسکتے کہ پتہ نہیں وہ آئندہ سال مدرسہ واپس آئیں یا نہ آئیں، کیوں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اسی وقت صحیح ہوتی ہے جب کہ زکوٰۃ کی رقم یا اس سے خریدی ہوئی چیزوں کا مستحقین کو مالک بنادیا جائے، لحاف وبستر کو واپس لینے کی صورت میں یہ محض مستعار ہونگے، جب کہ مستعار دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ (صحیح البخاری:۱/۲۰۲)

صدقۂ فطر کا بیان

مسئلہ (۱۵۹): صدقۂ فطر، عید الفطر کے دن صبح صادق طلوع ہونے کے وقت واجب ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص فجر کا وقت آنے سے قبل فوت ہوگیا، یا فقیر ہوگیا، اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۹۲)

مسئلہ (۱۶۰): تعجیلِ اداء صدقۂ فطر مطلقاً جائز ہے، یا صرف دخول رمضان کے بعد؟ اس میں اختلاف ضرور ہے، لیکن مطلقاً جواز کا قول راجح ہے، اگر کوئی شخص عید کے دن بھی صدقۂ فطر ادا نہ کرسکا، تو وہ ساقط نہ ہوگا، بلکہ ذمہ میں باقی رہے گا۔

(الفقہ الإسلامی وأدلتہ:۳/۲۰۴۱)

مسئلہ (۱۶۱): مالدار آدمی کے لیے اپنی، اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے، اور اگر نابالغ اولاد مالدار ہو، تو ان کے مال میں سے ادا کرے، بالغ اولاد یا بیوی کی طرف سے، باپ یا شوہر پر صدقۂ فطر ادا کرنا واجب نہیں، ہاں! اگر باپ یا شوہر بالغ اولاد یا بیوی کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کردے، تو استحساناً ادا ہوجائیگا۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۹۲، ۱۹۳)

مسئلہ (۱۶۲): جو خویش واقارب اپنے بیرون ملک رہائش پذیر رشتہ داروں کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرتے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ ان کی طرف سے عمدہ قسم کی کشمش، کھجور، جَو یا گندم سے صدقۂ فطر ادا کریں، یا بیرون ملک کی قیمت کے حساب سے مذکورہ چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی قیمت ادا کریں، اگر یہاں کی قیمت زیادہ ہے تو یہاں کے حساب سے ادا کریں، تاکہ غریبوں کا فائدہ ہو۔ (مجمع الأنہر:۱/۳۳۹)

مسئلہ (۱۶۳): صدقۂ فطر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے، یعنی جہاں جہاں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، انہیں جگہوں میں صدقۂ فطر دینا بھی جائز ہے، اور جہاں جہاں زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، ان جگہوں میں صدقۂ فطر دینا بھی جائز نہیں ہے، البتہ غریب غیر مسلم لوگوں کو صدقۂ فطر دینا تو جائز ہے، زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ (سورۃ التوبۃ:۱۰)

مسئلہ (۱۶۴): صدقۂ فطر غیر مسلموں کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلے میں ہمارے ائمہ کے مابین اختلاف ہے، طرفین کے نزدیک دینا جائز ہے، اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ علامہ حصکفی فرماتے ہیں کہ ''فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے''، جب کہ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ''صاحب ہدایہ وغیرہ کے کلام سے یہ افادہ ہوتا ہے کہ فتویٰ طرفین کے قول پر ہے، اور متون میں بھی ایسا ہی ہے۔'' - **علامہ شامی** کا قول ضوابطِ افتاء کے مطابق بھی ہے کہ ''جب کسی مسئلہ میں ہمارے ائمہ کے مابین اختلاف ہو، تو امام، یا امام اور آپ کے تلامذہ میں سے وہ جو آپ کے موافق ہوں، کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے''، اس لیے فتویٰ طرفین کے قول پر ہی ہوگا، یعنی غیر مسلموں کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے، لیکن چوں کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ مسلمانوں کو ہی کو دیا جائے، کیوں کہ مسلمانوں میں فقراء وغرباء کی کمی نہیں ہے، نیز صدقۂ فطر کا مقصد غریب مسلمانوں کو اپنی خوشی میں شریک کرنا ہے، اور یہ مقصد اسی صورت میں پورا ہوگا، جب کہ ہم صدقۂ فطر ان مسلم غرباء وفقراء ہی کو دیں، رہے غیر مسلم تو سال بھر انہیں صدقاتِ نافلہ دینے کی گنجائش ہے۔ (فتاوی قاضیخان:۱/۱۱۱)

مسئلہ (۱۶۵): دینی مدارس کے غریب طلباء کو فطرہ دینا سب سے زیادہ ثواب ہے، کیوں کہ اس صورت میں فطرہ کی ادائیگی کے ساتھ صدقۂ جاریہ کا ثواب بھی ملتا ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۸۷)

عشر کا بیان

مسئلہ (۱۶۶): ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟ اس سلسلے میں ہمارے علماء کے مابین اختلاف ہے۔ لیکن صحیح اور مبنی بر احتیاط قول یہ ہے کہ مسلمانوں کی مملوکہ اَراضی میں عشر واجب ہے، کیوں کہ عشر میں بنیادی تصور عبادت کا ہے، اور یہ زکوٰۃ کی ہی ایک قسم ہے، کیوں کہ دونوں کے مصارف ایک ہی ہیں، اسی لئے مسلمانوں کے حق میں اصل عشر ہے، اور چونکہ عشر کو ساقط کرنا ایک عبادت کو ساقط کرنا ہے، اس لئے جہاں عشر کے ساقط ہونے کی صراحت اور اس پر کوئی قوی نص موجود نہ ہو، وہاں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کے حق میں عشر ہی کے حکم کو باقی رکھا جائے، لہذا ہندوستان کی زمینیں مندرجہ ذیل صورتوں میں بالاتفاق عشری ہیں: (۱) مسلمان حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو عطا کردہ زمینیں جو اب تک مسلمانوں کے پاس چلی آرہی ہیں وہ عشری ہیں۔ (۲) جس علاقے کے لوگ مسلم حکومت کے قیام سے پہلے بخوشی مسلمان ہوگئے ہوں اور وہ زمینیں ابھی تک

مسلمانوں ہی کے پاس چلی آ رہی ہیں وہ عشری ہیں۔(۳) جو زمین عرصۂ دراز سے مسلمانوں کے پاس ہیں، اور تاریخی طور پر ان کا خراجی ہونا ثابت نہیں ہے، وہ بھی عشری ہیں۔ (چھٹا فقہی سیمینار عمر آباد بتاریخ: ۱۷ تا ۲۰ ر رجب ۱۴۱۴ھ، مطابق: ۳۱ ر دسمبر ۱۹۹۳ء، تا ۳ ر جنوری ۱۹۹۴ء)

مسئلہ (۱۶۷): ایک شخص نے کھیتی لگائی، اور اس میں کھاد، یوریا وغیرہ تمام اشیاء جو فصل کے لیے ضروری ہیں، استعمال کیا، پھر جب فصل کٹ کر تیار ہوئی تو اس نے پوری فصل کی قیمت لگائی، تو پتہ چلا کہ جتنا پیسہ یوریا، دوائی اور کھاد وغیرہ میں خرچ ہوا تھا، اتنا ہی پیسہ اسے فصل کی قیمت سے ملا ہے، تو اس صورت میں بھی عشر واجب ہوگا، اور کاشت کے جدید طریقوں کھاد یا دوا وغیرہ مصارف پر ہونے والے زائد اخراجات اصلی پیداوار سے منہا نہیں کیے جائیں گے۔ یہی اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے چھٹے سمینار (عمر آباد)، بتاریخ ۱۷-۲۰ رجب ۱۴۱۴ھ کی تجویز ہے۔ (السنن لأبی داود: ص/ ۲۲۵)

مسئلہ (۱۶۸): بعض مرتبہ کھیتی میں نقصان ہو جاتا ہے، مثلاً خرچ پانچ ہزار (5,000) روپئے آیا، اور غلہ چار ہزار (4,000) کا پیدا ہوا، تو اس صورت میں بھی کل پیداوار کا عُشر یا نصف عشر واجب ہوگا، اگر زمین عشری ہے۔
(بدائع الصنائع: ۲/ ۱۸۵، ہدایہ: ۱/ ۲۰۲، ۲۰۳)

مسئلہ (۱۶۹): جو زمین ٹیوب ویل (Tubewell) کے ذریعہ سیراب اور جدید طریقۂ کاشت پر کاشت کیجائے اس کی پیداوار میں بیسواں حصہ بطورِ عشر واجب ہوگا، اور یہ بیسواں حصہ کاشت پر آنے والے مصارف کو منہا (وضع) کئے بغیر لازم ہوگا۔
(ردالمحتار: ۳/ ۲۶۸)

مسئلہ (۱۷۰): جس زمین کی آب پاشی کی جاتی ہے، یا محنت کر کے کنویں وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہے، اس کی پیداوار میں نصف عشر یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہے، اور جس زمین میں بارش کے پانی سے کھیتی ہوتی ہے، اور مستقل پانی دینا نہیں پڑتا، اس کی پیداوار میں عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ واجب ہے، لیکن اگر زمین ایسی ہے کہ اس کی سینچائی اکثر بارش کے پانی سے ہی ہوتی ہے، اور ٹیوب ویل (Tube well) کی اتفاقیہ معمولی نوبت آتی ہے، تو اس کو بارانی ہی سمجھا جائیگا، اور اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا، اور اگر اس کی سینچائی اکثر ٹیوب ویل (Tube well) کے ذریعہ ہوتی ہے، تو اس میں نصف عشر واجب ہوگا۔ (صحیح البخاری: ۱/ ۲۰۱)

مسئلہ (۱۷۱): آج کل لوگ اپنی زمینوں میں جانوروں کے لیے چارے، اسی طرح تعمیری فرنیچر اور کھیلوں کے سامان کی لکڑیوں کے لیے درختوں کی فصل لگاتے ہیں، پھر یہ چارے اور درخت بڑے اونچے داموں میں فروخت کئے جاتے ہیں، تو اس میں بھی عشر (قیمت کا دسواں حصہ) واجب ہوگا۔ (الفتاوی الولوالجیۃ: ۱/ ۲۰۰، ۲۰۱)

مسئلہ (۱۷۲): اگر مالکِ زمین کسی کاشت کار سے یہ طے کرلے کہ مجھے فی ایکڑ مثلاً پانچ سو روپئے سالانہ دے کر تم جس طرح چاہو زمین استعمال کرسکتے ہو، تو اس صورت میں عشر مالکِ زمین پر واجب ہوگا، یا کاشت کار پر؟ اس سلسلے میں ہمارے ائمہ کے مابین اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک عشر مالکِ زمین پر واجب ہے، جب کہ صاحبین کے نزدیک کاشت کار پر، عام فقہاء کرام صاحبین کے قول کوراجح قرار دیتے ہیں، یعنی کاشت کار پرعشر واجب ہوگا، علامہ شامی نے اس میں یہ تفصیل نقل کی ہے کہ اگرزمین کا کرایہ اسی کے مناسبت سے مقرر کیا گیا تو عشر مالکِ زمین پر ہوگا، اور اگر کرایہ اجرمثل سے کم مقرر کیا گیا تو عشر کاشت کار پر ہوگا۔ (ہندیہ:۱/۱۸۷)

مسئلہ (۱۷۳): اگرصاحب زمین اپنی کاشت والی زمین کرایہ پر دے، تو کرایہ کی یہ رقم دوسری آمدنی کے تابع ہوکر سال بھر گزرنے کے بعد اس پر زکوۃ واجب ہوگی عشر نہیں، البتہ اس زمین سے فصل حاصل کرنے والے شخص یعنی کاشت کار پر عشر یا نصفِ عشر واجب ہوگا۔ (الدرمع الرد:۳/۲۵۱)

مسئلہ (۱۷۴): اگر فصل پک چکی اور اس کی کٹائی سے پہلے ہی اس کو فروخت کردیا گیا، تو اس کا عشر مالکِ زمین پر ہی واجب ہوگا، اور اگر فصل کی پختگی سے پہلے اسے فروخت کردیا گیا، اور فصل مشتری کی ملکیت میں کمال تک پہنچ جائے، تو عشر کی ادائیگی مشتری یعنی خریدار پر لازم ہے۔ (المبسوط:۲/۲۷۴)

مسئلہ (۱۷۵): اگرفصل کسی دوسری جگہ بھیج کرفروخت کیجائے جہاں اس کی قیمت زیادہ ہو، تو جملہ قیمت کے اعتبار سے عشر یا نصف عشر ادا کیا جائیگا، حمل ونقل کا کرایہ اسی طرح پل ٹیکس اورزکوۃ ناکوں پر جو رقم دی گئی جملہ قیمت سے اس کا وضع کرنا جائز نہیں ہے۔ (فتح القدیر:۲/۲۲۷-۲۵۷)

مسئلہ (۱۷۶): جس مقصد کیلئے فصل بوئی جاتی ہو، یعنی جو مقصود بالزرع ہو، تو عشر یا نصفِ عشر اس سے ادا کیا جائیگا، اس کے علاوہ ضمنی طور پر جو چیز حاصل ہو اس کی قیمت گرچہ زیادہ ہو، اس میں عشر یا نصف عشر واجب نہیں، چونکہ گندم اور مکئی کی کاشت سے مقصود غلہ (اناج) ہوتا ہے، اس لئے اس کے بھوسا یا گھاس میں عشر واجب نہیں ہے، البتہ اگر دانہ پڑنے سے پہلے ہی فصل کاٹ لی ہو تو اس پر عشر واجب ہے، کیوں کہ اس صورت میں فصل ہی مقصود ہے غلہ نہیں۔ (ہدایہ:۱/۲۰۱،۲۰۲)

مسئلہ (۱۷۷): اگر عشری زمین میں شہد کی مکھیوں کو پال کر شہد حاصل کیا جاتا ہے، تو اس میں عشر ادا کرنا لازم ہے، اور اگر شہد کی مکھیوں کو خراجی زمین میں پال کران سے شہد حاصل کیا جاتا ہے تو عشر لازم نہیں ہوگا۔ (السنن لأبی داود:ص/۲۲۶)

مسئلہ (۱۷۸): فصل بونے سے قبل عشر نکالا تو ادا نہیں ہوگا، اور اگر فصل اگنے کے بعد نکالا تو بالاتفاق ادا ہوجائیگا، اور اگر

فصل بونے کے بعد اگنے سے پہلے نکالا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ادا ہو جائیگا، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ادا نہیں ہوگا، اور یہی قول راجح ہے، باغ میں پھول آنے کے بعد عشر نکالنا صحیح ہے، اس سے قبل نکالا تو ادا نہ ہوگا۔ (بدائع الصنائع:۲/۱۷۰)

مسئلہ (۱۷۹): پھلوں، مثلاً انار، سیب اور انگور وغیرہ میں عشر اس وقت واجب ہوتا ہے، جب یہ درختوں پر ظاہر ہو جائیں، اور پک جانے تک فساد وغیرہ سے محفوظ رہیں۔ (المبسوط:۳/۱۴)

مسئلہ (۱۸۰): بعض لوگ گھر کی چھت پر یا گھر کے احاطے میں پھلدار درخت یا سبزی وغیرہ کے درخت لگاتے ہیں، اس میں عشر واجب نہیں ہے، کیوں کہ یہ گھر کے تابع شمار ہوں گے۔ (خلاصۃ الفتاوی:۱/۲۴۷)

مسئلہ (۱۸۱): بعض مساجد کے ذمہ داران مسجد کے احاطے میں خالی پڑی ہوئی جگہ میں پھلدار درخت لگاتے ہیں، اس میں عشر واجب نہیں ہے، کیوں کہ یہ مسجد کے تابع شمار ہوں گے۔ (فتاوی قاضیخان:۱/۱۳۲)

مسئلہ (۱۸۲): پہاڑوں کے پھلدار درخت مثلاً اخروٹ، جامن، چلغوزی اور بیر وغیرہ اگر حکومتِ وقت کسی شخص کو ان کی نگرانی وحفاظت کا ذمہ دار بناتی ہے، اور ان سے انتفاع کی اجازت دیتی ہے، تو اس پر ان پھلوں میں عشر واجب ہوگا، اور اگر ایسا نہیں کیا گیا تو جو شخص بھی ان پھلوں کو جمع کرے گا، اس پر عشر واجب ہوگا، کیوں کہ نگرانی وحفاظت کا مقصود بھی پھلوں کو جمع کرنا ہی تھا، جب نگرانی وحفاظت کی ذمہ داری کے بغیر ان کو جمع کرنا پایا گیا تو علتِ وجوب عشر پائی گئی، لہٰذا عشر واجب ہوگا۔
(السنن لأبی داود:ص/۲۲۶)

مسئلہ (۱۸۳): اگر کسی شخص نے اپنی کاشت کی زمین میں سبزیاں مثلاً بھنڈی، ٹماٹر، بیگن، گاجر اور مولی وغیرہ کی کاشت کی، تو ان میں عشر واجب ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ہمارے ائمہ ثلاثہ کے مابین اختلاف ہے، صاحبین فرماتے ہیں انہی سبزیوں میں عشر واجب ہوگا جو ایک سال تک باقی رہتی ہوں، اور پانچ وسق یعنی، 944 رکلو 784 رگرام کو پہنچ جائے، جبکہ امام صاحب کے نزدیک وجوبِ عشر میں نہ تو ایک سال باقی رہنے کی شرط ہے اور نہ ہی پانچ وسق کی، بلکہ ایک قول کے مطابق ایک صاع، یعنی 3 ر کلو 149 رگرام، 280 رملی گرام، اور دوسرے قول کے مطابق نصف صاع، یعنی ڈیڑھ کلو 74 رگرام 140 رملی گرام بھی ہو، تو اس میں عشر واجب ہوگا، اور امام صاحب کا قول ہی صحیح وراجح ہے۔ (الاختیار لتعلیل المختار:۱/۳۶۲)

مسئلہ (۱۸۴): مزارعت یعنی بٹائی پر لگائی گئی زمین کی پیداوار کا عشر یا نصف عشر مالک زمین اور کاشتکار اپنے اپنے حصہ کا ادا کریں گے، اس میں یہ بھی گنجائش ہے کہ مجموعی پیداوار سے مشترکہ طور پر عشر یا نصفِ عشر ادا کیا جائے، یا تقسیم کے بعد ہر ایک اپنے اپنے حصہ کی آمدنی سے ادا کرے۔ (الدر مع الرد:۳/۲۵۲)

مسئلہ (۱۸۵): زکوٰۃ کے وجوب کیلئے اگر چہ مزکی یعنی زکوٰۃ دینے والے کا بالغ ہونا ضروری ہے، مگر عشر کا معاملہ اس سے الگ ہے، عشر زمین کی پیداوار پر لاگو ہوتا ہے، اس میں مالک کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، اس لئے نابالغ کی مملوکہ زمین کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہے، مالک کا بالغ ہونا ضروری نہیں۔ (سنن الدارقطنی:۲/ ۹۷)

مسئلہ (۱۸۶): اگر اہل وقف مثلاً ذمہ داران مدرسہ یا متولیانِ مسجد، مدرسہ یا مسجد کیلئے موقوفہ زمین میں کاشت کرتے ہیں، تو اس کی پیداوار پر عشر دینا لازم ہے، اور اگر اہل وقف کے سوا کسی دوسرے شخص نے کاشت کی ہو، تو اس میں اجارہ اور مزارعت کے احکام جاری ہوں گے، کیوں وجوب عشر میں زمین کی ملکیت شرط نہیں، بلکہ " ما خرج من الأرض " یعنی پیداوار کا مالک ہونا شرط ہے۔ (بدائع الصنائع:۲/۱۷۳)

مسئلہ (۱۸۷): جوار، باجرہ وغیرہ کی فصل جو کہ سال میں کئی بار اُگتی ہے، چونکہ عشر کا تعلق فصل کے اگنے کے ساتھ ہے، چاہے وہ ایک بار اُگے یا بار بار، لہٰذا ہر مرتبہ اس سے عشر کا ادا کرنا واجب ہوگا۔ (المبسوط:۲/۲۷۶)

مسئلہ (۱۸۸): قرض اگر چہ وجوبِ زکوۃ سے مانع ہے، لیکن عشر کے واجب ہونے کیلئے قرض مانع نہیں ہے، لہٰذا مقروض پر بھی عشر واجب ہوگا۔ (الدر مع الرد:۳/۱۶۳)

مسئلہ (۱۸۹): عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں، لہذا عشر یا نصفِ عشر فقراء و مساکین وغیرہ کو دینا جائز ہے، بشرطیکہ ان لوگوں کو بطورِ تملیک دیا جائے۔ (البحر الرائق:۲/۴۱۹)

روزہ کا بیان

مسئلہ (۱): رمضان المبارک بڑا بابرکت مہینہ ہے، آپ ﷺ رجب ہی سے رمضان تک بقا کی دعا فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ۲۹ رشعبان کو رمضان کی آمد کی اطلاع فرمائی، اور اس کی اہمیت کو آشکارہ کیا، کہ رمضان کا ایک سیکنڈ بھی غفلت میں نہ گزرنے پائے، ایک حدیث میں وارد ہوا کہ جب نصف شعبان گزر جائے تو پھر روزہ نہ رکھا جائے، کہ کہیں رمضان کے روزوں پر اثر نہ پڑے۔ (سنن أبي داود: ص/۳۱۹، رقم الحدیث: ۲۳۳۷)

مسئلہ (۲): رمَضان المبارک کی آمد پر لوگ ایک دوسرے کو ''رمضان مبارک، رمضان مبارک'' کہہ کر مبارکبادی دیتے ہیں، اس طرح مبارکبادی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ اِس ماہ کے آنے پر اپنے اصحاب کو خوش خبری دیا کرتے تھے، اُنہیں اِس ماہ میں اعمالِ صالحہ پر اُبھارتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی اقتدا میں ہمارے بزرگانِ دین بھی ماہِ رمضان المبارک کی آمد پر ایک دوسرے کو خوش خبری دیا کرتے تھے، نیز اِس ماہ کی آمد پر ایک دوسرے کو مبارکبادی دینا، اور اس کی آمد پر خوش ہونا، یہ دونوں باتیں نیک کاموں میں رغبت وشوق پر دلالت کرتی ہیں، اِس لیے بھی اِس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (صحیح ابن خزیمۃ: ۳/۱۹۱، رقم الحدیث: ۱۸۸۷)

مسئلہ (۳): روزہ اور نماز دونوں اپنے موقع ومحل کے اعتبار سے زیادہ قربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں، روزے کے بارے میں ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''روزہ میرے لئے ہے اور اس کا بدلہ میں خود ہوں''، اسی طرح اور بھی بہت سی فضیلتیں وارد ہیں، اور نماز کے بارے میں فرمایا کہ ''بندہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتا ہے، جب وہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے''، اسی طرح اور بھی بہت سے فضائل وارد ہیں، لہٰذا دونوں ہی قربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱/۳۶۳)

مسئلہ (۴): اجروثواب کا دارومدار مشقت ومؤنت پر ہے، اور چونکہ ایام گرما میں روزہ رکھنے میں مشقت زیادہ ہے، لہٰذا ایام گرما کے روزوں کا ثواب بھی ان شاء اللہ زیادہ ہوگا۔ (السنن لأبي داود: ص/۳۲۱)

مسئلہ (۵): موسمِ گرما میں دن بڑا ہونے کی صورت میں بھی روزہ رکھنا لازم ہے، دن بڑا ہونے کی وجہ سے روزے کے بدلے میں فدیہ دینا جائز نہیں ہوگا، ہاں اگر بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں اور آئندہ روزے رکھنے کے قابل ہونے کی امید بھی نہیں، تو اس صورت میں فدیہ دینا جائز ہوگا، البتہ فدیہ دینے کے بعد اگر روزہ رکھنے کی استطاعت پیدا ہوگئی تو فدیہ کا حکم باطل ہوجائے گا اور فوت شدہ روزوں کی قضاء کرنا لازم ہوگا۔ (الہدایۃ: ۱/۲۲۲)

مسئلہ (۶): روزہ کی نیت غروبِ شمس کے بعد سے، نصفِ نہارِ شرعی سے پہلے پہلے کرلینی چاہیے۔ (مراقی الفلاح: ص/۶۴۲)

مسئلہ (۷): اگر کوئی شخص رمضان میں نفل روزوں کی نیت کرے، تو رمضان ہی کے روزے ادا ہوں گے، اور مریض بھی اگر رمضان میں نفل کی نیت سے روزے رکھتا ہے، تو صحیح قول کے مطابق رمضان ہی کا روزہ ادا ہوگا، اور مسافر کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی دوسرے واجب روزے کی نیت نہ کرے، خواہ رمضان کی نیت کرے یا نفل کی، یا صرف روزے کی، تب رمضان کا روزہ ادا ہوگا۔ (اللباب فی شرح الکتاب:۱/۵۵)

مسئلہ (۸): اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں بلا عذر شرعی روزہ نہ رکھے اور اعلانیہ طور پر کھائے پیئے، تو وہ فاسق اور اسلامی شعائر کی توہین کرنے والا ہے، اور اس کی سزا بڑی سخت ہے جو کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔ (الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ:۱/۱۰۱)

مسئلہ (۹): امتحان کی وجہ سے فرض روزہ چھوڑنا یا روزہ توڑنا جائز نہیں ہے، بلکہ امتحان کے ایام میں بھی روزہ رکھ کر امتحان دے، ان شاء اللہ خدا تعالیٰ کی مدد ہوگی۔ (صحیح البخاری: ص/۶، رقم الحدیث:۸)

مسئلہ (۱۰): روزہ کی فرضیت قرآن کریم سے ثابت ہے، بلا عذر شرعی روزہ ترک کرنا بڑی وعید کی بات ہے، لیکن تارکِ صوم کو برا بھلا نہ کہا جائے، بلکہ نہایت شفقت وحکمت سے خوف دلایا جائے، جس سے اس کی اصلاح ہوسکے۔ (ابوداؤد: ص/۳۳۳)

مسئلہ (۱۱): ماہِ رمضان المبارک کا احترام کرتے ہوئے دن میں کھانے پینے کی ہوٹل بند رکھنا ضروری ہے، کھانے پینے والا چاہے کوئی بھی ہو، یہ مبارک مہینہ شعائر اللہ میں سے ہے، اور شعائر اللہ کا احترام ہر ایک پر ضروری ہے، لہذا اگر کوئی شخص کھانا کھلانے یا چائے پلانے کے لیے دن میں ہوٹل کھلا رکھتا ہے، تو ماہِ مبارک کی بے حرمتی اور تعاون علی الاثم کا مرتکب ہوگا، ہاں! شام کو افطاری سے کچھ دیر پہلے چونکہ لوگ افطار کی چیزیں خرید کر گھر لے جاتے ہیں، تو اس وقت میں ہوٹل کھلی رکھنے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ (سورۃ المائدۃ:۲، سورۃ الحج:۳۲)

مسئلہ (۱۲): سحر میں حرام غذا کھا کر روزہ رکھنے سے روزہ تو ہو جائیگا، کیوں کہ روزہ کا رکن ہے کھانے پینے اور جماع سے رکنا اور وہ متحقق ہے، لیکن حرام غذا کھانے کے متعلق سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ (المبسوط:۳/۵۶)

مسئلہ (۱۳): اگر کوئی شخص سحر کے وقت بیدار نہیں ہوا، سوتا ہی رہ گیا، تو ایسا شخص بغیر سحری کھائے روزہ رکھ سکتا ہے، کیوں کہ سحر کا کھانا مستحب ہے، واجب نہیں، اس لئے روزہ رکھنا لازم ہے، افطار نہ کرے، ورنہ سخت گنہگار ہوگا۔
(کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ:۱/۵۰۳)

مسئلہ (۱۴): بہت سے لوگ رمضان میں سحر تو کر لیتے ہیں مگر روزہ نہیں رکھتے ہیں، اسی طرح بہت سے غیر روزہ دار حضرات مسجد میں افطار وغیرہ میں شریک ہو جاتے ہیں، اگر یہ تقرب وادائے سنت کی نیت سے سحر کرتے ہیں، تو سحری کا ثواب تو

مل جائیگا، اور ترکِ فرض کا گناہ ان پر آئے گا، لیکن غیر روزہ دار حضرات جو مسجد میں افطار وغیرہ میں شریک ہوجاتے ہیں، ان کا یہ طریقہ درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ ایک طرح کا دھوکہ ہے، اور آپ ﷺ نے دھوکہ دینے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۲)

مسئلہ (۱۵): اگر کسی شخص نے صبحِ صادق کے ایک دو منٹ بعد سحری کھایا، اس گمان سے کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی ہے، تو ایسے شخص کو چاہیے کہ اس روزہ کو پورا کرلے اور پھر رمضان کے بعد اس روزہ کی قضا کرے۔ (فتاوی محمودیہ:۱۰/۱۶۱)

مسئلہ (۱۶): اگر افطاری کا وقت آسانی سے معلوم نہ ہوتا ہو، تو اطلاع کے طور پر، مسجد سے ہٹ کر کسی اور جگہ گھنٹہ اور سائرن بجانا یا گولہ چھوڑنا جائز ہے، مسجد کے چھت پر یہ چیزیں نہیں ہونی چاہیے، کیوں کہ یہ احترام مسجد کے خلاف ہے۔ (ردالمحتار:۳/۳۴۱)

مسئلہ (۱۷): افطار کا مدار غروبِ آفتاب پر ہے جنتری پر نہیں، جنتری غروب کے تابع ہوتی ہے، اس میں غلطی کا امکان بھی ہے، البتہ جو جنتری طلوع وغروب کا وقت بتانے میں تجربہ سے صحیح ثابت ہوچکی ہو، تو صحیح گھڑی سے اس کے وقتِ افطار کے مطابق افطار کرنا جائز ہوگا۔ (المبسوط:۳/۵۶)

مسئلہ (۱۸): دراصل فلائٹ (Flight) دو طرح کی ہوتی ہے: (۱) چھوٹی، (۲) بڑی؛

چھوٹی فلائٹ: جو اندرونِ ملک چلائی جاتی ہے، وہ صبح جاکر دوپہر کو واپس آجاتی ہے، یا دوپہر کو جاکر رات واپس آتی ہے، اور **بڑی فلائٹ**: جو بیرون ممالک جاتی ہے، جو چھوٹی فلائٹ سے تھوڑا سا لمبا وقت لیتی ہے، تو ان تمام صورتوں میں فلائٹ کے عملہ کو روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت افطار کے، البتہ افطار کی صورت میں قضا لازم ہوگی۔ (أحکام القرآن للجصاص:۱/۲۱۶)

مسئلہ (۱۹): جو شخص صبح صادق سے پہلے مقیم ہو اور دن میں سفر کا پختہ ارادہ رکھتا ہو، تو اس پر اس دن کا روزہ رکھنا لازم ہے، اور اگر اولِ نہار میں مسافر تھا، پھر بعد میں مقیم ہوا، تو اس روزے کو نہ رکھنے کی وجہ سے وہ گنہگار نہیں ہوگا، البتہ قضا لازم ہوگی۔
(أحکام القرآن للجصاص:۱/۲۴۳)

مسئلہ (۲۰): پہلے زمانہ میں سفر مشقتوں اور تکلیفوں والا ہوا کرتا تھا، روزے رکھنا بالکل مشکل تھا، مگر آج گھنٹوں کا سفر منٹوں میں طے ہوجاتا ہے، اور کئی میلوں کا سفر بسہولت طے ہوجاتا ہے، پھر بھی سفر میں افطار کی اجازت دی گئی ہے، کیوں کہ رخصت سفر کے لیے مشقت اور تکلیف علت باقی نہ رہی، تو نفسِ سفرِ شرعی ہی اس کی علت ہے، بعد میں سفر میں چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرلے، لیکن روزہ رکھ لینا بہتر ہے۔ (أحکام القرآن للجصاص:۱/۲۱۶)

مسئلہ (۲۱): ہوائی جہاز پر کام کرنے والوں کا عملہ دو طرح کا ہوتا ہے: ایک قسم کا عملہ وہ ہے جس پر جہاز یا مسافروں کی ذمہ داری نہیں ہوتی، اور دوسری قسم کا عملہ وہ ہے جس پر جہاز اور مسافروں کی ذمہ داری ہوتی ہے، ان دونوں میں سے جس عملہ پر

جہاز اوراس کے مسافروں کی ذمہ داری ہے، اگران کو یہ اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے کی صورت میں اسے اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں خلل آئے گا، تو ان کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے، بلکہ دوسرے وقت قضا رکھنی چاہیے، خصوصاً اگر روزہ کی وجہ سے جہاز اوراس کے مسافروں کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو، تو ان کے لیے روزہ رکھنا ممنوع ہے، مثلاً جہاز کے کپتان نے روزہ رکھا ہوا اوراس کی وجہ سے جہاز کنٹرول کرنا مشکل ہو جائے۔ (السنن لابن ماجۃ: ص/۱۲۰)

مسئلہ (۲۲): نصِ قرآنی میں قضائے مسافر کا سببِ وجوب، سفر سے فراغت کے بعد ایام کا پانا بتلایا ہے، سو اگر ایام پائے تو روزوں کی قضا اسی کے مطابق واجب ہے، ورنہ نہیں۔ (امداد الفتاوی: ۲/۱۴۴)

مسئلہ (۲۳): اگر کوئی شخص ہوائی جہاز کے عملہ میں نوکری کرتا ہے، اس نے سحر کھایا اور روزہ رکھنے کی نیت بھی کرلیا، بعدہٗ اسے فلائٹ پر جانا پڑا، تو اب اگر وہ افطار کرنا چاہے تو اس کے لیے افطار کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر اس صورت میں اس نے روزہ توڑ دیا، تو اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں۔ (مجمع الأنہر: ۱/۳۷۱)

مسئلہ (۲۴): بچوں کو سات سال کی عمر کے بعد روزے رکھنے کی تلقین کرنا چاہیے، اور جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں اور روزے کے متحمل ہوں، تو انہیں مار کر روزے رکھوانا چاہیے۔ (الجامع للترمذي: ۱/۹۳)

مسئلہ (۲۵): اگر کسی آدمی کا کاروبار شراب کا ہو، تب بھی اس پر روزہ فرض ہوگا، کیوں کہ روزہ ہر اس مسلمان، عاقل وبالغ پر فرض ہے، جو رمضان کے مہینے کو پائے، البتہ اُس کو اس کے حرام کاروبار کی وجہ سے گناہ ہوگا۔ (فتاوی تاتارخانیۃ: ۲/۸۹)

مسئلہ (۲۶): اگر کوئی حائضہ خاتون سحر کا وقت ختم ہونے سے، اتنی دیر پہلے پاک ہو جائے، جس میں وہ غسل کر کے کپڑے پہن سکتی ہو، تو اس پر اس دن کا روزہ فرض ہے۔ (رد المحتار: ۱/۴۲۷)

مسئلہ (۲۷): افطار میں تعجیل افضل ہے، اوراس کی حد یہ ہے کہ آفتاب غروب ہوتے ہی افطار کرلیا جائے، اور سحر میں تاخیر افضل ہے، اوراس کی حد یہ ہے کہ سحر صبح صادق سے پہلے کھالیں۔ (کفایت المفتی: ۴/۲۴۹)

مسئلہ (۲۸): بسا اوقات روزہ دار آدمی ہوائی جہاز کے ذریعہ سفر کرتا ہے، اور سورج غروب ہو چکا ہوتا ہے، مگر ہوائی جہاز بلندی پر ہونے کی وجہ سے اسے سورج نظر آتا ہے، جب کہ زمین والوں کو نظر نہیں آتا ہے، تو اگر روزہ دار ہوائی جہاز کے ذریعہ مغرب کی طرف جاتا ہے، تو دن لمبا ہو جاتا ہے، تو اس صورت میں صبح صادق سے ۲۴/ گھنٹے کے اندر جب بھی سورج غروب ہو جائے، تو غروب ہونے کے بعد افطار کرے، اور غروب کا اعتبار نیچے زمین کے اعتبار سے کیا جائے، فضا کے اعتبار سے نہیں۔

(فتاوی بینات: ۳/۶۶)

مسئلہ (۲۹): اگر ہوائی جہاز سمتِ مشرق میں جانے کی وجہ سے دن بہت چھوٹا ہو گیا، تو جب بھی غروب آفتاب ہو جائے روزہ افطار کر لے، اس لیے کہ روزہ نام ہے کھانے پینے اور جماع سے وقت مخصوص (صبح صادق سے غروب آفتاب) تک رُکے رہنے کا، اور اگر ہوائی جہاز سمتِ مغرب میں جا رہا ہو اور اس کی وجہ سے دن بہت بڑا ہو گیا، تو اگر سورج ۲۴ر گھنٹہ کے اندر اندر غروب ہو جاتا ہے، تو غروب پر افطار کرے، اگر دن اتنا طویل ہو گیا کہ ۲۴ر گھنٹہ میں سورج غروب نہیں ہو رہا ہے، تو ۲۴ر گھنٹہ کے مکمل ہونے سے اتنی دیر پہلے جس میں کچھ کھا پی لینے کی گنجائش ہو، روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے، ہوائی جہاز میں افطار کرنے والوں کے لیے ہوائی جہاز سے غروبِ آفتاب کا اعتبار ہوگا۔ (فتاوی بینات)

مسئلہ (۳۰): بعض مرتبہ آدمی زمین پر روزہ افطار کر لینے کے بعد، ہوائی جہاز میں سفر شروع کرتا ہے، مگر اوپر جانے کے بعد پھر سے سورج نظر آتا ہے، تو اس وقت بے چینی سی ہونے لگتی ہے کہ کہیں روزہ گڑ بڑ تو نہیں ہو گیا، اس طرح کے واقعات سے گھبرانا نہیں چاہیے، کیوں کہ زمین پر روزہ افطار کرنے کے بعد روزہ مکمل ہو گیا، ہوائی جہاز میں سفر کے دوران پھر سے سورج کے نظر آجانے سے روزہ میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا، کیوں کہ روزہ نام ہے صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور جماع سے رکے رہنے کا، اور وہ صورت یہاں پائی گئی، لہٰذا روزہ مکمل ہو گیا۔ (فتاوی بینات: ۳/۶۸)

مسئلہ (۳۱): نمک اور ادرک سے افطار کرنے کو سنت یا مستحب سمجھنا، غلط اور بے اصل ہے، ابوداود شریف اور ترمذی شریف کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کھجور سے افطار کرنا مسنون ہے، اور اگر کھجور دستیاب نہ ہو تو پانی سے افطار کرنا مسنون ہے۔ (السنن لأبی داود: ص/۳۲۱)

مسئلہ (۳۲): نمک، ادرک، بھجیہ اور پھل فروٹ سے افطار تو درست ہو جائیگا، البتہ کھجور یا پانی سے افطار کرنا سنت ہے، جو حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔ (السنن لأبی داود: ص/۳۲۱)

مسئلہ (۳۳): بعض لوگ بیڑی، سگریٹ، پان، تمباکو اور گٹکھا وغیرہ کے اس قدر عادی ہوتے ہیں کہ رمضان المبارک میں انہیں چیزوں سے روزہ افطار کرتے ہیں، جبکہ سنت یہ ہے کہ کھجور میسر ہو تو اس سے روزہ افطار کیا جائے، ورنہ پانی سے، اس لیے ان کا یہ عمل خلافِ سنت ہے، البتہ اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ (ترمذی: ۱/۱۴۹)

مسئلہ (۳۴): اگر کسی عورت کا شیر خوار بچہ ہے اور روزہ رکھنے کی وجہ سے، بچہ پر یا دودھ پلانے والی عورت پر ہلاکت کا اندیشہ ہو، اور یہ بات کسی تجربہ کار انسان، یا ماہر طبیب سے معلوم ہو، تو ایسی عورت روزہ افطار کر سکتی ہے، اور بعد میں اس کی قضا کر لے۔ (السنن لأبی داود: ص/۳۲۷)

مسئلہ (۳۵): اگر کسی شخص کو شوگر کا شدید مرض لاحق ہو کہ اس میں روزہ رکھنے کی بھی طاقت نہیں، اگر رکھ لے تو مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہے، اور ساتھ ہی مسلمان ڈاکٹر نے بھی خوب تشخیص کے بعد روزے نہ رکھنے کا مشورہ دیا ہو، تو شرعاً اس کو اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور ہر دن کے روزہ کا فدیہ ادا کردے۔ (فتاوی حقانیہ:۴/۱۹۵)

مسئلہ (۳۶): اگر کسی شخص نے اذان سے پہلے ہی افطار کرلیا، جب کہ ابھی سورج بھی غروب نہیں ہوا تھا، تو ایسے شخص پر روزہ کی قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں، اور اگر سورج غروب ہو چکا تھا پھر افطار کیا، تو روزہ درست ہو جائیگا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۶/۱۵۰)

مسئلہ (۳۷): بسا اوقات بادل کی وجہ سے سورج چھپ جاتا ہے، غروب نہیں ہوتا ہے، اور لوگ سمجھتے ہیں کہ سورج ڈوب گیا، تو ایسے حالات میں اگر کوئی شخص سورج غروب ہونے سے پہلے افطار کرلے، اس یقین کے ساتھ کہ سورج غروب ہو چکا ہے، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، تو اس صورت میں اس کا روزہ فاسد ہو جائیگا، اور قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں۔

(روزے کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا:ص/۱۵۲)

مسئلہ (۳۸): اگر مؤذن نے آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے مغرب کی اذان دیدی، اور لوگوں نے مؤذن کی اذان سن کر وقت کے ہو جانے کا یقین کرتے ہوئے افطار کرلیا تو روزہ فاسد ہو جائیگا، قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں، اگر اذان سننے کے بعد افطار کا وقت ہونے کا یقین نہیں ہوا تھا بلکہ شبہ تھا کہ وقت ہوا یا نہیں تو اس صورت میں قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔ (بذل المجہود:۸/۵۰۱)

مسئلہ (۳۹): غیر مسلم کی بھیجی ہوئی پاک اور حلال چیز قبول کرنا اور اس سے افطار کرنا جائز ہے، اور اگر غیر مسلم کی بھیجی ہوئی چیز پاک اور حلال نہیں، تو اسے قبول کرنا اور اس سے افطار کرنا جائز نہیں۔ (النتف فی الفتاوی:ص/۴۳۵)

مسئلہ (۴۰): اگر کوئی غیر مسلم، مسلمانوں کو افطاری کی دعوت دے، اور بظاہر اس کا مال، حرام یا غصب کا نہ ہو، تو اس کے افطار کی دعوت قبول کرنے کی گنجایش ہے، مگر اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس قسم کی افطار پارٹیوں میں بکثرت شرکت کرکے، رمضان المبارک جیسے بابرکت اوقات اور عبادات کو ضائع نہ کیا جائے، کہ یہ ہمارا بہت بڑا خسارہ ہے، لیکن اگر کسی دلیل سے یہ ظاہر ہو کہ اس کا مال حرام یا غصب کا ہے، تو اس کی دعوت قبول نہ کی جائے، اور حکمت کے ساتھ اُسے یہ بتایا جائے کہ آپ کے جو ذرائعِ آمدنی ہیں، ہمارے دین و مذہب کے اعتبار سے وہ صحیح نہیں ہیں، اس لیے ہم اس دعوت کے قبول کرنے سے معذور ہیں، لیکن اگر وہ اس پر مصر ہو، یا اس کی دعوت قبول نہ کرنے کی صورت میں کسی فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو، تو اس سے یہ کہا جائے کہ آپ پیسہ دے دیجیے، ہم اس سے کھانے کا نظم کرلیں گے، پھر اس کے ان روپیوں سے کھانا وغیرہ پکا کر، یا خرید کر، غرباء و مساکین کو کھلا دیا جائے۔ (روح المعانی:۱۰/۶۰)

مسئلہ (۴۱): بعض لوگ رمضان المبارک کے مہینے میں بچوں کو روزہ رکھوا کر روزہ کشائی کراتے ہیں، اور اپنے گھروں میں بہت سی غیر ضروری چیزوں کا اہتمام کرتے ہیں، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں روزہ کشائی کا کوئی اہتمام نہیں تھا، البتہ اگر بچے کا دل بڑھانے کے لیے روزہ مرہ کی بہ نسبت افطاری میں کچھ اضافہ کرلیا جائے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۲۷۱، رقم الحدیث:۲۶۹۷)

نفل روزوں کا بیان

مسئلہ (۴۲): نفل روزہ شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتا ہے، لہٰذا شدید عذر کے بغیر توڑنا صحیح نہیں، ہاں! اگر کوئی شدید ضرورت پیش آجائے تو اس وقت توڑنے کی اجازت ہوگی، لیکن توڑنے کے بعد اس کی قضا رکھنا واجب ہوگا۔ (ہدایہ:۱/۲۲۳)

مسئلہ (۴۳): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ نفل روزہ کے لیے سحری کرنا اور رات سے نیت کرنا ضروری ہے، بغیر سحری، اور رات سے نیت نہ کرنے سے روزہ درست نہیں ہوتا، اُن کا یہ خیال صحیح نہیں ہے، کیوں کہ فرض روزہ کی طرح نفل روزہ کے لیے بھی سحری کرنا اور رات سے نیت کرنا مستحب ہے، ضروری نہیں، اس لیے نفل روزہ بھی بغیر سحری کے اور نصف نہار شرعی سے پہلے نیت کرلینے سے درست ہو جائیگا۔ (التنویر و شرحہ مع الشامیۃ:۳/۳۰۴)

نوٹ-: نصف نہار شرعی: صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کے کل وقت کا نصف حصہ ہے۔

مسئلہ (۴۴): ۲۷/ویں رجب کے روزہ کو مسنون اور ہزار روزوں کے برابر سمجھ کر رکھنا ممنوع ہے، کیوں کہ ۲۷ ویں رجب کے روزے بارے میں جو روایت آئی ہے، وہ موضوع اور ضعیف ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۷ ویں رجب کا روزہ رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ (ماثبت بالسنۃ:ص/۱۷۵، بحوالہ فتاوی رحیمیہ:۷/۲۷۴)

مسئلہ (۴۵): محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنا مستحب ہے، رمضان کے علاوہ باقی گیارہ مہینوں کے روزوں میں محرم کی دسویں تاریخ کو روزے کا ثواب سب سے زیادہ ہے، اور اس کے روزے کی وجہ سے گذرے ہوئے ایک سال کے گناہ صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں، اس کے ساتھ نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنا بھی مستحب ہے، صرف دسویں محرم کا روزہ رکھنا مکروہِ تنزیہی ہے۔ (ابن ماجہ:ص/۱۲۴)

مسئلہ (۴۶): محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنا مستحب ہے، رمضان کے علاوہ باقی گیارہ مہینوں کے روزوں میں محرم کی دسویں تاریخ کے روزے کا ثواب سب سے زیادہ ہے، اور اس ایک روزے کی وجہ سے گذرے ہوئے ایک سال کے گناہِ صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں، اس کے ساتھ نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنا بھی مستحب ہے، صرف دسویں محرم کا روزہ رکھنا مکروہِ تنزیہی ہے۔ (سنن ابن ماجہ:ص/۱۲۴)

مسئلہ (۴۷): عام طور پر واعظ حضرات یوم عاشوراء میں اہل وعیال پر کھانے پینے میں وسعت وفراخی کرنے کی بابت یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ: ''جس نے یوم عاشوراء کو اپنے بال بچوں پر کھانے پینے کی وسعت کی، تو خدائے پاک پورے سال روزی میں اضافہ کریں گے''، جیسا کہ طبرانی نے حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے اس روایت کو نقل کیا ہے، اسی حدیث کو بنیاد بنا کر صاحب درمختار اور علامہ شامی وغیرہ نے اس دن بال بچوں پر خرچ کرنے میں فراخی کو مستحب قرار دیا ہے، علامہ حصکفی اور علامہ شامی رحمہما اللہ نے تو اس حدیث کو صحیح بھی کہا ہے، لیکن محقق علماء کے نزدیک اس حدیث کی صحت میں کلام ہے۔......ابوحاتم نے اسناد حدیثِ ابی سعید خدری میں محمد بن اسماعیل جعفری کو ''منکر''، اور اسناد حدیثِ ابن مسعود میں ہیصم کو ''ضعیف جداً'' کہا ہے۔ عقیلی نے ہیصم کو مجہول اور حدیث کو ''غیر محفوظ'' کہا ہے، علامہ ابن حجر نے امالی میں ہیصم کے ضعف پر علماء جرح وتعدیل کا اتفاق نقل فرمایا ہے، علامہ بیہقی نے اس حدیث کے موضع اسناد کے بارے میں کہا: ''کلھا ضعیفۃ''، ابن رجب نے فرمایا کہ اس کی اسناد غیر صحیح ہے۔......اس لیے اس حدیث سے محرم کی دسویں تاریخ کو اپنے اہل وعیال پر خرچ میں کشادگی کا استحباب ثابت کرنا محل نظر ہے، تاہم سارے سال اپنے اہل وعیال پر خرچ میں کشادگی نہ صرف مباح بلکہ باعث اجر وثواب ہے، اور یوم عاشوراء سال کے تمام دنوں میں سے ایک ہے، اس لیے اس میں بھی توسع مباح ہے، خصوصاً جبکہ اس دن اہل وعیال روزے سے ہوں، تو ان کی افطاری وکھانے میں توسع، نہ صرف مباح بلکہ یقیناً باعثِ اجر وثواب ہے، اور یہاں عمل توسع کی بنیاد یہ حدیث نہیں، بلکہ روزہ داروں کا اکرام واعزاز ہے، اور فقہ کا قاعدہ ہے: ''الأمور بمقاصدھا''۔

(المعجم الأوسط للطبرانی: ۶/۴۳۱، رقم الحدیث: ۹۳۰۲)

مسئلہ (۴۸): عید کا دن بہت مبارک اور اللہ کی مہمانی کا دن ہوتا ہے، عید کے دن ہم سب اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں، اسی وجہ سے عید کے دن روزہ رکھنا ممنوع اور حرام ہے، کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مہمان بنا کر کھانے پینے کا حکم دیا ہے، تو اللہ کے ماننے والوں کے لیے اس سے روگردانی ہرگز ہرگز جائز نہیں، عید کے دن روزہ رکھنا گویا اللہ کی مہمانی کو رد کرنا ہے، یہ بہت بڑی ناقدری ہے۔ (صحیح البخاري: ۱/۲۶۷)

مسئلہ (۴۹): بعض روایات میں صرف جمعہ کے دن نفلی روزہ رکھنے کی ممانعت آئی ہے، اس لئے اس کے ساتھ مزید ایک روزہ، ایک دن پہلے یا بعد میں ملا لینا چاہیے۔ (صحیح البخاري: ۱/۲۶۶)

مسئلہ (۵۰): بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شوال کے چھ روزے عید کے اگلے ہی دن سے شروع کردے، تب تو وہ ثواب ملتا ہے جو حدیث شریف میں مذکور ہے، ورنہ نہیں ملتا، یہ خیال غلط ہے، بلکہ اگر مہینہ بھر میں بھی اُن کو پورا کرلیا، تو ثواب مل گیا، خواہ عید

کے اگلے ہی دن شروع کرے یا بعد کو شروع کرے، اور خواہ لگاتار رکھے یا متفرق طور پر، ہر طرح ثواب ملے گا۔ (صحیح مسلم:۱/۳۶۹)

مسئلہ (۵۱): رمضان کے روزے فرض ہیں، اور شوال کے چھ روزے نفل ہیں، احادیث میں ان روزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے، اگر کوئی شخص شوال کے نفل روزوں میں رمضان کے قضا روزوں کی نیت کرتا ہے، تو اس صورت میں رمضان کا روزہ ادا ہو جائیگا، لیکن بہتر یہ ہے کہ ان کو علیحدہ ہی ادا کیا جائے۔ (الدر مع الرد:۳/۳۷۵)

مسئلہ (۵۲): رمضان شریف کے علاوہ شوال کے مہینے میں چھ روزے، ذی الحجہ کے مہینے میں عرفہ کا روزہ، محرم کے مہینے میں نویں دسویں تاریخ کا روزہ، اور پندرہویں شعبان کا روزہ، اور ایامِ بیض یعنی ہر مہینے تین دن (۱۳، ۱۴، ۱۵ر تاریخ) کے روزے رکھنا بڑی فضیلت کا باعث ہے۔ (صحیح مسلم:۱/۳۶۹)

مفسدات ومکروہاتِ روزہ کا بیان

مسئلہ (۵۳): جان بوجھ کر کوئی ایسا کام کرنا، جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس سے روزے کی قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں، مثلاً جان بوجھ کر کھا پی لیا، یا جس سے محبت ہے اس کا تھوک نگل لیا جیسے شوہر اپنی بیوی کا، یا دوست اپنے دوست کا تھوک نگل لے، خواہ مسئلہ معلوم ہو یا نہ ہو جان بوجھ کر شوہر اور بیوی کا ہم بستر ہو جانا، جب کہ روزہ یاد ہو، کچے چاول، گوشت یا گندم کھالینا، سگریٹ، حقہ، بیڑی وغیرہ پینا یا مروج طریقے پر نسوار کا استعمال، ان تمام چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم ہوتا ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۲۰۳)

مسئلہ (۵۴): اگر کسی شخص نے بحالت روزہ جھوٹ بولا، پھر اس نے یہ گمان کیا کہ جھوٹ بولنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس نے افطار کر لیا، تو اب اس شخص پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔ (خیر الفتاوی:۴/۵۸)

مسئلہ (۵۵): اگر رمضان المبارک میں کسی روزہ دار کو صبح صادق کے بعد ڈکاریں آتی ہوں، اور اس کے ساتھ پانی بھی آتا ہو، تو پانی کو تھوک دیا کرے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔ (فتح القدیر لابن الہمام:۲/۳۳۹)

مسئلہ (۵۶): اگر کوئی عورت روزہ کی حالت میں اپنے لبوں پر ایسی سرخی لگائے، جو جلد تک پانی کے پہنچنے کو مانع ہو، تو یہ جائز نہیں، ورنہ جائز ہے، لیکن اگر اس کے منہ میں چلے جانے کا احتمال ہو، تو یہ مکروہ ہے۔ (المبسوط للسرخسی:۳/۱۰۳)

مسئلہ (۵۷): اگر کوئی شخص بحالتِ روزہ انیمہ کروائے، تو اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اس روزے کی قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔ (فتاوی تاتارخانیہ:۲/۱۰۳)

مسئلہ (۵۸): ہاتھ اور پیر کے آپریشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، کیوں کہ اس سے پیٹ یا دماغ میں کوئی چیز نہیں پہنچتی ہے۔ (ردالمختار:۳/۳۲۷)

مسئلہ (۵۹): خون کی نالی میں چربی جم جانے کی صورت میں آپریشن (Opration) کیا جاتا ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ اس آپریشن میں معدہ میں کسی چیز کو داخل نہیں کیا جاتا، محض خون کی نالی میں سے جمی ہوئی چربی کو نکالا جاتا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ منافذِ اصلیہ سے داخل ہونے والی شئ ہی روزہ کو توڑتی ہے۔ (ردالمختار:۳/۳۶۷)

مسئلہ (۶۰): اگر کسی خاتون نے انجکشن کے ذریعہ حیض کا خون بند کروادیا، تو وہ عورت پاک ہے، اس پر نماز روزہ فرض ہے، اس لئے کہ حیض نام ہے اس خون کا جو ایسی بالغہ کے رحم سے خارج ہو، جس کو نہ کوئی بیماری ہو، نہ حمل ہو، اور نہ ہی وہ آئسہ ہو۔ (بدائع الصنائع:۱/۲۸۸)

مسئلہ (۶۱): اگر کوئی عورت روزہ کی حالت میں ممسکِ حیض (حیض کو روکنے والی) دوا استعمال کرتی ہے، اور اس کے استعمال سے کوئی نقصان نہ ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اس سے شرعی احکام متأثر نہیں ہوتے ہیں، یعنی حیض نہ آنے پر روزہ اور نماز کی ادائیگی ضروری ہے، لیکن اگر اس دوا کا استعمال عورت کی صحت کے لئے نقصان دہ ہو تو ایسا کرنے سے احتراز بہتر ہے۔ (نورالإیضاح:ص/۱۲۵)

مسئلہ (۶۲): اگر کسی عورت نے حیض کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا، یا روزہ تو رکھا لیکن روزہ ہی کی حالت میں حیض آگیا، تو اب اس کے لیے کھانا پینا جائز ہے، لیکن دوسروں کے سامنے نہ کھائے۔ (فتاوی رحیمیہ:۷/۲۶۱، احسن الفتاوی:۴/۴۳۸)

مسئلہ (۶۳): خواتین کو ماہواری کا آنا قانونِ فطرت کے مطابق ہے، اور اسے مصنوعی طریقہ پر روکنا غیر فطری امر ہے، اور جو چیزیں فطرت کے عام اصول کے خلاف کی جاتی ہیں وہ عام طور پر صحت کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں، اس لیے اس سے احتراز کرنا چاہیے، اور بعد میں روزہ کی قضا کر لینی چاہیے۔ **عورتیں** چوں کہ اس معاملہ میں معذور ہیں، اس لیے امید ہے کہ رمضان کے بعد روزہ رکھنے کا ان کو اسی قدر ثواب ملے گا، جو رمضان میں روزہ رکھنے کا ملتا ہے، بلکہ امید ہے کہ وہ زیادہ اجر کی مستحق ہوں، کیوں کہ رمضان کے ماحول میں سبھوں کے ساتھ مل کر روزہ رکھنا آسان ہوتا ہے، اور عام دنوں میں تنہا روزہ رکھنا نسبتاً دشوار، اور جو کام اللہ کے لیے کیا جائے اور اس میں مشقت بھی زیادہ ہو، اس میں زیادہ اجر وثواب کی توقع ہے، تاہم اگر کوئی عورت ماہواری شروع ہونے سے پہلے ہی سے دوا کا استعمال شروع کردے، اور خون جاری ہی نہ ہو، تو اس نے جن دنوں روزہ رکھا وہ درست ہے، اور اگر خون شروع ہو چکا اور پھر اس نے دوا کھا کر خون کو روک لیا، تو اس دن سے اس کے ایام تک، اور جس

کی عادت مقرر نہ ہو اس کے لیے تین دنوں تک، جو حیض کی اقل مدت ہے وہ حائضہ ہی تصور کی جائیگی، اور ان دنوں کا روزہ درست نہیں ہوگا، نیز اس کی قضا واجب ہوگی۔ (کتاب الفتاوی:۳/۴۰۵)

مسئلہ (۶۴): اگر کسی شخص کو روزہ کی حالت میں وزن اٹھانے یا گھوڑا دوڑانے سے انزال ہو جائے، تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں جماع یا معنیٔ جماع میں سے کوئی چیز نہیں پائی گئی۔ (الجوہرۃ النیرۃ:۱/۲۰۱)

مسئلہ (۶۵): اخراجِ منی یعنی جان بوجھ کر آلۂ تناسل سے منی نکالنا خواہ کسی بھی غرض سے ہو مفسدِ صوم ہے، اس کی وجہ سے غسل بھی واجب ہوگا، لیکن اگر منی نہیں نکلی ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ (البحر الرائق:۲/۴۷۵)

مسئلہ (۶۶): رمضان میں بحالتِ روزہ اپنی بیوی سے بوس و کنار کرنے سے اگر انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا، اور اگر انزال نہیں ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (الفتاوی الہندیۃ:۱/۳۰۴)

مسئلہ (۶۷): اگر روزہ کی حالت میں بیوی سے باقاعدہ ہم بستری نہیں کی، بلکہ صرف بوس و کنار ہونے یا ساتھ میں لیٹنے کی وجہ سے انزال ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور قضا لازم ہوگی، اور اگر باقاعدہ ہم بستری کر لی ہے تو قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا۔ (الفتاوی الہندیۃ:۱/۲۰۴)

مسئلہ (۶۸): رمضان المبارک میں روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کرنے سے روزہ فاسد ہو جائیگا، اور اگر میاں بیوی دونوں کی رضامندی تھی تو دونوں پر قضا و کفارہ دونوں واجب ہوں گے، اور اگر شوہر نے بیوی سے زبردستی جماع کیا، تو عورت پر صرف قضا واجب ہوگی، اور مرد پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہونگے۔ (فتاوی قاضیخان علی ہامش الہندیۃ:۱/۲۱۲)

مسئلہ (۶۹): مرد اپنے عضو مخصوص کی سپاری عورت کی شرمگاہ میں داخل کرے، تو مرد اور عورت دونوں کا روزہ فاسد ہو جائیگا، اور دونوں پر قضا و کفارہ لازم ہوگا، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ (فتاوی قاضیخان علی ہامش الہندیۃ:۱/۲۱۳)

مسئلہ (۷۰): اگر روزے کی حالت میں کسی اجنبیہ کو شہوت کے ساتھ چھولیا، اور انزال ہو گیا تو روزہ فاسد ہوگا، اور اگر انزال نہ ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ اجنبیہ کو چھونے کا گناہ لازم آئیگا۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۲۰۴)

مسئلہ (۷۱): محض کسی عورت یا فوٹو کے دیکھنے سے یا کسی کا خیال اپنے دل میں جما لینے اور تفکر کرنے سے اگر احتلام ہو جائے تو اس صورت میں روزہ فاسد نہ ہوگا، اور نہ ہی اس پر قضا وکفارہ لازم ہوگا، گو کہ یہ فعل بجائے خود ناجائز و حرام ہے خصوصاً روزہ کی حالت میں۔ (الفتاوی الہندیۃ:۱/۲۰۴، فتح القدیر:۲/۳۳۳)

مسئلہ (۷۲): بحالت روزہ جسم پر تیل ملنا جائز ہے، اس سے روزے میں کچھ نقصان نہیں آئیگا۔ (قاضیخان:۱/۲۰۴)

مسئلہ (۷۳): اگر کسی شخص کو بہت زیادہ قے ہوتی ہو، تو اس کی کئی شکلیں ہوسکتی ہیں، چنانچہ اگر روزہ کے دوران بلا اختیار و بلا قصد خود بخود قے ہوگئی، خواہ کتنی دفع کیوں نہ ہو، تھوڑی ہو یا زیادہ، روزہ فاسد نہیں ہوگا، اسی طرح ایک ہی دن میں اگر تھوڑی تھوڑی قے آتی رہے اور بلا اختیار حلق میں خود بخود واپس چلی جائے، تب بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، اسی لئے اگر کسی کو ماہ رمضان میں بہت زیادہ قے ہوتی ہو، تو اس سے روزہ معاف نہیں ہے، بلکہ اس پر روزہ رکھنا ضروری ہوگا، ہاں اگر کسی نے عمداً منہ بھر کر قے کی، تو اس کا روزہ فاسد ہوجائیگا۔ (سنن ابن ماجہ: ص/۱۲۰، ۱۲۱)

مسئلہ (۷۴): اگر قے از خود آجائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، گو منہ بھر کر ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ قے کا خود بخود آجانا روزہ کو نہیں توڑتا ہے، البتہ اگر چنے کی مقدار یا اس سے زائد قے کو قصد و ارادہ کے ساتھ لوٹا لیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، بلا قصد قے کے لوٹ جانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، خواہ منہ بھر کر ہی ہو۔ (التنویر مع الدر والرد: ۳/۳۹۲)

مسئلہ (۷۵): اگر کسی شخص کو منہ بھر کر قے آئی، اور ایک چنے کے برابر یا اس سے زائد جان بوجھ کر اپنے اختیار سے واپس لوٹالی، تو اس کا روزہ فاسد ہوجائیگا، قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔ (روزے کے مسائل کا انسائیکلو پیڈیا: ص/۱۶۰)

مسئلہ (۷۶): اگر کسی شخص نے روزے کی حالت میں بتکلف منہ بھر کر کھانا، پانی یا پت کی قے کیا، یا قے کو از خود لوٹا لیا، تو اس صورت میں اس کا روزہ ٹوٹ جائیگا۔ (فتاوی ہندیہ: ۱/۲۰۴)

مسئلہ (۷۷): مسواک کا استعمال فی نفسہ مسنون ہے، اور اگر مسواک کسی کڑوی لکڑی یا درخت کی ہو، تو اور زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ اس طرح کی مسواک پیٹ سے اٹھنے والی بدبو اور بلغم وغیرہ کی صفائی کا بہترین ذریعہ ہے، لہٰذا روزہ دار شخص کے لیے نیم، کھجور، پیلو یا ببول کی مسواک کا استعمال خواہ سوکھی ہوئی ہو یا تازہ، جائز ہی نہیں بلکہ سنت و مستحسن ہے۔ (امداد الفتاوی: ۲/۱۴۰، ۱۴۱)

مسئلہ (۷۸): بحالت روزہ و غیر روزہ، دونوں حالتوں میں ٹیلی ویژن دیکھنا، گانا سننا اور فلم دیکھنا شرعاً ممنوع ہے، البتہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیوں کہ روزہ کا رکن ہے کھانے، پینے اور جماع سے رکنا، اور وہ متحقق ہے، لہٰذا روزہ صحیح ہوگا۔
(بخاری: ص/۲/۱۰۷، رقم الحدیث: ۵۹۴۹، تبیین الحقائق: ۱/۳۴۰)

مسئلہ (۷۹): سانپ یا بچھو وغیرہ کے کاٹنے سے زہر روزہ دار کے معدہ میں پہنچ جاتا ہے، لیکن کسی چیز کا معدہ یا دماغ میں پہنچنا مفسد صوم تب بنتا ہے، جب کہ وہ چیز جوفِ دماغ یا جوفِ معدہ میں بطریقِ منفذِ اصلی داخل ہو، اور اگر وہ چیز مساماتِ بدن کے ذریعہ جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ میں پہنچ جائے، تو مفسد صوم نہیں ہوتی، سانپ یا بچھو وغیرہ کے کاٹنے سے زہر چوں کہ معدہ میں مساماتِ بدن کے ذریعہ پہنچتا ہے، اس لیے وہ مفسد صوم نہیں۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۰/۱۶۰)

مسئلہ (۸۰): روزے کی حالت میں کان میں دوا یا تیل ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، کیوں کہ فقہاء متقدمین کے قول کے مطابق کان میں ڈالی ہوئی چیز کیلئے دماغ تک پہنچنے کیلئے گذرگاہ موجود ہے، مگر جدید سائنسی تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ کان اور دماغ کے درمیان کوئی گذرگاہ نہیں ہے، اگر ایسا ہی ہے تو کان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس لئے بہتر یہی ہے کہ بحالتِ روزہ کان میں دوا ڈالنے سے احتیاط برتی جائے۔ (فتح القدیر:۲/۳۴۶)

مسئلہ (۸۱): روزے کی حالت میں ناک میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، کیوں کہ ناک میں کسی شئ کے معدے تک پہنچنے کی گذرگاہ موجود ہے، اسی وجہ سے بحالت روزہ استنشاق میں مبالغہ کرنے سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا روزہ کی حالت میں ناک میں دوا ڈالنے سے پرہیز کیا جائے۔ (تبیین الحقائق:۲/۱۸۱)

مسئلہ (۸۲): روزہ کی حالت میں آنکھوں میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، اگرچہ اس دوا کا اثر حلق کے اندر محسوس ہو، کیوں کہ آنکھ، دماغ اور معدے کے درمیان کوئی گذرگاہ نہیں ہے کہ آنکھوں کے راستے سے دوا، دماغ یا معدے میں پہنچ جائے۔ (المحیط البرہانی:۲/۵۵۶)

مسئلہ (۸۳): بحالت روزہ جائفہ اور آمہ (یعنی سر اور پیٹ کا ایسا زخم جو بہت گہرا اور اندر تک پہنچا ہوا ہو) کے علاوہ زخم پر مرہم لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۲۰۳)

مسئلہ (۸۴): اگر کوئی روزہ دار شخص تیراکی سیکھنے کے لیے ندی میں اترا، اور ندی میں تیرتے ہوئے پانی اس کے حلق میں چلا گیا، تو اس شخص کا روزہ ٹوٹ جائے گا، اس پر قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں۔ (فتاوی محمودیہ:۱۰/۱۴۸)

مسئلہ (۸۵): اگر روزہ دار کسی حوض یا تالاب میں غوطہ لگائے، اور پانی کان میں داخل ہوجائے تو روزہ فاسد ہوجائیگا۔ (فتاوی تاتارخانیہ:۲/۱۰۲)

مسئلہ (۸۶): اگر وضو وغیرہ کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جائے، اور روزہ سے ہونا یاد بھی ہو تو روزہ فاسد ہوجائیگا اور قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں، لیکن پھر دن بھر کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ (فتاوی قاضیخان علی ہامش الھندیۃ:۱/۲۰۹)

مسئلہ (۸۷): روزے کی حالت میں کسی شخص نے جمائی لی، اور جمائی لیتے وقت سر اوپر کو اٹھایا اور پرنالہ جاری تھا، جس کی وجہ سے پانی کا قطرہ اس کے حلق میں چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائیگا، ایسے ہی اگر بارش یا اولے کا پانی حلق میں داخل ہوگیا تو بھی روزہ ٹوٹ جائیگا۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۲۰۳)

مسئلہ (۸۸): اگر روزہ دار رو رہا ہو اور روتے ہوئے کثیر مقدار میں آنسو اس کی آنکھ سے بہتے رہے اور منہ میں داخل

ہوتے گئے، یہاں تک کہ سارا منہ کھارا ہو جائے، یا اس نے بہت سے آنسوؤں کو نگل لیا تو روزہ فاسد ہوگا، یہی حکم چہرے کے پسینے کا بھی ہے کہ جب وہ روزے دار کے منہ میں داخل ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۲۰۳)

مسئلہ (۸۹): اگر کسی شخص نے عورت کے منہ پر بوسہ اس طرح لیا کہ عورت کی رال یا لعاب، یا مرد کی رال یا لعاب اس کے منہ میں گیا، اور اس نے اپنے رال یا لعاب کے ساتھ اس کو بھی نگل لیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اس صورت میں قضاء و کفارہ دونوں لازم ہونگے۔ (ردالمحتار:۳/۳۸۷)

مسئلہ (۹۰): اگر کسی شخص کے منہ میں مصنوعی دانت ہوں، جن میں نہ تو مزہ ہے اور نہ بُو، تو اس سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا، کیوں کہ مکروہاتِ صوم میں سے کسی چیز کو بلا عذر چکھنا ہے، اور مذکورہ صورت میں کسی چیز کو چکھنا نہیں پایا جا رہا ہے، کہ ان دانتوں میں مزہ ہی نہیں ہے۔ (الفتاوی الہندیۃ:۱/۱۹۹)

مسئلہ (۹۱): روزے کی حالت میں ٹوتھ پیسٹ (Tooth Past) کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ اس میں ذائقہ ہوتا ہے، اور روزے کی حالت میں کسی بھی چیز کے ذائقے کو چکھنا مکروہ ہے، اس لئے روزے کی حالت میں ٹوتھ پیسٹ کرنے سے بچنا چاہیے۔ (البنایۃ شرح الھدایۃ:۲/۲۷۵)

مسئلہ (۹۲): روزہ کے دوران تمبا کو کا پتہ جلا کر گل بنا کر دانت صاف کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ اس میں گل کے اجزاء حلق میں داخل ہونے کا احتمال ہے، جبکہ روزہ دار کے لیے ہر ایسا عمل منع ہے جس میں روزہ کے فاسد ہونے کا خطرہ ہو، اگر گل کے اجزاء حلق میں داخل ہو گئے تو روزہ فاسد ہوگا۔ (المحیط البرہانی:۲/۵۶۳)

مسئلہ (۹۳): اگر کوئی شخص روزے کی حالت میں کسی کے مجبور کرنے پر، یا غلطی سے کچھ کھا پی لے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائیگا، اور اس صورت میں اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں۔ (فتاوی قاضیخان علی ہامش الہندیۃ:۱/۲۰۹)

مسئلہ (۹۴): روزہ کی حالت میں بلا عذر کسی بھی چیز کا چکھنا مکروہ ہے، ہاں اگر کسی خاتون کا شوہر بداخلاق ہو اور کھانا خراب ہونے کی صورت میں مار پیٹ کرتا ہو، تو ایسی حالت میں عورت کے لیے پکی ہوئی چیزیں چکھنا بلا کراہت جائز ہے، لیکن پھر بھی اگر کھانا حلق میں چلا جائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔ (فتاوی ھندیۃ:۱/۱۹۹، الفقہ الإسلامي وأدلتہ:۲/۶۷۰)

مسئلہ (۹۵): غذا اور دوا کے علاوہ کوئی ایسی چیز، جو عادۃً نہیں کھائی جاتی ہے، اور نہ دوا میں استعمال کی جاتی ہے، تو اس کے کھانے سے قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔ (المبسوط للسرخسی:۳/۱۵۲)

مسئلہ (۹۶): دوائی کھانے کے بعد اگر طلوعِ فجر کے وقت یا اس کے بعد، منہ میں دوائی کا اثر محسوس ہو تو روزہ فاسد نہیں

ہوگا، بشرطیکہ حلق سے نیچے نہ جائے، لیکن جب حلق سے اتر کر پیٹ کے اندر پہنچ جائے تو پھر روزہ باقی نہیں رہے گا، بلکہ فاسد ہو جائیگا۔ (السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ:۱/۲۷۸)

مسئلہ (۹۷): چیونگ گم (Chewing gum) چبانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیوں کہ اس کا مزہ حلق میں پایا جاتا ہے۔ (فتاوی تاتارخانیہ:۲/۱۰۴)

مسئلہ (۹۸): وکس (viks)، جھنڈو بام، عطریا اور کوئی سونگھی جانے والی چیز کے سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بشرطیکہ اس کے اجزاء حلق میں نہ جائیں۔ (فتاوی قاضیخان علی ہامش الہندیۃ:۱/۲۰۸)

مسئلہ (۹۹): روزہ کی حالت میں وکس (Viks) یا بام (Balm) لگانا یا سونگھنا روزے کو فاسد نہیں کرے گا، کیوں کہ فسادِ صوم کیلئے منافذِ اصلیہ سے کسی چیز کا جوفِ معدہ یا دماغ میں داخل ہونا شرط ہے، جب کہ وکس یا بام لگانے یا سونگھنے میں یہ شرط نہیں پائی جاتی ہے۔ (فتاوی قاضیخان علی ہامش الہندیۃ:۱/۲۰۸)

مسئلہ (۱۰۰): رمضان المبارک میں خوشبو کیلئے مسجد یا گھر میں لوبان یا اگربتی جلانا ممنوع نہیں ہے، اگر بلا قصد وارادہ روزہ دار کے حلق میں دھواں داخل ہوجائے، تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ اگر قصداً وارادۃً دھواں سونگھے یا حلق میں داخل کرے، تو روزہ فاسد ہوجائیگا۔ (الدر مع الرد:۳/۳۲۶، ۳۲۷)

مسئلہ (۱۰۱): دھواں ان چیزوں میں سے ہے جن کے منہ کے اندر قصداً داخل کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور سگریٹ، بیڑی، یا سگار وغیرہ کا دھواں اندر ضرور جاتا ہے، اگر کسی نے قصداً انہیں پی لیا تو روزہ فاسد ہوگا، اور قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا۔ (حاشیۃ الطحطاوی:ص/۳۶۱)

مسئلہ (۱۰۲): اگر رمضان المبارک میں خوشبو کے لئے مسجد یا گھر میں لوبان، اگربتی وغیرہ جلائی جائے، اور قصداً وارادۃً (جان بوجھ کر) دھواں سونگھا جائے اور حلق میں داخل کرلیا جائے، تو اس سے روزہ فاسد ہوجائیگا۔ (ردالمحتار:۳/۳۶۶)

مسئلہ (۱۰۳): اگر کسی شخص نے قصداً وارادۃً (جان بوجھ کر) اگربتی یا لوبان یا کسی اور چیز کا دھواں روزہ کی حالت میں سونگھا تو اس کا روزہ فاسد ہوجائیگا۔ (ردالمحتار:۳/۳۶۶)

مسئلہ (۱۰۴): اگر بلا اختیار دھواں یا غبار، چاہے وہ آٹے ہی کا کیوں نہ ہو، حلق میں چلا جائے، تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، کیونکہ اس سے بچنا ناممکن ہے۔ (بدائع الصنائع:۲/۶۰۰)

مسئلہ (۱۰۵): اگر کسی شخص نے کلی اچھی طرح کرلی، اور پانی کی کچھ تری منہ میں باقی رہ گئی، اور اس نے اس تری کو تھوک

کے ساتھ نگل لیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا، کیوں کہ اس سے بچنا دشوار ہے۔ (الفتاوی الہندیۃ: ۱/۲۰۲)

مسئلہ (۱۰۶): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ بحالتِ روزہ دانت اکھڑوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جب کہ صحیح یہ ہے کہ روزے کی حالت میں دانت اکھڑوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، کیوں کہ روزہ کے ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کا تعلق ایسی چیزوں سے ہے جو حلق کے نیچے پہنچتی ہو، دانت چونکہ حلق سے اوپر ہے، اس لئے بذاتِ خود دانت نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اگر دانت اکھڑواتے وقت جو خون نکلا اس کو تھوک کے ساتھ نگل لیا اور خون تھوک پر غالب تھا تو روزہ ٹوٹ جائیگا، اور اگر دونوں برابر ہوں تب بھی استحساناً روزہ ٹوٹ جائیگا۔ (المحیط البرہانی: ۲/۵۵۷)

مسئلہ (۱۰۷): روزے کی حالت میں دانتوں کے درمیان اٹکے ہوئے ذرہ کو کھالیا، اور وہ ذرہ چنے کے برابر یا اس سے زیادہ ہے تو روزہ فاسد ہوجائیگا، اور اگر کسی نے دانتوں کے درمیان پھنسی ہوئی چیز کو ہاتھ سے باہر نکالا، پھر دوبارہ اس کو کھالیا یا نگل لیا تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر چہ وہ چیز تل کے برابر ہو، یہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(البحر الرائق: ۲/۴۷۸، خلاصۃ الفتاوی: ۱/۲۵۵)

مسئلہ (۱۰۸): روزہ کی حالت میں روزہ دار نے خلال کیا جس سے گوشت وغیرہ کا ریشہ نکلا اور اس نے اس کو باہر نکالے بغیر نگل لیا تو اگر وہ کثیر یعنی چنے سے بڑا ہے، تو مفسدِ صوم ہے، ورنہ نہیں، اور اگر اس کو ہاتھ سے باہر نکالا پھر نگل لیا تو اگر چہ چنے سے کم ہو تب بھی روزہ ٹوٹ جائیگا۔ (الدر مع الشامیۃ: ۳/۳۲۸)

مسئلہ (۱۰۹): اگر کوئی پائریا (دانتوں کی ایک بیماری) کے مرض میں مبتلا ہو، اور خون برابر اس کے مسوڑھوں سے آتا رہتا ہو، تو صرف خون کے نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن اگر خون حلق سے نیچے اتر جائے، اور خون تھوک پر غالب یا اس کے مساوی ہو تو روزہ فاسد ہوجائیگا، ورنہ نہیں، اور صرف قضا واجب ہوگی، کفارہ نہیں۔ (فتاوی ہندیہ: ۱/۲۰۳، الدر مع الشامیۃ: ۳/۳۶۸)

مسئلہ (۱۱۰): اگر کوئی روزہ دار عورت اپنے چھوٹے بچے کو بلاضرورت اپنے منہ سے کوئی چیز چبا کر کھلائے تو یہ مکروہ ہے، البتہ اگر اس کی ضرورت اور مجبوری ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (الہدایۃ: ۱/۲۲۰)

مسئلہ (۱۱۱): روزے میں بواسیر کے مریض کو پائپ کے ذریعہ دوا اندر تک پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا، لیکن اگر صرف بواسیری جگہوں پر یا اوپری سطح پر مرہم لگایا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (البحر الرائق: ۲/۴۸۷)

مسئلہ (۱۱۲): بواسیری مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، تاہم بلاضرورتِ شدیدہ روزہ میں اس کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ: ۳/۳۶۹)

مسئلہ (۱۱۳): روزے کی حالت میں دل یا پیٹ کے آپریشن سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ روزہ معدے میں کسی چیز کے داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے، جبکہ پیٹ اور دل کے آپریشن سے معدہ میں کوئی چیز نہیں جاتی ہے۔ (ردالمحتار:۳/۳۶۹)

مسئلہ (۱۱۴): روزے کی حالت میں پلاسٹک سرجری (Palastic Surgery) کسی ایسے عضو کی جائے کہ جہاں معدہ یا دماغ تک دوا پہونچنے کا منفذ یعنی راستہ نہ ہو، مثلاً ہاتھ، پیر وغیرہ کی سرجری ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر کان، آنکھ، ناک وغیرہ کی سرجری کی جائے اور دوا نہ ڈالی جائے تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، ہاں اگر دوا ڈالی جائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔
(بدائع الصنائع:۲/۶۰۶)

مسئلہ (۱۱۵): انجکشن کے ذریعہ جو دوا رگوں یا گوشت میں پہنچائی جاتی ہے، خواہ اس سے محض دوا کی ضرورت پوری کی جائے یا غذا کی روزہ اس سے نہیں ٹوٹتا ہے، البتہ روزہ کی حالت میں غذائی ضروت کی تکمیل اور تقویت کے لیے بلا ضرورت انجکشن لینا مکروہ ہے۔ (بدائع الصنائع:۲/۲۴۳)

مسئلہ (۱۱۶): روزہ کی حالت میں شوگر کے مریض کا انسولین (Insulin) کا انجکشن لینا روزہ کو فاسد نہیں کرے گا، کیوں کہ فسادِ صوم کیلئے منافذِ اصلیہ (ناک، کان اور دبر) سے کسی چیز کا جوفِ معدہ یا دماغ میں داخل ہونا شرط ہے۔
(بدائع الصنائع:۲/۲۴۳)

مسئلہ (۱۱۷): گلوکوز چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ چوں کہ یہ ایک درجہ میں انسان کی غذائی ضرورت کو بھی پوری کرتا ہے، اس لیے بلا عذر گلوکوز چڑھانا مکروہ ہے۔ (بدائع الصنائع:۲/۲۴۳)

مسئلہ (۱۱۸): اِن ڈور کاپی (Indoors Copy) ایک پتلی سی نلکی ہوتی ہے، جس کو پیچھے کی راہ سے داخل کر کے اندرونی معائنہ کیا جاتا ہے، اس کے داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، بشرطیکہ اس پر کوئی سیال (Liquid) یا غیر سیال دوا نہ لگائی گئی ہو۔ (الفتاوی الہندیۃ:۱/۲۰۴، ردالمحتار:۳/۳۶۹)

مسئلہ (۱۱۹): روزہ کی حالت میں خون چیک کرانے کے لئے خون نکلوانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (جامع الترمذی:۱/۱۵۲)

مسئلہ (۱۲۰): امراضِ قلب سے متعلق جو دوا زبان کے نیچے رکھی جاتی ہے، اگر روزہ کی حالت میں اس کا استعمال کیا جائے، اور اس کے اجزاء یا اس دوا کے ملے ہوئے لعاب کو نگلنے سے مکمل طور پر بچا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ (ردالمحتار:۳/۳۶۷)

مسئلہ (۱۲۱): امراضِ قلب سے متعلق وہ دوائیں (Tablets) جنہیں نگلا نہیں جاتا، بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے، اگر روزہ کی حالت میں اس دوا کو اس طریقہ پر استعمال کیا جائے کہ دوا یا لعاب میں مل جانے والے اجزاء کو نگلنے سے بچا

جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں دوا کی کوئی شئ پیٹ میں داخل نہیں ہوتی ہے، مریض کو جو افاقہ ملتا ہے وہ دوا کا اثر ہے اور محض اثر مفسدِ صوم نہیں ہے۔ (ردالمحتار:۲/۳۶۷)

مسئلہ (۱۲۲): سانس وغیرہ کے مرض میں انہیلر کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جائیگا، جو دوا بھاپ کی شکل میں منہ یا ناک کے ذریعہ کھینچی جائے، خواہ مشین کے ذریعہ کھینچی جاتی ہو یا کسی اور طریقے سے ان سے روزہ فاسد ہو جائیگا۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص/۳۶۱،۳۶۲)

مسئلہ (۱۲۳): جن لوگوں کو تنفس کا مرض ہوتا ہے، انہیں بعض اوقات انہیلر یا (Spray Asthma) یا گیس پمپ استعمال کرنا پڑتا ہے،''جس کے ذریعہ ہوا اور اس کے ساتھ دوا جو غالباً سفوف کی شکل میں ہوتی ہے'' کا نہایت مختصر جزء پھیپھڑے تک پہنچ جاتا ہے، یہ حلق ہی کے راستہ سے جاتا ہے، لیکن معدہ میں نہیں جاتا، اگر چہ یہ بات جدید تحقیق سے یقینی طور پر ثابت ہے کہ سفوف کا یہ جزء معدہ تک نہیں پہونچتا تب بھی روزہ فاسد ہوگا، کیونکہ ہمارے نزدیک قصداً و ارادۃً دھویں یا غبار کو حلق میں داخل کرنے سے بھی روزہ فاسد ہوتا ہے، جب کہ یہ دھواں بھی معدہ تک نہیں پہنچتا۔ (ردالمحتار:۳/۳۶۶)

مسئلہ (۱۲۴): بعض دوائیں بھاپ کے ذریعہ اندر لی جاتی ہیں، اس کا ایک سادہ طریقہ تو وہی ہے جو زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے کہ ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوا ڈال دی جاتی ہے، اور اس سے نکلنے والی بھاپ کو ناک کے ذریعہ کھینچا جاتا ہے، آج کل اس کے لئے مشینی طریقے ایجاد ہوئے ہیں، اس طرح بھاپ لینا روزہ کو فاسد کردے گا۔ (ردالمحتار:۳/۳۶۶)

مسئلہ (۱۲۵): روزے کی حالت میں سانس کے مریض کا پمپ کے ذریعہ منہ میں ہوا لینے سے روزہ فاسد ہو جائیگا، کیوں کہ آج کل جو پمپ استعمال ہوتا ہے، اس میں دوا کے اجزاء ہوتے ہیں، اور ان اجزاء کا معدہ میں پہنچنا یقینی ہوتا ہے، البتہ اگر پمپ میں کسی قسم کی دوا نہ ڈالی جائے، تو محض پمپ کے ذریعہ ہوا لینے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ (فتاوی قاضیخان علی ہامش الہندیۃ:۱/۲۰۸)

مسئلہ (۱۲۶): بعض سیال یا غیر سیال دوائیں (Injection of Liquid) اینما یا کسی اور طریقہ سے اندر پہنچائی جاتی ہیں، یہ دوائیں چوں کہ جوف تک پہنچتی ہیں اس لئے مفسدِ صوم ہیں، خواہ سیال ہوں یا غیر سیال، اس لئے کہ اعتبار سیال یا غیر سیال کا نہیں بلکہ وصول اِلی الجوف (پیٹ تک پہنچنا) کا ہے۔ (البحر الرائق:۲/۴۸۵،۴۸۷)

مسئلہ (۱۲۷): احتقان یعنی پیچھے کی راہ سے دوا کا اندر پہنچانا، استعاط یعنی ناک میں دوا چڑھانا، اقطار یعنی کان میں دوا ٹپکانا، ان تینوں صورتوں میں وصول اِلی الجوف ہو ہی جاتا ہے، اس لئے روزہ فاسد ہو جائیگا۔ (البحر الرائق:۲/۴۸۵)

مسئلہ (۱۲۸): اگر روزہ کی حالت میں موضعِ حقنہ یعنی فضلات کے اِخراج کی نالی کا آخری حصہ، جہاں سے بڑی آنت

شروع ہوتی ہے، یہاں تک اگر دوا پہنچا دی جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائیگا، خواہ دوا سیال ہو یا جامد۔

(البحر الرائق: ۲/ ۴۳۸، الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/ ۲۰۴)

مسئلہ (۱۲۹): امراضِ معدہ کی تحقیق کے لئے بعض جدید آلات معدہ میں داخل کیے جاتے ہیں، اگر ان پر کوئی سیال مادہ (Liquid) وغیرہ لگایا گیا ہو، جس سے آلہ کا داخل ہونا آسان ہو جاتا ہے، تو اس آلہ پر لگے لکویڈ (Liquid) کے معدہ میں داخل ہونے کی وجہ سے روزہ فاسد ہونا چاہیے، کیوں کہ اس پر غیبوبت فی الجوف صادق آرہا ہے، جو فسادِ صوم کی شرط ہے، جیسا کہ شامی کی یہ عبارت اس پر شاہد ہے۔ (ردالمحتار: ۳/ ۳۶۹)

مسئلہ (۱۳۰): اگر مرد کے آگے کے راستے میں نلکی ڈالی جائے، اور اس پر کوئی لکویڈ (Liquid) وغیرہ لگی ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس صورت میں روزہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ آپ فرماتے ہیں کہ: مثانہ اور معدہ کے درمیان منفذ ہے، جس سے یہ دوا یا لکویڈ (Liquid) معدہ تک پہنچ جاتی ہے۔ (البحر الرائق: ۲/ ۴۸۸)

مسئلہ (۱۳۱): منہ، کان، ناک، مقعد، فرج، شکم، اور کھوپڑی کے اندرونی زخم کی راہ سے مفسدِ صوم (روزہ کو توڑ دینے والی) اشیاء جوفِ معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ (بدائع الصنائع: ۲/ ۶۰۶)

مسئلہ (۱۳۲): اگر عورت کے آگے کے راستے میں نلکی ڈالی جائے، اور اس پر لکویڈ (Liquid) یا کوئی اور دوا وغیرہ لگی ہو تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔ (البحر الرائق: ۲/ ۴۸۷)

مسئلہ (۱۳۳): اگر بحالتِ صوم عورت کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دوا رکھی جائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔ (البحر: ۲/ ۴۸۸)

مسئلہ (۱۳۴): عورت کی شرمگاہ کے باہری حصہ میں دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن اندر کے حصہ میں دوا رکھنے سے روزہ ٹوٹ جائیگا، مرد کی آگے کی شرمگاہ میں دوا یا نلکی ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ (خلاصۃ الفتاوی: ۱/ ۲۵۳)

مسئلہ (۱۳۵): مرض کی تحقیق کے لیے عورت کے رحم تک آلات پہنچائے جائیں، اور ان آلات پر دوا یا کوئی اور شئی لگائی گئی ہو تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔ (البحر الرائق: ۲/ ۴۳۸، ردالمحتار: ۳/ ۳۶۹)

مسئلہ (۱۳۶): بسا اوقات تحقیقِ مرض کیلئے بعض آلات عورت کے آگے کی راہ سے رحم تک پہنچائے جاتے ہیں، اگر ان آلات پر کوئی دوا وغیرہ لگائی گئی ہو تو دوا کا کچھ نہ کچھ جزء اندر باقی رہے گا، اس لیے روزہ فاسد ہوگا، البحر الرائق میں ہے کہ: ''جب انگلی پانی یا تیل سے تر ہو تو پانی یا تیل کے پہنچنے کی وجہ سے روزہ فاسد ہوگا''، اسی طرح ردالمحتار میں ہے: ''اندر کچھ نہ کچھ تری کے باقی رہ جانے کی وجہ سے روزہ فاسد ہوگا۔ (ردالمحتار: ۲/ ۴۸۷)

مسئلہ (۱۳۷): حمل کے ابتدائی ایام میں لیڈیز ڈاکٹر بعض مرتبہ دستانہ پہن کر اور بعض مرتبہ دستانے کے بغیر حاملہ عورت کی شرمگاہ میں انگلی ڈال کر معائنہ کرتی ہے، تو اس بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر لیڈیز ڈاکٹر خشک دستانہ پہن کر، یا خشک انگلی داخل کر کے معائنہ کرتی ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر گیلا دستانہ یا گیلی انگلی شرمگاہ میں داخل کرتی ہے، یا ایک مرتبہ خشک دستانہ یا خشک انگلی داخل کرنے کے بعد جب اس پر رطوبت لگ جائے، نکال کر دوبارہ داخل کرتی ہے تو روزہ فاسد ہو جائیگا، قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔ (البحر الرائق:۲/۴۸۷)

مسئلہ (۱۳۸): سگریٹ پینے سے سگریٹ کا دھواں منہ کے ذریعے حلق کے اندر چلا جاتا ہے، جو فسادِ صوم کا سبب ہے، لہٰذا سگریٹ نوشی مفطرِ صوم ہے۔ (بدائع الصنائع:۲/۶۰۰)

مسئلہ (۱۳۹): روزہ میں پان تمباکو کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جائیگا، اس لئے کہ شریعت نے اُکل کا کوئی قطعی معنی متعین نہیں کیا ہے، اور جن الفاظ کے مفہوم کی شارع کی طرف سے تحدید و تعیین نہ ہوئی ہو، ان کا معنی و مصداق عرف سے متعین ہوتا ہے، بس عرف میں جن چیزوں کے چبانے کو کھانا کہا جاتا ہے، سو ان چیزوں کا چبا لینا ہی کھا لینے کے حکم میں ہے، اس لئے پان تمباکو کھانے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائیگا۔ نیز یہ کہ ان چیزوں کے استعمال میں اس بات کا قوی امکان ہوتا ہے، کہ اس کے اجزاء لعابِ دہن کے ساتھ حلق تک پہنچ جائیں، اور شریعت میں جہاں کسی بات کا قوی امکان پایا جاتا ہو، اور عملاً اس بات کی تحقیق دشوار ہو کہ وہ بات واقع ہوئی بھی ہے یا نہیں؟ تو وہاں امکان کو واقع ہونے کا درجہ دیا جاتا ہے، لہٰذا اس کے استعمال پر کفارہ بھی واجب ہوگا۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۲۰۵)

مسئلہ (۱۴۰): نسوار منہ میں ڈالنے سے لعاب کے ساتھ مل کر پیٹ کے اندر چلی جاتی ہے، جو فسادِ صوم کا ذریعہ ہے، بلکہ نسوار کے عادی لوگ تو اس کو غذا کا نعم البدل سمجھتے ہیں، اس لئے نسوار منہ میں ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔
(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص/۳۶۱)

مسئلہ (۱۴۱): اگر روزہ دار بحالتِ روزہ حقہ پیتا ہے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائیگا۔ (الدر مع الشامیۃ:۳/۳۶۶)

مسئلہ (۱۴۲): اگر روزہ دار کے حلق میں مکھی یا مچھر چلا جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، گرچہ وہ مکھی یا مچھر پیٹ ہی میں پہنچ جائے۔ (الجوہرۃ النیرۃ:۱/۳۴۴، الاختیار لتعلیل المختار:۱/۱۹۰)

مسئلہ (۱۴۳): اگر کسی روزہ دار کی نکسیر پھوٹ جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ نکسیر کا خون حلق کے اندر چلا جائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا، اور قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔ (النہر الفائق:۲/۱۵)

مسئلہ (۱۴۵): روزے کی حالت میں چہرے اور جسم پر کریم لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، اس لیے کہ روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب کوئی چیز بعینہٖ فطری منفذ کے ذریعے پیٹ یا دماغ تک پہنچے، اگر کوئی چیز مساماتِ بدن کے ذریعے جسم میں داخل ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (ردالمحتار:۳/ ۳۲۷)

مسئلہ (۱۴۶): روزے کی حالت میں لفافے کی گوند کو اپنی زبان سے تر کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ گوند میں ذائقہ ہوتا ہے، اور روزے کی حالت میں کسی بھی چیز کے ذائقے کو چکھنا مکروہ ہے، البتہ اگر انگلی میں تھوک لیکر اس سے گوند کو تر کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (المحیط البرہانی:۲/ ۵۶۳)

مسئلہ (۱۴۷): اگر کسی شخص کو بندوق کی گولی پیٹ میں لگے، اور پیٹ میں ہی رہ جائے تو اس سے روزہ فاسد ہوجائیگا۔ (خلاصۃ الفتاوی:۱/ ۲۵۳)

مسئلہ (۱۴۸): اگر کوئی شخص روزے کی حالت میں ایسی مٹی کھالے، جس کے ذریعے سر دھویا جاتا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائیگا، اور اگر کسی کو مٹی کھانے کی عادت ہے تو اس پر فسادِ صوم کی وجہ سے قضا و کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/ ۲۰۲)

مسئلہ (۱۴۹): لوبان، عود، اگربتی، اور دیگر خوشبو جات سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، البتہ اگر ان کا دھواں حلق میں قصداً داخل کیا گیا تو روزہ فاسد ہوجائیگا۔ (الدر مع الشامیۃ:۳/ ۳۶۶)

مسئلہ (۱۵۰): اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں رنگین دھاگہ منھ میں پکڑ کر بانٹے جس کی وجہ سے رنگ کا اثر تھوک میں آجائے اور وہ اس تھوک کو نگل لے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائیگا صرف قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔ (الدر مع الشامیۃ:۳/ ۳۳۳، ۳۳۴)

مسئلہ (۱۵۱): اگر کوئی عورت رمضان شریف میں استنجاء کرتے وقت اپنی انگلی کو فرج (شرمگاہ) کے اندر کسی قدر داخل کر کے صفائی کرے، اور پانی اس حد تک پہنچ جائے جہاں سے معدہ اسے جذب کر لیتا ہے، یا وہ خود معدہ میں پہنچ جاتا ہے تو روزہ فاسد ہوجائیگا، ورنہ نہیں، مگر احتیاط بہتر ہے۔ (الدر مع الشامیۃ:۳/ ۳۶۹)

مسئلہ (۱۵۲): چند روزے دار کھیل میں مشغول ہوں، یا یوں ہی گولیوں سے (جو بچے کھاتے ہیں)، مثلاً چنے یا سینگ پھلی کے دانوں سے کھیل رہے ہوں، اور ایک نے دوسرے کی طرف دانہ اچھالا اور وہ اس کے منہ میں چلا گیا، درآنحالانکہ اس کو اپنا روزہ بھی معلوم تھا تو اس کا روزہ فاسد ہوجائیگا۔ (البحر الرائق:۲/ ۴۷۵)

قضاوکفارہ کا بیان

مسئلہ (۱۵۳): وہ اعذار جن کی وجہ سے افطار کرنا درست ہو جاتا ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) مرض، (۲) حمل، (۳) ارضاع (دودھ پلانا)، (۴) سفر شرعی، (۵) اکراہ، (۶) ایسی بھوک و پیاس کہ جس سے جان کے جانے کا خطرہ ہو، (۷) حیض ونفاس، (۸) جہاد، (۹) بڑھاپا۔ (ردالمحتار:۳/۳۵۸)

مسئلہ (۱۵۴): اگر کسی شخص کو رمضان کے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو اور تندرستی کی امید بھی نہ ہو، تو وہ روزہ کا فدیہ دے سکتا ہے، ایک روزے کا فدیہ صدقۂ فطر کے برابر (احتیاطاً پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت) ہے، یا ہر روزے کے بدلے ہر دن ایک مسکین کو دو وقت کھانا کھلا سکتا ہے۔ (أحکام القرآن للجصاص:۱/۲۱۶)

مسئلہ (۱۵۵): اگر کوئی شخص روزہ رکھنے سے اس قدر بیمار ہو جاتا ہے کہ قریب المرگ ہو جاتا ہے اور روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہوتا، اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہتا ہے، تو ایسا شخص مریض کے حکم میں ہے، اور شریعت نے مریض کو رخصتِ افطار دی ہے، اگر وہ ایسا مریض ہے کہ بعد میں قضا پر قادر نہیں ہوسکتا تو فدیہ لازم ہے، اور اگر فدیہ ادا کرنے کے بعد قضا پر قادر ہو جائے تو فدیہ کا حکم باطل ہو جائیگا، اور فوت شدہ روزوں کی قضا لازم ہوگی۔ (البحر الرائق:۲/۴۹۲)

مسئلہ (۱۵۶): اگر کوئی روزہ دار جان کنی کے عالم میں ہے، اور افطار نہ کرنے کی حالت میں ہلاکت کا اندیشہ ہے، تو اس کو روزہ افطار کرادینا اور شربت، دوا وغیرہ دینا جائز ہی نہیں، بلکہ واجب ہے۔ (سورۃ البقرۃ:۱۸۴)

مسئلہ (۱۵۷): بھوک اور پیاس کی شدت کی وجہ سے ہلاک ہونے یا نقصانِ عقل کا اندیشہ ہو، تو اس صورت میں روزہ توڑا جاسکتا ہے، اور اس صورت میں روزہ کی قضاء بدونِ کفارہ واجب ہوگی، اگر روزہ نہ توڑا اور مر گیا تو گنہگار ہوگا۔
(الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید:۱/۴۳۹)

مسئلہ (۱۵۸): معمولی عذر کی بنا پر روزہ چھوڑ دینا اور فدیہ ادا کرنا، اس سے فدیہ ادا نہیں ہوتا، اور روزہ کی قضا بھی لازم ہوتی ہے۔ (ہدایہ:۱/۲۲۱)

مسئلہ (۱۵۹): اگر شوگر کے مریض کو روزہ رکھنے کی وجہ سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، اور ماہر ڈاکٹر یا حکیم منع کریں، تو روزہ نہ رکھے، جب تندرست ہو جائے اور روزہ رکھنے کے قابل ہو جائے، تو فوت شدہ روزوں کی قضا کرلے، اور اگر موت تک صحت کی توقع نہیں ہے تو فدیہ دیدے، ایک روزے کا فدیہ ایک صدقۂ فطر کے برابر ہے۔ (التفسیر المنیر:۱/۴۹۴)

مسئلہ (۱۶۰): اگر ٹی بی کے مریض کو روزہ رکھنے کی وجہ سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور ماہر ڈاکٹر یا حکیم منع کرے تو روزہ

نہ رکھے، جب تندرست ہوجائے اور روزہ رکھنے کے قابل ہوجائے تو فوت شدہ روزوں کی قضا کرے اور اگر موت تک صحت کی توقع نہیں ہے تو فدیہ دیدے، ایک روزے کا فدیہ ایک صدقۂ فطر کے برابر ہے اور اگر یہ فدیہ دینے کے بعد تندرست ہوجائے تو فدیہ کا حکم باطل ہوجائے گا، اور فوت شدہ روزوں کی قضاء لازم ہوگی۔ (ردالمحتار:۳/۴۰۳)

مسئلہ (۱۶۱): حالتِ حمل میں اگر کمزوری یا ہلاکت کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھے، اسی طرح دودھ پلانے والی اگر بچہ کے کمزور یا ہلاک ہونے کے اندیشہ سے روزہ نہ رکھے تو اس کے لیے شرعاً افطار جائز ہے، مگر رفعِ عذر کے بعد قضا لازم ہوگی۔
(فتاوی ہندیہ:۱/۱۰۷)

مسئلہ (۱۶۲): اگر کسی عورت نے حیض کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا تو اس کے لیے کھانا پینا جائز ہے، مگر بہتر ہے کہ سب کے سامنے نہ کھائے، اور اگر روزہ رکھا اور حیض آگیا تو دن بھر روزہ دار کی طرح رہنا ضروری ہوگا، اور بعد میں قضا لازم ہوگی۔
(الجوہرۃ النیرۃ:۱/۲۱۰، الفتاوی الہندیۃ:۱/۲۰۷)

مسئلہ (۱۶۳): شیخ فانی اور فانیہ کے لیے روزہ نہ رکھنا اور فدیہ دے دینا درست ہے، شیخ فانی اور فانیہ اُن کو کہتے ہیں، جن کی قوت فنا ہوچکی ہو اور پورا سال روزہ رکھنے پر قادر نہ ہوں، پس اگر کوئی شخص اتنا کمزور وضعیف ہوگیا ہو کہ نہ روزہ رکھ سکتا ہو اور نہ اسے قضا کی امید ہو، تو اس کے لیے بھی یہ درست ہے کہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلے میں کسی مسکین کو نصف صاع یعنی احتیاطاً پونے دو کلو گیہوں، یا پھر اس کی قیمت فدیہ میں دے دے۔ (صحیح البخاري:۲/۶۴۷)

مسئلہ (۱۶۴): روزہ کی قضا اور کفارہ لازم ہونے کی صورت میں قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ ادا کرنا بھی ضروری ہے، کفارہ کی جگہ توبہ کرنا کافی نہ ہوگا۔ (البحرالرائق:۲/۴۸۵)

مسئلہ (۱۶۵): نصوص یعنی قرآن وحدیث میں بیان کردہ کفارۂ صوم میں ترتیب ضروری ہے، وہ اس طور پر کہ روزہ کا کفارہ اولاً غلام آزاد کرنا ہے، اگر اس کی قدرت نہ ہو تو دو ماہ تک مسلسل روزے رکھنا ہے، اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو، تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۲۵۹، ۲۶۰)

مسئلہ (۱۶۶): اگر کسی شخص نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا، اور ابھی اس کا کفارہ ادا نہیں کیا تھا کہ دوسرے رمضان میں دوبارہ بحالتِ روزہ جماع کرلیا، تو اب ایسے شخص پر ظاہر روایت کے مطابق ہر ایک روزہ کا کفارہ علیحدہ علیحدہ لازم ہوگا، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک ہی کفارہ کافی ہوگا، اور اس قول کو بھی صحیح کہا گیا ہے، لیکن ترجیح ظاہر روایت کو حاصل ہے۔ (البحرالرائق:۲/۴۸۴)

مسئلہ (۱۶۷): اگر مدارس کے طلباء مستحقِ زکوۃ ہوں، اوران کو اس طرح بیٹھا کر کھلایا کہ سب نے سیر ہو کر کھایا، تو کفارۂ صوم ادا ہو جائیگا، اور اگر دو دو روٹی دیا کہ جس سے بعض نے سیر ہو کر نہیں کھایا، تو کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ (فتاوی محمودیہ:۱۰/۱۷۵)

مسئلہ (۱۶۸): دینی مدارس میں پڑھانے والے کسی بھی غریب عالم کو کفارۂ صوم دینا سب سے بڑا ثواب ہے، کیوں کہ اس صورت میں کفارہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ صدقۂ جاریہ کا ثواب بھی ملتا ہے۔ (الفتاوی الہندیۃ:۱/۱۸۷)

مسئلہ (۱۶۹): اگر کسی شخص نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا، تو میں روزے رکھوں گا، اوراس کا کام پورا ہو گیا، لیکن چونکہ اس شخص کو روزے رکھنے کے لیے وقت نہیں مل سکا، اوراس سے پہلے ہی وہ انتقال کر گیا، تو اب اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا، اوراگر وہ کام پورا ہونے کے بعد کچھ دن پالیتا ہے، جن میں روزہ رکھ سکتا تھا اور نہیں رکھا، تو اس صورت میں اسے اتنے دن کے روزے رکھنے ہوں گے، اگر روزہ نہیں رکھا تو مرنے سے پہلے وصیتِ فدیہ واجب ہے، اوراگر وہ وصیت نہ کر سکا، تو اس کے ورثاء بطور احسان وتبرع اس کی طرف سے ادا کردیں، ورنہ تو ان پر ادا کرنا ضروری نہیں۔ (فتاوی محمودیہ:۱۰/۱۸۷)

مسئلہ (۱۷۰): فدیۂ صوم دینے میں وقت کی کوئی قید و پابندی نہیں ہے، جب چاہے دے سکتے ہیں، چاہے شروع رمضان میں دے یا اخیر رمضان میں، ہر دو طرح سے درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ:۱۰/۱۸۹)

مسئلہ (۱۷۱): روزہ کا فدیہ مسلمان فقراء ہی کو دیا جائے، غیر مسلم فقراء کو دینا جائز نہیں ہے۔ (فتاوی محمودیہ:۷/۴۰۱،۴۰۲)

مسئلہ (۱۷۲): اگر کوئی شخص بہت سارے روزوں کا فدیہ کسی ایک ہی مسکین شخص کو دینا چاہے، تو یہ جائز ہے۔
(الدر مع الرد:۳/۳۶۲)

مسئلہ (۱۷۳): اگر کوئی مرد بحالت روزہ اپنی روزہ دار بیوی کو ہم بستری کے لیے قتل یا طلاق کی دھمکی دے، تو عورت کو چاہیے کہ اسے اچھے انداز سے فہمائش کرے اوراس فعل کے بحالتِ روزہ کرنے کی ممانعت بتلائے، اگراس کے باوجود بھی وہ اس پر مصر ہو، تو پھر اسے اپنے اوپر قابو دے دے، اوراس صورت میں عورت پر صرف روزہ کی قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔
(فتاوی مفتی محمود:۳/۴۹۹)

مسئلہ (۱۷۴): روزہ اور نماز دونوں چیزیں بالغ ہونے سے فرض ہوتی ہیں، پس جب سے بالغ ہوا ہے، اسی وقت سے حساب کر کے ہر دن کی چھ نمازیں، یعنی پانچ فرض نمازیں اور چھٹی وتر کی نماز قضا کرے، اوراسی وقت سے ہر رمضان کے روزے رکھے، اور روزہ میں رمضان کی تعیین کردے، مثلاً پہلے رمضان کے روزے جو بھی مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے، اس کے روزے رکھتا ہوں، اس نیت سے ایک مہینہ کے روزے رکھے، اس کے بعد دوسرے رمضان کے اسی طرح رکھے،

یا یہ نیت کرے کہ اخیر رمضان کے روزے جو بھی مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھا، وہ رکھتا ہوں۔ (حاشیۃ الطحطاوی:ص/۴۴۶)

مسئلہ (۱۷۵): رمضان کے قضا روزوں کا مسلسل رکھنا ضروری نہیں ہے، البتہ عذر ختم ہونے کے بعد جلد از جلد روزہ رکھ لے، کیوں کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر:۱/۱۶۲،سورۃ البقرۃ)

مسئلہ (۱۷۶): اگر کسی شخص کے ذمہ فرض روزہ کی قضا باقی ہے، اس کے باوجود اگر وہ نفل روزہ رکھنا چاہے تو جائز اور درست تو ہے، لیکن فرض میں تاخیر مناسب نہیں، بہتر یہ ہے کہ پہلے قضا رمضان کے روزے رکھے، پھر نفل روزے رکھے۔
(فتاوی محمودیہ:۱۰/ ۳۹،فتاوی دار العلوم:۶/ ۴۹۸،خیر الفتاوی:۴/۵۴)

مسئلہ (۱۷۷): اگر کسی شخص کا درمیانِ رمضان انتقال ہو جائے، تو باقی ماندہ روزوں کی ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ اگر میت نے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کی ہے، تو ورثاء، میت کے تہائی مال میں سے باقی ماندہ روزوں کا فدیہ ادا کر دیں، اور اگر میت نے وصیت نہیں کی ہے، تو تبرعاً اس کی طرف سے فدیہ دینا بھی جائز ہے۔ (فتاوی محمودیہ:۱۰/۱۹۰)

رؤیتِ ہلال کا بیان

مسئلہ (۱۷۸): اگر کسی شخص نے ۳۰ رمضان کو زوال کے بعد چاند دیکھ کر افطار کر لیا، تو اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں، کیوں کہ رویتِ ہلال دن میں معتبر نہیں ہے۔ (رد المحتار:۳/۳۲۲)

مسئلہ (۱۷۹): اگر ایک مقام پر چاند نظر آ گیا اور دوسرے مقام پر نظر نہیں آیا، تو جہاں کے باشندوں کو چاند نظر نہیں آیا، ان کے لیے بھی روزہ رکھنا ضروری ہوگا۔ (فتاوی محمودیہ:۱۰/۹۳،فتاوی رحیمیہ:۷/ ۲۲۱-۲۲۸،آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام:ص/۱۷۵)

مسئلہ (۱۸۰): بہت سے مقامات (جیسے لندن وغیرہ) ایسے ہیں کہ جہاں افق ہمیشہ صاف نہیں رہتا، وہاں کے باشندے کسی ریڈیو کے اعلان پر، جس کے بارے میں یہ علم یقینی حاصل ہو جائے کہ وہ ثبوتِ شرعی کے بعد ہی اعلان کرتا ہے، عمل کریں، بشرطیکہ اس پر عمل کرنے سے مہینہ ۲۸ / یا ۳۱ / دن کا نہ ہوتا ہو۔ (منتخبات نظام الفتاوی:۱/۱۳۴،فتاوی محمودیہ:۱۰/۱۲۴)

مسئلہ (۱۸۱): اگر آسمان میں بادل ہو، تو افطار یعنی عید کے چاند کے لیے، دو آدمیوں کی گواہی معتبر ہوگی، بشرطیکہ دونوں آزاد، اور عادل ہوں، یا کم از کم مستور الحال ہوں، اور دونوں لفظ ''شہادت'' سے گواہی دیں۔ (السنن لأبی داود:ص/۳۲۰)

مسئلہ (۱۸۲): اگر آسمان میں بادل یا گرد و غبار ہو تو ثبوتِ ہلال کے لیے شخصِ واحد کی خبر کافی ہے، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، بشرطیکہ وہ مسلمان، عاقل اور بالغ ہوں، (اس میں عدالت کی شرط نہیں، البتہ اس کا ظاہر الفسق ہونا مناسب نہیں)، تو اس کی خبر قبول کی جائیگی، اگر وہ مستور الحال ہو یا محدود فی القذف ہو اور توبہ کی ہو۔ (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید:۱/۴۰۲)

مسئلہ (۱۸۳): ثبوتِ ہلالِ عیدین کے لیے ایک شخص کی گواہی کافی نہیں، بلکہ دو آزاد مکلّف، مسلمان اور عادل غیر محدود دین فی القذف، یا ایک آزاد مرد اور دو عورتوں کی شہادت شرط ہے۔ (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید:۱/۴۰۲)

مسئلہ (۱۸۴): اگر آسمان بالکل صاف ہو، تو اتنے جم غفیر کا ہونا شرط ہے کہ ان کی خبر سے ظنِ غالب کا علم حاصل ہو جائے۔ (موسوعۃ الفقہ الإسلامی:۳/۱۴۵)

مسئلہ (۱۸۵): مطلع اگر صاف نہ ہو تو ہلال رمضان کے لیے ایک مسلمان کی شہادت کافی ہے، بشرطیکہ ظاہر الفسق نہ ہو، اور ہلال عید کے لئے نصاب شہادت ضروری ہے، یعنی دو ثقہ مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، اور اگر مطلع صاف ہو تو جم غفیر یعنی مجمع کثیر کا چاند دیکھنا ضروری ہے، خواہ رمضان شریف کا چاند ہو، یا عیدین کا، اکیلے فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، عدالت کا مطلب تقویٰ اور مروت کا پیکر ہونا ہے، اس کی ادنیٰ شرط یہ ہے کہ کبائر سے اجتناب اور صغائر پر اصرار نہ ہو۔
(السنن لأبی داود:ص/۳۲۰)

مسئلہ (۱۸۶): ہمارے زمانے میں طرح طرح کے آلات وجود میں آرہے ہیں، اور دور بین بھی انہی میں سے ایک آلہ ہے، لہٰذا دور بین، دریا، یا آئینہ میں اگر کسی نے چاند دیکھا، تو اس کی رؤیتِ ہلال معتبر ہے، ان تمام کا حکم ایسا ہی ہے جیسے کہ آنکھوں سے دیکھا جائے۔ (التنویر مع الدر والرد:۳/۳۱۶)

مسئلہ (۱۸۷): اگر مطلع صاف نہ ہو تو عیدین کے چاند کے لیے شہادت عادلین ضروری ہے، اور ہلالِ رمضان میں ایک عادل کی خبر بھی کافی ہے، موبائل کے ذریعہ رؤیت ہلال کی جو خبر حاصل ہوگی وہ مقامِ شہادت میں شرعاً حجت نہیں ہے، کیوں کہ شاہد کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ مجلس قضا میں حاضر ہو، اور موبائل میں یہ شرط مفقود ہے، تاہم اگر قرائنِ قویہ سے معلوم ہو جائے کہ بولنے والا عادل ہے، اور خبر کے سچ ہونے کا غلبۂ ظن ہو، تو پھر رمضان کے چاند میں تصدیق کرلی جائیگی، عیدین کے چاند میں چونکہ شاہد کی حاضری ضروری ہے، اس لئے موبائل کی خبر مطلقاً معتبر نہیں ہوگی، اور اگر مطلع صاف ہو تو ایک جم غفیر کا چاند کو دیکھنا ضروری ہے، خواہ وہ چاند رمضان کا ہو یا عیدین کا ہو۔ (الاختیار لتعلیل المختار:۱/۴۰۳)

مسئلہ (۱۸۸): ہلالِ رمضان کے علاوہ عید، بقرعید، یا کسی دوسرے مہینہ کے لیے ثبوتِ ہلال باقاعدہ شہادت کے بغیر نہیں ہوسکتا، اور شہادت کے لیے شاہد کا حاضر ہونا لازم ہے، غائبانہ خبروں کے ذریعہ شہادت ادا نہیں ہوسکتی، خواہ وہ قدیم طرز کے آلات خبر رسانی، خط وغیرہ ہوں، یا جدید طرز کے ریڈیو، ٹیلیفون وغیرہ۔ **البتہ** جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے، تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی

نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کریں، صرف وہی فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے، اور اس کے نشر کرنے میں پوری احتیاط سے کام لے، نیز جن الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہے وہ الفاظ بعینہ نشر کئے جائیں، جس ریڈیو میں ایسی احتیاط کی پابندی نہ ہو، اس کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا کسی کے لیے درست نہیں۔ اور جس طرح ایک شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی کا فیصلہ اس شہر اور اس کے مضافات کے لیے واجب العمل ہے، اسی طرح اگر کوئی قاضی یا مسلم مجسٹریٹ یا ہلال کمیٹی پورے ضلع، یا صوبہ، یا پورے ملک کے لیے ہو، تو اس کا فیصلہ اپنے اپنے حدود ولایت میں واجب العمل ہوگا۔ (المبسوط:۳۰/۱۵۳)

مسئلہ (۱۸۹): اگر قاضی، یا ہلال کمیٹی کسی شہادت پر مطمئن ہو کر عید یا رمضان کا اعلان ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر نشر کرے، تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے اعلان پر عید وغیرہ کا کرنا جائز ہے، بشرطیکہ ریڈیو اسٹیشن والوں کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے، صرف وہی فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے، قدیم زمانہ میں توپ، دف اور قنادیل کی روشنی کو اعلانِ رمضان یا عیدین کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، تاہم ضروری ہے کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قاضی یا ہلال کمیٹی کا اعلان انتہائی احتیاط سے سنا جائے۔ (فتح القدیر:۷/۳۵۸)

مسئلہ (۱۹۰): چاند سے متعلق ماہرینِ فلکیات اور سائنسدانوں کا حساب شرعاً معتبر نہیں ہے، یعنی ان ماہرین کے کہنے سے لوگوں پر روزہ فرض نہ ہوگا، اس لئے کہ ان کی باتیں یقینی اور حتمی نہیں ہوتیں، بلکہ وہ ایک تخمینہ اور اندازہ ہوتا ہے، اور صرف تخمینہ اور اندازہ پر حکمِ شرعی مرتب نہیں ہوتا۔ (صحیح مسلم:۴/۴۱۷)

مسئلہ (۱۹۱): اگر ہیلی کاپٹر سے افق پر جا کر چاند کو دیکھا جائے، اور وہ چاند زمین سے دیکھنے والوں کو نظر نہ آئے، تو شرعاً اس کا اعتبار ہوگا، کیوں کہ وہ حتمی طور پر چاند ہی ہے صرف اندازہ نہیں۔ (فتاوی تاتارخانیہ:۲/۹۲)

مسئلہ (۱۹۲): کسی بھی قاضی یا مفتی پر لازم نہیں ہے کہ وہ گواہوں کو تلاش کرتے پھریں، بلکہ جو بھی چاند دیکھے اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ خود آ کر گواہی دے، حتی کہ اگر کوئی عورت بھی چاند دیکھے، تو وہ بھی آ کر مفتی یا قاضی کے پاس گواہی دے۔
(المحیط البرہانی:۲/۵۴۸)

مسئلہ (۱۹۳): اگر کسی علاقے میں مسلم قاضی موجود نہ ہو، یا وہ فیصلۂ شرعی نہ کرتا ہو، تو وہاں اگر چہ تمام معاملات میں تو

ثقہ عالم قاضی کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، البتہ رویتِ ہلال وغیرہ بعض جزئیات میں اس کا فیصلہ حکمِ قاضی کے قائم مقام ہوجائیگا۔
(معارف السنن: ۵/ ۳۴۵)

مسئلہ (۱۹۴): جہاں پر طویل عرصہ کا دن اور پھر اسی طرح رات کا سلسلہ رہتا ہے وہاں جس طرح نماز کے اوقات کا اندازہ سے تعیین کیا جاتا ہے اسی طرح ماہ رمضان کی آمد اور روزے کے اوقات کا بھی تعیین کیا جائے گا، لیکن سب سے آسان صورت یہ ہے کہ ایسے مقام کے باشندوں کو ان مقامات کے مطابق عمل کرنا چاہیے جو ان سے قریب ہیں، اور وہاں معمول کے مطابق دن رات کی آمد و رفت کا سلسلہ ہے۔ (بذل المجہود: ۱۲/۳۷۳)

مسئلہ (۱۹۵): جن علاقوں میں ۲۰ / یا ۲۲ / گھنٹوں کا دن ہوتا ہے، وہاں طویل روزہ رکھنا ہوگا، البتہ ضعفاء اور کمزوروں کو استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے رخصت دی جائے گی، مگر جب دن چھوٹے ہوجائیں تو اس وقت قضاء لازم ہوگی، البتہ جہاں ایک طویل عرصہ تک دن باقی رہے، مثلاً چھ مہینے وغیرہ تو وہاں روزہ اندازاً ہوگا، قریبی ملک میں جتنے گھنٹے کا دن ہوگا اس کے برابر روزہ رکھا جائیگا۔ (فتح القدیر لابن الہمام: ۲/۲۶۲)

مسئلہ (۱۹۶): اگر کوئی آدمی رمضان کے مہینے میں شام کو مثلاً پانچ بجے ہندوستان سے سعودی عرب کیلئے چلا، اور ہندستان میں افطار کا وقت چھ بجے ہے، اب راستے میں کہیں سورج غروب نہیں ہوا، جب سعودی پہونچا تو وہاں ابھی افطار کا وقت نہیں ہوا تھا، تو وہ ہندستان کے وقت کے مطابق افطار نہیں کرے گا، بلکہ سعودی کے وقت کے اعتبار سے افطار کرے گا، گرچہ روزہ لمبا ہوجائے، اس لئے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وأتمو الصيام إلى الليل﴾. اور اصول بھی یہ ہے کہ سحری، افطار اور دیگر عبادات میں اسی جگہ کا وقت معتبر ہوتا ہے، جہاں وہ عبادات انجام دی جارہی ہیں۔ (ردالمحتار: ۳/۳۳۰)

مسئلہ (۱۹۷): اگر کوئی شخص ابتدائے رمضان میں سعودی عرب میں تھا، بعد میں وہ ہندوستان آیا، اب وہاں چونکہ دو دن یا ایک دن پہلے رمضان شروع ہوا تھا، اس لیے جس دن وہاں عید تھی اس دن یہاں ہندوستان میں انتیسواں یا تیسواں روزہ تھا، اس اعتبار سے اس کا اکتیسواں یا بتیسواں روزہ ہورہا ہے، تب بھی وہ رمضان کے مطابق روزہ رکھے گا، اس لئے کہ اگر کسی شخص نے چاند دیکھا اور روزہ رکھا اور اس کے تیس روزے پورے ہوگئے، تب بھی وہ امام ہی کے ساتھ افطار کرے گا۔ "لو صام ورأى هلال رمضان وأكمل العدة لم يفطر إلا مع الا مام". (ردالمحتار: ۳/۳۵۱)

اعتکاف کا بیان

مسئلہ (۱): مسجد سے متصل ایسا حجرہ جو امام یا مؤذن کے قیام یا مسجد کا سامان رکھنے کیلئے بنایا گیا ہو، اس میں اعتکاف کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اس لیے کہ صحتِ اعتکاف کیلئے ایسی مسجد شرط ہے جس میں پنج وقتہ نماز با جماعت ہوتی ہو۔ (اللباب:۱/۱۶۳)

مسئلہ (۲): اگر کسی محلّہ میں کئی مسجدیں ہوتو بہتر یہ ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف ہو، لیکن اگر محلّہ کی کسی ایک مسجد میں بھی اعتکاف کرلیا جائے، تو پورے محلّہ کے لوگ ترکِ سنت کے گناہ سے انشاء اللہ بری ہو جائیں گے۔ (ردالمحتار:۲/۴۳۱)

مسئلہ (۳): مسجد سے متصل ایسے حجرہ میں اعتکاف کرنا جس میں نماز نہ ہوتی ہو بلکہ وہ حجرہ امام، مؤذن یا مسجد کا سامان رکھنے کیلئے بنایا گیا ہو شرعاً درست نہیں ہے، اس لئے کہ اعتکاف کیلئے ایسی مسجد شرط ہے جس میں پنج وقتہ نماز با جماعت ہوتی ہو۔
(النہر الفائق:۲/۴۴)

مسئلہ (۴): اگر کوئی شخص کسی دوسرے محلّہ کی مسجد میں رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرے تو اس مسجد کے محلّہ والوں کی طرف سے اعتکافِ مسنون ادا ہو جائیگا، مگر محلّہ والوں کو چاہیے کہ خود ہی اعتکاف کریں، دوسرے شخص سے اعتکاف کرا کے خود ثواب سے محروم نہ ہوں۔ (النہر الفائق:۲/۴۴، خلاصۃ الفتاوی:۱/۲۶۷)

مسئلہ (۵): اگر کوئی شخص کسی دوسرے محلّہ کی مسجد میں رمضان کے عشرۂ اخیر کا اعتکاف کرے، تو اس مسجد سے متعلق اعتکافِ مسنون ادا ہو جائیگا، مگر محلّہ والوں کو چاہیے کہ خود ہی اعتکاف کریں، دوسرے شخص سے اعتکاف کرا کے خود ثواب سے محروم نہ رہیں۔ (العنایۃ شرح الہدایۃ:۱/۶۷۲)

مسئلہ (۶): اگر کوئی شخص سنت اعتکاف کا ارادہ رکھتا ہے، لیکن ۲۱/رمضان کو غروب سے چند گھنٹے گزرنے کے بعد مسجد میں پہنچا، تو اس کا مسنون اعتکاف ادا نہ ہوگا، کیوں کہ مسنون اعتکاف پورے عشرہ کا ہوتا ہے، یعنی ۲۰/رمضان کے غروب سے تھوڑی دیر پہلے مسجد میں حاضر ہونا، اور عید کا چاند نظر آنے تک مسجد میں اعتکاف کی نیت سے رہنا ضروری ہے، ہاں! البتہ نفلی اعتکاف کا ثواب مل جائیگا۔ (مرقاۃ المفاتیح:۴/۳۲۹، البحر الرائق:۲/۳۰۵)

مسئلہ (۷): آج کل مسجد میں نابالغ بچوں کو بھی اعتکاف میں بٹھا دیا جاتا ہے، جو کہ پریشانی کا باعث بنتے ہیں، جب کہ اعتکاف عاقل، بالغ مسلمانوں کے لیے مسنون ہے، بچوں کے لیے نہیں، سمجھدار بچے کا اعتکاف میں بیٹھنا اگرچہ فی نفسہٖ جائز ہے، مگر اِس زمانے میں بچوں کے اعتکاف بیٹھنے میں بہت سے مفاسد اور خرابیاں ہیں، جن کے ہوتے ہوئے بچوں کو اعتکاف میں بٹھانا جائز نہیں۔ (الفتاوی الہندیۃ:۱/۱۱۲، بدائع الصنائع:۲/۱۰۸)

مسئلہ (۸): عورت کو اعتکاف میں بیٹھنے کے لیے خاوند سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے، اور خاوند اُسے اعتکاف سے منع بھی کرسکتا ہے، لیکن جب ایک بار اجازت دیدی، تو اب منع نہیں کرسکتا۔ (موسوعۃ الفقہ الإ سلامي: ۳/ ۲۰۷)

مسئلہ (۹): اعتکافِ مسنون کی کم سے کم مقدار ایک ساعت ہے، رات اور دن میں سے جب چاہے کرے۔
(فتح القدیر لإبن الہمام: ۲/ ۳۹۶-۳۹۸)

مسئلہ (۱۰): اگر کوئی شخص ضعفِ جسمانی کی بناپر رمضان کے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف نہ کرتے ہوئے، صرف تین یا پانچ دن کا نفل اعتکاف کرے، تو اس کو سنت اعتکاف کا نہیں، بلکہ نفل اعتکاف کا ثواب ملے گا، کیوں کہ سنت بقید عشر ہے، جب قید نہیں تو مقید نہیں، اور وہی سنت تھا پس سنت نہیں۔ (امداد الفتاوی: ۲/ ۱۵۴)

مسئلہ (۱۱): رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے اس میں روزہ شرط ہے اگر کسی شخص نے بغیر روزہ کے اعتکاف کیا تو اعتکاف مسنون ادا نہیں ہوگا، بلکہ یہ اعتکاف نفل ہوجائیگا، البتہ اگر کسی دن روزہ نہ رکھ سکے، تو صرف اسی دن کے اعتکاف کی قضا لازم ہوگی۔ (الدر مع الشامیۃ: ۳/ ۳۸۳)

مسئلہ (۱۲): رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے، اور اس میں تسلسل بھی ضروری ہے، ورنہ وہ نفلی اعتکاف ہوجائیگا۔ (مرقاۃ: ۴/ ۵۲۹)

مسئلہ (۱۳): اجرت دے کر اعتکاف کرانا شرعاً جائز نہیں ہے، کیوں کہ عبادات کے لیے اجرت دینا اور لینا دونوں ناجائز ہیں، ہاں اگر بغیر اجرت اعتکاف کرایا، اور اعتکاف پر اجرت دینا و لینا وہاں معروف بھی نہ ہو، تو معتکف کو ہدیۃً کچھ پیش کرنا جائز ہے، بلکہ یہ امر بالمعروف میں داخل ہوگا۔ (فتاوی دار العلوم: ۶/ ۵۱۲، فتاوی امارت شرعیہ: ۳/ ۱۹۹، خیر الفتاوی: ۴/ ۱۳۸)

مسئلہ (۱۴): حضور اکرم ﷺ جب اعتکاف فرماتے تھے، تو آپ کے لیے چٹائی کا حجرہ بنایا جاتا تھا، لہٰذا اعتکاف کے لیے خیمہ بنوانا درست ہے، اسے بدعت کہنا درست نہیں ہے۔ (صحیح مسلم: ۱/ ۳۷۱)

مسئلہ (۱۵): مسجد کے پیسوں سے خریدی ہوئی چادر کو اعتکاف کا خیمہ بنانے کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے، بلکہ اپنی ذاتی چادر استعمال کرنا چاہیے۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ: ۴/ ۴۶۹، البحر الرائق: ۵/ ۴۲۰)

مسئلہ (۱۶): اگر جماعت کے وقت اعتکاف والی جگہ کی ضرورت ہو، تو اعتکاف کی چادروں کو کھول دینا چاہیے، ورنہ معتکفین حضرات گنہگار ہوں گے، اور اگر ضرورت نہیں ہے، تو ویسے ہی رہنے دینے میں کوئی حرج ومضائقہ نہیں ہے۔
(سنن أبي داود: ص/ ۹۷، مشکوٰۃ المصابیح: ص/ ۹۸)

مسئلہ (۱۷): بعض لوگ بحالت اعتکاف خاموش رہنے کو عبادت سمجھتے ہیں، سو یہ خیال غلط ہے، فقہاء کرام نے اعتکاف کی حالت میں عبادت سمجھ کر خاموش رہنے کو مکروہ لکھا ہے، البتہ اگر عبادت کا اعتقاد نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ (تبیین الحقائق:۱/۲۳۱)

مسئلہ (۱۸): معتکف کیلئے ضروری ہے کہ مسجد ہی میں رہے اور بلا حاجتِ شرعیہ یا طبعیہ یا ضروریہ مسجد سے نہ نکلے، اگر بھول سے بھی مسجد سے نکل گیا تو اعتکاف فاسد ہو جائیگا۔ (ہندیہ:۱/۲۱۲)

مسئلہ (۱۹): معتکف حاجت شرعیہ مثلاً نمازِ جمعہ، حاجت طبعیہ مثلاً قضاء حاجت یا غسل واجب کیلئے، یا حاجت ضروریہ مثلاً مسجد کے منہدم ہونے یا اپنی جان و مال پر اندیشہ ہونے کی صورت میں مسجد سے نکل سکتا ہے، البتہ حاجت شرعیہ وطبعیہ میں اپنی حاجت کے پوری ہونے کے بعد بلا تاخیر مسجد میں آجائے، اور حاجتِ ضروریہ میں اسی وقت کسی اور مسجد میں داخل ہو جائے اور اعتکاف پورا کرے۔ (صحیح البخاری:ص/۳۵۴)

مسئلہ (۲۰): اگر معتکف کسی جنازہ میں شرکت کرنے کیلئے جائے، یا کسی میت کی تجہیز و تکفین کیلئے جائے، گرچہ ضرورت کی وجہ سے ہی ہو، یا اس کے ذمہ لازم ہو تب بھی اعتکاف ٹوٹ جائیگا، مگر معتکف گنہگار نہ ہوگا، اور اس پر ایک دن کے اعتکاف کی قضا لازم ہوگی۔ (الفتاوی الہندیۃ:۱/۲۱۲)

مسئلہ (۲۱): اگر کوئی شخص کسی دوسرے محلّہ میں نماز تراویح پڑھا رہا ہو، اور وہ اپنے محلّہ کی مسجد میں اعتکاف کرنا چاہتا ہو، تو وہ تراویح پڑھانے کیلئے جا سکتا ہے، بشرطیکہ اعتکاف میں بیٹھے تو یوں نیت کرلے کہ میں اللہ تعالی کیلئے آخری عشرہ کے اعتکاف کی نذر مانتا ہوں، البتہ تراویح میں قرآن سنانے کیلئے جایا کروں گا، پھر تراویح کے وقت کے بالکل قریب جایا کرے، اور فارغ ہوتے ہی اعتکاف والی مسجد میں آجایا کرے، راستہ میں آتے جاتے وقت کسی جگہ کھڑے نہ ہو۔ (تاتارخانیہ:۲/۱۳۴)

مسئلہ (۲۲): اگر معتکف کے گھر سے کھانا لانے والا کوئی شخص موجود نہ ہو، تو معتکف اپنا کھانا اپنے مکان پر جا کر کھا سکتا ہے، البتہ کھانے سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں آجائے۔ (النہر الفائق:۲/۴۷)

مسئلہ (۲۳): معتکف کا بغیر کسی عذر کے مسجد سے باہر نکلنا، اس کے اعتکاف کو فاسد کر دے گا، لیکن اگر اس کے گھر سے کوئی کھانا لانے والا نہ ہو، تو وہ کھانا لینے کے لیے گھر جا سکتا ہے۔ (النہر الفائق:۲/۴۵-۴۷)

مسئلہ (۲۴): اگر معتکف گھر پر کھانا لانے کے لیے گیا، لیکن معلوم ہوا کہ ابھی کھانا تیار نہیں ہے، تیار ہونے میں وقت لگے گا، تو معتکف انتظار کرنے کے بجائے واپس مسجد میں آجائے، کیوں کہ کھانا لانا ایک ضرورت تھی، جس کی وجہ سے گھر جانے کی اجازت دی گئی، اب اگر زیادہ وقت لگتا ہے، تو وہاں انتظار نہ کرے۔ (النہر الفائق:۲/۴۷)

مسئلہ(۲۵): اگر کوئی شخص بحالتِ اعتکاف بیمار ہو جائے، اور صحت یاب نہ ہونے کی صورت میں علاج ومعالجہ کیلئے مجبوراً خارجِ مسجد، ڈاکٹر کے پاس جانا پڑے یا بقاءِ مرض کے ساتھ مسجد میں رہنا ممکن نہ ہو جس کی وجہ سے گھر جانا پڑے، تو ان صورتوں میں اعتکاف فاسد ہو جائیگا، البتہ اس پر ایک دن کے اعتکاف کی قضا لازم ہوگی۔ (النہر الفائق:۲/۴۶،۴۷)

مسئلہ(۲۶): اگر کوئی ڈاکٹر حالت اعتکاف میں مریض کی تشخیص اور ادویات تجویز کرے تو جائز ہے، البتہ مسجد میں دوائیاں فروخت نہ کرے۔ (مجمع الأنہر:۱/۳۷۹)

مسئلہ (۲۷): واجب اور مسنون اعتکاف میں نمازِ جنازہ پڑھنے یا پڑھانے کیلئے نکلنا اعتکاف کو فاسد کر دے گا، اِلا یہ کہ ابتدا ہی میں نمازِ جنازہ وغیرہ کیلئے نکلنے کی شرط رکھی جائے، تو اس صورت میں نماز جنازہ کا پڑھنا یا پڑھانا اعتکاف کو فاسد نہیں کرے گا، البتہ نماز جنازہ کیلئے ایسے وقت نکلے کہ جنازہ حاضر ہو اور نماز سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں آجائے اور اپنے اعتکاف کو پورا کرے۔ (فتاوی تاتارخانیہ:۲/۱۳۴)

مسئلہ(۲۸): اگر الیکشن کے ووٹنگ کی تاریخ اعتکاف مسنون کے زمانے میں واقع ہو رہی ہو اور معتکف ابتداء اعتکاف میں ہی یہ تصریح کرلے کہ میں اللہ تعالی کیلئے رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کی نیت کرتا ہوں، البتہ انتخاب والے دن ووٹ ڈالنے کیلئے پولنگ اسٹیشن پر جاؤں گا، تو اس کیلئے ووٹنگ کیلئے نکلنا جائز ہوگا، پھر ایسے وقت نکلے کہ جاتے ہی ووٹ ڈال سکے، اور فارغ ہوتے ہی مسجد آجائے اور اعتکاف پورا کرے۔ (الدر المنتقی فی شرح الملتقی:۱/۳۷۹)

مسئلہ (۲۹): اگر معتکف کو پولس یا اور کوئی شخص کسی مقدمہ میں جبراً پکڑ کر لے جائے اور دو تین گھنٹہ کے بعد چھوڑ دے، یا معتکف کو پیشی کیلئے یا اداءِ شہادت کیلئے کورٹ جانا پڑے، تو ان تمام صورتوں میں اعتکاف فاسد ہو جائیگا، اور اس پر ایک دن کے اعتکاف کی قضا لازم ہوگی۔ (البحر الرائق:۲/۵۲۹)

مسئلہ (۳۰): معتکف کا وضو سے قبل، بلا قصد وضو، وضو خانہ پر بیٹھ کر صابن سے منہ ہاتھ دھونے سے اعتکاف فاسد ہو جائیگا، کیوں کہ صابن سے منہ دھونا نہ ضرورتِ طبعیہ میں سے ہے، اور نہ ماموراتِ شرعیہ میں سے۔ (سنن أبي داود:ص/۳۳۴)

مسئلہ (۳۱): اعتکاف کی حالت میں، غسل خانہ میں جا کر صرف ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرنے سے اعتکاف باطل ہو جائیگا۔ (المبسوط:۳/۱۳۰)

مسئلہ(۳۲): اگر معتکف کو احتلام ہو جائے تو وہ مسجد سے فوراً باہر نکل جائے، اس کے لیے مسجد سے باہر پانی گرم ہونے کے انتظار میں ٹھہرنا جائز ہے۔ (سنن أبي داود:ص/۳۳۴)

مسئلہ (۳۳): عامۃً غسل خانہ حدودِ مسجد سے خارج ہوتا ہے، چنانچہ غسل خانہ خواہ صدر دروازہ کے اندر ہو یا باہر ہو، دونوں کا حکم یکساں ہے، یعنی اگر معتکف بلاضرورت غسل کے لیے نکلے گا تو اعتکاف باطل ہوجائیگا، اور غسلِ واجب کے لیے نکلنا جائز ہے۔ (سنن أبي داود:ص/۳۳۴)

مسئلہ (۳۴): معتکف کے لیے ہر وقت باوضو رہنا ضروری نہیں، کیوں کہ یہ اعتکاف کی شرائط وارکان میں سے نہیں ہے، البتہ باوضو رہنا بہتر ہے۔ (فتاوی امارت شرعیہ:۳/۲۰۱)

مسئلہ (۳۵): معتکف کا وضو کے بعد، وضوخانہ پر کھڑے ہوکر رومال سے وضو کا پانی خشک کرنے سے اعتکاف فاسد ہوجائیگا، کیوں کہ وضو کا پانی خشک کرنا حاجتِ طبعیہ وشرعیہ میں سے نہیں ہے۔ (احسن الفتاوی:۴/ ۵۱۸)

مسئلہ (۳۶): بحالت اعتکاف، بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غسلِ جمعہ، یا غسلِ تبرید کے لیے مستقلاً نہ نکلے، بلکہ قضائے حاجت کے لیے نکلے تو استنجاء کرلے، پھر غسلِ جمعہ وغسلِ تبرید کرلے، اس صورت میں اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، نیز عامۃً بیت الخلاء اور غسل خانے خارج عن المسجد یعنی احاطۂ مسجد سے باہر ہوتے ہیں، لہٰذا معتکف کا بلاضرورت وہاں جانا درست نہیں۔
(تبیین الحقائق:۲/۲۲۶)

مسئلہ (۳۷): معتکفِ نفل یعنی نفل اعتکاف کرنے والے پر بھی وہی پابندیاں ہیں، جو معتکفِ نذر ومسنون یعنی نذر اور مسنون اعتکاف کرنے والے پر ہیں، لیکن اگر معتکف نفل بلاضرورت مسجد سے نکلے گا، تو نفلی اعتکاف جس کی کوئی مدت معین نہیں کی تھی، وہ ختم ہوجائیگا، فاسد نہیں ہوگا۔ (تبیین الحقائق:۲/۲۲۶)

مسئلہ (۳۸): اگر کوئی ایسا شخص اعتکاف کے لیے بیٹھا جو بچوں کو پڑھاتا ہے، تو وہ بچوں کو مسجد میں بلاکر پڑھا سکتا ہے، لیکن اگر بچے اتنے چھوٹے ہوں کہ پاکی وناپاکی کو نہ سمجھتے ہوں، تو ان کو مسجد میں نہ بٹھایا جائے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۲۱۲)

مسئلہ (۳۹): معتکف کا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے لیے نکلنا جائز نہیں ہے، مسجد میں ہی کسی برتن میں ہاتھ دھولے، اس لئے کہ معتکف اپنے معتکف سے حاجت طبعیہ وشرعیہ ہی کی بنا پر نکل سکتا ہے، یعنی استنجاء، پیشاب، غسلِ واجب اور مرضِ شدید وغیرہ کی وجہ سے۔ (الفتاوی الہندیۃ:۱/۲۱۳)

مسئلہ (۴۰): عورت کے اعتکاف کی جگہ اس کے گھر کی مسجد ہے، یعنی جس جگہ کو نماز اور اعتکاف کے لیے خاص کررکھا ہے، اگر اس جگہ سے شرعی وطبعی ضرورت (پیشاب وپاخانہ) کے بغیر گرمی حاصل کرنے کے لیے نکلے گی، تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائیگا۔ (صحیح البخاری:۱/۲۷۲)

مسئلہ (۴۱): اگر دکانیں مسجد کے لیے وقف ہیں، اور دکانوں کی چھت کو مسجد کا صحن بنایا ہے، تو وہ صحن بھی مسجد کے حکم میں ہوتا ہے، لہٰذا معتکف کے لیے صحنِ مسجد میں نکلنا اور رہنا درست ہے۔ (ہندیہ:۲/۴۶۲)

مسئلہ (۴۲): بسا اوقات بیت الخلاء پر بھیڑ ہوتی ہے، لوگ نمبر لگا کر اپنی باری کا انتظار کرتے ہیں، ایسے حالات میں اگر معتکف نمبر لگاتا ہے، تو اب اس کے لیے طہارت خانہ خالی ہونے کے لیے انتظار کرنا جائز ہے۔ (السنن لأبی داود:ص/۳۳۴)

مسئلہ (۴۳): اگر معتکف کسی تبلیغی جماعت کی رہبری کے لیے مسجد سے نکلتا ہے، تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا، کیوں کہ صرف حوائجِ اصلیہ کے علاوہ دوسرے کاموں کے لیے مسجد سے باہر نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے، لہٰذا کسی بھی معتکف شخص کو اس طرح کی رہبری نہ کرنی چاہیے۔ (السنن لأبی داود:ص/۳۳۴)

مسئلہ (۴۴): بیت الخلاء کے تقاضے اور وُضو کے علاوہ اعتکاف کی جگہ سے باہر نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا ایسی عورت جس کے گھر کوئی کام کاج کرنے والا نہ ہو، وہ مسنون اعتکاف کے لیے نہ بیٹھے، البتہ اپنے کاموں سے فارغ ہوکر اس مخصوص جگہ پر ذکر وتلاوت اور عبادت کے ذریعے اس مقدس مہینے کی برکات سے فائدہ اُٹھا سکتی ہے۔ (موسوعۃ الفقہ الإسلامی:۳/۲۰۵)

مسئلہ (۴۵): اگر عورت کو عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کی حالت میں حیض آجائے، تو اس سلسلہ میں امام ابو یوسف اور طرفین کا اختلاف ہے، چونکہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے کہ اگر کوئی چار رکعت کی نیت سے نفل شروع کرے، اور اس نماز میں دوسری رکعت پوری ہونے سے فساد آجائے، تو وہ چاروں رکعات کی قضا کریگا، وہ اسی پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر کوئی عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف فاسد کردے، تو پورے دس دن کی قضا کرے گا، اور طرفین کا مذہب یہ ہے کہ ایسا شخص صرف دو ہی رکعت کی قضا کرے گا، وہ اسی پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس دن کا اعتکاف فاسد ہوا ہے، صرف اسی دن کی قضا کرے، کیوں کہ جس طرح نفل کی ہر دو رکعت مستقل نماز ہے، اسی طرح اعتکاف میں ہر دن کا اعتکاف مستقل ہے۔ **مفتی** عبد الرحیم صاحب لاجپوری اور مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ''احوط یہ ہے کہ دس دن کی قضا کرے، لیکن یہ حکم وجوبی نہیں، جس دن کا اعتکاف مسنون توڑا ہے، اس دن کی قضا بھی کافی ہے، لیکن اصولِ افتاء کے اعتبار سے فتویٰ طرفین کے قول پر ہونا چاہیے''۔

(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/ ۲۵۵، فتاویٰ رحیمیہ:۷/۲۸۰-۲۸۱)

مسئلہ (۴۶): اگر کوئی شخص اعتکاف کی حالت میں مجنون یا بے ہوش ہوجائے، اور یہ بے ہوشی یا جنون مسلسل اتنا وقت طاری رہے، جس میں ایک روزہ قضا ہوجائے، تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا، اس سے کم مقدار میں ہو تو نہیں ٹوٹے گا۔

(الدر المختار مع الشامیۃ:۳/۴۴۳)

مسئلہ (۴۷): مسجد میں غیر معتکف کے لیے کھانا پینا مکروہ اور احترام مسجد کے خلاف ہے، لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے، لیکن اگر کسی نے مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کر لی، تو اس کے لیے اجازت ہے۔ (مجمع الأنہر:۱/۳۷۹)

مسئلہ (۴۸): اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے، جب روزہ توڑ دے، یا کسی وجہ سے ٹوٹ جائے، تو اعتکاف فاسد ہو جائیگا، اور اس دن کی قضا بھی لازم ہوگی۔ (بدائع الصنائع:۲/۱۱۶)

مسئلہ (۴۹): نفل اعتکاف کی قضا واجب نہیں، اس لیے کہ وہ مسجد سے نکلنے سے ٹوٹتا نہیں، بلکہ ختم ہو جاتا ہے، اعتکافِ منذور اگر ٹوٹ جائے، خواہ نذرِ معین ہو یا غیر معین، تو سب ایام کی قضا واجب ہے، نئے سرے سے اتنے دن پورے کرے، کیوں کہ ان میں تتابُع یعنی مسلسل رکھنا لازم ہے، اور عشرۂ اخیرۂ رمضان کا اعتکاف ٹوٹ جائے تو صرف اس دن کی قضا واجب ہے، جس میں اعتکاف ٹوٹا، فساد کے بعد یہ اعتکاف نفل ہو گیا، ایک دن کی قضا چاہے رمضان ہی میں کر لے یا رمضان کے بعد نفل روزے کے ساتھ کرے۔ **ایک** دن کی قضا میں رات دن دونوں کی قضا واجب ہے یا صرف دن کی؟......قواعد سے یوں مفہوم ہوتا ہے کہ اگر اعتکاف دن میں فاسد ہوا، تو صرف دن کی قضا واجب ہوگی، صبح صادق سے قبل شروع کر کے غروبِ آفتاب تک کرے، اور اگر رات میں اعتکاف فاسد ہوا، تو رات دن دونوں کی قضا واجب ہے، غروبِ آفتاب سے قبل شروع کر کے دوسرے روز غروب کے بعد ختم کرے۔ (شامی:۳/۴۴۴، ط: بیروت)

مسئلہ (۵۰): اگر معتکف کو اعتکاف کی حالت میں احتلام ہو جائے، تو اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا، بلکہ معتکف کو چاہیے کہ بیدار ہوتے ہی پہلے تیمّم کر لے، پھر فوری مسجد سے نکل جائے، اور جسے احتلام کا اندیشہ ہو اس کے لیے بہتر ہے کہ پہلے سے اپنے ساتھ کوئی ڈھیلا وغیرہ رکھ لے، ورنہ مسجد کی زمین پر ہی تیمّم کر لے، اگر کسی ضرر کا اندیشہ ہو، یا پانی ملنے میں کچھ دیر ہو، یا پانی گرم ہو رہا ہو، تو اسی تیمّم کے ساتھ مسجد میں بیٹھ کر انتظار کرے۔ (موسوعۃ الفقہ الإسلامی:۳/۲۰۹)

مسئلہ (۵۱): جب شوال کا چاند نظر آئے تو اعتکاف پورا ہو جاتا ہے، معتکف اگر چاہے تو اسی وقت مسجد سے گھر چلا جائے، لیکن افضل یہ ہے کہ رات مسجد ہی میں گزارے، اور صبح عید کی نماز کے لیے مسجد ہی سے جائے، پھر عید کی نماز کے بعد گھر جائے۔ (موسوعۃ مسائل الجمہور فی الفقہ الإسلامی:۱/۳۳۲)

حج کا بیان

مسئلہ (۱): اگر کسی آدمی کی مالی حیثیت اتنی ہو کہ بیوی کا مہر ادا کرنے کے بعد اہل وعیال کے خرچ کے بعد بہ آسانی حج کے اخراجات پورے ہو سکتے ہیں، تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے، گو یہ سمجھے کہ حج کے مصارف برداشت کرنے سے حج کے بعد میری حالت صفر ہو جائیگی، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”حج میں جو کچھ بھی خرچ ہوتا ہے اللہ رب العزت اس کے عوض سات سو گنا عطا فرماتے ہیں“۔ (مجمع الأنہر:۱/۳۸۶)

مسئلہ (۲): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے پاس مثلاً: ۵ یا ۴ لاکھ روپئے ہوں گے تو ہی حج فرض ہوگا، جبکہ یہ خیال صحیح نہیں ہے، کیوں کہ حج میں زادوراحلہ کا اعتبار آدمی کے مناسب حال سے کیا جاتا ہے، اس کی کوئی متعین مقدار نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی شخص کے پاس اس کے اہل وعیال کی ضروریات اور ادائے قرض کے علاوہ اتنی رقم ہے کہ وہ زادوراحلہ پر قادر ہے، تو اس پر حج فرض ہوگا، جیسے اگر کوئی شخص حج کمیٹی سے جانے پر قادر ہے، تو اس پر حج فرض ہوگا، اس کے لئے اتنی رقم پر قادر ہونا ضروری نہیں ہے جو حج ٹور میں لگتی ہے۔ (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید:۱/۴۵۱)

مسئلہ (۳): حج مثلِ نماز، روزہ اور زکوۃ کے اسلام کا ایک رکن اور فرضِ عین ہے، تمام عمر میں ایک مرتبہ ہر اس شخص پر فرض ہے، جس کو حق تعالیٰ شانہ نے اتنا مال دیا ہو کہ اپنے وطن سے مکہ مکرمہ تک آنے جانے پر قادر ہو، اور اپنے اہل وعیال کے مصارف واپسی تک برداشت کرسکتا ہو، اور تمام شرائطِ حج اس میں موجود ہوں۔ (ہندیہ:۱/۲۱۷)

مسئلہ (۴): نابینا پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حج فرض نہیں ہے، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے ہاں اس پر حج بدل کرانا فرض ہے، پھر عذر زائل ہو گیا تو دوبارہ خود حج کرے، یہ دونوں قول مصحح ہیں، اول اگر چہ اوسع ہے، مگر ثانی احوط ہونے کے ساتھ ساتھ اکثر مشایخ کا مختار بھی ہے، لہٰذا اِحجاج یعنی حج بدل کرانے کی صورت ممکن ہو، تو اس پر عمل کرنا لازم ہے، یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ مانع سے قبل حج فرض نہ ہوا ہو، اور اگر پہلے سے فرض تھا اس کے بعد عاجز ہو گیا، تو بالاتفاق دوسرے سے حج کرانا فرض ہے۔ (رد المحتار:۳/۴۰۵)

مسئلہ (۵): اگر کسی شخص پر حج فرض ہو چکا ہو تو یہ فریضہ اس وقت تک اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا جب تک کہ خود حج نہ کرے، یا زندگی بھر معذور و مجبور رہنے کی وجہ سے دوسرے سے حجِ بدل کروائے، یا حجِ بدل کروانے کی وصیت کر جائے، حج کے اخراجات صدقہ خیرات کرنے یا کسی غریب کی مدد کرنے سے صدقہ خیرات کا ثواب تو مل جائیگا مگر فریضۂ حج ساقط نہیں ہوگا۔
(الدر مع الرد:۴/۱۵)

مسئلہ (۶): حج پر حج اور عمرہ پر عمرہ کرنا بلاشبہ جائز اور درست ہے، تاہم اگر کوئی فقیر حالتِ اضطرار میں ہو، یا ضرورت مند رشتہ دار ہو، یا آلِ بیتِ رسول اور اہلِ صلاح میں سے کوئی زیادہ محتاج اور ضرورت مند ہو، تو ان کی مالی امداد کرنا نفلی حج سے زیادہ بہتر ہے، جب کہ عام حالات میں نفلی حج کرنا افضل و بہتر ہے۔ (ردالمحتار:۴/۴۱)

مسئلہ (۷): حج تمتع کہتے ہیں اول عمرہ اور اس کے بعد حج کرنے کو۔

شرائط تمتع:

۱- عمرہ کا پورا طواف یا اکثر طواف اشہرِ حج میں ہونا۔

۲- تمتع کے لیے آفاقی یعنی میقات سے باہر رہنے والا ہونا شرط ہے، مکہ مکرمہ میں رہنے والے اور میقات کے اندر رہنے والے کے لیے تمتع جائز نہیں ہے۔

۳- عمرہ کا پورا یا اکثر طواف حج کے احرام سے پہلے کیا ہو۔

۴- حج کے احرام سے پہلے عمرہ کا سارا یا اکثر طواف کرنا، اگر پورا طواف یا اکثر پھیرے کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھا، تو تمتع نہ ہوگا، بلکہ قران ہو جائے گا۔

۵- حج اور عمرہ کو ایک ہی سال میں کرنا، اگر طوافِ عمرہ حج کے مہینوں میں ایک سال میں کیا اور حج دوسرے سال میں کیا، تو تمتع نہ ہوگا اگرچہ اپنے وطن بھی نہ گیا ہو۔

۶- حج اور عمرہ دونوں کو ایک ہی سفر میں کرنا، اگر عمرہ حج کے مہینوں میں کرلیا اور احرام کھول کر وطن چلا گیا اور پھر حج کیا تو تمتع نہ ہوگا۔

۷- عمرہ کو فاسد نہ کرنا، اگر عمرہ کو فاسد کر کے عمرہ کے بعد حج کیا تو تمتع نہ ہوگا۔

۸- حج کو فاسد نہ کرنا، اگر عمرہ فاسد نہ کیا لیکن حج کو فاسد کر دیا تو تمتع نہ ہوگا۔

۹- حج کے مہینوں میں عمرہ کر کے مکہ مکرمہ کو دائمی طور سے مستقل وطن نہ بنانا۔

۱۰- مکہ مکرمہ یا اس کے آس پاس کسی جگہ قیام کرتے ہوئے، حلال ہونے کی حالت میں حج کے مہینے شروع نہ ہونا، اسی طرح احرام باندھ کر عمرہ کا طواف حج کے مہینوں سے پہلے کرنے کے بعد حج کے مہینے شروع نہ ہونا، البتہ اگر وطن چلا گیا اور پھر لوٹ کر آیا اور عمرہ کا احرام باندھا، اس کے بعد حج کیا تو تمتع ہو جائے گا۔

۱۱- اپنے اہل و عیال کے ساتھ المامِ صحیح نہ کرنا۔

الما صحیح کہتے ہیں عمرہ کر کے احرام کھول لے اور اپنے وطن واپس چلا جائے، پھر احرام باندھ کر دوبارہ حرم شریف آئے اور نئے احرام کے ساتھ حج ادا کرے، ایسی صورت میں وہ ''حاجی متمتع'' نہ ہوگا، بلکہ ''مفرد بالعمرہ'' اور ''مفرد بالحج'' ہوگا۔

(التنویر مع الدر والرد:۳/۴۹۸)

مسئلہ(۸): حج قران کہتے ہیں، حج اور عمرہ کو ایک ساتھ ادا کرنا، اور اس کی شرائط سات ہیں:

۱۔ عمرہ کا پورا طواف یا اکثر یعنی چار پھیرے حج کے مہینوں میں کرنا، اگر حج کے مہینوں سے پہلے کر لیا تو قران شرعی نہ ہوگا۔

۲۔ عمرہ کا پورا طواف یا اکثر وقوفِ عرفہ سے پہلے کرنا۔

۳۔ عمرہ کا پورا یا اکثر طواف کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھنا، اگر حج کا احرام طواف عمرہ کے اکثر چکر لگانے کے بعد باندھا تو قارن نہ ہوگا بلکہ متمتع ہو جائے گا۔

۴۔ عمرہ فاسد کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھنا، اگر عمرہ فاسد ہونے کے بعد حج کا احرام باندھا، تو قران نہ ہوگا بلکہ افراد ہوگا۔

۵۔ حج اور عمرہ کو رِدَّت یعنی مرتد ہونے اور جماع سے فاسد نہ کرنا۔

۶۔ قارن کا آفاقی ہونا ضروری ہے اگر چہ حکماً ہو، لہٰذا مکی قران نہیں کر سکتا، مگر جب کہ وہ اشہر حرم سے پہلے آفاق نکل جائے۔

۷۔ حج قران کرنے والا حج کو فوت نہ کرے، اگر حج کو فوت کر دے تو وہ قارن نہیں ہوگا، اور دم ساقط ہو جائے گا۔

حج اِفراد کہتے ہیں، صرف حج کرنے کو عمرہ کے بغیر، اور حج کی تینوں قسموں میں سے افضل حج قران ہے، اس کے بعد تمتع، پھر اِفراد۔ (ردالمحتار:۳/۴۹۲)

مسئلہ(۹): لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب آدمی حج کر لیتا ہے، تو اس کی قضا شدہ نمازیں معاف ہو جاتی ہیں، اور وہ لوگ یہ حدیث دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ حاجی حج سے ایسے لوٹتا ہے جیسے کہ آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہے، تو گناہوں سے پاک وصاف ہو کر لوٹنے والی بات تو حدیث پاک سے ثابت ہے کہ حج سے صغائر اور کبائر بھی معاف ہو جاتے ہیں، لیکن فوت شدہ نمازیں معاف نہیں ہوتی ہیں، کیوں کہ یہ فرائض میں سے ہیں، اور فرائض توبہ یا حج سے معاف نہیں ہوتے۔

(تحفۃ الأحوذی:۳/۶۲۹، فتح الباري:۳/۴۶۹)

مسئلہ(۱۰): بہت سے والدین اپنی سمجھدار اولادِ صغار کو بھی سفر حج میں ساتھ لے جاتے ہیں، اور ان سے حج کے جملہ ارکان ادا کرواتے ہیں، تو بلوغت سے پہلے جو حج کیا جاتا ہے اس سے حج فرض ادا نہیں ہوتا، کیوں کہ فرض حج کے لیے بالغ ہونا

شرط ہے، لہٰذا بالغ ہونے کے بعد دوبارہ حج فرض ادا کرنا ضروری ہے، اولادِ صغار کا وہ حج نفل ہو جائیگا۔(فتح القدیر لإبن الھمام:۲/۴۲۰)

مسئلہ(۱۱): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حج کی فرضیت کے لیے خود کی ملکیت کا گھر ہونا ضروری ہے، ان کا یہ خیال غلط ہے، صحیح بات یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اتنی رقم ہے، جس سے وہ حج کرسکتا ہے، تو اس پر حج فرض ہے، گرچہ وہ کرایہ کے مکان میں رہتا ہو۔ (بدائع الصنائع:۲/۲۹۸)

مسئلہ (۱۲): اگر کوئی شخص غنی و مالدار ہو، لیکن ماں باپ کا نافرمان ہو، تو ایسا شخص ماں باپ کا نافرمان ہونے کی وجہ سے گنہگار ہوگا، اور اس کے گنہگار ہوتے ہوئے بھی اس پر حج فرض ہوگا، اور ارکانِ حج کو ادا کر لینے سے حج بھی ادا ہو جائیگا، تاہم اسے چاہیے کہ اپنے والدین کی اطاعت بجالا کر انہیں خوش کرلیں۔ (جامع الترمذي:۲/۱۲)

مسئلہ (۱۳): اگر کوئی شخص مسکینی کی حالت میں کسی طرح اپنا فرض حج ادا کرلے، پھر مالدار ہو جائے، تو اس پر دوبارہ حج کرنا ضروری نہیں ہے۔ (البحر الرائق:۲/۵۴۶)

مسئلہ(۱۴): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ کوئی شخص مکہ مکرمہ جائے اور وہاں جا کر اپنی طرف سے یا اپنے والدین یا کسی اور کی طرف سے عمرہ کرے، تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے، ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ جب ایسا شخص جس پر حج فرض نہیں تھا اور وہ عمرہ کی غرض سے مکۃ المکرّمہ پہنچ گیا، جب کہ حج کا زمانہ بھی قریب ہے، تو اس کے ذمہ حج فرض ہو جاتا ہے، چاہے اپنی طرف سے عمرہ کے لیے گیا ہو یا اپنے والدین کی طرف سے، اور اگر حج کا زمانہ قریب نہیں تو اس کے ذمہ حج فرض نہیں ہوا، اس پر حج کی فرضیت کے لیے وجوبِ حج کی شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے، محض مکہ مکرمہ پہنچ جانے اور عمرہ کر لینے کی بناء پر حج فرض نہیں ہوتا۔ (غنیۃ الناسک:ص/۲)

مسئلہ (۱۵): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک سفر میں متعدد عمرے کرنا درست نہیں ہے، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ ایک سفر میں متعدد عمرے کیے جاسکتے ہیں، البتہ غنیۃ الناسک میں لکھا ہے کہ ''زیادہ طواف کرنا زیادہ عمرہ کرنے سے افضل ہے''، جس سے زیادہ طواف کی افضلیت تو ثابت ہوتی ہے، مگر زیادہ عمروں کا عدم جواز ثابت نہیں ہوتا، لہذا ایک ہی سفر میں کئی عمرے کیے جاسکتے ہیں، جن کے احرام کے لیے کسی بھی قریبی میقات پر جاسکتے ہیں، جن میں سے ایک مسجد عائشہ بھی ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مقامِ تنعیم پر جا کر احرام باندھنا افضل ہے، جو مکہ مکرمہ سے قریب مسجد عائشہ کے نزدیک ہے، اور یہ سب سے قریبی میقات ہے، عمرہ کے لیے یہاں سے احرام باندھنا دیگر میقات مثلاً **جعرانہ** وغیرہ سے احرام باندھنے سے افضل ہے''۔

(التنویر وشرحہ مع الشامیۃ:۳/۴۲۹)

مسئلہ (۱۶): بعض حجاج کرام موسمِ حج میں مکہ مکرمہ سے اپنے بعض کاموں کے لیے جدّہ آتے ہیں، پھر وہیں سے مکہ مکرمہ واپس جاتے ہیں، تو ان پر اِحرام لازم نہیں ہوگا، اس لیے کہ جدّہ میقات ہے اور محض میقات میں داخل ہونے سے دوبارہ اِحرام لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ میقات سے تجاوز نہیں پایا گیا، ہاں! جب جدّہ سے دوسری طرف نکل جائے تو میقات سے تجاوز ہونے کی بناء پر دوبارہ اِحرام لازم ہوگا۔ (الاختیار لتعلیل المختار:۱/۴۴۱،۴۴۲)

مسئلہ (۱۷): جو حج جمعہ کو ہوتا ہے عام لوگ اسے حجِ اکبری کہتے ہیں، جبکہ قرآن کریم میں حج اکبر کا لفظ عمرہ کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے، یعنی عمرہ حجِ اصغر اور حج، حجِ اکبر ہے، یہی قول امام زہری، امام شعبی اور حضرت عطاء رحمہم اللہ کا ہے۔ باقی رہا یہ کہ جس حج میں وقوف عرفہ جمعہ کے دن ہو، وہ فضیلت میں اس حج سے ستر گنا زیادہ ہے جس کا وقوف عرفہ غیر جمعہ میں ہو، اس طرح کی روایت بعض معتبر کتابوں میں ملتی ہے، جیسے ''نور الایضاح'' اور ''در مختار''۔ لیکن علامہ شامی نے مناوی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بعض حفاظ حدیث نے اس حدیث کو بے بنیاد اور باطل کہا ہے۔...... اسی طرح علامہ ابن قیم جوزی فرماتے ہیں کہ جو بات عام لوگوں کی زبان زد ہے کہ جو حج جمعہ کے دن ہو، وہ غیر جمعہ میں ہونے والے بہتّر حج کے برابر ہے، یہ باطل اور بے بنیاد ہے، اس کا آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب و تابعین میں سے کسی سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ **نیز** شیخ محمد بن صالح العثیمین اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے اس طرح کی کوئی روایت وارد نہیں ہے۔ البتہ اتنی بات تو کہی جاسکتی ہے کہ جو حج جمعہ کو ہو اس میں کئی اعتبار سے خیر ہے، مثلاً:

۱- آپ ﷺ نے جو حج فرمایا تھا وہ بھی جمعہ کو ہوا تھا۔

۲- جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ بندہ اس گھڑی میں جو بھی دعاء کرتا ہے وہ قبول ہوتی ہے۔

۳- یوم عرفہ عید ہے اور یوم جمعہ بھی عید ہے، جب دو عیدیں جمع ہو گئیں تو اس میں خیر ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جمعہ کے دن حج کی فضیلت تو ہے، مگر اس کو حج اکبری کہنا معتبر و صحیح نہیں ہے۔ (فیض القدیر للمناوی:۲/۲۸)

مسئلہ (۱۸): اگر کوئی شخص صاحبِ استطاعت اور صحت مند و تندرست بھی ہو، لیکن کوشش کے باوجود اسے حج کا ویزا نہ مل پائے، تو اس کے حق میں وجوبِ ادا کی شرط نہیں پائی جائے گی، اور اس بناء پر حج میں تاخیر کا گناہ بھی نہ ہوگا، تاہم اس پر لازم ہے کہ وہ ہر سال ویزے کی کوشش کرتا رہے، اور زندگی سے مایوس ہونے کے وقت اپنی طرف سے حج کی وصیت کرے۔

(فتح القدیر:۳/۱۳۴)

مسئلہ (۱۹): اگر کسی شخص پر حج فرض ہو چکا ہے اور اس نے اس فرض کی ادائیگی کیلئے حج کمیٹی میں درخواست بھی دے

رکھی تھی، مگر جب حج کمیٹی نے قرعہ اندازی کی اور ناموں کا اعلان کیا تو اس میں اس کا نام نہیں نکلا، لیکن اگر یہ شخص دس پندرہ ہزار روپیہ بطورِ رشوت دیدے تو اس سال اس کے جانے کا انتظام ہوسکتا ہے، تو اس کیلئے یہ زائد رقم بطورِ رشوت دینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ حج جیسے مقدس فریضہ کی ادائیگی کیلئے رشوت کا یہ لین دین کسی بھی قیمت پر جائز نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ جو شخص تندرست اور صاحبِ حیثیت ہے وہ آئندہ جاسکتے ہیں، بظاہر جلد بازی کی انہیں کوئی ضرورت نہیں۔ **ھاں!** ایسا ضعیف آدمی جو اگلے سال تک اور کمزور ہوجائیگا، یا یہ اندیشہ ہو کہ آئندہ رقم خرچ ہوجائیگی یا کم ہوجائے کہ جانا ہی ممکن نہ رہے، تو اس کیلئے رشوت دے کر اپنے نام کو داخل کرانے کی گنجائش ہوسکتی ہے، مگر رشوت لینے والے کیلئے ہر حال میں رشوت لینا حرام ہے۔

(جامع الترمذی:۳/۳۳۵)

مسئلہ (۲۰): اگر کوئی شخص اپنی کچھ رقم ڈاکخانہ یا بینک میں فکس ڈپازٹ کے طور پر رکھے اور چند سالوں کے بعد وہ رقم ڈبل ہوجائے، تو جتنی رقم اس نے جمع کی تھی وہ اتنی ہی رقم کا حقدار ہے اور اس کیلئے اسکا استعمال جائز ہے، البتہ جو رقم زائد ملی اسکا استعمال اپنے کسی مصرف میں جائز نہیں، چہ جائیکہ حج جیسے مقدس فرض کی انجام دہی میں، کیوں کہ یہ تو گناہ بالائے گناہ ہے۔

(الدر مع الرد:۳/۴۰۲)

مسئلہ (۲۱): حج جیسی عظیم عبادت میں مالِ حرام استعمال کرنا انتہائی بری بات ہے، حدیث شریف میں ہے کہ "جب کوئی شخص مالِ حرام سے حج کرتا ہے اور لبیک پکارتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی جواب دیتا ہے، تیرا حاضر ہونا نامبارک ہو، تیرے لئے نیک بختی نہ ہو، تیرا زاد و توشہ حرام ہے، چنانچہ تیرا یہ حج مردود ہے"- تاہم اگر کسی نے مالِ حرام سے حج کرلیا تو فریضۂ حج ساقط ہوجائیگا، کیوں کہ معاصی طاعات کیلئے مانع نہیں ہیں، البتہ ثواب نہیں ملے گا۔ (المعجم الاوسط:۴/۶۶، رقم الحدیث:۵۲۲۸)

مسئلہ (۲۲): اللہ تعالیٰ نے حرام کمائی سے منع فرمایا اور حلال کمائی کا حکم فرمایا ہے، اس لیے حج جیسی عظیم عبادت میں مالِ حرام کا استعمال انتہائی بری بات ہے، اگر کوئی شخص مالِ حرام سے حج کرتا ہے، تو اس کے لبیک پر اللہ کہتا ہے: " **لا لبیک و لا سعدیک ، و حجک هذا مردود علیک** " "تیرا حاضر ہونا نامبارک ہو، اور تیرے لئے نیک بختی نہ ہو، اور تیرا یہ حج مردود ہو"- تاہم اگر کسی نے مالِ حرام سے حج کرلیا، تو فریضۂ حج ساقط ہوجائیگا، کیوں کہ معاصی طاعات کے لیے مانع نہیں ہیں، البتہ ثواب نہیں ملے گا۔ (مجمع الأنہر:۱/۳۸۵)

مسئلہ (۲۳): ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا، اور اس نے حج کے لیے نمبر بھی لگایا، اور اس کو ویزا بھی مل گیا، لیکن حج کو جاتے وقت اس کے پاس پیسے نہیں تھے، ایک آدمی نے دوسرے سے سود پر قرض لے کر اس کو دیا، اور اس شخص نے سود پر قرض

لے لیا، اور حج بھی کرلیا، تو اب اس حاجی کے لیے دوسرے قرض خواہ کو اصل رقم کے ساتھ سودی رقم بھی دینی لازم ہوگی، اس طرح سود پر قرض لینا صحیح نہیں ہے، البتہ حج ادا ہو جائیگا، اور اگر صرف قرض کی رقم دینی لازم ہو، تو اس میں سود کا تحقق نہیں ہوگا، اور قرض لینا صحیح ہوگا، بشرطیکہ ادائے قرض پر قدرت کا غالب گمان ہو۔ (صحیح مسلم:۲/۲۷)

مسئلہ (۲۴): اگر کسی کافر شخص نے کسی مسلمان کو اتنی رقم ہبہ کردی کہ جس سے وہ حج کرسکتا ہے، تو ان پیسوں سے حج کرنا جائز ہے۔ (اعلاء السنن:۱۶/۸۱)

مسئلہ (۲۵): کسی مفلس شخص کو کسی آدمی نے کچھ عطیہ دیا، اس مفلس شخص نے اس عطیہ سے حج کرلیا، بعد میں وہ مالدار ہوگیا، تو اگر اس مفلس شخص نے اس عطیہ سے کئے ہوئے حج سے صرف نفلی حج کی نیت کی تھی، تو یہ حج نفلی ہی ادا ہوگا، اور مالدار ہونے کے بعد اسے دوسرا حج ادا کرنا ہوگا، اور اگر اس نے فرض کی نیت کی تھی، یا صرف حج کی نیت کی تھی، تو فرض حج ساقط ہو جائیگا، مالدار ہونے کے بعد دوبارہ اس پر حج فرض نہیں ہوگا۔ (المبسوط:۴/۱۶۹)

مسئلہ (۲۶): اگر کوئی شخص مشترک کاروبار میں سے بلا اجازت پیسہ لے کر حج کرے، تو دوسرے شریک کے لیے اپنے حصہ کا مطالبہ کرنا درست ہے، کیوں کہ شرکتِ ملک کی صورت میں ہر فریق دوسرے کے حصہ میں تصرف کرنے میں اجنبی ہے، ہاں! اگر اس کی اجازت سے حج کیا ہو، تو فریقِ ثانی کی طرف سے تبرع ہونے کی وجہ سے اُسے مطالبہ کا حق حاصل نہ ہوگا۔
(مجمع الأنہر:۲/۵۴۳)

مسئلہ (۲۷): بعض لوگ عمرہ کا ویزہ لے کر عمرہ کیلئے جاتے ہیں اور وہیں رک جاتے ہیں، پھر حج کر کے واپس آتے ہیں، اس طرح کرنے سے حج تو ادا ہو جائیگا، لیکن قانون کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ (سنن أبی داود:ص۵۰۶)

مسئلہ (۲۸): غلط اور جعلی پاسپورٹ بنا کر حج کرنے سے حج تو ادا ہو جائیگا، مگر غلط اور جھوٹ بول کر جعلی پاسپورٹ بنانے سے جھوٹ و دھوکہ دہی کا گناہ لازم آتا ہے، لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۳/۳۹۹)

مسئلہ (۲۹): حج کے دنوں میں سعودی گورنمنٹ وہاں کام کرنے والوں کو حج کرنے کی اجازت اسی صورت میں دیتی ہے، جبکہ وہ کسی حج گروپ کے ساتھ تأشیرہ (Visa) بنوالے، جس کی فیس تقریباً 1600 ریال ہوتی ہیں، لیکن زیادہ تر لوگ ٹیکسی ڈرائیور یا دوسری پرائیویٹ کار کے ڈرائیور کے ساتھ، 150 یا 200، ریال میں معاملہ طے کرلیتے ہیں، اور یہ ٹیکسی ڈرائیوران کو کسی ایسے راستے سے جہاں چیک پوسٹ نہ ہو، یا ہو مگر ان کے ساتھ ان کی جان پہچان ہے، یا لین دین طے کر کے ان لوگوں کو مکہ مکرمہ پہنچا دیتے ہیں، جو قانونی جرم ہے، اس طرح حج وعمرہ ادا تو ہو جائیگا، مگر ملکی قانون کی خلاف ورزی کرنے کا گناہ لازم ہوگا، کیوں کہ

حاکم کے ایسے حکم کی اطاعت لازم ہے، جس سے حاکمِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم نہ آتی ہو۔ (صحیح البخاری:۲/۱۰۵۷)

مسئلہ (۳۰): اگر کوئی شخص اپنے صوبہ کا حج کوٹہ ختم ہو جانے کی وجہ سے دوسرے صوبہ سے اپنا نام، ولدیت اور سکونت غلط لکھوا کر حج کو جانا چاہے، تو اس کا یہ عمل جائز نہیں ہے، تاہم اگر اس طرح حج کر لیا تو حج ہو جائے گا، البتہ جھوٹ اور غلط بیانی کا گناہ لازم آئے گا۔ (صحیح مسلم:۲/۳۲۵)

مسئلہ (۳۱): کسی بھی شخص کا اپنے آپ کو دوسرے ملک کا باشندہ ظاہر کر کے حج کرنے سے، فریضۂ حج تو ادا ہو جائیگا، لیکن جھوٹ بولنے کا گناہ ہوگا، نیز اس میں قانون کے خلاف ورزی بھی لازم آتی ہے، جس سے اپنی جان و مال کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کریں۔ (صحیح مسلم:۲/۳۲۵)

نوٹ-: حاکم کے ایسے حکم کی اطاعت لازم ہے، جس سے حاکم حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم نہ آتی ہو۔

مسئلہ (۳۲): عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ والدین کی زندگی میں اگر اولاد حج کرے، تو وہ حج نفلی ہوتا ہے، یہ بات بالکل غلط ہے، صحیح بات یہ ہے کہ اگر اولاد اپنے والدین کی حیات میں فرض حج ادا کرے تو وہ فرض ہی ادا ہوگا، نفل نہیں۔
(بدائع الصنائع:۳/۳۹)

مسئلہ (۳۳): بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک والدین کو حج نہیں کرائیں گے خود ان کا حج ادا نہ ہوگا، یہ خیال غلط ہے، جب خود کسی پر حج فرض ہے، تو والدین کو حج کرانے سے اس کا فرض حج ادا نہیں ہوگا، اس کو خود اپنا فرض حج ادا کرنا لازم ہے، البتہ اگر اتنی استطاعت ہو کہ والدین کو بھی اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے، تو والدین کو اپنے ہمراہ لے جائے، اس لیے کہ والدین کو حج کرانا بڑی سعادت کی بات ہے۔ (صحیح البخاری:۱/۷۶)

مسئلہ (۳۴): ہندوستانی حکومت بعض لوگوں کو حجاج کرام کی خدمت کیلئے مکہ مکرمہ بھیجتی ہے، اگر یہ لوگ اپنی مقررہ ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ مناسکِ حج پوری طرح ادا کرلیں تو ان کا فرض حج ادا ہو جائیگا، پھر استطاعت کے بعد دوبارہ ان پر حج فرض نہیں ہوگا، کیوں کہ حج زندگی میں ایک بار ہی فرض ہوتا ہے، اور وہ ان کی طرف سے ادا ہو چکا۔ (بدائع الصنائع:۲/۲۹۱)

مسئلہ (۳۵): حج فرض ہونے کے بعد، وقت ملنے پر بھی بلا عذر شرعی پہلے ہی سال حج کے لیے نہ جانا سخت گناہ ہے، پھر اگر زندگی میں کسی سال ادا کر لے، تو تاخیر کرنے کا گناہ معاف ہو جائیگا، اب وہ گنہگار نہ رہے گا۔ (مشکوٰۃ:ص/۲۲۲)

مسئلہ (۳۶): اگر کوئی عورت مالدار و صاحبِ استطاعت ہو، وہ حج کا ارادہ بھی رکھتی ہو، لیکن اس کا شیر خوار بچہ ہے، جب کہ شوہر بھی صاحبِ استطاعت ہے، اور اس کا کہنا یہ ہے کہ بعد میں حج کر لینا، کیوں کہ بچہ ابھی شیر خوار ہے، اس کو سفر میں

ضرر پہنچ سکتا ہے، تو حج کے لیے یہ کوئی عذر نہیں ہے، کیوں کہ شرعاً اِرضاع وتربیت یعنی بچہ کو دودھ پلوانے اور پرورش کی ذمہ داری شوہر پر واجب ہے، نہ کہ عورت پر، لہٰذا شوہر کے لیے اس عذر کی بناء پر بیوی کو فرض حج سے روکنا جائز نہیں ہے، اور بچہ کو سفر میں ضرر لاحق ہونا مظنون ہے، اور ضرر تسلیم بھی کرلیا جائے، تو بچہ کو کسی مرضعہ یعنی دودھ پلانے والی، اور پرورش کرنے والی کے حوالے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ہاں! اگر بچہ کی جدائیگی انتہائی تکلیف دہ ہو، تو ساتھ لے جائیں۔ (ہدایہ:۲/۴۴۴)

مسئلہ (۳۷): بعض لوگوں پر حج فرض ہو چکا ہوتا ہے مگر وہ اس لیے حج نہیں کرتے کہ گھر میں لڑکے لڑکیاں شادی کے قابل ہو چکی ہیں، ان کی شادیاں وغیرہ سے فارغ ہو جائیں گے پھر حج کرینگے، انکا یہ عمل شرعاً درست نہیں ہے، کیونکہ بچوں کی شادی کرنا ایسا عذر نہیں ہے جس کی وجہ سے فرض حج میں تاخیر یا التواء جائز ہو۔ (سنن الدارمی:۲/۴۵)

مسئلہ (۳۸): ایک شخص حج کو جانا چاہتا ہے، مگر اس کی والدہ یا اس کی بیوی اس سے ناراض ہے، تو اگر والدہ یا بیوی کی ناراضگی کا سبب اس کی ذات ہے، تو اس شخص پر لازم ہے کہ وہ صلح وصفائی کی ہر ممکن کوشش کرے، اور ان کو رضامند و مطمئن کرے، اور اگر ان کی ناراضگی کا سبب سفرِ حج ہے، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، کیوں کہ حدیث شریف میں ہے: " لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" کہ "خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے"، دونوں صورتوں میں حج کی ادائیگی موقوف نہ کرے، بلکہ فرض حج فی الفور ادا کرلے۔ (مشکوٰۃ المصابیح:ص/۳۲۱)

مسئلہ (۳۹): اگر کسی شخص کو حکومت کی طرف سے حج کرنے کی اجازت نہ ہو، تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حج فرض نہیں، اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اس پر حج بدل کرانا فرض ہے، پھر عذر زائل ہو گیا تو دوبارہ خود حج کرے، یہ دونوں قول مصحح ہیں، امام صاحب کا قول گرچہ اوسع ہے، مگر صاحبین کا قول احوط ہونے کے علاوہ اکثر مشائخ کا مختار بھی ہے، لہٰذا اگر حج بدل کرانے کی کوئی صورت ممکن ہو، تو اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ مانع سے پہلے حج فرض نہ ہوا ہو، اگر پہلے سے فرض تھا اس کے بعد عاجز ہو گیا، تو بالاتفاق دوسرے سے حج کرانا فرض ہے۔ (رد المحتار:۳/۴۰۵)

مسئلہ (۴۰): اگر کوئی شخص صاحبِ استطاعت اور مالدار ہو اور حج کا ارادہ بھی رکھتا ہو، مگر اس کے والدا سے منع کرتے ہیں، تو اگر اس کے والد محتاجِ خدمت ہیں، اس لئے روک رہے ہیں تو ان کی رضامندی واجازت کے بغیر حج کو جانا مکروہ ہے، اور اگر محتاجِ خدمت نہیں ہیں پھر بھی منع کررہے ہیں، تو بلا اذن ورضامندی چلے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (البحر الرائق:۲/۵۴۰)

مسئلہ (۴۱): اگر کسی شخص نے حکومتی قانون کے تحت قرعہ اندازی میں داخلہ فارم مع رقم بھر دیا، مگر اس کے نام کا قرعہ نہیں نکلا، تو اس نے حکومت سے مذکورہ رقم واپس لے لی، اور وہ آئندہ سال حج کا مہینہ آنے سے پہلے ہی انتقال کر گیا، تو ایسے

شخص پر زندگی سے مایوس ہونے کی صورت میں وصیت لازم ہوگی، البتہ بلا اختیار تاخیر کی وجہ سے وہ شخص گنہگار نہیں ہوگا۔
(فتح القدر لابن الہمام:۳/۱۳۴)

مسئلہ (۴۲): ایک شخص پر حج فرض ہو گیا لیکن اس نے حج نہیں کیا یہاں تک کہ وہ مر گیا اور وصیت بھی نہیں کی، تو اگر کوئی وارث اس میت کی جانب سے حج بدل کرلے تو امید ہے کہ اس سے مواخذہ نہیں ہوگا، ہاں اگر حج کی وصیت کر گیا ہو اور اتنا مال بھی چھوڑا ہو کہ اس کے ثلث مال سے فریضۂ حج ادا کیا جا سکتا ہو، تو ایسی صورت میں اس کی وصیت کے مطابق اس کی طرف سے حج کرنا ضروری ہے۔ (سنن الدارقطنی:۲/۲۲۹)

مسئلہ (۴۳): اگر کسی شخص پر حج فرض ہوا، اور وہ اسی سال حج کے لیے روانہ ہو گیا، لیکن ارکان مکمل ہونے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا، تو اب اس کے ذمہ سے فرض حج ساقط ہو جائے گا، اور اس پر حج بدل کی وصیت کرنا واجب نہیں، لیکن اگر تاخیر سے حج کے لیے گیا تھا، یعنی جس سال حج فرض ہوا اسی سال نہیں گیا تھا، اور ارکانِ حج ادا نہ کر سکا، تو اس کیلئے حج بدل کی وصیت واجب ہے، اس کے ذمہ سے فرض حج ساقط نہیں ہوگا۔ (البحر العمیق:۴/۲۳۵۱، کتاب التجنیس والمزید:۲/۴۸۹)

مسئلہ (۴۴): وہ اعذار جن کی بناء پر حج کو ملتوی کیا جا سکتا ہے یہ ہیں:

ایسا مرض جس کی وجہ سے سفر نہ ہو سکے، یا شدید تکلیف کا اندیشہ ہو، راستہ میں کوئی رکاوٹ ہو، جیسے قیدی اور وہ شخص جس کو حاکم یا سلطان نے حج سے روک رکھا ہو، راستہ کا پرامن نہ ہونا، عورت کے لیے محرم یا شوہر کا نہ ہونا، عورت کا عدت میں ہونا، اہل وعیال کے نان ونفقہ کا پوری طرح انتظام نہ ہونا، والدین بیمار ہوں اور خدمت کے محتاج ہوں۔ (الفقہ المیسر:ص/۲۶۰)

مسئلہ (۴۵): اگر کوئی شخص مقروض ہو اور قرض خواہ اپنے قرض کا مطالبہ نہ کر رہا ہو تو اس کے لیے حج کرنا صحیح ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے قرض ادا کرے پھر حج ادا کرے، کیونکہ قرض حقوق العباد میں سے ہے جس کی بڑی اہمیت ہے، انتظام ہوتے ہوئے قرض ادا نہ کرنا سنگین گناہ ہے۔ (ہندیہ:۱/۲۲۱)

مسئلہ (۴۶): اگر کوئی شخص مالدار اور صاحبِ استطاعت تھا، اور اس پر حج بھی فرض ہو گیا، مگر کسی بیماری کے لاحق ہونے کی وجہ سے وہ یہ نیت کرے کہ میں یہ پیسہ کسی اور نیک کام میں خرچ کروں گا، اور حج نہیں کروں گا، تو اس کا یہ عمل شرعاً درست نہیں ہے، بلکہ مرض کے صحیح ہونے پر آئندہ سال حج کرے، اور اگر بیماری ایسی ہو کہ اس سے افاقہ کی امید بالکل نہ ہو، تو ایسی صورت میں کسی دوسرے کو حجِ بدل کرانا لازم ہے۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ:۲/۱۴۶)

مسئلہ (۴۷): بعض جاہل لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی

سات برس تک زیارت کر لینے سے حج ساقط ہو جاتا ہے، یہ سراسر باطل اور خطرناک گمراہی ہے، کیونکہ حج پوری دنیا میں صرف ایک ہی جگہ مکہ مکرمہ میں سال میں ایک ہی مقررہ وقت پر ماہِ ذی الحجہ میں ادا کیا جاتا ہے، کسی دوسری جگہ اصل حج تو درکنار اس کی نقل کرنا بھی حرام ہے، حضرت خواجہ صاحب کے مزار کی زیارت کو حج کے قائمِ مقام سمجھنا بالکل لا دینی اور مشرکانہ ذہنیت وخیالات کی پیداوار ہے۔ (تفسیر المظہری:۲/۶۵)

مسئلہ (۴۸): اگر عورت پر حج فرض ہو چکا ہو، اور اس کے ساتھ جانے کیلئے کسی قابلِ اعتماد محرم کا انتظام بھی ہو، تو شوہر اسے سفرِ حج سے منع نہیں کر سکتا، لیکن اگر نفلی حج ہو تو شوہر کو منع کرنے کا حق ہے۔ (المبسوط:۴/۱۲۳)

مسئلہ (۴۹): عورت کیلئے سفرِ حج میں محرم کا ہونا شرط ہے، محرم نہ ہو تو اس پر حج کی ادائیگی فرض نہیں، اگرچہ اس عورت کے ساتھ خاندان کی عورتیں ہی کیوں نہ ہو۔ (اعلاء السنن:۱۰/۱۲)

مسئلہ (۵۰): اگر کوئی عورت بغیر محرم کے دور دراز کا سفر کر کے حج کرنے جائے، اور تمام ارکان ادا کر لے، تو اگرچہ وہ مکروہِ تحریمی کے ارتکاب کی وجہ سے سخت گنہگار ہوگی، کیوں کہ عورت کا محرم کے ساتھ سفرِ حج پر جانا ضروری ہے، لیکن اس کا حج فرض ادا ہو جائیگا، کیوں کہ معاصی طاعات کیلئے مانع نہیں ہوتی ہیں۔ (صحیح مسلم:۱/۴۳۳)

مسئلہ (۵۱): بسا اوقات میاں بیوی، دونوں حج کا فارم بھرتے ہیں، اور قرعہ اندازی میں اُن کا نام بھی آجاتا ہے، پھر اچانک شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے، اور بیوی پر عدتِ وفات لازم ہو جاتی ہے، اب اعزاء واقارب عورت کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ پھر دوبارہ نام نکلے یا نہ نکلے، اور آئندہ سال تک زندگی وفا کرے یا نہ کرے، اِس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ اِسی سال فلاں فلاں عزیز وقریب کے ساتھ سفرِ حج کر لو، اُن کا یہ مشورہ درست نہیں ہے، کیوں کہ اِس میں دو شرعی خرابیاں ہیں:

(۱) عورت کا عدت کے زمانے میں سفر کرنا، (۲) ہر عزیز وقریب کے محرم نہ ہونے کی وجہ سے غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا۔

ہاں! اگر سفر سے پہلے عدتِ وفات پوری ہو جائے، اور سفر میں کوئی محرم یعنی ایسا شخص جس کے ساتھ اِس عورت کا نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو، ساتھ ہو، تو پھر اُن کا یہ مشورہ درست ہے، اور اِس صورت میں عورت کو حج کر لینا چاہیے۔

(البحر الرائق:۲/۵۳۹، غنیۃ الناسک:ص/۳۵)

مسئلہ (۵۲): میاں بیوی نے حج کیلئے فارم بھر دیا، دونوں کے نام نکل آئے، لیکن حج کی ادائیگی کیلئے روانہ ہونے سے کچھ دن پہلے شوہر کا انتقال ہو گیا، تو اب یہ عورت اپنے کسی اور محرم کے ساتھ حج کیلئے نہیں جا سکتی ہے، کیوں کہ وہ عدت میں ہے اور زمانۂ عدت میں عورت کے لیے سفرِ حج کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (ہندیہ:۱/۲۱۹)

مسئلہ (۵۳): داماد اپنی ساس کیلئے محرم ہے، اس لیے ساس کا اپنے داماد کے ساتھ سفرِ حج کرنا جائز ہے، لیکن اگر ساس جوان ہے، عمر میں زیادہ تفاوت نہیں ہے، اور داماد یا ساس کے اخلاق وعادات قابل اطمینان نہیں ہیں، اور فتنہ کا اندیشہ ہے، تو ایسی صورت میں ساس کا داماد کے ساتھ سفرِ حج کرنا مناسب نہیں ہے۔ (فتح القدیر:۲/ ۴۲۸)

مسئلہ (۵۴): عورت کے ساتھ جانے والا محرم ایسا ہونا چاہیے جو خود ثقہ اور پاکباز ہو، اگر عورت مامون نہ ہو، یا اس محرم کے ساتھ جانے میں فتنہ کا اندیشہ ہو، تو اس کے ساتھ حج کو جانا عورت کے لیے جائز نہ ہوگا۔ (البحر الرائق:۲/ ۵۵۲)

مسئلہ (۵۵): اگر میاں بیوی ساتھ میں حج یا عمرہ کرنے جائیں، اور مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد حج یا عمرہ کے ارکان ادا کرنے سے پہلے شوہر کا انتقال ہو جائے، تو باتفاق ائمہ ثلاثہ اس عورت کے لیے بلا محرم عدت کی حالت میں حج یا عمرہ کے ارکان ادا کر کے تکمیلِ حج یا عمرہ کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ (بدائع الصنائع:۳/ ۵۴-۵۷)

مسئلہ (۵۶): بعض لوگ اپنی بیوی کے ساتھ اس کی بہن یعنی اپنی سالی کو سفرِ حج یا عمرہ پر لے جاتے ہیں، اور اپنے آپ کو اس کا محرم خیال کرتے ہیں، جب کہ وہ شرعاً محرم نہیں ہیں، کیوں کہ محرم شرعی ایسا شخص ہے جس کا نکاح عورت کے ساتھ ہمیشہ کیلئے حرام ہو، حالانکہ سالی ہمیشہ کیلئے حرام نہیں ہے، اس لیے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیدے، یا بیوی کا انتقال ہو جائے، تو اس کیلئے اپنی سالی سے نکاح کرنا جائز ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ بہنوئی سالی کیلئے محرم نہیں ہے، لہٰذا سالی کا اپنے بہنوئی کے ساتھ حج وعمرہ کا سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ (صحیح مسلم:۱/ ۴۳۳)

مسئلہ (۵۷): کسی عورت کا تنہا حج یا عمرہ کے گروپ کے ساتھ سفرِ حج یا عمرہ کرنا جائز نہیں ہے، اگر شوہر یا اور کوئی محرم نہ ہو، اور مُراہق یعنی قریب البلوغ لڑکا ہو، جو عاقل بھی ہو، تو اس کے ساتھ سفر کرنے کی گنجائش ہے۔ (اعلاء السنن:۱۰/ ۱۵، المبسوط للسرخسی:۴/ ۱۲۲)

مسئلہ (۵۸): بعض ٹور آپریٹر بڑی بوڑھی عورتوں کا کسی بھی حاجی کو محرم بتلا کر حج کے لیے لے جاتے ہیں، ان کا یہ عمل اور اُن بڑی بوڑھی عورتوں کا بغیر محرم حج کے لیے جانا، دونوں ناجائز اور غیر شرعی ہیں، کیوں کہ کسی کو بھی محرم بتلانا جھوٹ اور دھوکہ دہی ہے، اور عورت کا (خواہ وہ بوڑھی ہو) بلا محرم حج کے لیے جانا گناہ ہے، اگر چہ اس صورت میں فریضۂ حج کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا ہو جائیگا۔ (صحیح البخاری:۱/ ۱۰)

مسئلہ (۵۹): عورت حج تطوع یعنی نفل حج کے لیے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نہیں جاسکتی ہے، اگر چہ اس کے ساتھ محرم موجود ہو۔ (بدائع الصنائع:۲/ ۳۰۰)

مسئلہ (۶۰): جب عورت پر حج فرض ہو چکا ہے، اور اس کے ساتھ جانے والا محرم شخص بھی موجود ہے، تو شوہر کی اجازت

کے بغیر بھی وہ حج کو جاسکتی ہے۔ (بدائع الصنائع:۲/۳۰۰)

مسئلہ (۶۱): اگر چند عمر رسیدہ خواتین اپنا ایک گروپ بنا کر بغیر محرم کے حجِ بیت اللہ کے لیے جائیں، تو ان کا حج کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گا، البتہ محرم ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے وہ سب گنہگار رہوں گی۔ (مجمع الأنہر:۱/۳۸۶)

مسئلہ (۶۲): اگر کوئی شخص مقروض ہو اور قرض خواہ اپنے قرض کا مطالبہ نہ کر رہا ہو تو اس کے لیے حج کرنا صحیح ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے قرض ادا کرے پھر حج ادا کرے، کیونکہ قرض حقوق العباد میں سے ہے جس کی بڑی اہمیت ہے، انتظام ہوتے ہوئے قرض ادا نہ کرنا سنگین گناہ ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۲۲۱)

مسئلہ (۶۳): آج کل احرام کیلئے سفید رنگ کو ضروری سمجھا جاتا ہے، یہ غلط ہے، بلکہ دوسرے رنگ کا احرام بھی باندھا جاسکتا ہے، البتہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ احرام سفید رنگ کا ہو۔ (التنویر مع الدر والرد:۳/۴۳۲)

مسئلہ (۶۴): احرام کے لیے سفید کپڑا ہونا افضل اور مستحب ہے، ورنہ سیاہ وغیرہ رنگ کے کپڑے، جن میں خوشبو نہ ہو، جائز ہیں۔ (مراقی الفلاح:ص/۲۶۶)

مسئلہ (۶۵): بعض لوگ حاجیوں کے گھر ہی سے احرام پہننے کو برا خیال کرتے ہیں، اُن کا یہ خیال درست نہیں ہے، کیوں کہ حاجیوں کا اپنے گھروں سے احرام باندھ کر نکلنا مستحب ہے، بشرطیکہ احرام کی جنایات میں مبتلا ہونے کا خوف نہ ہو، اور اگر احرام کی جنایات میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو حاجیوں کا اپنے گھروں سے احرام باندھ کر نکلنا مکروہ ہے۔

(إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری:ص/۱۲۹)

مسئلہ (۶۶): اگر کوئی شخص بقصد حج یا عمرہ حرم مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس پر آخری میقات پر پہنچ کر احرام باندھنا واجب ہے، اور اگر حج یا عمرہ کا قصد نہیں، تب بھی میقات سے گزرنے پر احرام باندھنا اور عمرہ کرنا واجب ہے۔

(المصنف لإبن أبی شیبۃ:۸/۴۰۲، رقم الحدیث:۱۵۷۰۲)

مسئلہ (۶۷): اگر کوئی آفاقی یعنی غیر باشندۂ مکہ، بغیر احرام کے حرم شریف میں داخل ہو کر احرام باندھے، اور اسی احرام سے حج کرے، تو اس کا حج ادا ہو جائیگا، مگر اس پر حقِ میقات کو ترک کرنے کی وجہ سے دم یعنی ایک جانور ذبح کرنا لازم ہوگا۔

(کتاب المبسوط:۴/۱۸۷)

مسئلہ (۶۸): حالتِ احرام میں بغیر سلی ہوئیں دو چادروں کا پہننا درست ہے، اور کرتہ، پائجامہ، شیروانی، صدری اور بنیان وغیرہ پہننا ممنوع ہیں، نیز جو کپڑا سلا ہوا ہو، اس کا پہننا بھی جائز نہیں ہے، اسی طرح حالتِ احرام میں ان اشیاء کا استعمال کرنا جو زینت کے لیے ہیں ممنوع ہے۔ (فتح الباری:۳/۴۹۲)

مسئلہ (۶۹): احرام کھولنے کے لیےشوہر اپنی بیوی کے اور باپ اپنی بیٹی کے بال کاٹ سکتا ہے،عورتیں یہ کام خود بھی کرلیا کرتی ہیں۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ:۲۰۲/۳۶)

مسئلہ (۷۰): اگر کوئی شخص حج کرنے گیا، تمام ارکان ادا کئے، لیکن اس نے حلق یعنی سر منڈانے کو چھوڑ دیا، تو اب اس پر دم واجب ہوگا، اس لئے کہ حلق کرنا واجب ہے، اور واجباتِ حج میں سے کسی واجب کو ترک کردینے سے دم لازم آتا ہے۔
(الموسوعۃ الفقہیۃ:۱۷/ ۵۷-۷۹)

مسئلہ (۷۱): حج یا عمرہ کرنے والے حضرات حلق سے پہلے کے تمام ارکان سے فارغ ہو چکے ہوں، اور اب صرف حلق ہی باقی ہو، تو اس وقت ایک محرم اپنا حلق کرانے سے پہلے دوسرے محرم کا حلق کرسکتا ہے۔ (غنیۃ المناسک:ص/۹۳، المناسک لملا علی القاری:ص/۲۳۰)

مسئلہ (۷۲): جو شخص عمرہ کے احرام سے حلال ہونے کے لیے دو چار جگہ سے تھوڑے تھوڑے بال کٹوائے اور وہ چوتھائی سر کی مقدار کو نہیں پہنچتے ہیں، تو وہ اپنے احرام سے اس وقت تک حلال نہیں ہوگا، جب تک کہ کم از کم چوتھائی سر کے برابر مقدارِ انملہ (پور) بال نہ کٹائیگا، اس درمیان جتنے بھی ممنوعاتِ احرام کا ارتکاب کرے گا، اسی اعتبار سے دم، صدقہ، یا جزا لازم ہوگی۔
(المبسوط للسرخسی:۴/ ۷۹)

مسئلہ (۷۳): خوشبودار چیز کا استعمال دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ پکائے جانے والے کھانے میں ملا کر استعمال کی جاتی ہوگی، یا اس کے بغیر استعمال کی جاتی ہوگی، اگر پکائے جانے والے کھانے میں ملا کر استعمال ہو، تو وہ غالب ہو یا مغلوب دم لازم نہیں آئے گا، اور اگر پکائے جانے والے کھانے کے بغیر استعمال ہو، تو اس کے غالب ہونے کی صورت میں دم لازم آئے گا، مغلوب ہونے کی صورت میں نہیں، البتہ حالتِ احرام میں پان وتمباکو کے استعمال سے اجتناب کرے، کیوں کہ اس کا استعمال بہرحال کراہت سے خالی نہیں۔ (ردالمحتار:۳/ ۵۱۰)

مسئلہ (۷۴): بحالت احرام گردن اور کانوں پر کپڑا ڈالنے میں کوئی حرج نہیں، پیشانی ڈھانکنا جائز نہیں، البتہ بوقتِ ضرورت جائز ہے، مگر جزا بہرحال لازم ہوگی، جس کی تفصیل یہ ہے کہ بلا عذر چہرہ یا سر کا چوتھائی حصہ یا چوتھائی سے زیادہ ایک دن یا ایک رات ڈھانکا تو دم واجب ہے، اور چوتھائی سے کم یا ایک دن یا ایک رات سے کم ڈھانکا، تو نصف صاع صدقہ واجب ہے، اور اگر عذر کی بنا پر ڈھانکا، تو پہلی صورت میں اختیار ہے کہ دم دے، یا تین صاع چھ مساکین پر صدقہ کرے، یا تین روزے رکھے، اور دوسری صورت میں نصف صاع ایک مسکین کو صدقہ دے، یا ایک دن کا روزہ رکھے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/ ۲۴۲)

مسئلہ (۷۵): بحالت احرام ستر کھلنے کے اندیشہ سے سلی ہوئی تہبند یعنی لنگی وغیرہ پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، البتہ بلا

ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (المبسوط:۴/۱۴۰)

مسئلہ (۷۶): حالتِ احرام میں بنیان اور نیکر (جانگیا/ چڈی) کا پہننا جائز نہیں ہے، اور اگر کسی نے پہن لیا، تو اس پر جزا واجب ہوگی۔ (ردالمحتار:۳/۵۰۹)

مسئلہ (۷۷): اگر عورت حالتِ احرام میں اپنا چہرہ چھپالے، اور کپڑا منہ پر ڈال لے، تو اگر ایک دن یا ایک رات اسی حالت میں رہی، تو اس پر دم واجب ہے، اور اگر ایک دن سے کم اس حالت میں رہی، تو صدقہ واجب ہے، اور صدقہ کی مقدار نصف صاع یعنی ایک کلو ۶۳۶ گرام، احتیاطاً پونے دو کلو گیہوں ہے، البتہ حج وعمرہ میں کچھ فرق نہیں پڑیگا۔

(اللباب فی شرح الکتاب:۱/۱۷۶، البحر الرائق:۲/۶۲۲)

مسئلہ (۷۸): حالت احرام میں محرم کیلئے چہرے پر ''ماسک'' وغیرہ پہننا درست نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس کے باوجود پہن لے، تو اگر ایک دن یا ایک رات مکمل ماسک پہنا رہا، تو اس پر دم یعنی ایک بکری کا ذبح کرنا لازم ہوگا، اور اگر ایک دن سے کم پہنا رہے تو نصف صاع یعنی ایک کلو پانچ سو نوے گرام گیہوں کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ (اللباب فی شرح الکتاب:ص/۱۸۱،۱۸۲)

مسئلہ (۷۹): عورت کا چہرہ ستر میں داخل ہے، البتہ حالتِ احرام میں عورت کے لیے چہرہ کو ڈھانپنا جائز نہیں ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ احرام کی حالت میں عورت کو پردہ کی چھوٹ ہوگئی، بلکہ جہاں تک ہوسکے پردہ ضروری ہے، یا تو سر پر چھجا یعنی ہیٹ/ ٹوپ سا لگالے، اور اس کے اوپر سے کپڑا اس طرح ڈال لے کہ پردہ ہوجائے، اور چہرہ چھپ جائے، یا عورت اپنے ہاتھ میں پنکھا وغیرہ رکھے، اور جہاں کہیں مردوں کا سامنا ہو، اسے چہرہ کے آگے کرلیا کرے، جہاں تک ہوسکے پردے کا پورا اہتمام کرے، اور جو بس سے باہر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائیں گے۔ (اعلاء السنن:۵/۵۳)

مسئلہ (۸۰): اگر کوئی شخص بحالتِ احرام مکمل بند چپل پہن لے، جو کہ قدم کے بیچ میں ابھری ہوئی ہڈی کو چھپالے، تو گنہگار ہوگا، اگر ایسا جوتا، موزہ یا چپل ایک دن یا ایک رات پہنے رہا، تو اس پر دم واجب ہے، اور اگر اس سے کم وقت تک پہنے رہا، تو صدقۂ فطر کے بقدر صدقہ واجب ہے۔ (اللباب فی شرح الکتاب:۱/۱۶۷)

مسئلہ (۸۱): اگر منجن یا ٹوتھ پیسٹ میں لونگ، کافور، الائچی، یا خوشبودار چیزیں ڈالی گئی ہوں، اور وہ پکی ہوئی نہ ہوں، اور مقدار کے اعتبار سے خوشبودار چیز مغلوب ہو، تو ایسے منجن یا ٹوتھ پیسٹ کا استعمال احرام کی حالت میں مکروہ ہوگا، مگر صدقہ واجب نہ ہوگا، اور اگر خوشبودار چیز غالب ہو، تو دم واجب ہوگا۔ (صحیح البخاری:ص/۲۰۷۶، رقم الحدیث:۱۵۳۶)

مسئلہ (۸۲): اگر کوئی شخص حج کا احرام باندھے اور مکہ مکرمہ جا کر افعالِ عمرہ ادا کر کے حج کے احرام کو کھول دے، پھر

آٹھویں ذی الحجہ کو مسجد حرام سے حج کا احرام باندھ کر حج کرلے، تو اس کا یہ عمل جمہور فقہاء کی رائے میں درست نہیں ہے۔
(السنن لأبی داود: ص/۲۵۲)

مسئلہ (۸۳): بعض حجاج کرام احرام کے پہنتے ہی اضطباع یعنی احرام کی چادر کو دائیں بغل سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈال لیتے ہیں، جبکہ عام حالات میں اضطباع نہیں کرنا چاہیے، خاص طور سے نماز کے دوران، کیوں کہ نماز کے دوران مونڈھے کا کھلا رکھنا مکروہ ہے، اضطباع صرف اس طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی ہو، البتہ طوافِ زیارت کے بعد اگر سعی کرنی ہو اور احرام کے کپڑے اتار دیئے ہوں، تو اس میں اضطباع نہیں ہوگا۔ (ابوداود: ص/۲۵۹)

مسئلہ (۸۴): اگر کوئی شخص بلا وضو طوافِ زیارت ادا کرے، تو اس پر دم لازم ہوگا، اور اگر وہ ایام نحر میں یا اس کے بعد طواف کا اعادہ کرلے، تو دم معاف ہوجائیگا۔ (البحر الرائق: ۳/۳۲)

مسئلہ (۸۵): طوافِ زیارت ارکانِ حج میں سے ایک رکن ہے، اگر عورت حالتِ حیض میں ہو، تو طواف زیارت نہ کرے، طہارت کے بعد طوافِ زیارت کرلے، اور اگر گھر لوٹ گئی ہے، تو وہ حلال نہیں ہوئی، اسی احرام کے ساتھ آکر طوافِ زیارت کرے۔ (بدائع الصنائع: ۲/ ۳۰۷)

مسئلہ (۸۶): آفاقی پر طوافِ صدر، یعنی طوافِ وداع واجب ہے، اگر وہ طوافِ وداع چھوڑ دے تو اس پر دم لازم ہوگا۔
(المبسوط: ۴/ ۴۱-۴۷، بدائع الصنائع: ۳/ ۱۰۳)

مسئلہ (۸۷): دعا زبانی پڑھنا اولیٰ ہے، اور کتاب میں دیکھ کر پڑھنا خشوع وخضوع میں مخل ہے، جب کہ دعا میں خشوع وخضوع مقصود ہے، اسی لئے امام محمد حج میں دعاؤں کو متعین کرنے کے قائل نہیں ہیں، کیوں کہ تعیین سے رقتِ قلب ختم ہوجاتی ہے۔ (مجمع الأنہر: ۱/ ۳۹۹)

مسئلہ (۸۸): دورانِ طواف بلند آواز سے کسی بھی قسم کا ذکر، تلاوتِ قرآن اور دعا وغیرہ کا پڑھنا، جس سے دوسروں کو تشویش یا ایذا ہو، مکروہ ہے، لہٰذا پست آواز سے زیرِ لب دعا وغیرہ میں مشغول رہنا ہی بہتر ہے۔ (غنیۃ الناسک: ص/ ۶۵)

مسئلہ (۸۹): اگر طواف کے دوران کسی وجہ سے حجرِ اسود کو بوسہ نہ دیا، تو طواف ہوجائے گا، اس لئے کہ بوسہ دینا سنت ہے، اگر تقبیل پر قادر نہ ہو تو استلام بالید کرلے، اور اگر اس سے بھی عاجز ہو، تو کسی اور شئ سے حجرِ اسود کو استلام کرکے اس شئ کو بوسہ دے دے، اور اگر کوئی چیز نہ ہو، تو ہتھیلی سے اشارہ کرے اور اس کو بوسہ دیدے۔ (فتح الباری: ۳/ ۵۸۲)

مسئلہ (۹۰): حجر اسود کو ہاتھ لگانا اور چومنا اس وقت مسنون ہے جب کسی کو تکلیف نہ ہو، کسی مسلمان کو سنت کی وجہ سے

تکلیف دینا حرام ہے، اس لیے دھکے دے کر استلام نہ کرے بلکہ ایسے وقت صرف دونوں ہاتھ حجر اسود کو لگائے اور ہاتھوں کو چوم لے، اور اگر ایک ہاتھ لگائے تو داہنا ہاتھ لگائے، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کسی لکڑی وغیرہ سے کانوں تک چھوئے اور اس لکڑی کو بوسہ دے، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر دونوں ہتھیلیوں کی حجر اسود کی طرف اس طرح کرے کہ ہتھیلیوں کی پشت اپنے چہرے کی طرف رہے اور یہ نیت کرے کہ حجر اسود پر رکھی ہیں، اور تکبیر و تہلیل کہے اور ہتھیلیوں کو بوسہ دیدے۔
(بدائع الصنائع: ۲/۳۴۲)

مسئلہ (۹۱): حجرِ اسود کو بوسہ دینا سنت ہے، اور دوسروں کو تکلیف دینا حرام ہے، اور ترکِ حرام اولیٰ ہے اتیانِ سنت یعنی سنت کو بجالانے سے، اس لئے بوسہ دینے کے لیے دھکا مکی کر کے اژدحام یعنی بھیڑ میں داخل ہونا فعلِ حرام ہے۔ (بدائع الصنائع: ۲/۳۴۰)

مسئلہ (۹۲): رکنِ یمانی کا استلام مستحب ہے، اس کو بوسہ نہیں لیں گے بلکہ صرف استلام پر اکتفا کیا جائیگا، اگر حجاج یا معتمرین استلام نہ کر پائیں، تو ہاتھ سے اشارہ نہیں کریں گے۔ (فتاوی قاضی خان: ۱/۱۳۹)

مسئلہ (۹۳): بعض حجاج کرام دورانِ طواف رکنِ یمانی کو بوسہ دیتے ہیں، جب کہ صحیح قول کے مطابق رکنِ یمانی کو صرف ہاتھ لگانا ثابت ہے، بوسہ لینا خلافِ سنت ہے۔ (التنویر و شرحہ مع الشامیۃ: ۳/۵۱۱)

مسئلہ (۹۴): دوگانۂ طواف واجب ہے، اگر حجاج اور معتمرین دوگانۂ طواف بھول کر گھر آجائیں اور گھر پر ادا کرلیں، تو ادا ہو جائیگا۔ (فتاوی قاضیخان: ۱/۱۳۹)

مسئلہ (۹۴): اگر کوئی شخص طواف کے بعد دو رکعت پڑھنا بھول جائے اور دوسرا طواف شروع کردے تب یاد آئے، تو اگر ایک چکر پورا نہیں ہوا تھا، تو اس کو چھوڑ کر دو رکعت پڑھ لے، اور اگر ایک چکر پورا ہونے کے بعد یاد آئے تو یہ طواف پورا کر لے، اس کے بعد دو رکعت پہلے طواف کے لیے اور دو رکعت دوسرے طواف کے لیے پڑھے۔ (منحۃ الخالق علی البحر: ۲/۵۸۰)

مسئلہ (۹۵): بعض حجاجِ کرام مسلسل چند طواف کرتے ہیں اور پھر ہر طواف کی دو رکعت، ایک ساتھ دو دو رکعت کر کے پڑھتے ہیں، ان کا یہ عمل مکروہ ہے، کیوں کہ سنت یہ ہے کہ ہر ایک طواف کے بعد دو رکعت پڑھی جائے، البتہ جن اوقات میں نماز کا پڑھنا مکروہ ہے، ان اوقات میں مسلسل طواف کرنا، پھر بعد میں ہر طواف کے لیے دو دو رکعت پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔
(منحۃ الخالق علی البحر: ۲/۵۸۰)

مسئلہ (۹۶): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اوقاتِ مکروہہ میں جس طرح نماز پڑھنا درست نہیں، ایسے ہی طواف کرنا بھی درست نہیں ہے، اُن کا یہ خیال درست نہیں ہے، صحیح بات یہ ہے کہ اوقاتِ مکروہہ میں طواف کرنا جائز و درست ہے، لیکن دوگانۂ طواف یعنی طواف کی دو رکعت مکروہ وقت کے ختم ہو جانے کے بعد پڑھے، مثلاً نماز فجر کے بعد طواف کرے تو طلوع

آفتاب کے تقریباً بیس منٹ بعد دوگانۂ طواف ادا کرے، اور اگر زوال کے وقت طواف کرے، تو بعد زوال دوگانہ ادا کرے، اور اگر عصر کے بعد طواف کرے تو مغرب کے فرض کے بعد سنتوں سے پہلے دوگانۂ طواف ادا کرے۔ (إرشاد الساري:ص/۲۱۹)

مسئلہ (۹۷): اگر کوئی شخص دوگانۂ طواف کو اوقاتِ مکروہہ میں ادا کرنا چاہے، تو نہیں ادا کرسکتا، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اوقاتِ مکروہہ میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اس کے لیے وقتِ مباح کا ہونا ضروری ہے، اگر حجاج و معتمرین فجر اور عصر کے بعد طواف کریں، تو وقتِ مکروہ کے نکلنے کا انتظار کریں، جب وقتِ مکروہ نکل جائے، تو دوگانۂ طواف ادا کرلیں، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہی عمل تھا۔ (صحیح البخاري:۱/۸۲)

مسئلہ (۹۸): صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے، اگر کسی شخص کی سعی چھوٹ جائے تو اس کا حج ادا ہوجائیگا، البتہ اس کی جزا یعنی ایک بکری ذبح کرنا لازم ہوگی۔ (صحیح البخاري:۱/۲۲۳)

مسئلہ (۹۹): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ بحالت طواف یا صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے بذریعہ موبائل گفتگو کرنا، یا کسی کے کال کا جواب دینا درست نہیں ہے، جب کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے، کیوں کہ موبائل پر ضروری گفتگو کرنے سے طواف یا سعی میں کوئی خرابی نہیں آتی ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ بلاضرورت کسی طرح کی گفتگو نہ کرے، اور طواف و سعی کے درمیان ذکر و اذکار میں مشغول رہے۔ (المصنف لإبن أبي شیبة:۸/۶۴)

مسئلہ (۱۰۰): بعض حجاج کرام عرفات کی حدود سے سورج غروب ہونے سے پہلے ہی اژدہام کے اندیشہ سے نکل جاتے ہیں، جب کہ سورج غروب ہونے تک عرفات میں رہنا واجب ہے، اگر کوئی شخص سورج غروب ہونے سے پہلے عرفات سے نکل گیا، تو اس پر دم واجب ہوگا۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۲۲۹)

مسئلہ (۱۰۱): اگر کوئی شخص مزدلفہ میں مقررہ وقت میں کسی قدرتی عذر کی وجہ سے نہیں ٹھہرا، تو اس پر کوئی دم واجب نہیں، اور اگر کسی قدرتی عذر کی وجہ سے نہیں بلکہ مخلوق کی طرف سے کسی رکاوٹ کی وجہ سے یا عمداً ایسا کیا ہے، تو اس پر دم واجب ہے۔
(صحیح البخاري:۱/۲۲۷)

مسئلہ (۱۰۲): مزدلفہ میں عشاء و مغرب کے مابین سنن و نوافل نہیں پڑھ سکتے، ان دونوں نمازوں کی سنن اور وتر کو عشا کی نماز کے بعد پڑھیں، اور اگر درمیان میں پڑھ لی گئیں تو اقامت کا اعادہ کرلیں۔ (صحیح مسلم:۱/۴۱۷)

مسئلہ (۱۰۳): مقامِ مزدلفہ میں مغرب و عشا میں ترتیب بین الصلوٰتین واجب ہے، پس اگر عشا کو مغرب سے پہلے پڑھ لیا، تو مغرب کے بعد عشا کو لوٹائے، لیکن اگر عشا کو نہیں لوٹایا یہاں تک کہ فجر طلوع ہوگئی، تو عشا جواز کی طرف لوٹ آئیگی،

اوران دونوں نمازوں کی سنتوں اور وتر کو دونوں نمازیں پڑھنے کے بعد پڑھیں۔ (ردالمحتار:۳/۴۶۵، کتاب الحج)

مسئلہ (۱۰۴): حج تمتع یا قِران میں جو جانور منیٰ میں ذبح کیا جاتا ہے اُسے ''دمِ شکر'' کہتے ہیں اور وہ عید کی قربانی سے الگ واجب ہے، مگر حاجی پر سفر کی وجہ سے عید کی قربانی واجب نہیں، البتہ اگر کوئی ۸؍ذی الحجہ سے کم از کم ۱۵؍روز قبل مکہ مکرمہ میں آ کر رہا تو وہ مقیم ہوگیا، اس لیے قربانی کے دنوں میں اگر وہ صاحبِ نصاب ہو، تو اس پر ''دمِ شکر'' کے علاوہ عید کی قربانی بھی واجب ہے، خواہ منیٰ میں ذبح کرے یا اپنے وطن میں کرائے۔ (ردالمحتار:۳/۵۳۴)

مسئلہ (۱۰۵): حج تمتع کرنے والا شخص اگر ایام نحر میں قربانی نہ دے، تو اس پر دو دم لازم ہوں گے، اور وہ دو دم یہ ہیں: (۱) دمِ تمتع، (۲) ذبح کرنے سے پہلے حلال ہونے کا دم، اور دونوں قربانیاں مکہ مکرمہ ہی میں کرنی ہوں گی۔ (البحرالرائق:۲/۶۳۴)

مسئلہ (۱۰۶): منیٰ میں قربانی کرنے سے قبل اگر کسی کی رقم چوری ہوگئی، یا ختم ہوگئی اور اب وہ قربانی کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے، تو اگر اس پر قربانی واجب ہو، اور وہ روزہ رکھ سکتا ہو، اور یہ واقعہ ۷؍ذی الحجہ سے پہلے پیش آیا ہو، تو اسے چاہیے کہ سات، آٹھ اور نویں ذی الحجہ کو روزہ رکھ لے، اور تیرہ ذی الحجہ کے بعد پھر باقی سات روزے پورے کر لے، تو یہ دس روزے قربانی کا بدل ہو جائیں گے، اور اگر یہ واقعہ مذکورہ تین ایام گذرنے کے بعد پیش آیا، تو اب دم دینا لازم ہوگا، روزے کافی نہ ہونگے۔ (سورۃ البقرۃ:۱۱۶)

مسئلہ (۱۰۷): قارن کے لیے دمِ قِران واجب ہے، پھر اگر وہاں پہنچ کر مقیم ہو جائے، اور اس کے پاس حج کے اخراجات کے علاوہ نصاب کے برابر زائد رقم موجود ہے، تو اس پر قربانی کرنا لازم ہوگا۔ (فتاوی ہندیہ:۵/۲۹۲)

مسئلہ (۱۰۸): اگر کسی حاجی نے رمیٔ جمار کے وقت سات کنکریاں نہیں مارا، یا اس کو اس کے وقت سے مؤخر کیا، تو اس پر دم واجب ہوگا، اور اگر چار کنکریاں مارا، تین چھوڑ دیا، تو ان تین کنکریوں میں سے ہر کنکری کے بدلے صدقہ لازم ہوگا۔
(الفقہ الإسلامی وأدلتہ:۳/۲۳۶۲)

مسئلہ (۱۰۹): بعض حجاج کرام قصداً ہر جمرہ پر سات سے زائد کنکری مارتے ہیں، اُن کا یہ عمل خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، البتہ اگر ساتویں کنکری میں شک ہو جائے اور آٹھویں مار دے، پھر بعد میں معلوم ہو جائے کہ وہ ساتویں کنکری، ساتویں نہیں، آٹھویں تھی، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (منحۃ الخالق علی البحر الرائق:۲/۶۰۲)

مسئلہ (۱۱۰): بعض حجاج کرام رمی کے وقت ساتوں کنکریاں مٹھی میں رکھ کر ایک ساتھ پھینک دیتے ہیں، ہر کنکری کو علیحدہ علیحدہ نہیں پھینکتے، اُن کا اس طرح رمی کرنا درست نہیں ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر کنکری علیحدہ علیحدہ ماری جائے، اگر کوئی

شخص ایک سے زیادہ یا ساتوں کنکریاں ایک ساتھ ہی مار دے، تو یہ ایک ہی شمار ہوگی، اگرچہ وہ کنکریاں علیحدہ علیحدہ گری ہوں، اور باقی چھ کنکریاں پوری کرنی ضروری ہوگی۔ (بدائع الصنائع:۳/۱۴۷،الموسوعۃ الفقہیۃ:۲۳/۱۵۳)

مسئلہ (۱۱۱): اگر کوئی مریض اور معذور شخص جو خود رمی کرنے پر قادر نہ ہو، کسی دوسرے کو اپنی طرف سے رمی کرنے کا حکم دے، اور دوسرا شخص اُس کی طرف سے رمی کرے تو جائز ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نائب پہلے اپنی سات کنکریاں پوری کرے، اس کے بعد مریض اور معذور شخص کی طرف سے سات کنکریاں مارے، اگر یہ نائب شخص اس طرح رمی کرے کہ ایک کنکری اپنی طرف سے اور دوسری مریض ومعذور کی طرف سے، تیسری اپنی طرف سے اور چوتھی مریض ومعذور کی طرف سے، یعنی دونوں کی رمی ایک ساتھ پوری کرے، تو یہ مکروہ ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۲۳۶،الموسوعۃ الفقہیۃ:۲۳/۱۶۶)

مسئلہ (۱۱۲): بعض حجاج کرام رمی جمار کے وقت کنکری اتنی آہستہ پھینکتے ہیں کہ وہ کنکری جمرہ سے تین ہاتھ کی دوری پر گرتی ہے، اُن کا اس طرح رمی کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ رمی میں کنکری کا جمرہ کے قریب گرنا ضروری ہے، البتہ اگر کنکری جمرہ سے تین ہاتھ کے فاصلہ سے کم پر گری تو یہ جائز ہے، کیوں کہ تین ہاتھ کے فاصلہ سے کم کی دوری قریب ہے، بعید نہیں ہے۔
(حاشیۃ الطحطاوی:ص/۷۳۶)

مسئلہ (۱۱۳): بعض حجاج کرام جمرات کی رمی غلیل وغیرہ سے کرتے ہیں، اُن کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ رمی کا ہاتھ سے کرنا ضروری ہے۔ (ہدایۃ السالک إلی المذاہب الأربعۃ فی المناسک:۳/۱۱۰۰)

مسئلہ (۱۱۴): رمی جمار کے وقت جس کنکری سے رمی کی گئی، اور وہ جمرے کے قریب گری ہوئی ہو، تو اُسے اٹھا کر اس سے رمی کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ وہ مردود ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس کا حج قبول ہوتا ہے اس کی کنکری اٹھالی جاتی ہے، اور جس کا حج قبول نہیں ہوتا ہے اس کی کنکریاں پڑی رہ جاتی ہیں، نیز یہ کراہت محض کنکریوں کے سلسلے میں ہے، لہٰذا اگر اس بھیڑ میں کسی شخص کی کوئی ذاتی چیز جمرہ کے قریب گر جائے، تو اس کا اٹھالینا درست ہے، کیوں کہ اس کا حکم کنکری کا حکم نہیں ہے۔
(ردالمحتار:۳/۴۷۳)

مسئلہ (۱۱۵): عورت کی طرف سے کسی دوسرے کا نائب بن کر، ہجوم کی وجہ سے رمی کرنا جائز نہیں، ایام حج میں رات کے وقت جمرات کی رمی کرنے میں دقت نہیں ہوتی ہے، اس لئے بلا عذر شرعی اس کو ترک کرنا صحیح نہیں، عورت کو رات میں رمی کرنا افضل ہے۔ (المستدرک للحاکم علی الصحیحین:۱/۴۷۶)

مسئلہ (۱۱۶): رمی جمار یعنی کنکریاں مارنے میں نیابت کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ جو شخص رمی جمار کرنے پر قادر نہ

ہو، وہ دوسرے کو نائب بنا سکتا ہے، قادر نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ بڑھاپے، حمل یا کسی اور وجہ سے اتنا بیمار و کمزور ہو کہ اگر جمرات تک اسے پہنچا دیا جائے، تو کنکریاں پھینکنے کی طاقت نہ ہو، یا اسے روک دیا گیا ہو، یا وہ بے ہوش ہو گیا ہو۔ **چونکہ** مختلف لوگوں میں قُویٰ وقوتِ ارادی کا تفاوت ہوتا ہے، اس لئے اہلِ علم نے اس کے لیے یہ معیار مقرر کیا کہ اس کے لیے نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہو، یا اتنا معذور تو نہ ہو، لیکن جمرات تک پیدل چلنے کی طاقت نہ ہو، اور سواری میسر نہ ہو۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۲۳/۱۶۶)

مسئلہ (۱۱۷): حج میں رمی جمار واجب ہے، اور واجباتِ حج میں سے اگر کسی واجب کو بغیر کسی عذر کے ترک کر دیا جائے تو دم لازم ہوتا ہے، لیکن اگر کسی عذر شرعی کی وجہ سے واجب ترک ہو جائے تو دم لازم نہیں ہوتا، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی عذر شرعی کی وجہ سے دوسرے سے کنکریاں مروائے، تو اس کا یہ عمل صحیح ہے، اور اس پر دم بھی لازم نہیں، کیوں کہ فقہاء نے افعالِ حج میں نیابت کو جائز لکھا ہے۔ (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید: ۱/۴۵۹، رد المحتار: ۳/۵۰۸)

مسئلہ (۱۱۸): اگر کوئی شخص رمیٔ جمار یعنی شیطان کو کنکریاں مارنا چھوڑ دے، تو اس پر دم واجب ہوگا۔

(الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۳/۲۲۶۲)

مسئلہ (۱۱۹): نبی پاک ﷺ کی طرف سے حج کرنا بڑی نیکی اور ثواب کا کام ہے، یہ ایصالِ ثواب کا حج کہلائے گا، اس کے لیے دو طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں: (۱) حج کی ادائیگی سے پہلے ہی یہ نیت کر لی جائے کہ میں یہ حج نبی پاک ﷺ کی طرف سے ادا کر رہا ہوں، اور اسی نیت سے تمام ارکان ادا کرے، تا کہ اس کا تمام تر ثواب نبی پاک ﷺ کو پہنچے۔ (۲) حج کی نیت کر کے، حج اپنی طرف سے ادا کرے، اور ادائیگیٔ حج کے بعد اس کا ثواب نبی پاک ﷺ کو بخش دے۔ (البحر الرائق: ۳/۱۰۵، ۱۰۶)

مسئلہ (۱۲۰): جو شخص اپنا فریضۂ حج ادا کر چکا ہے، تو اس کے لیے نفل حج کے بجائے دوسرے کا حج بدل ادا کرنا افضل ہے۔ (کنز العمال: ۵/۴۹، رقم الحدیث: ۱۲۳۴۷)

مسئلہ (۱۲۱): کسی ایسے شخص کو حج بدل کے لیے بھیجنا جو آئندہ سال حج فرض ہونے پر، حج میں جانے کا ارادہ رکھتا ہے، درست ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ ایسے شخص کو بھیجا جائے جس نے اپنا حج فرض ادا کر لیا ہو، اور احکامِ حج سے واقف ہو۔ (صحیح البخاری: ۱/۲۵۰)

مسئلہ (۱۲۲): اگر کسی شخص نے کسی کی جانب سے حج بدل کیا ہو، تو یہ حج، حجِ بدل کرانے والے کی طرف سے ہی ادا ہوگا، نہ کہ حج بدل کرنے والے کی طرف سے، لہٰذا اس پر اپنا فرض حج باقی رہے گا، اور اس پر اس کی ادائیگی لازم ہوگی۔ **نیز** ایسے شخص کو جس پر حج فرض ہو چکا ہو اور اس نے اب تک اپنا فرض حج ادا نہ کیا ہو، حج بدل کے لیے بھیجنا مکروہِ تنزیہی ہے، اور اس کا حج کے لیے جانا مکروہِ تحریمی ہے، گر چہ اس صورت میں حج بدل کروانے والے کا حج ادا ہو جائیگا، البتہ حج بدل کے لیے ایسے شخص کو بھیجنا

جس نے اپنا فرض حج ادا کرلیا ہو، اور احکام حج سے بھی پوری طرح واقف ہو، اولیٰ اور افضل ہے۔ (البحر الرائق:۳/۱۲۳)

مسئلہ (۱۲۳): حج بدل کرنے والا شخص اِفراد کی نیت سے حج کریگا، قران اور تمتع کی اجازت نہیں، لیکن اگر حجِ بدل کرانے والا اس کی اجازت دے تو کرسکتا ہے، اور اس صورت میں قربانی کا خرچ خود ہی برداشت کرنا ہوگا۔ (ردالمحتار:۴/۳۰)

مسئلہ (۱۲۴): جس شخص نے کسی کی جانب سے حج بدل کیا ہو، تو یہ حج، حجِ بدل کرانے والے کی طرف سے ہی ادا ہوگا، نہ کہ حج بدل کرنے والے کی طرف سے، لہٰذا اس پر اپنا فرض حج باقی رہے گا، اور اس پر اس کی ادائیگی لازم ہوگی، نیز ایسے شخص کو جس پر حج فرض ہو چکا ہو، اور اس نے اب تک اپنا فرض حج ادا نہ کیا ہو، حج بدل کیلئے بھیجنا مکروہ تنزیہی اور اس شخص کا جانا مکروہ تحریمی ہے، گرچہ اس صورت میں حج بدل کروانے والے کا حج ہو جائیگا، حج بدل کیلئے ایسے شخص کو بھیجنا جس نے اپنا فرض حج ادا کرلیا ہو، اور احکام حج سے بھی پوری طرح واقف ہو، اولیٰ اور افضل ہے۔ (ہندیہ:۱/۲۵۷)

مسئلہ (۱۲۵): بعض لوگ بہت سے لوگوں سے حجِ بدل کی رقمیں لیتے ہیں اور ہر کسی کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ وہ بذاتِ خود ان کی جانب سے حجِ بدل کرینگے، لیکن وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ رقم کی جو مقدار انہوں نے مؤکلین سے وصول کی، اس سے کم مقدار کسی اور کو دیکر حجِ بدل کراتے ہیں اور باقی رقم خود رکھ لیتے ہیں، شرعاً یہ عمل ناجائز اور غلط طریقے سے لوگوں کے مال کھانے میں داخل ہے، کیونکہ مؤکلین کی اس پر رضامندی نہیں ہوتی۔ (المبسوط:۱۹/۳۶)

مسئلہ (۱۲۶): بعض لوگ متعدد لوگوں سے حج بدل کی رقم وصول کرتے ہیں اور سب کی طرف سے ایک ہی حج بدل کرتے ہیں، کسی ایک کی جانب سے حج کی نیت نہیں کرتے، اس صورت میں امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ یہ حج خود اس کی طرف سے ہوگا اور تمام موکلین کی رقم واپس کرنا لازم ہوگا، اور طرفین کا قول ہے کہ اگر افعالِ حج کی ادائیگی شروع کرنے سے پہلے کسی ایک کی نیت کرلے تو یہ حج اسی کی طرف سے ہوگا، اور بقیہ مؤکلین کی رقم واپس کرنی ہوگی اور طرفین کا قول ہی مفتی بہ ہے، اگر کسی کی بھی طرف سے نیت نہیں کی تو خود اسکی طرف سے ادا ہوگا اور تمام مؤکلین کو ان کی رقم واپس کرنا واجب ہوگا۔ (المبسوط:۴/۱۶۷)

مسئلہ (۱۲۷): حج بدل کرنے والا اِفراد کی نیت کرے قران اور تمتع کی اجازت نہیں ہے، ہاں جس کی طرف سے حج کرے اس نے قران یا تمتع کی اجازت دی ہو تو اس کے مطابق عمل کرسکتا ہے، مگر تمتع وقران کی صورت میں قربانی کا خرچہ خود ہی برداشت کرے، خلاصہ یہ ہے کہ بلا اجازت قران وتمتع نہیں کرسکتا ہے۔ (الدر مع الرد:۴/۳۰)

مسئلہ (۱۲۸): بعض حج بدل کرنے والے، حج بدل کے روپئے سے صدقہ کرتے ہیں، یا کسی کی دعوت کرتے ہیں، اُن کا ایسا کرنا جائز نہیں ہے، ہاں! اگر آمر نے اجازت دی ہو تو جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ حج کرانے والے سے خرچ کی عام اجازت

لے لے، تاکہ سفر میں کوئی دِقّت پیش نہ آئے، اگر وہ عام اجازت نہ دے تو پھر بہت احتیاط سے روپیہ خرچ کرے۔
(تحفۃ الفقہاء للسمر قندی:۱/۴۳۰)

مسئلہ (۱۲۹): اگر کسی شخص کو حج بدل کے لیے بھیجا جائے، تو صرف اس کو حج بدل کا ہی خرچ دینا کافی ہے، اس کے گھر کا خرچ دینا لازم نہیں ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۲۵۸)

مسئلہ (۱۳۰): حج کے موسم میں خرید وفروخت کرنا جائز ہے، اگر حج وعمرہ کرنے والے حضرات حرمین سے اس لیے خریداری کرتے ہیں کہ حرمین مبعثِ نبوی ﷺ ہے، اور یہاں کے لوگ حرمین کی طرف منسوب ہیں، اس لیے ان کا فائدہ ہو جائے، تو امید ہے کہ اللہ رب العزت اس نسبت کے احترام میں انہیں ثواب عطا فرمائیں، لیکن اتنی بات یاد رہے کہ اسراف اور فضول خرچی کا حکم ہر جگہ یکساں ہے، جب کہ حرم میں معصیت کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے، اس لیے اسراف سے بچنا لازم ہے۔
(صحیح البخاری:۱/۲۳۸)

مسئلہ (۱۳۱): حج کے موسم میں ہند وپاک کے بہت سے باشندے اپنے ملک کا سامان سعودی عرب لیجا کر فروخت کرتے ہیں، تو انہیں اس سلسلہ میں یہ ضابطہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ: ''جس سامان کے حمل ونقل پر حکومت (Government) کی طرف سے کوئی پابندی نہ ہو، اس کو لے جا کر فروخت کرنا شرعاً درست ہے، البتہ حج کے موسم میں اس مبارک سفر کا تجارت سے خالی رہنا اچھا ہے، اور اگر حکومت کی جانب سے کوئی قانون (Rule) ہو، تو اس کی بجا آوری لازم ہے۔''
(أحکام القرآن للجصاص:۱/۳۷۴)

مسئلہ (۱۳۲): کسی کا مال بغیر اس کی اجازت کے لے لینا اور استعمال کرنا، شرعًا ناجائز اور حرام ہے، جب کہ حالتِ احرام میں تو خصوصاً فسق وفجور سے احتراز لازم اور ضروری ہے، اس لئے مسجد حرام میں چپل وغیرہ کوئی بھی سامان جو اپنی ملکیت میں نہ ہو، اس کو اٹھانے اور استعمال کرنے سے بچنا واجب ہے، گرچہ بعض مفتیان کرام نے حرم شریف میں جوتوں کی تبدیلی کے بابت یہ تفصیل لکھی ہے کہ جن چپلوں کے بارے میں یہ خیال ہو کہ مالک ان کو تلاش کرے گا، ان کو نہ پہنے، اور جن چپلوں کو اس خیال سے چھوڑ دیا گیا ہو کہ کوئی ان کو پہن لے، تو ان کو پہننا جائز ہے، مگر اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ ان چپلوں کو اس خیال سے چھوڑ دیا گیا کہ کوئی ان کو پہن لے، کیوں کہ اس خیال کا تعلق صاحبِ خیال سے ہے، اور وہ معلوم نہیں ہے کہ اس سے دریافت کیا جا سکے، اور جب یہ معلوم نہیں ہو سکتا، تو عدمِ جواز کا قول ہی بہتر اور مبنی بر احتیاط ہے۔ (معارف القرآن شفیعی:۲/۳۸۸)

مسئلہ (۱۳۳): بعض حجاج کرام زمزم کے اطراف میں تھوکتے ہیں، ناک کی ریزش گراتے ہیں، اُن کا یہ عمل شرعاً درست نہیں ہے، کیوں کہ چاہِ زمزم کے چاروں طرف کی زمین مسجد حرام کا جزو ہے، اُس کے احکام مسجد کے ہیں، اس لیے وہاں

تھوکنا اور ناک کی ریزش گرانا ناجائز اور سخت منع ہے، اِس سے اجتناب ضروری ہے۔ (التفسیر المنیر :۱/۳۳۱،فتاوی ہندیہ:۵/۳۲۱)

مسئلہ (۱۳۴): بعض حجاج کرام مسجد حرام میں فقراء کو روٹی یا نقد وغیرہ تقسیم کرتے ہیں، اور فقراء آپس میں چھینا جھپٹی اور شور وشغب کرتے ہیں، یہ مسجد کے احترام کے خلاف ہے، اس لیے اس طریقۂ تقسیم کا ترک کرنا لازم اور واجب ہے، جو کچھ تقسیم کرنا ہو مسجد سے باہر تقسیم کرے، ورنہ مسجد کی بے حرمتی کے گناہ میں تقسیم کرنے والا بھی شریک ہوگا۔ (معارف الحدیث:۳/۱۲۱)

مسئلہ (۱۳۵): زمزم کا پانی کھڑے ہوکر پینے کی کراہت واستحباب میں اختلاف ہے، راجح یہ ہے کہ زمزم کا پانی کھڑے ہوکر پینا بلا کراہت جائز ہے، مستحب نہیں، البتہ استقبالِ قبلہ مستحب ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ :۱/۹۰)

مسئلہ (۱۳۶): حجاج کرام کو رخصت کرتے وقت اور واپسی پر اُن کے استقبال کے وقت لوگ جوش وخروش کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہیں، لوگوں کا اس موقع پر نعرہ لگانا محض نمائش ہے، بلکہ اکثر مواقع میں لہو ولعب کی صورت ہوجاتی ہے، اس لیے اس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ (روح المعانی:۱۶/۴۳۶،مرقاۃ المفاتیح:۹/۵۰۳)

مسئلہ (۱۳۷): بعض دوست واحباب حاجیوں کو رخصت کرنے کے وقت اور واپسی پر ان کے استقبال کے وقت اُن کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالتے ہیں، اُن کا یہ عمل خلافِ سنت ہے، کیوں کہ اس کی کوئی اصل موجود نہیں ہے، اور سلف صالحین سے بھی کہیں ثابت نہیں ہے، اس لیے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ (فتح الباري:۲/۴۳۷)

مسئلہ (۱۳۸): اگر کوئی شخص حج کے مبارک سفر کی نسبت پر سیدھے سادے طریقے سے حجاجِ کرام کی دعوت کرے، تو یہ فی نفسہ مباح ہے اور انشاء اللہ باعثِ اجر بھی ہے، بشرطیکہ اس میں ریاء ونمود، بدلہ چکانے یا آئندہ وصول کرنے کی نیت نہ ہو، اور دعوت نہ کرنے پر حاجیوں کی طرف سے کوئی شکوہ شکایت نہ ہو۔ (کنز العمال:۹/۱۰۸،رقم الحدیث:۲۵۸۳۵)

مسئلہ (۱۳۹): جب کوئی آدمی حج پر جانے کا ارادہ کرتا ہے، یا حج سے واپس آتا ہے، تو عام طور پر لوگ اس کی دعوت کرتے ہیں، جو یقیناً امرِ مباح اور باعثِ اجر وثواب ہے، لیکن اب یہ دعوتیں مستقل رسم بنتی جارہی ہیں، اور خود حاجی، حج کے لیے روانہ ہونے سے پہلے اپنے دوست واحباب، اعزا واقارب کے لیے بڑی بڑی دعوتوں کا اہتمام کررہا ہے، اس میں شرکت کی دعوت کے لیے ویسے ہی دعوت نامے چھاپے جارہے ہیں، جیسے شادی بیاہ کی تقریبات کے لیے چھاپے جاتے ہیں، نیز اِن دعوتوں میں نام ونمود، ایک دوسرے پر فخر یہ سبقت لے جانے کے جذبات کے ساتھ ساتھ دیگر شرعی منکرات کا ارتکاب بھی مشاہدہ میں آرہا ہے، اس لیے فی نفسہ دعوت کی یہ رسم ترک کردینے کے لائق ہے، کیوں کہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی مباح کام برائی کا ذریعہ بن رہا ہو، تو اسے ترک کیا جاتا ہے، ہاں! البتہ حاجیوں کی واپسی پر ان سے ملاقات اور دعا کی درخواست کرنا ثابت ہے۔ (مجموعۃ رسائل اللکنوي:۳/۴۹۰)

مسئلہ (۱۴۰): حرم کے سامنے کھڑے ہوکر تصویر کشی کرنا، جس میں جانداروں کی تصویریں بھی لی جائیں، جائز نہیں بلکہ حرام ہے، آپ ﷺ نے تصویر کشی کرنے والوں کے بارے میں سخت وعید بیان فرمائی ہے، نیز اس سے حرمات اللہ کی توہین لازم آتی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حرمات اللہ کی تعظیم کا حکم دیا ہے۔ (صحیح البخاري:۲/۸۸۰)

مسئلہ (۱۴۱): حرمین میں عام طور پر حجاج کرام کہیں بھی راستے میں نماز شروع کردیتے ہیں، جس سے آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے، لہٰذا ان کا یہ عمل شرعاً مکروہ ہے، حجاج کرام کو اس سے احتراز لازم ہے۔ (ردالمحتار:۲/۳۴۴)

مسئلہ (۱۴۲): ضرورتاً مسجد حرام میں سونا درست ہے، کیوں کہ بعض صحابۂ کرام (جیسے حضرت عبداللہ ابن عمر) مسجدِ نبوی ﷺ میں سوتے تھے، اور تعظیم کے لحاظ سے مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی ﷺ دونوں یکساں ہیں، البتہ سوتے ہوئے اس کی تعظیم اور ادب ملحوظ رہے، اور بلا ضرورت مسجد میں نہ سوئے، کیوں کہ یہ مکروہ ہے۔ (صحیح البخاري:۱/۶۳)

مسئلہ (۱۴۳): حرمین میں بیٹھ کر دنیوی باتیں کرنا درست نہیں، چوں کہ حرمین مسجد کے حکم میں ہیں، لہٰذا وہ تمام وعیدیں جو مسجد میں بیٹھ کر دنیوی باتیں کرنے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، وہ سب حرمین میں بیٹھ کر دنیوی باتیں کرنے پر بھی لاحق ہوں گی، اور حرمین میں باتیں کرنے والے پر زیادہ گناہ ہوگا، اس لئے کہ جس طرح حرمین میں اعمالِ حسنہ کا درجہ بڑھ جاتا ہے، اسی طرح سیئات کا گناہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح:ص/۷۱)

مسئلہ (۱۴۴): حرم کی بجلی، حرم کے لیے وقف ہے، لہٰذا کسی ایسے کام میں اس کا استعمال کرنا جائز نہیں جو مصالح حرم میں داخل نہ ہو، لہٰذا حرم میں موبائل چارجنگ کرنا جائز نہیں ہونا چاہیے۔ (البحرالرائق:۵/۴۲۰)

مسئلہ (۱۴۵): مسجدِ حرام میں افطار کے لیے ماہِ رمضان میں جو کھجور تقسیم کی جاتی ہے، وہ بہ نیتِ عطیہ، ہبہ، صدقہ، یا ہدیہ دی جاتی ہے، لینے والا شخص اس کا مالک بن جاتا ہے، اس لیے اس کو مکمل طور پر تصرف کا اختیار حاصل ہوگا، خواہ وہ کمرے پر لے جائے یا کسی اور کو دے دے۔ (البحرالرائق:۷/۴۸۳، کتاب المبسوط:۱۲/۶۹)

مسئلہ (۱۴۶): اجرت پر حج کرنا درست نہیں، کیونکہ حج ایک عبادت ہے جس میں اللہ کی رضا اور خوشنودی مطلوب ہے، اور اجرت کی وجہ سے جو کام کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کیلئے خالص باقی نہ رہا، اس لیے نہ حج کرنے پر اجرت لینا جائز ہے اور نہ اجرت پر حج کرانا جائز ہے، البتہ جس شخص سے حج کرایا جائے اس کے سفر کے اخراجات اور سفر سے واپسی تک اگر ضرورت مند ہو تو اس کے اہلِ خاندان کی ضروریات حج بدل کرانے والے پر ہے۔ (موسوعۃ القواعد الفقہیۃ:۱/۱۰۹، الفقہ الحنفی وأدلتہ:۲/۸۴)

مسئلہ (۱۴۷): آج کل حج کی فلم بنائی جاتی ہے اور حج سے پہلے حاجیوں کو کیمپ میں جمع کر کے انہیں یہ فلم دکھائی جاتی ہے،

تا کہ حج کا شوق پیدا ہو، حج کی ادائیگی کا طریقہ معلوم ہو اور حاجی کیلئے ادائیگی حج میں سہولت وآسانی ہو، اس طرح سے مناسکِ حج کو فلما کر اسے بتانا اور کمائی کا ذریعہ بنانا شرعاً ناجائز ہے، کیوں کہ اس میں ذی روح کی تصویریں لی جاتی ہے، جو شرعاً ممنوع وحرام ہے، حج فلم کے جو فوائد بتلائے جاتے ہیں وہ دیگر طریقوں سے بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں، اس لیے اس طرح کی فلمیں بنانے، دیکھنے اور دکھانے سے کلی اجتناب ضروری ہے۔ (بخاری:۲/۸۸۰)

مسئلہ (۱۴۸): جو طلباء تعلیمی ایام میں حج کو جاتے ہیں، وہ مدرسہ کے ایام تعلیم میں غیر حاضر ہوتے ہیں، اُن کو مدرسہ کی طرف سے رعایۃً وسہولۃً جو وظیفہ دیا جاتا تھا، اس کی حیثیت تبرع کی ہے، استحقاق کی نہیں، اس لیے حج سے واپسی پر اگر انتظامیہ انہیں اِن ایام کا وظیفہ اپنی صوابدید کے مطابق دینا چاہے تو دے سکتی ہے، اور اگر نہ دینا چاہے تو اِس کا حق بھی اُسے حاصل ہے، طلباء کا کوئی حق نہیں کہ وہ انتظامیہ سے اُس کا مطالبہ کریں۔ (جمہرۃ القواعد الفقہیۃ:۲/۶۲۲، رقم القاعدۃ:۴۳۲)

مسئلہ (۱۴۹): غیر مقلدین حضرات بہ نیتِ زیارت روضۂ اقدس مدینہ کی حاضری کو ناجائز وشرک کہتے ہیں، ان کا یہ کہنا درست نہیں ہے، بلکہ بعض روایات میں آقائے نامدار ﷺ نے حد درجہ زیارت کی ترغیب فرمائی ہے، اس لئے ہر مسلمان کو جسے اللہ تعالیٰ نے زیارتِ روضۂ اقدس ﷺ کی قدرت دی ہو، اس سعادتِ کبریٰ کو حاصل کرنا چاہیے۔ (مشکوۃ المصابیح:ص/۲۴۱)

مسئلہ (۱۵۰): روضۂ اطہر کی زیارت کے سلسلے میں دو قول ملتے ہیں، پہلا قول وجوب کا ہے، اور دوسرا قول مندوب کا، لیکن اگر حج کرنے والے کا یہ پہلا حج ہے، تو پہلے مکہ مکرمہ جانا افضل ہے، اور اگر نفلی حج ہے تو حاجی کو اختیار ہے، خواہ پہلے مکہ مکرمہ جائے یا مدینہ منورہ، علامہ تھانوی امداد الفتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ ''ہے تو یہ مندوب، مگر اور مندوبات سے زیادہ مہتم بالشان، جس کو قربِ وجوب سے تعبیر کیا ہے۔'' (الدر المختار مع الشامیۃ:۴/۵۳،۵۴)

مسئلہ (۱۵۱): بعض حجاج کرام روضۂ اقدس علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ کی زیارت کے وقت روضۂ اطہر کی جالیوں کو ہاتھ لگاتے ہیں، یا بوسہ دیتے ہیں، اُن کا یہ عمل خلافِ ادب ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ روضہ کی جالیوں سے تین یا چار ہاتھ دور کھڑا رہے۔ (الفتاوی الہندیۃ:۱/۲۶۵)

مسئلہ (۱۵۲): بعض حجاج کرام روضۂ اقدس ﷺ پر سلام پڑھتے وقت بہت بلند آواز سے چیخ چیخ کر سلام پڑھتے ہیں، اور بے انتہا شور وشغب کرتے ہیں، اُن کا یہ عمل خلافِ ادب ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ سلام پڑھتے وقت آواز نہ زیادہ بلند ہو اور نہ زیادہ آہستہ، بلکہ متوسط آواز سے سلام پڑھے۔ (اِرشاد الساری:ص/۱۶ا۷، أوضح المسالک إلی أحکام المناسک:ص/۲۴۱،۲۴۲)

مسئلہ (۱۵۳): ہمارے آقا محمد عربی ﷺ پر پوری زندگی میں ایک مرتبہ صلوٰۃ وسلام پڑھنا فرضِ عین ہے، اور آپ ﷺ

کے روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے پر آپ ﷺ اس کو سنتے ہیں-صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے-:

روضۂ اطہر ﷺ کے پاس حاضر ہو، اور سرہانے کی دیوار کے کونے میں جو ستون ہے، اس سے تین چار ہاتھ کے فاصلے سے کھڑا ہو، اور پشت قبلہ کی طرف کر کے کچھ بائیں طرف کو مائل ہو جائے، تاکہ چہرۂ انور سے مواجہہ خوب اچھی طرح ہو سکے، اور پورے ادب وخشوع کے ساتھ کھڑا ہو، زیادہ قریب نہ ہو اور نہ دیوار کو ہاتھ لگائے کہ یہ ادب وہیبت کی جگہ ہے، اور پھر رحمتِ دو عالم ﷺ کو اپنی لحد میں قبلہ رو لیٹا ہوا تصور کر کے پست آواز اور سکونِ جوراح کے ساتھ یہ کہے: ﴿اَلسَّلامُ عَلَيْکَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ، اَلسَّلامُ عَلَيْکَ يَا حَبِيْبَ اللّٰہِ ، اَلسَّلامُ عَلَيْکَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللّٰہِ ، اَلسَّلامُ عَلَيْکَ يَا خَيْرَةَ اللّٰہِ مِنْ جَمِيْعِ خَلْقِ اللّٰہِ ، اَلسَّلامُ عَلَيْکَ يَا سَيِّدَ وُلْدِ آدَمَ ، اَلسَّلامُ عَلَيْکَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ، اِنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لا اِلٰهَ إلا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لا شَرِيْکَ لَهٗ ، وَاَشْهَدُ اَنَّکَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ، وَاَشْهَدُ اَنَّکَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ، وَاَدَّيْتَ الأمَانَةَ ، وَنَصَحْتَ الأمَّةَ ، وَکَشَفْتَ الْغُمَّةَ ، فَجَزَاکَ اللّٰهُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزٰى بِهٖ نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهٖ ، اَللّٰهُمَّ اٰتِهِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ ، وَابْعَثْهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ ، اِنَّکَ لا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ، وَاَنْزِلْهُ الْمَنْزِلَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ ، اِنَّکَ سُبْحَانَکَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾۔ (ہدایۃ السالک إلی المذاہب الأربعۃ فی المناسک:۳/۱۳۷۵)

قربانی کا بیان

مسئلہ(۱): بقرآن وسنت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے اس مہینے میں دس خصوصی احکام ہیں۔ وہ دس احکام یہ ہیں:

۱- حج بیت اللہ...... جو صرف اس مہینے میں ادا کیا جاتا ہے۔

۲- قربانی...... صاحب استطاعت مسلمانوں پر واجب ہے اور اسے صرف اس مہینے کے تین دنوں میں ادا کیا جا سکتا ہے۔

۳- عید الاضحیٰ...... قربانی، نماز، خوشی اور اللہ پاک کی طرف سے اپنے بندوں کی دعوت کا دن اسی مہینے میں ہے۔

۴- تکبیرات تشریق...... اس مہینے کے پانچ دنوں میں نماز کے بعد تکبیر واجب ہے۔

۵- عشرہ ذی الحجہ کے روزے...... یعنی اس مہینے کے پہلے نو دنوں میں روزے رکھنے کا خصوصی اجر ہے۔

۶- یوم عرفہ کا روزہ...... اس مہینے کی نو تاریخ جو یوم عرفہ کہلاتی ہے اس کے روزے کا خاص اجر ہے۔

۷- چار ایام میں روزہ کی حرمت...... یعنی اللہ تعالیٰ نے پورے سال میں جن پانچ دنوں کا روزہ حرام قرار دیا ہے ان میں سے چار دن اس مہینے میں ہیں۔

۸- لیالی عشر کی فضیلت......یعنی اس مہینے کی پہلی دس راتوں کی خاص فضیلت ہے۔

۹- بال اور ناخن نہ کٹوانا......یعنی جن افراد نے قربانی کرنی ہو ان کے لیے مستحب ہے کہ ذوالحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی ذبح ہونے تک اپنے بال اور ناخن نہ تراشیں۔

۱۰- معاصی یعنی گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام...... چونکہ یہ مہینہ حرمت والا مہینہ ہے اس لیے اس میں ظلم اور گناہ سے بچنے کا خاص اہتمام کیا جائے۔ (اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام)

مسئلہ (۲): جس شخص پر زکوۃ فرض ہو یا جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہو یا اتنی قیمت کا مالِ تجارت ہو تو اس پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہو جاتا ہے، شریعت اسلامیہ میں قربانی کی بڑی فضیلت ہے اور قربانی واجب ہونے کے باوجود نہ کرنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ (الترغیب والترہیب:۲/۱۰۳)

مسئلہ (۳): اگر کسی شخص کے پاس ضرورت سے زائد کپڑے، موبائل فون، گھریلو برتن، ٹیپ ریکارڈ، ٹیلی ویژن اور وی سی آر وغیرہ جن کی مالیت نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی) کے برابر ہو تو اس پر بھی قربانی واجب ہوگی، کیوں کہ وجوبِ قربانی کے لیے نصاب کا نامی ہونا اور اس پر سال گذرنا شرط نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع:۴/۱۹۶، الدرالمختار مع الشامیۃ:۹/۳۷۹)

مسئلہ (۴): اگر کاشتکار کے پاس ہل چلانے اور دوسری ضرورت کے علاوہ اتنے جانور موجود ہے کہ ان کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ ہے تو اس کی وجہ سے قربانی واجب ہوگی، اور اگر ایسا نہیں، اور دوسرا کوئی مال نہیں تو قربانی واجب نہیں ہوگی۔ (ہندیہ:۵/۲۹۳)

مسئلہ (۵): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گھر میں پالے ہوئے جانور کے بارے میں اگر کسی شخص نے قربانی کی نیت کرلی، تو اس نیت سے اس جانور کی قربانی کرنا لازم ہو جاتا ہے، اور ایسے جانور کو بدلنا اور فروخت کرنا بھی جائز نہیں ہے، جب کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے، جانور کے پہلے سے ملکیت میں ہوتے ہوئے اس میں قربانی کی نیت کر لینے سے اس کی قربانی لازم نہیں ہوتی ہے، اس جانور کے علاوہ دوسرے جانور کی بھی قربانی کرسکتا ہے۔ (بدائع الصنائع:۴/۱۹۹)

مسئلہ (۶): بعض لوگ قربانی کے سلسلہ میں یہ غلطی کرتے ہیں کہ کسی سال اپنی بیوی کے نام سے، تو کسی سال خود اپنے نام سے، تو کسی سال اپنے گھر کے کسی بڑے فرد کے نام سے قربانی کرتے ہیں، یعنی ہر سال گھر کے کسی ایک ہی فرد کے نام سے قربانی کرتے ہیں، اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس طرح کرنے سے گھر کے تمام افراد کے ذمہ سے قربانی کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے، ان کا یہ خیال غلط ہے، صحیح بات یہ ہے کہ گھر کا جو جو فرد صاحبِ نصاب ہے، اس پر قربانی واجب ہے، محض کسی ایک فرد کے نام

سے قربانی کر دینے سے تمام اہلِ خانہ کا واجب ادا نہ ہوگا۔ (بدائع الصنائع: ۶/۲۸۳)

مسئلہ (۷): جس آدمی کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو اس کے لیے مستحب ہے کہ ماہِ ذی الحجہ کے آغاز سے جب تک قربانی کا جانور ذبح نہ کرے، اپنے بال و ناخن صاف نہ کرے، لیکن یہ عمل مستحب ہے اور مستحب کا حکم یہ ہے کہ کرنے والا مستحقِ ثواب اور نہ کرنے کی صورت میں کوئی گناہ لازم نہیں آتا اور نہ قربانی کی صحت میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲/۱۶۰)

مسئلہ (۸): اگر کوئی شخص قربانی کے لیے جانور خرید ے، اور قربانی سے پہلے جانور مر جائے، تو اگر جانور خریدنے والا مالدار ہے، تو اس پر دوسرا جانور خرید کر اس کی قربانی کرنا لازم ہوگا، اور اگر وہ غریب ہے تو اس کے ذمہ دوسرا جانور خرید کر قربانی کرنا لازم نہیں ہوگا۔ (المبسوط للسرخسی: ۱۲/۲۱)

مسئلہ (۹): اگر کوئی شخص مالدار (صاحبِ نصاب) ہو، اور اس نے ابھی تک قربانی نہیں کی تھی کہ ایامِ قربانی ہی میں اس کا انتقال ہو گیا، تو اس کے ذمہ سے قربانی ساقط ہو گئی، کیوں کہ وجوبِ قربانی، ادائے قربانی کے وقت ثابت ہوتا ہے، یا پھر آخر وقت میں، اب جب اس شخص نے قربانی نہیں کی اور نہ آخر وقت تک زندہ رہا، تو اس پر قربانی واجب ہی نہیں ہوئی، جیسے کوئی شخص نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد، اُس کو ادا کرنے سے پہلے ہی مر جائے، تو اس پر اُس وقت کی نماز واجب نہیں ہوتی۔

(ہندیہ: ۵/۲۹۳)

مسئلہ (۱۰): اگر بیوی مالدار صاحب نصاب ہے، یا اس کی ملکیت میں ضرورت سے زائد اتنی چیزیں ہیں، کہ ان کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے، تو اس پر قربانی واجب ہے، اور اس پر لازم ہے کہ اپنی طرف سے ایک حصہ قربانی کرے، رہا شوہر! تو اس پر بیوی کی طرف سے قربانی کرنا ضروری نہیں، لیکن اگر وہ بیوی کی اجازت سے اس کے لیے بھی ایک حصہ قربانی کرے گا، تو بیوی کی طرف سے قربانی ادا ہو جائیگی۔ (مجمع الأنہر: ۴/۱۶۶، البحر الرائق: ۸/۳۱۷)

مسئلہ (۱۱): بسا اوقات ایک بڑے جانور میں شرکاء میں سے کچھ لوگ واجب قربانی کی نیت سے اور کچھ لوگ نفلی قربانی کی نیت سے شریک ہوتے ہیں، اس طرح ان کا شریک ہو کر قربانی کرنا درست ہے، کیوں کہ شرط، عبادت و قربت کی نیت ہے، اور وہ سب کی طرف سے پائی گئی۔ (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید: ۵/۲۱۴)

مسئلہ (۱۲): امیر باپ پر نابالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرنا واجب نہیں، مستحب ہے، اگر قربانی کرے گا تو ثواب ملے گا، نہیں کرے گا تو گناہ نہیں ہوگا۔ (مجمع الأنہر: ۴/۱۶۷)

مسئلہ (۱۳): دوسرے کی طرف سے واجب قربانی کی اجازت لینا ضروری ہے، ورنہ دوسرے کی واجب قربانی ادا نہ

ہوگی، اگر کسی علاقے میں اپنے متعلقین کی طرف سے قربانی کرنے کی عادت اور رواج ہو تو اپنے متعلقین کی طرف سے ان کی اجازت کے بغیر واجب قربانی درست ہو جائیگی۔ (بدائع الصنائع:۴/۲۱۱، البحر الرائق:۸/۳۲۶)

مسئلہ (۱۴): بعض لوگ قیمت ادھار رکھ کر جانور لیتے ہیں، اور اس کی قربانی کرتے ہیں، ان کا اس طرح سے قربانی کرنا جائز و درست ہے، کیوں کہ قیمت ادھار رکھ کر جانور لینے سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔ (فتح القدیر لابن الہمام:۶/۲۴۲)

مسئلہ (۱۵): جان بوجھ کر سود خور کے ساتھ قربانی میں شرکت نہیں کرنی چاہیے، کیوں کہ حرام رقم سے شرکت کرنے کی صورت میں کسی کی بھی قربانی درست نہیں ہوگی، ہاں اگر ایسا آدمی کسی سے حلال رقم لے کر قربانی میں حصہ لے تو اس کو اجتماعی قربانی میں شامل کرنا جائز ہوگا۔ (ردالمحتار:۹/۳۹۵)

مسئلہ (۱۶): گذشتہ سال کی قربانی باقی ہے تو اس کی قیمت صدقہ کر دینا واجب ہے، اگر کسی نے بڑے جانور میں دو حصے لیے، اس نیت سے کہ ایک حصہ سال رواں کی قربانی کا حصہ ہے، اور ایک حصہ گذشتہ سال کی قربانی ہے، تو اس صورت میں تمام شریکوں کی قربانی ادا ہو جائیگی، البتہ اس آدمی کے سال رواں کی قربانی ادا ہو جائیگی اور گذشتہ سال کی قضا کی نیت سے جو قربانی کی وہ ادا نہیں ہوگی، نفل ہو جائیگی، اور گذشتہ قربانی کے عوض ایک بکرے کی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہوگا۔ (ہندیہ:۵/۲۹۴)

مسئلہ (۱۷): اگر کسی علاقے میں ایامِ قربانی میں فساد ہو جائے جس کی بنا پر نمازِ عید ادا کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں طلوع فجر کے بعد ہی سے قربانی کر سکتے ہیں۔ (الدرمع الرد:۹/۳۸۷)

مسئلہ (۱۸): کسی شخص پر قربانی واجب تھی، لیکن قربانی کے تین دن گذر گئے، اور اس نے قربانی نہیں کی، تو ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کر دے، اور اگر قربانی کا جانور خرید لیا، اور کسی وجہ سے قربانی نہ کر سکا، تو زندہ جانور صدقہ کر دے، اور اس کا گوشت خود نہ کھائے، کیوں کہ اب واجب، قربانی سے تصدق کی طرف منتقل ہو چکا ہے، البتہ قربانی کے دنوں میں جانور کی قیمت صدقہ کر دینے سے واجب قربانی ادا نہیں ہوگی اور وہ آدمی گنہگار ہوگا، کیوں کہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے۔ (المحیط البرہانی:۶/۴۷۷)

مسئلہ (۱۹): بہتر تو یہی ہے کہ آدمی اپنی قربانی کا جانور خود پسند کرے، اس کی خدمت گزاری کر کے اس سے محبت کا تعلق پیدا کرے، اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، ذبح نہ کر سکے تو اس مبارک وقت پر حاضر رہے، عید کے دن اپنی قربانی میں سے کھائے، پڑوس اور عزیز و اقارب، نیز غریبوں اور رشتہ داروں کو کھلائے، اور یہ سب اسی وقت ہو سکتا ہے جب قربانی اپنے وطن میں کی جائے، لیکن اگر کوئی شخص کسی عذر شرعی یا مصلحتِ شرعیہ کی بنا پر اپنے وطن میں قربانی نہ کرتے ہوئے کسی دوسرے ملک میں قربانی کرے تو بدونِ حرج قربانی درست ہوگی، البتہ اس سلسلہ میں دو اصولی باتیں یاد رکھنی چاہیے:

۱- قربانی کی ادائیگی واجب ہونے کے بعد ہی قربانی درست ہوگی، اور اس کی ادائیگی ۱۰/ذی الحجہ کی صبح صادق طلوع ہونے کے بعد واجب ہوتی ہے۔

۲- جہاں قربانی کی جارہی ہے وہاں کے وقت کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا قربانی کرانے والے پر اپنے ملک میں قربانی کی ادائیگی واجب ہونے کے بعد اس کی طرف سے دوسرے ملک میں قربانی کی ادائیگی درست ہوگی، اور ادائے قربانی کے صحیح ہونے میں اس دوسرے ملک کے وقت کا اعتبار ہوگا، یعنی ۱۰/ذی الحجہ سے ۱۲/ذی الحجہ کے غروب تک قربانی کرنا جائز ہوگا۔ (بدائع:۴/۱۹۸)

مسئلہ (۲۰): دسویں ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ تک جس طرح دن میں قربانی کے جانور کو ذبح کرنا جائز ہے، اسی طرح درمیان کی دو راتوں میں بھی قربانی کے جانور کو ذبح کرنا جائز ہے، مگر مکروہ ہے، اور اس کراہت کی علت رات کی تاریکی میں مطلوبہ رگوں میں سے کسی رگ کے نہ کٹنے یا مقدار ذبح سے زائد کٹ جانے کا اندیشہ ہے، لیکن اگر رات کو ایسی معقول روشنی کا انتظام ہو کہ اس طرح کا شبہ و اندیشہ نہ رہے، تو یہ کراہت باقی نہیں رہے گی، اور رات میں بھی بلا کراہت قربانی کے جانور کو ذبح کرنا جائز ہوگا۔ (المبسوط:۱۲/۲۴)

مسئلہ (۲۱): اگر کسی شہر میں دس ذی الحجہ کو نماز عید کسی وجہ سے نہیں پڑھی گئی، تو اس روز زوال کے بعد جانور ذبح کرنا جائز ہوگا۔ (فتاوی ہندیہ:۵/۲۹۵)

مسئلہ (۲۲): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر قربانی کرنے والے نے عید کی نماز نہیں پڑھی اور مسجد یا عید گاہ میں نماز عید ہوچکی ہے، تو اس صورت میں عید کی نماز پڑھے بغیر قربانی کرنا جائز نہیں ہوگا، جب کہ نماز عید پڑھے بغیر قربانی کرنا درست ہے، بشرطیکہ مسجد یا عید گاہ میں نماز عید ہوچکی ہو، کیوں کہ خود قربانی کرنے والے کا عید کی نماز سے فارغ ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ مسجد یا عید گاہ میں عید کی نماز ہوجانا کافی ہے۔ (ردالمحتار:۹/۳۸۵)

مسئلہ (۲۳): موجودہ دور میں اجتماعی قربانی کا رواج عام ہو رہا ہے، اور بہت سارے ادارے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں، شرعاً یہ جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن اجتماعی قربانی میں مشترکہ جانور کو ذبح کرنے سے پہلے جن سات شریکوں کی طرف سے یہ قربانی ہے، ان کی تعیین اور ذبح کرتے وقت ان کی طرف سے قربانی کی نیت کرنا ضروری ہے، ورنہ تعیین نہ ہونے کی وجہ سے قربانی صحیح نہیں ہوگی۔ (الدر مع الرد:۹/۴۷۸)

مسئلہ (۲۴): اگر اجتماعی قربانی میں قربانی کرنے کے بعد کچھ رقم بچ جائے، تو اجتماعی قربانی کا انتظام کرنے والے اداروں پر بچی ہوئی زائد رقم کا واپس کرنا لازم ہوگا، البتہ اگر قربانی کا انتظام کرنے والے ادارے اجرت کے طور پر کچھ لینا

چاہیں،تو ابتدا ہی سے متعین کر کے لے سکتے ہیں، بعد میں نہیں، یا پھر جن لوگوں کی طرف سے قربانی کی گئی ہے،اُن کی اجازت سے،اُن کے بیان کردہ مصرف میں خرچ کرنے کے مجاز ہوں گے۔ (مسند أحمد بن حنبل:۱۵/۴۰۰،رقم الحدیث:۲۰۹۸۰)

مسئلہ (۲۵): بڑے جانور میں سات افراد کا شامل ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر بڑے جانور میں سات افراد سے کم، مثلاً کسی بڑے جانور میں چھ یا پانچ یا اس سے بھی کم شریک ہوں تب بھی جائز ودرست ہے، یہاں تک کہ اگر تنہا ہی ایک آدمی پورے بڑے جانور کی قربانی اپنی طرف سے کرے تو بھی جائز ہے۔ (مجمع الأنہر:۴/۱۶۸)

مسئلہ (۲۶): بروز عید قرباں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب تک قربانی نہ ہو روزے سے رہے، یعنی نہ کچھ کھائے اور نہ پئے،شریعتِ اسلامیہ میں اس قول کی کوئی اصل وحقیقت نہیں ہے، البتہ جو شخص قربانی کرے اس کے لیے یہ مستحب ہے کہ عید الاضحیٰ کی نماز سے فارغ ہونے تک کچھ نہ کھائے،تا کہ اس دن اس کا اولِ طعام اس کی قربانی کا گوشت ہو۔ (اعلاء السنن:۱۷/۲۵۰)

مسئلہ (۲۷): قربانی کے جانور کے کسی جزء مثلاً کھال یا گوشت وغیرہ سے قصاب کی اجرت دینا یا قیمت میں وضع کرنا جائز نہیں،اگر کسی نے ایسا کیا تو قربانی ہو جائے گی لیکن کھال کی قیمت یا جتنا گوشت دیا ہے اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوگا، قصاب کی اجرت الگ رقم سے دی جائے،قربانی کے جانور کے کسی جزء سے نہیں۔ (بخاری:۱/۲۳۲)

مسئلہ (۲۸): طالب علم کے لیے نفلی قربانی کی بجائے دینی کتابیں خریدنا بہتر ہے۔ (صحیح مسلم:۲/۴۱)

مسئلہ (۲۹): قربانی کی کھال فروخت کرنے کے بعد جو رقم قیمت کے طور پر ملتی ہے، وہ صدقہ کر دینا واجب ہے،اور صدقہ کی حقیقت یہ ہے کہ جس کو دیا جائے وہ مالک بن جائے، چونکہ مسجد میں تملیک نہیں پائی جاتی اس لیے قربانی کی کھال کی رقم مسجد کی تعمیر اور امام وموذن اور خادم وغیرہ کی تنخواہ،اسی طرح قبرستان یا مسجد کی چہار دیواری بنانے میں صرف کرنا جائز نہیں۔
(نتائج الأفکار تکملۃ فتح القدیر:۹/۵۷،المغنی والشرح الکبیر:۱۱/۱۱۲)

مسئلہ (۳۰): اگر کوئی شخص وکیل بن کر لوگوں کی قربانی کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے تو ہر شخص کا حساب الگ رکھنا ضروری ہوگا،اگر کسی کی رقم بچ جائے تو بقیہ رقم واپس کرنا لازم ہوگا،لیکن اگر موکل بچی ہوئی رقم کو کسی اور مصرف میں خرچ کرنیکی اجازت دے تو اس کا خرچ کرنا جائز ہوگا۔ (حاشیۃ ابن التجید مع حاشیۃ القونوي علی تفسیر البیضاوي:۷/۲۰۲)

مسئلہ (۳۱): اگر کسی نے شادی کی دعوت نمٹانے کی نیت سے قربانی کی،ثواب اور واجب ادا کرنے کی نیت سے نہیں کی تو اس صورت میں قربانی صحیح نہیں ہوگی،دوبارہ ایک حصہ کرنا لازم ہوگا۔ (بدائع الصنائع:۴/۲۰۸)

مسئلہ (۳۲): میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اور میت کو ثواب ملیگا،حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دنبہ اپنی طرف

سے اور ایک دنبہ حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے۔ (اعلاء السنن: ۱۷/۲۹۶)

مسئلہ (۳۳): بعض لوگ اپنی واجب قربانی کی ادائیگی کے ساتھ اپنے مُردوں کو ثواب پہنچانے کے لیے بھی قربانی کرتے ہیں، ان کا اس طرح اپنے مُردوں کو ثواب پہنچانے کی غرض سے قربانی کرنا جائز و درست ہے۔ (بدائع الصنائع: ۶/۳۰۷)

مسئلہ (۳۴): اگر سات افراد شریک ہو کر ایک بڑا جانور قربانی کے لیے خریدیں، اور قربانی کرنے سے پہلے ان میں سے کوئی شخص مر گیا، مگر اس کے بالغ ورثاء ان شرکاء کو اجازت دیدیں کہ آپ لوگ میت اور اپنی طرف سے قربانی کر لیں، تو ان شرکاء کا قربانی کرنا جائز ہوگا، اور سب کی قربانی ادا ہو جائے گی، اور اگر میت کے وارثوں کی اجازت کے بغیر قربانی کریں تو درست نہیں ہوگی، اور کسی بھی شریک کی قربانی ادا نہیں ہوگی۔ (الدر مع الرد: ۹/۳۹۵)

مسئلہ (۳۵): قربانی کے جانور میں اگر کوئی ایسا شخص شریک تھا جس پر قربانی واجب تھی، اور وہ پھر ذبح سے پہلے شرکت سے علیحدہ ہو گیا اور دوسرا آدمی اس کی جگہ شریک ہو گیا تو قربانی ہو جائیگی، اور اگر قربانی کے جانور میں اگر کوئی ایسا شخص شریک تھا جس پر قربانی واجب نہ تھی، وہ اگر ذبح کرنے سے پہلے علیحدہ ہو جائے تو اس پر قربانی واجب رہ جائیگی، اور اس جانور کے دوسرے شرکاء کی قربانی بھی درست نہ ہوگی۔ (قربانی کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا: ص/۹۳)

مسئلہ (۳۶): اگر قصائی مسلمان ہو اگر چہ وہ فاسق ہو تو بھی اس کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے، اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔ (مجمع الأنہر: ۴/۱۵۳)

مسئلہ (۳۷): جانور ذبح کرنے کے بعد ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کا سر الگ کرنا یا کھال اتارنا مکروہ ہے، مگر اس ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ (ابوداود: ص/۳۸۹)

مسئلہ (۳۸): جانور کو بے ہوش کر کے ذبح کرنا یعنی ذبح سے پہلے پستول سے دماغ میں نشانہ لگا کر گولی مارنا پھر ذبح کرنا، یہ طریقہ سنت اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہے، اس میں جانور حرام ہونے کا ظن غالب ہے، نیز یہ کہ اگر اس ضرب اور چوٹ کی وجہ سے جانور کی ہلاکت یقینی ہو جائے، تو پھر اس کے گلے پر چھری پھیرنا بیکار ہوگا اور جانور حرام ہوگا۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی: ۹/۴۶۷، رقم الحدیث: ۱۹۱۲۳)

مسئلہ (۳۹): بعض مقامات پر قربانی کے جانور کو ذبح کرنے سے پہلے بجلی کا شاک لگایا جاتا ہے، اگر یہ شاک اتنا تیز ہے کہ اس سے جانور کا خون بڑی مقدار میں خشک ہو جاتا ہے، تو یہ طریقہ سنتِ متواترہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہِ تحریمی ہے، شرعِ اسلامی میں جانور کو اس طرح اذیت دینے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ تاہم اگر جانور میں زندگی باقی تھی اور ذبح کرنے

پر جانور کا خون جوش کے ساتھ نکلا تو ذبیحہ حلال ہے اور اس کا گوشت بھی حلال ہے، لیکن اگر بجلی کا شاک ہلکا اور معمولی ہو جس سے جانور کو تکلیف نہ پہنچتی ہو اور اس کا مقصود یہ ہو کہ جانور کو ذبح کی تکلیف کم سے کم پہنچے اور قوتِ مدافعت میں کمی آجائے تو اس مصلحت کی وجہ سے اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ (ہندیہ:۵/۲۷۶)

مسئلہ (۴۰): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ بحالت جنابت قربانی کے جانور کو ذبح کرنا صحیح نہیں ہے، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کیلئے پاک ہونا شرط نہیں ہے، بحالت جنابت ذبح کرنے سے بھی قربانی درست ہو جائیگی، البتہ پاکی حالت میں ذبح کرنا اولیٰ و بہتر ہے۔ (الدر المنتقی فی شرح الملتقی:۴/۱۵۴)

مسئلہ (۴۱): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورت کا اپنی قربانی کا جانور خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا درست نہیں ہے، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ عورت اگر ذبح کرنے پر قادر ہو، تو وہ اپنے قربانی کے جانور کو خود ذبح کر سکتی ہے، اور ذبیحہ بھی درست ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۲۷)

مسئلہ (۴۲): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ بوقت ذبح ''بسم اللہ'' کا بزبان عربی کہنا ضروری ہے، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ تسمیہ کسی بھی زبان میں ہو، خواہ ذابح (ذبح کرنے والا) عربی جانتا ہو یا نہ جانتا ہو ط دونوں صورتوں میں قربانی ہو جائیگی۔ (بدائع الصنائع:۴/۱۶۹)

مسئلہ (۴۳): بعض لوگ بوقت ذبح ''بسم اللہ'' کے ساتھ ''اللہ اکبر'' کہنا بھی ضروری سمجھتے ہیں، جب کہ ذبح کے وقت صرف ''بسم اللہ'' کہنا بھی کافی ہے، البتہ ''بسم اللہ اللہ اکبر'' دونوں کہنا سنت ہے۔ (الفتاوی الہندیۃ:۵/۲۸۵، البحر الرائق:۸/۳۰۷)

مسئلہ (۴۴): جو لوگ چھری چلانے والے کے ساتھ، چھری چلانے میں شریک ہوں ان پر ''بسم اللہ'' کہنا واجب ہے، ورنہ جانور حرام ہو جائے گا، اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہوگا، البتہ ہاتھ پیر اور منہ پکڑنے والا شریک نہیں محض معاون ہے، لہٰذا اس پر ''بسم اللہ'' کہنا واجب نہیں ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۵/۳۰۴)

مسئلہ (۴۵): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ایک بڑے جانور میں جتنے افراد شریک ہوں گے، تمام افراد کے لیے جانور کو ذبح کرتے وقت ''بسم اللہ'' کہنا ضروری ہے، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ جانور میں حصہ لینے والے تمام افراد پر ''بسم اللہ'' پڑھنا ضروری نہیں ہے، صرف ذبح کرنے والے اور اس کے ساتھ چھری پر، یا ذبح کرنے والے کے ہاتھ پر وزن رکھنے والوں پر ''بسم اللہ'' کہنا ضروری ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۵/۳۰۴)

مسئلہ (۴۶): بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ قصائی، نائی، دھوبی اور بھنگی وغیرہ قربانی کا گوشت حق الخدمت کہہ کر

مانگتے ہیں، اور نہ دینے پر ناراض ہوتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کا حق الخدمت مارلیا گیا، اُن لوگوں کا حق الخدمت کے طور پر قربانی کا گوشت مانگنا اور قربانی کرنے والے شخص کا حق الخدمت کے طور پر دینا، دونوں عمل درست نہیں ہیں، لیکن اگر کسی نے اس طرح دے دیا، تو جس قدر دیا اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے، اور اگر اِن لوگوں کو بغیر حق الخدمت کے قربانی کا گوشت دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی:۹/ ۴۹۵، رقم:۱۹۲۳۲)

مسئلہ(۴۷): قربانی کا گوشت غیر مسلم کو بھی دینا جائز ہے بشرطیکہ معاوضہ کے طور پر نہ ہو، البتہ غریب مسلمانوں کو دینے کا ثواب زیادہ ہے کیوں کہ یہ مستحب ہے، اس لیے قربانی کا گوشت مسلمانوں کو دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ (بخاری: رقم الحدیث:۵۵۶۹)

مسئلہ(۴۸): قربانی کے گوشت کا ایک تہائی حصہ غرباء و مساکین کو صدقہ کرنا مستحب ہے، لیکن اگر کوئی شخص عیال دار اور قبیلہ دار ہے، تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ تمام گوشت اپنے اہل وعیال کے لیے رہنے دے۔ (الفتاوی الہندیۃ:۵/ ۳۰۰)

مسئلہ (۴۹): اگر کسی بڑے جانور میں چند لوگ شریک ہوں، تو قربانی کا گوشت اندازہ سے تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، وزن کر کے برابر تقسیم کرنا ضروری ہے، اگر کسی حصہ میں گوشت کی کمی بیشی ہوگی تو سود ہو جائے گا، اور سود لینا دینا، کھانا اور کھلانا سب حرام ہے، البتہ اگر کسی شریک نے سر اور پائیں لے لئے، تو پھر اس کے حصے میں کم گوشت دینا جائز ہوگا۔ (ہندیہ:۵/ ۳۰۶)

مسئلہ(۵۰): بعض لوگ قربانی کے گوشت کو ہفتوں اور مہینوں تک سکھا کر کھانے کو غلط سمجھتے ہیں، جب کہ قربانی کے گوشت کو سکھا کر (خواہ کتنے ہی دن ہوں) کھانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (صحیح مسلم:۲/ ۱۵۸)

مسئلہ(۵۱): تین دین سے زیادہ قربانی کے جانور کا گوشت اپنے پاس رکھنا اور اس کے بعد اسے کھاتے رہنا جائز اور درست ہے، ایک خاص مصلحت کی وجہ سے نبیٔ کریم ﷺ نے صرف ایک سال کے لیے تین دن سے زائد قربانی کا گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا، وہ مصلحت یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں بقرعید کے موقع پر ایک مرتبہ باہر سے بہت مسلمان آگئے، جو غربت وافلاس کے شکار تھے، اور کھانے پینے کی ان کو تنگی تھی، اس لیے آپ ﷺ نے اعلان فرمایا: " **لا یأکل أحدکم من لحم أضحیتہ فوق ثلاثۃ أیام** " کوئی آدمی تین دن کے بعد قربانی کا گوشت نہ کھائے، پھر جب آئندہ سال حضرات صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا: "**فکلوا ما بدا لکم وأطعموا وادّخروا**" جب تک چاہو کھاؤ، کھلاؤ اور جمع کر کے رکھو، اور گذشتہ سال منع کرنے کی وجہ بھی بتلادی: " **کنت نہیتکم عن لحوم الأضاحي فوق ثلاث لیتسع ذوو الطول علی من لا طول لہ** " کہ سالِ گذشتہ میں نے تم کو تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے اس لیے منع کیا تھا تا کہ وسعت والے ان لوگوں پر وسعت کریں جن کو قربانی کی وسعت نہیں ہے۔ (صحیح مسلم:۲/ ۱۵۸)

مسئلہ(۵۲): اگر کسی شخص نے قربانی کی نیت سے ایک جانور خریدا، اور وہ اس کے بدلے کسی دوسرے جانور کی قربانی کرنا چاہے، تو دوسرا جانور پہلے جانور کی قیمت سے کم پر نہ خریدے، اور اگر اس نے دوسرا جانور پہلے جانور سے کم قیمت پر خرید لیا، تو پہلے اور دوسرے جانور کی قیمت میں جتنا فرق ہے اتنی قیمت صدقہ کردے۔ (فتاوی ہندیہ:۵/۲۹۴)

مسئلہ(۵۳): بعض لوگ قربانی کے جانور کی ہڈیاں نمک کے عوض فروخت کرتے ہیں، ہڈیوں کی یہ بیع جائز تو ہے، مگر اس کے عوض جو نمک لیا گیا وہ یا اس کی قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے۔ (المبسوط للسرخسی:۱۲/ ۱۹، المغنی والشرح الکبیر:۱۱/۱۱۲)

مسئلہ(۵۴): اگر کسی شخص نے قربانی کا جانور خریدا، تو جانور خریدتے وقت جانور کے گلے میں جو رسی یا زنجیر وغیرہ ہے، اس کا صدقہ کردینا مستحب ہے، اور اگر فروخت کردیا تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، اور اگر رسی یا زنجیر خود استعمال کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ (البحرالرائق:۸/ ۳۲۷)

مسئلہ(۵۵): اگر کسی شخص نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا، تو خریدنے کے بعد اس جانور سے دودھ نکالنا، خواہ خود اس کے استعمال کیلئے ہو یا فروخت کرنے کے لیے ہو، جائز نہیں ہے، اور اگر کسی شخص نے دودھ نکال لیا، تو دودھ یا اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ (البحرالرائق:۸/ ۳۲۷)

مسئلہ(۵۶): اگر کسی شخص نے ایامِ قربانی سے پہلے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا ہے، تو اس جانور کا اُون کاٹنا اور اس سے نفع اٹھانا مکروہ ہے، البتہ اس عمل کے بعد بھی قربانی درست ہوجائیگی، اور کاٹے ہوئے اُون یا اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۵/۳۰۱)

مسئلہ(۵۷): قربانی کے جانور کی اوجھڑی کھانا درست ہے، کیوں کہ اوجھڑی جانور کے اُن سات اعضاء میں داخل نہیں ،جن کا کھانا جائز نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع:۶/۲۷۲)

مسئلہ(۵۸): اگر قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کے پیٹ سے زندہ بچہ نکل آئے ، تو شرعاً اسے بھی ذبح کرنے کا حکم ہے، لیکن اگر کسی شخص نے اس بچہ کو ذبح کرنے کے بجائے پال لیا، اور اس کے بڑے ہونے پر، اپنے اوپر واجب قربانی میں اس کو ذبح کیا، تو اس کی واجب قربانی ادا نہ ہوگی، اس کا پورا گوشت صدقہ کرنا لازم ہوگا، اور اس شخص پر اس کی جگہ دوسری قربانی بھی واجب ہوگی۔ (ردالمحتار:۹/۳۹۱)

مسئلہ(۵۹): اگر قربانی کا جانور ذبح کرنے کے بعد پیٹ سے زندہ بچہ نکل آئے تو اس کو ذبح کردیا جائے اور اگر مردہ نکلے تو اس کو استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع:۵/ ۸۷)

مسئلہ (۶۰): قربانی کی کھال فروخت کرنے کے بعد جو رقم قیمت کے طور پر ملتی ہے، وہ صدقہ کر دینا واجب ہے، اور صدقہ کی حقیقت یہ ہے کہ جس کو دیا جائے وہ مالک بن جائے، چونکہ مسجد میں تملیک نہیں پائی جاتی اس لیے قربانی کی کھال کی رقم مسجد کی تعمیر اور امام و موذن اور خادم وغیرہ کی تنخواہ، اسی طرح قبرستان یا مسجد کی چہار دیواری بنانے میں صرف کرنا جائز نہیں۔
(ردالمحتار:۹/۳۹۸)

مسئلہ (۶۱): قربانی کی کھال سے خود فائدہ اٹھانا یا کسی کو دے دینا دونوں جائز ہے، خواہ وہ شخص جس کو یہ کھال دی جارہی ہے مالدار ہو یا فقیر، ہاشمی ہو یا غیر ہاشمی، اپنے اصول و فروع ہوں یا اجنبی، نیز اس میں تملیک بھی واجب نہیں ہے، اسی لیے خود اپنے لیے اس کا مصلیٰ اور ڈول وغیرہ بنالینا یا کسی اور کام میں لانا جائز ہے۔ (احکام القرآن للجصاص:۳/۳۱۰)

مسئلہ (۶۲): کسی جماعت یا تنظیم کا قربانی کی کھال کی رقم کو مستقل آمدنی کا ذریعہ بنانا، مثلاً اس رقم سے کوئی ایسی جائیداد اور پراپرٹی خریدنا کہ اس سے مستقل آمدنی ہوتی رہے، جس سے غریبوں، مسکینوں اور ضرورتمندوں کی مدد کی جاسکے، شرعاً جائز نہیں ہے، بلکہ کھال جمع کرنے والی جماعت یا برادری پر لازم ہے کہ وہ جلد از جلد اس رقم کا کسی مستحقِ صدقہ کو مالک بنادے ورنہ گنہگار ہوگا، اس لیے کہ اس رقم کا تصدق واجب ہے اور تصدق کی حقیقت بھی یہی ہے کہ کسی مستحقِ صدقہ کو اس کا مالک بنادے۔ (البحر الرائق:۸/۳۲۷، تبیین الحقائق:۶/۴۸۶)

مسئلہ (۶۳): قربانی کی کھال کو فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت کی رقم فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا یعنی ان کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے، فقراء و مساکین کے علاوہ کسی اور مصرف میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، اگر شدید مجبوری کی صورت میں ایسی رقم کو کسی اور مصرف میں خرچ کرنے کی ضرورت ہے تو حیلہ کرنا ضروری ہے، اور حیلہ کی صورت یہ ہے کہ کھال فروخت کرنے کے بعد جو رقم حاصل ہوگی وہ رقم کسی مسکین یا فقیر کو دے کر مکمل طور پر مالک بنادیا جائے، پھر اس سے کہا جائے کہ آپ اپنی طرف سے اس رقم کو مثلاً مسجد یا مدرسہ کی تعمیر یا اساتذہ کرام کی تنخواہ وغیرہ میں دیدیں، اور وہ خوشی سے دیدے، تو اس رقم کو مسجد، مدرسہ یا اساتذہ کرام وغیرہ کی تنخواہ وغیرہ میں دینا اور خرچ کرنا جائز ہوگا، مگر رقم دیتے وقت یہ شرط نہ رکھے بلکہ مالک بنا کر دینے کے بعد اس سے کہے۔ **اگر** قربانی کرنے والے نے قربانی کی کھال کسی فقیر مستحق آدمی کو دیدی، اور وہ شخص جس کو کھال دی ہے، کھال کو فروخت کر کے کسی پڑھانے والے استاد کو تنخواہ دیدے، یا مسجد کی تعمیر میں خرچ کردے تو جائز ہے، لیکن اگر قربانی کرنے والا خود فروخت کرے تو پھر وہ اس کھال کے روپئے کو معلم وغیرہ کی تنخواہ یا مسجد میں نہیں دے سکتا، بلکہ صدقہ کر دینا لازم ہوگا۔
(بدائع الصنائع:۲/۳۹)

مسئلہ (۶۴): جانور ذبح کرنے سے پہلے کھال فروخت کرنا حرام ہے، لہٰذا جو لوگ ذبح سے پہلے ہی کھال فروخت کردیتے ہیں وہ ناجائز اور حرام کرتے ہیں، باقی وعدہ کرنا جائز ہے۔ (بدائع الصنائع:۵/۱۴۷)

مسئلہ (۶۵): قربانی کی کھالیں فروخت کرنے کے بعد ان کا حکم زکوٰۃ کی رقم کا ہے، جس کی تملیک ضروری ہے، اور مسجد، مدرسہ یا کنویں کی تعمیر میں تملیک نہیں پائی جاتی، اس لیے اس میں خرچ کرنا درست نہیں۔ (الدر مع الشامیۃ:۹/۳۹۸)

مسئلہ (۶۶): قربانی کی کھالیں فروخت کرنے کے بعد ان کا حکم زکوٰۃ کی رقم کا ہے، جس کی تملیک ضروری ہے، اور بغیر تملیک کے رفاہی کاموں میں اس کا خرچ کرنا درست نہیں، لہٰذا قربانی کی کھالیں ایسے اداروں اور جماعتوں کو دینا چاہیے، جو شرعی اصولوں کے مطابق ان کو صحیح جگہ خرچ کرتے ہیں۔ (الدر مع الشامیۃ:۹/۳۹۸)

مسئلہ (۶۷): اگر قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کے لیے گراتے وقت اس میں کوئی عیب پیدا ہو جائے، تو اس سے صحتِ قربانی میں کوئی فرق نہیں پڑتا، قربانی درست ہو جاتی ہے۔ (المحیط البرہانی:۶/۴۷۹)

مسئلہ (۶۸): بعض لوگ قربانی کے جانور کو ذبح کے لیے قربان گاہ لیجاتے وقت، اُس کی پچھلی ٹانگوں کو آگے کی طرف سے کھینچتے ہیں، ان کا یہ عمل مکروہ ہے، مستحب یہ ہے کہ اُسے اچھے انداز میں ہانک کر ذبح کی مخصوص جگہ تک لایا جائے۔
(بدائع الصنائع:۶/۳۲۰)

مسئلہ (۶۹): اگر قربانی کے ارادہ سے جانور خریدا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ گابھن ہے، تو اس صورت میں اگر جانور خریدنے والا صاحبِ نصاب ہے، تو وہ اس جانور کے بجائے دوسرا جانور خرید کر قربانی کرسکتا ہے، اور گابھن جانور خود بھی پالنے کے لیے رکھ سکتا ہے، اور اگر فروخت کرنا چاہے تو فروخت بھی کرسکتا ہے، اور اگر جانور خریدنے والا خود نصاب کا مالک نہیں تھا تو اس پر اسی جانور کی قربانی لازم ہوگی۔ (کفایت المفتی:۸/۱۸۹)

مسئلہ (۷۰): سودی قرض کی رقم سے خریدے ہوئے جانور کی قربانی کرنا جائز ہے، کیوں کہ اس صورت میں بھی قرض لینے والا شخص قرض کی رقم کا مالک بن جاتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ سود پر قرض لینا اور دینا دونوں حرام ہیں، مگر اس سے قربانی کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ (صحیح مسلم:۲/۲۷)

مسئلہ (۷۱): جو جانور کانجی ہاؤس میں داخل کردیا گیا ہو، اس پر سرکار کو استیلاء ملک حاصل ہو جاتی ہے، تو سرکار سے خریدنا گویا اصل مالک سے خریدنا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ایسے جانور کی قربانی کرتا ہے، تو اس کی قربانی درست ہے۔
(الدر مع الشامیۃ:۶/۱۹۸)

مسئلہ (۷۲): کسی شخص نے کوئی جانور چوری کر کے اس کی قربانی کر دی تو قربانی جائز نہ ہوگی، کیوں کہ وہ اس جانور کا مالک نہیں اور نہ ہی اصلِ مالک کی طرف سے جائز ہوگی، کیوں کہ اس کی طرف سے اس کی اجازت نہیں ہے، البتہ ذبیحہ حلال ہے، لیکن مالک کی اجازت حاصل کیے بغیر اس گوشت کا استعمال جائز نہیں۔ (حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق:۶/ ۴۸۸)

مسئلہ (۷۳): اگر کسی جانور کے بچے کی پرورش سور کے دودھ سے ہوئی ہو تو وہ بچہ حلال ہے، اس کی قربانی درست ہے، لیکن قربانی کرنے سے پہلے چند روز تک یعنی کم سے کم دس دن دوسرا چارہ دینا چاہیے۔ (البحر الرائق:۸/ ۳۳۵)

مسئلہ (۷۴): خنثیٰ مشکل بکرے کی قربانی کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس کا گوشت اچھی طرح پکتا نہیں، لیکن اگر کسی نے اتفاقاً اس کی قربانی کر لی اور اس کا گوشت اچھی طرح پک گیا تو قربانی صحیح ہوگی، کیوں کہ عدمِ جواز کی علت گوشت کا اچھی طرح نہ پکنا تھا، اب جب پک گیا تو یہ ظاہر ہوا کہ عدمِ جواز کی علت نہیں پائی گئی، اور یہ اصول بھی ہے کہ ارتفاعِ علت ارتفاعِ حکم کو مستلزم ہے۔ (موسوعۃ مصطلحات أصول الفقہ عند المسلمین:۱/ ۹۵۸، ۹۷۶)

مسئلہ (۷۵): نیل گائے کی قربانی درست نہیں، قربانی کے جانوروں کی تعیین شرعی سماعی ہے، قیاس کو اس میں دخل نہیں، اور شریعتِ مقدسہ میں صرف تین قسم کے جانوروں کی قربانی درست ہے: **پہلی قسم**: ......اونٹ نر و مادہ۔ **دوسری قسم**: ......بکرا بکری، مینڈھا (دنبہ) بھیڑ، نر و مادہ۔ **تیسری قسم**: ......گائے، بھینس نر و مادہ۔ **ان** کے علاوہ کسی بھی جانور کی قربانی کرنا درست نہیں ہے، اور ان جانوروں کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ وحشی نہ ہوں بلکہ پالتو اور انسانوں سے مانوس ہوں۔ (تبیین الحقائق:۶/ ۴۸۳، البحر الرائق:۴/ ۳۲۴، فتاوی قاضیخان:۴/ ۳۳۱)

مسئلہ (۷۶): ہرن حلال ہے، اس کا گوشت کھانا جائز ہے، لیکن چونکہ وحشی جانوروں میں سے ہے، اور وحشی جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے، لہٰذا ہرن یا ہرنی کی قربانی جائز نہیں، اس کے مانوس ہونے یا نہ ہونے سے حکم میں کوئی فرق نہیں آتا۔
(بدائع الصنائع:۴/ ۲۰۵، البحر الرائق:۸/ ۳۲۴)

مسئلہ (۷۷): بعض لوگ خصی بکرے، مینڈھے اور بیل کی قربانی کو ناجائز سمجھتے ہیں، جب کہ خصی جانور کی قربانی بلا کراہت درست ہے، چاہے خصیتین کاٹ کر نکال دیئے جائیں یا دبا کر، دونوں صورتوں میں قربانی صحیح ہے، کیوں کہ یہ عیب گوشت کی عمدگی کیلئے قصداً کیا جاتا ہے، اس لئے اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ (مشکوۃ المصابیح:ص/ ۱۲۸)

مسئلہ (۷۸): بانجھ جانور کی قربانی درست ہے، کیوں کہ اس پر ممانعت کا حکم وارد نہیں ہے، اور بانجھ ہونا قربانی کے لیے عیب نہیں ہے، بلکہ بانجھ جانور اکثر و بیشتر لحیم و شحیم (خوب موٹا تازہ) ہوتا ہے، اور گوشت بھی عمدہ ہوتا ہے، اس لیے اس کی قربانی جائز ہے۔
(فتاوی ہندیہ:۵/ ۲۹۷)

مسئلہ (۷۹): جرسی گائے وبیل کی پیدائش فطری طریقہ یعنی نر و مادہ کے اختلاط سے نہیں ہوتی، مگر چونکہ ان کی ولادت گائے ہی سے ہوتی ہے، اس لیے ان کا کھانا حلال ہے، اور ان کی قربانی کرنا بھی جائز ہے، البتہ قربانی ایک عظیم عبادت ہے، اور اس کے لیے جب غیر مشتبہ جانور بآسانی دستیاب ہو سکتے ہوں، تو اس قسم کے مشتبہ جانور کی قربانی سے بچنا بہتر واولیٰ ہے۔
(فتاوی ہندیہ: ۵/ ۲۹۷)

مسئلہ (۸۰): بعض حضرات یہ خیال کرتے ہیں کہ بھینس کی قربانی درست نہیں ہے، ان کا یہ خیال غلط ہے، کیوں کہ شریعتِ مقدسہ میں تین قسم کے جانوروں کی قربانی کرنا جائز ہے، اور فقہاء کرام نے ان تین قسموں میں گائے کے ساتھ بھینس کو بھی شمار کیا ہے۔ (بدائع الصنائع: ۴/ ۲۰۵)

مسئلہ (۸۱): اگر قربانی کے جانور کے کان تو ہیں لیکن پیدائشی طور پر بالکل چھوٹے چھوٹے ہیں، تو اس کی قربانی درست ہے۔ (درمختار مع شامی: ۹/ ۳۹۳)

مسئلہ (۸۲): جس جانور کے پیدائش سے سینگ نہیں، یا سینگ تو تھے مگر ٹوٹ گئے، تو اس کی قربانی درست ہے، البتہ اگر سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں، تو قربانی درست نہیں ہے۔ (فتاوی ہندیہ: ۵/ ۲۹۷)

مسئلہ (۸۳): اگر بھیڑ، بکری، دنبی وغیرہ کے ایک تھن سے دودھ نہ اترتا ہو، تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، کیوں کہ ایک تھن سے دودھ نہ اترنا بھیڑ، بکری، دنبی وغیرہ میں عیب ہے، اور عیب دار جانور کی قربانی کرنے سے قربانی درست نہیں ہوتی ہے۔ (فتاوی ہندیہ: ۵/ ۲۹۹)

مسئلہ (۸۴): اگر اونٹنی، گائے اور بھینس کی دو تھنوں سے دودھ نہ اترتا ہو، تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ عیب ہے، اور عیب والے جانور کی قربانی درست نہیں ہوتی۔ (فتاوی ہندیہ: ۵/ ۲۹۹)

مسئلہ (۸۵): جس جانور کو کھجلی کی بیماری ہے، اور اس کا اثر گوشت تک نہ پہنچا ہو، تو اس کی قربانی درست ہے، اور اگر بیماری اور زخم کا اثر گوشت تک پہنچا ہو، تو اس کی قربانی صحیح نہیں ہے۔ (الدر مع الرد: ۹/ ۳۹۱)

مسئلہ (۸۶): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ باؤلے جانور کی قربانی درست نہیں ہے، جب کہ اس کی قربانی جائز ہے، کیوں کہ باؤلا پن قربانی کیلئے عیب نہیں ہے، ہاں اگر باؤلے پن کی وجہ سے کھا پی نہ سکتا ہو، تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔
(فتاوی ہندیہ: ۵/ ۲۹۸)

مسئلہ (۸۷): جس جانور کی زبان کٹی ہوئی ہو، اگر وہ بکری ہے تو اس کی قربانی جائز ہے، کیوں کہ وہ چارہ دانت سے

کھاتی ہے،اور اگر وہ جانور گائے ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں، کیوں کہ وہ چارہ زبان سے کھاتی ہے۔ (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید:۵/۲۱۲)

مسئلہ (۸۸): بھینگی آنکھ والے جانور کی قربانی جائز و درست ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۵/ ۲۹۸)

مسئلہ (۸۹): اگر کوئی جانور پوری طرح ایک یا دونوں آنکھوں سے اندھا ہے،تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، کیوں کہ اندھا ہونا یہ اُن عیوب میں سے ہے،جن کے پائے جانے پر قربانی جائز نہیں ہوتی ہے۔ (المحیط البرہانی:۶/ ۴۷۸)

مسئلہ (۹۰): جس جانور کی ران یا اور کسی عضو پر لوہے سے داغ دیا ہوا ہو،تو اس کی قربانی جائز ہے،مگر بہتر یہ ہے کہ قربانی کے لیے ایسے جانور کا انتخاب کیا جائے،جس میں کوئی ظاہری عیب بھی نہ ہو۔ (ردالمحتار:۹/ ۴۶۸)

مسئلہ (۹۱): جس جانور کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کے سارے دانت گر گئے ہوں، یا گِھس گِھس کر مسوڑھوں سے جا ملے ہوں، لیکن وہ گھاس کھانے پر قادر ہے،تو اس کی قربانی درست ہے،اور اگر گھاس کھانے پر قادر نہیں ہے،تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ (درمختار مع شامی:۹/۳۹۳)

مسئلہ (۹۲): بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو،اس کی قربانی درست نہیں ہوتی، یہ غلط ہے، بلکہ جو شخص قربانی کے دنوں میں صاحب نصاب ہو اس پر قربانی کرنا واجب ہو جاتا ہے،اور قربانی کرنے سے قربانی درست ہو جاتی ہے، چاہے اس کا عقیقہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ (مجمع الأنہر:۴/ ۱۶۶)

مسئلہ (۹۳): بعض نے قربانی کے لیے اور بعض نے ولیمہ یا عقیقہ کے واسطے ایک ہی بڑے جانور میں حصہ خریدا ہو تو یہ جائز ہے،شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں اور کسی کی قربانی باطل بھی نہیں ہوگی۔ (تبیین الحقائق:۶/ ۴۸۵)

مسئلہ (۹۴): والد کے ذمہ اپنے لڑکے یا لڑکی کا عقیقہ کرنا، بلوغت سے پہلے، ساتویں دن، چودہویں دن، یا اکیسویں دن مستحب ہے، بلوغت کے بعد عقیقہ والد کے ذمہ باقی نہیں رہتا بلکہ ساقط ہو جاتا ہے، البتہ بلوغت کے بعد لڑکا یا لڑکی خود اپنا عقیقہ کرے، یا کوئی اور شخص مثلاً کوئی عزیز یا شوہر اپنی طرف سے اپنی بیوی کا عقیقہ کردے تو درست ہوگا،اور رہی بات لڑکی کے نام کے ساتھ کس کا نام رہے گا،شوہر یا باپ کا؟ تو اس کے نام کے ساتھ اس کے باپ کا نام رہے گا۔ (اعلاء السنن:۱۷/ ۱۳۱)

مسئلہ (۹۵): عقیقہ کے گوشت کو تین برابر حصوں میں تقسیم کرکے،ایک حصہ فقراء ومساکین کو، دوسرا عزیز رشتہ داروں کو، اور تیسرا حصہ اپنے گھر میں استعمال کرلیا جائے،اور اگر کوئی شخص سارا گوشت گھر میں بنا کر عزیز رشتہ داروں کی دعوت کرے،تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔ (اعلاء السنن:۱۷/ ۱۴۰)

مسئلہ (۹۶): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیاہی وسفیدی مائل رنگ کے سینگوں

والے دو مینڈھوں کی قربانی کی، اپنے دست مبارک سے ان کو ذبح کیا، اور ذبح کرتے وقت ''بسم اللہ واللہ اکبر'' پڑھا، میں نے دیکھا کہ اس وقت آپ ﷺ اپنا پاؤں ان کے پہلو میں رکھے ہوئے تھے، اور زبان مبارک سے ''بسم اللہ واللہ اکبر'' کہتے جاتے تھے۔ (صحیحین) (قربانی کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا: ص/۸۰)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان مینڈھوں کو قبلہ رخ لٹا کر یہ دعا پڑھی: ﴿إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْن ، إِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن، لا شَرِيْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْن ، اَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ﴾. (مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی، مشکوۃ)

اس لیے جب قربانی کا جانور قبلہ رخ لٹائے تو پہلے اوپر ذکر کردہ آیت پڑھنا بہتر ہے، اور ذبح کرنے سے پہلے یہ دعا اگر یاد ہو تو پڑھے: '' اَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ '' پھر '' بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ '' کہہ کر ذبح کرے، اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا اگر یاد ہو تو پڑھے: '' اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِکَ مُحَمَّدٍ وَخَلِيْلِکَ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ''۔ اور اگر کسی اور کی طرف سے ذبح کر رہا ہے تو ''منی'' کی جگہ ''من فلان'' کہے، اور فلان کی جگہ اس کا نام لے لے۔
(قربانی کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا: ص/۷۳)

مسئلہ (۹۷): تکبیر تشریق نویں ذی الحجہ کی فجر سے لے کر تیرھویں ذی الحجہ کی عصر تک، فرض نماز کے فوراً بعد ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے، یہاں تک کہ اگر جان بوجھ کر وضو توڑ ڈالا تو تکبیر تشریق ساقط ہو جائیگی۔ (بدائع الصنائع: ۱/۱۹۶)

مسئلہ (۹۸): تکبیر تشریق کہنا مقیم، مسافر، مرد، عورت، امام، مقتدی سب پر واجب ہے، اگر تکبیر تشریق کہنا بھول گیا تو پھر بعد میں اس کی قضا نہیں ہے، توبہ کرنا لازم ہوگا تا کہ گناہ معاف ہو جائے۔ (البحر الرائق: ۲/۲۸۸)

مسئلہ (۹۹): اگر کسی شخص کی ایام تشریق کے دوران کوئی نماز قضا ہوگئی، اور وہ اُسی سال ایام تشریق کے دوران اس کی قضا کرے، تو اُس پر بھی اس قضا نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنا لازم ہوگا۔ (فتاوی ہندیہ: ۱/۱۵۲)

مسئلہ (۱۰۰): بہت اسی ایسی جگہوں پر جہاں عیدگاہ نہیں ہوتی وہاں لوگ نماز عیدین اپنے اپنے محلّہ کی مسجدوں میں پڑھ لیتے ہیں، جب کہ شرعی تقاضہ یہ ہے کہ وہ بڑا گاؤں جو قصبہ کی طرح ہو اور وہاں علماء نے جمعہ وعیدین وغیرہ پڑھنے کی اجازت دے رکھی ہو، وہاں آبادی سے باہر جنگل میں عیدگاہ بنانا ضروری ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے عیدگاہ میں نماز عید کے لیے جمع ہونے کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی بتلائی ہے کہ ملت اور مذہب کے لیے ایک دن ہوتا ہے، جس

میں ان کی شان وشوکت ظاہر ہو، اوران کی تعداد زیادہ معلوم ہو، اسی وجہ سے عیدگاہ میں تمام لوگوں کے جمع ہونے کوسنت قرار دیا، آنحضرت ﷺ ایک راستے سے آتے تھے اور دوسرے راستے سے واپس ہوتے تھے، تاکہ دونوں راستوں کے باشندے مسلمانوں کی شان وشوکت کواچھی طرح دیکھ لیں، لہٰذا جس طرح ہوجلد از جلد عیدگاہ بنالیں، اور جب تک عیدگاہ بنے اس وقت تک کے لیے آبادی سے باہر کوئی جگہ تجویز کرلیں، تمام مسلمان اسی میں نماز پڑھیں اور اجرعظیم کے حقدار بنیں، انشاءاللہ سبقت کرنے والے زیادہ ثواب کے حقدار ہوں گے۔ (فتاویٰ رحیمیہ:۳/۶۷)

مسئلہ(۱۰۱): عید کی نماز کا طریقہ: نیت......اس طرح کریں کہ......میں دورکعت نماز واجب، عیدالاضحیٰ، چھ زائد تکبیروں کے ساتھ، اس امام کے پیچھے پڑھتا ہوں،......پھر امام اور مقتدی اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیں، اور ثنا کے بعد تین زائد تکبیریں کہیں، اور ہر دو تکبیر کے درمیان تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی بقدر خاموش رہیں،......وہ اس طرح کہ؛

اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور چھوڑ دیں،

پھر اللہ اکبر کہہ کر کانوں تک ہاتھ اٹھائیں اور چھوڑ دیں،

پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور باندھ لیں،

اس کے بعد امام حسب معمول سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھ کر پہلی رکعت پوری کرلے (بہتر ہے کہ مسنون سورتیں پڑھیں)، اور دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوکر سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھنے کے بعد، رکوع میں جانے سے پہلے امام اور مقتدی زائد تین تکبیریں کہیں،......وہ اس طرح کہ؛

اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور چھوڑ دیں،

پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور چھوڑ دیں،

پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور چھوڑ دیں،

اور چوتھی مرتبہ کانوں تک ہاتھ اٹھائے بغیر اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلے جائیں، اور نماز پوری کریں، نماز کے بعد دعا کریں، اس کے بعد دو خطبے پڑھیں، اور ان دو خطبوں کے درمیان تین چھوٹی آیتیں پڑھنے کی بقدر بیٹھ جائے۔ (فتاویٰ ہندیہ:۱/۱۵۰)

نکاح کا بیان

مسئلہ (۱): شرعاً نکاح کی حقیقت بس اتنی ہے کہ ایک طرف سے ایجاب ہو اور دوسری طرف سے قبول، اور یہ دو گواہوں کے سامنے ہو، جو دونوں مرد ہوں، یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے ہو، اس طرح شرعاً نکاح منعقد ہو جائیگا، **نکاح** میں خطبہ پڑھنا، نکاح کا اعلان کرنا، نکاح کا مسجد میں ہونا، نکاح پڑھانے والے کا نیک چلن ہونا، شاہدوں کا عادل ہونا وغیرہ امور، مسنون ومستحب ہیں، اگر نکاح میں خطبہ نہ بھی پڑھا جائے، یا خطبہ میں معروف ومشہور آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ نہ پڑھی جائیں، یا ان میں سے کوئی ایک چھوٹ جائے، تب بھی نکاح ہو جائیگا، **اسی** طرح نکاح کو رجسٹر میں درج کرنا نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت، بلکہ یہ قانونی چیز ہے کہ بوقت ضرورت عدالت میں کام دے سکے، اور جھگڑے ونزاع کو ختم کرنا آسان ہو، نفسِ نکاح بغیر اندراجِ رجسٹر کے بلا تکلف درست ہے۔ (الدر مع الرد:۴/۶۶، ۶۷)

مسئلہ (۲): خاندان ہی انسانی معاشرہ کی اساس ہے، اسلام نے خاندانی نظام کو انتہائی مضبوط ومستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کی تلقین کی ہے، کیوں کہ اسی سے نسلِ انسانی کی بہتری اور حقیقی انسانی معاشرہ کی تشکیل ہوتی ہے، اسلام نے خاندانی نظام اور نسلِ انسانی کی بقا کے لیے مرد وزن کے مابین ایک پاکیزہ رشتہ بنام ''نکاح'' مشروع فرمایا اور ''زنا'' کو حرام قرار دیا ہے، مگر موجودہ تہذیبیں اس پاکیزہ خاندانی نظام کو بکھیر دینے پر تلی ہوئی ہیں، معاشرہ میں نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان آزادانہ جنسی تعلقات قائم ہوں اس کے لیے وہ یہ کوششیں کر رہی ہیں کہ شادی کی عمر قانونی طور پر بڑھا دی جائے، تاکہ برائیوں کی راہ کھل جائے، وہ اس کے لیے بھی کمر بستہ دکھائی دے رہی ہیں کہ غیر شرعی تعلقات کو شرعی نام دے کر عام کیا جائے، مثلاً:

(۱) زواجِ دم، یعنی لڑکا لڑکی دونوں اپنی انگلیوں میں پن چبھا کر ایک دوسرے کے خون کو ملائیں تو یہ شادی ہوگئی۔

(۲) زواجِ وَشم، یعنی دونوں اپنے جسم پر گودنے والے سے ایک دوسرے کے نام کندہ کرالیں، تو شادی ہوگئی۔

(۳) زواج الکاست، یعنی یونیورسٹی کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں باہم دو ساتھی گواہوں کی موجودگی میں کلماتِ نکاح اس طرح کہیں کہ وہ ٹیپ ہو جائیں، پھر بطور اعلانِ ''نکاح'' و''ولیمہ'' اپنے دس پندرہ ساتھیوں کو سینڈوِچ کھلا دیں، تو شادی ہوگئی، اور اب دونوں میاں بیوی کی طرح زندگی گزار سکتے ہیں، شریعتِ اسلامیہ میں اس طرح کے نکاحوں کی کوئی گنجائش نہیں، بلکہ وہ حرام ہیں۔ **ہم** مسلمانوں کو چاہیے کہ ہم اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت پر خوب توجہ دیں، اور ہر لمحہ اس بات کی فکر کریں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا بیٹا یا بیٹی اس تہذیبِ نو کے سیلاب میں بہہ جائے، اور پھر ہم کفِ افسوس ملتے رہ جائیں۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ:۴۱/۲۱۰)

مسئلہ (۳): اگر عدالت میں کورٹ میرج، دو آزاد عاقل، بالغ، مسلمان گواہوں کی موجودگی میں کرلیا جائے، تو یہ نکاح

درست ہے، اور وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے حلال ہیں، البتہ اس طرح چھپ چھپا کر کورٹ میرج نہ کیا جائے، بلکہ علانیہ مستحب طریقہ پر کیا جائے۔ (سنن الدارقطنی:۳/۱۵۸، رقم الحدیث:۲۲۶)

مسئلہ (۴): بعض علاقوں میں نکاح کے موقع پر دولہے سے تین مرتبہ قبول کرواتے ہیں، نیز اس سے کلمۂ توحید بھی پڑھواتے ہیں، جب کہ نکاح کے صحیح ہونے کے لیے ایک مرتبہ ایجاب وقبول کافی ہے، یعنی ایک طرف سے کہا جائے کہ ''میں نے نکاح کیا'' اور دوسری طرف سے کہا جائے ''میں نے قبول کیا''- تین مرتبہ ایجاب وقبول ضروری نہیں، اور نہ ہی دولہے سے کلمہ پڑھوانا ضروری ہے، مگر آج کل لوگ جہالت کی وجہ سے کفر کی باتیں بکتے رہتے ہیں، اس لیے اگر احتیاطاً کلمہ پڑھوا دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے، لیکن چونکہ آج کل اس میں بڑی سختی کی جاتی ہے، کہ ایک فرقہ اس کے بغیر نکاح کو صحیح مانتا ہی نہیں ہے، خواہ دولہا -کلمہ، ایمانِ مجمل ومفصل سے نہ صرف واقف بلکہ اس کے تقاضوں پر عامل ہو، تب بھی کلموں اور ایمان مجمل ومفصل پڑھوانے پر اصرار کرتا ہے، جب کہ دوسرا گروہ اسے بدعت قرار دے کر اس کی سخت مخالفت کرتا ہے، اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ جو دولہا کلمہ اور ضروری عقائد سے واقف نہیں، اسے کلمہ اور ایمان مجمل ومفصل پڑھا دیا جائے، اور جو اس سے واقف ہے اُس پر اِس کا اصرار نہ کیا جائے۔ (بدائع الصنائع:۳/۳۲۲)

مسئلہ (۵): ہر عاقل، بالغ کو خواہ مرد ہو یا عورت خود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، اور جو بالغ نہیں یا جس کا دماغی توازن صحیح نہ ہو تو ان کے نکاح کا اختیار ان کے اولیاء کو حاصل ہے، اس سلسلے میں لڑکی اور لڑکے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ (فتح باب العنایۃ:۲/۳۰)

مسئلہ (۶): عاقلہ بالغہ لڑکی کو ولی کی مرضی کے بغیر نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ نکاح اولیاء اور لڑکی کی رضامندی سے ہو۔ (ہدایہ:۱/۳۱۳)

مسئلہ (۷): اولیاء کی جانب سے بالغ لڑکے یا لڑکی کو ان کی خواہش اور رضا کا خیال کیے بغیر کسی رشتہ پر مجبور کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، لہٰذا اولیاء کا اپنی رائے پر اصرار اور اس پر مجبور کرنے کے لیے طرح طرح کی دھمکیاں دینا اسلام کے دیئے ہوئے حقوق سے محروم کرنے کی ناروا کوشش ہے، جو کسی طرح درست نہیں ہے۔ (مختصر الوقایۃ:۱/۳۵۵)

مسئلہ (۸): عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے نکاح میں کفائت (برابری) یا مہر کے مطلوبہ معیار کا لحاظ نہ کرے تو بچہ پیدا ہونے سے پہلے تک اولیاء کو قاضی کے ذریعے تفریق کا حق حاصل ہوگا۔ (الدر المنتقی:۱/۴۸۹)

مسئلہ (۹): بوقتِ نکاح اگر عورت سے زبردستی دستخط کروالی جائے، یا انگوٹھا لگوالیا جائے، اور وہ زبانی قبول نہ کرے تو نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ (اعلاء السنن:۱۱/۷۷)

مسئلہ(۱۰): کسی لڑکے اوراس کے گھر والوں نے رشتۂ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا اور اپنے نسب وخاندان یا معاشی وسماجی حالت کے بارے میں خلافِ واقعہ باتیں بیان کر کے نکاح کرلیا، لیکن بعد میں دھوکہ دہی اور غلط بیانی ظاہر ہوئی، تو نکاح منعقد ہوگا، مگر لڑکی یا اس کے اولیاء کو قاضی کے پاس فسخ نکاح کے لیے مقدمہ دائر کرنے کا حق حاصل ہوگا۔
(المبسوط للسرخسی:۵/ ۲۸)

مسئلہ(۱۱): دلہن سے نکاح کی اجازت لینے کے وقت گواہوں کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے، بہتر ہے، البتہ ایجاب وقبول یعنی جب عورت کا وکیل یا ولی اپنی مؤکلہ یا مولّیہ کا نکاح کرار ہا ہو، اُس وقت گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔
(البحر الرائق:۳/ ۱۴۶، بدائع الصنائع:۳/ ۴۰۵)

مسئلہ(۱۲): نکاح صرف دو گواہوں کی موجودگی میں بھی ہوجاتا ہے، جب کہ دونوں گواہ مسلمان، عاقل اور بالغ ہوں، یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، مگر افضل اور بہتر یہ ہے کہ نکاح اعلان کے ساتھ، بڑے مجمع اور مسجد میں کیا جائے۔ (اعلاء السنن:۱۱/ ۹)

مسئلہ(۱۳): آج کل مرد وعورت میں مساواتِ حقوق، یعنی حقوق کی برابری کا نعرہ دے کر بعض مغربی فکر سے سوچنے والے، اوراس کی نظر سے دیکھنے والے نام نہاد مجتہدین کہیں عورتوں کی امامت اوراس کی خطابت کو جائز قرار دے رہے ہیں، تو کہیں جمعہ کی نماز بجائے جمعہ کے دن ادا کرنے کے اتوار کے دن پڑھنے کی ترغیب وتلقین کررہے ہیں کہ وہ چھٹی کا دن ہوتا ہے، اسی طرح وہ صرف عورتوں کی شہادت سے نکاح کے جائز ہونے کی بات کو بھی عام کررہے ہیں، جب کہ اسلام نے مرد وعورت دونوں کی خلقت وپیدائش کی اغراض الگ الگ بیان کی ہے، اوراسی لحاظ سے انہیں حقوق عطا کئے، اور ذمہ داریاں بھی سونپی ہیں، مگر مغرب، اسلام دشمنی میں نئے نئے ہتھکنڈے اپنا کر، پرفریب الفاظ کا نعرہ دے کر، اسلامی تعلیمات اوراس کی خصائص میں خلل اندازی کی پوری کوشش کررہا ہے، اس لئے اگر کسی نکاح میں صرف عورتیں ہی شاہد ہوں، خواہ وہ چار عورتیں ہی کیوں نہ ہوں، نکاح صحیح نہیں ہوگا، جب تک کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں نہ ہوں۔ (نور الأنوار:ص/ ۱۸، مبحث الخاص)

مسئلہ(۱۴): آج کل نکاح کے موقع پر، نکاح کی اجازت لینے کیلئے ایک وکیل اور دو شاہد لڑکی کے پاس جاتے ہیں، اور بسا اوقات یہ وکیل اور دونوں شاہد غیر محرم ہوتے ہیں، جب کہ اجازت لینے کیلئے وکیل اور گواہ محرم ہونا چاہیے، بالخصوص جب لڑکی بالغہ ہو اوراس کا ولی (سر پرست) موجود ہو، تو وہ خود لڑکی سے اجازت لے لے، یعنی اس سے کہدے کہ میں فلاں لڑکی سے اتنے مہر پر تمہارا نکاح کرتا ہوں، کیا تم کو منظور ہے؟ اس پر اگر لڑکی اجازت دیدے یا خاموش رہے، تو بس اتنا کافی ہے، اس کیلئے نہ گواہ کی ضرورت ہے نہ وکیل کی، اور اگر ولی موجود نہ ہو تو لڑکی اپنے کسی محرم (جس کے ساتھ اس کا نکاح حرام ہے) کو وکیل

بنادے، اس کے لیے بھی گواہ ضروری نہیں ہے، اگر کوئی محرم موجود نہ ہو تو وہ غیر محرم کو بھی بذریعہ تحریر یا زبانی پردہ کے پیچھے سے وکیل بنادے، تب بھی کافی ہے، یا خود لڑکے کو وکیل بنادے کہ آپ میرا نکاح اپنے سے کرلیں، خواہ یہ وکیل بنانا زبانی ہو یا تحریری، یہ سب صورتیں درست ہیں، قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ غیر محرم شخص وکیل یا گواہ بن کر لڑکی کے پاس بے پردہ نہ جائے۔ (ہندیہ: ۱/۲۹۴، ۲۹۵)

مسئلہ (۱۵): لڑکی ہندوستان میں اور لڑکا کسی اور ملک میں ہو، اور دونوں اپنے اپنے ملک میں رہ کر نکاح کرنا چاہتے ہیں، تو اس کی صورت یہ ہے کہ لڑکا فون یا انٹرنیٹ کے ذریعہ ہندوستان میں کسی کو اپنا وکیل بنادے کہ وہ اس کی طرف سے فلاں لڑکی کا نکاح قبول کرلے، اب ہندوستان میں مجلس نکاح منعقد کی جائے، قاضی صاحب یا لڑکے کے والد وغیرہ جو بھی نکاح پڑھائیں، وہ دو گواہوں کی موجودگی میں کہیں کہ میں نے فلاں لڑکی کا نکاح فلاں لڑکے سے، جو فلاں ملک میں ہے کردیا، اور وکیل کہے کہ میں اس نے لڑکی کو فلاں کے نکاح میں قبول کیا، تو اس طرح نکاح منعقد ہوجائیگا۔ (فتاوی ہندیہ: ۱/۲۶۸)

مسئلہ (۱۶): والدین کو راضی رکھنا اور ان کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم رکھنا بچوں کیلئے سعادت کی بات ہے، لیکن اگر وہ ایسی جگہ شادی کرنا چاہیں، جہاں لڑکے یا لڑکی کی طبیعت بالکل آمادہ نہیں، اور وہ جانتے ہیں کہ نکاح کے بعد ایک دوسرے کے حقوقِ زوجیت ادا نہیں کرسکیں گے، نباہ نہیں ہوگا، جو والدین کیلئے بھی کوفت کا سبب بنے گا، اس مجبوری سے شادی سے انکار کرسکتے ہیں، ان شاء اللہ وہ نافرمانی کے گنہگار نہیں ہوں گے، مگر بچوں کو چاہیے کہ نرمی سے والدین کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے پوری بات ان کے سامنے پیش کردیں، پھر بتادیں کہ فلاں جگہ شادی کرنا مناسب ہے، اور انہیں اعتماد میں لے کر اس جگہ شادی کرلیں، البتہ اگر لڑکی والدین یا اولیاء کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلے گی، تو والدین اور دیگر اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا، اور وہ قاضی کی عدالت میں اس نکاح کے فسخ کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔ (شرح الوقایۃ: ۲/۱۹)

مسئلہ (۱۷): بہتر یہ ہے کہ رشتہ ایسی لڑکی سے کیا جائے جو عمر، خاندان، دنیوی عزت اور مالداری میں لڑکے سے کمتر ہو، اور اخلاق، ادب، دین داری اور حسن و جمال میں لڑکے سے بڑھی ہوئی ہو، کیوں کہ اس صورت میں لڑکی شوہر کے حقوق زیادہ اچھی طرح ادا کرنے والی ہوگی، جو رشتۂ نکاح میں استحکام و پائیداری کا سبب ہوگا۔ (الدر مع الرد: ۴/۵۸)

مسئلہ (۱۸): آج کل ہمارے معاشرے میں لڑکی والوں کی طرف سے رشتہ کی پیشکش کو بہت معیوب، خلافِ غیرت اور عار سمجھا جاتا ہے، حالانکہ شرعاً اِس کی کوئی اصل نہیں، خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ سیدنا عثمان غنی اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے پیش فرمایا تھا، لہٰذا اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی آدمی اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ از خود کسی صالح و متقی مرد کے سامنے پیش کرے۔ (صحیح البخاری: ۲/۷۶۷، ۷۶۸)

مسئلہ (۱۹): اگر کوئی عورت کسی مرد کی دینداری، بزرگی، علم اور عزت وشرافت یا اور کسی دینی خصلت کی بنا پر اپنا رشتہ از خود اُس کے سامنے پیش کرے، تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی بے شرمی اور عیب کی بات نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: ص/۹۴۳)

مسئلہ (۲۰): بعض والدین وسرپرست محض خاندانی بندشوں وغیرہ کی وجہ سے اپنے لڑکوں یا لڑکیوں کے لیے دین دار اور با اخلاق شخص کا رشتہ آنے کے باوجود اُسے قبول کرنے میں تاخیر یا بلا وجہ ٹال مٹول کرتے ہیں، اور بعض تو ٹھکرا بھی دیتے ہیں، حالانکہ اس صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس طرح کے رشتہ کو قبول کر کے نکاح کر دینا چاہیے، ورنہ والدین وسرپرستوں کا یہ عمل بڑے فتنہ وفساد کا سبب ہوگا۔ (جامع الترمذی: ۱/ ۲۰۷)

مسئلہ (۲۱): جس شخص کا فاسق ہونا معلوم ہو بہتر ہے کہ اُس سے اپنی لڑکی کا رشتہ نہ کیا جائے، اسی طرح جس لڑکی کا چال چلن صحیح نہ ہو، بہتر ہے کہ اس سے رشتہ نہ کیا جائے۔ (ردالمحتار: ۴/ ۶۸)

مسئلہ (۲۲): بسا اوقات کسی شخص کو اولاد نہ ہونے کی وجہ سے، وہ دوسرے کی اولاد کو گود لیتا ہے، اور ولدیت میں بجائے اس کے والد کے نام کے، اپنا نام لکھتا ہے، اور اسی کو شہرت بھی دیتا ہے، شرعاً اس طرح ولدیت کو بدلنا درست نہیں ہے، اگر اس طرح لڑکے کا نکاح کسی لڑکی کے ساتھ کر دیا گیا اور نکاح کے رجسٹر میں بھی اس کے اصل والد کے نام کی جگہ گود لینے والے کا نام باقی رکھا گیا، اور وہ لڑکا مجلس نکاح میں حاضر تھا، تو نکاح ہو جائے گا، اس میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، کیوں کہ والد کے نام کی ضرورت جہالت کو دور کرنے کیلئے ہوتی ہے، جب کہ لڑکے کے مجلس نکاح میں حاضر ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت باقی نہ رہی۔ (فتاوی تاتارخانیہ: ۲/ ۲۶۰)

مسئلہ (۲۳): بعض لوگ کسی غیر رشتہ دار عورت کو اپنی منہ بولی بہن بناتے ہیں، اسی طرح بعض عورتیں کسی غیر رشتہ دار مرد کو اپنا منہ بولا بھائی بناتی ہیں، اسی طرح بعض لوگ کسی اور کی اولاد کو اپنا منہ بولا بیٹا یا بیٹی بناتے ہیں، لہٰذا صرف زبان سے کہہ دینے سے وہ شرعاً بھائی بہن یا بیٹا بیٹی نہیں ہو جاتے، بلکہ وہ بدستور ایک دوسرے کے غیر محرم رہیں گے، اور پردہ بھی ضروری ہوگا، اور اگر کوئی دوسرا مانعِ شرعی نہ ہو، تو ان کا آپس میں عقدِ نکاح بھی درست ہوگا۔ (أحکام القرآن للجصاص: ۳/ ۴۶۴، الأحزاب، الآیۃ/ ۴، ۵)

مسئلہ (۲۴): توأمین (یعنی دو جڑی ہوئی بہنیں) کی تین صورتیں ہیں:

۱- بعض اعضاء الگ ہوں، بعض کمر سے ایک ہوں، ہاتھ پاؤں اگرچہ الگ الگ ہوں، مگر پیشاب پاخانہ ایک ہی راستہ سے ہوتا ہو تو یہ ایک عورت کے حکم میں ہے، کسی ایک مرد سے ان کا نکاح درست ہے۔

۲- تمام اعضاء الگ الگ ہوں، مگر بعض میں کسی ایک جگہ پر ایسا جوڑ ہو کہ بغیر کسی خطرے کے آپریشن (Operation)

کے ذریعہ دونوں کو جدا کیا جاسکتا ہو، تو وہ الگ الگ عورتیں ہیں، بغیر جدا کئے ہوئے کسی ایک ہی مرد سے نکاح کرنا حرام ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں دو بہنوں کا ایک ہی نکاح میں جمع ہونا لازم آئیگا، جس کو قرآن نے حرام قرار دیا ہے۔

۳۔ جسم خلقی طور پر اس طرح سے جڑے ہوئے ہوں، کہ ماہر سے ماہر ڈاکٹر بھی بغیر جان کے خطرے کے آپریشن (Operation) نہ کرسکتا ہو، تو بقول حکیم الامت علامہ تھانوی رحمہ اللہ ایسی دو بہنوں کا نکاح کسی ایک مرد کے ساتھ کرنا جمع بین الأختین کی وجہ سے حرام ہوگا۔ (الدر المنثور فی التفسیر المأثور:۲/۲۴۵)

مسئلہ (۲۵): مقلد کیلئے غیر مقلد لڑکے سے اپنی لڑکی کا نکاح کرنا یا اس کا برعکس نامناسب ہے، کیونکہ مقلدین و غیر مقلدین میں بہت سے اصولی و فروعی اختلافات ہیں، یہ لوگ صحابہ کو معیارِ حق نہیں مانتے، ائمۂ اربعہ پر سبّ و شتم کرتے ہیں، بہت سے اجماعی مسائل کے منکر ہیں، صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ بیس رکعت تراویح سنت ہے، جبکہ یہ لوگ اسے بدعتِ عمری کہتے ہیں، اور تہجد کی آٹھ رکعت تراویح کیلئے پیش کرتے ہیں، جمعہ کی پہلی اذان کو بدعتِ عثمانی کہتے ہیں، ایک مجلس میں تین طلاق کے وقوع (جن پر صحابہ و جمہور علماء کا اجماع ہے) کا انکار کرتے ہیں، صحابہ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکا ہے، جس پر صحابہ کا اجماع ہے، یہ لوگ اس کو ٹھکراتے ہیں، اور بعض چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کو جائز کہتے ہیں، یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کے ساتھ نکاحی تعلق قائم کرنا کیسے گوارہ ہوسکتا ہے، لہذا ان سے نکاحی تعلق قائم کرنا ہی بہتر نہیں ہے، لیکن اگر نکاح کرلیا گیا تو منعقد ہوجائیگا۔ (النہر الفائق:۲/۱۹۴)

مسئلہ (۲۶): **چچی**، ممانی اور بھابھی سے، چچا، ماموں یا بھائی کے طلاق دیدینے یا ان کے انتقال کر جانے کے بعد جب عدت گزر جائے تو نکاح جائز ہے، **بھابھی** کی وہ لڑکی جو اپنے بھائی کے علاوہ دوسرے شوہر سے ہو، اس سے بھی نکاح کرنا جائز ہے، **اسی** طرح بھتیجے یا بھانجے کی بیوی جس کو طلاق ہوچکی ہو، یا اس کا شوہر مر گیا ہو، تو عدت کے بعد اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ **نیز** سوتیلی ماں کی بہن سے بھی نکاح جائز ہے، اور سوتیلے باپ کی وہ لڑکی جو اس کی ماں کے بطن سے نہ ہو، بلکہ کسی دوسری عورت کے بطن سے ہو، سے نکاح کرنا جائز ہے، **باپ** کے علاوہ دوسرے شوہر سے پیدا ہونے والی لڑکی سے نکاح جائز ہے، **بہنوئی** کی وہ بیٹی جو بہن کے پیٹ سے نہ ہو اُس سے نکاح کرنا جائز ہے، **بیوی** کے پہلے شوہر کی وہ لڑکی جو بیوی کے بطن سے نہ ہو، اس سے نکاح کرنا جائز ہے، کیوں کہ اس لڑکی اور بیوی کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں، بلکہ وہ اجنبیہ کے حکم میں ہے، **چچا زاد**، ماموں زاد، خالہ زاد بھائی بہن کی لڑکیوں سے نکاح جائز ہے۔...... **ان** تمام کا نکاح آپس میں جائز ہے، کیوں کہ ایک کے ساتھ دوسرا محرم جمع نہیں ہو رہا ہے، اور فقہ کا ضابطہ ہے کہ: ''ایسی دو عورتوں کو آپس میں جمع کرنا، کہ اگر ان میں سے

ایک کو مرد تصور کیا جائے تو دوسری اس پر حرام ہو، تو ان دونوں کے درمیان نکاح درست نہیں"، اور یہ بات ان تمام صورتوں میں نہیں پائی جاتی ہے۔ (الدر مع الشامیۃ: ۴/۱۰۵)

مسئلہ (۲۷): اگر کوئی عورت مرد بن جائے اور اس سے کوئی اولاد بھی ہو، اور مرد بننے کے بعد بھی کوئی اولاد پیدا ہوئی ہو، تو ان دونوں کے درمیان رشتۂ ازدواج قائم نہیں ہوسکتا ہے، بلکہ حرام ہے، اگرچہ اس کی پیدائش پر اس کی صفت جداگانہ تھی، پھر بھی ایک ذات سے مولود ہونے کی وجہ سے ان کے درمیان ازدواج کا تعلق درست نہیں ہے، جس طرح عینی بھائی بہن سے نکاح حرام ہے، اسی طرح علاتی اور اخیافی بھائی بہن سے بھی حرام ہے، ہر ایک کی تولید کے وقت مولود منہ کی جو صفت تھی اسی کے اعتبار سے رشتہ بھی قائم کیا جائیگا۔ (صحیح البخاری: ص/۹۴۱، رقم الحدیث: ۵۱۰۵)

مسئلہ (۲۸): بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ جب دو بھائیوں کی شادی ایک ساتھ کی جاتی ہے، تو ایسی شادی جلدی ختم ہوجاتی ہے، اور اپنے اِس قول کی تائید میں وہ اپنا مشاہدہ اور تجربہ بھی بیان کرتے ہیں، اُن لوگوں کی نہ یہ بات صحیح ہے اور نہ ہی اُن کا مشاہدہ اور تجربہ صحیح ہے، بلکہ یہ محض ایک وہم ہے، شادی ختم ہونے کی وجوہات کچھ اور ہوتی ہیں، ضرورت ہے کہ اُن وجوہات کو معلوم کیا جائے، اور اُن سے اپنے آپ کو بچائیں، تو ان شاء اللہ تعالیٰ شادی جلدی ختم نہ ہوگی، بلکہ زوجین کی زندگی بھر شادی باقی رہے گی، اور یہی شریعت کا مقصود بھی ہے کہ شادی زندگی بھر باقی رہے، ختم نہ ہو۔ (شروح ابن ماجہ: ۱/۷۳۷، تحت رقم الحدیث: ۱۸۶۵)

مسئلہ (۲۹): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ایک ہی دن دو بہنوں یا دو بھائیوں کی شادی کی جائے، تو ایک کو تکلیف اور مفلسی آتی ہے، اُن کا یہ خیال باطل وہموں میں داخل ہے، شرعاً اِس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں، تکلیف اور مفلسی انسان کے اپنے کرتوت و گناہوں کے سبب آتی ہے، جس طرح راحت وخوشحالی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طاعت سے حاصل ہوتی ہے، ضرورت ہے کہ ہم وہ کام کریں جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ خوش ہوتے ہیں، اور ان کاموں سے بچیں جن سے وہ ناراض ہوتے ہیں، اور شادیوں کی تقریبات سنت کے مطابق سادگی کے ساتھ انجام دیں، تو ان شاء اللہ اس میں خیر و برکت ہوگی۔
(روح المعانی: ۱۴/۶۲)

مسئلہ (۳۰): آج کل مسلم محلوں میں شادی خانہ آبادی کی دھوم ہے، ہر روز شادی ہو رہی ہے، اسلام نے عورت اور مرد کے رشتے کو ایک عظیم تقدّس عطا کیا، شوہر کو عورت کے نان، نفقہ، رہائش اور عصمت کا منتظم ومحافظ قرار دیا، تو عورت کو اس کے لیے باعثِ سکون، نیز اس نے اس سنت کو سادگی اور کم خرچ کے ساتھ کرنے کی نہ صرف ترغیب دی، بلکہ آپ ﷺ نے اپنی چہیتی بیٹی، خاتونِ جنت، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی جس سادگی کے ساتھ کی، وہ عالمِ اسلام کے لیے آج بھی ایک نمونہ ہے،

صدیوں تک مسلمان اِسی طریقے کو اپناتے رہے، لیکن آج کا مسلمان غیروں کے رسم ورَواج سے متاثر ہو کر، پیارے آقا ﷺ کے طریقے کو چھوڑ بیٹھا، اور اپنے بچوں وبچیوں کی شادیوں میں غیر اسلامی طریقوں کو رَواج دے رہا ہے، مثلاً -: شادیوں کے موقع پر لائٹنگ، میوزک، ویڈیو گرافی، فوٹو گرافی، عورتوں کا فیشن ایبل ملبوسات میں اپنے حسن و جمال کی نمائش، اور دعوتوں میں بوفے ڈِنر کا سسٹم وغیرہ، یہ سب چیزیں غیر اسلامی اور غیر شرعی ہیں، جو ہماری رُسوائی اور بربادی کا سبب بن رہی ہیں، مگر افسوس! ہمیں اِس کا احساس تک نہیں، جو انتہائی نقصان اور خسارہ کی بات ہے۔ (معارف القرآن: ۶۷۳/۴)

مسئلہ (۳۱): اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ وہ پہلے ایک نظر اس کو دیکھ لے، تو شریعت نے اس کی گنجائش دی ہے، کہ کہیں موقع مل جائے تو چھپ چھپا کر دیکھ لیں، حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو پیغام نکاح دینا چاہتا ہے، تو اگر ممکن ہو تو اسے دیکھ لیں۔''

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''صاف صاف مطالبہ کرنا کہ مجھے دکھاؤ میں خود دیکھ لوں گا، تو یہ مناسب نہیں ہے، کیوں کہ اگر ہر شخص صاف صاف دیکھنے کا مطالبہ کرے اور یہ دروازہ کھول دیا جائے، تو نہیں معلوم ایک ایک لڑکی کو شادی کرنے کیلئے کتنے کتنے لڑکوں کو دکھانے کی نوبت آئے گی، ایک ناپسند کرے اس کی بھی شہرت ہوگی، اس سے احباب ناپسندیدگی کی وجہ دریافت کریں گے، وہ اسی کا حلیہ پوری تفصیل سے بتائے گا، گھوڑی اور گائے کی سی کیفیت ہو جائے گی کہ گاہک آتے ہیں، دیکھتے ہیں، ناپسند کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔'' (بذل المجہود: ۲۸۴/۱)

مسئلہ (۳۲): نکاح سے پہلے منسوبہ کو چھپ چھپ کر دیکھنا جائز تو ہے، مگر بعض لوگوں نے اس امر جائز سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے، کہ تنہا کمرہ میں اپنی منسوبہ سے ملاقات کر کے ہاتھ میں ہاتھ ملا کر، دیر تک اس سے گفتگو اور خوش طبعی کرتے ہیں، اور بعض لوگ تو لڑکے اور لڑکی کو کسی جگہ ساتھ رہنے اور زندگی کا کچھ حصہ مل کر گذارنے کیلئے تجربہ کے طور پر بھیج دیتے ہیں، شرعاً یہ دونوں باتیں ناجائز وحرام ہیں، کیوں کہ نکاح سے پہلے دونوں اجنبی ہیں، اور اجنبیہ کے ساتھ خلوت وتنہائی کو فقہاء کرام نے حرام قرار دیا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: ص/ ۲۶۸)

مسئلہ (۳۳): نکاح کے ارادے سے کسی لڑکا لڑکی کا آپس میں آمنے سامنے دیکھنا تو جائز ہے، مگر تصویر اور فوٹو دیکھنا جائز نہیں، اور یہ عدمِ جواز تصویر سازی کی حرمت کی بناء پر ہے، کیوں کہ فوٹو دیکھنے کے لیے فوٹو نکالنا ہوگا، جو شرعاً ممنوع ہے۔
(سنن ابن ماجہ: ص/۱۳۴)

مسئلہ (۳۴): آج کل یہ رواج عام ہو چلا ہے کہ منگنی کے بعد لڑکے منگیتر لڑکی کے ساتھ سیر وتفریح کے لیے نکل جاتے

ہیں، اور اس سے اختلاط کرتے ہیں، جب کہ محض منگنی کر لینے سے نکاح نہیں ہوتا، اس لیے نکاح سے پہلے منگیتر لڑکی اجنبیہ ہی ہے، اور اجنبی مرد کا اجنبیہ عورت کے ساتھ اختلاط حرام ہے، کیوں کہ یہ اختلاط حرام میں وقوع کا ذریعہ ہے، اور فقہ کا قاعدہ ہے: کہ ''ذریعۂ حرام بھی حرام ہوتا ہے''۔ (المقاصد الشرعیۃ للخادمی: ص ۴۶)

مسئلہ (۳۵): آج کل مغربی کلچر و یورپی تہذیب کو آئیڈیل بنانے والے ملکوں نے، قانونِ اسلام کے خلاف اباحیت کا نعرہ لگاتے ہوئے، منگنی کے بعد عقدِ نکاح سے قبل، زوجین کو باہم محبت و پیار کے تعلقات قائم کرنے، اور ایک دوسرے کے ساتھ عرصۂ دراز گزارنے کو نہ صرف جائز قرار دیا، بلکہ نوبت اب یہاں تک پہنچ چکی، کہ جب وہ عورت حاملہ ہوجاتی ہے تب نکاح کرتے ہیں (لاحول ولا قوۃ إلا باللہ)، اس طرح کا اختلاط (میل ملاپ) سراسر حرام اور اسلامی نقطۂ نظر کے خلاف ہی نہیں، بلکہ عقلاً بھی مہذب قانون، اور ثقافتِ انسانی کے خلاف ہے، اور ایک غیر فطری وغیر اخلاقی کوشش ہے، کیونکہ اباحیت کا یہ نعرہ عورتوں کے ساتھ ظلم اور کھلی زیادتی ہے، اس لئے کہ شادی سے قبل اگر ان جنسی تعلقات نے منفی تعلقات اور خواہشات کو تکمیل تک پہنچا دیا، اور پھر رشتہ نہ ہوسکا تو اس کا خمیازہ تنہا عورت ہی کو بھگتنا پڑتا ہے، اللہ مغرب کی اندھی تقلید سے ہماری حفاظت فرمائے، اور قرآنی واسلامی قانون پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (مشکوۃ المصابیح: ۴/ ۱۹)

مسئلہ (۳۶): لڑکی کے رشتہ کے لیے ای میل کے ذریعہ اس کے فوٹو بھیجنے کا رَواج عام ہورہا ہے، حالانکہ رشتہ کے لیے لڑکی کا فوٹو لینا اور لڑکے کے والوں کے پاس بھیجنا شرعاً جائز نہیں ہے، کیوں کہ ضرورتِ شدیدہ کے بغیر فوٹو کھینچنا، کھنچوانا شریعت میں حرام اور گناہ ہے۔ (صحیح البخاری: ۲/ ۸۸۰، رقم الحدیث: ۵۹۵۰)

مسئلہ (۳۷): نکاح سے قبل منگنی کے موقع پر لڑکے والے، لڑکی والوں کے یہاں جو مٹھائی وغیرہ لے کر آتے ہیں اگر یہ بطورِ شرط اور مجبور ہوکر دینا ہوتا ہو تو یہ رشوت ہے، جو کہ ناجائز وحرام ہے، اور اگر بطورِ شرط اور مجبور ہوکر نہیں دیتے بلکہ بطیبِ خاطر ہی دیتے ہیں، لیکن رسم ورواج کی بناء پر دیتے ہیں تو بھی ناجائز ہے، کیونکہ قاعدہ ہے: ''**المعروف کالمشروط**'' معروف مشروط کی طرح ہے، ہاں اگر کہیں عرف نہ ہو اور نہ ہی رسم ورواج ہو، بلکہ بلا طلب، بلا شرط، بلا رسم ورواج کی پابندی کے بطیبِ خاطر دیتے ہیں تو یہ ہدیہ ہوگا، اور اس کا لینا جائز اور درست ہوگا۔ (مشکوۃ المصابیح: ص/ ۲۵۵)

مسئلہ (۳۸): بعض لوگ کہتے ہیں کہ شادی میں تقسیم کئے جانے والے چھوہارے لڑکی والوں کو لانا ضروری ہیں، جب کہ بعضوں کا یہ خیال ہے کہ یہ لڑکے کے والوں پر لازم ہے، صحیح بات یہ ہے کہ لازم وضروری کسی پر بھی نہیں ہے، جو اس فضیلت کو حاصل کرنا چاہے لے آئے۔ (إعلاء السنن: ۱۱/ ۱۷)

مسئلہ (۳۹): شادی کے موقعہ پر چھوہارے، مصری، اخروٹ وغیرہ لٹانا سنت ہے نہ کہ ان کو تقسیم کرنا، اگر یہ عمل مسجد میں ہوتو مسجد کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہونا چاہئے، کیونکہ احترام مسجد واجب ہے۔ **چھوہارے** وغیرہ لٹاتے وقت اگر وہ کسی کی گود یا آستین میں گرے تو وہی اس کا مالک ہے کسی اور کو اس کی گود سے لینا جائز نہیں ہے، بشرطیکہ اس نے دامن یا آستین کو اس لئے پھیلایا ہو اور اگر دامن یا آستین کو اس لئے نہیں پھیلایا تو دوسرے کے لئے لینا جائز ہے، اور اگر کسی کے سر پر گرے تو دوسرے شخص کو لینا جائز ہے اور اگر کسی نے چھوارے کو ہاتھ میں لے لیا اور پھر اس کے ہاتھ سے گر گیا اور دوسرے شخص نے اسے لے لیا تو یہ اس کے لئے جائز نہیں، بلکہ پہلا شخص ہی اس کا مستحق ہے۔ (إعلاء السنن ۱۱/ ۱۷)

مسئلہ (۴۰): گھر پر تقریبِ نکاح کا منعقد کرنا جائز ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ نکاح مسجد میں کیا جائے، کیوں کہ آپ ﷺ نے اس کا حکم فرمایا ہے، اور آج کل شادی کے رسم ورواج اتنے زیادہ بڑھ گئے ہیں کہ جن کو انجام دینے میں اکثر مستورات کی نمازیں فوت ہوجاتی ہیں، نیز نکاح میں اس قدر فضول خرچی بڑھ گئی کہ بسا اوقات آدمی اس میں مقروض ہوجاتا ہے، اسی طرح تبلیغی اجتماعات میں عقد نکاح کیا جائے تو یہ بھی بہتر ہے، کیوں کہ اجتماعات عموماً مساجد میں ہوتے ہیں، اور جہاں مسجد میں گنجائش نہیں ہوتی ہے، وہاں اجتماع گاہ میں دو تین دن تک اذان واقامت کے ساتھ پانچوں وقت باجماعت نماز پڑھی جاتی ہے، اس لئے اس جگہ نکاح کرنا مسجد میں نکاح کرنے کے مانند ہوگا۔ (العرف الشذی: ۲/ ۳۵۸)

مسئلہ (۴۱): آج کل الحمد للہ مسجدوں میں نکاح کا رواج عام ہورہا ہے، جو عین تعلیماتِ اسلام کے مطابق ہے، اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ مسجد ہونے کی وجہ سے لوگ بہت سے منکرات سے بچ جاتے ہیں، لیکن اس صورت میں بعض لوگوں کو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بعضے اوقات باراتیوں میں غیر مسلم شخصیات بھی ہوتی ہیں، اور وہ طہارت کے بغیر مسجد میں آجاتے ہیں جو اچھی بات نہیں ہے، ان کے اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ غیر مسلموں کا مسجد میں داخل ہونا منع نہیں ہے، جائز ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کے زمانے میں غیر مسلم مہمانوں کو مسجد ہی میں ٹھہرایا جاتا تھا، غیر مسلم قیدی مسجد ہی کے ستون سے باندھے جاتے تھے، لہٰذا اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلکہ ایسے موقع پر اسلام کے طریقہ نکاح کو اچھی طرح واضح کیا جائے، تو دعوتِ اسلام بھی ہے، البتہ مسلمان ہو یا غیر مسلم دونوں کیلئے ضروری ہے کہ ان کے جسم یا کپڑے پر ایسی نجاست نہ لگی ہو، جس سے مسجد کے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہو۔ (صحیح مسلم: ۱/ ۳۳، ۳۴)

مسئلہ (۴۲): آج کل تبلیغی اجتماعات وغیرہ میں نکاحوں کا انعقاد عام ہوتا جارہا ہے، یہ نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے، کیوں کہ اس سے معاشرہ فضول خرچی سے محفوظ رہتا ہے اور نکاح کی خوب شہرت بھی ہوتی ہے، جو نکاح میں مندوب ومستحب ہے۔ (ترمذی: ۱/ ۲۰۷)

مسئلہ (۴۳): مجلس نکاح میں خطبہ مسنونہ اورایجاب وقبول ثابت ہے، تلاوت قرآن کریم ،نعت شریف اگر چہ عمدہ چیز ہے،مگر مجلس نکاح میں مستقلاً یہ ثابت نہیں، پھر مجلس نکاح میں اس کی پابندی کرنا غیر ثابت چیز کی پابندی کرنا ہے، جو شرعاً ناپسند ہے،لیکن اگراس کی پابندی نہ کی جائے اور نہ اس کو ضروری سمجھا جائے ،تو اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہونا چاہیے،لیکن اس میں اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ قرآن کریم اور نعت پڑھنے کا مقصد مجمع کو جوڑنا اور محض وقت گزاری نہ ہو، کیوں کہ یہ قرآن کریم کی شان وعظمت اور آپ ﷺ کی نعت کے رفعت کے خلاف ہے۔ (السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ :ص/ ۲۶۵)

مسئلہ (۴۴): خطبۂ نکاح کھڑے ہوکر پڑھنا بھی درست ہے،اور بیٹھ کر پڑھنا بھی درست ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند، رقم الفتویٰ:۳۹۰۴۶)

مسئلہ (۴۵): دعوتِ ولیمہ کے قبول کرنے کو علماء کرام نے ضروری قرار دیا ہے،لیکن آج کل چونکہ گانے بجانے اورلہو ولعب کا دور دورہ ہے،اس لئے اگر یہ بات یقینی طور پر پہلے سے معلوم ہو کہ وہاں گانے بجانے اورلہوولعب کا اہتمام ہوگا،تو ایسی دعوت میں نہیں جانا چاہیے، البتہ اگر وہاں پہنچ کر یہ بات ہو،تو واپس نہ آنے میں کوئی حرج نہیں ،لیکن یہ حکم عوام الناس کے لے ہے،اور جہاں تک خواص کی بات ہے،تو اگر وہ انہیں اس لہوولعب سے روکنے پر قادر ہیں،تو ان کو اس سے روکدیں، ورنہ وہاں سے واپس آجائے ،تا کہ داعی پر جب ان کی ناراضگی واضح ہو،تو وہ اپنے عملِ بد سے باز آجائے۔ (صحیح مسلم:۲/ ۲۱۳)

مسئلہ (۴۶): شادی کے موقع پرلڑکے کی طرف سے دعوتِ ولیمہ مسنون ومشروع ہے،لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کھانے اور کھلانے کا رواج بعد کی رسم ہے،صحابہ،تابعین،اورتبع تابعین کے زمانے میں یہ رسم نہیں تھی،اس لیے یہ طریقہ خلافِ سنت ہے،اورگاؤں برادری کو بھوج (ضیافت/کھانا) نہ دینے پرلڑکی کے باپ کو طعنہ دینا ناجائز اور گناہِ کبیرہ ہے۔اگرلڑکی والے دباؤ میں آکر، یارسم ورواج کا پابند ہوکر کھلا بھی دیں، یا شہرت وتفاخر کے طور پر کھلائے تو اس کا کھانا حرام ہے،حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''کسی کا مال بغیراس کی رضا اور خوشی کے استعمال کرنا حلال نہیں''۔**اسی** طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دوسرے پر فخر کرنے کے لیے کھلانے والوں کی دعوت قبول نہ کی جائے ،اوران کا کھانا نہ کھایا جائے ،اس لیے لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کا التزام کرنا،اوراس کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے، حالانکہ آج معاملہ ایسا ہوگیا ہے کہ زیادہ ترلڑکی والوں کی طرف سے ہی اس کا التزام کیا جارہا ہے،اس لیے یہ چیزیں واجب الترک ہیں،حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا فتوی ہے کہ لڑکی والوں کی طرف سے باراتیوں یا برادری کو کھانا دینا لازم یا مسنون اور مستحب نہیں ہے،اگر بغیر التزام کے وہ اپنی مرضی سے کھانا دیدیں تو مباح ہے،نہ دیں تو کوئی الزام نہیں۔ (کفایت المفتی :۵/ ۱۵۶-۱۵۸)

مسئلہ (۴۷): ولیمہ کی دعوت اجتماعِ زوجین کے بعد کھلائی جاتی ہے، جس میں پڑوسی، دوست و اقارب اور علماء و فقراء کو جمع کر کے خلوص نیت کے ساتھ، حسب حیثیت جانور ذبح کر کے یا کچھ کھانا پکا کر کھلاتے ہیں، دعوتِ ولیمہ کی مدت کے سلسلہ میں فقہائے کرام یہ فرماتے ہیں کہ اس کی مدت اجتماعِ زوجین کے بعد دو دن ہے، اس کے بعد کی دعوت کو دعوتِ ولیمہ نہیں کہا جائیگا، کیوں کہ آپ ﷺ نے اگلے دن ولیمہ کو حق، دوسرے دن درست، اور تیسرے دن ریا کاری قرار دیا ہے۔ **اب** رہی یہ بات کہ کیا مسلسل دو دن یا اس سے زیادہ دنوں تک دعوتِ ولیمہ کا اہتمام و تکرار درست ہے؟ تو اس سلسلہ میں علمائے کرام کی رائے یہ ہے کہ اگر جذبۂ تفاخر نہ ہو، یا لوگ زیادہ اور مکان چھوٹا ہو، جس کی وجہ سے ایک ہی دن میں تمام لوگوں کو کھلانا ممکن نہ ہو، دوسرے روز یا تیسرے روز کے شرکاء دعوت، پہلے اور دوسرے روز کے شرکاء کے علاوہ ہوں، تو دو دن سے زیادہ دعوت ولیمہ کا اہتمام و تکرار جائز ہے، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کے مطابق آپ ﷺ نے حضرتِ صفیہ سے نکاح کے موقع پر تین دنوں تک ولیمہ فرمایا ہے۔ (اعلاء السنن:۱۱/۱۷)

مسئلہ (۴۸): ولیمہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نکاح کے بعد جس رات میاں بیوی کی پہلی ملاقات و خلوت ہو، اس سے اگلے روز حسبِ استطاعت لوگوں کو کھانا کھلایا جائے، ہم بستری شرط نہیں ہے، اور دو روز تک ولیمۂ مسنونہ کا وقت رہتا ہے۔
(مرقاۃ المفاتیح:۶/۳۳۵)

مسئلہ (۴۹): آج کل نکاح کا موسم جاری ہے، اور ولیمہ کی دعوت بھی بکثرت ہو رہی ہے، حسبِ حیثیت ولیمہ کرنا سنت ہے، اور جمہور علماء کے قول کے مطابق دعوتِ ولیمہ قبول کرنا واجب ہے، لیکن بسا اوقات ایک ہی وقت میں ایک سے زائد دعوتیں آجاتی ہیں، اور انسان اس شش و پنج اور تردد میں پڑ جاتا ہے کہ کس دعوت کو قبول کرے اور کس کو نہیں؟ کس میں حاضر ہو اور کس میں نہیں؟ **اس** سلسلے میں حکم شرع یہ ہے کہ جب ایک ہی وقت کی دو دعوتیں آجائیں، تو جس داعی کا مکان قریب ہو اس کی دعوت قبول کی جائے، اور اگر دونوں کے مکان قریب ہوں تو جو دعوت پہلے آئی، اس میں شرکت کی جائے۔ **اِس** سے معلوم ہوا کہ وجہ ترجیح قربِ مکان اور تقدیم و اولیتِ دعوت ہے، نہ کہ عمدہ کھانا، کہ فلاں جگہ گوشت مانڈے ہیں، اور فلاں جگہ تہاڑی، تو گوشت مانڈے والی دعوت کو ترجیح دی جائے، نیز یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ دونوں دعوتیں لہو و لعب اور منکراتِ شرعیہ سے خالی ہوں، ورنہ اسی دعوت میں شرکت درست ہوگی جس میں لہو و لعب اور منکراتِ شرعیہ نہ ہوں، کیوں کہ اس صورت میں منکرات پر مشتمل دعوت منکرات سے خالی دعوت کے معارض ہی نہیں ہوگی، اور منکرات سے خالی دعوت قبولیت و شرکت کیلئے متعین ہو جائے گی۔
(انجاح الحاجۃ علی ابن ماجہ:ص/۲۴۰)

مسئلہ (۵۰): بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ شادی سے ایک دن پہلے لڑکے والے منڈوے کا کھانا کھلاتے ہیں، اگر یہ کھانا اتفاقاً یا ضرورۃً دیا جائے، مثلاً باہر سے مہمان آئے ہوں اور کھانے میں اسراف، ریاء ونمود اور پابندئ رسم ورواج کو دخل نہ ہو، تو یہ کھانا مباح ہے، لیکن اگر رسم ورواج اور ریاء ونمود کیلئے کھلایا جائے، پورے گاؤں میں سے لوگوں کو بلایا جائے اور باقاعدہ اس کا التزام کیا جائے، تو یہ کھانا شرعاً جائز نہیں ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: ص ۲۷۹)

مسئلہ (۵۱): آج کل شادیوں کی دعوت میں ہوتا یہ ہے کہ بلایا جاتا ہے پچاس آدمیوں کو اور جا پہنچتے ہیں سو آدمی، اول تو بن بلائے اس طرح کسی کے گھر جا کر کھالینا حرام ہے، حدیث میں ہے کہ: ''جو شخص دعوت میں بن بلائے جائے وہ چور ہو کر داخل ہوا اور لٹیرا ہو کر نکلا، یعنی ایسا گناہ ہوتا ہے جیسے چوری اور لوٹ مار کا ہوتا ہے، نیز اس میں میزبان شخص کی بے ابروئی اور بے عزتی بھی ہوتی ہے، کہ اس نے صرف پچاس لوگوں کا کھانا پکایا تھا، اب سو آدمی پہنچ گئے جس کی وجہ سے کھانا گھٹ گیا، جبکہ کسی کو ذلیل ورسوا کرنا گناہ ہے، پھر ان باتوں کی وجہ سے اکثر جانبین سے ایسی ضدا ضدی اور ناچاقی ونا اتفاقی پیدا ہوتی ہے کہ عمر بھر اس کا اثر دلوں میں رہتا ہے، اور جن باتوں سے ناچاقی ونا اتفاقی پیدا ہوتی ہو وہ حرام ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح: ص/ ۲۷۸)

مسئلہ (۵۲): نکاح میں گانا بجانا، ناچنا نچوانا، ویڈیو شوٹنگ کرنا، فوٹو کھچوانا، عورتوں کا بے پردہ گھومنا، مرد وعورت کا ایک ساتھ کھانا کھانا، عورتوں کا غیر محرموں کے ساتھ باتیں کرنا، مستی مذاق کرنا، محرمات کا داماد کے گال پر ہاتھ پھیر کر انگلیاں پھوڑنا، بہنوئی کے جوتے چپل چھپا دینا، بارات کا راستہ روکنا، گولہ اور پٹاخے پھوڑنا، عورتوں کا اشعار اور گیت گانا، مرد کا ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا، دولہا اور دلہن کو سہرا اور گجرا وغیرہ پہنانا، دولہا دلہن کا ایک جگہ بیٹھنا جبکہ دلہن کا منہ کھلا ہوا ہو، اور نوجوان لڑکے لڑکیاں ارد گرد ہوں، گھوڑے پر دولہے کا سوار ہونا، جوان عورتوں کا بارات میں شامل ہونا اور دولہا کے ناک کان کھینچنا، یہ سب ہندوانہ رسمیں ہیں جو ناجائز اور حرام ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی دی ہوئی شریعتِ مطہرہ پر پورے طور پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور بدعات وخرافات سے پوری پوری حفاظت فرمائے۔ آمین (صحیح البخاري: ۱/ ۳۷۱، مشکوۃ المصابیح: ص/ ۲۷)

مسئلہ (۵۳): بعض علاقوں میں شادی کے موقع پر دولہا دلہن کے گھر اور منڈپ پر آم وغیرہ کے پتے ڈالے جاتے ہیں، جس کو ہرا منڈپ کہا جاتا ہے، اسی طرح گھر کے کسی کونے میں مٹی کھود کر وہاں مٹکے رکھ کر وہاں گیہوں وغیرہ ڈالے جاتے ہیں، جس کو بیل مٹکی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اسی طرح ہلدی کا رنگ دیئے ہوئے چاول کپڑے میں باندھ کر دولہا اور دلہن کے ہاتھ پر باندھا جاتا ہے، جن کو کنگنا کہا جاتا ہے، یہ سب رسمیں مجموعہ بدعات وخرافات، غلط وبے بنیاد، ہندوانہ طرز ہیں، اس لیے ان تمام چیزوں کا ترک واجب اور لازم ہے۔ (فتح الباری: ۱۲/ ۲۶۲، رقم الحدیث: ۶۸۸۲)

مسئلہ (۵۴): جس شادی میں سہرا باندھنا، آتش بازی، فوٹو گرافی، ویڈیو سازی اور دیگر رسومات وخرافات ہوں، تو ایسی شادی میں شرکت کرنا، خاص کر ان حضرات علماء کیلئے جو مقتداء ہوں، اور پہلے سے انہیں اس کا علم بھی ہو درست نہیں ہے، اور اگر پہلے سے اس کا علم نہیں تھا اور حاضر ہو گیا تو ان خرافات سے روک دیں، اور اگر روکنے کی قدرت نہیں تو واپس چلے آئیں، اور شرکت نہ کریں۔ (صحیح البخاری: ص/۹۵۳)

مسئلہ (۵۵): شادی میں بارات کی رسم ایسی بری رسم ہے، جو بہت سارے خرافات کو شامل ہے، اور سنت وشریعت کے بالکل خلاف ہے، حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ بارات کو بھی شادی کا بہت بڑا رکن سمجھا جاتا ہے، اس کیلئے دولہا اور کبھی دلہن والے بڑے اصرار وتکرار کرتے ہیں، اصل غرض اس سے محض ناموری وتفاخر ہے، اور ریا کاری وتفاخر کیلئے کوئی بھی عمل کرنا حرام ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: ص ۴۵۵)

مسئلہ (۵۶): نکاح میں بارات کا مروجہ دستور شرعی چیز نہیں ہے، اپنی حیثیت اور وسعت سے زیادہ کا اہتمام کرنا اور غیر لازم کو لازم بنانا جائز نہیں ہے۔ (شعب الإیمان للبیہقی: ۵/۲۵۴، رقم الحدیث: ۶۵۶۶)

مسئلہ (۵۷): بارات کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ جب راستوں میں امن وامان نہیں تھا، اکثر اوقات ڈاکوؤں سے دوچار ہونا پڑتا تھا، دولہا دلہن کے جان ومال، اسباب وزیورات وغیرہ کے لٹنے کا خطرہ رہا کرتا تھا، اس لیے ان کی حفاظت کی خاطر رسمِ بارات کی ایجاد ہوئی تھی، کہ دولہا دلہن کے پیچھے ایک آدمی ضرور جاتا تھا، مگر اب تو نہ وہ ضرورت باقی رہی اور نہ مصلحت، صرف افتخار واشتہار یعنی فخر اور دکھلاوا باقی رہ گیا ہے، جو شرعاً ممنوع وحرام ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: ص/ ۲۵۵)

مسئلہ (۵۸): شادیوں کے موقعوں پر سہرا پڑھنے کا رَواج عام ہوتا جارہا ہے، جس میں خاندان کے اَفراد کی مسرتوں اور بچی کے فراق وجدائی کے احساسات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے، گھر کے تمام افراد یہاں تک کہ عورتوں کے نام بھی بھرے مجمع میں لیے جاتے ہیں، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے، کیوں کہ قرآن کریم کے عام احکام میں اگرچہ مرد وعورت دونوں ہی شامل ہیں، مگر عموماً خطاب مردوں کو کیا گیا، عورتیں اِس میں ضمناً شامل ہیں، ہر جگہ ﴿یا ایھا الذین اٰمنوا﴾ کے الفاظ استعمال فرما کر عورتوں کو اُن کے ضمن میں مخاطَب کیا گیا ہے، اِس میں اشارہ ہے کہ عورتوں کے سب معاملات تستُّر اور پردہ پوشی پر مبنی ہیں، اِس میں اُن کا اِکرام واعزاز ہے، خصوصاً پورے قرآن میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ''حضرت مریم بنت عمران'' کے سوا کسی عورت کا نام قرآن میں نہیں لیا گیا، بلکہ ذکر آیا تو مردوں کی نسبت کے ساتھ ''امرأۃ فرعون'' - ''امرأۃ نوح'' - ''امرأۃ لوطؑ'' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ [معارف القرآن: ۷/۱۴۳]، اِس لیے سہرہ پڑھنا جو محض ایک رسم ہے، اُسے ترک کرنا چاہیے، نکاح میں جس قدر

سادگی ہو، خیر وبرکت کے لحاظ سے اُتنا ہی بہتر ہے۔ (شامی:۹/۴۲۶)

مسئلہ (۵۹): شادی میں نوشہ کے سر پر سہرا باندھنا اور ہاتھوں اور گلے میں گجرے اور کنگن پہنانا، ہاتھ میں کٹر اور چاقو لینا جس میں لیمو لگا ہوتا ہے، اسی طرح بارات نکلنے سے پہلے گاڑی کے پہیوں کے نیچے ناریل یا انڈے پھوڑنا وغیرہ، یہ تمام رسمیں خالص ہندوانہ تہذیب کی دین ہیں، جو اختلاط کی وجہ سے مسلمانوں میں رائج ہوگئیں، اس لیے ان سب رسموں کا چھوڑنا لازم ہے۔ (بذل المجہود:۱۲/ ۵۹، مرقاۃ المفاتیح:۸/۲۲۲)

مسئلہ (۶۰): آج کل شادیوں کے موقعوں پر بعض مسلم گھرانے کے لوگ دولہا دولہن کی گاڑی کو قسمہا قسم کے پھولوں اور رنگ برنگی رِبنوں کے ذریعہ سجا سنوار کرلاتے ہیں، یہ ایک غیر ثابت اور قابلِ ترک رسم ہے، اور نصاریٰ کا طریقہ ہے، اِس سے بچنا ضروری ہے، اگر اس کو ضروری اور سنت نہ سمجھیں تب بھی بیکار اور بے ضرورت ہونے کی وجہ سے قابلِ ترک ہے، حدیث شریف میں آں حضور ﷺ نے غیر قوموں کی مخصوص تہذیب وثقافت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۱۰۱۶)

مسئلہ (۶۱): آج کل مرد بھی شادیوں اور عیدین کے موقعوں پر اپنے ہاتھوں کو مہندی لگاتے ہیں، جب کہ مرد کے لیے سر اور داڑھی کے بالوں کے علاوہ دیگر اعضاء پر مہندی لگانا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ عورتوں کے لیے مہندی لگانا نہ صرف جائز بلکہ باعثِ اجر وثواب ہے۔ (الدرمع الرد:۹/ ۵۱۸)

مسئلہ (۶۲): بعض علاقوں میں نکاح یا ولیمہ کی دعوت میں شریک ہونے والے لوگ اپنی رضا ورغبت سے کچھ روپیہ یا کوئی سامان لڑکی یا لڑکے کو بطور ہبہ دیا کرتے ہیں، جس کا باقاعدگی سے رجسٹر میں اندراج بھی کیا جاتا ہے، تاکہ یہ معلوم ہو کہ کس نے دیا، اور دینے والے کی لڑکی یا لڑکے کی شادی کے موقع پر یہ بھی اپنی جانب سے کچھ ہدیہ پیش کرسکے، شرعاً یہ عمل جائز ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''تھادوا تحابوا'' ہدیہ لیا دیا کرو، لیکن اگر نقد روپیہ یا سامان نہ دینے پر ملامت کی جاتی ہو یا سماج کا کوئی دباؤ ہو تو یہ جبراً وصولیٔ نقد وسامان ہوگا، جو شرعاً جائز نہیں ہے۔ (عون المعبود:۵/۵۴)

مسئلہ (۶۳): دلہن پر قرآن کا سایہ کرنے کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں، اور اس امر کو سنت یا ضروری سمجھنا بدعت، گمراہی اور گناہ کبیرہ ہے، لہذا اس سے اجتناب لازم ہے۔ (مشکوۃ المصابیح:ص/۲۷)

مسئلہ (۶۴): شادی بیاہ کے موقع پر جہاں بہت ساری رسومات کو دل وجان سے اَپنایا جاتا ہے، ان ہی میں سے ایک رسم ''جوتا چھپائی'' ہے، دولہا جب گھر جاتا ہے، تو سالیاں اس کا جوتا چھپا کر، جوتا چھپائی کے نام سے ایک رقم لیتی ہیں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''شاباش! ایک تو چوری کریں اور اُلٹا انعام پائیں، اول تو

ایسی مہمل ہنسی کہ کسی کی چیز اُٹھائی- چھپادی- حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، پھر یہ کہ ہنسی دل لگی کا خاصہ ہے کہ اس سے ایک بے تکلفی بڑھتی ہے، بھلا اجنبی مرد سے ایسا تعلق وارتباط پیدا کرنا خود شرع کے خلاف ہے، پھر اس انعام کو حقِ لازمی سمجھنا بھی جبر فی التبرّع وتعدّیٔ حدود ہے، اس لیے اِس رسم سے پوری احتیاط برتنی چاہیے۔ (ابوداود:ص/۶۸۳)

مسئلہ (۶۵): مجلسِ عقد میں شرکت کی دعوت آپ ﷺ سے ثابت ہے، آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ کے نکاح کے وقت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کبارِ صحابہ، مثلاً حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرات انصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کے پاس بھیج کر، انہیں مجلس عقد میں دعوتِ شرکت دی تھی، اس لیے مجلس عقد میں دعوت شرکت دینے کیلئے شادی کارڈ کا چھپوانا جائز ہے، بشرطیکہ وہ اِسراف وفضول خرچی کی حد میں داخل نہ ہو، جیسا کہ آج کل اس میں بڑے اِسراف سے کام لیا جاتا ہے، کہ ایک ایک دعوت نامہ پچاس پچاس، یا سوسو روپئے، یا اس سے بھی زائد کا ہوتا ہے، جب کہ اس کا مقصد صرف نکاح کی دعوت دینا ہوتا ہے، اور جسے وہ دیا جاتا ہے، وہ بھی اسے اپنے سر آنکھوں پر نہیں رکھتا بلکہ لاپرواہی سے ڈالدیتا ہے، کہ وہ کسی کام میں آ بھی نہیں سکتا، اس اعتبار سے یہ اضاعتِ مال میں داخل ہے، حالانکہ شریعتِ اسلامیہ کے مقاصد میں سے ایک عظیم مقصد حفاظتِ مال بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے مال کو ضائع کرنے اور بے جا خرچ کرنے سے منع فرمایا ہے، امید کہ اس سے پرہیز کیا جائیگا۔ (الموافقات فی أصول الأحکام للشاطبی:۲/۴)

مسئلہ (۶۶): بعض علاقوں میں یہ رواج عام ہے کہ نکاح کے فوراً بعد، دولہا حاضرین مجلس کو سلام کرتا ہے، اور بعض لوگوں سے مصافحہ بھی کرتا ہے، جب کہ شرع اسلامی میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، لہذا یہ بے اصل وبدعت ہے، اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔ (صحیح البخاري:۱/۳۷۱)

مسئلہ (۶۷): بعض گاؤں اور علاقوں میں نکاح کے موقع پر نکاح خوانی کی اجرت کے علاوہ لڑکے اور لڑکی والوں کی طرف سے، مسجد کیلئے ایک مقرر رقم لی جاتی ہے، اور اس کا دینا لازم وضروری سمجھا جاتا ہے، شرعاً اس طرح اس رقم کا لینا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی اس رقم کا استعمال مصارف مسجد میں درست ہے، ہاں! لڑکے لڑکی والے بخوشی کچھ رقم دیدیں، تو اس کے لینے کی اجازت ہے، پابندیٔ رسم کی وجہ سے مجبوراً دیں تو درست نہیں ہے۔ (مشکوۃ المصابیح:ص/۲۵۵)

مسئلہ (۶۸): بعض علاقوں میں عقدِ نکاح کے بعد خاندانی رسومات کی بناپر، رخصتی کو ایک دوسال کے لیے مؤخر کرتے ہیں، یہ اچھی بات نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ نکاح کے بعد سادگی کے ساتھ رخصتی کے عمل کو انجام دیا جائے، اسی میں بہتری اور خیر مضمر ہے، ہاں! اگر واقعۃً کوئی مجبوری ہے، مثلاً لڑکی کم عمر ہے، ازدواجی تعلقات وذمہ داریوں کی متحمل نہیں ہے، تو اس عمر کو پہنچنے

تک رخصتی کے تاخیر کی اجازت ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۷۷۵)

مسئلہ (۶۹): رخصتی کے وقت عورت کو لانے کی ذمہ داری بھی شوہر پر ہوگی، کیونکہ ہمارا عرف ایسا ہی ہے، عورت خود نہیں جاتی ہے۔ (معجم الأوسط للطبرانی:۲/۳۸۴، رقم الحدیث:۳۶۰۲)

مسئلہ (۷۰): آج کل لوگ اپنی شادیاں، شادی ہال یا شادی لان میں کرنے کو زیادہ رواج دے رہے ہیں، جب کہ حضور اکرم ﷺ نے خود اپنے اور اپنی صاحبزادیوں کے نکاح انتہائی سادگی سے ریا ونمود کے بغیر انجام دیئے، اور امت کو یہ تعلیم دی کہ نکاح مسجدوں میں کریں، اور کم سے کم اخراجات والی شادی کو خیر وبرکت کا ذریعہ قرار دیا ہے، اس لیے شادی ہال یا شادی لان میں شادیاں کرنے اور فضول خرچی سے بچنا انتہائی ضروری ہے، ہاں! اگر کسی کے متعلقین زیادہ ہوں، یا وہ اپنے بچے کی اس خوشی کے موقع پر اظہارِ مسرت کے طور پر چھوٹی بڑی دعوت کا انتظام کرے اور ریا ونمود مقصد نہ ہو، اور خرافات سے بچتے ہوئے، یہ دعوت کسی بڑے شادی ہال یا شادی لان وغیرہ میں کرلے، تو اس کی گنجائش ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۷۷۷)

مسئلہ (۷۱): بعض علاقوں میں یہ دستور اور رواج ہے کہ جب لڑکے کی طرف سے کسی جگہ نکاح کا پیغام دیا جاتا ہے، تو لڑکی والوں کی طرف سے ایک رقم کا مطالبہ ''جہیز'' کے نام سے ہوتا ہے، لڑکی والے رقم وصول کرکے اس رقم سے دعوت اور لڑکی کے کپڑوں وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں، اسی طرح بعض علاقوں میں جب لڑکی والوں کی طرف سے کسی جگہ نکاح کا پیغام دیا جاتا ہے، تو لڑکے والوں کی طرف سے کسی رقم یا پھر گھڑی، ریڈیو، موٹر سائیکل، صوفا سیٹ وغیرہ کا مطالبہ ہوتا ہے، **عقدِ نکاح** کو ان مطالبات پر موقوف کرنا، یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ اصل مقصود مال واسباب ہے نہ کہ عقدِ نکاح، اور عقدِ نکاح کو اس مال واسباب کی تحصیل کا ذریعہ بنایا جارہا ہے، یہ طریقہ تعلیماتِ اسلام کے خلاف ہے، اور بیع کے مشابہ ہوکر مقصود کو غیر مقصود، اور غیر مقصود کو مقصود قرار دینا ہے، نکاح کے موقع پر لڑکی یا لڑکے کے والوں کی طرف سے مہر کے علاوہ کسی اور چیز کا مطالبہ کرنا اور اس کا لینا دینا رشوت ہے، اور رشوت شریعت میں حرام ہے، البتہ اگر لین دین کی شرط نہ کی جائے اور اس لین دین کا دستور بھی نہ ہو، اپنے ذہن میں یہ نہ سمجھتے ہوں کہ کچھ دیا جائیگا، یا کچھ لیا جائیگا، پھر کوئی تازہ رشتہ پر خوشی میں لڑکے کی طرف سے، یا لڑکی کی طرف سے کچھ دیدیا جائے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (سنن الدارقطنی:۳/۲۲)

مسئلہ (۷۲): شادی کے موقع پر لڑکے یا اس کے گھر والوں کا لڑکی کے گھر والوں سے سامان، یا نقد رقم کا مطالبہ شرعاً رشوت اور حرام ہے، لڑکے والوں پر اس کی واپسی لازم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''تم لوگوں کا مال باطل اور ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ''۔ (سورۃ النساء:۲۹)

مسئلہ (۷۳): بسا اوقات رشتۂ نکاح طے کرتے وقت لڑکا لڑکی کے خاندانوں کی معیشت ومعاشرت، خو، بو، طور، طریقہ میں یکسانیت کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے مصالح نکاح کا نظم برقرار رہنا دشوار ہوتا ہے، اور میاں بیوی کے درمیان تفریق وجدائیگی کی نوبت آجاتی ہے، تو لڑکی اور لڑکے کے والدین عقد نکاح میں دیئے ہوئے کپڑے، زیورات اور دوسرے اخراجات ایک دوسرے سے مانگتے ہیں، اس سلسلے میں شرعی ہدایت یہ ہے کہ جو چیزیں فریقین نے ایک دوسرے کو بطور تملیک دی تھیں وہ واپس نہیں لی جاسکتیں، اور جو چیزیں عاریۃً دی گئی تھیں وہ واپس لی جاسکتی ہیں، رہا بوقت نکاح آنے والا خرچ تو وہ واپس نہیں لیا جاسکتا۔ (مختصر القدوری: ص/۱۳۷)

مسئلہ (۷۴): بعض شادیوں میں، شادی میں شرکت کرنے والے لوگ دلہن کے لیے کوئی سامان یا برتن تحفہ میں دیتے ہیں، جب یہ سامان ڈبل یا اُس سے زائد ہوجاتا ہے، مثلاً دو مِکسر مشین یا دو دیوار گھڑیاں ہوجاتی ہیں، تو دلہن کے گھر کی عورتیں اس میں سے ایک رکھ لیتی ہیں، اور ایک دیدیتی ہیں، اس کا علم نہ تحفہ دینے والے شخص کو ہوتا ہے اور نہ دلہن کو۔ **اسی** طرح بعض لوگ اپنی بہو کو جہیز میں آئے ہوئے سامان میں سے کوئی سامان یا برتن، اُس کی اجازت کے بغیر، اپنے کسی عزیز وقریب کی لڑکی کی شادی میں بطورِ تحفہ دیتے ہیں، شرعاً یہ دونوں عمل درست نہیں، کیوں کہ جو ہدیہ وتحفہ دلہن کو دیا گیا وہ اس کی مالک ہے، اور اس کی اجازت کے بغیر اس کی ملک میں اس طرح کا تصرف درست نہیں ہے۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی: ۶/۱۶۶)

مسئلہ (۷۵): جہیز میں دیا گیا سامان لڑکی کی ملک ہے، باپ دوبارہ واپس نہیں لے سکتا، اور نہ خسر وغیرہ لے سکتے ہیں، لیکن یہ مسئلہ عرف پر مبنی ہوگا، اگر کسی جگہ کا عرفِ دائمی یہ ہو کہ باپ جو سامان دیتا ہے وہ بطورِ جہیز دیتا ہے نہ کہ بطورِ عاریت، تو اب یہ سامان لڑکی کا ہی سمجھا جائیگا، لیکن اگر کسی جگہ کا عرف یہ ہو کہ باپ جو سامانِ جہیز دیتا ہے وہ بطورِ عاریت ہے تو اب لڑکی اس سامان کی مالک نہیں بنے گی، بلکہ باپ ہی اس کا مالک رہیگا، لیکن اگر باپ اشرافِ ناس میں سے ہے، اور جو سامانِ جہیز دیا گیا ہے وہ بقدرِ عرف ورواج ہے تو اب وہ لڑکی کا سامان سمجھا جائیگا، اور اگر سامان عرف ورواج کی مقدار سے زائد ہے تو وہ زائد سامان عاریۃً ہوگا، اور لڑکی کے باپ ہی کا مال سمجھا جائیگا لڑکی کا نہیں۔ (رد المحتار: ۴/۳۰۸)

مسئلہ (۷۶): باپ اپنی بیٹی کو رخصتی کے وقت اپنی وسعت کے مطابق بطورِ تحفہ کے جو جہیز دیتا ہے یہ جائز ہے اور مستحسن ہے، لیکن لڑکا مطالبہ کرے کہ اگر آپ فلاں فلاں چیز دیں تو میں آپ کی لڑکی سے نکاح کروں گا، اور اس پر لڑکی کے باپ کو مجبور کرے تو یہ شرعاً ناجائز وحرام اور مردانیت سے گرا ہوا فعل ہے، نیز یہ ہندوانہ رسم ہے جو مسلمانوں میں رائج ہوگئی ہے، لہٰذا اس سے بچنا لازم اور ضروری ہے۔ (سنن النسائی: ۲/۷۷)

مسئلہ (۷۷): اگر کسی شخص نے اپنی بیٹی کو سامانِ جہیز دیا اور اس کے متعلق معلوم ہو کہ یہ پورا سامانِ جہیز ناجائز وحرام آمدنی ہی سے خریدا گیا تھا، تو اس کا استعمال نہ بیٹی کے لیے جائز ہے، اور نہ اس کی اجازت سے اس کے شوہر کے لیے، اور اگر یہ سامانِ جہیز حلال وحرام دونوں مال سے خریدا گیا، اور یہ معلوم نہیں ہے کہ کونسا سامان حلال مال سے خریدا گیا، اور کونسا حرام مال سے، تو پھر غلبہ کا اعتبار ہوگا، اگر سامانِ جہیز کی خریدی میں زیادہ مال حلال کا ہے، تو اس کے استعمال میں مضائقہ نہیں، اور اگر زیادہ مال حرام کا ہے، تو اس کو استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ (فتاوی قاضیخان علی ہامش الہندیۃ:۳/۴۰۰)

مسئلہ (۷۸): والدین کا اپنی لڑکی کو دیئے جانے والے جہیز کی نمائش کرنا جاہلانہ رسم ہے، جو محض نام ونمود اور ریاکاری ہے، لہٰذا اس سے اجتناب برتنا ضروری ہے۔ (مجموعۃ رسائل اللکنوی:۳/۳۴، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر)

مسئلہ (۷۹): بعض لوگ دو عیدوں یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے درمیانی ایام، یعنی شوال، ذی القعدہ اور عشرۂ ذی الحجہ میں نکاح کرنے کو منحوس اور بُرا خیال کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اِن دنوں میں کی ہوئی شادی کامیاب نہیں ہوتی، اُن کا یہ خیال غلط ہے، صحیح بات یہ ہے کہ اِن دنوں میں نکاح کرنا درست ہے، کیوں کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنا نکاح ماہِ شوال میں ہی فرمایا تھا، اور اُس سے زیادہ کامیاب شادی ونکاح کس کا ہوسکتا ہے۔ (القول المفید علی کتاب التوحید:۲/۹۳)

مسئلہ (۸۰): میاں بیوی کا ایک دوسرے کو اس کے نام سے پکارنا جائز ہے، مگر نام لیکر پکارنے میں ایک قسم کی بے ادبی پائی جاتی ہے، اس لیے عورت کا اپنے خاوند کو اس کا نام لیکر پکارنا مکروہ ہے، بہتر یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو اس کی کنیت یا لقب سے پکارے، جیسے یا سیدی، ابوزید، ابوحمزہ وغیرہ۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ:۹/۵۱۳)

مسئلہ (۸۱): عورت کا اپنے شوہر کی خدمت کرنا، اس کے گھر کے اسباب کی صفائی وسلیقہ مندی سے رکھنا، گھر کی صاف صفائی کرنا، شوہر کے کپڑوں کو دھونا، اور ان کو پریس کرنا، بچوں کو نہلانا دھلانا، اور انہیں کھلانا پلانا، عورت پر واجب ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کے عہدِ مبارک میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیویاں اُن کی خدمت کیا کرتی تھیں، اور گھر کے تمام کاموں کو انجام دیتی تھیں، خود آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے تمام کاموں کو انجام دیتی تھیں، اور اپنے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت کیا کرتی تھیں، اس لیے کہ یہ تمام کام معاشرت بالمعروف میں داخل ہیں، اور یہی اصل ہے، ہاں! اگر عورت ایسے ماحول میں پلی بڑھی جس میں عورتیں گھر کے ان کاموں کو انجام نہیں دیتیں، اور عورت ان کاموں کے کرنے سے انکار کرے، تو پھر شوہر ان کاموں کے لیے گھر میں کسی نوکرانی یا خادمہ کو رکھنے کا مکلّف ہوگا، کیوں کہ شریعت نے ہمیں عورتوں کے ساتھ ان کے عرف وعادت کے مطابق معاشرت کا حکم دیا ہے، ارشادِ ربانی ہے:﴿وعاشروھنّ بالمعروف﴾ . نیز جب شوہر کو

معلوم تھا کہ جس عورت سے میں نکاح کرر ہا ہوں، ان کے گھر کا ماحول یہ ہے کہ عورتیں ان کاموں کوانجام نہیں دیتیں، اس کے باوجود اس سے شادی کی، تو گویا اس نے اس شرط کو قبول کیا کہ عورت ان کاموں کونہیں کریگی۔ (البحرالرائق:۴/۳۱۱، فتح القدیر:۴/۳۴۹)

مسئلہ (۸۲): بعض لوگ خودتو کماتے نہیں، اور نہ ہی بیوی بچوں کے حقوق پوری طرح سے ادا کرتے ہیں، بلکہ حدتو یہ ہے کہ اگر بیوی گھر میں رہتے ہوئے کچھ ہلکے پھلکے کام کرتی ہے، مثلاً سلائی کا کام کرکے، سوئٹس، چاکلیٹ، بسکٹ وغیرہ بیچ کر دو پیسے کمالیتی ہے، تو شوہران پیسوں پر بھی اپنا حق جتاتا ہے، اور بیوی کی مرضی کے بغیر اس پیسے کا لینا اپنا حق سمجھتا ہے، شوہر کا یہ عمل غیر شرعی ہونے کے ساتھ غیرتِ مردانہ کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ شریعت نے بیوی بچوں کے نفقہ کا ذمہ دار آدمی کو بنایا ہے، ان پر اسے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، نہ یہ کہ ان کے پاس موجود روپیہ پیسہ، زورزبردستی ان سے لے لے، ہاں! بطورِقرض لینا درست ہے، اسی طرح بیوی اپنی خوشی سے ہبہ یعنی ہدیہ بھی کرسکتی ہے، لیکن بیوی کے انکار کے باوجود شوہر کا جبراً لینا درست نہیں ہے۔ (صحیح مسلم:۱/۳۹۴، رقم الحدیث:۱۲۱۸)

مسئلہ (۸۳): جواز نکاح کا مقصد محض عورتوں کا حلال ہونا نہیں، بلکہ اس کے عظیم مقاصد میں سلسلۂ توالد وتناسل کا قیامت تک جاری رہنا ہے، وہیں میاں بیوی کی عزت وعصمت اور بدنگاہی سے صیانت وحفاظت بھی ہے، نکاح کے یہ عظیم مقاصد اسی وقت حاصل ہوں گے جب کہ نکاح میں دوام وقرار ہو، اور دوام وقرار اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ عورت مرد کے نگاہ میں معزز ومکرم ہو، اور یہ اس وقت ہوگا جب کہ عورت کا حصول ایسے مال کے عوض ہو جس کی خاطر خواہ عظمت ہو، اسی لئے شریعت نے نکاح میں مہر کو واجب قرار دیا ہے، زیادہ سے زیادہ مہر کی مقدار شریعت نے مقرر نہیں کی، وہ میاں بیوی کی رائے پر موقوف ہے، جتنی مقدار بآسانی ادا کرسکے، اور لڑکی کے حالات کے مناسب بھی ہو، تجویز کرنا چاہیے، البتہ شریعت نے مہر کی کم سے کم مقدار کو متعین کیا ہے، اور وہ دس درہم، یعنی ہمارے موجودہ وزن کے اعتبار سے ساڑھے تین تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہے، اس سے کم مہر رکھنا شرعاً درست نہیں ہے، آج ہمارا معاشرہ مہر کے سلسلے میں افراط وتفریط کا شکار ہے، کہیں مہر اس قدر زیادہ رکھا جاتا ہے کہ شوہر کیلئے اس کی ادائیگی بڑا مسئلہ بن جاتا ہے، آخر کار وہ یا تو مہر معاف کرواتا ہے، یا ادا کئے بغیر ہی مرجاتا ہے، اور کہیں مہر اس قدر کم رکھا جاتا ہے کہ وہ مہر کی کم سے کم مقدار شرعی کے برابر بھی نہیں ہوتا، اس لئے روپیوں میں مہر متعین کرتے وقت ساڑھے تین تولہ چاندی کی موجودہ قیمت معلوم کر کے ہی مہر مقرر کرنا چاہیے، امید کہ اس جانب خاص توجہ دی جائیگی۔ (سورۃ الأحزاب:۵۰)

مسئلہ (۸۴): آج کل یہ رواج عام ہو چکا ہے کہ بوقتِ نکاح مہر مؤجل (ادھار مہر) بطورِ تفاخر زیادہ سے زیادہ مقرر کیا جاتا ہے، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بابرکت اور مسعود نکاح وہ ہے جس میں مالی بار (مہر) کم سے کم ہو، حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ میں ازدیادِ مہر (مہر زیادہ کرنا) سے منع کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ خبردار! عورتوں کا مہر زیادہ باندھ کر غلو مت کرو، اگر زیادہ مہر دنیا میں عزت کی بات ہوتی یا اللہ کے نزدیک تقویٰ اور پسندیدہ چیز ہوتی، تو اللہ کے نبی ﷺ اس کے زیادہ مستحق تھے کہ وہ اپنا مہر زیادہ باندھتے، اس لئے اپنی وسعت وطاقت کے مطابق مقدارِ مہر متعین ومقرر کرنا چاہئے، لیکن اگر کوئی شخص مہر زیادہ مقرر کردے، پھر ادا نہ کرے اور عورت سے معاف کرائے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

۱- یہ کہ شوہر عورت کے مرض الموت میں مہر معاف کرائے، اس کا حکم یہ ہے کہ یہ معافی شرعاً معتبر نہیں، کیوں کہ اب عورت کے جمیع مال میں بشمولِ مہر ورثاء کا حق وابستہ ہو چکا ہے۔

۲- یہ کہ عورت اپنی حیات میں بخوشی معاف کردے خواہ وہ شوہر کے مرتے وقت ہی کیوں نہ ہو۔ معافی کی یہ صورت شرعاً معتبر ہے۔ (جامع الترمذی: ۱/۲۱۱)

مسئلہ (۸۵): مہرِ فاطمی چار سو اسّی "۴۸۰" درہم ہیں، جن کی مقدار ہمارے زمانے میں ایک کلو چار سو انہتر (۱-۴۶۹) گرام، سات سو ساٹھ (۷۶۰) ملی گرام چاندی ہوتی ہے، جو اس کی قیمت ہوگی وہی مہرِ فاطمی ہوگا، اور ایضاح المسائل میں چار سو اسی درہم کی مقدار ڈیڑھ کلو، تیس گرام، نو سو ملی گرام ذکر کی گئی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۶/۲۹)

مسئلہ (۸۶): شوہر اپنی بیوی سے کتنے عرصہ تک دور رہ سکتا ہے، اس سلسلہ میں سب کے لیے ایک ہی مدت متعین کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ صحت، قوت، شہوت اور صبر وتحمل کے اعتبار سے عورتوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں، تاہم چار ماہ سے زائد بیوی کی رضامندی واجازت کے بغیر اس سے جدا نہ رہے۔ (ردالمحتار: ۴/۳۸۴)

مسئلہ (۸۷): اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا، اور جب وہ عورت حاملہ ہوگئی، تو اس معاملہ کو دبانے کے لیے اس سے شادی کرلی، اور پھر یہ اقرار بھی کرے کہ وہ بچہ میرے نطفے سے ہے، تو محض اس کے اس اقرار سے نسب ثابت نہیں ہوگا، بلکہ یہ دیکھا جائیگا کہ بچہ نکاح کے بعد کب پیدا ہوا، اگر نکاح سے چھ ماہ بعد یا اس سے زائد مدت میں بچہ پیدا ہوا، تو قضاءً نسب ثابت ہو جائیگا، اور اگر نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہوا ہو، تو نسب ثابت نہ ہوگا۔ (صحیح البخاری: ص/۴۹۰)

طلاق وپرورش کا بیان

مسئلہ (۱): ا- طلاق کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ شوہر اپنی مدخولہ بیوی کو ایسے طہر کی حالت میں جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو، ایک طلاقِ رجعی دے، یعنی یوں کہہ دے کہ ''میں نے تجھے ایک طلاقِ رجعی دی''، اور اس کو چھوڑ دے یعنی دوسری طلاق نہ دے، یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے، اس طلاق کو طلاقِ احسن کہتے ہیں، کیوں کہ اگر شوہر کو اپنے فعلِ طلاق پر ندامت ہو تو وہ تدارک پر قادر ہوگا، یعنی اگر عدت کے اندر رجوع کرنا چاہے تو رجوع کرسکتا ہے، اور اگر عدت گزر گئی اور دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو بلا حلالہ نکاحِ جدید کرسکتا ہے۔ **طلاقِ رجعی** میں عدت کے اندر رجوع کرنے کے لیے نہ تجدیدِ نکاح کی ضرورت ہے، نہ ہی عورت کی رضامندی ضروری ہے، نہ عدت میں ترکِ زینت کا حکم ہے، نہ میاں بیوی کو زمانۂ عدت میں علیحدہ رہنے کا حکم ہے، بلکہ زوج اور زوجہ کے لیے ایک گھر میں رہنا جائز ہے۔ (غایۃ الأوطار:۲/۱۰۸)

۲- اپنی مدخولہ بیوی کو ایسے تین طہر میں جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو ایک ایک کر کے تین طلاقیں دیدینا طلاقِ حسن ہے، کیوں کہ اس طرح طلاق دینے کی صورت میں اگر دو طلاقیں دینے کے بعد شوہر اپنے اس اقدام پر نادم وشرمسار ہو تو عدت کے اندر رجوع کرسکتا ہے۔

۳- (۱) مدخولہ بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دینا، (۲) ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں عورت کے ساتھ صحبت کر چکا، (۳) طلاقِ بائن دینا، (۴) ایک طہر میں ایک سے زائد (دو یا تین) طلاق دینا، (۵) غیر مدخولہ کو بیک وقت ایک سے زائد طلاق دینا، (۶) نابالغہ یا آئسہ (جس عورت کو حیض آنا بند ہو چکا ہو) کو ایک مہینہ میں ایک سے زائد طلاق دینا، یہ سب طلاقِ بدعت ہے، اس طرح طلاق دینے سے آدمی گناہگار ہوتا ہے، البتہ طلاق بہر صورت واقع ہو جاتی ہے۔

ایک غلط فہمی: عامۃً لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ نکاح کے بندھن کو ختم کرنے کے لیے تین طلاق دینا ہی ضروری ہے، اور جب تک تین طلاقیں نہیں دی جائیں گی نکاح ختم نہیں ہوگا، اس کی وجہ احکامِ شرعیہ سے ناواقفیت ہے۔ ایک طلاق دیکر بھی نکاح ختم کیا جاسکتا ہے (جس کا طریقہ اوپر گذر چکا)، نیز طلاق ضرورۃً مباح ہے، اور جو چیز ضرورۃً مباح ہوتی ہے وہ بقدرِ ضرورت ہی مباح ہوتی ہے، اور ضرورت ایک طلاق سے پوری ہو جاتی ہے، فقہ کا قاعدہ ہے: **''الضرورات تبیح المحظورات، وما أبیح للضرورۃ یتقدر بقدرھا''.** [الأشباہ والنظائر:۳۰۷-۳۰۸] اس لیے زائد طلاقیں دینے سے پرہیز کیا جائے، تاکہ گناہ لازم نہ آئے۔

مسئلہ (۲): ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہے، وہ حضرات جو تین طلاق کو ایک ہی شمار کرتے

ہیں، ان کا نظریہ سراسر غلط اور گمراہ کن اور قرآن وحدیث، اجماعِ صحابہ، فقہاء، مشائخ اور ائمہ مسلمین، نیز سعودی عرب کے جید علماء کی نامزد و منتخب تحقیقاتی کمیٹی کے متفقہ فیصلہ کے خلاف ہے۔

تین طلاق کا ثبوت قرآنِ کریم سے : ﴿الطلاق مرتان ، فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ﴾...... مفسرین عظام اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہیں کہ شروع اسلام میں لوگوں کی یہ عادت تھی کہ بے حساب وان گنت طلاقیں دیا کرتے تھے، اور کوئی یہ کرتا کہ طلاق دیتا اور جب عدت ختم ہونے کا وقت قریب آتا، تو ستانے کی نیت سے رجعت کرتا، پھر طلاق دیتا پھر رجعت کرتا، تو اللہ تعالیٰ نے آیتِ کریمہ: ﴿الطلاق مرتان﴾ نازل فرمائی، "مرتان" یہاں " اثنتان " کے معنی میں ہے، اسی کو علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے نظم قرآن سے زیادہ مناسب اور سببِ نزول سے خوب چسپاں بتایا ہے، یعنی کہ طلاقِ رجعی دو ہیں، اس کے بعد رجعت کا حق نہیں، نیز اس آیت کا مقصد طلاقِ رجعی کی حد اور طلاقوں کی انتہائی تعداد بیان کرنا ہے، قطعِ نظر اس کے کہ یہ طلاق بلفظ واحد دی گئی ہو یا بالفاظِ مکررہ، ایک مجلس میں دی گئی ہو، یا مختلف مجلسوں میں، دو طلاقیں دی ہے تو دو ہی واقع ہوں گی، اسی طرح تین دی ہے تو تین ہی واقع ہوں گی۔

تین طلاق کا ثبوت احادیث نبوی ا سے : محمود بن لبید سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکھٹی دیدی ہیں، آپ ﷺ نے غضبناک ہو کر تقریر فرمائی کہ " کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کیا جارہا ہے، حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں"، آپ ﷺ کا یہ غصہ دیکھ کر ایک صحابی کھڑے ہو گئے، اور عرض کیا : یارسول اللہ! کیا اسے قتل نہ کردوں؟...... **حدیث** مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقیں مجتمعاً واقع ہو جاتی ہیں، اگر واقع نہ ہوتی، تو آپ ﷺ غضبناک نہ ہوتے، اور فرمادیتے کوئی حرج نہیں، رجوع کرلو۔

حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ کو حضور ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دیدی، اور آپ ﷺ نے ان کو نافذ کر دیا (تین کو ایک نہیں قرار دیا)۔

عامر شعبی کہتے ہیں کہ میں نے فاطمہ بن قیس سے کہا کہ اپنی طلاق کا قصہ مجھ سے بیان کیجئے، انہوں نے کہا میرے شوہر یمن گئے ہوئے تھے، وہیں سے انہوں نے مجھے تین طلاقیں دیدیں، اور آپ ﷺ نے ان تینوں طلاقوں کے واقع ہو جانے کا فتویٰ دیا۔

حضرات صحابہ کرام کے آثار وفتاویٰ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا شخص لایا جاتا، جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوتیں، تو آپ اس کو سزا دیتے، اور دونوں میں تفریق کر دیتے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا فتویٰ: معاویہ بن یحیٰ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیدی ہے، آپ نے جواب دیا کہ تیری بیوی تجھ سے تین طلاقوں سے جدا ہوگئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر وفتویٰ: حضرت حبیب ابن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دیدی ہے، آپ نے فرمایا: تین طلاقوں سے عورت تجھ سے بائنہ ہوگئی۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر وفتویٰ: ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو سو (۱۰۰) طلاقیں دیدی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان میں سے تین معتبر ہیں، اور بقیہ ستانوے (۹۷) غیر معتبر۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ: حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب کسی ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جاتا، جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہو، تو آپ جواب دیا کرتے: اگر ایک بار یا دو بار طلاق دی ہوتی تو رجعت کرسکتا تھا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو اسی کا حکم دیا تھا، لیکن اگر تین طلاقیں دی ہے، تو وہ حرام ہوگئی، جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے۔

اجماع صحابہ، فقہاء، مشائخ اور ائمۂ مسلمین سے تین طلاق کا ثبوت: علامہ شامی رحمہ اللہ طلاقِ بدعی کے الفاظ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوگی، اور یہ مذہب جمہور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد تمام ائمہ مسلمین کا ہے، اور یہی بات فتح القدیر اور دیگر کتبِ فقہیہ میں مذکور ہے۔

سعودی عرب کے جید علماء کی نامزد و منتخب تحقیقاتی کمیٹی کا متفقہ فیصلہ: مجلس ہیئت کبار العلماء کے سامنے "طلقات ثلاث بلفظ واحد" کا مسئلہ پیش ہوا، اس مسئلے کے متعلق مجلس کا ایک اجلاس منعقد ہوا، جس میں اکھٹی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے، یا صرف ایک واقع ہونے کے دلائل پیش کئے گئے، پھر ان کا تجزیہ ومناقشہ کیا گیا، مسلسل چھ ماہ انتہائی محنت اور سیر حاصل بحث کرنے کے بعد کمیٹی کی اکثریت نے واضح الفاظ میں فیصلہ کردیا کہ ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی ہیں۔ (مجلۃ بحوث الإسلامیۃ، بحوالہ خیر الفتاوی: ۵/۶۴۹)

مسئلہ (۳): شرعاً طلاق کا وقوع یونین کونسل کو اطلاع دینے یا اس کی اجازت پر موقوف نہیں، بلکہ یہ خالص شوہر کا حق ہے، وہ جب بھی اپنی بیوی کو طلاق دیدے، طلاق واقع ہوگی، اور اسی تاریخ سے عدت بھی شروع ہوجائیگی، لہٰذا اگر طلاق دینے کی تاریخ سے عورت کو تین حیض آگئے ہوں، تو وہ دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے، اس کو نکاح سے روکنا شرعاً درست نہیں ہوگا۔
(سنن ابن ماجہ:۱/۱۵۱)

مسئلہ (۴): اگر لفظ ''ڈائی ورس'' (Divorce) کسی علاقہ کی زبان میں طلاق ہی میں مستعمل ہے، تو گرچہ یہ لفظ عربی کا نہیں ہے، انگریزی کا ہے، مگر جب وہ طلاق ہی کے لیے مستعمل ہے، تو وہ صریح ہے، اور اس سے بلانیت طلاق واقع ہوجائیگی، ایک مرتبہ کہنے سے ایک طلاق رجعی، دومرتبہ کہنے سے دوطلاق رجعی، اور تین مرتبہ کہنے سے تین طلاقیں واقع ہوں گی، اور عورت مغلظہ بائنہ ہوجائیگی، اور اگر یہ لفظ طلاق کے علاوہ کسی اور معنیٰ میں بھی مستعمل ہے، تو اس سے وقوعِ طلاق کے لیے نیت کا ہونا ضروری ہے، طلاق کی نیت ہوگی تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی، اور اگر لفظ ''ڈائی ورس'' اصل میں تو کنایہ ہے، طلاق کے لیے موضوع نہیں ہے، لیکن طلاق میں غلبۂ استعمال سے صریح کے حکم میں ہوگیا، تو نیت کا محتاج نہیں ہے، بلانیت طلاق بائن واقع ہوجائیگی، اگر بائن متعارف ہو، جس طرح لفظ ''فارغ خطی'' میں متعارف ہے، ورنہ رجعی واقع ہوگی، جیسے لفظ ''چھوڑ دی'' میں رجعی متعارف ہے۔ (رد المحتار:۱/۲۱۸)

مسئلہ (۵): حلالہ کی صورت یہ ہے کہ مطلقہ ثلاثہ (جس عورت کو تین طلاق دیدی گئیں) عدت گزارنے کے بعد کسی مرد سے نکاح کرلے، اور بعد از نکاح میاں بیوی کے تعلقات بھی پائے جائیں، اس کے بعد شوہرِ ثانی اپنی مرضی سے اسے طلاق دیدے یا مرجائے، تو اس کی عدت گزر جانے کے بعد از سرِنو شوہرِ اول اس کے ساتھ نکاح کرلے، اس طریقے وہ عورت اس کیلئے حلال اور جائز ہوگی۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ:۱۰/۲۵۵، تحلیل)

مسئلہ (۶): جب شوہر اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے، تو اس پر اس کی بیوی حرام ہوجاتی ہے، اب دوبارہ ایک ساتھ رہنے کی کوئی صورت نہیں، سوائے اس کے کہ عدت گذر جانے کے بعد یہ عورت کسی اور مرد سے نکاح کرلے، وہ اس کے ساتھ میاں بیوی کے تعلقات قائم کرلے، پھر یا تو وہ طلاق دیدے، یا مرجائے، اب عورت عدتِ طلاق یا وفات گذار کر زوجِ اول کے لیے حلال ہوگی۔ **عموماً** لوگ عدت گذر جانے سے پہلے ہی اس عورت کا کسی مرد سے نکاح کردیتے ہیں، اور وہ چند ایام اس کے ساتھ گذار کر طلاق دیدیتا ہے، اور ابھی اس کے طلاق کی عدت گذرنے بھی نہیں پاتی کہ زوجِ اول اس سے نکاح کرلیتا ہے، اس صورت میں یہ عورت نہ زوجِ ثانی کے لیے حلال ہے، کیوں کہ نکاح عدت میں ہوا، اور نہ زوجِ ثانی کے نکاح کے بعد

زوجِ اول کے لیے حلال ہے، کیوں کہ زوجِ ثانی کا نکاح، نکاحِ فاسد ہے، اور نکاحِ فاسد سے حلالہ نہیں ہوتا، **اسی** طرح بسا اوقات لڑکی کے والدین وغیرہ حلالہ کے بعد زوجِ اول کو دوبارہ اس عورت سے شادی کرنے پر مختلف انداز سے مجبور کرتے ہیں، اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں کورٹ میں اس کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کی دھمکی دیتے ہیں، شرعاً ان کا یہ عمل بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ حلالہ کے بعد شریعت نے شوہر کو اختیار دیا ہے، چاہے تو وہ نکاح کرے اور چاہے تو نہ کرے، اس پر دوبارہ نکاح کرنا واجب ولازم نہیں ہے، کیوں کہ یہ مشروعیتِ طلاق کی حکمت کے خلاف ہے، **حکمتِ** طلاق یہ ہے کہ جب میاں بیوی ایک دوسرے پر واجب حقوق ادا کرنے سے عاجز ہوں، اور نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے، تو وہ طلاق وغیرہ کے ذریعہ ایک دوسرے سے چھٹکارا پالے، اور مستقل کرب واضطراب، ٹینشن وڈپریشن کے ساتھ زندگی نہ گذاریں۔ (سورۃ البقرۃ:۲۲۹)

مسئلہ(۷): اگر میاں بیوی کے درمیان طلاق وغیرہ کے ذریعہ جدائیگی ہوجائے اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں، تو لڑکا سات سال کا ہونے تک اور لڑکی بالغہ ہونے تک ماں کی پرورش میں رہیں گے، اور ان کا خرچ باپ کے ذمہ واجب ہوگا، **رہی** خرچ کی مقدار تو وہ شریعت نے متعین نہیں کی، اس کی مقدار زمانہ کے نرخ اجناس وغیرہ کے اعتبار سے، باہمی مصالحت یا جماعت کے مشورہ سے طے کی جائیگی، اور شوہر کو وہ مقدار تسلیم کرنی ہوگی۔ (المبسوط للسرخسی:۶/۱۹۶)

مسئلہ(۸): بسا اوقات میاں بیوی کے آپسی جھگڑے میں مرد غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیتا ہے، اور اب بدونِ حلالہ دوبارہ نکاح کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، جب کہ ایک غیرت مند عورت حلالہ کو کسی بھی طرح پسند نہیں کرتی، اور اس کا کوئی سہارا بھی نہیں ہوتا، نہ کوئی مکان، جس میں وہ اپنے بچوں کے ساتھ اپنی بقیہ زندگی گذار سکے، اور نہ تو وہ دوسری شادی کے لیے آمادہ ہوتی ہے، ایسے حالات میں شوہر کو اپنی اس سابقہ بیوی کی حالت دیکھی نہیں جاتی، اور وہ اس کے لیے مکان اور گذر بسر کے لیے کچھ مالی تعاون کرنا چاہتا ہے، تو لوگ اسے کہتے ہیں کہ طلاق کی صورت میں اب کسی بھی قسم کا کوئی تعلق، خواہ وہ اخلاقی ہی کیوں نہ ہو، اس عورت کے ساتھ جائز نہیں ہے، عوام الناس کا یہ خیال غلط ہے، صحیح یہ ہے کہ اگر مرد اس عورت کے لیے اپنا مکان خالی کردے اور خود دوسری جگہ رہائش اختیار کرلے، تو وہ اپنے بچوں کے ساتھ اس گھر میں رہ سکتی ہے، اور شوہرِ سابق اس کی مالی معاونت بھی کرسکتا ہے، مگر جب بھی وہ اپنے بچوں کے پاس آئے، تو اجنبی غیر محرم کی طرح اس گھر میں رہے۔ (ہندیہ:۱/۵۳۵)

مسئلہ(۹): مرد، عورت کے لیے ان تمام چیزوں کو جن کا تعلق روزمرہ زندگی سے ہے، اپنی استطاعت کے مطابق مہیا کرے مثلاً: ماکولات، مشروبات، ملبوسات، سکنیٰ، نیز صحت کی حفاظت کے لئے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے، اور صفائی ستھرائی کے اعتبار سے جن اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً صابون، کنگھی، تیل اور پاؤڈر جس سے بدبو کو دور کیا جاتا ہے، مرد کے

ذمہ لازم ہے، رہی وہ چیزیں جن کے بغیر زندگی کا گزران ہوسکتا ہوان کا مہیا کرنا مرد پر لازم نہیں، ہاں! اگر مردان چیزوں کو لا دے، تو عورت پر ان کا استعمال لازم ہوگا، جیسے میک اَپ، عطریات وغیرہ، علاج ومعالجہ کی ذمہ داری مرد پر واجب نہیں ہے، لیکن اگر وہ علاج ومعالجہ کرائے تو یہ اس کی طرف سے احسان ہوگا، نیز دھوبی کا خرچہ اگر مرد کی اجازت سے ہوتو پھر مرد پر لازم ہے، ورنہ نہیں، **اسی** طرح دایا کی مزدوری اس پر ہوگی جس نے دایا کو لایا ہے، اگر مرد نے لایا ہے تو مزدوری مرد پر واجب ہوگی، اور اگر عورت کے والدین نے دایا کو بلوایا تو اب اس کی مزدوری بھی ان پر لازم ہوگی۔ (الفتاوی الہندیۃ: ۱/۵۴۹)

مسئلہ (۱۰): اسلام میں نکاح ایک پاکیزہ اور مقدس رشتہ ہے، اور شریعت چاہتی ہے کہ اس رشتہ میں حتی المقدور دوام واستحکام ہو، اس لیے کسی واقعی معتبر سبب کے بغیر مرد کا طلاق دے دینا، یا عورت کا خلع کا مطالبہ کرنا انتہائی ناپسندیدہ اور مذموم عمل ہے، اس لیے شوہر و بیوی کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو اس رشتہ کو ٹوٹنے سے بچائیں، اور اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو قرآن مجید نے ایسے نزاعات کو حل کرنے کے لیے جو تدابیر ذکر کی ہیں، اُن کو اختیار کریں، اور ایک دوسرے کے ساتھ تحمل اور عفو ودرگذر سے کام لیں، لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود اگر زوجین کے تعلقات خوشگوار باقی نہ رہیں، نکاح کے مقاصد؛ سکون اور باہمی محبت ومودّت فوت ہونے لگیں، اور بیوی طلاق کا مطالبہ کرے، تو شوہر کو چاہیے کہ طلاق دے دے، محض ایذا رسانی کی غرض سے اُسے معلقہ بنا کر نہ رکھے، اور اگر شوہر طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو بیوی خلع کا مطالبہ کرسکتی ہے، شریعت میں خلع ''عورت سے کچھ لے کر اس کو نکاح سے آزاد کر دینے کا نام ہے''۔ لیکن آج کل یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ شوہر طلاق دینے پر راضی بھی ہوتا ہے، مگر لڑکی کے والدین اور خویش واقارب اس صورت میں شوہر سے ایک خطیر رقم کا مطالبہ کرتے ہیں اور نہ دینے کی صورت میں کورٹ میں مقدمہ دائر کرنے کی دھمکی دیتے ہیں، شرعاً اُن کا یہ عمل ناجائز ہے، اور شوہر سے اس طرح کسی رقم کا لینا قطعاً ناجائز وحرام ہے، جو شخص خدا، رسول اور آخرت کی جزا وسزا کا یقین رکھتا ہے وہ کبھی بھی ایسی حرام خوری کا ارتکاب نہیں کرسکتا، لہٰذا اس سے بچنے کی سخت ضرورت ہے۔ (المبسوط للسرخسی: ۶/۲۰۲)

فسخ وتفریق کا بیان

مسئلہ (۱۱): کوئی شادی شدہ مسلمان مرد یا عورت ایسے مذہب کو اختیار کرلے جس کو علماء نے کفر قرار دیا تو وہ کافر ہو جائیگا اور نکاح بھی ٹوٹ جائیگا، جیسے قادیانی، پرویزی، اسماعیلی، غالی شیعہ، گوہر شاہی، آغا خانی وغیرہ۔ (ردالمحتار: ۴/۱۲۵)

مسئلہ (۱۲): بیوی کو خون دینے سے نکاح میں کوئی نقص نہیں آتا، اور جس عورت کو نکاح سے قبل خون دیا ہو اس سے بھی

نکاح جائز ہے، کیوں کہ خون دینے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔ (فتاوی ہندیہ:۵/۳۵۵)

مسئلہ (۱۳): اگر شوہر یا بیوی کو خون چڑھانے کی ضرورت ہو، اور دونوں کا بلڈ گروپ (Blood Group) ایسا ہے کہ ایک دوسرے کو چڑھایا جاسکتا ہے تو بیوی کا خون شوہر کو، یا شوہر کا خون بیوی کو چڑھانے سے رشتۂ زوجیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، نکاح بدستور قائم رہتا ہے، کیوں کہ شریعتِ اسلام نے محرّمیت کو نسب، مصاہرت اور رضاعت کے ساتھ خاص فرمایا ہے، اور ان تینوں میں سے کوئی بھی یہاں نہیں پایا گیا۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ:۴/۶۳)

مسئلہ (۱۴): اگر کسی شخص نے نس بندی کرالیا، جس کی وجہ سے صرف قوتِ تولید ختم ہوجاتی ہے، اور وہ شخص جماع پر قادر رہتا ہے، تو اس صورت میں عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں ہوگا، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "اگر مرد کا پانی (منی) نہ ہو اور وہ جماع کرتا ہو مگر انزال نہ ہوتا ہو، تو عورت کو خصومت کا حق حاصل نہ ہوگا۔" (فتاوی ہندیہ:۱/۵۲۵)

مسئلہ (۱۵): اگر کسی خاتون کا شوہر کسی بیرون ملک چلا گیا، اور ایک طویل عرصہ تک اس کا کوئی پتہ نہ چلا کہ آیا وہ زندہ ہے یا مردہ، نہ خط سے، نہ کسی اور ذریعہ سے، اور عورت کے گھر والوں نے یہ سوچ کر کہ شوہر کا انتقال ہوگیا ہوگا، اس عورت کا دوسری جگہ نکاح کردیا، تو محض عورت کا یا عورت کے گھر والوں کا یہ سوچ لینا کہ پہلا شوہر مرگیا ہوگا، اس طرح سے اس شخص کی موت ثابت نہیں ہوگی، اور وہ عورت بدستور اپنے پہلے شوہر کے نکاح میں رہے گی، دوسرا نکاح ناجائز اور غلط ہے، اگر دوسرا نکاح کردیا گیا، تو ان دونوں کو فوراً علیحدگی اختیار کرلینی چاہیے، عورت پر لازم ہے کہ عدالت میں یہ ثابت کرے کہ اس کا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا، پھر یہ ثابت کرے کہ اس کا شوہر اتنے عرصے سے لاپتہ ہے، اس کے بعد قاضی اس کے شوہر کو تلاش کرائے، اگر قاضی نہ ہو تو دیندار اہل علم مسلمانوں کی جماعت بھی یہ کام انجام دے سکتی ہے، اور جب اس کی تلاش سے قطعی طور پر مایوس ہوجائے، تو مزید چار سال کا حکم دیا جائیگا، اگر اس عرصہ میں اس کا شوہر مل جائے تو ٹھیک، ورنہ قاضی اس کی موت کا فیصلہ کرکے نکاح فسخ کردے گا، اور فسخ نکاح کے بعد عورت عدتِ وفات (چار ماہ دس دن) گذار کر نکاحِ ثانی کرسکتی ہے۔ (اعلاء السنن:۱۳/۷۶)

مسئلہ (۱۶): اگر کوئی عورت شوہر کی طرف سے عدم ادائیگیٔ حقوق کی بنا پر طلاق کی خواہش کرے، لیکن شوہر نہ طلاق دے، اور نہ حقوق ادا کرے، تو ایسی صورت میں وہ کچھ مال وغیرہ دے کر خلع کرسکتی ہے، جب کہ یہ ڈر ہو کہ زوجین اللہ کے قائم کردہ حقوق کو پامال کریں گے، اور اگر شوہر خلع کے لیے بھی راضی نہ ہو، تو یہ عورت غیر اسلامی عدالت سے طلاق نہیں لے سکتی، کیوں کہ طلاق دینا صرف مرد کا حق ہے، البتہ وہ اسلامی عدالت یا شرعی کمیٹی سے فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے، اب اگر اسلامی عدالت یا شرعی کمیٹی نکاح کو فسخ کرتی ہے، تو نکاح فسخ ہوجائیگا۔ (سنن ابن ماجہ:۱/۱۵۱)

مسئلہ (۱۷): شریعت اسلامیہ کے مطابق فسخ نکاح کے لیے قاضی شریعت ہونا ضروری ہے، اس لیے اگر کوئی غیر مسلم جج فسخ نکاح کا فیصلہ کرے، تو وہ فیصلہ شرعاً معتبر نہیں، اور اس سے نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ (ردالمحتار: ۲۳/۸، ۲۴)

عدت ونفقہ کا بیان

مسئلہ (۱۸): بعض لوگ عدت کے اندر بیوہ یا مطلقہ عورت سے نکاح کر لیتے ہیں، عدت پوری ہونے کا انتظار نہیں کرتے، پھر بعض لوگ اپنے نزدیک بڑی احتیاط یہ کرتے ہیں کہ نکاح کو تو جائز سمجھتے ہیں، مگر میاں بیوی والے تعلقات نہیں رکھتے، جب کہ یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ عدت کے اندر نکاح جائز نہیں ہے، اگر کر لیا تو منعقد نہیں ہوگا، اور گناہ لازم آئیگا۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۳۵)

مسئلہ (۱۹): بسا اوقات نکاح کے بعد میاں بیوی کچھ دن یا مہینے ساتھ میں رہتے ہیں، پھر دونوں میں کسی بات پر اَن بَن ہونے کی وجہ سے عورت ناراض ہو کر اپنے والدین کے گھر بیٹھ جاتی ہے، اور اس طرح ایک لمبا عرصہ (مثلاً دو تین سال) گذر جاتا ہے، اور دونوں کے دوبارہ ایک ساتھ رہنے کی کوئی صورت نہیں بن پاتی ہے، تو شوہر اسے طلاق دیدیتا ہے، اب خود عورت یا اس کے والدین یہ خیال کرتے ہیں کہ چوں کہ ایک لمبے عرصے سے ازدواجی تعلقات کی نوبت نہیں آئی، اس لئے عورت پر عدت واجب نہیں ہوگی، اور طلاق کے فوراً بعد کسی اور سے اس کا نکاح کر دیتے ہیں، جو شرعاً جائز نہیں ہے، کیوں کہ عدت کا اعتبار شوہر کی وفات یا طلاق کے بعد ہوتا ہے، اس سے پہلے نہیں، اس لئے صورتِ مذکورہ میں عورت پر طلاق کے بعد عدتِ طلاق کا گذارنا ضروری ہے، اس کے بعد ہی وہ کسی اور کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۳۴)

مسئلہ (۲۰): جب کسی عورت کی عدتِ وفات ختم ہو جاتی ہے، تو اس کے عزیز و رشتہ دار اس کو نیا جوڑا یا انگوٹھی وغیرہ دینا ضروری خیال کرتے ہیں، جب کہ شرعاً اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں ہے، ہاں! اگر یہ چیزیں جذبۂ ہمدردی وخیر خواہی کے اظہار کیلئے دی جارہی ہیں، تو اس کیلئے عدت کا ختم ہونا ضروری نہیں ہے، زمانۂ عدت میں بھی یہ دی جاسکتی ہیں، البتہ عورت پر لازم ہوگا کہ وہ زینت کی چیزوں کو عدت میں استعمال نہ کریں۔ (البحر الرائق: ۲۵۲/۴)

مسئلہ (۲۱): عورت اپنے شوہر کے انتقال کے بعد زمانہ عدت میں اس کی باقی تنخواہ یا فنڈ کی رقم لینے کیلئے دفتر جاسکتی ہے، بشرطیکہ اس کے گئے بغیر یہ تنخواہ یا فنڈ کی رقم ملنا دشوار ہو، اور کام ہو جانے پر جلد واپس آجائے۔ (الدر المنتقی فی شرح الملتقی: ۱۵۴/۲، ۱۵۵)

مسئلہ (۲۲): جو عورت طلاق یا وفات کی عدت گذار رہی ہے، اس کیلئے ووٹ ڈالنے کیلئے گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں ہے، کیوں کہ الیکشن میں ووٹ ڈالنا ایسی ضرورت نہیں ہے، جس کی وجہ سے عدت میں عورت کو نکلنے کی اجازت دی جائے۔
(أحکام القرآن للجصاص: ۶۰۷/۳)

مسئلہ (۲۳): اگر کوئی عورت طلاق یا وفات کی عدت گذار رہی تھی، اور دوران عدت وہ بیمار ہوگئی، تو دوا وعلاج کیلئے ڈاکٹر کو گھر ہی پر بلالیا جائے، البتہ اگر طبیعت زیادہ خراب ہو اور کوئی مسلمان دیندار تجربہ کار ڈاکٹر یا حکیم ہسپتال میں داخل کرکے دوا وعلاج کا مشورہ دے، اور اس کی شدید ضرورت بھی ہو، تو بقدر ضرورت گھر سے باہر نکلنے اور ہسپتال میں داخل ہوکر دوا وعلاج کرانے کی گنجائش ہے، کیوں کہ دورانِ عدت اگرچہ عورت کیلئے شرعاً شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے، مگر فقہاء نے اس میں ضروریات کو مستثنیٰ کیا ہے، اور انہی ضروریات میں بدرجۂ مجبوری دوا وعلاج کیلئے عورت کو دواخانہ لیجانا بھی داخل ہے۔ (ردالمحتار:۵/۱۸۰)

مسئلہ (۲۴): معتدہ عورت کا دوسرے مکان میں یا ایسے صحن میں جو ملک کے اعتبار سے مشترک ہو، جانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر اس عورت کے شوہر کی ملک میں ایسا مکان ہو، جو چند کمروں اور صحن پر مشتمل ہو، تو معتدہ کیلئے جائز ہوگا، جس کمرے میں چاہے جاسکتی ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۵۳۵)

مسئلہ (۲۵): اگر کسی عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی یا اس کا انتقال ہوگیا، اور عورت کو اس کا علم نہیں ہوا، اور طلاق یا وفات کی عدت گذر گئی تب بھی اس عورت کی عدت ختم ہوجائیگی، کیوں کہ عدت طلاق یا عدت وفات شوہر کے طلاق دینے یا وفات پانے کے وقت سے ہی شروع ہوجاتی ہے، خواہ عورت عدت میں بیٹھے یا نہ بیٹھے، البتہ طلاق یا وفات کی خبر ہونے کے باوجود شوہر کے گھر میں عدت میں نہ بیٹھنا اور بلاضرورت گھر سے نکلنا سخت گناہ کی بات ہے۔ (ہدایہ:۲/۴۲۵)

مسئلہ (۲۶): اگر کسی عورت کے شوہر نے اس کو ایک یا دو طلاقِ رجعی دی، اور عدتِ طلاق کے دوران ہی اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا، تو اس مطلقہ عورت کی عدت، عدتِ طلاق سے عدتِ وفات میں تبدیل ہوجائے گی، یعنی اب وہ عدتِ طلاق کی بجائے ازسرِ نو چار ماہ دس دن عدتِ وفات گذارے گی، کیوں کہ مطلقہ بہ طلاقِ رجعی کی زوجیت دورانِ عدت باقی رہتی ہے، تو یہ گویا ایسا ہی ہوا کہ کسی عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کے شوہر کا انتقال ہوجائے، تو اس پر عدتِ وفات لازم ہوتی ہے۔
(بدائع الصنائع:۴/۴۳۸)

مسئلہ (۲۷): جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہو، اس کیلئے چوڑیاں پہننا جائز نہیں ہے، اگر پہلے سے ہاتھوں میں ہوں تو ان کا اتارنا لازم ہے، کیوں کہ جس عورت کا شوہر فوت ہوجائے، اس کیلئے چار ماہ دس دن، زیب وزینت اور بناؤ سنگھار کرنا حرام ہے۔ (تعلیق بدائع الصنائع:۴/۴۵۷)

مسئلہ (۲۸): کالی پوت اور چوڑیوں کا پہننا زینت میں داخل ہے، اور متوفی عنہا زوجہا کو زینت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس لئے متوفی عنہا زوجہا کے لیے دورانِ عدت کالی پوت اور چوڑیاں پہننا جائز نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر:۱/۲۱۴)

مسئلہ (۲۹): بعض علاقوں میں یہ رسم ہے کہ جب کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہوجاتا ہے، تو عورتیں اُس کے ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ دیتی ہیں، اگر یہ چوڑیوں کا توڑنا کسی غلط عقیدے کی بنیاد پر ہے، تو یہ ممنوع ہے۔ البتہ عدتِ وفات میں عورت کے لیے زینت وزیبائش، بناؤ سنگھار کرنا منع ہے، اس لیے بناؤ سنگھار سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے اگر چوڑیاں نکال دی جائیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن چوڑیوں کے توڑنے اور تڑوانے کا جو رواج ہے، وہ ایک رسم ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہیے، نیز بیوہ عورت عدتِ وفات ختم ہونے کے بعد چوڑی اور زیور وغیرہ پہن سکتی ہے، بشرطیکہ اس میں کفار وفساق کی مشابہت نہ ہو۔ (سورۃ التوبۃ:۵۱)

مسئلہ (۳۰): بعض عورتیں اپنے شوہر کی عدتِ وفات میں یا تین طلاقوں کی عدت میں سر سے جوؤں کو ختم کرنے کیلئے خوشبودار شیمپو وغیرہ استعمال کرتی ہیں، ان کا یہ عمل شرعاً درست نہیں ہے، کیوں کہ معتدہ کیلئے زیب وزینت کا اختیار کرنا اور بدن یا کپڑوں میں خوشبودار چیزوں کا استعمال منع ہے، تاہم اگر ایسا شیمپو وغیرہ ہو، جس میں خوشبو نہ ہو، تو ان کے استعمال کی اجازت ہوگی۔ (بدائع الصنائع:۴/۴۶۱)

مسئلہ (۳۱): اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی، خواہ یہ طلاق رجعی ہو یا بائن، بہر دو صورت عدتِ طلاق کے دوران عورت کی خوراک، پوشاک اور رہائش کے جملہ اخراجات خاوند کے ذمہ لازم ہوں گے، شوہر پر مطلقہ کے اخراجات کے لازم ہونے کی تین وجوہات ہیں: (۱) عدت کے دوران مطلقہ کا نکاح دوسری جگہ جائز نہیں ہے، اس لئے شریعت نے اس کے اخراجات کا متبادل انتظام نہ ہونے تک خاوند کو عورت کے اخراجات کا ذمہ دار قرار دیا ہے، (۲) مطلقہ اگر حاملہ ہے تو بچہ کی ولادت تک عورت خاوند کے حق میں محبوس رہے گی، اور جو شخص حقِ غیر کی وجہ سے محبوس ہوتا ہے، اس کا نفقہ اسی غیر پر واجب ہوتا ہے، (۳) طلاقِ رجعی کی صورت میں ممکن ہے کہ مطلقہ رجعی کا خاوند کے گھر میں رہنا دوبارہ تعلقات کی بحالی کا ذریعہ ثابت ہوجائے۔ **ان** وجوہات کے پیشِ نظر شریعت نے شوہر پر عورت کیلئے زمانۂ عدت کے جملہ اخراجات کو لازم کردیا ہے۔ (الدر مع الرد:۵/۳۳۳)

مسئلہ (۳۲): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جس طرح عدتِ طلاق میں عورت نفقہ کی مستحق ہوتی ہے، ایسے ہی عدتِ وفات میں بھی شوہر کے چھوڑے ہوئے مال میں نفقہ کی مستحق ہوگی، جب کہ ان کا یہ خیال غلط ہے، کیوں کہ نفقہ حقِ مہر کی طرح محض عقد سے یکبارگی لازم نہیں ہوتا، بلکہ علی حسب الضرورت گاہے بہ گاہے لازم ہوتا ہے، اور جب تک شوہر زندہ تھا ضرورت کے مطابق نفقہ ادا کرتا رہا، اور جب اس کا انتقال ہوگیا تو اس کی تمام جائداد کے مالک اس کے ورثاء ہوگئے، اور ورثاء کے مال میں نفقہ کو لازم کرنا جائز نہیں ہے، نیز عورت کا عدتِ وفات گذارنا بھی حقِ زوج کیلئے نہیں ہے، کہ شوہر پر نفقہ کو لازم کیا جائے،

بلکہ حقِ شرع کیلئے ہے، لہذا عدتِ وفات میں عورت، خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔ (بدائع الصنائع:۴/۴۷۹)

مسئلہ (۳۳): اگر مطلقہ عورت زمانۂ عدت میں اپنے شوہر کے گھر نہیں رہی، اور اس کی اجازت ومرضی کے بغیر اپنے والدین کے گھر پر چلی گئی، تو شوہر کے ذمہ نفقۂ عدت لازم نہیں ہے، اور اگر شوہر کی اجازت ومرضی سے چلی گئی تو شوہر کے ذمہ نفقۂ عدت لازم تو ہوگا، لیکن شوہر کے گھر میں عدت گذارنا اور بلا ضرورت گھر سے نہ نکلنا حق شرع ہے، اس لئے عورت ان دونوں صورتوں میں گنہگار ہوگی۔ (البحر الرائق:۴/۳۰۳)

مسئلہ (۳۴): جس مطلقہ کا نفقہ شریعت نے اس کے شوہر کے ذمہ لازم کیا ہے، اس کی مقدار شریعت نے مقرر نہیں کی، کیوں کہ زمان ومکان کے اختلاف سے اجناس (چیزوں) کی قیمتوں میں کافی تفاوت ہوتا ہے، لہذا نفقہ کی مقدار زمان ومکان کا لحاظ کرتے ہوئے باہمی مصالحت یا جماعت کے مشورہ سے بقدر کفایت طے کی جائیگی، اور شوہر اس کو تسلیم کرنے کا مکلّف وپابند ہوگا، اور وہی مقدار، مقدارِ نفقہ ہوگی۔ (الاختیار لتعلیل المختار:۳/۲۷۴)

مسئلہ (۳۵): اگر کسی شخص نے اپنی منکوحہ کے لیے پہلی زچگی کے وقت گھر پر انتظام کیا، لیکن بچہ کسی طرح نہ ہوا، مجبوراً ہسپتال لے جانا پڑا، اور بذریعۂ آپریشن بچہ کی ولادت ہوئی، ہسپتال میں کوئی پردے کا انتظام نہیں تھا، اب جب دوسری مرتبہ ولادت کا وقت قریب آیا، تو گھر پر انتظام میں جان کو خطرہ ہے، اور ہسپتال میں علیحدہ کمرہ لے کر بے پردگی میں کچھ حد تک کمی بھی ہوسکتی ہے، لیکن اس شخص کے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے، تو وہ قرض لے کر، اس بندوبست کا مکلّف نہیں ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۵/۳۲۹)

رضاعت کا بیان

مسئلہ (۳۶): مدتِ شیر خوارگی کے اندر بچہ کے دودھ سے بے نیاز ہوجانے تک اُسے دودھ پلانا واجب ہے، اُس کے بعد سے دو سال تک دودھ پلانا مستحب ہے، اور اگر بچہ بہت کمزور ہو، کچھ اور نہ کھا سکتا ہو، تو ایسی ضرورت کے وقت ڈھائی برس کی عمر تک دودھ پلانے کی گنجائش ہے، مگر بعض عورتیں ڈھائی برس کے بعد بھی اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہیں، شرعاً اُن کا یہ عمل حرام ہے، کیوں کہ دودھ جزو انسانی ہے، اس سے انتفاع ضرورۃً جائز ہے، ڈھائی برس کے بعد یہ ضرورت باقی نہیں رہتی، تو اس کی اباحت بھی باقی نہیں رہے گی۔ (البحر الرائق:۳/۳۸۹)

مسئلہ (۳۷): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر بچے کے دودھ پینے کے زمانے (مفتیٰ بہ قول کے مطابق دو سال) میں عورت کو حمل ٹھہر جائے، تو شیر خوار بچے کو دودھ پلانا درست نہیں ہے، اُن کا یہ خیال غلط ہے، کیوں کہ صحیح بات یہ ہے کہ دودھ پلانے کی مدت کے دوران اگر ماں کا دودھ ہو تو وہ بلا شبہ بچے کو پلا سکتی ہے، شرعاً اس میں کوئی ممانعت وقباحت نہیں ہے، البتہ اگر

حمل ٹھہر جانے کے بعد بچے کو دودھ پلانا اگر بچے یا حاملہ کی صحت کے لیے نقصان دہ ہو اور کوئی مسلمان ماہر معالج دودھ پلانے کو منع کردے، تو پھر دودھ پلانے سے بچنا بہتر ہوگا۔ (مرقاۃ المفاتیح:۶/۳۱۷، ۳۱۸)

مسئلہ (۳۸): اگر دوسال سے کم عمر کا بچہ قریب المرگ ہے، اسے خون کی ضرورت ہے، اور خون کا جو گروپ اسے درکار ہے، وہ کسی عورت میں پایا جاتا ہے، اور وہ عورت اپنا خون اس بچہ کو عطیہ کردے، اور وہ خون اسے چڑھایا جائے تو اس بچہ اور عورت کے مابین حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوگی، کیوں کہ حرمتِ رضاعت دودھ پینے یا پلانے کے ساتھ خاص ہے، اور وہ یہاں نہیں پایا گیا۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۴/۱۰۰)

مسئلہ (۳۹): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر کسی عورت کا دودھ، شیر خوار بچہ کے کان میں ٹپکایا جائے، تو اس سے بھی حرمتِ رضاعت ثابت ہوتی ہے، اُن کا یہ خیال غلط ہے، صحیح بات یہ ہے کہ حرمتِ رضاعت کے ثابت ہونے کے لیے بچہ کا مدتِ رضاعت، یعنی صاحبین کے قول کے مطابق دوسال اور امام صاحب کے قول کے مطابق ڈھائی سال کے اندر، کسی عورت کا دودھ پینا ضروری ہے، محض کان میں دودھ کے ٹپکانے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ (البحر الرائق:۳/۳۸۶)

قسم ونذر کا بیان

مسئلہ (۱): قسم کھاتے وقت قرآن کریم، تورات یا انجیل وغیرہ مقدس کتابوں پر ہاتھ رکھنا، قسم کے صحیح ہونے کے لیے لازم نہیں ہے، ان کتابوں پر ہاتھ رکھے بغیر بھی قسم صحیح ہوجاتی ہے، لیکن اگر قسم کی تاکید اور قسم کھانے والا جھوٹی قسم نہ کھائے، اِس بات سے اُسے ڈرانے کے لیے ایسا کیا جاتا ہے، تو اس کی اجازت ہے۔ (الفتاوی الہندیۃ:۲/۵۱، ۵۲)

مسئلہ (۲): آدمی کیلئے بہتر یہی ہے کہ بات بات پر قسم نہ کھائے، اگر قسم کھانیکی ضرورت پڑ ہی جائے، تو صرف اللہ رب العزت یا اس کے اسم وصفت کی قسم کھاوے، قرآن کریم کی قسم کھانا منع ہے، لیکن اگر کوئی کھالے تو قسم منعقد ہوجائیگی۔ غیر اللہ مثلاً کسی پیغمبر یا بزرگ، ماں باپ اور اولاد یا کسی متبرک چیز جیسے خانۂ کعبہ، زمزم وغیرہ کی قسمیں شرعاً معتبر نہیں ہیں، اور نہ ان کے توڑنے پر کوئی کفارہ لازم ہوتا ہے، البتہ غیر اللہ کی قسم کھانا سخت گناہ کی بات ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔ (جامع الترمذی:۱/۲۸۰)

مسئلہ (۳): قسم کا مقصد تقدیس وتعظیم ہے اور وہ صرف اللہ کے ساتھ مختص ہے، اس لیے مخلوق میں سے کسی شخص یا اس کے سر، گلے اور زندگی کی قسم کھانا اگر اس اعتقاد کے ساتھ ہو کہ وہ بھی ایسا ہی مقدس ومعظم ہے جیسے باری تعالیٰ کی ذات ہے، تو اس طرح کی قسم کھانے کو حدیثِ پاک میں کفر وشرک قرار دیا گیا ہے، اس لیے ایسی قسم کھانا ہرگز جائز نہیں بلکہ سخت گناہ ہے، ضرورت پیش آنے پر صرف اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی قسم کھانا چاہیے اور بات بات پر قسم کھانے سے بھی بچنا چاہیے، کیونکہ یہ خلافِ

اولیٰ ہے۔ (صحیح البخاري:۲/۹۸۳، رقم الحدیث:۶۶۴۶)

مسئلہ (۴): غلط کام کرکے اس کا انکار کرنا اور اس پر قرآن شریف اٹھا کر قسم کھانا یمینِ غموس ہے، جو گناہِ کبیرہ ہے، اس کا وبال بہت سخت اور خطرناک ہے، جھوٹ ظاہر ہوکر بہت رسوائی اور ذلت ہوتی ہے، دنیا میں اس کا کوئی کفارہ نہیں، توبہ کرتا رہے، روتا رہے، کہ حق تعالیٰ معاف فرمائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح:ص/۱۷)

مسئلہ (۵): بعض لوگ کسی بات میں جھوٹے ہونے کے باوجود اپنی سچائی ثابت کرنے کیلئے قرآن کریم کو ہاتھ میں لے کر اُس بات کو کہتے ہیں، اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ قسم ہے، جب کہ محض قرآن کریم کو ہاتھ میں لے کر کوئی بات کہی جائے، تو اس سے قسم نہیں ہوتی ہے، لیکن اس طرح کا عمل دوسروں کو دھوکہ دینا اور کذب بیانی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حرام ہے، ہاں! ہاتھ میں قرآن کریم کو لے کر زبان سے اس کی قسم بھی کھائے کہ میں قرآن کریم کی قسم کھاتا ہوں، جب کہ وہ جھوٹا ہے، تو یہ یمین غموس ہے، جس کا اس دنیا میں کوئی کفارہ نہیں، توبہ کرتا رہے، روتا رہے، کہ حق تعالیٰ معاف فرمائیں۔ (صحیح مسلم:۲/۳۲۵)

مسئلہ (۶): غیر اللہ کے لیے نذر ماننا بالاجماع باطل وحرام ہے، اور اس نذر کے مال کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کا مالک معلوم ہے تو یہ مال اسے لوٹا دیا جائے، ورنہ مصالح مسلمین اور فقراء پر صرف کیا جائے۔ (البحر الرائق:۲/۵۲۱)

مسئلہ (۷): بسا اوقات کوئی شخص اسی طرح نذر و منت مانتا ہے کہ اگر وہ، یا اس کا کوئی متعلق بیماری سے اچھا ہوجائے، یا اس کا بیٹا امتحان وغیرہ میں کامیاب ہوجائے، تو وہ مسجد یا مدرسہ میں مٹھائی تقسیم کرے گا، اس صورت میں شرط کے پوری ہوجانے پر منت کا پورا کرنا لازم ہوتا ہے، اور منت کی اس مٹھائی وغیرہ کے مستحق غریب وفقیر ہیں، مالدار نہیں۔ (مجمع الأنہر:۲/۲۷۴، ۲۷۵)

کفارہ کا بیان

مسئلہ (۸): اگر کوئی شخص اپنی قسم توڑ دے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا، اور وہ یہ ہے: دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا، یا ان کو کپڑا دینا، یا ایک غلام آزاد کرنا، ان تینوں میں اختیار ہے جس سے چاہے کفارہ ادا کرے، اور اگر ان تینوں میں سے کسی ایک پر بھی قدرت نہ ہو تو تین دن لگاتار روزے رکھے۔ **بعض** لوگ کھانا کھلانے یا کپڑا دینے پر قدرت کے باوجود اپنی قسم کا کفارہ تین روزے رکھ کر ادا کرتے ہیں، اور یوں خیال کرتے ہیں کہ ان کا کفارہ ادا ہوگیا، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ کفارہ ادا نہیں ہوا، کیوں کہ روزوں کے ذریعہ ادائیگیٔ کفارہ صحیح ہونے کیلئے کھانا کھلانے، اور کپڑا پہنانے سے عاجز ہونا شرط ہے۔

(الدر مع الرد:۵/۴۰۲، ۴۰۳)

مسئلہ (۹): اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرلے، یعنی اس کو اپنی محرمات ابدیہ (جن عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا ہمیشہ

کیلئے حرام ہے) میں سے کسی کے ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کا دیکھنا اس کیلئے حرام ہے، مثلاً یوں کہے:" أنت علیّ کظهر أمي "،"تو میرے حق میں میری ماں کی پشت کی طرح ہے" تو یہ شخص مظاہر کہلائیگا، اور اس کیلئے اپنی بیوی سے اس وقت تک ازدواجی تعلقات قائم کرنا حلال نہیں ہوگا جب تک کہ وہ کفارۂ ظہار ادا نہ کرے۔ **کفارۂ** ظہار کے سلسلے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر غلام آزاد کرنے پر قادر ہو تو غلام آزاد کرے، ورنہ دو مہینے لگاتار روزے رکھے، اور اگر اس کی قدرت نہیں تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے، عامۃً لوگ روزہ پر قدرت کے باوجود ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا کر کفارہ ادا کرتے ہیں، جبکہ یہ کفارہ صحیح نہیں ہوتا، کیوں کہ کھانا کھلا کر کفارہ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کیلئے روزہ سے عاجز ہونا شرط ہے۔ (عمدۃ القاری:۱۱/۳۹)

مسئلہ (۱۰): اگر کوئی شخص رمضان المبارک کے مہینے میں جان بوجھ کر روزہ توڑ دے تو اس پر قضاء مع الکفارہ لازم ہوگا۔ **کفارہ** یہ ہے کہ اگر غلام آزاد کرنے پر قادر ہو تو غلام آزاد کرے، ورنہ دو مہینے لگاتار روزے رکھے، کہ ان دو مہینوں میں نہ رمضان ہو اور نہ وہ ایام جن میں روزہ رکھنا منع ہے، اور اگر روزوں کی قدرت نہ ہو تو ساتھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے۔ **عامۃً** لوگ روزوں پر قدرت کے باوجود ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا کر کفارہ ادا کرتے ہیں، جبکہ اس صورت میں کفارہ صحیح نہیں ہوتا، کیوں کہ کھانا کھلا کر کفارہ کی ادائیگی صحیح ہونے کیلئے روزوں سے عاجز ہونا شرط ہے۔ (عمدۃ القاری:۱۱/۳۹)

مسئلہ (۱۱): کفارۂ ظہار اور کفارۂ افطار کے درمیان فرق یہ ہے کہ جب کفارۂ ظہار روزوں کے ذریعہ ادا کیا جائے، تو جب تک دو مہینے کے روزے مکمل نہیں ہوتے، اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرنا درست نہیں ہے، خواہ دن میں ہو یا رات میں، عمداً ہو یا نسیاناً، اور اگر کرلیا تو از سرنو دو مہینے لگاتار روزے رکھنے ہوں گے، جبکہ کفارۂ افطار جب روزوں کے ذریعہ سے ادا کیا جائے تو شب میں ازدواجی تعلقات قائم کرنا درست ہے، خواہ عمداً ہو یا نسیاناً، اسی طرح دن میں بھول کر کرلیا تو از سرنو دو مہینے کے روزے نہیں رکھنے ہوں گے، البتہ جان بوجھ کر کرلیا تو رکھنے ہوں گے۔ (الدر مع الرد:۵/۱۱۲)

مسئلہ (۱۲): بعض لوگ کفارۂ ظہار یا کفارۂ افطار کی ادائیگی میں ایک ہی وقت میں ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلا دیتے ہیں، اور یوں خیال کرتے ہیں کہ ان کا کفارہ ادا ہوگیا، جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ ان کا کفارہ ادا نہیں ہوا، کیوں کہ کفارہ میں عدد کے ساتھ مقدار کا لحاظ بھی شرط ہے، یعنی ساٹھ مسکینوں میں سے ہر ایک کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلانا، مذکورہ صورت میں چونکہ عدد کی شرط تو پائی گئی لیکن مقدار کی شرط نہیں پائی گئی، لہٰذا کفارہ ادا نہیں ہوا۔ (الدر مع الرد:۵/۱۱۷)

مسئلہ (۱۳): بعض لوگ رمضان المبارک کے مہینے میں بیماری، یا سفر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے ہیں، اور روزوں کا فدیہ دے دیتے ہیں، جبکہ فدیہ دینا صرف اس شخص کیلئے جائز ہے جو اس قدر بوڑھا ہو چکا ہو کہ اس میں روزہ رکھنے کی بالکل

طاقت نہیں ہے، اور نہ آئندہ اس کی توقع ہے، اس لئے مریض جب صحت یاب ہو جائے، یا مسافر جب مقیم ہو جائے اور روزوں کی قضاء پر قادر ہوں تو ان پر چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء لازم ہے، فدیہ دینا کافی نہیں ہے۔ (منہاج المسلم للجزائری: ص/۲۴۰)

مسئلہ (۱۴): اگر کوئی شخص کفارۂ ظہار یا کفارۂ افطار کو روزوں سے ادا کرے، اور روزوں کی ابتداء چاند کی پہلی تاریخ سے کرے تو اس پر دوسرے مہینے کے ختم تک روزہ رکھنا لازم ہوگا، خواہ مہینہ انتیس (۲۹) کا ہو، یا تیس (۳۰) کا، اور ان دو مہینوں کے ایام اٹھاون (۵۸) ہوں، یا انسٹھ (۵۹)، اور اگر اس نے مہینہ کے درمیان سے روزوں کا آغاز کیا تو اس پر پورے ساٹھ (۶۰) روزے رکھنا لازم ہوگا۔ (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید: ۱/۴۲۰)

مسئلہ (۱۵): اگر کوئی عورت کفارۂ افطار کو روزوں سے ادا کرے، اور وہ درمیان میں حائضہ ہو جائے، تو اس کا یہ حیض شرطِ تتابع (لگاتار دو مہینے روزہ رکھنا) کے منافی نہیں ہے، کیوں کہ دو مہینہ حیض سے خالی نہیں ہوتا ہے، لیکن اس پر لازم ہے کہ حیض سے پاک ہوتے ہی وہ روزے رکھنا شروع کر دے، لہٰذا اگر اس نے پاکی کے بعد ایک دن بھی افطار کر لیا تو اس پر دوبارہ ازسرِ نو دو مہینے لگاتار روزے رکھنا لازم ہوگا۔ (فتح القدیر: ۴/۲۳۸)

مسئلہ (۱۶): اگر کوئی عورت کفارۂ افطار کو روزوں سے ادا کرے، اور درمیان میں نفاس کا خون آ گیا، تو وہ نفاس کے ختم ہونے کے بعد ازسرِ نو دو مہینے لگاتار روزہ رکھے، کیوں کہ دمِ نفاس شرطِ تتابع یعنی لگاتار دو مہینے روزہ رکھنے کے منافی ہے، اس لئے کہ عورت ایسے دو مہینے میں روزہ رکھ سکتی ہے جس میں نفاس کا خون نہ آئے۔ (فتح القدیر: ۴/۲۳۹)

مسئلہ (۱۷): اگر کسی شخص نے کفارۂ ظہار یا کفارۂ افطار میں ساٹھ مسکینوں کو ایک وقت کا کھانا کھلا دیا، اور دوسرے وقت کے کھانے پر وہ حاضر نہیں ہوئے، تو بہتر یہ ہے کہ ان کا انتظار کیا جائے، اور اگر وہ نہ ملیں تو دوسرے ساٹھ مسکینوں کو دوبارہ دو وقت کھانا کھلانا لازم ہوگا، اور اگر ان ساٹھ میں سے چند حاضر نہ ہوں تو اتنے ہی دوسرے مسکینوں کو دوبارہ دو وقت کا کھانا کھلانا لازم ہوگا۔ (مجمع الأنہر: ۱/۱۲۵)

وقف کا بیان

مسئلہ (۱): اگر نابالغ بچہ اپنی کسی ملکیت کو وقف کرے، تو اس کا وقف کرنا درست نہیں ہوگا، کیوں کہ وقف کے صحیح ہونے کے لیے واقف کا عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے، شریعت نے نابالغ بچوں کو اپنے مال میں صرف اُن ہی معاملات میں تصرف کا اختیار دیا ہے، جن میں اُن کے لیے خالص نفع کا پہلو ہو، یا یہ کہ نقصان کا اندیشہ موہوم ہو، اور ایسے تصرفات جن میں دنیاوی اعتبار سے صرف نقصان ہو، وہ اس کے مجاز نہیں ہیں، کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ ان میں اپنی نادانی اور بے شعوری کی وجہ سے اپنا نقصان کر بیٹھیں، اور وقف چوں کہ ایسے ہی تصرفات میں داخل ہے، اس لیے بچہ کا وقف کرنا درست نہیں ہوگا۔ (بدائع الصنائع:۸/۳۹۵)

مسئلہ (۲): اگر واقف نے قرآن کے پارے اور کتبِ دینیہ وفقہیہ، خاص مسجد پر وقف کیا ہے تو جس کا دل چاہے مسجد ہی میں تلاوت ومطالعہ کرے، ان کو درسگاہ، مکان، دوکان وغیرہ میں مستقلاً یا عارضی طور پر لے جانا شرعاً جائز نہیں ہے، اگر چہ اس کے عوض دوسرا قرآن کریم یا کوئی اور کتاب یا اس کی قیمت مسجد میں دیدے، کیوں کہ شیٔ موقوفہ پر عوض دے کر قبضہ کرنا شرعاً جائز نہیں۔ (خلاصۃ الفتاوی:۱/۲۲۹)

مسئلہ (۳): اگر کوئی شخص اپنی دوکان، مکان یا زمین بنامِ مسجد یا مدرسہ وقف کردے تو بعد از وقف نہ واقف اس کو باطل کرسکتا ہے اور نہ اس کی اولاد، **اسی** طرح واقف یا اس کے وارثین کے لیے اس میں مالکانہ تصرفات کا بھی کوئی حق باقی نہیں رہتا، کیوں کہ صحتِ تصرفات کے لیے ملک شرط ہے، جب کہ موقوف ملک سے خارج ہو چکا ہے، اس لیے موقوف میں مالکانہ تصرفات صحیح نہیں ہوں گے۔ (فتاوی النوازل للإمام الفقیہ أبي اللیث السمر قندي:ص۳۳۷)

مسئلہ (۴): اگر شہد کی مکھیاں موقوفہ عمارتوں میں اپنا چھتہ بنالیں تو اس سے حاصل ہونے والا شہد وقف کی ملک ہے، متولیٔ وقف اسے بیچ کر اس کی قیمت مصالح وقف میں خرچ کرے، عام لوگوں کیلئے اس کو نکال کر استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ (ردالمحتار:۷/۳۷۸)

مسئلہ (۵): اگر کسی شخص نے ہسپتال میں مریضوں کیلئے دوائیں وقف کی تو ان دواؤں سے فقراء ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں مالداروں کیلئے ان کا استعمال درست نہیں، مگر یہ کہ واقف یوں کہے کہ یہ دوائیں تمام لوگوں کیلئے وقف ہیں یا یہ صراحت کردے کہ ان سے مالدار بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو اس صورت میں ان کیلئے فائدہ اٹھانا درست ہے۔ (الدر مع الرد:۶/۴۷۲)

مسئلہ (۶): جن اوقاف کے مصارف معلوم نہ ہوں تو ان کے متولیان اب تک جن مصارف میں صرف کرتے رہے ہیں انہی میں ان کو صرف کیا جائے، کسی جدید مصرف میں صرف نہیں کیا جائیگا۔ (الدر مع الرد:۶/۴۸۶)

مسئلہ (۷): اگر قبرستان کسی شخص کا ذاتی ہے، جیسے بعض مقامات پر لوگ اپنی ذاتی ملک میں اپنے مردوں کو دفن کرتے ہیں، اور وہ اراضی یعنی زمین اپنی ملک سے خارج نہیں کرتے، اور نہ دوسروں کو دفن کی عام اجازت دیتے ہیں، ایسے مقابر میں اگر قبریں پرانی ہو جائیں اور لاش کے مٹی ہو جانے کا گمانِ غالب ہو جائے، تو پھر ایسی پرانی قبروں کی جگہ پر نہ صرف یہ کہ دوسرے مردوں کو دفن کرنا جائز ہوگا، بلکہ اس پر کاشت کرنا اور تعمیر کرنا بھی درست ہوگا۔ (ہندیہ:۱/۱۶۷)

مسئلہ (۸): اگر وقف قبرستان کے اندر پھل کے درخت ہیں، مثلاً آم، امرود اور انار وغیرہ، تو ان کے پھلوں کو فروخت کر کے قبرستان کی ضروریات میں قیمت کو صرف کرنا لازم ہے، عام لوگوں کیلئے نہ ان پھلوں کا استعمال درست ہے اور نہ ان کی قیمت۔ (المحیط البرہانی:۷/۱۴۹)

مساجد و مدارس کا بیان

مسئلہ (۹): مسجد میں جو جگہ نماز کیلئے متعین اور وقف ہے، وہاں ناپاکی کی حالت میں جانا جائز نہیں ہے، خواہ وہ جگہ مسقّف ہو یا غیر مسقّف، وہاں پیر رکھتے وقت مسجد میں داخل ہونے کی دعا: ''اللھم افتح لي أبواب رحمتک'' پڑھنی چاہیے، اور جو جگہ مسجد کے مسقّف یا غیر مسقّف حصہ سے متصل ہے، اور وہ نماز کیلئے متعین اور وقف نہیں، وہاں ناپاکی کی حالت میں بھی جانا جائز ہے، کیوں کہ وہ شرعی مسجد نہیں ہے، گرچہ احاطہ میں داخل ہے، اور وہاں داخل ہوتے وقت دعا بھی نہ پڑھے۔
(صحیح مسلم:۱/۲۴۸)

مسئلہ (۱۰): بلا ضرورت شرعیہ مسجد میں باتیں کرنا سخت گناہ ہے، نیز اس میں مسجد کی بے حرمتی ہے اس لئے یہ عمل مکروہ ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ اپنے دنیوی معاملات کے متعلق مسجدوں میں بیٹھ کر گفتگو کریں گے تم ان کی ہم نشینی اختیار نہ کرنا، کیوں کہ جو لوگ مسجد میں دنیوی باتیں کرتے ہیں اللہ رب العزت کو ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔''

نیز حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ میں مسجد میں سو رہا تھا، کسی شخص نے مجھے کنکری پھینک ماری، میں نے دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: جا اور اُن دونوں کو میرے پاس لے آ، میں ان دونوں کو آپ کی خدمت میں لے آیا تو آپ نے فرمایا: تم کون لوگ ہوں؟ یا فرمایا: تم کہاں کے ہوں؟ انہوں نے عرض کیا ہم طائف کے ہیں، تو آپ نے فرمایا: اگر تم مدینہ کے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، مسجدِ رسول ﷺ میں اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہو۔
(الدر المختار مع الشامیۃ:۲/۴۳۶)

مسئلہ (۱۱): اگر کسی شخص کی گھڑی، چشمہ یا کوئی اور شئ مسجد سے باہر گم ہوگئی ہو، تو مسجد میں اس کا اعلان کرنا جائز

نہیں ہے، کیوں کہ یہ احترامِ مسجد کے خلاف ہے،آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کسی شخص کو سنے کہ وہ مسجد میں گمشدہ چیز کو تلاش کرتا ہے،تو چاہیے کہ کہے''اللہ تعالیٰ اس کو تجھ پر نہ لوٹائے، کیوں کہ مساجد اس کام کے لیے نہیں بنائی گئی ہیں''،البتہ اگر مسجد کے اندر ہی گم ہوگئی ہو،تو بلا شور وشغب مسجد کے دروازے پر اعلان کرنا، یا بدون اعلان انفراداً لوگوں سے پوچھنا، یا ملی ہوئی چیز کی اطلاع دینا جائز ہے،بہتر یہ ہے کہ مسجد کے باہر گمشدہ چیز پہنچانے اور لینے کے لیے کوئی جگہ متعین کرلی جائے،تاکہ مسجدیں بار بار کے اعلان وشور شغب سے محفوظ رہیں۔ (معارف السنن:۳/۳۱۳)

مسئلہ (۱۲): اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھ کر داڑھی یا سر میں کنگھا کرتا ہے،جس کی وجہ سے داڑھی کے بال مسجد میں گرتے ہیں،اور مصلیوں کو تکلیف ہوتی ہے،تو یہ آدابِ مسجد میں مخل اور دیگر مصلیانِ مسجد کیلئے باعثِ اذیت ہونے کی وجہ سے مکروہِ تحریمی ہوگا، کیوں کہ ہمیں بیت اللہ کو تمام ظاہری وباطنی نجاستوں سے پاک وصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے ،اور تمام مسجدیں بیت اللہ کے متعلق اس حکم میں داخل ہیں۔ (التفسیر الکبیر للرازي:۱/۴۶)

مسئلہ (۱۳): اگر کوئی شخص مسجد کیلئے زمین وقف کرے اور اسکی تعمیر بھی اپنی ذاتی رقم سے کرے تو وہ خود یا اسکی اولاد متولی بننے کے حقدار ہیں،اور اگر مسجد کی زمین چندے کی رقم سے خریدی گئی اور اسکی تعمیر بھی چندہ کی رقم سے کی گئی تو اکثر مسلمان جس کو لائق تر سمجھیں اس کو متولی بنادیں، چندہ کرنے والا شخص متولی بننے کا حقدار نہیں ہے،مگر یہ کہ تمام مسلمان اس کے لائق تر ہونے کی وجہ سے اس کو متولی بنادیں تو وہ متولی ہوسکتا ہے۔ (ردالمحتار:۶/۴۹۶)

مسئلہ (۱۴): چار پانچ سال کے بچے عموماً مسجد کو جانتے ہیں،اور سمجھانے پر تلویثِ مسجد سے بھی بچتے ہیں،اس لیے ان کو مسجد میں لانا گرچہ جائز ہے،مگر پھر بھی یہ عمر ایسی نہیں کہ وہ تھوڑی دیر سکون سے بیٹھ سکیں،ان سے غلطی اور شرارت کا ہونا ان کی طبیعت میں داخل ہے،اس لیے انہیں مسجد میں لانا اور صف میں اپنے ساتھ کھڑا کرنا درست نہیں، کیوں کہ شریعت نے نماز میں صفوں کی ترتیب یہ بیان کی ہے کہ پہلے مرد، پھر بچے، پھر خُنثٰی وغیرہ ،اس لیے اگر کوئی شخص چار پانچ سال کے بچے کو مسجد میں لائے،تو اسے اپنے ساتھ صف میں کھڑا نہ کریں، بلکہ ایک کنارے کھڑا کردیں، یا بٹھادیں،اور یہ تاکید کریں کہ شور وغل نہ کریں، خاموش رہیں،اور اگر ایسا نہیں کرسکتا،تو اس عمر کے بچوں کو مسجد میں لاکر دوسروں کی نماز خراب کرنے کا گناہ اپنے سر نہ لیں۔
(معجم کبیر للطبرانی:۸/۱۳۲،رقم الحدیث:۷۶۰۱)

مسئلہ (۱۵): مسجد میں چھوٹے بچوں کو لانے کی اجازت نہیں، کیوں کہ اس سے مسجد کا احترام باقی نہ رہے گا،اور لانے والوں کو اطمینانِ قلب نہ رہیگا،نماز میں کھڑے ہوں گے مگر خشوع وخضوع نہ ہوگا، بچوں کی طرف دل لگا رہے گا، ہاں! اگر بچہ

سمجھدار ہو نماز پڑھتا ہو، مسجد کے ادب واحترام کا پاس ولحاظ رکھتا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (السنن لابن ماجہ: ص۵۴)

مسئلہ (۱۶): ٹیپ ریکارڈر سے قرآن کریم کا سننا خواہ مسجد کے باہر ہو یا اندر، فی نفسہٖ درست ہے، لیکن اس سے مسجد میں شوروغل ہوگا، اس کی بجلی استعمال ہوگی، اور دیگر لوگ اسے بنیاد بنا کر غلط قسم کی چیزیں بھی سننے سنانے کا جواز نکالیں گے، اس لیے مسجد میں ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ قرآن کریم سننے کی اجازت نہیں ہے۔ (شروح ابن ماجہ: ۱/۳۴۳)

مسئلہ (۱۷): آج کل مسجدوں میں ایسے منبر بنائے جانے لگے ہیں جو زمین سے خاصے اونچے چھجے کی شکل میں ہوتے ہیں، اور محراب کی دائیں جانب سے آکر خطیب کو منبر پر کھڑا ہونا پڑتا ہے، منبر کی یہ صورت بہتر نہیں ہے، اگر اس طرح کا اونچا منبر بنانا ہی ہو تو اس پر تین سیڑھیوں والا لکڑی وغیرہ کا منبر رکھ دیا جائے، تاکہ سنت سے مطابقت ہو سکے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ۲/۵۵۸)

مسئلہ (۱۸): جب کسی پرانی مسجد کو توڑ کر نئی مسجد تعمیر کی جائے، تو پرانی مسجد کا جو سامان نئی مسجد کی تعمیر میں کار آمد نہ ہو، اُس کو فروخت کر کے اُس کی قیمت سے نئی مسجد کی تعمیر میں کار آمد سامان خریدنا، جائز ہے، اور جو سامان پرانی مسجد کا فروخت کیا جائے، بہتر یہ ہے کہ کسی مسجد ہی کے کام میں اس کو لگایا جائے، یعنی خریدنے والا یہ سامان کسی ضرورت مند مسجد میں وقف کردے، لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتا، اور اس سامان کو وہ اپنے رہائشی مکان وغیرہ میں استعمال کرتا ہے، تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

(فتاوی سراجیۃ علی ہامش الخانیۃ: ۳/۲۲)

مسئلہ (۱۹): تبلیغی جماعت میں نکلنے والے ساتھیوں کو چاہیے کہ وہ موبائل چارج کرنے کے لیے مسجد کی بجلی استعمال نہ کریں، چارج کی ضرورت ہو تو باہر کسی دکان یا مکان والے کو پیسہ دے کر کرالیا کریں، یا اگر جماعت کا کوئی مقامی ساتھی اپنے گھر سے بلاعوض کرا کر لاوے، تو یہ بھی درست ہے، اور اگر مسجد سے باہر چارج دشوار ہو تو متولی مسجد سے اجازت لے کر مسجد کی بجلی سے چارج کرلیں، اور بقدر چارج بلکہ کچھ زائد پیسے مسجد کی پیٹی میں ڈال دیں، تو اِس کی گنجایش ہے۔ (البحر الرائق: ۵/۴۲۰)

مسئلہ (۲۰): مسجد و مدرسہ کی معاونت یا کسی دوسری دینی مہم کے لیے مسلمانوں سے تعاون کی اپیل کرنا اور اس پر لوگوں کو ابھارنا، خود نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، اس لیے آج کل مدارس کے جو سفیر حضرات، خصوصاً ماہِ رمضان المبارک میں مسجد کے محراب میں یا منبر پر کھڑے ہو کر تعاون کی اپیل کرتے ہیں، وہ درست ہے، البتہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ مدارس کی ضروریات خود آکر پوری کردیا کریں، تاکہ اہلِ مدارس کو شہر شہر اور دربدر پھرنے کی نوبت نہ آئے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۳/۵۹۶)

مسئلہ (۲۱): جب پرانی مسجد شہید کر کے نئی تعمیر ہو رہی ہو، یا کسی مسجد کی توسیع کی جا رہی ہو، تو اوپن اسپیس (Open Space) یعنی آس پاس کی سرکاری جگہ- سرکار کی اجازت کے بغیر مسجد اور اس کے متعلقات، یعنی وضوخانہ، طہارت خانہ وغیرہ

کی تعمیرات میں شامل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، کیوں کہ شریعت ہمیں دوسرے کی مِلک میں اُس کی اجازت کے بغیر تصرُّف سے منع کرتی ہے، نیز اس طرح کا عمل آئندہ فتنہ وفساد کا سبب بھی بنتا ہے، اور وہ اس طرح کہ سرکار اس غیر قانونی عمارت کو منہدم کریگی، تو مسلمانوں میں یہ شور بَپا ہوگا کہ-سرکار نے مسلمانوں کی مسجد منہدم کردی، جب کہ حقیقتاً وہ جگہ نہ تو مسجد کی ہے اور نہ مسجد کی مِلک ہے۔ **ہم** مسلمان ہیں، ہمارے لیے دوسرے کی مِلک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرُّف کرنے کی اجازت ہے، اور نہ کسی ایسے کام کی جو فتنہ وفساد کا سبب بنے۔ (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز: ص/۶۵۴، رقم المادۃ: ۱۱۹۲)

مسئلہ (۲۱): حضراتِ فقہاء رحمہم اللہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ بوقتِ ضرورت راستہ کو بھی مسجد میں شامل کرسکتے ہیں، بشرطیکہ کسی راہ گذر کو تکلیف نہ ہو، اسی بنیاد پر ایسا پلاٹ جو مسلمانوں ہی کے مفاد کے لیے ہو باتفاقِ رائے مسجد میں شامل کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔ (رد المحتار: ۶/ ۴۴۹، ۴۵۰)

مسئلہ (۲۲): مساجد میں سنگِ مرمر پر آیاتِ قرآنی کندہ کرانے کو فقہاء کرام نے بے ادبی کے احتمال کی وجہ سے مکروہ لکھا ہے، لیکن اگر کندہ ہوکر لگ گئے ہوں، تو اب اس کا اکھاڑنا بے ادبی ہے، لہٰذا اب اُسے اُس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ (رد المحتار: ۱/ ۲۸۹)

مسئلہ (۲۳): مسجد کی بیرونی دیواروں پر نقش ونگار جائز ہے، اندر کے حصے میں محراب اور قبلہ کی دیوار پر نقش ونگار مکروہ ہے، اور دائیں بائیں کی دیواروں کے متعلق بھی ایک قول کراہت کا ہے، بہرکیف! اندر کے حصے میں عقبی حصے پر اور چھت پر نقش ونگار درست ہے، سامنے کی دیوار اور دائیں بائیں کی دیواروں پر بھی اگر اس قدر اوپر کرکے نقش ونگار کیا جائے کہ نمازی کی نظر وہاں نہ پڑے تو جائز ہے، مگر اس میں ان شرائط کی رعایت ضروری ہے: (۱) اس میں بہت زیادہ تکلف نہ کیا جائے، (۲) وقف کا مال نہ لگایا جائے، اگر لگادیا تو متولی ضامن ہوگا۔ اِن شرائط سے بھی یہ کام صرف جائز ہے، مسنون یا مستحب نہیں، اس کے بجائے یہ پیسہ مساکین پر صرف کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ (الدر مع الرد: ۲/ ۴۳۰، ۴۳۱)

مسئلہ (۲۴): مسجد میں قبلہ کی سمت والی دیوار پر کیلنڈر، تقویم، یا کسی دینی پروگرام کا کوئی اشتہار وغیرہ لگانا مکروہ ہے۔ (رد المحتار: ۲/ ۳۷۳)

مسئلہ (۲۵): ٹیپ ریکارڈر سے قرآن کریم کا سننا خواہ مسجد کے باہر ہو یا اندر، فی نفسہ درست ہے، لیکن اس سے مسجد میں شور وغل ہوگا، اس کی بجلی استعمال ہوگی، اور دیگر لوگ اسے بنیاد بنا کر غلط قسم کی چیزیں بھی سننے سنانے کا جواز نکالیں گے، اس لئے اس کی اجازت نہیں ہے۔ (تفسیر المظہری: ۱۰/ ۵۳)

مسئلہ (۲۶): دورِ حاضر میں مدارس ومساجد کو رجسٹرڈ کرانا جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے، کیوں کہ اس کے ذریعہ بہت سے پیدا ہونے والے تنازعات کا فیصلہ بآسانی ہوجاتا ہے، اور اوقاف کی حفاظت بھی ہوتی ہے، جس کے ہم مکلّف ہیں۔

(أحکام القرآن للجصاص:۱/۵۸۴)

مسئلہ (۲۷): اگر مسجد کے تحفظ کی کوئی صورت نہ ہو، تو مجبوراً بیمہ کرانا درست ہے، مگر اس سے حاصل ہونے والی سودی رقم مسجد میں صرف نہ کی جائے۔ (شرح المجلۃ: ص/۳۳، رقم المادۃ:۳۲)

مسئلہ (۲۸): غیر مسلم مثل یہود، نصاریٰ، پادری وغیرہ مساجد کے اندر مسلمانوں کے مواعظ ونصائح سننے کی غرض سے آسکتے ہیں۔ (صحیح مسلم:۱/۳۴)

مسئلہ (۲۹): مسلمانوں کا اہلِ ہنود کو مسجدوں میں لانا، ان سے لیکچر دلوانا، تقریر کروانا، اور وہاں اس کا سننا اور سنانا، خصوصاً جبکہ وہ لیکچر وتقریر مسلمانوں اور اسلام کی تائید وموافقت میں ہو، جائز ہے، کیوں کہ یہ امدادِ غیبی ہے جو اللہ تعالیٰ کفار کے ذریعہ مسلمانوں اور اسلام کو پہنچا رہا ہے، اور جیسے فاجر آدمی سے دین کی تائید ہوسکتی ہے کافر سے بھی ہوسکتی ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۹۷۷)

مسئلہ (۳۰): بہتر اور افضل تو یہی ہے کہ اللہ کے مقدس اور پاکیزہ گھر کی تعمیر میں جہاں تک ہوسکے مسلمان انجینئر اور مسلمان مزدوروں سے کام لیا جائے، لیکن اس بات کی بھی اجازت اور گنجائش ہے کہ تعمیرِ مسجد میں غیر مسلم انجینئر یا غیر مسلم مزدوروں سے مدد لی جائے، اور ان سے اجرت ومعاوضہ دے کر کام کرایا جائے۔ (التفسیر المنیر للزحیلی:۵/ ۴۸۸، ۴۸۹)

مسئلہ (۳۱): عام لوگوں سے حسنِ ظن یعنی اچھا گمان رکھنے کے لیے کسی دلیل کی حاجت نہیں، مگر بدگمانی کے لیے دلیل کی ضرورت ہے، بلا دلیلِ شرعی کسی سے بدگمانی، بَدی اور بُرائی میں داخل ہے۔ اس **ضابطے** کے پیشِ نظر- یہ بات بلا تردُّد کہی جاسکتی ہے کہ- مسلم یا غیر مسلم کے مال کو قطعاً حرام قرار دینے کے لیے محض اتنی بات کافی نہیں کہ- ہمیں اس کی کمائی پر بھروسہ نہیں، یا ہمارا دل مطمئن نہیں، اس لیے کسی غیر مسلم سے مسجد یا مدرسہ میں روپیہ پیسہ لگانے کی ابتداءً درخواست کرنا حمیتِ ایمانی وغیرتِ اسلامی کے منافی تو ہے، لیکن اگر وہ خود نیک نیتی سے، نیک کام سمجھ کر دے، اور ذمہ داروں کا دل یہ گواہی دیتا ہو کہ- اس کا پیسہ لینے میں کسی مفسدہ وخرابی کا اندیشہ نہیں، تو اُسے قبول کرکے، مسجد ومدرسہ میں اس کے استعمال کی گنجائش ہے، اور اگر کسی مفسدہ یا خرابی کا اندیشہ ہے، یا کسی دلیل سے اس کے مال کا حرام یا غصب ہونا ظاہر ہوجائے، تو لینا جائز نہیں، اور اگر وہ زبردستی دے، اور واپس کرنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو، تو اُسے لے کر خاموشی کے ساتھ غرباء وفقراء کو دے دیا جائے۔

(صحیح البخاري، رقم الحدیث:۵۱۴۳)

مسئلہ (۳۲): بعضے طلباء باوجود اس کے کہ انہیں دار الاقامہ میں رہنے کی جگہ دی گئی ہوتی ہے، پھر بھی روزانہ مسجد ہی میں سوتے ہیں، ان کا یہ عمل مکروہ اور احترام مسجد کے خلاف ہے، ہاں! اگر کسی پر نیند کا غلبہ ہو، اور اس کی جماعت ترک ہوتی یا نماز قضاء ہو جاتی ہے، اور مسجد میں سونے سے نماز با جماعت کی پابندی نصیب ہوتی ہے، یا تہجد کی توفیق ہوتی ہے، یا مسجد کی حفاظت مقصود ہوتی ہے یا کوئی اور دینی ضرورت ہے، جو بغیر مسجد میں سوئے حاصل نہیں ہوتی ہے، تو اس کیلئے اجازت ہے، بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی دینی ضرورت کیلئے مسجد میں سوتے تھے۔ (صحیح البخاری:۱/۶۳)

مسئلہ (۳۳): بلا ضرورت مسجد میں کھانا پینا اور سونا مکروہ ہے، البتہ مسافر اور معتکف کیلئے مسجد میں کھانے، پینے اور سونے کی گنجائش ہے، اسی طرح کسی شخص کو ایسی دینی ضرورت لاحق ہو، جو مسجد میں سوئے بغیر حاصل نہ ہو سکتی ہو، مثلاً نماز با جماعت کی پابندی نصیب ہوتی ہو، یا تہجد کی توفیق ہوتی ہو، یا مسجد کی حفاظت مقصود ہو، تو اس کیلئے بھی مسجد میں سونے کی اجازت و گنجائش ہے، بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بھی دینی ضرورت کیلئے مسجد میں سوتے تھے۔ (ہندیہ:۵/۳۲۱)

مسئلہ (۳۴): مسجد میں کسی شخص کا اپنا رومال، ٹوپی یا مصلی رکھ کر جگہ روک لینا مکروہ ہے، اور وہ شخص اس صورت میں اس جگہ کا مستحق نہ ہوگا، بلکہ مسجد میں پہلے پہنچ کر جو شخص جس جگہ بیٹھ جائے وہی اس کا حقدار ہے، ہاں اگر کوئی شخص مسجد میں کسی جگہ کچھ دیر عبادت کرے پھر کسی ضرورت سے تھوڑی دیر کے لیے جانا چاہے اور رومال وغیرہ رکھ کر جگہ روک لے تو یہ جائز ہے اور وہ اس جگہ کا حقدار ہوگا۔ (البحر الرائق:۲/۶۲)

مسئلہ (۳۵): جب کسی جگہ مسجد شرعی بنادی جائے، اور وہاں اذان و جماعت ہو رہی ہو، تو کسی مصلحت کی وجہ سے اس مسجد کو مدرسہ میں تبدیل کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، کیوں کہ وہ ہمیشہ ہمیش کیلئے مسجد بن گئی۔ (شامی:۶/۵۴۸)

مسئلہ (۳۶): اگر ایک مسجد ضرورت کے موافق موجود ہے، پھر اس کے مقابلے یا محض نام و نمود و شہرت اور فخر کیلئے دوسری مسجد بنانا درست نہیں ہے، اور نہ اس کے بنانے کا ثواب ملے گا، تاہم اگر مسجد بن گئی تو وہ شرعی مسجد ہے، اس میں نماز درست ہے۔ (الإکلیل:۴/۲۸۴)

مسئلہ (۳۷): مسجد کی وہ زمین جو مسجد کی آمدنی کیلئے وقف ہے، اس کی آمدنی کو ختم کر کے اسے مستقل عیدگاہ بنانا، منشاء واقف کے خلاف ہے، اس لیے یہ جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو ذریعۂ آمدنی بنایا جائے۔ (الدر مع الرد:۶/۶۴۹)

مسئلہ (۳۸): اوقاتِ نماز کے علاوہ مسجد کے دروازہ پر تالا نہ لگانے کی صورت میں سامانِ مسجد کے چوری و ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، تو تالا لگانا جائز ہوگا۔ (الدر مع الرد:۲/۴۲۸)

مسئلہ (۳۹): اگر کسی شہر میں بکثرت مساجد ہوں، لیکن ہر ایک میں جماعت واذان کا اہتمام والتزام نہ ہوتا ہو، تو ان تمام کو یاان میں سے بعض مساجد کو (جن میں اہتمام والتزامِ اذان و جماعت نہ ہو) شہید ومنہدم کرنا جائز نہیں ہے۔ (شامی:۶/۵۴۸)

مسئلہ (۴۰): اگر کوئی زمین مصالحِ مسجد کیلئے وقف کی گئی، اوراس کی آمدنی اتنی ہے کہ مصالحِ مسجد میں خرچ ہونے کے بعد بچ جاتی ہے، اوراس مسجد کے متعلق مدرسہ بھی ہے، جس میں باتنخواہ معلم ہے، تو یہ زائد آمدنی اس کی تنخواہ میں دینا بھی درست ہے۔ (ردالمحتار:۶/۶۶۵)

مسئلہ (۴۱): مسجد کے اندر ضروریاتِ مسجد یا مدرسہ کے لیے چندہ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ نمازیوں کی گردنوں کے اوپر سے پھلانگا نہ جائے اور نمازیوں کے سامنے سے گذرا نہ جائے، اور نہ ہی چندہ اس وقت کیا جائے جبکہ خطیب خطبۂ جمعہ پڑھ رہا ہو، اور نہ چندہ کرتے وقت ایسا شور کیا جائے جس سے نمازیوں کو خلل ہو۔ (شامی:۲/۳۸۶)

مسئلہ (۴۲): اگر کسی شہر میں قدیم جامع مسجد اتنی چھوٹی ہے کہ نمازیوں کیلئے کافی نہ ہوتی ہو، یا کسی اور مصلحت کے پیشِ نظر اس کے علاوہ کسی اور وسیع وکشادہ مسجد کو (جس میں زیادہ مصلیوں کی گنجائش ہو) جامع مسجد قرار دینا اوراس میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے۔ (تفسیر الکشاف:۲/۳۰۰)

مسئلہ (۴۳): بعض ذمہ داران واہلیان مساجد اپنی مسجدوں میں روضۂ اقدس کے ڈیزائن کا گنبد بنواتے ہیں، اگر ان کا مقصد تلبیس وفریب ہے کہ اس مسجد کو لوگ مسجد نبوی سمجھیں، اوراس کے ساتھ وہی عقیدت رکھیں، توان کا یہ عمل ناجائز ہے، ورنہ نہیں۔ **اسی** طرح بعض ذمہ داران مسجد وقبرستان، اپنی مسجد وقبرستان کا نام مسجد نبوی اور جنت البقیع رکھتے ہیں، اگر ان کا مقصد تلبیس وفریب نہیں بلکہ محض تبرک کے طور پر یا تشویق کیلئے ہے کہ اس کو دیکھ کر روضۂ اقدس کا شوق پیدا ہو تو درست ہے، ورنہ نہیں۔ (صحیح مسلم:۱/۷۰)

مسئلہ (۴۴): اگر کسی مسجد کے صحن میں، یا مسجد سے متصل، مسجد کیلئے وقف زمین میں کوئی پرانی قبر ہو جس کی وجہ سے مصلیوں کو پریشانی ہوتی ہو، یا مسجد میں توسیع کی ضرورت ہے، تو اس قبر کا نشان مٹا دینا اوراس پر فرش برابر کر دینا اوراس پر نماز پڑھنا بھی درست ہے۔ (عمدۃ القاری:۴/۲۶۵)

مسئلہ (۴۵): آج کل الیکشن کے موقع پر مختلف پارٹیوں کے امیدواروں کی طرف سے ووٹروں کو ان کے حق میں ووٹ ڈالنے کیلئے جو روپئے دیئے جاتے ہیں، وہ رشوت ہے، جو نص قطعی سے حرام ہے، اس لیے اس طرح کے روپئے مسجد کی تعمیر، یا مسجد، عیدگاہ اور قبرستان کی زمین کی خریدی، اوران کی چہار دیواری وغیرہ بنانے میں صرف کرنا شرعاً ناجائز وحرام ہے۔
(الجامع الصغیر:ص/۴۴، رقم الحدیث:۷۲۵۵)

مسئلہ (۴۶): مسجد کے پنکھے اور ٹیوب لائٹ چونکہ نماز کے وقت استعمال کرنے کیلئے لگائے گئے ہیں، ان کو دیگر اوقات میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، البتہ اگر ان پنکھوں اور ٹیوب لائٹ دینے والوں کی طرف سے اس کی اجازت ہو، اور استعمال کی وجہ سے لائٹ کے جو مصارف بڑھ جاتے ہیں، وہ دیدیئے جائیں تو اس کی اجازت ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۱۱۰)

مسئلہ (۴۷): مسجد کے اندر لگے ہوئے نل سے اہل محلّہ کو پانی لینا اسی صورت میں درست ہے، جب کہ ان لوگوں کی طرف سے اجازت ہو، جن کے چندہ سے وہ نل لگائے گئے ہیں، نیز ان پر لازم ہے کہ احتیاط سے استعمال کریں، اگر خراب ہوجائے تو اس کی اصلاح بھی کرادیا کریں، یہ بات نہ ہو کہ پانی تو اہل محلّہ بھریں اور مرمت مسجد کے ذمہ رہے۔ (ہندیہ:۲/۴۵۹)

مسئلہ (۴۸): اگر کسی مسجد میں زائد چٹائیاں موجود ہیں، اور حفاظت کی کوئی صورت نہیں، خراب اور ضائع ہو رہی ہیں، تو متولی اور دیگر اہل الرائے حضرات کے مشورہ سے یہ زائد چٹائیاں، ضرورت مند مساجد میں بچھا دینا درست ہے۔
(الدر مع الرد:۶/۴۲۹)

مسئلہ (۴۹): مسجد کے مینار کے متعلق شریعت کی طرف سے کوئی تحدید وتعیین نہیں ہے، البتہ مسجد کی ہیئت ایسی ہونی چاہیے کہ دیکھنے والے پہچان لیں کہ یہ مسجد ہے، عامۃً دو مینار بنانے کا معمول ہے، کسی مسجد میں چار اور کسی میں اس سے زائد بھی ہیں، مگر یہ سب کسی شرعی امر کی وجہ سے نہیں، نہ ممانعت ہے، البتہ بلا وجہ پیسہ خرچ نہ کیا جائے، خاص کر وقف کا پیسہ کہ اس میں بہت احتیاط ضروری ہے۔ (حلبی کبیر:ص/۵۱۵،۵۱۶)

مسئلہ (۵۰): ایصالِ ثواب کیلئے مسجد بنوا دینا اور اس نیت سے پتھر پر مرحوم کا نام کھدوا کر لگانا کہ دوسروں کو بھی اس قسم کے کاموں کی رغبت ہو، یا کوئی شخص اس پتھر کو دیکھ کر میت کیلئے خصوصیت سے ایصالِ ثواب کرے، درست ہے، اور اگر اس عمل سے شہرت ونا موری مقصود ہو تو درست نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری:۴/۳۱۴)

مسئلہ (۵۱): بالائی منزل کو مسجد قرار دینا اور تحتانی حصہ میں دوکانیں بنالینا کہ اوپر نماز ہوتی رہے اور نیچے خرید وفروحت ہوتی رہے احترامِ مسجد کے خلاف ہے، اوپر نیچے سب جگہ مسجد ہی ہونی چاہئے، مسجد کے کسی حصہ کو آمدنی کا ذریعہ بنالینا درست نہیں۔ (الدر مع الرد:۶/۴۲۹)

مسئلہ (۵۲): اس طرح مسجد بنانا کہ اسکے نیچے دکانیں یا مکانات ہوں یا اول مسجد بنا کر اسکی چھت پر دوکانیں یا مکانات بنانا، تا کہ ان کو کرایہ پر دیکر مسجد کے لیے ذریعۂ آمدنی بنایا جاسکے تو شرعاً ایسا کرنا درست نہیں، کیونکہ مسجد اپنے اوپر عنانِ سماء تک اور نیچے تحت الثریٰ تک مسجد ہوتی ہے، اس کے کسی حصے کو کرایہ پر دیکر ذریعۂ آمدنی بنانا درست نہیں ہے۔ (الدر مع الرد:۶/۴۲۹)

مسئلہ (۵۳): پھل یا پھول کے جو درخت مسجد کے احاطے میں اسی لیے لگائے گئے کہ سب لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں تو نمازی اور غیر نمازی سب کے لیے اس سے انتفاع درست ہے، اور اگر مسجد کے لیے لگائے گئے یا کچھ حال معلوم نہیں تو ان کو فروخت کر کے مسجد کے کاموں میں صرف کرنا چاہیے۔ (البحر الرائق: ۵/ ۳۴۱، ۳۴۲)

مسئلہ (۵۴): جو قرآنِ کریم یا پنج پارے واقف نے کسی مسجد کے لیے اس شرط کے ساتھ وقف کیے ہو کہ ان سے مسجد ہی میں انتفاع کیا جائے تو انہیں اپنے کمروں اور درسگاہوں، گھروں یا کسی اور جگہ منتقل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ (رد المحتار: ۶/ ۵۳۵)

مسئلہ (۵۵): اگر چندہ دہندگان کسی خاص مسجد ہی کی تعمیر کیلئے چندہ کی رقومات دیں تو چندہ جمع کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ اسی مسجد کی تعمیر میں صرف کریں، بدونِ اجازت چندہ دہندگان کسی اور مسجد یا مصرف میں خرچ کرنا درست نہیں، کیوں کہ چندہ کا روپیہ جب تک اس کام میں صرف نہ ہو جس کے لیے وہ دیا گیا، چندہ دہندگان کی ملکیت میں رہتا ہے، پس ان کی اجازت کے بغیر ان کی تعیین کے خلاف دوسرے مصارف میں خرچ کرنا درست نہیں ہے۔ (رد المحتار: ۲/ ۲۶۹)

مسئلہ (۵۶): زکوۃ و چرمِ قربانی کی رقم اسی طرح صدقۂ فطر کا روپیہ تعمیرِ مسجد و مدرسہ میں بدونِ حیلۂ تملیک کے صرف کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ صدقاتِ واجبہ میں تملیک یعنی مستحقِ صدقہ کو مالک بنانا ضروری ہے اور تعمیر میں صرف کرنے سے تملیک نہیں ہو سکتی، اگر مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ایسا کر لیا تو صدقاتِ واجبہ کی یہ رقم اپنے پاس سے دوبارہ اس کے مصرف میں خرچ کریں۔ (بدائع الصنائع: ۲/ ۴۸۴)

مسئلہ (۵۷): اگر کسی مسجد کی آمدنی اس کے اخراجات سے زائد ہوں تو اس کی آمدنی سے خطیب، واعظ اور مکتب کے معلم کو تنخواہ دینا جائز ہے، گرچہ واقف کی شرط معلوم نہ ہو۔ (منحۃ الخالق علی البحر: ۵/ ۳۵۶)

مسئلہ (۵۸): متولی کا مسجد کی آمدنی اپنی ضرورت میں خرچ کرنا پھر مسجد کی ضرورت کے وقت اس کو ادا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ خرچ کر لیا تو اس پر ضمان واجب ہے اور وہ رقم ادا کرنا اس کے ذمہ لازم ہے۔ (ہندیہ: ۲/ ۴۶۲)

مسئلہ (۵۹): مسجد کے متولیوں، کمیٹیوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ وقف کی جائداد کی آمدنی میں سے کسی کو قرض دے، اگر دیدیا اور وہ ضائع ہوا تو ان پر اس کا ضمان یعنی تاوان واجب ہوگا۔ (البحر الرائق: ۵/ ۴۰۱)

مسئلہ (۶۰): اگر متولی کے ذمہ مسجد کی کوئی رقم واجب الاداء ہو اور وہ ادا کرنے کی قدرت نہ رکھنے کی صورت میں عام مسلمانوں یا جدید متولی سے معافی کا خواستگار ہو تو کسی کو معاف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، کیوں کہ یہ وقف کی رقم ہے جو اللہ کی ملک ہے اور بندہ اللہ کی ملک میں تصرف کا مجاز نہیں ہے۔ (الدر مع الرد: ۶/ ۴۰۸)

مسئلہ (۶۱): اللہ رب العزت کی ذات طیب ہے اور طیب ہی کو قبول کرتا ہے، اس لیے جس شخص کی آمدنی حرام مال ہو، مثلاً وہ سودی کاروبار کرتا ہو یا اس کا بزنس ایسی چیزوں کا ہو جو بنگاہِ شرع حرام ہیں اور وہ اپنی اسی حرام آمدنی کو مسجد میں لگانا چاہے، تو شرعاً یہ ناجائز اور مکروہِ تحریمی یعنی بمنزلہ حرام ہے، کیوں کہ اس میں اللہ کے گھر کو ایسے مال سے ملوث کرنا لازم آتا ہی جس کو وہ قبول نہیں کرتا۔ (شامی:۲/۳۷۳)

مسئلہ (۶۲): اگر کسی مسجد کے اردگرد بسنے والے تمام مسلمانوں کے کسی اور جگہ منتقل ہونے کی وجہ سے مسجد ویران ہو جائے، تو اس کے ویران ہونے کی وجہ سے وہ مسجدیت سے خارج نہیں ہوگی، کیوں کہ جب کوئی جگہ مسجد بن جاتی ہے تو وہ ابد الآباد یعنی ہمیشہ ہمیش تک مسجد ہی باقی رہتی ہے، خواہ وہ ویران ہو جائے، مسلمانوں پر اس کا احترام اور اس کی حفاظت لازم ہے۔
(الدر مع الرد:۶/ ۴۲۹)

مسئلہ (۶۳): اگر کسی علاقے کے لوگ اپنے علاقے کو چھوڑ کر دوسرے علاقے میں منتقل ہو رہے ہوں، تو اس صورت میں مسجد کی ضرورت باقی نہ رہنے کی بناء پر مسجد کے سامان کو فروخت کر کے کسی دوسری مسجد کی ضروریات میں صرف کرنا جائز ہے، تا کہ مسجد کا سامان ضائع نہ ہو، البتہ مسجد کی زمین ابدالآباد تک مسجد ہی باقی رہیگی، اس کو کسی اور مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں۔
(الدر مع الرد:۶/ ۴۳۰)

مسئلہ (۶۴): مسجد یا مدرسہ کا موقوفہ قرآنِ کریم اور کتبِ دینیہ شکستہ ہو جائیں، ان میں کوئی شخص شوق ورغبت سے نہ پڑھتا ہو تو ان کو پڑھنے اور درست کرنے کے لیے کسی شخص کو دیا جا سکتا ہے، اس کو ان کا مالک نہیں بنایا جا سکتا۔ (فتاوی النوازل:ص/ ۳۳۷)

مسئلہ (۶۵): جب پرانی مسجد کو شہید کر کے اسکی نئی تعمیر کی جا رہی ہو تو نئی تعمیر میں پرانی مسجد کے کسی حصہ کو تعمیر سے خارج کرنا جائز نہیں، اور اگر کسی حصہ کو خارج کر بھی دیا گیا تو وہ مسجد ہی رہیگی، جنبی، حائضہ وغیرہ کو اس میں داخل ہونا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس حصہ میں امام و مؤذن یا جماعتوں کے رکنے کے لیے حجرہ یا مسافر خانہ بنانا جائز ہے، کیونکہ جو زمین ایک دفعہ مسجد ہو جاتی ہے وہ ابدالآباد یعنی ہمیشہ ہمیشہ تک مسجد رہتی ہے۔ (ہندیہ:۲/ ۴۶۲)

مسئلہ (۶۶): نمازِ عیدین کیلئے مسنون طریقہ یہی ہے کہ صحراء میں آبادی سے باہر جا کر ادا کریں، خواہ عیدگاہ ہو یا نہ ہو، وہ عیدگاہیں جو آبادی کے بڑھنے کی وجہ سے بستی اور شہر کے اندر آ گئی ہیں، وہ بحکم جبّانہ یعنی صحراء نہیں رہیں، لہٰذا شہر سے باہر جا کر نمازِ عیدین پڑھنے سے ہی سنت پر عمل کا ثواب ملے گا۔ (صحیح البخاری:ص ۱۸۰)

مسئلہ (۶۷): وقف شدہ عیدگاہ کے آبادی کے اندر آ جانے کی وجہ سے نہ تو اسے فروخت کیا جا سکتا ہے، اور نہ اس میں کسی

طرح کے تغیر وتبدل کی ضرورت ہے، بلکہ ضعفاء، کمزوروں اور بیماروں کیلئے اسے باقی رکھا جائے۔ (ردالمحتار:۳/۴۹)

مسئلہ (۶۸): عیدگاہ بہت سے امور میں بحکم مسجد ہے، اس لیے عیدگاہ میں کھیل تماشا اور کُشتی وغیرہ کا کرانا، یہ تمام امورِ محرمہ حرام اور ناجائز ہیں، متولیٔ عیدگاہ کو چاہیے کہ کسی کو عیدگاہ میں ان امور کے ارتکاب کیلئے ہرگز اجازت نہ دے۔ (شامی:۶/۵۴۵)

خرید وفروخت کا بیان

مسئلہ (۱): معاملات دین کا ایک اہم شعبہ ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عبادات کا مکلّف بنایا ہے، اسی طرح معاملات میں بھی کچھ احکام کا مکلّف بنایا، تا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کے وقت ان باتوں کا خیال رکھیں کہ کونسی چیزیں حلال ہیں، اور کون سی چیزیں حرام ہیں۔ **شریعتِ** اسلامی کے احکام جاننے سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات سے متعلق جو احکام ہیں وہ ایک چوتھائی ہیں، اور تین چوتھائی احکام معاملات اور معاشرت سے متعلق ہیں، سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے مت کھاؤ۔'' ...... **آیت** مذکورہ تمام ناجائز صورتوں کو شامل ہے، اس میں سود، قمار، رشوت خوری، ملاوٹ، دھوکہ، فریب غرض اُن تمام ناجائز ذرائعِ آمدنی کو شامل ہے، جنہیں اللہ رب العزت نے ناجائز وحرام قرار دیا ہے، حرام سے بچنے اور حلال کو حاصل کرنے کے لیے قرآن وسنت میں مختلف عنوانات سے تاکیدیں کی گئی ہیں، ایک آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حلال کھانے کو انسان کے اعمال واخلاق میں بہت بڑا دخل ہے، اس کا کھانا پینا حلال نہیں، تو اس سے اچھے اخلاق واعمال کی توقع مشکل ہے، ارشادِ ربانی ہے کہ: ''حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔'' **اس** آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اعمالِ صالحہ کا صدور اسی وقت ہوسکتا ہے، جب کہ انسان کا کھانا پینا حلال ہو۔ **حدیث** میں اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ بہت سے آدمی عبادت وغیرہ کرتے ہیں، اپنے رب کے سامنے گڑگڑاتے ہیں، مگر ان کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام، تو ان کی دعا کیسے قبول ہوسکتی ہے، ایک حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''رزقِ حلال کو طلب کرنا دین کے اولین فرائض کے بعد دوسرے درجہ کا فریضہ ہے''، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''سچا اور امانت دار تاجر کل قیامت کے دن انبیاء اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔'' (البحر المحیط:۳/۳۲۲)

مسئلہ (۲): شریعت میں حقوق العباد کی بڑی فضیلت آئی ہے، یہاں تک کہ کافروں کے ساتھ بھی امانتداری کا ثبوت دینے کا حکم دیا گیا، حقداروں کے حقوق کی پامالی، ان کے لیے مضرت کا سبب ہوتی ہے، جب کہ ہمیں مسلمانوں کو ایذا پہنچانے پر ڈرایا دھمکایا گیا ہے، حتی کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک آدمی قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ عبادات اور نیکیاں لے کر آئیگا، لیکن کسی کو گالی دی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، تو اہلِ حقوق آئیں گے اور اپنے حقوق کی پامالی پر اس کی نیکیاں لے جائیں گے، اس سے بڑھ کر اور کیا خسارہ ہوسکتا ہے۔ (تفسیرات أحمدیہ:ص/۱۹۱)

مسئلہ(۳): بیع اور وعدۂ بیع کے درمیان فرق :

بیع (قطعی ایجاب وقبول) ہونے کے بعد متعاقدین میں سے کسی کو بھی بیع کے خلاف کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔

وعـدۂ بیـع یہ ہے کہ متعاقدین اس میں قطعی ایجاب وقبول نہیں کرتے، بلکہ دونوں محض اس بات پر اتفاق اور معاہدہ کرتے ہیں کہ مدتِ معینہ میں مشتری جب بھی چاہے بائع اپنی چیز اس کے ہاتھ بیچ دے گا، وعدۂ بیع کو اخلاقی طور پر پورا کرنا لازم ہے، قانوناً اس وعدہ کو پورا کرنے پر جبر نہیں کیا جاسکتا، اگر بائع وعدہ خلافی کرتے ہوئے اپنی چیز شخصِ مذکور (جس سے وعدۂ بیع ہو چکا تھا) کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ فروخت کردے، تو یہ بیع بھی صحیح ہوجائے گی، گرچہ ایسا کرنا اخلاق ومروت کے خلاف ہے۔ **محض** وعدۂ بیع سے نہ بائع ثمن کا مستحق قرار پاتا ہے، اور نہ ہی مشتری کے لیے مبیع پر ملکیت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا وہ وعدۂ بیع کے مکمل ہونے (یعنی قطعی ایجاب وقبول) سے پہلے مبیع آگے کسی اور شخص کے ہاتھ فروخت نہیں کرسکتا، ورنہ یہ غیر مملوک کی بیع ہوگی، جو شرعاً منع ہے۔ (التنویر مع الدر والرد: ۷/۱۰-۱۷، ۱۸)

مسئلہ (۴): اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے ایک متعین قیمت میں کوئی چیز خریدنے کا وعدہ کرے، اور وہ شخص اس چیز کو خریدنے والے کے بھروسے پر اپنے پاس رکھے رہا، بعد میں وہ آکر یوں کہتا ہے کہ میں اتنی قیمت میں نہیں خریدوں گا، مثلاً خالد نے حامد سے کہا کہ میں تجھ سے یہ گھڑی پانچ سو روپئے میں خریدوں گا، جب کہ اس گھڑی کی قیمت چار سو روپئے ہے، پھر کچھ ایام گزرنے کے بعد خالد نے خریدنے سے انکار کردیا، جب کہ حامد اس گھڑی کو بیچتا تو اُسے چار سو روپئے مل جاتے، لیکن اس نے خالد کے بھروسے پر اُسے فروخت نہیں کیا، اب اس صورت میں حامد کو جو سو روپئے کا نقصان اٹھانا پڑا، وہ خالد سے اس کا مطالبہ نہیں کرسکتا، کیوں کہ یہ عین کا نقصان نہیں بلکہ متوقع نفع کا نقصان ہے، جس کو شریعت نقصان نہیں گردانتی، البتہ اگر خالد شروع ہی سے اپنے اِس وعدے کو پورا نہ کرنے کی نیت رکھتا ہے، تو وہ اخروی اعتبار سے گنہگار رہے، اور اگر خریدنے کی نیت تھی مگر کسی مجبوری کی وجہ سے نہ خرید سکا، تو وہ معذور ہے، جس میں گناہ بھی لازم نہیں ہوگا۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۲۸/ ۹۷۱، تحت الضرر)

مسئلہ (۵): آج کل یورپ میں انسانی خون کی طرح عورتوں کا دودھ بھی بینکوں میں جمع کیا جانے لگا ہے، جس میں عورتوں کا دودھ خرید کر اختلاط کرکے عموماً اس کا پاؤڈر بنالیا جاتا ہے، بعض مسلمان یہ دودھ پاؤڈر (Milk Powder) خرید کر، اپنے بچوں کی غذا کے لیے استعمال کرتے ہیں، جب کہ اولاً تو انسانی خون کی خرید وفروخت ہی جائز نہیں، کیوں کہ انسانی دودھ انسان کا جزو ہے، اور انسان اپنے جمیع اجزاء کے ساتھ مکرم ومحترم ہے، نیز یہ ماننا بھی بڑا مشکل امر ہے کہ کس نے کونسی عورت کا دودھ خریدا، اور کس بچہ کو پلایا؟ کیوں کہ رضاعت سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوتی ہے، اور نکاح کا فساد لازم آتا ہے، اس لیے

عورتوں کے دودھ کی خرید وفروخت کی یہ صورت شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ (فتح القدیر لابن الہمام:۶/۳۹۰،۳۹۱)

مسئلہ (۶): شرعاً ووٹ کی حیثیت شہادت، شفاعت اور وکالت کی سی ہے، گویا کہ جس شخص کو ووٹ دیا جاتا ہے اس کے حق میں ملک وملت کے خیر خواہ ہونیکی شہادت دی جاتی ہے، متعلقہ وکیل اور نمائندہ بنایا جاتا ہے اور ان تینوں حیثیتوں کے اعتبار سے ووٹ مالِ متقوم نہیں یعنی ایسا مال نہیں ہے جس سے شرعاً نفع اٹھانا ممکن ہو، جبکہ شرعاً کسی بھی چیز کی خرید وفروخت جائز ہونے کیلئے اس کا مالِ متقوم ہونا ضروری ہے، اس لیے ووٹ کی خرید وفروخت شرعاً جائز نہیں ہے۔ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ:۵/۳۴۹۶)

مسئلہ (۷): مکہ مکرمہ سے آبِ زمزم خرید کرلانا، اور بغرضِ نفع وثواب اسے بیچنا (خواہ مشتری مسلم ہو یا کافر) جائز ہے، کیوں کہ وہ متقوم بھی ہے، اور محفوظ کرلینے سے ملک میں بھی داخل ہوجاتا ہے، نیز بلانکیر زمزم بیچنے کا تعامل ہے، لیکن اگر یہ خرید وفروخت آب زمزم کے احترام میں مخل ہو، تو پھر اس کی خرید وفروخت خلافِ اولیٰ یا مکروہ ہوگی۔ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ:۵/۳۳۵۰-۳۳۵۲)

مسئلہ (۸): اگر کسی چیز کے بیچتے وقت عقد میں یہ شرط لگائی جائے کہ اگر خریدنے والے نے مقررہ مدت تک کل رقم یا اس کا کچھ حصہ ادا نہیں کیا، تو یہ بیع ختم ہوجائے گی، تو یہ صورت ''خیارِ نقد'' کی ہے، اور بیع میں یہ شرط لگانا جائز ہے، اور یہ شرط اپنے وقت پر مؤثر بھی ہوگی، یعنی مقررہ مدت میں کل رقم یا اس کا کچھ حصہ ادا نہیں کیا گیا، تو بائع (بیچنے والا) یک طرفہ طور پر بیع کو ختم کرکے مبیع خریدنے والے سے واپس لے سکتا ہے، اور ثمن کا جتنا حصہ اس نے وصول کیا ہے، وہ خریدنے والے کو واپس لوٹادے۔ (درر الحکام:۷/۳۷۹)

مسئلہ (۹): اگر کسی شخص کے والد کی دکان ہو، اور شخص مذکور اس دکان پر بحیثیت ملازم کام کرتا ہو، تو وہ اپنے والد کی مرضی کے بغیر اپنے دوست واحباب اور متعلقین کو ایسی رعایت سے سامان فروخت نہیں کرسکتا، جو عام طور سے تاجر نہ کرتے ہوں، اور نہ اس سے رعایتی داموں پر خریدنا جائز ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ دکان میں حصہ دار ہے تب بھی یہی حکم ہے، ہاں! اگر دکان کا مالک وہی ہے اور باپ اور بھائی اس میں بطور ملازم یا تبرعاً کام کرتے ہوں، تو اس صورت میں اس کیلئے رعایت کرنا اور اس سے رعایت پر سامان خریدنا دونوں عمل جائز ہیں، کیوں کہ وہ مالک ہے، اور مالک کو اپنے مال میں تصرف کی اجازت ہوتی ہے۔
(مشکوٰۃ المصابیح:ص/۲۵۵)

مسئلہ (۱۰): آج کل انٹرنیٹ کے ذریعہ خرید وفروخت کی ایک نئی صورت فارکس (Forex) کے نام سے متعارف کرائی جارہی ہے، جس میں آدمی رقم جمع کرکے اپنا ایک اکاؤنٹ کھولتا ہے، گھر بیٹھے اس اکاؤنٹ میں موجود رقم کے ذریعہ کوئی چیز مثلاً سونا، چاندی یا اور کوئی چیز اس مارکیٹ سے خریدتا ہے، پھر اس پر قبضہ سے پہلے ہی نفع ملنے پر اس کو آگے بیچ دیتا ہے، عموماً اس

طرح کے کاروبار میں خرید وفروخت مقصود نہیں ہوتی، بلکہ فرق برابر کر کے نفع کمانا مقصود ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قبضہ کے بغیر ہی وہ چیز آگے بیچ دی جاتی ہے، شرعاً اس طرح کا کاروبار کرنا منع ہے۔ (موسوعۃ فتح الملہم:۱/۳۵۰)

مسئلہ (۱۱): بعض عورتیں اپنے بال سنوارنے (کنگھی کرنے) کے بعد جو بال جھڑ جاتے ہیں، انہیں اکٹھا کر کے رکھتی ہیں، پھر جب وہ بہت زیادہ ہوجاتے ہیں، تو اپنے بچوں کے کھیلنے کے واسطے غبارے (Balloon) لینے کے لیے، انہیں کسی غبارے والے کے ہاتھ فروخت کردیتی ہیں، شرعاً ان کا یہ عمل ناجائز اور ممنوع ہے، کیوں کہ انسان اپنے کل اجزاء واعضاء کے ساتھ محترم ومکرم ہے، لہٰذا اس حرمت وکرامت کے پیش نظر انسانی بالوں کی یہ خرید وفروخت جائز نہیں ہے، بلکہ مناسب یہ ہے کہ ان بالوں کو دفن کردیا جائے۔ (سورہ بنی اسرائیل:۷۰)

مسئلہ (۱۲): اسلام میں موسیقی ناجائز اور حرام ہے، اس لیے وہ آلات جو محض موسیقی کے لیے استعمال ہوتے ہیں، اور بغیر کسی تغییر وتبدیلی کے ان سے موسیقی کا ہی کام لیا جاتا ہو، تو ان آلات کے، آلاتِ معاصی ہونے کی وجہ سے ان کی خرید وفروخت جائز نہیں ہوگی، کیوں کہ اس میں اعانت علی المعصیت ہے، جو شرعاً ممنوع ہے۔ (الدر المنثور فی التفسیر المأثور:۵/۳۰۹)

مسئلہ (۱۳): موبائل ومیمری کارڈ (Mobile & Memory Card) کی خرید وفروخت جائز ہے، البتہ اگر خریدنے والا اس کو غلط استعمال کرتا ہے، تو وہ گنہگار ہوگا، فروخت کرنے والے پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ (النہر الفائق:۳/۲۶۸)

مسئلہ (۱۴): تصنیف، مصنف کی دن رات کی محنتوں کا نچوڑ ہوتی ہے، جس سے مصنف کچھ مادی نفع کا بھی امیدوار ہوتا ہے، اور حقِ تصنیف کو محفوظ نہ کرنے کی صورت میں مصنف کو ضرر لاحق ہوتا ہے، اس لیے دفعِ ضرر کے خاطر حق تصنیف کو خاص کرنا جائز ہے، اور اگر مصنف اپنے حق تصنیف کو بیچنا چاہے تو بیچ بھی سکتا ہے، کیوں کہ صحتِ بیع کے لیے مبیع کا قابلِ ادّخار ہونا ضروری ہے، اور احراز وتحفظ قانوناً رجسٹریشن کرانے سے ہوجاتا ہے۔ (بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ:ص/۱۲۳)

مسئلہ (۱۵): خرید وفروخت میں زیادہ سے زیادہ نفع لینے کی شرعاً کوئی حد مقرر نہیں، فریقین کی باہمی رضامندی سے تھوڑا یا زیادہ لینے کی گنجائش ہے، البتہ اتنا زیادہ نفع لینا جو عام مارکیٹ کے تاجروں کی نظر میں زیادہ بنتا ہو، غبنِ فاحش (زبردست دغابازی) کہلاتا ہے، اور یہ خریدار کو بتلائے بغیر جائز نہیں، یعنی یہ بتلا دینا چاہیے کہ گرچہ یہ چیز مجھے اتنے روپئے ہی میں پڑی ہے، مگر مجھے اتنے روپئے میں فروخت کرنا ہے، اگر آپ راضی ہوں تو خریدو، ورنہ چھوڑ دو، بعض حضرات نے اس کی تعیین ۱۰ فی صد سے زیادہ نفع لینے سے کی ہے، اس لیے اتنی مقدار سے زیادہ نفع لینے سے احتراز کرنا چاہیے۔ (ابن ماجہ:ص/۱۵۹)

مسئلہ (۱۶): کسی چیز کو نقد مثلاً سو روپئے میں، اور ادھار وقسط وار ایک سو بیس روپئے میں فروخت کرنا ان شرطوں کے

ساتھ جائز ہے: (۱) مجلسِ عقد میں یہ طے کرلیا جائے کہ یہ معاملہ ادھار اور قسط وار ہوگا، (۲) ہر قسط اتنے روپئے کی ہوگی، (۳) کل قسطیں اتنی ہوں گی، (۴) کسی قسط کی ادائیگی میں تاخیر پر کوئی جرمانہ عائد نہ ہوگا۔ (اعلاء السنن:۱۴/۲۰۶)

مسئلہ (۱۷): اگر بیع اس طرح کی جائے کہ ادھار، مثلاً: ۱۰/روپے میں، اور نقد ۸/روپے میں تو جائز ہے، مگر مدت اور قسطوں کو متعین کرلیا جائے، اور مجلس ہی میں اُدھار یا نقد پر اتفاق کرلے، یہ کہنا کہ ایک مہینے پر دس روپئے میں، اور دو مہینے پر ۱۲/ روپئے میں، تو یہ جائز نہیں ہے، اسی طرح کوئی قسط چھوٹ جائے تو اضافہ جائز نہ ہوگا۔ (جامع الترمذي:۱/۲۳۳)

مسئلہ (۱۸): اگر بازار میں کسی چیز کی قیمت مثلاً سو روپئے ہیں، اور زید کو اس چیز کی ضرورت ہے، وہ اپنے دوست حامد کو اس چیز کی خریدنے کا وکیل بنائے کہ آپ میرے لیے یہ چیز خرید کرلا دیں، حامد کا چوں کہ دکاندار سے اچھا تعلق ہے، اور حامد مستقلاً اس کا گاہک ہے، اس لیے دکاندار نے حامد کو وہ چیز ۹۰/روپئے ہی میں دیدی، اب جو دس روپئے بچ گئے وہ حامد کے پاس امانت ہیں، وہ اسے زید کی اجازت کے بغیر استعمال نہیں کرسکتا، کیوں کہ بیع وشراء کے وکیل کی حیثیت امین کی ہے، اور امین صاحبِ امانت کی چیز میں اجازت کے بغیر کوئی خرد برد نہیں کرسکتا، ہاں! اگر حامد زید سے یہ کہے کہ یہ چیز میں آپ کے لیے خرید کر لا دونگا، مگر میں اس پر دس روپئے اجرت لوں گا، تو اس صورت میں وہ دس روپئے کا حقدار ہوگا، اب چاہے تو زید اجرت میں وہی دس روپئے دیدے جو بچ گئے، یا نہ بچنے کی صورت میں اپنے جیب سے دیدے، اب یہ رقم جائز ہوگی اور اس کا استعمال میں لانا درست ہوگا۔ (ہدایہ:۳/۷۴)

مسئلہ (۱۹): اگر خریدے ہوئے مال میں کوئی عیب نکل آئے، یا کسی نے کوئی مال بغیر دیکھے خرید لیا تھا، اور اس میں عیب نکل آیا، تو اِس صورت میں خریدار کو خیارِ عیب یا خیارِ رؤیت حاصل ہوتا ہے، جس کی بنا پر وہ اُس مال کو واپس کرسکتا ہے، لیکن آج کل عام طور پر دکاندار اپنی دکانوں میں یہ بورڈ لگا دیتے ہیں-''بِکا ہوا مال واپس نہیں لیا جائے گا، صرف بدلا جاسکتا ہے''- اس طرح کا بورڈ لگانے سے خریدار کا یہ حق ساقط نہیں ہوگا، اور دکاندار کا واپس نہ لینا درست نہیں ہے، ہاں! اگر سامان دیکھ بھال کر خریدا گیا اور اس میں کوئی عیب نہیں نکلا، تو اب دکاندار کو واپس لینے پر مجبور کرنا درست نہیں، اگر وہ واپس لے لے، تو اس کا احسان ہے، جس پر اُسے ثواب ملے گا۔ (مختصر القدوری:ص/۷۵،۷۶)

مسئلہ (۲۰): آج کل بلیوں کی خرید وفروخت کا رَواج ہے، جن بلیوں کی خرید وفروخت کی جاتی ہے، وہ یہ عام بلی نہیں ہوتیں، جو محلے اور گلیوں میں پھرتی ہیں، بلکہ یہ فینسی بلی کہلاتی ہیں، اُن کی تقریباً ۲۵/قسمیں ہیں، جن میں سے چند مشہور یہ ہیں: پَرشِیَن بلی، ہمالین بلی اور ترکش انگورہ وغیرہ، یہ بلیاں دوسری بلیوں سے عادات میں بھی مختلف ہوتی ہیں، اور ہر چیز نہیں کھاتیں،

بلکہ مخصوص چیزیں کھاتی ہیں، بلیوں کی خرید وفروخت بالاتفاق جائز ہے، اور جس حدیث میں اس کی خرید وفروخت سے ممانعت وارد ہے، وہ کراہتِ تنزیہی پر محمول ہے، اس لیے اگر کسی شخص کا کاروبار ہی اس طرح کی بلیوں کی خرید وفروخت کا ہو اور اُن کی مالیت نصاب کے بقدر ہو، اور اس پر سال بھی گزر جائے تو اس کی زکوۃ نکالنا واجب ہوگا۔ (بدائع الصنائع: ۱۴۲/۵)

مسئلہ (۲۱): بعض لوگوں کو معلوم رہتا ہے کہ فلاں شخص چور ہے، لوگوں کی چیزیں چُرا کر لاتا ہے، اور اُنہیں فروخت کرتا ہے، مگر چوں کہ یہ چیزیں عام قیمت کے مقابلہ میں نہایت کم قیمت میں فروخت کی جاتی ہیں، اس لیے وہ اس طرح کی چیزیں اُس سے خرید کر استعمال کرتے ہیں، اور یوں کہتے ہیں کہ ہم نے تو روپیہ دے کر خریدا ہے، اس لیے وہ ہمارے لیے حلال ہیں، اُن کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیوں کہ خرید وفروخت کے ذریعہ کسی چیز پر ملکیت ثابت ہونے اور اس کا استعمال حلال ہونے کے لیے شرعی ضابطہ یہ ہے کہ جس منقولہ چیز کو فروخت کیا جارہا ہے، اس پر فروخت کنندہ کی ملکیت وقبضہ ہو، جب کہ چور جس چیز کو فروخت کرتا ہے، اس پر نہ تو اس کی ملکیت ہوتی ہے اور نہ اس کے لیے اس کا استعمال حلال ہوتا ہے، اور نہ وہ اس کو بیچ سکتا ہے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ یہ چیز اصل مالک کو واپس کردے، تو بھلا خریدنے والے کے لیے اس چیز پر کیسے ملکیت حاصل ہوگی، اور اس کے لیے اس کا استعمال کس طرح حلال ہوگا؟ ہاں! اگر خریدنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ چیز چوری کی ہے، تو اس صورت میں اس کے لیے اس کا خریدنا اور استعمال کرنا جائز ہوگا، لیکن یہ حکم بھی اس لیے ہے کہ اس کو چوری کا علم نہیں ہے۔

(مجموعۃ الفتاوی لابن تیمیۃ: ۱۷۸/۲۹)

مسئلہ (۲۲): کھانے کی چیزیں، آم، خربوز، تربوز، وغیرہ چکھنے کی تین صورتیں ہیں: (۱) خریدنے کا ارادہ نہ ہو تو منع اور مکروہ ہے، نقصان کا بدلہ دے۔ (۲) خریدنے کا عزم تھا، چکھنے کے بعد پسند آئی، پھر ارادہ بدل گیا تو نقصان کا بدلہ دے، یا مالک سے معافی چاہے۔ (۳) چکھنے کے بعد پسند نہ آئے تو نہ خریدنے میں کوئی حرج نہیں۔ (الدر مع الشامیۃ: ۱۹۲/۷، باب خیار العیب)

مسئلہ (۲۳): دواساز کمپنیاں، میڈیکل والوں کو دوائیں فروخت کرتی ہیں، تاکہ وہ آگے ضرورتمند افراد کو یہ دوائیں فروخت کردیں، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ دوائیں میڈیکل والوں کے پاس پڑی کی پڑی رہ جاتی ہیں، اور ان کی مدتِ استعمال بھی ختم ہوجاتی ہے، ایسی صورت میں میڈیکل والے، دواساز کمپنیوں کو یہ دوائیں واپس کرتے ہیں، اور اُن کے بدلے اُن سے فریش دواؤں کا مطالبہ کرتے ہیں، دواساز کمپنیوں کا ان دواؤں کو واپس لینا اور اُن کے بدلے فریش دوا دینا محض تبرع واحسان ہے، کیوں کہ جب دوائیں فروخت کردی گئیں، اور ان پر ایکسپائر تاریخ بھی لکھی ہوئی تھی، اور بیع تام ہوگئی، تو ایکسپائر ہونے کی صورت میں دواساز کمپنیوں کا یہ دوائیں بدل کردینا ضروری نہیں ہے، البتہ اگر بوقتِ عقد یہ بات طے ہو کہ ایکسپائر

ہونے کے بعد بدل کردی جائیں گی، تو پھر بدل کر دینا ضروری ہوگا۔ (جامع الترمذي:۱/۲۵۱، رقم الحدیث:۱۳۵۲)

مسئلہ (۲۴): اگر دکاندار کو معلوم ہو کہ گاہک کی کل یا اکثر آمدنی حرام ہے، تو وہ اس کے ہاتھ اپنی کسی چیز کو فروخت تو کرسکتا ہے، مگر حرام مال سے قیمت وصول کرنا اس کے لیے جائز نہیں، بلکہ وہ خریدار سے حلال مال کا مطالبہ کرے گا، یہ حکم اُس وقت ہے جب کہ دکاندار کو پہلے سے معلوم ہو کہ خریدار کی کل یا اکثر آمدنی حرام ہے، اور اگر لاعلمی میں اس کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی، تو اس کی قیمت لینا جائز ہے۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۷/۲۲۲،۲۲۳)

مسئلہ (۲۵): بعض لوگ روئی کا کاروبار کرتے ہیں، کاشتکاروں سے روئی خرید کر بڑے بازاروں میں اسے فروخت کرتے ہیں، جب یہ لوگ روئی کو بڑی لاری میں بھر کر مارکیٹ لیجاتے ہیں تو اس پر پانی چھڑکتے ہیں، تاکہ اس کا وزن بڑھ جائے، شرعاً یہ عمل درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ خریدار کو دھوکہ دینا ہے، جب کہ اسلام ہمیں دھوکہ دینے سے منع کرتا ہے۔ (ترمذي:۱/۲۴۵)

مسئلہ (۲۶): اگر کوئی شخص دودھ میں پانی ملا کر بیچتا ہے، اور گاہک کو یہ نہیں بتلاتا کہ میں نے اس میں پانی ملایا ہے، تو اس کا یہ عمل دھوکہ دینا ہے، جو شرعاً ناجائز اور گناہ ہے، لیکن جب وہ پانی ملانا ظاہر کردیتا ہے اور گاہک کو بتلا دیتا ہے کہ میں نے اس میں پانی ملایا ہے، تو یہ دھوکہ دینا نہیں ہے، اب خریدنے والے کو اختیار ہے، خریدے یا نہ خریدے، لیکن بغیر پانی ملائے فروخت کرنے میں بڑی خیر و برکت ہے، جس سے پانی ملانے والے محروم ہیں۔ (صحیح مسلم:۱/۷۰)

مسئلہ (۲۷): بعض لوگ پیاز، لہسن، آلو، گیہوں وغیرہ کے موسم میں ان کو خرید کر جمع کر لیتے ہیں، اور جب یہ چیزیں مہنگی ہوجاتی ہیں، تب ان کو بیچتے ہیں، اگر ان کے اس عمل سے بازار میں ان اشیاء کی کمی واقع نہیں ہوتی اور عام لوگوں کو کوئی تنگی پیش نہیں آتی، تو یہ ممنوع ذخیرہ اندوزی میں داخل نہیں ہے، اور ان چیزوں کے موسم گذر جانے کے بعد ان کو اس قدر گراں بیچنا جو قابل برداشت ہو، اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن اگر اس ذخیرہ اندوزی سے بازار و مارکیٹ میں ان اشیاء کی کمی واقع ہوجاتی ہے، اور لوگوں کو تنگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یا موسم گذر جانے پر ان کو اس قدر گراں بیچا جاتا ہے، جو ناقابل برداشت ہے، تو یہ سخت گناہ کی بات اور ان کا یہ عمل باعثِ لعنت ہے۔ (السنن لابن ماجۃ:ص/۱۵۶)

مسئلہ (۲۸): بعض لوگ قصاب کے نزدیک کسی اچھے جانور، مثلاً بکرا، گائے وغیرہ کو دیکھ کر اس کے ذبح کیے جانے سے پہلے ہی اس کے سر، پاؤں، کلیجی، بھیجہ، چاپ، دل اور گردے وغیرہ کا سودا کرلیتے ہیں، اور قصاب بھی اسے بیچ دیتے ہیں، شرعاً یہ عمل جائز نہیں ہے۔ (ہندیہ:۳/۱۲۹)

مسئلہ (۲۹): آج کل بلڈنگ کے تعمیر ہونے سے پہلے ہی، اس کے فلیٹوں (Flats) کی خرید و فروخت شروع ہوجاتی

ہے،اورضروری پیمینٹ کی ادائیگی کی وجہ سے وہ فلیٹ بکنگ کرنے والوں کوملک کے بعد ہی دیا جاتا ہے،اس لئے جائز ودرست ہے۔**واضح** ہوکہ ایسی صورت حال میں کسی بلڈنگ کی مکمل تعمیر سے پہلے،اس میں تعمیر کئے جانے والے دفاتر یا مکانات وغیرہ کا خریدنا اور بک کروانا،اگرمحض پہلی مرتبہ ہی ہو،تو بیع استصناع کے طور پر جائز ودرست ہے،پھر بیع استصناع میں جب تک شئ تیار کرکے مشتری کے سپرد اور حوالہ نہ کی جائے،تو اس وقت تک مشتری کی ملک نہ ہونے اور شئ کے معدوم ہونے کی بناء پر اس کا آگے کسی دوسرے کے نام فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں،لہذا محض قانونی اجازت اور کاغذات کو بنیاد بنا کر اسے آگے بیچنا اور اس پر بروکری (دلالی) کرنا اور کمیشن لینا ہر دو امور شرعاً ناجائز اور ممنوع ہیں،جن سے اجتناب واحتراز لازم ہے۔ (المبسوط:۱۲/۱۶۵)

مسئلہ(۳۰): آج کل ملک کے بڑے بڑے شہروں میں بلڈنگ ڈیولپمنٹ کا کام اس طرح ہوتا ہے کہ ایک شخص کی زمین ہوتی ہے،دوسرا شخص (بلڈر) اس پر بلڈنگ بناتا ہے،دونوں کے درمیان یہ معاملہ طے پاتا ہے کہ تعمیر کے بعد مثلاً سو(۱۰۰) فلیٹس ہیں تو ان میں سے چالیس (۴۰) فلیٹس مالکِ زمین کے اور ساٹھ (۶۰) فلیٹس بلڈر یعنی بلڈنگ بنانے والے کے ہونگے،اور بعداز تقسیم دونوں اپنے فلیٹس فروخت کرنے یا کرایہ پر دینے کے مُجاز ہوتے ہیں،شرعاً یہ صورت جائز ہے،کیوں کہ مالکِ زمین نے فلیٹس کے بدلہ زمین دی اور بلڈر نے زمین کے بدلہ فلیٹس دیئے اور جس طرح روپیہ سے کوئی چیز خریدی جاسکتی ہے،ایسے ہی سامان کے بدلہ بھی خرید وفروخت ہوسکتی ہے،فقہ کی اصطلاح میں اسے بیع مقایضہ کہتے ہیں۔

(القواعد والضوابط الفقهية لأحكام المبيع في الشريعة الإسلامية:ص/۴۸)

مسئلہ (۳۱): اگر کسی بلڈر کو کوئی مکان کے بنانے کا آرڈر دیا جائے اور اس میں مکانیت،رقبہ،لمبائی،چوڑائی،اونچائی، دروازوں اور کھڑکیوں وغیرہ کی تفصیلات کی وضاحت بھی کردی جائے،مکان بن کر تیار ہوجائے اور آرڈر دینے والا اس کی قیمت ادا نہ کرے،تو بلڈر اس مکان کو کسی اور کے ہاتھ فروخت کرسکتا ہے،جب کہ یہ مکان آرڈر دینے والے شخص کو نہ بتایا گیا ہو، کیوں کہ معاملہ کی اس صورت کو استصناع کہتے ہیں،اور اس میں جب تک آرڈر دینے والا آرڈر کردہ شئ کو دیکھ نہیں لیتا وہ متعین نہیں ہوتی ہے،اور صانع یعنی کاریگر کو کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہوتا ہے۔ (ردالمحتار:۷/۳۶۵)

مسئلہ(۳۲): اگر کسی شخص نے قسطوں پر فلیٹ خریدا اور وہ قسطوں کے ادا کرنے کے موقف میں نہ ہو اور فلیٹ ابھی بن کر تیار نہ ہوا ہو تو وہ شخص اس فلیٹ کو کسی اور کے ہاتھ فروخت نہیں کرسکتا،کیوں کہ شرعِ اسلامی نے اس چیز کی بیع سے منع کیا ہے جو ابھی وجود میں نہیں آئی،لیکن اگر فلیٹ تیار ہو چکا ہو تو اس کو فروخت کرسکتا ہے چاہے زیادہ قیمت میں یا کم قیمت میں،خواہ ابھی یہ فلیٹ اس کے قبضہ میں نہ آیا ہو،کیوں کہ اموالِ غیر منقولہ (جن چیزوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جاسکتا) کو قبضہ

سے پہلے بھی فروخت کیا جا سکتا ہے۔ (درر الحکام:۱/۱۷۷، المادۃ:۱۹۷)

مسئلہ (۳۳): اگر کسی شخص نے بلڈر کے پاس فلیٹ کی بکنگ کرائی اور قیمت ادا کرنے کے لیے کوئی مدت متعین کی اور بلڈر نے معاملہ طے کرتے وقت یہ شرط لگائی کہ اگر وقت پر قسطیں ادا نہیں کی گئیں تو مجھے اس معاملہ کو ختم کرنے کا اختیار ہوگا اور بکنگ کرنے والے شخص نے اس شرط کو تسلیم بھی کر لیا، تو مقررہ مدت میں قسطیں ادا نہ کرنے کی صورت میں بلڈر کو یک طرفہ معاملہ کو ختم کرنے کا اختیار ہوگا، فقہ کی اصطلاح میں اس کو خیارِ نقد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (ہدایہ:۳/۳۰)

مسئلہ (۳۴): طے شدہ قسطوں میں رقم ادا نہ کرنے کی صورت میں بائع کو یہ اختیار حاصل ہے کہ قسط وار ادائیگیٔ قیمت کی سہولت ختم کر کے پوری قیمت کا مطالبہ کرے۔ (درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام:۱/۲۳۰)

مسئلہ (۳۵): ڈی، اے (D.A) یعنی خریدار مال کی طے شدہ عرصہ کے بعد رقم ادا کرتا ہے، شرعی طور پر یہ معاملہ ادھار خریداری کے معاملہ میں داخل ہو کر جائز ہوگا۔ (ہدایہ:۳/۲۱، فتح القدیر:۶/۲۴۲)

مسئلہ (۳۶): ڈی، اے، ایل، سی (D.A.L.C) یہ بھی ڈی، اے (D.A) کی طرح ہی ہے، صرف اتنا فرق ہوتا ہے کہ اس میں بینک رقم کا ذمہ دار ہوتا ہے، لہذا یہ بھی شرعاً جائز ہے۔ (ہدایہ:۳/۲۱، فتح القدیر:۶/۲۴۲)

مسئلہ (۳۷): آج کل عام طور پر کمپنیاں بہت سی چیزوں پر فری سروس (Free Service) دیتی ہیں، مثلاً: کمپنی کے ذمہ ہوتا ہے کہ ایک سال کے درمیان اگر کوئی خرابی پیدا ہو جائے، تو بلا معاوضہ درست کر کے دی جائیگی، اسے وارنٹی (Warantee) بھی کہا جاتا ہے، مثلاً: فریج، کمپیوٹر، واشنگ مشین، کولر وغیرہ پر ایک سال یا دو سال کی وارنٹی دی جاتی ہے، اور یہ عرفِ عام کی وجہ سے جائز ہے۔ (سنن الترمذي:۲/۳۴۳، رقم الحدیث:۱۳۵۲، السنن لأبي داود:ص/۵۶۰)

مسئلہ (۳۸): ویڈیو کانفرنس کے ذریعہ بیع وشراء کا معاملہ کرنا جائز ہے، اس لیے کہ اس میں بائع اور مشتری ایک دوسرے کو دیکھتے بھی ہیں، اور بات بھی کرتے ہیں۔ (الفقہ الإسلامي وأدلتہ:۴/۱۰۸، التعاقد بالہاتف والمراسلۃ)

نوٹ:- مشتری جس چیز کو بھی بغیر دیکھے ٹیلی فون، انٹرنیٹ اور ویڈیو کانفرنس کے ذریعے خریدے، اس کو نہ دیکھنے کی وجہ سے خیارِ رؤیت، اور عیب کی صورت میں خیارِ عیب حاصل ہونا چاہیے۔

مسئلہ (۳۹): فیکس کے ذریعہ سودا کرنا جائز ہے۔ (رد المحتار:۷/۲۶)

مسئلہ (۴۰): وی، پی (V.P) کے ذریعہ خریدار مال منگواتا ہے، اور پھر رقم بھی پوسٹ (Post) ہی کے ذریعہ صاحبِ مال تک پہنچ جاتی ہے یہ جائز ہے۔ (الہدایۃ:۳/۱۹، قواعد الفقہ:ص/۹۹)

مسئلہ (۴۱): اخبار ورسائل کی خریداری میں پورے سال کی رقم دی جاتی ہے، اور روز بروز یا ماہانہ بہانہ اخبار ورسائل خریدار کو پہونچتے رہتے ہیں، بیع کی یہ صورت بیعِ استجرار کے حکم میں ہے، جس کو متأخرین نے جائز قرار دیا ہے۔

(بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ: ص/ ۵۵)

مسئلہ (۴۲): تجارت میں یہ صورت بہت عام ہوچکی ہے کہ بڑے بڑے تاجر جن کو ہول سیلر (Hole Saler) کہا جاتا ہے، خود یا کسی ایجنٹ کے ذریعہ ریٹیل (Retail) میں بیچنے والے کے پاس رنگین یا سادہ فوٹو دیکھنے کیلئے بھیج دیتے ہیں اور ان کی تفصیلات بھی لکھ دیتے ہیں اور پھر خریدار ان کو دیکھنے کے بعد آرڈر دیتا ہے تو شرعاً یہ جائز ہے، البتہ اس صورت میں مشتری کو خیارِ رؤیت حاصل ہوگا، یعنی آرڈر دی گئی اشیاء جب موصول ہوں، تو ان کو دیکھنے کے بعد خریدار کو اختیار ہوگا چاہے تو مقررہ پوری قیمت میں لے لے یا واپس کردے۔ (البحر الرائق: ۵/ ۴۵۰، الفتاوی الہندیۃ: ۳/ ۹)

مسئلہ (۴۳): سور کے علاوہ تمام جانوروں کی ہڈیوں کی تجارت جائز ہے، اگرچہ مردار کی ہڈیاں ہوں، کیوں کہ ہڈی پاک ہے سوائے خنزیر کے۔ (فتاوی ہندیہ: ۵/ ۳۵۴)

مسئلہ (۴۴): پروفارما انوائس (Profarmainvoice) جس میں ایکسپورٹر (Exporter) ''مال برآمد کرنے والا شخص'' امپورٹر (Importer) ''مال درآمد کرنے والا شخص'' کو اپنے مال کی پوری تفصیل یعنی نمونہ (Model)، ریٹ (Rait)، شرائط وغیرہ کے تفصیلی کاغذات بھیجتا ہے، تو امپورٹر ان تفصیلی کاغذات کو بالتفصیل پڑھتا ہے، اس کے بعد اس پر معاہدہ اور معاملہ کی منظوری وتصدیق کی مہر اور دستخط کرکے ایکسپورٹر کے پاس بھیج دیتا ہے، جو دراصل جانبین کے درمیان معاہدہ کی ایک قانونی شکل ہوجاتی ہے، اس طرح کے معاملہ (معاہدہ) کو پروفارما انوائس کہا جاتا ہے، اب اس صورت میں ایکسپورٹر ان کاغذات کو اپنے یہاں کے بینک میں جمع کرکے رقم بھی حاصل کرسکتا ہے، درحقیقت یہ معاملہ جانبین کے درمیان ایک پختہ معاہدہ ہوجاتا ہے، اس طرح کے معاہدہ میں کوئی قباحت نہیں ہے، اس لیے یہ جائز ہوگا، اور ہر دو فریق یعنی ایکسپورٹر وامپورٹر (Importer& Exporter) پر اس عہد وپیمان کا پاس ولحاظ ضروری ہوگا، **اب** اس معاہدہ نامہ کی تکمیل کے بعد دو صورتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ ایکسپورٹر ان کاغذات کو دکھا کر بینک سے سودی قرض حاصل نہیں کرتا ہے بلکہ اس کا مقصد جانبین کے درمیان معاملہ کو مضبوط کرانا ہوتا ہے، لہذا یہ صورت جائز ہے۔

۲۔ ایکسپورٹر اس معاہدہ نامہ کو دکھا کر بینک سے پیکنگ کریڈٹ کے نام سے سودی قرض حاصل کرتا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ تجارت کو فروغ دے، لہذا یہ صورت ناجائز وحرام ہوگی۔ (تبیین الحقائق: ۴/ ۳۲۵، باب خیار الرؤیۃ)

مسئلہ (۴۵): بسا اوقات بائع مبیع پر ترغیبی انعام رکھتا ہے، اس صورت میں مبیع اور ثمن دونوں متعین ہوتی ہیں، اور ہر خریدار کو اپنی مبیع حاصل ہوتی ہے، کمپنی اپنے منافع میں سے انعام دیتی ہے، لہذا بیع کی یہ صورت جائز ہے، لیکن اس وقت مکروہ ہوگی جب کہ مشتری کو مبیع کی ضرورت نہ ہو اور وہ محض انعام کی طمع و لالچ میں اس چیز کو خریدے۔ (فقہ و فتاوی البیوع: ص/۲۸۱)

مسئلہ (۴۶): مثلی اشیاء یعنی ایسی چیزیں جن کا نمونہ (Sample) پیش کیا جاسکتا ہو اور نمونہ دیکھ کر تمام مال کا آسانی سے اندازہ کرلیا جاسکتا ہو، جیسے گیہوں، چاول، دیگر غلے وغیرہ، اور لوہا پیتل، اسٹیل، شیشہ، تانبا اور دیگر دھات وغیرہ، نیز موزہ، جوتا، نکیل، تلوار، تیر اور دیگر ہتھیار، اسی طرح دورِ حاضر کے مشنری کپڑے، ایسی چیزوں کی خرید وفروخت میں بائع کا صرف نمونہ دکھا کر اور مشتری کا صرف نمونہ دیکھ کر بیع کرنا صحیح اور درست ہے، اور مشتری کو خیارِ رویت بھی حاصل نہ ہوگا، ہاں عیب کی صورت میں خیارِ عیب حاصل ہوگا، لہذا اس طرح کی بیع جائز ہے۔ (الہدایۃ: ۳/ ۳۶، تبیین الحقائق: ۴/ ۳۲۵)

مسئلہ (۴۷): ذوات القیم یعنی قیمتی اشیاء جن کی مثل (Sample) پیش کر کے اندازہ نہ لگایا جاسکتا ہو، جیسے بکری، گائے، بھینس اور دیگر جانور، ان کے ریوڑ کی بیع ایک جانور کا نمونہ (Sample) دکھا کر جائز نہیں ہوگی۔ (تبیین الحقائق: ۴/ ۳۲۵)

مسئلہ (۴۸): ایکسپورٹر (Exporter) غیر ملکی تاجروں کے ہاتھ مال فروخت کرتا ہے، تو مال کی قیمت امریکن ڈالر، پونڈ، ریال، درہم، دینار وغیرہ (غیر ہندوستانی کرنسی) ہوتی ہے اور یہ رقم سرکاری بینک کے توسط سے ایکسپورٹر کو موصول ہوتی ہے، لیکن بینک اس کو ہندوستانی کرنسی دیتی ہے، ایسی صورت میں غیر ملکی کرنسی کبھی اَپ (UP) اور کبھی ڈاؤن (Down) ہوتی ہے، اگر اَپ ہو یعنی غیر ملکی کرنسی کا بھاؤ بڑھ جائے تو ایکسپورٹر کو ہندوستانی روپئے زیادہ مل جاتے ہیں، اور اگر ڈاؤن ہو یعنی غیر ملکی کرنسی کا بھاؤ گر جائے تو کم روپئے ملتے ہیں، تو شرعاً یہ زیادتی سود نہیں بلکہ حلال اور جائز ہے اور اس طرح کا معاملہ کرنا بھی درست ہے۔ (ردالمحتار: ۷/ ۶۰)

مسئلہ (۴۹): زمین یا کسی اور چیز کی خرید وفروخت میں دلال کا بائع اور مشتری دونوں سے کمیشن لینا، اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ دلال - بائع اور مشتری میں سے کسی کا وکیل بن کر مبیع کی خرید وفروخت نہ کرے، بلکہ دونوں کے درمیان سعی وکوشش اور دوڑ دھوپ کرے، اور پھر وہ دونوں خود آپس میں خرید وفروخت کریں، تو ایسی صورت میں چوں کہ عرف ورَواج دونوں سے کمیشن لینے کا ہے، اس لیے اس صورت میں دلال کے لیے دونوں سے کمیشن لینا جائز اور درست ہوگا۔ (شامی: ۹/ ۷۵)

مسئلہ (۵۰): حکومتِ وقت نے اِس سال گیس صارفین کے لیے یہ قانون نافذ کیا ہے کہ ایک صارف (Consumer) کو پورے سال میں صرف ۹/ گیس سلینڈر رعایتی دام میں دیئے جائیں گے، اگر کسی صارف کو اس سے زائد کی ضرورت ہو تو وہ

پوری قیمت ادا کر کے حاصل کر سکتا ہے، اب بعض وہ صارفین جنہیں ۹/گیس سلنڈروں کی ضرورت نہیں، اُن کی طرف سے یہ استفسار ہو رہا ہے کہ- کیا ہم اپنے رعایتی گیس سلینڈر حاصل کر کے دوسرے ضرورتمند کو زائد قیمت میں فروخت کر سکتے ہیں؟ تو جواباً عرض ہے کہ- اگر صارف (Consumer) اپنا رعایتی سلینڈر حاصل کر کے اپنے قبضہ میں کر لے، اور پھر ضرورتمند کو زائد قیمت میں فروخت کر دے، اور اس طرح فروخت کرنا حکومتی قانون کی خلاف ورزی نہ ہو، تو شرعاً اس کی اجازت ہوگی، ورنہ نہیں۔ (بدائع الصنائع:۷/۳۷۱،۴۷۱، الفتاوی الہندیۃ:۳/۱۶۰)

مسئلہ (۵۱): آج کل خرید و فروخت کی یہ صورت عام ہے کہ ایک شخص دکاندار سے اپنی ضرورت کی چیزیں وقتاً فوقتاً تھوڑی تھوڑی کر کے خرید لیتا ہے، یا اپنے بچہ یا نوکر کے ذریعہ منگوالیتا ہے، ہر مرتبہ چیز لیتے وقت نہ تو ایجاب وقبول ہوتا ہے اور نہ ہی بھاؤ تاؤ ہوتا ہے، حضراتِ فقہاء کرام کی اصطلاح وزبان میں لین دین کی اس صورت کو''بیع استجرار'' کہا جاتا ہے، فقہ کے مشہور قواعد کی رُو سے گرچہ یہ بیع جائز نہیں ہے، کیوں کہ جب یہ چیزیں لی جاتی ہیں اس وقت قیمت متعین نہیں کی جاتی، بلکہ ہفتہ یا مہینے کے آخر میں خریدار دکاندار کا حساب چکا دیتا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ جس وقت خریدار حساب چکاتا ہے اس وقت بیع منعقد ہوتی ہے، تو اس میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں، ایک خرابی تو یہ کہ بیع منعقد ہونے سے پہلے ہی خریدار مبیع کو استعمال کر چکا، جو اس کے لیے جائز نہیں تھا، دوسری خرابی یہ کہ جس وقت بیع منعقد ہو رہی ہے، اس وقت مبیع یعنی خریدا جانے والا سامان معدوم وغیر موجود ہے، حالانکہ شریعت معدوم وغیر موجود کی بیع کو منع کرتی ہے، مگر ان سب باتوں کے باوجود لین دین کی یہ صورت استحساناً جائز ہے، جیسا کہ صاحبِ قنیہ فرماتے ہیں:''وہ گھریلو ضرورت کی اشیاء جن کو عادۃً لوگ بغیر بیع وشراء کے ضرورت کے مطابق دکاندار سے لیتے ہیں، جیسے دال، نمک اور تیل وغیرہ، اور پھر ان اشیاء کو استعمال کرنے کے بعد آخر میں ان کی بیع کرتے ہیں، یعنی دکاندار کو اس کا حساب چکا دیتے ہیں، یہ معاملہ صحیح ہے، اور اس میں معدوم کی بیع جائز ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ:۹/۴۳، البحر الرائق:۵/۴۳۴)

مسئلہ (۵۲): خرید و فروخت اور لین دین کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ بعض خُردہ فروش، ہول سیل کے بیوپاریوں سے مال لیتے ہیں، اور یہ شرط لگاتے ہیں کہ دن بھر میں جتنا مال فروخت ہونے سے بچ جائیگا، شام کو ہم اسے واپس کر دیں گے، اور وہ اس شرط کو مان لیتے ہیں، اب جو مال بچ جاتا ہے وہ ہول سیلر کو واپس کیا جاتا ہے، لین دین کی یہ صورت درست ہے، کیوں کہ بیع بالخیار میں جس کا خیار ہے، اس کے حق میں بیع قطعی نہیں ہوتی، دوسرے کے حق میں قطعی ہوتی ہے، یعنی ہول سیلر کے حق میں قطعی ہے، خُردہ فروش کے حق میں قطعی نہیں، جس وقت وہ خیار ساقط کر دے گا، اس کے حق میں بھی بیع قطعی ہو جائیگی۔

(تنویر الابصار مع الشامیۃ:۷/۸۸، ہدایہ:۳/۱۶)

مسئلہ (۵۳): آج کل عام طور پر چیزوں کو آرڈر دیکر بنانے کا کافی رواج ہو چلا ہے، لہٰذا فقہ اسلامی کے نقطۂ نظر سے اس کے جواز کیلئے ان آٹھ شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱- بیع کی جنس متعین ہو، مثلاً: گیہوں، چاول، برتن اور گاڑی وغیرہ۔

۲- نوع اور قسم متعین ہو، مثلاً: چاول ہے تو کونسی قسم کے، باس متی یا کوئی اور؟ اسی طرح اگر مصنوعی چیز ہے جیسے کپڑا یا جوتا، یا گاڑی تو وہ کس کمپنی کے، اور کہاں کے بنے ہوئے ہیں، مثلاً: کانپور، مرادآباد، دلی، جاپان، چین یا تائیوان وغیرہ کے؟

۳- مال کی صفت متعین ہو، جیسے ہائی کوالٹی (High Quality) یا لو کوالٹی (Low Quality) یا میڈیم کوالٹی (Medium Quality) وغیرہ۔

۴- مقدار معلوم ہو مثلاً: کتنا کلو ہے یا کس سائز کا ہے؟

۵- ادائیگی کی مدت معلوم ہو کہ سامان کتنے دنوں میں دیا جائیگا؟

۶- ثمن کی مقدار اور صفت معلوم ہو، یعنی کتنے روپئے کا ہوگا، اور کرنسی کونسی ہوگی، ہندوستانی روپئے، امریکی ڈالر، سعودی ریال یا کویتی دینار وغیرہ؟

۷- سامان کی کچھ رقم پیشگی ادا کرنا ہے یا پوری رقم دینی ہے؟

۸- بائع مشتری کو کہاں سامان پہونچائے گا، اکل کوا، نندر بار یا ممبئی وغیرہ میں؟ (ہدایہ:۳/۹۵)

مسئلہ (۵۴): بیعِ استصناع یہ بھی بیعِ سلم ہی کی طرح کی ایک بیع ہوتی ہے، یعنی کسی چیز کو بنانے کیلئے معاملہ کرکے آرڈر دینا، مگر اس میں صرف اتنا فرق ہوتا ہے کہ ثمن اور مبیع دونوں ادھار ہوتے ہیں، یعنی پیشگی رقم بعض یا کل ادا کرنے کی شرط نہیں ہوتی، اس کے جائز ہونے کیلئے بھی مذکورہ بالا تمام شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ (الفتاوی الہندیۃ:۳/ ۲۰۷، ایضاح النوادر:ص/ ۲۸)

مسئلہ (۵۵): آج کل یہ صورت بہت زیادہ عام ہو چکی ہے کہ بائع مشتری سے پیشگی رقم کا مطالبہ کرتا ہے، مثلاً: دس لاکھ کا مال ہے تو کم از کم ایک لاکھ روپئے پہلے ہی بائع وصول کر لیتا ہے، تو اس طرح بیع کا معاملہ کرنا جائز ہے، اگر مال ایک مہینے کے بعد بھیجنے کی بات ہو تو یہ بیعِ سلم ہے، اور اگر اس سے کم مدت ہو تو استصناع کے حکم میں داخل ہے۔ (البنایۃ شرح الہدایۃ:۷/ ۴۲۰)

مسئلہ (۵۶): اگر کسی شخص کو قرض کی سخت ضرورت ہے، اس کے پاس مکان یا دوکان یا زمین موجود ہو، اور وہ اس کو رہن میں رکھ کر قرض کا روپیہ حاصل کرنا چاہتا ہے، مگر رہن رکھنے کی صورت میں مرتہن اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا، اس لیے کوئی شخص رہن رکھ کر بھی قرض دینے کے لیے تیار نہیں ہے، اور صاحبِ ضرورت اپنی اس ضروری جائداد کو پوری طور سے فروخت

کرنا بھی نہیں چاہتا، تو متاخرین فقہاء نے دفعِ ضرورتِ راہن اور جوازِ انتفاعِ مرتہن کے لیے بیع الوفاء کے نام سے بیع کی ایک صورت بیان فرمائی ہے، اور وہ یہ ہے کہ صاحبِ ضرورت، مکان، دوکان یا زمین، اس طرح فروخت کرے کہ فروخت شدہ جائداد مشتری کے پاس من کل الوجوہ امانت تو نہیں مگر مثلِ امانت کے ہوگی، کہ مشتری اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے مگر اس کو فروخت نہیں کرسکتا، اور فائدہ اٹھانے کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہیگا جب تک کہ بائع، لی ہوئی پوری رقم واپس نہ کردے، اور جب بائع رقم واپس کردیگا تو مشتری پر لازم ہوگا کہ اتنی ہی رقم لے کر جائداد واپس کردے، جتنے میں اس نے بائع کو دیا تھا، اس عقد کو بیع الوفاء، بیع الأمانۃ اور بیع الرہن وغیرہ کہا جاتا ہے، صاحبِ ہدایہ نے اس کو بیع الجائز فرمایا ہے۔ **اس** کا رَواج پانچویں صدی ہجری میں ہوا، اس کے جواز وعدمِ جواز میں شدید اختلاف رہا، امام ظہیر الدین اور صدر الشہید وغیرہ اس کے عدمِ جواز کے قائل ہیں، امامِ ابوشجاع، امام علی، امام ابن نجیم، امام بیہقی، سغدی، قاضی حسن ماتریدی اور امام مرغینانی وغیرہ اس کو حاجتِ ناس کے پیشِ نظر استحساناً، اور عرفِ عام حادث کا قضیہ کہہ کر جائز قرار دیتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اصولاً عدمِ جواز کو ثابت کیا ہے، اور بوقتِ ضرورت جواز پر عمل کی اجازت دی ہے، اور محدثِ سہارنپور علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے جائز قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ دستاویز لکھتے وقت بیع کو مطلق عن الشرط رکھا جائے، اور بیع مع الشرط کی قید نہ لگائی جائے، تاکہ فقہائے متأخرین کے دونوں فریق کے قول پر عمل ثابت ہوجائے، عصرِ حاضر کے علماء وفقہاء میں علامہ قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی اور مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی وغیرہ نے اس کے جائز قرار دینے کو اولیٰ اور مناسب سمجھا ہے۔ (البحر الرائق: ۶/ ۱۱، تبیین الحقائق: ۶/ ۲۳۷، رد المحتار: ۷/ ۵۴۵، مطلب فی بیع الوفاء)

مسئلہ (۵۷): مناقصہ یہ مزایدہ کی ضد ہے، مزایدہ بائع کی جانب سے ہوتا ہے اور مشتری بولیاں لگاتے ہیں، جو بھی زیادہ بولی لگادے اس کے حق میں بیع منعقد ہوجاتی ہے، اور مناقصہ میں مشتری کی طرف سے طلب ہوتی ہے، آج کل حکومت کی طرف سے ٹینڈر نوٹس آتے رہتے ہیں، مثلاً حکومت نے اعلان کیا کہ ہمیں کسی تعلیم گاہ میں استعمال کرنے کے لئے ہزاروں کرسیوں کی ضرورت ہے، لہذا ہمیں ٹینڈر دیں کہ کون کتنے میں دے گا، تو اس میں کم قیمت لگانے کی دوڑ ہوتی ہے، جس کسی کی قیمت سب سے کم ہوتی ہے اس کا ٹینڈر منظور کرلیا جاتا ہے یہ جائز ہے۔ (انعام الباری: ۶/ ۲۶۹، أحکام التعامل فی الأسواق المالیۃ المعاصرۃ للدکتور مبارک بن سلیمان: ۱/ ۶۲۵، عقود المناقصۃ فی الفقہ الإسلامی للشیخ عاطف محمد حسین أبو ہربید: ص/ ۹۰)

مسئلہ (۵۸): شوروم (Showroom) والے گاڑی خریدنے والے سے فوری قبضہ دینے کی صورت میں، جو رقم زائد از قیمتِ اصلیہ لیتے ہیں، اس کو اون (Own) کہا جاتا ہے، بائع یعنی شوروم والے کیلئے اس رقم کا لینا شرعاً جائز ہے۔

(الاختیار لتعلیل المختار: ۲/ ۲۵۷، ۲۵۸)

مسئلہ (۵۹): حقِ ایجاد کی بیع جائز ہے، مثلاً کسی شخص نے کوئی نئی چیز ایجاد کی تو اس کا حق، یا کوئی نئی کتاب تصنیف کی تو اس کا حق، اسی طرح تمام حقوقِ مجردہ کی بیع جائز ہے۔ (سنن أبی داود: ص/ ۴۳۷)

مسئلہ (۶۰): اگر درخت پر کچھ پھل ظاہر ہو، اور کچھ پھل ظاہر نہ ہوں تو معدوم پھلوں کی بیع کو موجود پھلوں کے تابع بنا کر جائز قرار دیا جائیگا۔ (ردالمحتار: ۷/ ۸۵، ۸۶)

مسئلہ (۶۱): پھل آنے سے پہلے بیع ناجائز وحرام ہے، مگر اس کے جواز کی متبادل شکل یہ ہوگی کہ معاملہ پھلوں کا نہ کیا جائے، بلکہ زمین سمیت پورے باغ کا کیا جائے، وہ اس طور پر کہ چھ مہینے یا سال بھر کے لئے، یا کئی سال کے لئے متعین رقم کے بدلے میں کرایہ پر دیدیا جائے، اور کرایہ دار کو یہ بھی اجازت ہو کہ وہ خالی زمین میں کچھ بو کر فائدہ اٹھا سکتا ہے، مالک کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا، مگر یہ معاملہ اس وقت صحیح ہوگا جبکہ باغ کی زمین قابلِ کاشت بھی ہو، ورنہ صحیح نہ ہوگا۔ (ردالمحتار: ۷/ ۸۸، ۸۹)

مسئلہ (۶۲): درختوں پر پھل ظاہر ہو گیا لیکن ابھی کارآمد نہیں ہوا، یعنی نہ کھایا جا سکتا ہے، نہ کام میں لایا جا سکتا ہے، تو ان کی بیع بلا کسی شرط (یعنی پکنے تک درخت پر چھوڑے رہنے کی شرط نہیں لگائی، بلکہ بائع کی اجازت سے درخت پر چھوڑ دیا گیا) کے جائز ہے، اور اگر یہ شرط لگائی کہ پھل پکنے تک ان کے درختوں پر ہی لگے رہیں گے، تو بیع کی یہ صورت ناجائز ہے، مگر فقہاء عصر میں سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اور حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم کی رائے بر بناء تعاملِ ناس وعرف، جواز کی ہے۔ (تبیین الحقائق: ۴/ ۲۹۵)

مسئلہ (۶۳): آموں کے پکنے سے پہلے انہیں فروخت کرنا جائز ہے، اور بیع ہو جانے کے بعد بائع کی اجازت سے، ان کا درخت پر چھوڑے رکھنا بھی جائز ہے۔ (تبیین الحقائق: ۴/ ۲۹۵)

مسئلہ (۶۴): کسی شئ پر قبضہ کا مطلب شریعت میں یہ نہیں، کہ حقیقی معنی میں بائع مبیع کو مشتری کے یہاں منتقل کردے، بلکہ اس کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ مبیع کو اپنے مال سے اس طور پر الگ کردے، کہ مشتری جب چاہے اسے اپنی مرضی سے اٹھا کر لے جائے، اور اس سلسلے میں اس پر کسی طرح کی کوئی رکاوٹ نہ آئے، تو اب اس مبیع پر مشتری کا قبضہ تسلیم کرلیا جائیگا، لہٰذا اس کے لئے کسی دوسرے کے ہاتھ اس کو فروخت کرنا شرعاً جائز ہو جائیگا، مگر اس علیٰحدہ (تخلیہ) کرنے میں قدرے تفصیل ہے، چونکہ اب اس طرح کی بیع بکثرت ہونے لگی ہے، اور لوگ اس طریقہ کار کو شرعی طور پر نہیں کرتے ہیں، اس لئے ہر صورت کا حکم مختصراً علیحدہ علیحدہ ذکر کیا جا رہا ہے؛

۱- **کیلی اشیاء**؛ یعنی کسی مخصوص پیمانے یا برتن سے ناپ کر بیچی جانے والی اشیاء: جیسے دودھ، تیل وغیرہ کو ناپ

کر کے الگ کرنا، مشتری کے قبضے کے ثبوت کے لئے کافی ہو جائے گا، جیسے فون پر بات ہوئی اور مشتری نے کہا: بندے کو دس لیٹر دودھ چاہیے، اور بائع نے اس کو قیمت وغیرہ بتلا کر پکی بات کر کے، اس کو ناپ کر کے الگ کر دیا، تو الگ کرتے ہی اس پر مشتری کا قبضہ شمار ہوگا، اب مشتری اس چیز کو کسی دوسرے سے بھی فروخت کر سکتا ہے۔

۲- **وزنی اشیاء**؛ جیسے سونا، چاندی، پیتل، تانبا، رانگ، المونیم، لوہا وغیرہ، جب وزن کر کے الگ کر دیجائے تو مشتری کا قبضہ شمار کیا جائیگا، اور اس کے لئے ان اشیاء کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہوگا۔

۳- **ذراعی اشیاء**؛ یعنی پیمائشی اشیاء: جیسے کپڑے وغیرہ پیمائش کر کے الگ کرنا مشتری کے قبضے کے لیے کافی ہوگا۔

نوٹ-: ان تینوں صورتوں میں جب بائع ان بیچی ہوئی چیزوں کو الگ کر دے، اور مشتری کو مکمل اختیار ہو کہ وہ ان چیزوں کو اٹھا سکتا ہے، پھر وہ چیزیں بائع کی رکھی ہوئی جگہ سے چوری ہو جائیں، یا جل جائیں، یا ٹوٹ پھوٹ جائے تو بائع پر کوئی ضمان نہیں آئیگا، اور بائع سے مشتری دوبارہ اس کا مطالبہ نہیں کر سکے گا۔ (درر الحکام: ۱/۲۵۱، المادة: ۲۶۳، غمز عیون البصائر: ۲/۲۷۸، ۲۷۹)

مسئلہ (۶۵): غیر منقولی اشیاء جیسے زمین، پلاٹ، عمارت، دوکان، جائیداد وغیرہ کا صرف سودا کر کے معاملہ کر لینا قبضہ کے لیے کافی ہوگا، اور دوسرے کو فروخت کرنا بھی صحیح ہوگا۔ (ہدایہ: ۳/۷۴، بدائع الصنائع: ۷/۴۱، الفقہ علی المذاہب الأربعة: ۲/۲۰۰)

مسئلہ (۶۶): اگر کسی شخص نے مچھلیوں کو تالاب میں پالا ہے تو وہ اسی کی مملوک ہوگی، مگر بغیر پکڑے ہوئے مقبوضہ نہ ہوگی، لہذا اگر وہ شخص مچھلیاں بغیر پکڑے بیچ دے، تو یہ بیع جائز نہیں ہوگی۔ (مجمع الأنہر: ۳/۱۱۳)

مسئلہ (۶۷): حلال جانوروں کا خون (دم مسفوح) جو ذبح کے وقت نکلتا ہے، اس کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔
(الدر مع الشامیة: ۷/۱۷۰)

مسئلہ (۶۸): ایسے برتن جن پر تصاویر ہوں ان کو خریدنا جائز ہے، اس لیے کہ مقصود برتنوں کو استعمال کرنا ہے، تصاویر مقصود نہیں ہیں، ہاں خریدنے کے بعد تصاویر کے ساتھ ان کا استعمال ممنوع و مکروہ ہے، اس لیے ان تصاویر کو محو کر دیں۔
(منحۃ الخالق علی البحر: ۲/۴۷)

مسئلہ (۶۹): شراب کی خالی بوتلیں اگر صرف شراب ہی کے لیے استعمال ہوتی ہوں، شراب کے علاوہ کسی اور کام میں استعمال نہ ہوتی ہوں، تو ان کو فروخت کرنا ایک اعتبار سے شراب فروخت کرنے والوں اور خریدنے والوں کی اعانت کرنا ہے، جو شرعاً ممنوع ہے۔ (سورة المائدة: ۲)

مسئلہ (۷۰): پینشن ایک قسم کا انعام ہے، جب تک ملازم کا اس پر قبضہ نہ ہو وہ اس کا مالک نہیں بنتا، اس لئے اس کی بیع

جائز نہیں، البتہ خود حکومت سے اس کی بیع کرنا حقیقت میں بیع نہیں ہے، صرف نام اور صورت کی بیع ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ حکومت نے جو بڑا انعام قسط وار دینے کا وعدہ کیا ہے، اب اس کو کم مقدار میں یکمشت دے رہی ہے، اس لئے حکومت سے یہ معاملہ جائز ہے۔ (جامع الترمذی:۱/۲)

مسئلہ(۷۱): مال برآمد کنندہ حکومت کے پاس برآمد کا ثبوت پیش کرتا ہے، جس پر حکومت اسے بونس کے نام سے انعام دیتی ہے، انعام کی رقم نقد نہیں ہوتی، بلکہ اس کی رسید ہوتی ہے، جسے بونس واؤچر کہتے ہیں، برآمد کنندہ اسے بازار میں زیادہ قیمت پر فروخت کرتا ہے، مثلاً سو روپے کا بونس واؤچر دو سو روپئے میں، تو چوں کہ برآمد کنندہ قبل القبض اس رقم کا مالک نہیں، اس لئے اس کی خرید وفروخت جائز نہیں، نیز بونس واؤچر کی اصل رقم سے زیادہ قیمت وصول کرنا سود ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔
(جامع الترمذی:۲/۲۷۶)

مسئلہ(۷۲): سانپ کا کچا چمڑا دباغت سے پہلے خریدنا اور بیچنا جائز نہیں، لیکن دباغت دینے کے بعد اس کی خرید وفروخت جائز ہے۔ (سنن النسائی:۲/۱۶۹)

مسئلہ (۷۳): اگر کوئی شخص دس ہزار روپے میں کوئی گاڑی بُک کرتا ہے، تو یہ بُکنگ اسے چھ مہینے پہلے کرانی ہوتی ہے، اب چھ مہینے کے بعد اس کے نام پر گاڑی نکلے گی، تو اس کو اس میں کچھ نفع ہوتا ہے، تو وہ شخص اس گاڑی کو شوروم سے نکالے بغیر صرف ''رسید'' فروخت کر دے، تو یہ جائز نہیں ہے، کیوں کہ خریدی گئی چیز کو وصول کر کے جب تک اس پر قبضہ نہ کر لے، اس کا آگے فروخت کرنا جائز نہیں۔ (صحیح مسلم:۲/۵)

مسئلہ(۷۴): بینڈ باجہ بجانا اور سننا دونوں حرام ہیں، اور اس کی خرید وفروخت کرنا ناجائز ہے۔ (جامع الترمذی:۲/۳۰۳)

مسئلہ(۷۵): کنٹرول سے فروختگی کے لیے جو مال آتا ہے، وہ مال دکاندار کی ملک ہوتا ہے، عوام الناس کی ملک نہیں ہوتا، اس لئے اس کی خرید وفروخت کرنا جائز ہے، البتہ انتظامِ حکومت کی خلاف ورزی کے باعث، اور لوگوں کی طلب ہونے کے باوجود اُسے بلیک میں فروخت کرنا مناسب نہیں ہے۔ (ردالمحتار:۷/۱۷۱)

مسئلہ(۷۶): آج کل عدالتی نظام میں جن نقصانات کو وصول کرنے کی اجازت ہوتی ہے، اس کی بنیاد متوقع نفع (اَپر چونیٹی کاسٹ) پر ہوتی ہے، مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے سے کہے کہ میں تم کو یہ سامان فروخت کروں گا، اور اس نے وعدہ کر لیا کہ میں خرید لوں گا، لیکن بعد میں مشتری نے خریدنے سے انکار کر دیا، تو اب بائع کو وہ سامان کم دام میں فروخت کرنا پڑ رہا ہے، اگر وہ شخص اس کو خرید لیتا تو بائع کو فائدہ ہوتا، مگر اس کے انکار کرنے کی صورت میں اس کو نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے، تو اب قیمتوں کے

درمیان کے فرق کو نقصان تصور کیا جاتا ہے، اور عدالت کی جانب سے اس نقصان کو وصول کرنے کی اجازت ہوتی ہے، جب کہ شریعت میں اس قسم کے نقصانات کا کوئی اعتبار نہیں ہے، شریعت میں دو چیزوں کے درمیان فرق رکھا گیا ہے، ایک چیز ہے ''نفع کا نہ ہونا''، اور دوسری چیز ہے ''نقصان کا ہونا''، ان دونوں میں فرق ہے۔ **نقصان** ہونے کا مطلب یہ ہے کہ واقعۃً کسی کے کچھ پیسے خرچ ہوگئے، اور نفع نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے اپنے ذہن میں یہ تصور کرلیا تھا کہ اس معاملے میں اتنا نفع ہوگا، لیکن اتنا نفع نہیں ہوا، آج کل تاجروں کی اصطلاح میں نفع نہ ہونے کو بھی نقصان سے تعبیر کیا جاتا ہے، شریعت میں اس نقصان کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لہٰذا بائع کے لیے خریدنے کا انکار کرنے والے شخص سے، قیمتوں کے درمیان کے فرق کو نقصان تصور کر کے، اس کی وصولیابی کرنا جائز نہیں ہے۔ (مسند أحمد: ۱۷/۵۰، رقم الحدیث: ۲۳۴۹۶)

مسئلہ (۷۷): لائسنس دار جو اسٹامپ خزانہ سے بیچنے کے لیے لاتے ہیں، ان کو ایک روپے پر تین پیسے کمیشن کے طور پر ملتے ہیں، اور قانوناً ان کو ہدایت ہوتی ہے کہ وہ ایک روپیہ تین پیسے سے زائد میں اسٹامپ کو نہ بیچیں، لیکن وہ ایک روپیہ تین پیسے سے زائد میں اسٹامپ فروخت کرتے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بیع نہیں ہے، بلکہ معاملات کے طے کرنے کے لیے جو عملہ درکار رہے، اس عملہ کے مصارف اہلِ معاملات سے بایں صورت لئے جاتے ہیں کہ انہیں کے نفع کے لیے اس عملہ کی ضرورت پڑی، اس لئے ان مصارف کا ذمہ دار انہی کو بنانا چاہیے، اور اس تعجیلِ ایفا کے صلہ میں اس کو کمیشن ملتا ہے، پس یہ شخص عدالت کا وکیل ہے، مبیع کا ثمن لینے والا نہیں، اس لیے مؤکل (عدالت) کے خلاف کر کے زائد وصول کرنا حرام ہوگا۔ (شرح ابن بطال: ۶/۳۶۹)

مسئلہ (۷۸): سیمنٹ کی جالی میں ذی روح کی تصویر بنا کر بیچنا جائز نہیں ہے، البتہ غیر ذی روح کی تصویر بنا کر بیچنے کی اجازت ہے۔ (صحیح البخاری: ۱/۲۹۶)

مسئلہ (۷۹): شپمنٹ یعنی سامان کو جہاز کے ذریعہ امپورٹر کی طرف منتقل کرنے کے تین طریقے ہیں: (۱) ''F.O.B'' (۲) ''D.FC.A.R.'' (۳) ''C.I.F''...... **ان** تینوں طریقوں میں موجودہ عرف یہ ہے کہ شپنگ کمپنی کو امپورٹر کا ایجنٹ سمجھا جاتا ہے، لہٰذا شپمنٹ کے بعد مال کا رسک امپورٹر کی طرف شرعاً منتقل ہوجاتا ہے۔

نوٹ:- ''F.O.B'' میں ایکسپورٹر کی صرف یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ سامان جہاز پر روانہ کرادے، آگے اس کا کرایہ اور دوسرے مصارف خود امپورٹر ادا کرتا ہے۔

''C.A.R.D.F'' اس صورت میں سامان کو بھیجنے کا کرایہ ایکسپورٹر ادا کرتا ہے۔

''C.I.F'' دوسرے طریقہ کی طرح ہے، اس میں بس اتنا فرق ہے کہ ایکسپورٹر، امپورٹر کے لیے مال کا بیمہ کراتا ہے، اور اس کا

فائدہ بھی امپورٹر کو حاصل ہوتا ہے، ایکسپورٹر بیمہ کرانے اور مال جہاز پر چڑھانے کے بعد فارغ ہو جاتا ہے، شریعتِ مقدسہ نے ایک ہی شخص کو بائع اور مشتری دونوں کی جانب سے وکالت کی ذمہ داری اپنانے کی اجازت نہیں دی ہے، لیکن عرف وحاجت کی بنا پر جانبین کی طرف سے دلال بننے کو فقہاء کرام نے جائز قرار دیا ہے، تاہم کمیشن پر کاروبار کرنے والے کو پہلے سے مناسب کمیشن کی وضاحت کر دینا ضروری ہے، تاکہ بعد میں جھگڑے اور کبیدگی کا سبب نہ بنے۔ (نتائج الأفکار: ۴۲/۸، الجوہرۃ النیرۃ: ۶۴۳/۱)

مسئلہ (۸۰): تصنیف مصنف کی دن رات کی محنتوں کا نچوڑ ہوتی ہے، جس سے مصنف کچھ مادی نفع کا بھی امیدوار ہوتا ہے، اور حقِ تصنیف کو محفوظ نہ کرنے کی صورت میں مصنف کو ضرر لاحق ہوتا ہے، اس لئے دفعِ ضرر کے خاطر حق تصنیف کو خاص کرنا جائز ہے، اور اگر مصنف اپنے حق تصنیف کو بیچنا چاہے تو بیچ بھی سکتا ہے، کیوں کہ صحتِ بیع کے لیے مبیع کا قابلِ ادّخار ہونا ضروری ہے، اور احراز وتحفظ قانوناً رجسٹریشن کرانے سے ہو جاتا ہے۔ (سنن أبی داود: ص/ ۴۳۷، بذل المجهود: ۳۱۶/۱۰)

مسئلہ (۸۱): ایک شخص نے ایک کتاب تالیف یا تصنیف کی، اپنے خرچ پر اس کی کتابت کرائی، خود ہی اس کی طباعت بھی کروائی، اب کوئی تاجرِ کتب اپنے خرچ سے اُسے دوبارہ طبع کرانا چاہتا ہے، تو مؤلف اس شرط پر اسے کاپیاں دیتا ہے کہ اس کتاب کی سو یا دو سو کاپیاں اصل لاگت پر دے، اور مؤلف کی تالیفات کے متعلق کچھ اشتہارات بھی کتاب کے آخر میں، یا کسی دوسرے مقام پر چھپوا دے، تو کتابت کی کاپی کا مالک چوں کہ مؤلف ہے، اور اس کے اجارہ کا عرف بھی عام ہو چکا ہے، لہٰذا اس کے استعمال کی اجرت کے طور پر تاجر سے کتاب کے کچھ نسخے لے سکتا ہے، البتہ اشتہارات کی شرط لگانا جائز نہیں۔

(الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۲۸۶۲/۴)

مسئلہ (۸۲): کچھ علاقوں میں کولہو والے اس طرح کا معاملہ کرتے ہیں کہ اگر گنے کا بھاؤ دس روپئے کوئنٹل چل رہا ہے، تو وہ گیارہ بارہ روپئے کوئنٹل کے حساب سے پچاس یا سو کوئنٹل ایک ہی بار طے کر لیتے ہیں، پھر چاہے گنے کبھی تک ڈالے جائیں، اور بھاؤ کچھ بھی ہو، اس میں کبھی تو بھاؤ چڑھ کر کولہو والوں کو فائدہ ہوتا ہے اور کبھی بھاؤ کم ہو کر کسانوں کو فائدہ ہوتا ہے، لیکن اس کے بعد بھی گنے طے کر کے ہی خریدتے ہیں، وہ لوگ ایسا کرنے کو بونڈ کہتے ہیں، تو یہ صورت بیع نہیں، بلکہ وعدۂ بیع ہے، اگر طرفین اس وعدہ کو پورا کریں تو بہتر ہے، پورا کرنا چاہیے، ہاں! اگر پہلے سے تو ایفاء کا ارادہ تھا لیکن کسی عذر کی وجہ سے پورا نہ کر سکا تو گنہگار نہ ہوگا، پھر جس وقت گنا تول کر مقررہ بھاؤ دیدیا جائے گا بیع درست ہو جائیگی۔ (ردالمحتار: ۲۱۳/۷، جدید مسائل کا حل: ص/ ۲۴۹)

مسئلہ (۸۳): دورِ حاضر میں بعض کمپنیاں اپنی مصنوعات کی خریداری پر گاہک کو سال دو سال، یا لائف ٹائم گارنٹی دیتی ہیں، یہ گارنٹی صورت کے لحاظ سے کفالہ بالدرک ہے (درک کے معنی حصول/ پانے کے ہیں)، یعنی اگر مشتری مبیع میں کوئی عیب

پائے تو بائع اس کا کفیل ہوگا، جب کہ کفالہ بالدرک بالا جماع صحیح ہے، اسی طرح خود کفالہ میں بھی فقہاء کے ہاں توسع پایا جاتا ہے، اس کے علاوہ کفالہ بلکہ اکثر معاملات کا تعلق عرف کے ساتھ ہے، آج کل کوئی چیز فروخت کرتے وقت گارنٹی دینا کاروبار کا ایک اہم جز بن گیا ہے، چونکہ آج کل دو نمبر (نقلی) چیزیں عام طور پر تیار ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے گارنٹی دینا اور لینا ناگزیر ہوگیا ہے، اور ویسے بھی عام طور پر عالمی اور ملکی منڈیوں میں ایک رواج سا بن گیا ہے کہ لوگ گارنٹی والی چیز بلا کسی حجت کے خرید لیتے ہیں، لہٰذا گارنٹی پر خرید و فروخت کرنا عرف اور عموم بلویٰ کی وجہ سے جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔ (العنایۃ علی ہامش الفتح: ۱۷۲/۷)

مسئلہ (۸۴): اگر کوئی شخص باعزت طریقے سے بیرون ملک سے حلال مال لا رہا ہو، اور اُسے خطرہ سے محفوظ رہنے کا پورا یقین بھی ہو، تو اس کا یہ عمل فی نفسہ جائز ہے، لیکن اگر قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے عزتِ نفس و مال دونوں کا خطرہ ہو، تو ایسا خطرہ مول لینے سے بچنا چاہیے، کیوں کہ شریعت عزتِ نفس و مال دونوں کی حفاظت کا حکم دیتی ہے۔ (روح المعانی: ۱۱۸/۳)

مسئلہ (۸۵): موجودہ دور میں حکومت کی طرف سے عائد کردہ سیلز ٹیکس یا دیگر ٹیکس چوں کہ جائز حدود سے نکل کر ظلم و تعدی کے دائرے میں داخل ہے، اور اس میں کسی امیر یا غریب کی تمیز بھی نہیں ہے، شرحِ ٹیکس بھی اتنی زیادہ ہے کہ دینے والا اس کی ادائیگی سے عاجز ہو جاتا ہے، اور سیلز ٹیکس بالکل اسی رقم کی طرح ہے جو راستے میں تاجروں سے ظلماً و جبراً وصول کی جاتی ہے، اس لئے مشتری کو قیمت خرید بتاتے وقت، اس میں ٹیکس کا اضافہ ضم کرنے میں خیانت کا پہلو غالب ہو جاتا ہے، تاہم اگر بائع مشتری کو قیمت خرید بتائے بغیر جملہ ٹیکسوں کا حساب کر کے اس سے کسی قیمت پر اتفاق کر لے، تو کوئی حرج نہیں۔ (ردالمحتار: ۲۶۶/۷)

مسئلہ (۸۶): آج کل حکومت کے عائد کردہ، ضلع ٹیکس، پل ٹیکس، راہداری اور محصول چونگی وغیرہ ظالمانہ اور جابرانہ صورت اختیار کر چکے ہیں، ان اضافی اخراجات کا مبیع کی قیمتِ خرید میں ملانا یا نہ ملانا تاجروں کی عادت اور عرف پر موقوف ہوگا، پس اگر تاجروں کی عادت اور عرف ملانے کی ہو، تو پھر ایسا کرنا جائز ہے، ورنہ اضافی اخراجات کا اصل قیمت میں ملانا جائز نہیں ہے۔ (البحر الرائق: ۱۸۳/۶)

مسئلہ (۸۷): دو ساتھی ایک ساتھ سفر کرنے کے لیے گھر سے نکلے، ان میں سے ایک ساتھی نے دو ٹکٹ نکال لیا، دوسرے ساتھی کو اس کا علم نہیں تھا، اس نے بھی اپنا ٹکٹ نکال لیا، اس طرح تین ٹکٹ ہوگئے، اور ایک ٹکٹ زائد ہوگیا، تو وہ اس ایک ٹکٹ کو واپس کر کے اپنا پیسہ واپس وصول کر سکتا ہے۔ (سنن أبی داود: ص/۴۹۰)

مسئلہ (۸۸): ڈپو ہولڈر کا حکومت سے عہد ہوتا ہے کہ وہ مقررہ قیمت پر فروخت کرے گا، اس پر حکومت اسے رعایت دیتی ہے، لہٰذا اس عہد کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ (أحکام القرآن للجصاص: ۲۷۰/۲)

مسئلہ(۸۹): ایکسپورٹر فائنانسنگ کے دوطریقے رائج ہیں:

(۱)پری شپمنٹ فائنانسنگ ،(۲)پوسٹ شپمنٹ فائنانسنگ ؛

۱- پری شپمنٹ فائنانسنگ کاطریقہ یہ ہے کہ ایکسپورٹر پہلے آرڈر وصول کرتا ہے، جب کہ اس کے پاس مال سپلائی کرنے کے لیے رقم نہیں ہوتی، آرڈر کی وصولیابی کے بعد وہ پہلے رقم کے حصول کی فکر کرتا ہے، اب اگر ایکسپورٹر چاہے کہ وہ غیر سودی طریقے سے کسی بینک یا مالیاتی ادارے سے پیسے حاصل کرے، تو اس کا طریقہ بہت آسان ہے، وہ یہ ہے کہ اس فائنانسنگ کو مشارکہ کی بنیاد پر عمل میں لایا جائے، اس لیے کہ ایکسپورٹر کے پاس معین طور پر آرڈر موجود ہے، اوراس سامان کی قیمت بھی متعین ہوتی ہے، کاسٹ (خرچہ) بھی متعین ہوتا ہے، اس لیے کہ کاسٹ ہی کی بنیاد پر قیمت کا تعین کیا جاتا ہے، اوراس پر ملنے والا نفع بھی متعین ہوتا ہے، اب اگر کوئی مالیاتی ادارہ ایکسپورٹر سے یہ کہے کہ ہم آپ کو سرمایہ فراہم کرتے ہیں، آپ آرڈر کے مطابق مال تیار کرکے امپورٹر کی طرف روانہ کردیں، اورامپورٹر کی طرف سے جو رقم آئے گی وہ اتنے اتنے تناسب سے ہمارے درمیان تقسیم ہوگی، تو اس طرح بہت آسانی سے سود کے بغیر فائنانسنگ حاصل ہوجائے گی، البتہ مشارکہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ کچھ رقم ایکسپورٹر بھی لگائے اور باقی رقم کمپنی یا بینک لگائے، اورمنافع کی شرح بھی باہمی طور سے متعین کی جاسکتی ہے، بہر حال پری شپمنٹ میں بہت آسانی سے مشارکہ کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔

۲- دوسرا طریقہ پوسٹ شپمنٹ فائنانسنگ کا ہے، اس میں یہ ہوتا ہے کہ ایکسپورٹر آرڈر کا مال روانہ کرچکا ہے، اوربل اس کے پاس موجود ہے، لیکن اس بل کی رقم آنے میں کچھ مدت باقی ہے، اورایکسپورٹر کو فوری طور پر پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ وہ یہ بل لے کر کسی کمپنی کے پاس جاتا ہے، اورکہتا ہے کہ اس بل کی رقم تم مجھے ابھی دیدو، امپورٹر سے رقم آنے پر تم اسے وصول کرلینا، چنانچہ بینک اس میں سے کچھ کٹوتی کرکے وہ رقم ایکسپورٹر کو دیدیتا ہے، مثلاً ایک لاکھ روپئے کا بل ہے تو بینک اس میں سے دس فیصد کٹوتی کرکے، یعنی ۹۰؍ ہزار ایکسپورٹر کو دیدیتا ہے، اورامپورٹر سے پوری ایک لاکھ رقم وصول کرتا ہے، پوسٹ شپمنٹ کا یہ طریقہ اسلامی شریعت کے موافق نہیں ہے، کیوں کہ اس میں سودی معاملہ پایا جارہا ہے، لہٰذا ایکسپورٹ فائنانسنگ کا یہ طریقہ ناجائز وحرام ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ:۲۶/۳۶)

مسئلہ(۹۰): ایکسپورٹر کوئی بھی سامان ایکسپورٹ کرتا ہے، تو پہلے وہ امپورٹر کی طرف سے اس کا آرڈر لیتا ہے، لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ امپورٹر کی طرف سے آرڈر کے وقت، وہ سامان ایکسپورٹر کے پاس موجود نہیں ہوتا، تو اگر ایکسپورٹر آرڈر دینے والی پارٹی کے ساتھ اگریمینٹ (وعدۂ بیع) کرلے، تاکہ یہ اگریمینٹ ٹوسیل (وعدۂ بیع) حقیقی سیل (بیع) میں

تبدیل ہوجائے، تو اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱- جس وقت وہ مال تیار ہوکرا یکسپورٹر کے قبضہ میں آجائے، اس وقت وہ موبائل، فون، فیکس یا کسی اور ذریعہ سے ایک جدید آفر کریں، اور خریدار اس آفر کو قبول کرلے، اس وقت حقیقی بیع منعقد ہوجائے گی۔

۲- بعض اوقات ایجاب وقبول کے بغیر محض چیز لینے اور دینے سے بھی حقیقی بیع منعقد ہوجاتی ہے، جس کو بیع تعاطی کہا جاتا ہے، چونکہ پہلے سے خریدار کے ساتھ وعدۂ بیع کا معاملہ ہوچکا ہے، اور جب وہ سامان تیار ہوکرا یکسپورٹر کے قبضہ میں آگیا، اس وقت اس نے خریدار یعنی امپورٹر کی طرف روانہ کردیا، اور جس وقت ایکسپورٹر وہ سامان شپنگ کمپنی کے حوالے کردیں گے، تو یہ حوالہ کردینا بیع تعاطی کے طور پر ایجاب وقبول سمجھا جائیگا، اور بیع منعقد ہونے کے ساتھ ساتھ اس سامان پر خریدار کا قبضہ بھی ہوجائیگا، اس لیے کہ شپنگ کمپنی بحیثیت خریدار وکیل کے اس سامان پر قبضہ کرتی ہے، لہٰذا اس سامان کا ضمان (رسک) بھی امپورٹر کی طرف منتقل ہوجائے گا، اور اس وقت حقیقی بیع منعقد ہوجائیگی۔ (بدائع الصنائع:۴/ ۳۱۸)

سود کا بیان

مسئلہ(۹۱): اسلامی معاشرہ میں سودی معاملات کا عام ہونا ایک معمولی سی بات ہوگئی ہے، ہر طبقہ کے لوگ دن بدن مختلف طریقوں سے سودی معاملات میں ملوث ہوتے چلے جارہے ہیں، جو درحقیقت اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے، لہٰذا سود کے بارے میں دی جانے والی مندرجۂ ذیل معلومات اور احکام کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے اور ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق مسلمانوں کو سودی کاروبار سے روکے۔

سود کیا ہے؟: ربا (سود) کی لغوی واصطلاحی تعریف: ربا کے معنیٰ لغوی زیادتی، بڑھوتری اور بلندی کے آتے ہیں، اور اصطلاحِ شریعت میں ربا کہتے ہیں اصل قرضہ پر زیادتی کو یا بلا معاوضۂ مال، مال پر زیادتی کو، خواہ یہ (زیادتی) بڑی ہو یا چھوٹی۔

سود کی حرمت کتاب وسنت کی روشنی میں: ۱- وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں کھڑے ہونگے قیامت میں قبروں سے جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا آدمی جس کو شیطان خبطی بنادے لپٹ کر۔ (البقرۃ:۲۷۵)

مفہومِ آیت: اصل منظر تو یہ قیامت کے دن کا ہے کہ آخرت میں اپنی قبروں سے اٹھنے پر یہ سود خور سیدھے کھڑے تک نہ ہوسکیں گے، کھڑے ہوں گے بھی تو متوالوں، خبطیوں، دیوانوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے، لیکن اس کا ایک ہلکا سا رنگ اسی دنیا ہی میں نظر آجاتا ہے، مہاجن، ساہوکار جو روپیہ کے پیچھے دیوانہ باؤلا رہتا ہے، واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے اس کے جن یا بھوت چمٹ گیا ہے، اور اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اس پر سود یا بیاج ہی سوار رہتا ہے، اور جس کی حرص وطمع

کی پیاس دنیا میں اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ لازم ہے کہ اس کا حشر بھی اسی مخبوط، جنون زدہ حالت کے ساتھ ہو، اہلِ کشف اور محققین کا بیان ہے کہ حشر میں انسان اسی صورت کے ساتھ اٹھے گا، جس قسم کی سیرت اور خصلتیں دنیا میں اس پر غالب رہی ہوں گی۔ (تفسیر ماجدی)

۲- مٹا دیتا ہے اللہ سود کو اور بڑھا دیتا ہے صدقات کو، اور اللہ تعالی پسند نہیں کرتا کسی کفر کرنے، گناہ کا کام کرنے والے کو۔ (البقرۃ:۲۷۶)

مفہومِ آیت: (سود اور صدقہ کا موازنہ)؛ آخرت میں تو اس وعدہ و وعید دونوں کا مشاہدہ پوری طرح ہو کر رہے گا ہی، سود میں برکت و خیریت برائے نام بھی نظر نہ آئے گی، اور صدقات کا اجر بے حساب ملے گا، لیکن دنیا میں بھی اس کا ظہور کسی نہ کسی حد تک ہوتا ہی رہتا ہے، سود خوار قوموں کا انجام بارہا آپس کی خونریزی اور تباہی و بربادی ہی پر ہوا ہے اور افراد میں بھی مشاہدہ ہے کہ سود خوری کی عادت بنیوں، مہاجنوں کے دل میں روپیہ کو فی نفسہ محبوب بنا دیتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سود خور، زر و دولت سے دنیوی لطف بھی نہیں اٹھا پاتا، اس کے مقابل صدقہ کی برکتیں، ملی غمخواری و ہمدردی، ایک دوسرے کی مشارکت و معاونت قوم اور افراد دونوں میں مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔

بینکوں کے آئے دن ٹوٹنے، مہاجنوں اور بنیوں کے دیوالہ نکلتے رہنے اور پھر اس سے ہزاروں گھروں کی تباہی و بربادی کس نے نہیں دیکھی ہے؟......معاشرہ کی اس ابتری کا راز بھی سودی کاروبار کی ترویج ہے۔ (تفسیر ماجدی)

۳- اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، پھر اگر ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ، اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے ہے اصل مال تمہارا اور تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر۔ (البقرۃ:۲۷۸)

مفہومِ آیت: اگر اس حکم (یعنی حرمتِ سود) پر عمل نہ کرو گے تو تم سے باغیوں اور مرتدوں کی طرح لڑائی کی جائے گی، اتنی سخت وعید قرآن مجید میں کسی دوسری معصیت و نافرمانی کے لیے نہیں آئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی سے جو منقول ہے کہ "سود کو بھی چھوڑ دو اور اس کے مشابہ چیزوں کو بھی"، وہ اسی قرآنی وعید کا قدرتی نتیجہ ہے، جب جسمانی بیماریوں کا یہ حال ہے کہ کسی مرض کو طبیب اگر سخت مرض سے مشابہ پاتا ہے تو احتیاطاً علاج اس سخت تر مرض کا شروع کر دیتا ہے، تو جو مسلمان تقوی کا ادنی درجہ بھی رکھتے ہیں، ان پر بھی یہی لازم ہے کہ نہ صرف کھلے ہوئے سود سے بچیں بلکہ ایسی مالی و کاروباری صورتوں سے بھی احتیاطاً بچتے رہیں، جن کا سودی ہونا مشتبہ ہے۔ (تفسیر ماجدی)

یعنی پہلے سود جو تم لے چکے ہو اس کو اگر تمہارے اصل مال میں محسوب کریں اور اس میں سے کاٹ لیوے تو تم پر ظلم ہے اور

ممانعت کے بعد کا سود چڑھا ہوا اگر تم مانگو تو یہ تمہارا ظلم ہے۔ (تفسیر عثمانی)

احادیث: ۱-......حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے پر، سود دینے والے پر، سودی تحریر یا حساب لکھنے والے پر، اور سودی شہادت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے، اور یہ فرمایا یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔'' (صحیح مسلم)

۲-......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سود کے وبال تہتر قسم کے ہیں، ان میں سب سے کم تر قسم ایسی ہے جیسے کوئی اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔'' (بیہقی)

۳-......حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایک درہم جس کو آدمی حاصل کرے وہ اللہ کے نزدیک اسلام میں تینتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے''۔ (طبرانی فی الکبیر)

٤-......حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''جس قوم میں سود عام ہو جائے وہ قوم یقیناً قحط سالی میں گرفتار ہو جاتی ہے، اور جس قوم میں رشوت پھیل جائے وہ مرعوبیت میں مبتلا ہو جاتی ہے''۔ (رواہ احمد)

۵-......حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو ان میں ربوا یعنی سودی کاروبار پھیل جاتا ہے''۔ (رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس)

سود کی حرمت عقل کی روشنی میں: کسی چیز میں نفع وقتی اور عارضی ہو اور نقصان اس کا دائمی ہو تو اسے کوئی عقل مند مفید نہیں کہتا، ٹھیک اسی طرح اگر کسی چیز کا نفع شخصی اور انفرادی ہو اور اس کا نقصان پوری جماعت کو پہنچتا ہو، تو اسے بھی کوئی مفید نہیں کہتا، مسئلۂ سود پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سود خوروں کے وقتی نفع کے مقابلے میں اس کا اخلاقی نقصان بہت زیادہ ہے، اس درجہ کہ انہیں انسانیت ہی سے نکال دیتا ہے، اور ان کے اس وقتی نفع کی وجہ سے پوری قوم کو عظیم نقصان اور خطرناک معاشی بحران کا شکار ہونا پڑتا ہے۔...... **مسئلۂ سود** آج پوری انسانیت کے لیے تباہی و بربادی کا سبب بنتا جا رہا ہے، اور لوگ سودی کاروبار کو معاشی مسئلہ کا حل اور معاشیات میں اس کو ریڑھ کی ہڈی قرار دے رہے ہیں، جب کہ یہ معاشیات کے لیے ریڑھ کی ہڈی نہیں بلکہ ریڑھ کی ہڈی میں پیدا ہونے والا ایک خطرناک کیڑا ہے، جو اس کو کھا رہا ہے۔

سود سے اخلاقی، تمدنی اور معاشی نقصانات: (۱) اخلاقی وروحانی گراوٹ، خود غرضی، بخل، تنگ دلی اور سنگ دلی پیدا ہو جاتی ہے۔ (۲) سماج اور معاشرہ کا عدمِ استحکام، یعنی آپس میں محبت کی بجائے باہمی بغض، حسد، بے دردی،

بے تعلقی، انتشار، منافرت اور پراگندگی جنم لیتی ہے۔(۳) قوم وملت کے وہ کام جو انتہائی ضروری اور مفید ہوتے ہیں، شرحِ سود کے برابر باعثِ نفع نہ ہونے کی وجہ سے ملتوی ہوکر رہ جاتے ہیں، اور ملک کے تمام مالی وسائل ان کاموں میں صرف کیے جاتے ہیں، جو بازار کی شرحِ سود کے برابر نفع بخش ہوتے ہیں، سودخور کو کاروبار کے نفع ونقصان سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، وہ محض اپنے منافع پر نگاہ رکھتا ہے، اور جب کبھی اسے یہ اندیشہ لاحق ہوتا ہے کہ کاروبار مندی کا شکار ہونے جا رہا ہے تو وہ سب سے پہلے اپنا روپیہ کھینچنے کی فکر کرتا ہے، جس کی وجہ سے کاروباری کی مندی انتہائی تباہ کن صورت اختیار کر جاتی ہے اور پورا عالم کساد بازاری کا شکار ہو جاتا ہے۔(جیسا کہ آج کی عالمی معیشت کی کساد بازاری اس پر شاہد ہے، اور ہزاروں، لاکھوں افراد خودکشی کرنے پر مجبور ہو گئے، اور بے شمار ملازمین اپنی ملازمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے، جب تک سود کی لعنت سے دنیا کو پاک نہیں کیا جاتا، دنیا اس طرح کے بحران کا شکار ہوتی رہے گی)۔

دورِ جاھلیت میں سودکی زیادہ تر رائج صورت: لوگ صاحبِ ضرورت کو کچھ نقد قرض دیتے، اور اس کی ادائیگی کے لیے کوئی مدت متعین کر دیتے، اور مدتِ مقررہ پر قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں سود اور اصل رقم کو ملا کر، اصل رقم بنا دیتے، اور اس پورے مجموعہ پر سود لگاتے، بسا اوقات اس صورت میں یہاں تک نوبت پہنچ جاتی کہ سود کی رقم اصل قرض کی رقم سے کئی گنا زائد ہو جاتی۔

مسئلہ(۹۲): دارالحرب میں سودی معاملے کے جواز وعدمِ جواز میں ائمہ کا اختلاف ہے، قائلین جواز کے نزدیک اس کی چند قیودات ہیں؛......محل دارالحرب ہو، سودی معاملہ حربی سے ہو مسلم اصلی یا ذمی سے نہ ہو، مسلم اصلی وہ ہے جو دارالحرب میں آنے سے پہلے اسلام لا چکا ہو، معاملہ کرنے والا وہ مسلم ہو جو دارالحرب میں امان لے کر آیا ہو، یا وہ مسلم ہو جو دارالحرب ہی میں اسلام لایا ہو، اور چونکہ قیوداتِ اربعہ میں سے قید اول وآخر اس معاملہ میں مفقود ہے، اس لیے کہ علماء کرام نے ہندوستان کی حیثیت دارالامن قرار دی ہے، اور سودی معاملہ کرنے والے مسلمان یہیں کے رہنے والے ہیں، کسی دارالاسلام سے نہیں آئے، لہٰذا خود قائلین جواز یعنی طرفین کے نزدیک بھی یہ جائز نہیں ہے، قطع نظر ان تمام باتوں کے ایک مسلمان کے لیے بر بنائے احتیاط، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول؛ عدم جواز پر عمل کرنا ہی بہتر واولیٰ ہے، اس لیے کہ طرفین کے قول کو اختیار کرنے میں عوام اُن تمام قیود سے صرفِ نظر کر کے ان صورتوں کی بھی مرتکب ہوں گے جو بالاجماع حرام ہیں۔ (المبسوط للسرخسی:۱۴/ ۶۹)

مسئلہ(۹۳): ہندوستان دارالامن والجمہوریہ ہے، اس لیے متفق علیہ طور پر مسلمانوں کے لئے یہاں سود لینا جائز نہیں۔
(ردالمحتار:۶/ ۲۸۸، ایضاح النوادر:۱۰۳)

مسئلہ(۹۴): بینک میں رقم جمع کرانے کی تین صورتیں ہیں:(۱) سودی (بچت) کھاتہ یعنی سیونگ اکاؤنٹ (Saving Account)،(۲)غیر سودی (جاری) کھاتہ یعنی کرنٹ اکاؤنٹ(Curunt Account)،(۳)لاکرز(Lockers)۔

پہلی قسم کے کھاتے میں رقم جمع کرنا ناجائز اور حرام ہے، اس لیے کہ اس میں سودی معاملہ ہوتا ہے، جو بنصِ قطعی حرام ہے، کرنٹ اکاؤنٹ میں گرچہ سودی معاملہ نہیں، لیکن بینک والے ان روپیوں کو اپنے روپیوں میں ملا کر سودی معاملہ کرتے ہیں، تو یہ تعاون علی الاثم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، ہاں لاکر میں بحالتِ مجبوری روپیہ جمع کرانے کی گنجائش ہے، کہ یہ اخف ہے کہ اس میں صرف حرام مال سے بنے ہوئے کھاتے مستعمل ہوتے ہیں، لیکن کسی نے مجبوری میں سودی کھاتے میں رقم جمع کرادی، تو اس پر ملنے والے سود کو لے کر غرباء میں بغیر نیتِ ثواب تقسیم کردیں۔ (أحکام القرآن للجصاص:۱/۵۷۱، باب الربا)

مسئلہ(۹۵): بعض لوگ یونیورسٹی، کالج، سرکاری اور نیم سرکاری اور نجی اداروں میں ملازمت کرتے ہیں، اور یہ ادارے اپنے ملازمین کی تنخواہیں ان کے بینک اکاؤنٹ میں منتقل کرتے ہیں، اس صورت میں ملازمین پر لازم ہے کہ وہ بینکوں میں اپنے سیونگ اکاؤنٹ کی بجائے کرنٹ اکاؤنٹ کھلوائیں، تاکہ سود جیسی لعنت سے حفاظت ہوسکے، اور اس صورت میں تنخواہ کے بینک اکاؤنٹ میں منتقل ہوجانے میں بھی کوئی حرج نہیں، لیکن اگر تنخواہ ایسے اکاؤنٹ میں منتقل ہوئی جس میں سود لگتا ہے، تو سود کے نام پر جمع ہونے والی تمام رقم بلانیت ثواب صدقہ کرنا لازم ہے۔ (الموسوعة الفقهية:۳۹/۴۰۷)

مسئلہ(۹۶): سودی رقم کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کا مالک معلوم ہو تو اس کو پہنچادے، اور اگر معلوم نہ ہو تو اصل مالک کی طرف سے صدقہ کی نیت سے غرباء وفقراء کو دیدی جائے، اگر غرباء وفقراء میں اپنے اعزا واقارب ہوں، تو انہیں بھی دے سکتے ہیں، اب وہ اس رقم کو اپنی ضرورتوں میں استعمال کرسکتے ہیں۔ (معارف السنن:۱/۳۴)

مسئلہ(۹۷): بینک میں سود کی رقم نہیں چھوڑنا چاہیے، کیوں کہ اہلِ باطل اس کو اپنے مذہب کی ترویج واشاعت میں صرف کریں گے، جب کہ ہمیں تعاون علی الاثم سے منع کیا گیا ہے، اس لیے ان روپیوں کو لے کر بلانیتِ ثواب غرباء میں تقسیم کردینا چاہیے، کہ اللہ ہم کو اس فتنہ سے محفوظ رکھے۔ (أحکام القرآن لمفتی عبدالشکور:۱/۹۸)

مسئلہ (۹۸): بلاضرورت بینک میں رقم جمع کرنا اور اس پر ملنے والے سود کو نفع کہہ کر وصول کرنا اور اپنے استعمال میں لانا، سراسر ناجائز وحرام ہے، کیوں کہ بینک سے نفع کے نام سے ملنے والی رقم سود ہے، جو بہرحال حرام ہے، اور قرآن وحدیث میں سود کا مال کھانے والوں پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ (صحیح مسلم:۲/۲۷)

مسئلہ (۹۹): اگر کوئی شخص کسی کو سود کی رقم ہدیہ میں دے، اور اس کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ سود ہی کی رقم میں سے ہدیہ

دیتا ہے، تو اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۵/۳۴۲)

مسئلہ (۱۰۰): مختلف ملکوں کی کرنسی کا کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ جائز ہے، بشرطیکہ کم از کم ایک فریق اپنے روپے پر مجلس بیع میں ہی قبضہ کرے، لیکن اس صورت میں اتنی بات یاد رہے کہ یہ معاملہ ادھار کا ہو، تو مبادلہ کیلئے ثمن مثل کو ضروری قرار دیا جائے، یعنی معاملہ کے دن کرنسی کا جو نرخ مارکیٹ میں ہے، اسی کو معیار بنا کر معاملہ کیا جائے، تاکہ سود کا دروازہ بند ہو جائے۔

(مستدرک حاکم:۲/ ۶۵، ۶۶، رقم الحدیث:۲۳۷۳)

مسئلہ (۱۰۱): ہمارے نزدیک کرنسی نوٹوں کی حیثیت ثمنِ خلقی کی طرح ہے، لہٰذا اس اعتبار سے کرنسی کی، کرنسی سے بیع کے دو اصول ہیں:

۱- جب ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کیا جائے تو نہ کمی وبیشی جائز ہے نہ ادھار، بلکہ برابر سرابر نقدا نقدی ضروری ہے۔

۲- دو ملک کی کرنسیاں دو مختلف اَجناس ہیں، اس لئے ان کے باہمی تبادلہ میں کسی خاص قیمت کی پابندی ضروری نہیں، گورنمنٹ یا بینک کے مقررہ نرخ سے کمی وبیشی کے ساتھ باہمی رضامندی سے خرید وفروخت ہوسکتی ہے، البتہ یہ بات ضروری ہے کہ دونوں طرف سے نقد لین دین ہو، اگر ایک طرف نقد اور دوسری طرف ادھار ہو، تو یہ جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ بیعِ صرف ہے، جس میں دونوں طرف نقد معاملہ ضروری ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا دوسرا فقہی سیمینار جو ۸/تا ۱۱/دسمبر ۱۹۸۹ء، مطابق ۸/تا ۱۱/جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ، میں منعقد ہوا تھا، اس کے عناوین میں سے ایک عنوان ''کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت'' بھی تھا، اس سیمینار میں کرنسی نوٹوں کے متعلق جو تجاویز منظور ہوئی تھیں، وہ درج ذیل ہیں:

۱- کرنسی نوٹ سند وحوالہ نہیں بلکہ ثمن ہے، اور اسلامی شریعت کی نظر میں کرنسی نوٹوں کی حیثیت زر اصطلاحی وقانونی کی ہے۔

۲- عصر حاضر میں نوٹوں نے ذریعۂ تبادلہ ہونے میں مکمل طور پر زرِ خلقی (سونا چاندی) کی جگہ لے لی ہے، اور باہمی لین دین نوٹوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے، اس لئے کرنسی نوٹ بھی احکام میں ثمنِ حقیقی کے مشابہ ہے، لہٰذا ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی کے ساتھ کمی وبیشی کے ساتھ نہ تو نقد جائز ہے نہ ادھار۔

۳- دو ملک کی کرنسیاں دو اجناس ہیں، اس لئے ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی سے کمی وبیشی کے ساتھ حسبِ رضاء فریقین جائز ہے۔

۴- کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ لازم ہے۔

۵- نوٹوں میں زکوٰۃ کا نصاب چاندی کے نصاب کی قیمت کے مساوی ہوگا۔ (تکملۃ فتح الملہم: ۱/۵۸۹)

مسئلہ (۱۰۲): قرض دینے والے کا قرض دیتے وقت شرط لگانا، مثلاً یوں کہنا کہ تو میری فلاں چیز خریدے گا تو میں تجھ کو قرض دوں گا، یہ سودخوروں کا سودی حیلہ ہے، جو آپ ﷺ کے فرمان: "**لا یحل سلف وبیع**" (بیع کی شرط کے ساتھ قرض دینا جائز نہیں) کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ (الدر المنثور للسیوطی: ۱/۶۴۳)

مسئلہ (۱۰۳): اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو کسی مشین یا اور کوئی چیز کے خریدنے کے لیے قرض دے، اور یہ شرط لگائے کہ تم اِس مشین سے جتنا کماؤ گے اس کا ایک فیصد میرا ہوگا، تو یہ قرض کو باقی رکھتے ہوئے منافع پر کمیشن لینا ہے، جو صریح سود ہے، اور اس کی حرمت قرآن وحدیث سے ثابت ہے، البتہ اگر یہ شخص خود مشین خرید کر کرایہ پر کسی کو دیدے، تو اُس کے لیے اِس کرایہ کا لینا درست ہوگا۔ (ردالمحتار: ۷/۳۱۳)

مسئلہ (۱۰۴): اگر کسی شخص نے کسی سے ہزار روپئے قرض لیے اور بوقتِ ادائیگیٔ قرض ان ہزار روپئے کی مالیت کم ہوگئی تب بھی اس پر ہزار روپئے ہی لازم ہونگے، مثلاً حامد نے محمود کو انڈین ایک ہزار روپئے قرض دئے اس وقت انڈین روپئے کی مالیت زیادہ تھی، مثلاً: انڈین پینتالیس (45) روپئے میں ایک امریکی ڈالر ملا کرتا تھا اور اب دس سال کے بعد محمود قرض ادا کرنا چاہتا ہے اس وقت انڈین روپئے کی مالیت اتنی کم ہوگئی کہ نوے (90) روپئے میں ایک امریکی ڈالر مل رہا ہے، تو محمود پر ایک ہزار روپئے ہی لازم ہونگے نہ کہ دو ہزار روپئے، کیونکہ اس پر مثلیت ہی واجب ہے اور وہ ایک ہزار روپئے ہیں۔

(السنن لابن ماجۃ: ص۱۶۴، السنن للنسائی: ۲/۱۹۵)

مسئلہ (۱۰۵): آج کل بعض لوگ اپنے قرضوں کی ادائیگی اے ٹی ایم (آٹو میٹک ٹرانفسر مشین-A.T.M) کے ذریعہ کرتے ہیں، مثلاً ایک شخص کسی سے ایک ہزار روپئے قرض لیتا ہے، اور مقررہ وقت پر قرض خواہ کے اے ٹی ایم (A.T.M) اکاؤنٹ میں ایک ہزار روپئے ڈال دیتا ہے، بینک اپنا سروس چارج ۲۵/روپئے اس میں سے کاٹ لیتا ہے، تو قرض خواہ کو اس کی پوری رقم ایک ہزار کی بجائے ۹۷۵/روپئے ہی ملتے ہیں، جب کہ وہ پورے ایک ہزار کا حقدار ہے، اس لیے ادائیگیٔ قرض کی یہ صورت درست نہیں ہے، البتہ اے ٹی ایم (A.T.M) کے ذریعہ ادائیگیٔ قرض کی یہ صورت، اس وقت درست ہوجائیگی، جب قرض دار اصل قرض کی رقم کے ساتھ بینک کا سروس چارج بھی قرض خواہ کے اکاؤنٹ میں ڈال دے۔ (بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ: ص/۱۷۴)

مسئلہ (۱۰۶): اگر کوئی شخص اپنی بنیادی ضرورتوں یعنی روٹی، کپڑا اور مکان کو پورا کرنے کے لیے کسی سے قرضِ حسنہ نہ پائے، اور اِس مجبوری کی حالت میں کسی سے سودی قرض لے، اور پھر اُس قرض کی رقم سے کوئی جائز کاروبار کرکے ذاتی زمین

خریدے، مکان بنالے، یا دوسری ضرورت کی چیزیں حاصل کرلیں، تو یہ تمام چیزیں اُس کی ملک ہیں، اور حلال ہیں، کیوں کہ بوقتِ ضرورت (جس کی تعریف اوپر گزر چکی) سود پر قرض لینے کی گنجائش ہے، اور بلا ضرورت سودی قرض لینا حرام ہے، مگر اِس صورت میں بھی محض سود دینا حرام ہے، نہ کہ وہ رقم جو قرض پر لی گئی، اور باقی ماندہ مال میں یہ حرمت سرایت نہیں ہوگی، بخلاف سود لینے کے، کیوں کہ سود لینا ہر حال میں حرام ہے، اور اس سے حاصل آمدنی بھی حرام ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم:۲/۲۷)

مسئلہ (۱۰۷): اگر کسی مسلمان کا دوست غیر مسلم ہو اور وہ اس کے ساتھ شرکت میں یعنی پارٹنر بن کر کوئی جائز کاروبار کرنا چاہتا ہے، لیکن اس غیر مسلم کے پاس رقم نہ ہونے کی وجہ سے وہ بینک سے سودی قرض لاکر لگاتا ہے، تو اس طرح کی شرکت سے احتراز کرنا چاہیے، تاہم! اگر مسلمان اس کے ساتھ مل کر کاروبار کرتا ہے، تو اس کے لیے اپنے حصہ کا منافع درست ہے، کیوں کہ معصیت اصل کاروبار میں واقع نہیں ہوئی، بلکہ غیر مسلم دوست کے سودی قرض لینے میں ہے۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۷/۳۰۲)

مسئلہ (۱۰۸): بازی لگانا جوا ہے، جس کی حرمت نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے، لہٰذا اگر چند لوگوں نے مل کر کسی شے کی بازی لگائی ہو، تو اس شے کا بیچنا، خریدنا، کھانا اور استعمال سب ناجائز ہے، بلکہ اسے شکست خوردہ فریق کو لوٹانا لازم ہے، اور اگر وہ معلوم نہ ہو تو پھر اس کا صدقہ کردینا لازم ہے۔ (مشکوۃ المصابیح:۲/۱۲۷۶، رقم الحدیث:۴۵۰۳)

مسئلہ (۱۰۹): گورنمنٹ بینک سے ملی ہوئی سودی رقم انکم ٹیکس اور ہر ایسے غیر شرعی ٹیکس میں دے سکتے ہیں، جو مرکزی حکومت کے ہیں اور ایسے ٹیکس میں دینا درست نہ ہوگا جو مرکزی حکومت کے نہیں ہیں، اور جو بھی حرام مال ہو اس کے بارے میں اصل حکم یہی ہے کہ جس کا وہ مال ہے اس کی ملک میں کسی تدبیر سے لوٹا دینا، اور جب اصل مالک کی ملک میں نہ پہنچا سکے تو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے بطور صدقہ کسی مستحق صدقہ کو دے کر جلد از جلد اپنی ملک سے خارج کردے اور خود کسی کام میں استعمال نہ کرے اور نہ اس کو صدقہ میں دینے کے بعد ثواب کی نیت کرے۔ (بذل المجہود:۱/۳۵۹)

مسئلہ (۱۱۰): سود لینا اور رشوت دینا دونوں حرام ہیں، اس لئے کہ اگر کسی کے پاس بینک کی سودی رقم ہو، تو اس کا اصل مصرف غرباء و مساکین ہیں، اس کو رشوت میں دینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اِس میں خود کا سودی رقم سے انتفاع لازم آتا ہے۔
(روح المعانی:۴/۸۷)

مسئلہ (۱۱۱): سودی رقم کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کا مالک معلوم نہ ہو، تو وہ واجب التصدق ہے، فقراء اور غرباء پر بلانیتِ ثواب تقسیم کردی جائے، مسلمانوں میں فقراء و غرباء کی کمی نہیں ہے، لہٰذا غیر مسلم کو دینے کی بہ نسبت مسلمان کو دینا زیادہ بہتر ہے۔
(روح المعانی:۴/۸۷)

مسئلہ (۱۱۲): سود کی حرمت منصوص بنصِ قطعی ہے، اولاً اس سودی رقم کو اس کے اصل مالک تک پہنچانا ضروری ہے، لیکن اگر اس کے مالک تک پہنچانا ممکن نہ ہو، تو پھر اس کا مصرف غرباء وفقراء ہیں، اگر کالج وغیرہ کے طلباء غریب ہیں، تو ان کو بھی بلانیتِ ثواب دے سکتے ہیں، غیر مستحقین کو دینا جائز نہیں ہے۔ (معجم کبیر طبرانی: ۱۰/۱۶۳، رقم الحدیث: ۱۰۳۲۹)

مسئلہ (۱۱۳): بعض لوگ گاڑیوں کا کاروبار کرتے ہیں، وہ اس طرح کہ کسی کو ایک لاکھ کی گاڑی خرید کر دیتے ہیں، اور یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس ایک لاکھ پر مزید پچاس ہزار روپئے وصول کریں گے، اور اس کے لیے کم وبیش دو ڈھائی سال کی مدت مقرر کی جاتی ہے، تو یہ صورت سود ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اور اگر ایک لاکھ کی خود خریدی کرے، اور سال ڈیڑھ سال ادھار پر کسی کو بیچ دیں، تو یہ صورت جائز ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۴/۵۶۶)

مسئلہ (۱۱۴): حکومتِ ہند کی جانب سے منظور شدہ ایک عوامی ادارہ ''یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا'' جو عوام کے بہبود کے لیے وجود میں آیا ہے، یہ ادارہ عوام سے سرمایہ لے کر اس کو مختلف کاروبار میں لگاتا ہے، اور جو بھی آمدنی ہوتی ہے، اس میں سے ہر سال اصل سرمایہ پر کچھ نفع طے کر کے سالانہ تقسیم کرتا ہے، ادارہ کے منتظمین سرمایہ کو جن کاروبار میں لگاتے ہیں، چوں کہ ان میں سے اکثر کاروبار سودی ہوتے ہیں، اس لیے ''یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا'' میں سرمایہ لگانا جائز نہیں ہے، اس صورت میں ادارہ کی حیثیت کھاتے داروں کے وکیل اور ایجنٹ کی ہے، اور سودی کاروبار اصالۃً ہو یا وکالۃً بہر صورت حرام ہے، نیز چندہ کر کے اس ادارے میں سرمایہ کاری کرنا، کہ اس سے حاصل شدہ منافع غریبوں کی مدد میں صرف کیے جائیں گے، یہ بھی درست نہیں ہے، اس لیے کہ حسنِ نیت سے کسی فعل کی حرمت، جواز وحلت میں تبدیل نہیں ہوتی۔ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۳/ ۲۰۵۸)

مسئلہ (۱۱۵): اگر کوئی شخص شراب کی تجارت کرتا تھا، لیکن بعد میں وہ تائب ہوگیا، اور اب وہ دوسرے شخص سے قرض لے کر کوئی حلال کاروبار کرنا چاہتا ہے، اور قرض کی ادائیگی میں وہ شراب کی کمائی کا پیسہ دینا چاہتا ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس مال سے قرض ادا کرنے کی گنجائش ہے، کیوں کہ اس کا شراب کی تجارت سے کمایا ہوا تمام پیسہ مالِ غصب کے حکم میں ہے، اور جب کوئی شخص مختلف آدمیوں کا مال غصب کر کے خلط ملط کر دے، تو اس خلط کی وجہ سے وہ مالک ہو جاتا ہے، مگر اس صورت میں اس پر مالِ غصب کا ضمان لازم ہوگا، اگر اصل مالکوں تک رسائی ممکن نہ ہو، تو اتنی رقم بلانیتِ ثواب صدقہ کر دے۔
(فتاویٰ ہندیہ: ۵/۱۳۲)

مسئلہ (۱۱۶): رشوت کا لین دین کرنا حرام ہے، البتہ دفعِ ظلم اور اپنا حق وصول کرنے کے لئے بحالتِ مجبوری (کہ رشوت دیئے بغیر اپنا حق وصول ہونے کی کوئی صورت ہی نہ ہو، تو) رشوت دینے کی گنجائش ہے، اس صورت میں فقط رشوت لینے

والا گنہگار رہوگا۔ (تفسیر المظہری:۲/۳۰۳)

مسئلہ(۱۱۷): اگر کوئی شخص دکان سے کوئی چیز خریدنے کے لیے اپنے ساتھ کسی تجربہ کار آدمی کو لے گیا، پھر اس نے دکان سے کوئی چیز خریدی، بعد میں معلوم ہوا کہ دکاندار نے اس تجربہ کار شخص کو اپنے پاس سے ۵۰/روپیہ دیا ہے، کیوں کہ وہ اس کی دکان پر گاہک کو لے گیا تھا، تو اب اس صورت میں اس تجربہ کار شخص کا دکاندار سے یہ کمیشن لینا شرعاً درست ہے، کیوں کہ یہ دلالی ہے، لیکن دلالی کی اجرت لینا اسی وقت صحیح ہے، جب کہ اجرت پہلے سے طے ہو۔ (ردالمحتار:۹/۷۵)

مسئلہ(۱۱۸): آج کل رواج ہے کہ زبردستی دوکاندار سے پیسے کم کروائے جاتے ہیں، اور مشتری بائع کو اتنا تنگ کر دیتا ہے کہ اس کے پاس قیمت کم کرے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں رہتا، وہ بے چارہ سوچتا ہے کہ چلو بھائی اس وبال کو دور کرو، چاہے پیسوں کا نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے، یہ کہہ کر اگر دکاندار مال دیدے تو وہ چیز مشتری کیلئے حلال نہ ہوگی، اس لئے کہ مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر زبردستی لینا یا کم کرانا حلال نہیں، لہذا دام کم کرانے کے لئے زیادہ اصرار کرنا مومن کی شان نہیں۔ (سنن الدارقطنی:۳/۲۲،شعب الإیمان للبیہقی:۴/۳۸۷)

مسئلہ(۱۱۹): ہاؤس فائنانسنگ کے جواز کے تین طریقے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱- سب سے پہلے گاہک اور کمپنی شرکتِ ملک کی بنیاد پر مکان خریدیں گے، جس کے بعد وہ مکان مشترک ہو جائے گا، اور جس فریق نے اس کی خریداری میں جس تناسب سے رقم لگائی ہوگی، اسی تناسب سے وہ اس مکان کا مالک ہوگا۔

۲- پھر کمپنی ماہانہ یا سالانہ کرایہ طے کر کے اپنا حصہ گاہک کو کرایہ پر دے دیگی۔

۳- پھر اس مکان میں کمپنی کا جتنا حصہ ہے، اس کو چند متعین حصوں میں تقسیم کر دیا جائیگا۔

جہاں تک **پہلے** معاملہ کا تعلق ہے، یعنی کمپنی اور گاہک کا مشترکہ طور پر مکان خریدنا، تو شرعی لحاظ سے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، اس لیے کہ خریداری کے نتیجے میں دونوں فریقوں کے درمیان شرکتِ ملک قائم ہو جائیگی، **دوسرے** معاملہ کا تعلق گاہک کا کمپنی کے حصہ کو کرایہ پر لینا ہے، اور یہ معاملہ بھی شرعاً جائز ہے، کیوں کہ کسی مشترک چیز کو اگر ایک شریک دوسرے شریک کو کرایہ پر دے، تو جائز ہے، اور جہاں تک **تیسرے** معاملہ کا تعلق ہے، یعنی کمپنی کا مشترک حصہ کو گاہک کے ہاتھ ایک ایک حصہ کر کے فروخت کرنا، یہ معاملہ بھی شرعاً جائز ہے، **مذکورہ** بالا تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ تینوں عقود، یعنی شرکتِ ملک، اجارہ اور بیع فی نفسہٖ جائز ہیں۔ (صحیح مسلم:۲/۲۷،صحیح البخاري:۱/۲۸۰،شرکت ومضاربت عصر حاضر میں:ص/۳۵۶)

مسئلہ (۱۲۰): اگر کسی شخص کو رہنے کے لیے بقدرِ ضرورت ایسا مکان دستیاب ہے، جس میں وہ ہر موسم میں اپنی اور اپنے

گھر والوں کی موسمی تکلیفوں سے حفاظت کرسکتا ہے، اس کے باوجود وہ بینک سے سودی قرض لیتا ہے، جس میں اُسے قرض سے زائد رقم ادا کرنی ہوتی ہے، تو اس کا یہ عمل درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ سودی معاملہ ہے، جس کی حرمت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے واضح طور پر ثابت ہے۔ (أحکام القرآن للجصاص: ۱/ ۵۷۱، باب الربا)

مسئلہ (۱۲۱): پیکنگ کریڈٹ کارڈ (Packing Credit card) کے نام پر، تاجر کا بینک سے سودی قرض حاصل کرنا شرعی طور پر ناجائز اور حرام ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۲/ ۲۷)

مسئلہ (۱۲۲): بی پی (BP) یعنی بل پرچیز (Bill purchase) کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایکسپورٹر کو کبھی پیشگی رقم کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اپنے ارسال کردہ مال کے کاغذات بینک کے حوالہ کرکے ۷۰ یا ۷۵ فیصد تک مال کی قیمت بینک سے پیشگی وصول کرلیتا ہے اور جب امپورٹر کی طرف سے رقم آجاتی ہے، تو بینک اپنے ضابطہ کے مطابق فیصد شرح سود وصول کرکے بقیہ رقم ایکسپورٹر کو دیدیتا ہے، اس میں مکمل طور پر سود کا دخل ہے، لہذا شرعاً ناجائز اور حرام ہوگا، اور جواز کے دائرے میں کسی بھی صورت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ (روح المعانی: ۳/ ۷۹)

مسئلہ (۱۲۳): اگر کوئی شخص کسی سے کوئی مکان یا زمین خریدے، پھر خریدار قیمت کا ایک حصہ مثلاً ۲۵ / ہزار روپئے میں سے چار ہزار روپئے بطورِ بیعانہ دیدے، اور بقیہ قیمت فراہم کرنے کے لیے چھ ماہ کا موقع مانگے، اور طرفین کی رضامندی سے یہ بات طے پائے کہ اگر چھ ماہ گزر جانے پر خریدار بقیہ قیمت ادا کرکے، مکان یا زمین کا بیع نامہ نہیں کراتا، تو جو چار ہزار روپئے بطورِ بیعانہ کے دیئے گئے وہ ضبط ہوجائیں گے۔ بیع کی اس صورت میں چھ ماہ کا موقع گزر جانے اور خریدار کے بقیہ قیمت فراہم کرکے بیع نامہ کرالینے میں نامراد ہوجانے پر بائع (بیچنے والے شخص) پر بیعانہ کی رقم کا واپس کرنا واجب ہے، اور بیعانہ کے ضبط ہوجانے کا جو معاہدہ کیا گیا تھا وہ خلافِ شرع ہونے کی وجہ سے اُس کی پابندی لازم نہیں ہے، بلکہ اس معاہدہ کا توڑنا ضروری ہے۔ (بذل المجہود: ۱۱/ ۲۲۱)

مسئلہ (۱۲۴): خریدار نے کسی چیز کا سودا کیا اور کچھ رقم پیشگی دی، اس کو ایڈوانس اور بیعانہ کہا جاتا ہے یہ جائز ہے، لیکن اگر بیع نہ ہوسکے تو بیعانہ کی رقم کا واپس کرنا لازم ہوگا، بائع کے لیے یہ رقم رکھ لینا اور واپس نہ کرنا شرعاً حرام ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۴/ ۱۹۷)

مسئلہ (۱۲۵): بینک کے قرض سے ٹرک، ٹریکٹر، بس یا کار وغیرہ خریدنا، مثلاً ایک شخص پچاس ہزار (50,000) روپئے میں کمپنی سے کوئی گاڑی خریدتا ہے، اور وہ رقم بینک از خود کمپنی کو ادا کرتا ہے، اور یہ شخص گاڑی کا مالک ہوجاتا ہے، مگر بینک خریدار سے اپنے ضابطے کے تحت قسط وار پچپن ہزار (55000) روپئے وصول کرتا ہے، تو شرعاً سود کی بنا پر یہ صورت ناجائز ہے، **جواز**

کی صورت یہ ہے کہ بینک خریدار کے ساتھ اپنا ایک آدمی بھیجے، اور کمپنی سے پچاس ہزار میں گاڑی خرید لے، پھر بینک کا فرستادہ بینک کے ضابطے کے تحت پچپن ہزار میں یہ گاڑی خریدار کے حوالے کرے، تو شرعاً یہ شکل بیع مرابحہ کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز ہوگی، یا بینک اس خریدار کو اپنا وکیل بنائے جو بینک کی طرف سے پچاس ہزار میں خرید کر بینک کے حوالے کرے، پھر بینک اس گاڑی کو پچپن ہزار میں اس شخص کے ہاتھ فروخت کر دے، اور یہ خریدار پچپن ہزار روپئے قسط وار بینک کو ادا کرے تو شرعاً معاملہ کی یہ شکل بھی جائز ہوگی۔ (موسوعۃ فتح الملہم :۱/۴/۵۷، اعلاء السنن:۱۴/ ۵۶۷)

مسئلہ (۱۲۶): انکم ٹیکس کی بچت کی غرض سے فکس ڈپازٹ میں رقم جمع کروانا جائز ہوگا، لیکن نیت صرف جمع کروانے کی ہو نہ کہ سود حاصل کرنے کی، ہاں مگر جو سود ملے اسے چھوڑنا نہیں چاہیے، بلکہ لے کر فقراء میں تقسیم کر دے، یا انکم ٹیکس، کسٹم ٹیکس وغیرہ میں بھی دے سکتا ہے۔ (بذل المجہود:۱/ ۳۵۹، کتاب الطہارۃ، رقم الباب:۳۱)

مسئلہ (۱۲۷): بل آف ایکسچینج (Bill of Exchange) کی صورت یہ ہوتی ہے کہ تاجر کوئی ایک سامان بیچتا ہے، اور مشتری کے نام بل بھیج دیتا ہے، کہ آپ کے نام اتنے پیسے واجب ہو گئے، مشتری اس پر دستخط کر دیتا ہے کہ ہاں میں نے یہ سامان خریدا ہے، اور یہ رقم میرے ذمہ واجب ہوگئی، میں تین مہینے بعد تمہیں رقم دونگا، بائع اس کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے، پھر اگر بائع یہ چاہتا ہے کہ یہ رقم جلد مل جائے تو وہ تیسرے کے پاس جا کر کہتا ہے، یہ بل تم لے لو اور رقم مجھے فی الفور دیدو، اور اس بل کے سہارے تم تین مہینے بعد یہ رقم فلاں آدمی سے لے لینا، تو اگر اس صورت میں کمیشن کی شرط نہ لگائی جائے اور پوری رقم دیدی جائے، تو جائز ہے، اور اگر کمیشن کاٹے، مثلاً سو روپئے کا بل ہے تو یہ پچانوے/ 95 روپئے دیدے، اور خود بعد میں سو/ 100 وصول کرے تو شرعاً یہ جائز نہیں ہے۔ (صحیح مسلم:۲/ ۲۷، سنن ابن ماجہ:۱/ ۱۶۵، صحیح البخاری:۱/ ۲۸۰)

مسئلہ (۱۲۸): فارن ایکسچینج بیرر سرٹیفکٹ کی حقیقت یہ ہوتی ہے، کہ جو لوگ بیرونِ ہند ملازمت کرتے ہیں، وہ اگر زرمبادلہ ہندوستان لے آئیں، تو حکومت کا قانون یہ ہے کہ وہ بیرونی زرمبادلہ اسٹیٹ بینک میں جمع کرائیں، اور اس کے بدلے حکومت کے طے کردہ نرخ کے مطابق ہندوستانی روپیہ وصول کریں، **اس** سرٹیفیکیٹ کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اسے دکھا کر کسی بھی ملک کی کرنسی تبادلے کے دن کی قیمت کے اعتبار سے وصول کی جاسکتی ہے۔ **دوسرا** فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس سرٹیفکٹ کو ایک مدتِ مخصوص تک اپنے پاس رکھے تو وہ کچھ فیصد نفع کے ساتھ ہندوستانی روپیہ میں اسے بھنا سکتا ہے۔ **تیسرا** فائدہ یہ ہے کہ مدتِ مخصوصہ گزرنے پر یا اس سے پہلے کسی بھی وقت وہ اس کو بازارِ حصص میں ہی جس قیمت پر چاہے فروخت کر سکتا ہے، چونکہ اس سرٹیفکٹ کی وجہ سے اس کے حامل کو زرِمبادلہ حاصل کرنے کا حق مل جاتا ہے، اس لئے عموماً بازارِ حصص میں

لوگ اسے زیادہ قیمت میں خریدتے ہیں، مثلاً: ۱۰۰/روپے کا سرٹیفکٹ ۱۱۰/روپے میں بک سکتا ہے۔ **خلاصۂ** کلام یہ ہے کہ یہ سرٹیفکٹ حکومت کے ذمہ دین کا وثیقہ ہے، اب خود حکومت مدتِ مخصوصہ کے بعد اس ۱۰۰/روپے کے وثیقہ کو ۱۱۰/روپے میں لیتی ہے، تو گویا وہ دین پر دس فیصد زیادتی ادا کررہی ہے جو شرعاً واضح طور پر سود ہے۔ **اور** اگر اس سرٹیفکٹ کا حامل یہ وثیقۂ دین بازارِ حصص میں اس کی اصل قیمت سے زائد پر فروخت کرتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنا دین زیادہ قیمت پر دوسرے کو فروخت کررہا ہے، اور یہ معاملہ بھی سودی ہونیکی وجہ سے ناجائز وحرام ہے۔ (اعلاء السنن:۱۴/۵۶۶)

مسئلہ (۱۲۹): آج کل مختلف کمپنیاں اپنے ناقص سامان کو زیادہ سے زیادہ فروخت کرنے کے لیے مختلف اسکیمیں بناتی ہیں، جیسے لکس صابن (Lux soap) کی کمپنی نے ایک اسکیم لانچ (Launch) کی کہ لکس صابن (Lux soap) خریدنے پر پاؤ ایک سونے کا سکہ بالکل مفت، اور بن جاؤ راتوں رات کروڑ پتی، اسی طرح بسکٹ کی کمپنی ہے جس کا نام بریٹانیہ (Britaniya) ہے، اس کمپنی نے ایک اسکیم جاری کی تھی کہ اگر بریٹانیہ کے بسکٹ کے پیکٹ پر تمہیں کوئی لکی نمبر مل جائے، تو ہم تمہیں ورلڈ کپ کی (چاہے وہ کسی بھی ملک میں ہو پاسپورٹ اور ویزا کے ساتھ) فری ٹکٹ دیں گے، یہ انعامی اسکیم غریب اور نادار لوگوں کے ساتھ ظلم ہے، اس لیے کہ یہ انہیں بے جا فضول خرچی، اور غیر ضروری خریداری کی طرف انعام کی لالچ میں راغب کرتی ہے، جس کے نتیجہ میں ایک عام آدمی کے محدود مالی وسائل نہ صرف متأثر ہوتے ہیں، بلکہ وہ اس سے مالی مشکلات اور ذہنی پریشانیوں کا شکار ہوتا ہے، کیوں کہ اس طرح کی اسکیموں میں کمالِ ہوشیاری سے ایسے حربے اپنائے جاتے ہیں، کہ اولاً تو سونے کا سکہ یا لکی (Lucky) نمبر نکلتا ہی نہیں، اور نکلتا بھی ہے تو لاکھوں خریداروں میں سے ایک آدھ کا، نتیجۃً خریدار کے لیے سوائے مایوسی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا، شرعاً ایسی خرید وفروخت ناجائز اور فاسد ہے کہ جس میں کوئی ایسی خارجی شرط لگائی جائے، جس میں فریقین میں سے کسی ایک کا نفع ہو، نیز اس میں دھوکہ دہی، غَررِ کثیر اور قمار (جوا) بھی ہے۔ (البحر المحیط لأبی حیان:۳/۳۲۲)

مسئلہ (۱۳۰): آج کل عموماً تاجر یا کمپنی وغیرہ ممبر سازی کے ذریعہ فریج، کولر، واشنگ مشین، سائیکل، موٹر سائیکل وغیرہ اسکیم کے تحت فروخت کرتے ہیں، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی چیز کی اصل قیمت بازار میں مثلاً: پانچ ہزار روپے ہیں، تو وہ لوگ پوری رقم یکبارگی لینے کے بجائے، سو روپے ماہانہ ادا کرنے والے سو ممبر ۴۵ ماہ کے لئے بنالیتے ہیں، اور ہر ماہ پابندی کے ساتھ قرعہ اندازی کی جاتی ہے، اگر پہلے ہی ماہ میں کسی ممبر کا نام قرعہ اندازی سے نکل آتا ہے، تو اس کو صرف سو روپے میں پانچ ہزار کی چیز مل جاتی ہے، اور اگر کسی کا نام دوسرے ماہ میں نکلا تو پانچ ہزار کی چیز اسے صرف دو سو میں مل جاتی ہے، اسی طرح ہر ماہ قرعہ اندازی میں نام نکلنے والے کو وہ چیز جمع شدہ رقم کے عوض ملتی رہتی ہے، اب پینتالیسویں ماہ میں جتنے ممبر باقی رہیں گے، سب

کو وہ چیز دیدی جائے گی، اس طرح کی اسکیم شرعاً قمار یعنی جوا کو شامل ہے، نیز بوقتِ عقد، ثمن مجہول ہوتا ہے، لہٰذا یہ اسکیم چلانا، اس میں حصہ لینا، اور قرعہ اندازی سے طے شدہ اشیاء کا حاصل کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ (ردالمحتار:۹/ ۵۷۷،۵۷۸)

مسئلہ (۱۳۱): بعض موبائل کمپنیاں ایس ایم ایس (SMS) کے ذریعہ اپنے گاہکوں کے موبائل پر سوالات بھیجتی ہیں، اور یہ اعلان کرتی ہیں کہ جن لوگوں کے جوابات صحیح ہوں گے، ان کے درمیان قرعہ اندازی کے ذریعہ انعامات کی تقسیم ہوگی، اگر یہ کمپنیاں ہر جواب دینے والے سے ان کے بیلینس میں سے کچھ رقم کی کٹوتی نہ کرتی ہوں، بلکہ جواب درست ہونے کی صورت میں اسے انعام سے نوازتی ہوں، تو ایسی اسکیم میں شمولیت اور جیتنے کی صورت میں انعام وصول کرنا درست ہے، لیکن اگر کمپنیاں جواب دینے والوں سے ان کے بیلینس میں سے کچھ رقم کی کٹوتی کرتی ہیں، تو یہ ایک قسم کا قمار ہونے کی بنا پر ناجائز اور منع ہے، اور اس سے احتراز بھی لازم ہے۔ (سورۃ المائدۃ:۹۰)

مسئلہ (۱۳۲): آج کل ایسے ادارے وجود میں آئے ہیں جو مختلف اسکیموں کو ممبر در ممبر آگے بڑھاتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ادارہ ایک آدمی کو ممبر بناتا ہے، اس سے پانچ سو روپئے فیس لیتا ہے، اور اس ممبر شپ کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس ادارہ کی مصنوعات (Product) مثلاً: کوئی چیز جس کی قیمت بازار میں پچاس (۵۰) روپے ہیں، تو وہ چیز اسے چالیس (۴۰) روپئے میں ملتی ہے، اور اس پر یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ مزید پانچ ممبر تیار کریں، اگر وہ ایک آدمی کو ممبر بنادے تو ادارہ اس کو دوسو (۲۰۰) روپئے دیتا ہے، اور جب پانچ ممبر ہوجائیں تو اسے مزید آٹھ سو (۸۰۰) روپئے یعنی کل ایک ہزار (۱۰۰۰) روپئے ملتے ہیں، اسی طرح ادارہ ہر نئے ممبر سے پانچ سو (۵۰۰) روپئے ممبری فیس وصول کرتا ہے، اور اس پر بھی لازم ہوتا ہے کہ وہ پانچ ممبر بنائے، اور اس ممبر بنانے کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوتا ہے، اب جب جب بھی ادارہ میں نئے ممبر کا اضافہ ہوتا ہے، ادارہ کو بلا محنت و مشقت مفت میں تین سو (۳۰۰) روپئے، اور پہلے ممبر کو بلا عوض دوسو (۲۰۰) روپئے کا فائدہ ہوتا ہے، اس طرح کی اسکیم کھلم کھلا قمار بازی یعنی جوا ہے، اور اس میں سود بھی پایا جاتا ہے، اس لیے یہ شرعاً ناجائز و حرام ہے۔ (ردالمحتار:۹/ ۵۷۷،۵۷۸)

مسئلہ (۱۳۳): آج کل نیٹ ورک مارکیٹنگ یا ملٹی لیول مارکیٹنگ (Multi Level Mareketing) کے نام سے مشہور تجارتی شکلیں وجود پذیر ہوچکی ہیں، یہ اسلامی نقطۂ نظر سے ناجائز ہے اس لیے کہ یہ قمار کے زمرے میں داخل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بیع حصاۃ اور بیعِ غرر سے منع فرمایا ہے۔ علامہ سرخسی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''المبسوط'' میں ذکر فرمایا ہے کہ: ''غرر اس معاملہ کو کہتے ہیں جس کا انجام پوشیدہ ہو''۔

(صحیح مسلم:۲/۲،المبسوط:۱۹۴/۱۲،کتاب التعریفات للجرجانی:ص۱۶۴)

مسئلہ(۱۳۴): آج کل بازاروں میں تجارت کی ایک خاص قسم رائج ہے،جس کو فیوچر مارکیٹنگ(Futur Marcketing) کہا جاتا ہے،یعنی مستقبل کی تاریخ پر خرید وفروخت،اس کا آغاز ۱۸۴۸ء میں شیکا گو(Chicago) میں ہوا، اس کے لئے مستقل ایک منڈی شکاگو بورڈ آف ٹریڈ(Chicago Board of trade) کے نام سے قائم کی گئی۔ **جاپان** کا کہنا ہے کہ یہ تجارتی صورت ۱۸۴۷ء سے ایک صدی پہلے ہی جاپان میں رائج ہو چکی تھی، بہر حال برائی اور گناہ کی بنیاد ڈالنے پر جاپان اور شکاگو دوڑ میں لگے ہوئے ہیں(اللہ حفاظت فرمائے)،**اب** رہی یہ بات کہ اس کی صورت کیا ہوتی ہے،تو''انسائیکلوپیڈیا آف برٹانکا'' میں لکھا ہے، کہ یہ وہ عقدِ تجارت ہے جس کا مقصد کسی چیز کی معین مقدار کو مستقبل کی کسی معین تاریخ میں بیچنا یا خریدنا ہوتا ہے، بہر حال اس میں ایک چیز پر دسیوں نہیں بلکہ کئی بیوع بغیر ایک دوسرے کے قبضہ کے ہوتی ہیں، لہذا شرعی نقطۂ نظر سے یہ قطعاً حرام ہے، اس کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ (صحیح مسلم:۲/۵)

مسئلہ (۱۳۵): نیشنل بینک سیونگ اسکیم کی صورت یہ ہوتی ہے کہ حکومت کو ملک کے دفاع کے لیے ہتھیار وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے، تو وہ اس خطیر رقم کو جمع کرنے کے لیے عوام سے رقم جمع کرواتی ہے، پھر ان کی رقم کے تناسب سے اس پر ان کو منافع بھی دیتی ہے، تو ان منافع کا لینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ بلا کسی عوض کے ہے، جو کہ سود ہے، جس کی حرمت کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ میں بڑے شدّ ومد سے بیان کی گئی ہے۔ (تاویلات أہل السنۃ للماتریدی:۲۶۹/۳،سورۃ النساء:۱۶۱)

مسئلہ (۱۳۶): آج کل اخباروں میں کروڑ پتی اسکیم کا بڑا زور ہے، یعنی بینک یہ اعلان کرتی ہے، کہ جس کے نام پر یہ قرعہ نکلے گا ہم اسے ایک کروڑ روپیہ دیں گے، یعنی آدمی راتوں رات کروڑ پتی بن جائیگا، اصلاً اس صورت میں ہوتا یہ ہے کہ جتنے لوگوں نے پیسہ رکھوایا، ان سب کے اوپر سود لگایا گیا، لیکن بجائے اس کے کہ یہ سودی رقم ہر ایک کو دی جائے، ایک شخص ہی کو بذریعہ قرعہ اندازی دیدی جاتی ہے، تو گویا مجموعی مقرضین کے ساتھ انعام کا معاہدہ ہوتا ہے کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ تمہیں انعام دیا جائیگا، جب کہ انعام کے نام پر دی جانے والی یہ رقم انعام نہیں بلکہ سود ہے، جو بذریعہ قمار لوگوں کو دیا جاتا ہے، اور سود و قمار دونوں شرعاً ناجائز و حرام ہیں۔ (صحیح مسلم:۲۷/۲،صحیح البخاري:۲۸۰/۱)

مسئلہ(۱۳۷): بعض اوقات حکومت عوام سے قرض لیتی ہے، اور اس کی توثیق کے لیے مقرِض کو ایک تحریر دی جاتی ہے، جسے بونڈ کہا جاتا ہے، جب مقرِض اپنا قرض واپس لیتا ہے تو حکومت اسے انعام کے نام سے کچھ زائد رقم دیتی ہے، یہ بھی سود ہی ہے، گرچہ اس صورت میں حکومت کی جانب سے اس کی صراحت نہیں ہوتی، کہ ہم آپ کو اس قرض پر کچھ نفع دیں گے، لیکن اس پر عمل ضرور ہوتا ہے، لہذا

" المعروف کالمشروط" کے تحت داخل ہو کر اس کی حرمت ثابت ہوگی۔ (صحیح مسلم:۲/ ۲۷،صحیح البخاری:۱/ ۲۸۰)

مسئلہ(۱۳۸): گولڈ مائن انٹرنیشنل اسکیم:اسی طرح کی ایک اسکیم "گولڈ مائن انٹرنیشنل"(Goldmine International) نامی کمپنی نے پوری دنیا میں پھیلا رکھی ہے،اس کمپنی کا طریقۂ کاروبار نیٹ ورک مارکیٹنگ کی طرح ہے، جو مختلف مصنوعات اور سونے کے سکے بھی تیار کر کے فروخت کرتی ہے، کمپنی اپنی تمام مصنوعات کی تشہیر لوگوں میں لوگوں ہی کی زبانی کراتے ہوئے اپنے نئے گاہک(Customers) بنانے کا کام بھی معقول معاوضے کے عوض لوگوں سے لیتی ہے،اس طرح لوگ کمپنی کو نئے گاہک فراہم کرتے ہیں اور کمپنی لوگوں کو اس کے بدلے کمیشن ادا کرتی ہے۔گرچہ یہ دلالی ہی کی ایک قسم ہے لیکن اس دلالی کے لیے GMI کمپنی کی کوئی چیز مثلاً گھڑی یا کوئی اور پراڈکٹ(Product) خریدنا ضروری ہے، یہ اجارے میں شرطِ فاسد ہے،اس کے علاوہ اس اسکیم میں اور دوسری خرابیاں بھی موجود ہیں،جن کی وجہ سے یہ شرعاً ناجائز ہے۔

مسئلہ(۱۳۹): نیشنل بینک سیونگ سکیم:اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس سکیم میں اپنی رقمیں جمع کرتے ہیں، گورنمنٹ اس رقم سے ملک کے دفاع کے لیے اسلحہ خریدتی ہے،اسلحہ کی موجودہ قیمت چار پانچ سال بعد دگنی تگنی ہو جاتی ہے،اس لیے آج اس اسلحہ کو خریدنے میں چوں کہ حکومت کا فائدہ ہوتا ہے،تو حکومت اس سکیم میں اپنی رقمیں جمع کرنے والوں کو ان کی اصل رقم سے زائد رقم ادا کرتی ہے،یہ بھی سود ہے۔

مسئلہ(۱۴۰): کمی بیشی کے ساتھ چیک کی خرید وفروخت: بسا اوقات تاجر حضرات آپس میں نقد روپیوں کی بجائے چیک سے لین دین کیا کرتے ہیں، چیک کے بھنانے میں چوں کہ وقت لگ جاتا ہے اور تاجر کو فوری نقد روپیوں کی ضرورت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ، چیک میں لکھی ہوئی رقم سے کم میں، کسی اور کے ہاتھ اس چیک کو فروخت کر دیتا ہے، خریدار وقتِ مقررہ پر اس چیک کو بھنا لیتا ہے،اور اپنی اصل رقم اضافہ کے ساتھ رکھ لیتا ہے۔شرعاً اس طرح چیک کی خرید وفروخت ربوٰا اور سود ہونے کی وجہ سے ناجائز وحرام ہے۔

مسئلہ(۱۴۱): سودی بینکوں کی مختلف اسکیمیں: آج کل بینکوں کی طرف سے مختلف ناموں، مثلاً تعلیم، تجارت اور زراعت کے نام سے قرض دیئے جاتے ہیں،اور مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہم ان قرضوں کے ذریعے غریبوں اور تنگدستوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں، اگر مقصد یہی ہے تو اس کو امداد ہی رہنا چاہیے،اس پر کسی زیادتی کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے،اور اگر قرض کی اس رقم کے ذریعے قرض خواہوں کے کاروبار میں حصہ دار بننا مقصد ہے،تو نفع ونقصان دونوں میں شریک ہونا پڑے گا، یہ نہیں ہو سکتا کہ منافع میں تو حصہ دار بنیں گے اور نقصان میں نہیں بنیں گے،جب کہ بینکوں کو تاجروں، کاشت کاروں وغیرہ کے نفع

ونقصان سے کوئی سروکار نہیں ہوتا انہیں اپنے سود سے مطلب ہے۔ **ظاهر** ہے کہ یہ بات اصولِ شریعت کے خلاف ہے، بینکوں کا مقصد امداد کرنا نہیں بلکہ سود حاصل کرنا ہوتا ہے، اور وہ اپنے اس مقصد کی کامیابی کے لیے نئی نئی اسکیمیں، نئے نئے ناموں سے جاری کرتے ہیں، جبکہ وہ تمام اسکیمیں سود پر مشتمل ہوتی ہیں۔

مسئلہ (۱۴۲): بینک ڈیپازٹس سے مراد وہ رقم ہے جو کوئی شخص کسی مالیاتی ادارے میں بطور امانت رکھوائے، اس کی چند صورتیں ہیں:

۱- کرنٹ اکاؤنٹ (Curent Account) یعنی جاری کھاتہ، بالفاظِ دیگر غیر سودی کھاتہ، اس اکاؤنٹ میں رقم رکھوانے والے شخص کی یہ شرط ہوتی ہے کہ جب وہ چاہے گا اپنی رقم بینک سے نکلوالے گا، چنانچہ کھاتہ دار (Account Holder) کو مکمل اختیار ہوتا ہے، کہ وہ جب چاہے اور جتنی چاہے اپنی رقم بینک سے نکلوالے، اور بینک اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ وہ اس کے مطالبہ کرنے پر فی الفور رقم واپس کردے، برخلاف اکاؤنٹ ہولڈر کے، کہ وہ اس بات کا پابند نہیں ہوتا کہ بینک سے رقم نکلوانے سے پہلے بینک کو پیشگی اطلاع دے، اس قسم کے اکاؤنٹ ہولڈر کو بینک کوئی نفع یا سود نہیں دیتا، بلکہ بعض ممالک میں تو یہ طریقہ رائج ہے کہ بینک الٹا اکاؤنٹ ہولڈر سے اپنی خدمات کے بدلہ میں فیس کا مطالبہ کرتا ہے، البتہ اس کاؤنٹ میں رکھی گئی رقم کو علیحدہ نہیں رکھا جاتا، بلکہ دوسری رقموں کے ساتھ ملادیا جاتا ہے، اور بینک کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس اکاؤنٹ میں رکھی گئی رقم کو اپنی ضروریات میں خرچ کرے، لہذا اس کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم جمع کرانا بھی جائز نہیں، کیونکہ اگرچہ اس میں سود لینے کا گناہ نہیں، مگر تعاون علی الإثم کا گناہ ضرور ہے، اس لیے بلاضرورت اس اکاؤنٹ میں بھی اپنا روپیہ جمع نہ کرے۔

۲- فکسڈ ڈیپازٹس (Fixed Deposites) یہ وہ رقم ہوتی ہے جو کسی معینہ مدت تک کیلئے بینک میں رکھوائی جاتی ہے، اور رقم رکھوانے والے شخص کو اس مدتِ معینہ سے پہلے رقم نکلوانے کا اختیار نہیں ہوتا، اور عام حالات میں یہ مدت پندرہ دن سے ایک سال تک کے درمیان ہوتی ہے، بینک یہ رقم سرمایہ کاری میں استعمال کرتا ہے، اور رقم رکھوانے والے حضرات کو مارکیٹ کے حالات کے مطابق مختلف ٹرم کے اعتبار سے سود ادا کرتا ہے، لہذا اس اکاؤنٹ میں رقم جمع کرانا بھی جائز نہیں۔

۳- سیونگ اکاؤنٹ (Saving Account) یعنی بچت کا کھاتہ، اس اکاؤنٹ میں جو رقم رکھوائی جاتی ہے، اس کی کوئی مدتِ مقررہ نہیں ہوتی، لیکن اکاؤنٹ ہولڈر قواعد وضوابط کے تحت ہی رقم نکلواسکتا ہے، چنانچہ وہ ایک ہی مرتبہ میں تمام رقم نکلوانے کا اختیار نہیں رکھتا، بلکہ بینک اس کے لئے ایک مقدار مقرر کرتا ہے، کہ ایک دن میں بھی اتنی مقدار تک رقم نکلوانے کا اختیار ہے، بعض اوقات بڑی رقم نکلوانے کے لئے بینک کو پیشگی اطلاع دینی ضروری ہوتی ہے، اس اکاؤنٹ میں رکھی جانے والی

رقم ایک طرح سے فکس ڈیپازٹس کی طرح ہوتی ہے، کہ تمام رقم ایک مرتبہ میں نہیں نکالی جاسکتی، اور بینک اس اکاؤنٹ میں رکھی جانے والی رقم پر کچھ منافع بھی دیتا ہے، البتہ فکس ڈیپازٹس کے مقابلے میں اس کا نفع کم ہوتا ہے، لہذا اس اکاؤنٹ میں بھی رقم جمع کرانا جائز نہیں۔

۴- لاکرز (Lockers) اس کو عربی زبان میں " خزانات المقفولة" (بند تجوری) کہا جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص بینک کے اندر کسی مخصوص تجوری کو کرایہ پر لیتا ہے، اور اس تجوری میں وہ خود اپنی رقم رکھتا ہے، اس رقم سے بینک کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، بلکہ بینک کے ملازمین کو یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ اس نے تجوری کے اندر کیا رکھا ہے، عام طور پر لوگ اس تجوری میں سونا، چاندی، قیمتی پتھر اور دستاویزات وغیرہ رکھتے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ شخص لاکرز کو بینک سے کرایہ پر حاصل کرتا ہے، اور دونوں کے درمیان کرایہ داری کا معاملہ طے ہوتا ہے، اور کرایہ داری کے معاہدے کے بعد وہ لاکرز بینک کے پاس بھی بطور امانت کے موجود رہتا ہے، لہذا اس پر امانت کے احکام نافذ ہوں گے۔

قسم اول: کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم جمع کرانا جائز نہیں، کیونکہ اس میں اگرچہ سود لینے کا گناہ نہیں ہے، مگر تعاون علی الاِثم کا گناہ ضرور ہے۔ **قسم دوم وسوم**: یعنی فکس ڈیپازٹس اور سیونگ اکاؤنٹ، ان میں بھی رقم جمع کرانا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس میں رقوم جمع کروانے والوں کو بینک کی طرف سے سود ملتا ہے جو حرام ہے۔ **چوتھی قسم**: لاکرز، جس پر امانت کے احکام نافذ ہوں گے۔ (التفسیر المنیر :۳/۱۳۰)

مسئلہ (۱۴۳): رفاہی اداروں کی رقم بغرضِ حفاظت سرکاری بینک میں رکھنا بہرحال جائز ہے، لیکن فکس ڈپازٹ کھاتے میں رکھنا، اور جمع شدہ رقم سے زائد رقم حاصل کر کے ادارے میں خرچ کرنا قطعی حرام اور ناجائز ہے، کیوں کہ اس کھاتے میں رقم رکھنے کا مقصد ہی سود حاصل کرنا ہوتا ہے۔ (التفسیر الکبیر للرازی :۳/۷۲)

مسئلہ (۱۴۴): بینک ملازم اگر اپنا مکان فروخت کر رہا ہو، اور اس کی تعمیر میں اکثر رقم حرام کی ہو تو اس مکان کو خریدنا جائز نہیں ہے۔ (ردالمحتار :۷/۳۰۰)

مسئلہ (۱۴۵): زمین، دوکان، یا باغ اگر کوئی شخص کسی سے گروی رکھ کر قرض لے تو ایسا کرنا صحیح ہے، مگر جس کے پاس چیزیں گروی رکھی گئیں، اس کے لئے ان سے انتفاع جائز نہیں، مثلاً: مکان ہو تو اس کا اس میں رہنا یا کسی کو کرائے پر دینا، زمین ہو تو پیداوار سے فائدہ اٹھانا، باغ ہو تو پھل وغیرہ کھانا یا فروخت کرنا، یہ سب امور ناجائز اور حرام ہونگے۔ (ردالمحتار :۱۰/۸۲،۸۳)

مسئلہ (۱۴۶): اگر کوئی شخص قسطوں پر فلیٹ خریدے اور وقت پر اپنی قسطیں ادا نہ کرے تو اس سے نہ صرف بلڈر کو بلکہ دیگر

خریداروں کو بھی دقت ودشواری کا سامنا ہوتا ہے، لیکن اس تاخیر پر بلڈر کا خریدار سے زائد رقم لینا شرعاً درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ مدت کے عوض زائد رقم لینا ہے اور یہ سود ہے، البتہ خریدار کو چاہیے کہ وہ وقت پر قسطیں ادا کردے، تاکہ اپنے عمل سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے جو شرعاً ممنوع ہے۔ (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید:۴/۲۳۵)

مسئلہ (۱۴۷): اگر کسی شخص نے قسطوں پر فلیٹ خریدا اور مقررہ مدت میں پوری قسط ادا نہ کرسکا اور تاخیر سے قسطوں کی ادائیگی کی وجہ سے بیچنے والے کے مطالبہ کے بغیر قیمت بڑھا کر ادا کرے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور بیچنے والے کو اس کا لینا بھی جائز ہے۔ (البنایہ شرح الہدایۃ:۷/۳۲۹)

مسئلہ (۱۴۸): آج کل یہ اسکیم نکلی ہے کہ کوئی چیز، مثلاً: گاڑی، کولر، فریج، شوکیس، وغیرہ نقد لینے کی صورت میں ۵ ہزار، اور قسط وار لینے کی صورت میں ۶ ہزار روپے میں ملتی ہے، تو نقد اور ادھار کی قیمت میں یہ فرق شرعاً منع نہیں، لیکن اگر وقتِ متعین پر قسط نہ ادا کرنے کی صورت میں قیمت میں مزید اضافہ کیا جاتا ہے، یا وصول کردہ رقم سوخت ہوجاتی ہے، اور خریدی ہوئی چیز بھی ضبط کرلی جاتی ہے تو اس طرح کا معاملہ سود اور جوا کو شامل ہے، اور یہ دونوں نصِ قطعی سے حرام وممنوع ہیں۔

(بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ:ص/۷، بحوث فقہیۃ من الہند:ص/۱۲۳)

مسئلہ (۱۴۹): آج کل بعض اخباروں اور پرچوں میں معمے آتے ہیں، جن کو بھر کر بھیجنے کے بعد صحیح نکل آنے پر بڑے بڑے انعام دیئے جاتے ہیں، ان معموں کو بھرنے کے لیے صرف فیس بھیجنی ہوتی ہوتی ہے، اس طرح کے معموں کو حل کرنا اور اس پر ملنے والے انعام کا لینا شرعاً درست نہیں، کیوں کہ یہ جوا اور سود پر مشتمل ہے، اور یہ دونوں چیزیں شرعاً حرام ہیں۔

(أحکام القرآن للجصاص:۱/۳۹۸)

مسئلہ (۱۵۰): آج کل بازاروں اور نمائشوں میں مختلف مالیت کے بند ڈبے فروخت کئے جاتے ہیں، کہ کسی ڈبہ میں ایک پیسہ کا بھی مال نہیں ہوتا ہے، اور کسی میں زیادہ مال ہوتا ہے، لوگ اس کو قسمت آزمائی سمجھ کر اختیار کرتے ہیں، یہ کھلی ہوئی قمار بازی اور جوا ہے اس لئے ناجائز وحرام ہے۔ (ردالمحتار:۹/۵۷۷، ۵۷۸)

مسئلہ (۱۵۱): موجودہ زمانے میں بیسی ڈالنے کا عام رواج ہے، جس کو بعض علاقوں میں چٹھی ڈالنا بھی کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ چند لوگ مل کر آپس میں قرعہ اندازی کے ذریعہ، یا کسی اور طریقے سے کسی ایک آدمی کو صدر منتخب کرتے ہیں، اور تمام حضرات مل کر اس کے پاس یومیہ، یا ہفتہ واری، یا ماہانہ روپیہ جمع کرتے ہیں، مثلاً ۲۰- افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے، جس میں ہر شخص یومیہ، یا ہفتہ واری، یا ماہانہ ایک سو روپئے صدر کمیٹی کے پاس جمع کرتا ہے، تمام ممبروں کا کل روپیہ

۶۰ ر ہزار، یا ۸ ہزار، یا ۲ ر ہزار ہو جاتا ہے، پہلے ماہ میں یہ پوری رقم صدر کمیٹی کے کسی ایک شخص کو دے دیتا ہے، پھر دوسرے ماہ سے بقیہ ۱۹ ممبروں کے نام باری باری قرعہ اندازی کی جاتی ہے، جس کے نام قرعہ نکل آتا ہے، اسے ایک ماہ کی جمع کردہ مکمل رقم دے دی جاتی ہے، چونکہ اس میں ہر شخص کو اپنی جمع کردہ رقم بغیر کمی بیشی کے مل جاتی ہے گرچہ کہ تقدیم وتاخیر سے ملتی ہے، اس لیے بیسی (چٹھی) ڈالنے کی یہ صورت شرعاً جائز ہے، کیوں کہ یہ امدادِ باہمی اور قرضِ حسنہ کی صورت ہے، البتہ اگر کوئی ممبر درمیان سے نکلنا چاہے تو اسے نکلنے کی اجازت ہو، اور اس کی جمع کردہ رقم سوخت نہ ہو، اور اگر مر جائے تو اس کے ورثاء کو لوٹا دی جائے۔
(سنن ابن ماجہ: ص/ ۱۷۵، کنز العمال: ۶/ ۸۷، رقم الحدیث: ۱۵۳۷۰)

مسئلہ (۱۵۲): حالیہ زمانے میں بازار کے اندر لاٹری کی مختلف صورتیں مروج ہیں، جن میں سے ایک مشہور صورت یہ ہے کہ بازاروں میں مخصوص جگہ پر لاٹری کی مختلف ٹکٹیں، مختلف قیمتوں کی ہوتی ہیں، خریدار کسی ایک قیمت یا الگ الگ قیمتوں کے کچھ ٹکٹ خرید لیتا ہے، پھر جب خریدار کا ریکارڈ اصل مرکز میں پہنچتا ہے، اور اس کے نام لاٹری نکل آتی ہے تو اسے متعینہ رقم ملتی ہے، جو اکثر اوقات روپیہ ہی کی صورت میں ہوتی ہے، اور ٹکٹ کی رقم سے زیادہ ہی ہوتی ہے، اور یہ سود ہے جو شرعاً حرام ہے، نیز اس میں نفع ونقصان مبہم اور خطرے میں رہتا ہے، کہ اگر نام نکل آیا تو نفع ہوگا، اور نہ نکلا تو اصل پونجی بھی ڈوب جائیگی، علاوہ ازیں یہ ٹکٹ خریدنے والے کی محنت کا نتیجہ نہیں، بلکہ محض بَخت یعنی قسمت واتفاق پر مبنی ہوتے ہیں کہ اس کا نام نکل بھی سکتا ہے، اور نہیں بھی نکل سکتا ہے، ایسے ہی مبہم اور پر خطر نفع ونقصان کو قمار کہتے ہیں، جو شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ (رمز الحقائق شرح کنز الدقائق: ۲/ ۳۲)

مسئلہ (۱۵۳): بہت سے لوگ گورنمنٹ کے کام میں گُتّہ داری (ٹھیکیداری) کا کام کرتے ہیں، لیکن اُنہیں ان کاموں میں بڑی دشواریاں ہوتی ہیں، کہ ان کاموں کو لینے کے لیے آفیسروں کو رشوت دینی پڑتی ہے، ٹھیکہ داری کا کام تو اصلاً جائز ہے، لیکن اسے حاصل کرنے کے لیے افسروں کو رشوت دینا اور اُن کا اِس رشوت کو لینا، دونوں حرام ہے، کیوں کہ شریعت نے رشوت لینے دینے کو حرام قرار دیا ہے، تاہم رشوت لینے اور دینے میں یہ فرق ہے کہ رشوت لینے والا تو بہر صورت گنہگار رہے، البتہ رشوت دینے والا اُس وقت گنہگار رہتا ہے جب ناحق کو حاصل کرنے، یا کسی حقدار کو محروم کرنے کی غرض سے رشوت دے، تو ضرورتاً اس کی گنجائش ہے، لہٰذا جو مسلمان ٹھیکیدار رشوت دینے پر مجبور ہوں، اُن کے لیے اِس طرح کے معاملہ کی گنجائش ہے، اور ان کی آمدنی حلال ہے، اور وہ اپنی اس آمدنی سے حج وعمرہ اور صدقہ وخیرات بھی کر سکتے ہیں، البتہ مسلم وغیر مسلم ہر ایک کا یہ فریضہ ہے کہ وہ کرپشن کے آگے سرنگوں ہو جانے کی بجائے، اس کی مزاحمت کرے، اور سرکاری نظام میں ایمانداری وشفافیت لانے کی کوشش کرے، کیوں کہ کرپشن پورے ملک کو نقصان پہنچانے اور اجتماعی اَملاک کو لوٹنے کے مترادف ہے۔ (سنن ابی داود: ص/ ۵۰۴)

مسئلہ (۱۵۴): بعض دفعہ کسی شخص کی کوئی فائل کسی شعبہ یا ڈپارٹمنٹ میں ہوتی ہے، اسے اپنی فائل دیکھنے، ٹائپ کروانے، یا اس کی نقل کی ضرورت ہوتی ہے، وہ متعلقہ ڈپارٹمنٹ کے کلرک سے اس فائل کو دکھانے، ٹائپ کرنے، یا اس کی نقل دینے کی درخواست کرتا ہے، جس پر یہ کلرک کچھ رقم کا مطالبہ کرتا ہے، اگر یہ رقم ان امور کی اجرت ہے، اور متعلقہ شعبہ کی طرف سے متعین کی گئی ہے، تو اس کیلئے اس رقم کا لینا جائز ہے، لیکن اگر یہ رقم ان امور کی اجرت نہیں ہے، اور متعلقہ شعبہ کی طرف سے یہ چیزیں طالب شخص کو مفت دی جانے کا حکم ہے، اور کلرک کو ان کاموں کی انجام دہی پر تنخواہ بھی دی جاتی ہے، تو کلرک کا یہ رقم لینا رشوت ہے جو حرام ہے، لیکن اگر یہ رقم دیئے بغیر کام نہیں ہوسکتا تو رشوت دینا جائز ہوگا، کیوں کہ فقہائے کرام نے صاحب حق کو اپنے حق کی وصولی کیلئے رشوت دینے کی اجازت دی ہے۔ (سبل السلام شرح بلوغ المرام:۴/۱۴۷۱)

مسئلہ (۱۵۵): کچھ لوگ ملازمتیں دلوانے کے لیے امیدواروں سے رشوت لیتے ہیں، رشوت لینے والا ہر حال میں جہنمی ہے، البتہ رشوت دینے والا شخص اگر ظلم سے بچنے اور اپنا جائز حق حاصل کرنے کے لیے رشوت دے تو امید ہے کہ اس کا مؤاخذہ نہ ہوگا، رشوت دیکر جو ملازمت حاصل کی گئی اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ شخص اس نوکری کا اہل ہے اور جو کام اس کے سپرد کیا گیا وہ اسے ٹھیک ٹھاک انجام دیتا ہے تو اس کی تنخواہ حلال ہے، اور اگر وہ اس کام کا اہل ہی نہیں تو تنخواہ بھی حلال نہیں ہے۔
(السنن لأبی داود: رقم الحدیث: ۳۵۸۰)

مسئلہ (۱۵۶): اگر کسی شعبہ اور ڈپارٹمنٹ کا ملازم جس کی تنخواہ اس ڈپارٹمنٹ کی طرف سے معلوم ومتعین ہے، پھر بھی وہ اپنے کام کے عوض کسی شخص سے کوئی رقم لیتا ہے، مثلاً اسکول کا کلرک، جس کا کام یہ ہے کہ وہ طلباء اور ان کے سرپرستوں کو درکار کاغذات بنوادے، اور اسکول کی طرف سے اس کی تنخواہ بھی دی جاتی ہے، اس کے باوجود وہ طلباء یا ان کے سرپرستوں سے کچھ رقم کا مطالبہ کرے یا سرپرست ازخود اس کام کے عوض ہی اس کو کچھ دیدیں اور وہ لے لے، تو یہ رشوت ہے، جس کا لینا اور دینا دونوں کام حرام ہیں، اور رشوت لینے اور دینے والا دونوں جہنم میں جائیں گے۔ (سبل السلام شرح بلوغ المرام للصنعانی:۴/۱۴۷۱،۱۴۷۲)

مسئلہ (۱۵۷): اگر کسی ادارہ کا خادم ادارہ کے لیے کوئی چیز خرید کرلاتا ہے، اور دوکاندار سے اس کا بل اس کی اصل قیمت سے بڑھوا کر بنواتا ہے، جب کہ اس کا آفیسر اس بات کو جانتا ہے، پھر بھی بل منظوری کے لیے اس پر اپنی دستخط ثبت کردیتا ہے، تو خادم کے ساتھ ساتھ آفیسر بھی گنہگار ہوگا، کیوں کہ آفیسر کا یہ عمل گناہ کے کام میں تعاون اور دوسروں کی دنیا کے خاطر اپنی آخرت برباد کرنا ہے۔ (صحیح مسلم:۱/۷۰)

مسئلہ (۱۵۸): آج کل ''جیونا'' نام سے ایک کمپنی قائم ہے، جس کی اسکیم یہ ہے کہ پینتیس سو (۳۵۰۰) روپے دیکر اس

کے ممبر بن جاؤ اور ان ساڑھے تین ہزار کے عوض کمپنی کوئی شئ نہیں دے گی، لیکن اگر یہ ممبر کم سے کم مزید دو ممبر کمپنی کے لئے بنا دیتا ہے، یعنی یوں کہیے کہ کمپنی کو سات ہزار (۷۰۰۰) روپے دوسرے دو فردوں سے لا دیتا ہے، تو کمپنی اسے اس میں سے بطورِ کمیشن چھ سو (۶۰۰) روپئے ادا کرے گی اور اگر ان دو ممبروں میں سے ہر ممبر دو دو ممبر بناتا ہے، تو جہاں ان دو ممبروں کو چھ چھ سو (۶۰۰-۶۰۰) روپئے بطورِ کمیشن ملیں گے، وہیں پہلے ممبر کو مزید بارہ سو (۱۲۰۰) روپئے ملیں گے، یعنی کل اٹھارہ سو (۱۸۰۰) روپئے ملیں گے اور اگر یہ چار ممبروں میں سے ہر ممبر دو دو ممبر بناتا ہے، تو ان میں سے ہر ایک کو چھ چھ سو (۶۰۰-۶۰۰) اور پہلے کو گذشتہ کے اٹھارہ سو (۱۸۰۰) میں مزید چوبیس سو (۲۴۰۰) روپئے ملا کر، یعنی کل بیالیس سو (۴۲۰۰) روپئے دیئے جائینگے اور جیسے جیسے یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہیگا ویسے ویسے پہلے ممبر کو بھی ہر ممبر پر کمیشن ملتا رہیگا۔ **اسکیم** کی یہ صورت جوا اور باطل طریقہ سے لوگوں کے اموال کھانے کی حرمتِ صریحہ پر مشتمل ہے، اس لئے اس طرح کی اسکیموں کا ممبر بننا اور بنانا دونوں عمل شرعاً ناجائز وحرام ہے اور اس پر ملنے والا کمیشن بھی حرام ہے، اس لئے اس طرح کی اسکیموں میں شرکت سے کلی اجتناب ضروری ہے۔ (البحر المحیط: ۴/۲۰)

مسئلہ (۱۵۹): بعض لوگ عید وغیرہ کے موقع پر عیدی تقسیم کرنے کیلئے پرانے نوٹ کے بدلے، نئے نوٹ زیادہ رقم دے کر حاصل کرتے ہیں، مثلاً ایک ہزار روپئے کے دس والے نئے نوٹ کو ایک ہزار دس یا ایک ہزار بیس روپئے میں لیتے ہیں، اسی طرح بعض ہاتھ گاڑی پر مال بیچنے والوں، یا دوکانداروں کو کھلے پیسوں کی ضرورت پڑتی ہے، تو وہ پان کی دوکان والوں، یا فقیروں، یا کھلے پیسے فروخت کرنے والوں سے زیادہ رقم دے کر سکّے خریدتے ہیں، شرعاً یہ خرید وفروخت سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز وحرام ہے، کیوں کہ قانونی طور پر سکے اور نوٹوں کی قیمت برابر ہے، اگر کسی کو سخت ضرورت پڑ جائے، تو وہ یہ صورت اختیار کر لے کہ دس روپئے کے عوض نو روپئے کے سکے، اور ایک روپئے کے عوض کوئی معمولی قیمت کی چیز، مثلاً چار آنے کی ٹافی، چاکلیٹ وغیرہ لیں، اس طرح دونوں فریق گناہ سے بچ جائیں گے۔ (صحیح مسلم: ۲/۲۷)

مسئلہ (۱۶۰): امریکہ اور لندن وغیرہ میں ذاتی مکان خریدنا انتہائی مشکل امر ہے، اور کرایہ کے مکان میں رہنا بھی، کیوں کہ کرایہ بہت زیادہ ہوتا ہے، آدمی کی ماہانہ کمائی کا بڑا حصہ کرایہ کی ادائیگی میں ہی خرچ ہو جاتا ہے، اس مشکل امر کے حل کے لئے بعض اسلامک فائنانس ادارے (Islamic Finance Institutes) وجود میں آچکے ہیں، جو مکان کے خواہشمند حضرات کیلئے اپنے پاس سے ایک خطیر رقم جاری کرتے ہیں، اور آسان قسطوں پر ان سے وصول کرتے ہیں، اگر یہ اسلامک فائنانس ادارے اپنی جانب سے مہیا کیے جانے والے قرض کی رقم پر کچھ زائد رقم وصول کرتے ہیں تو شرعاً یہ سود ہے، جو کسی بھی صورت میں

حلال نہیں ہے، **البتہ** اگر کوئی شخص، ادارہ یا بینک وغیرہ مطلوبہ مکان کی باضابطہ نقد خریداری کرکے اس پر اپنا مالکانہ قبضہ بھی کرلے، اور اس کے بعد ادھار معاملہ کے ذریعہ قسطوں پر بیچدے، اور اس طرح قسطوں کے معاملہ میں ابتداءً یہی طے کیا جائے کہ یہ ادھار اور قسطوں کا معاملہ ہوگا، اس میں کل اتنی قسطیں ہوں گی، اور ہر قسط کی مالیت یہ ہوگی، اور کسی قسط کے مقررہ وقت سے مؤخر ہوجانے پر کسی قسم کا مزید کوئی چارج (Charge) بھی وصول نہیں کیا جائے گا، تو اس طرح کا معاملہ شرعاً جائز ہوگا، اور ہر شخص اپنے ذاتی مکان کا مالک بھی بن سکتا ہے۔ (فیض القدیر للمناوي: ۵/ ۲۸)

مسئلہ (۱۶۱): آج کل مکان ودکان کی خرید وفروخت کی یہ صورت عام ہے کہ مالکِ مکان یا دکان کسی شخص کو اپنا مکان یا دکان اُدھار قیمت پر بیچتا ہے، اور یہ شرط لگاتا ہے کہ جب تک پوری رقم ادا نہیں ہوجاتی، مکان یا دکان اسی کے قبضہ میں رہیں گے، اور اس کو استعمال کی مکمل اجازت ہوگی، چاہے تو خود رہے گا یا چاہے تو کرایہ پر دیدے گا، معاملہ کی یہ صورت شرعاً جائز نہیں ہے، کیوں کہ اُدھار خرید وفروخت کی صورت میں بائع یعنی بیچنے والے کو شرعاً اس بات کا حق واختیار نہیں کہ جب تک خریدار پوری قیمت ادا نہیں کرتا، فروخت کردہ چیز اس کے حوالہ نہ کرے، بلکہ اپنے قبضہ ہی میں رکھے، ہاں! البتہ قیمت اُدھار ہونے کی وجہ سے وہ اس فروخت کردہ مکان یا دکان کو اپنے پاس بطورِ رہن یعنی گروی رکھ سکتا ہے، مگر اس صورت میں بھی اسے اس مکان یا دکان کے خود استعمال کرنے یا کرایہ پر دینے کی اجازت نہیں، کیوں کہ رہن سے نفع اُٹھانا سود ہے، جو شرعاً ناجائز وحرام ہے۔

(النتف في الفتاوی: ص/ ۲۷۵، ہدایہ: ۳/ ۴۳)

مسئلہ (۱۶۲): بعض سرکاری ادارے اپنے ملازمین کو ہاؤس ریکوزیشن (House Requisition)، یعنی فراہمیٔ مکان کے نام سے ماہوار رقم دیتے ہیں، تاکہ وہ اپنے لیے اپنی پسند کا مکان لے کر اپنی فیملی کو ساتھ رکھ سکیں، یہ رقم کافی زیادہ ہوتی ہے، سرکاری ادارہ یہ رقم ملازم کو نہیں دیتا، بلکہ مالکِ مکان کے بینک اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کردیتا ہے، اور ملازم کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، ملازم مالکِ مکان سے ڈیل کرتا ہے کہ آپ کے مکان کا عام حالات میں جو کرایہ بنتا ہے، اتنا آپ رکھ لیں گے، اور بقیہ مجھے واپس کردیں گے، مثلاً سرکاری ادارہ کو مکان کا کرایہ 17,000 بتایا جاتا ہے، جب کہ اس کا کرایہ صرف 10,000 ہوتا ہے، سرکاری ادارہ پورے 17,000 مالکِ مکان کے بینک اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کردیتا ہے، اب مالکِ مکان اس میں سے 10,000 رکھ لیتا ہے، اور بقیہ 7,000 روپئے ملازم کو دے دیتا ہے، ملازم کا مالکِ مکان کے ساتھ یہ سازباز کرنا، خلافِ قانون طریقہ اختیار کرنا، اور سرکاری ادارہ سے چھپا کر اس طرح لین دین کرنا شریعتِ مطہرہ کی نظر میں جائز نہیں ہے، ہاں! البتہ اگر سرکاری ادارہ فراہمیٔ مکان کے لیے اپنے ملازم کو ہی ایک متعین رقم دیدے، اور یہ کہے کہ آپ کو اختیار ہے، چاہو تو اتنی رقم کے

بقدر کرایہ کا مکان لو، یا اس سے زیادہ، یا اس سے کم، یا لوہی مت، ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں، تو اس صورت میں یہ رقم ملازم کی ملک ہے، اب اس میں وہ جو تصرف چاہے کر سکتا ہے۔ (صحیح مسلم:۱/۰۷، جامع الترمذی:۱/۲۴۵)

مسئلہ (۱۶۳): آج کل گنے کی کٹائی ہو رہی ہے، جب کاشتکار مِل کو گنا دیتا ہے، تو مِل اس کا وزن کر کے کاشتکار کو ایک رسید دیتی ہے، جسے CPR کہا جاتا ہے، اس رسید پر گنے کی قیمت درج ہوتی ہے، یہ ایک قسم کا چیک یا بل ہوتا ہے، جسے دکھا کر مِل یا بینک سے رقم وصول کی جا سکتی ہے، جب مِل یہ رقم وقت پر ادا نہیں کرتی، اور کاشتکار کو فوری رقم کی ضرورت ہوتی ہے، تو اس CPR رسید کی خرید و فروخت کی جاتی ہے، رسید خریدنے والا کاشتکار کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، مِل کو دیئے گئے گنے کے فی مَن ریٹ میں 5 سے 12 روپئے کی کٹوتی کر کے خریدتا ہے، مثلاً کاشتکار نے مِل کو 100 مَن گنا 170 روپئے فی مَن کے حساب سے دیا، تو CPR پر 17,000 قیمت درج ہوتی ہے، جسے خریدار 16,500 میں خریدتا ہے، کمی بیشی کے ساتھ چیک یا بل کی یہ خرید و فروخت شرعاً جائز نہیں ہے، خریدنے والا اور بیچنے والا دونوں گناہگار ہیں، کیوں کہ خریدنے والا سود لینے اور بیچنے والا سود دینے کا مرتکب ہوا، البتہ اس کے جواز کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کاشتکار CPR میں درج قیمت کے بقدر کسی سے قرض لے لے، اور پھر اُسے یہ CPR رسید دیکر اپنے قرض کی وصولی کا وکیل بنا دے، اور اس بات کا بھی کہ وہ یہ قرض وصول کر کے اپنے قرض میں منہا کر لے۔ (صحیح مسلم:۲/۲۷، موسوعۃ فتح الملہم:۷/۵۷۴)

مسئلہ (۱۶۴): بعض لوگ بینک سے سودی قرض لے کر کار خریدتے ہیں، اُن کا یہ عمل جائز نہیں ہے، کیوں کہ سود لینا اور دینا دونوں ہی شرعاً حرام ہیں، البتہ اگر بینک سے کار کی خریدی اس طور پر ہو کہ بینک اپنے نام پر کار خریدے، اُس پر اپنا قبضہ ثابت کرے، جتنا سود لینا ہو، اس کو اصل قیمت میں شامل کر لے، اور پھر کار کے طالب شخص کو قسطوں پر فروخت کر دے، اور کسی قسط کے مؤخر ہونے پر سود نہ لے، تو یہ صورت شرعاً درست ہوگی، کیوں کہ اب یہ بیعِ مرابحہ میں داخل ہوگی۔

(صحیح مسلم:۲/۲۷، رقم الحدیث:۱۵۹۸، صحیح البخاري:۱/۲۸۰)

مسئلہ (۱۶۵): جس طرح خود سود لینا، یا شدید ضرورت کے بغیر سود دینا حرام ہے، اسی طرح سودی معاملات میں تعاون کرنا بھی جائز نہیں ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اُن تمام لوگوں پر لعنت فرمائی ہے، جو سودی کاروبار کو لکھنے اور اس پر گواہ بننے، یا اس میں واسطہ بننے کے اعتبار سے معاون ہوں، اس لیے سودی قرض فراہم کرنے والے اداروں یا افراد کو اپنی دکانوں یا کامپلیکس میں کرایہ پر جگہ فراہم کرنا، سودی معاملہ میں تعاون کرنا ہے، جو جائز نہیں ہے۔ (جامع الترمذي:۱/۲۲۹، رقم الحدیث:۱۲۰۶)

مسئلہ (۱۶۶): **نام کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی**: یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ محض نام کے

بدل جانے سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی، جب تک نام کے ساتھ ماہیت نہ بدل جائے۔

مسئلہ (۱۶۷): **تحصیلِ نفع اور اسلامی نقطۂ نظر**: اسلام درحقیقت انسانی معاشرہ میں توازن وبرابری برقرار رکھنا چاہتا ہے، وہ کسی ایک طبقہ کو تفوق وبرتری اور دوسرے کو تکلیف ومشقت میں ڈالنے کا بالکل مجاز نہیں، حرمتِ سود کی دلیلِ عقلی بھی یہی ہے کہ اس سے غریب، غریب سے غریب تر اور امیر، امیر سے امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے، اور دنیا میں غربت کے خاتمہ کے بجائے اضافہ ہوتا ہے۔

ایک سروے کے مطابق دنیا پر مغرب کی اجارہ داری اور اسلامی خلافت کے سقوط کے بعد ستر فیصد سے زیادہ غربت میں اضافہ ہوا ہے، کیوں کہ مغرب کا پورا معیشتی نظام سود کے ارد گرد ہی گھومتا ہے اور اُس نے اِس ظالم و جابر سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کو مغرب تک ہی محدود نہیں رکھا، بلکہ گلوبلائزیشن (Globalization) اور نیو ورلڈ آرڈر (New world order) کے نام پر اقوامِ متحدہ، عالمی ادارہ صحت اور ورلڈ بینک (World Bank) وغیرہ ادارے قائم کرکے پوری دنیا کو سودی لعنت کے شکنجے میں کس دیا، اور دنیا نے تجربہ ومشاہدہ کی روشنی میں اس کے مضر اثرات کو دیکھ لیا، معیشت کے عالمی بحران (Money Crisis) کے اس دور میں اسلامی بینک کاری کا تجربہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ سود مضر اور اسلامی متبادل طریقہ کار ہی دنیا کے لیے مفید ہے، کیوں کہ اتنے عظیم بحران کے باوجود اسلامی مالیاتی ادارے ہر طرح کے نقصانات سے محفوظ ہیں۔اسی لیے مسلمان تو مسلمان، غیر مسلم بھی یورپ اور دنیا کے بیشتر ممالک میں اسلامی مالیاتی اداروں سے منسلک ہورہے ہیں، اور تسلیم کررہے ہیں کہ یہی محفوظ راستہ ہے۔

اسلامی متبادل طریقوں کو جاننے سے پہلے ایک اصولی بات یہ سمجھ لیں کہ اسلام نفع کو حاصل کرنے میں ضمان اور رِسک (Risk) کو اصل قرار دیتا ہے، یعنی جو شخص ضمان اور رسک اٹھائے گا وہی نفع کا حقدار ہوگا، ضمان اور رسک کا مطلب کسی کا اپنے آپ کو نفع ونقصان کا متحمل قرار دینا، یعنی اگر اس معاملہ میں کوئی نفع ہو تب بھی میں برداشت کروں گا، اور نقصان ہو تو اسے بھی سہہ لوں گا، بس اسی اصول پر اسلامی متبادل طریقے مبنی ہیں۔

مسئلہ (۱۶۸): **سودی طریقہ کار کا متبادل**: عام انسانوں کے ذہن میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سود (Interest) اور سودی کاروبار حرام قرار دیدیا گیا، تو پھر اس کا متبادل طریقہ کیا ہے جس کے ذریعہ معیشت کو چلایا جائے؟ کیوں کہ آج پوری دنیا میں معیشت کی روح سود (Interest) پر قائم ہے؟ -اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو کسی ایسی چیز کا حکم نہیں دیتے ہیں جو اس کی وسعت سے باہر ہو، کیوں کہ اس کا فرمان ہے: ''اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا مگر اس کی بساط

کے مطابق"۔ (البقرۃ:۲۸۶)

اسلام نے سود کے چند متبادل نظام پیش کیے ہیں وہ یہ ہیں: (۱)مشارکت(Partnership) (۲)مضاربت(Sleeping partnership)(۳)اجارہ(Leasing)(۴)مرابحہ(Resale with a stated profit)

مسئلہ(۱۶۹): پہلی متبادل صورت" مشارکت"(Partnership): مشارکت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کاروبار کرنا چاہے، تو وہ دوسرے آدمی سے قرض لے سکتا ہے، اور قرض دینے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ میں تمہارے کاروبار میں حصہ دار بننا چاہتا ہوں، اگر تمہیں نفع ہوگا تو اس نفع کا کچھ حصہ مجھے دینا پڑے گا، اور اگر نقصان ہوگا تو اس نقصان میں بھی شامل ہوں گا، اس طرح سے اس کاروبار کے نفع اور نقصان میں قرض دینے والا شریک ہو جائے گا، اور یہ مشارکت ہو جائے گی، یہ سود کا متبادل طریقہ کار ہے۔

مسئلہ (۱۷۰): دوسری متبادل صورت"مضاربت"(Sleeping partnership): مضاربت کی صورت یہ ہے کہ سرمایہ دار کسی شخص کو اپنا مال تجارت کی غرض سے دے، تاکہ نفع میں مقررہ تناسب کے مطابق دونوں شریک ہوں، اس طرح مضاربت میں ایک فریق کی طرف سے مال اور دوسرے فریق کی طرف سے عمل ومحنت پائی جاتی ہے۔

مضاربت کے صحیح ہونے کے لیے جملہ شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ سرمایہ کار کے لیے نفع کی قطعی مقدار، جیسے ایک ہزار، دوہزار متعین نقد نہ کی جائے، بلکہ نفع کا تناسب متعین کیا جائے، مثلاً نفع کا آدھا، تہائی اور چوتھائی وغیرہ (عام لوگ اس سے غافل ہیں)۔

مسئلہ(۱۷۱): تیسری متبادل صورت"مزارعت/ بٹائی"(Crop sharing): مزارعت کی مختلف صورتوں میں سے تین صورتیں یہ ہیں: (۱) صاحبِ زمین بٹائی دار سے یہ کہے کہ میں تم کو اپنی یہ زمین بٹائی پر دیتا ہوں، بیج اور کاشت کے آلات میرے ہوں گے اور آپ کی طرف سے عملِ کاشت، (۲) یا یوں کہے کہ زمین میری ہوگی، آلۂ کاشت، بیج اور عمل آپ کا ہوگا۔ (۳) یا یوں کہے کہ زمین اور بیج میرا ہوگا، عمل اور آلۂ کاشت آپ کا، اور جو بھی پیداوار ہوگی اس میں میرا تناسب مثلاً نصف، تہائی، چوتھائی وغیرہ اور باقی آپ کا ہوگا، اور بٹائی دار اس کو قبول کرلے، تو شرعاً یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔ عام طور پر بٹائی داری میں بھی کسی ایک فریق کے لیے پیداوار کی ایک مقدار یا کھیت کے کسی ایک حصہ کی پیداوار متعین کردی جاتی ہے، مثلاً بٹائی دار مالکِ زمین کو ایک کوئنٹل گیہوں دے گا خواہ پیداوار کچھ بھی ہو، یا کھیت کے اِس حصہ کی پیداوار مالکِ زمین کے لیے ہوگی خواہ دوسرے حصوں کی پیداوار کچھ بھی ہو، شرعاً یہ جائز نہیں ہے۔

نوٹ :- عام طور پر کسانوں کی طرف سے یہ بات سننے میں آتی ہے، کہ سماج اور سوسائٹی کا متوسط ومالدار طبقہ غریب کسانوں

کو کاشتکاری میں لگنے والی چیزوں کے خریدنے کے لیے سود پر قرض دیتا ہے، اوران کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر حلال وحرام کی تمیز کیے بغیر ان سے سود وصول کرتا ہے، اس سے پوری طرح بچنا ضروری ہے، کیوں کہ حرام طریقہ سے حاصل ہونے والے مال میں برکت نہیں ہوتی، بلکہ وہ اللہ کے عذاب کو دعوت دیتا ہے۔

مسئلہ (۱۷۲): چوتھی متبادل صورت ''اجارہ'' (Leasing): اجارہ کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کارخانے کے لیے کوئی مشینری باہر سے منگوانی ہے، اوراس کے پاس اتنا پیسہ بھی نہیں کہ جس سے وہ اپنی مطلوبہ مشینری خرید سکے، تو اب بینک اس شخص کو پیسہ دینے کی بجائے خود اس مشینری کو خرید کر شخصِ مذکور کو کرایہ پر دیدے۔ شرعاً یہ طریقہ جائز ہے۔

مسئلہ (۱۷۳): پانچویں متبادل صورت ''مرابحہ'' (Resale with a stated profit): مرابحہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس خام مال خریدنے کے لیے درکار پیسہ نہیں ہے، جس کی بناء پر وہ بینک سے قرض لیتا ہے، تو بینک اس کو خام مال خریدنے کے لیے پیسہ دینے کی بجائے خود خام مال خرید کر اسی شخص کے ہاتھ نفع پر بیچ دے، یہ طریقہ بھی شرعاً جائز ہے۔

عام مسلمانوں سے اپیل: سود کھانا، سود دینا، سودی حساب لکھنا، سودی شہادت دینا، سودی معاملات کرنا، سودی اسکیموں میں شرکت کرنا اوران سے فائدہ اٹھانا، سب قرآن وحدیث اور عقلِ انسانی کی روشنی میں حرام ہیں، اوراس حرام کا ارتکاب، اخلاقی، معاشی اور تمدنی نقصانات کا سبب، اور قوموں کی تباہی وبربادی کا موجب ہے۔ عام آدمی کو چاہیے کہ اپنا پیسہ بینک کے اندر کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھے، جہاں پیسوں پر سود نہیں لگتا، لیکن اگر کسی شخص نے غلطی سے سیونگ اکاؤنٹ (Saving Account) میں پیسے رکھ دیئے ہیں، اوراس رقم پر سود مل رہا ہے تو اس شخص کو چاہیے کہ وہ سود کی رقم بینک سے وصول کرکے کسی مستحقِ زکوۃ شخص کو ثواب کی نیت کے بغیر صرف اپنی جان چھڑانے کے لیے صدقہ کردے، اور خود اپنے استعمال میں نہ لائے، خود بھی سودی لین دین اور سودی کاروبار سے بچیں، اور دوسروں کو بھی بچائیں۔

''اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔'' (القرآن)

بیمہ (انشورنس) کا بیان

مسئلہ(۱): بیمہ کی حقیقت: بیمہ انگریزی لفظ انشور (Insure) کا ترجمہ ہے، جس کے معنی یقین دہانی کے آتے ہیں، عربی زبان میں بیمہ کے لئے "تامین" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، چونکہ بیمہ کے ذریعہ انسان اپنے کو مستقبل کے بعض خطرات وحوادث اور نقصانات سے مامون ومحفوظ کر لیتا ہے، اس لئے اسے تامین کہتے ہیں۔

بیمہ کا مفہوم: بیمہ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کو مستقبل میں جو خطرات درپیش ہوتے ہیں، کوئی انسان یا ادارہ ضمانت لیتا ہے کہ فلاں قسم کے خطرات وحوادث کے مالی اثرات ونقصانات کی میں تلافی وتدارک کروں گا، اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی (Insured) بیمہ دار (Insurer) سے ایک متعین رقم (حسبِ شرائط) قسط وار وصول کرتی رہتی ہے، اور ایک متعین مدت کے بعد وہ رقم اسے یا اس کے ورثاء کو واپس کر دیتی ہے، اور اصل رقم کے ساتھ مقررہ شرحِ فیصد کے حساب سے کچھ مزید رقم بطورِ سود دیتی ہے، جسے وہ بونس (منافع) کہتے ہیں، جس کا آغاز قرونِ وسطیٰ میں تقریباً ۱۶۹۸ء میں لویڈز نامی لندن کے ایک مشہور قہوہ خانہ میں ہوا، اور وہیں ایک کمپنی قائم ہوئی جو اس وقت دولت کے بازاروں میں کافی شہرت رکھتی ہے۔

بیمہ کی اقسام: بیمہ کی تین قسمیں ہیں:

(۱) تامین الحیاۃ (زندگی کا بیمہ)، (۲) تامین الأشیاء (املاک کا بیمہ)، (۳) تامین المسؤلیت (ذمہ داری کا بیمہ)،

۱- **تامین الحیاۃ:** جس کو (Life insurance) یعنی زندگی کا بیمہ کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی اپنے ڈاکٹر کے ذریعہ بیمہ دار کا طبی معائنہ کراتی ہے، اور ڈاکٹر اس کی جسمانی حالت دیکھ کر اندازہ کرتا ہے، کہ یہ شخص اتنے سال مثلاً دس سال زندہ رہ سکتا ہے، تو ڈاکٹر کی مذکورہ رپورٹ کے مطابق کمپنی اس کا دس سال کا بیمۂ حیات مقرر کرتی ہے، اس کے بعد بیمہ کمپنی اور بیمہ دار کے مابین ایک رقم مقرر ہوتی ہے، جو بیمہ دار کمپنی کو قسط وار ادا کرتا ہے، مثلاً: ہر ماہ سو روپئے قسط متعین ومقرر ہے تو سالانہ بارہ سو روپئے بن گئے، اور دس سال میں بارہ ہزار روپئے جمع ہو گئے، اب اگر مدتِ مذکورہ سے پہلے بیمہ دار کا انتقال ہو گیا خواہ طبعی موت سے یا کسی حادثہ وغیرہ سے ہو، تو بیمہ کمپنی اصل رقم اس کے ورثاء کو حسبِ شرائط کچھ زائد رقم کے ساتھ واپس کرے گی، اور اگر مدتِ مذکورہ کے بعد انتقال ہو تو اصل رقم مع سود ورثاء کو واپس دے گی، البتہ پہلی صورت میں شرحِ منافع زائد ہوتے ہیں، اور دوسری صورت میں شرحِ منافع کم ہوتا ہے۔

۲- **تامین الأشیاء:** جس کو (Good insurance) اشیاء واملاک کا بیمہ کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سامان مثلاً: گاڑی، موٹر سائیکل، عمارت، کار، اور بحری جہاز وغیرہ کا بیمہ کروانا چاہتا ہے، تو وہ متعین شرح سے بیمہ

کمپنی کو فیس ادا کرتا ہے، جس کو پریمیم (Premium) کہتے ہیں، اور اس سامان کو حادثہ لاحق ہونے کی صورت میں کمپنی اس کی مالی تلافی وتدارک کردیتی ہے، اور اگر اس سامان کو کوئی حادثہ لاحق نہ ہوا ہو، تو ایسی صورت میں بیمہ دار نے جو پریمیم (Premium) ادا کیا ہے، وہ واپس نہیں ملتا ہے۔

۳- **تامین المسؤلية:** جس کو تھرڈ پارٹی انشورنس (Thirdparty insurance) یعنی بیمۂ ذمہ داری کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بیمہ دار بیمہ کمپنی کو قسط وار رقم ادا کرتا ہے، اور دونوں کے مابین یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ اگر بیمہ دار کی ذات یا گاڑی وغیرہ سے، کسی دوسرے انسان کو نقصان پہنچے، اور اس کا تاوان بیمہ دار کے ذمہ لازم ہو، تو کمپنی اس تاوان کو ادا کریگی۔

مسئلہ (۲): تامین الحیاۃ (Life insurance) تامین الأشیاء (Good insurance) اور تامین المسؤلیۃ (Third party insurance) ان تینوں اقسام کو کمرشیل انشورنش (Commercial insurance) کہتے ہیں، چونکہ ان سب میں سود اور جوا پایا جاتا ہے، جو شرعاً ناجائز اور حرام ہیں، اس لیے یہ بھی ناجائز اور حرام ہوں گے، البتہ اگر کسی مقام کے حالات ایسے خراب ہوجائیں کہ جان ومال کا تحفظ اس بیمہ کے بغیر متعذر اور مشکل ہوجائے، یا قانوناً وجبراً لازم ہو، مثلاً: کار، گاڑی، اور موٹر سائیکل وغیرہ بغیر انشورنس کے آپ خرید نہیں سکتے، یا سڑک پر نہیں لا سکتے، تو بر بناء ضرورت واضطرار شرعاً بقدرِ ضرورت جواز کی گنجائش ہے، البتہ اگر اپنی جمع کردہ رقم سے زائد رقم وصول ہو، تو اس کو بلا نیتِ ثواب غرباء وفقراء پر صرف کردے۔

(درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام: ۱/ ۳۷، ۳۸، ۴۲)

مسئلہ (۳): ۱- جو رقم بالاقساط ادا کی جاتی ہے وہ انشورنس کمپنی کے ذمہ قرض ہے اور اس پر جو زائد رقم ملتی ہے جس کو منافع سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ سود ہے۔

۲- انشورنس کا کاروبار مشروط بالشرط ہوتا ہے اور قرضِ مشروط حرام ہے۔

۳- انشورنس مؤجل (ادھار) ہوتا ہے اور قرض میں تأجیل صحیح نہیں۔

۴- کمپنی والے اس رقم سے لوگوں کے ساتھ سودی معاملہ کرتے ہیں، تو انشورنس کرنے میں گناہ پر تعاون لازم آرہا ہے۔

۵- انشورنس میں قمار کی صورت پائی جاتی ہے، کیوں کہ اس میں خطر اور غرر پایا جاتا ہے، بیمہ پالیسی خریدنے میں نفع کا معاملہ غیر متعین اور غیر معلوم چیز پر معلق رہتا ہے، حوادث کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ واقع ہونگے یا نہیں، اور ہوں گے تو کب اور کس شکل کے، ایسی مبہم اور نامعلوم چیز پر کسی نفع کو معلق کرنا شریعت میں قمار کہلاتا ہے، اور قمار کی حرمت نصِ قطعی سے ثابت ہے، فقہاء نے غرر کی تعریف یہ کی ہے کہ اس کا انجام معلوم نہ ہو، اور آپ ﷺ نے غرر کے معاملہ سے بھی منع فرمایا ہے۔ (احکام القرآن للجصاص: ۱/ ۵۶۶)

مسئلہ (۴): ملازم پر اگر جیون بیمہ کے لیے رقم جمع کروانے کا کوئی قانون نہیں اور وہ بذاتِ خود کرواتا ہے تو یہ حرام ہوگا۔
(فقہ النوازل: ۳/ ۲۷۵، ط؛ دار ابن جوزیہ)

مسئلہ (۵): محکمہ ڈاک وغیرہ میں جو سندی کاغذات اور رجسٹری رقم وغیرہ کا بیمہ کرایا جاتا ہے، وہ شرعاً جائز اور مباح ہے، اس لیے کہ محکمہ ان کاغذات اور نوٹوں کی حفاظت کا خود ذمہ دار ہوتا ہے، اور وہ اپنی ضمانت میں وہ اشیاء قبضہ میں لیتا ہے اور اس طرح کا معاملہ شرعاً جائز اور مباح ہے۔ (ردالمحتار: ٦/ ۲۸۱، ایضاح النوادر: ۱۵۳)

مسئلہ (٦): اگر جیون بیمہ کرانے سے واقعۃً ٹیکس کی بچت ہوتی ہے تو اس کے جواز کی گنجائش ہے، مگر وہ رقم استعمال کرنا کسی بھی حال میں جائز نہ ہوگا، اس کی صورت یہ ہے کہ بلانیتِ ثواب فقراء میں تقسیم کر دیا جائے۔ (ردالمحتار: ۹/ ۵۵۳)

مسئلہ (۷): املاک کا انشورنس جائز نہیں لیکن آج کل گاڑی، دکان، کمپنی، فرم، ایکسپورٹ، امپورٹ وغیرہ کا خریدنا بغیر انشورنس کے مشکل ہے، اور فسادات کی وجہ سے اموال کی ہلاکت بھی اکثر ہوتی رہتی ہے، لہذا " الضرورات تبیح المحظورات " کے تحت عارضی طور پر اس کی گنجائش نکل سکتی ہے نہ کہ دائمی طور پر، لیکن اگر اس کے بغیر کام ہوسکتا ہو تو اس کی اجازت نہیں ہے، پھر اگر رقم پریمیم (قسطوں) سے زائد ملے تو اس کے بقدر اپنے پاس رکھے، اور اگر زائد واپس کرنا ممکن ہو تو واپس کردے، ورنہ صدقہ کرنا لازم ہوگا۔ (ردالمحتار: ۷/ ۳۰۱)

مسئلہ (۸): سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں سے لازمی اور جبری طور پر پراویڈنٹ فنڈ کی طرح جیون بیمہ کے نام سے رقم کاٹی جاتی ہے، پھر اس کی موت کی صورت میں اس کے ورثاء کو پینشن زائد رقم کے ساتھ واپس دی جاتی ہے، یا اس کی حیات میں ہی ریٹائر ہونے کی صورت میں اس کو یہ رقم مل جاتی ہے، بہر حال یہ رقم انعام کے دائرے میں داخل ہوکر حلال اور جائز ہوگی۔ (فتاوی ہندیہ: ۴/ ۴۱۳، خلاصۃ الفتاوی: ۳/ ۱۰۳)

مسئلہ (۹): ای، ایس، آئی، کارپوریشن یعنی امپلائز اسٹیٹ کارپوریشن (Employs state insurance corporation) ایک ادارہ ہے، پورے ہندوستان میں جس کمپنی یا فیکٹری میں بیس سے زائد ملازم کام کرتے ہوں، ان میں سے جن ملازمین کی تنخواہ تین ہزار سے کم ہو، ای، ایس، آئی (E.S.I) کارپوریشن ان کا جبری بیمہ کرالیتا ہے، اور جن کی تنخواہ تین ہزار سے زائد ہوتی ہے ان کا جبری بیمہ نہیں کرواتا ہے، اور اس جمع کردہ بیمہ کی رقم سے ملازم کو کچھ بھی واپس نہیں کرتا، لیکن اگر ملازم بیمار ہوجائے یا کوئی ناگہانی حادثہ پیش آجائے، تو اس کا پورا خرچ کارپوریشن برداشت کرتا ہے، اور اگر ملازم کی موت ہوجائے، تو اس کی فیملی کے افراد کیلئے مدتِ ملازمت کے تناسب سے بصورتِ رعایت پینشن دی جاتی ہے، حتی کہ ملازم کی اولاد

ازخود کمانے لگ جائیں، اوراولاد نہ ہونے کی صورت میں اس ملازم کی بیوی کو تاحیات یا نکاحِ ثانی پینشن دی جاتی ہے۔

مذکورہ صورتِ مسئلہ میں جورقم ای، ایس، آئی (E.S.I) کارپوریشن ملازم کی تنخواہ سے بیمہ کے نام پر لیتی ہے، وہ واپس نہیں ملتی، ہاں! البتہ حادثہ کے موقعہ پر مل سکتی ہے، اور حادثہ کا پیش آنا ایسا امر ہے جس میں تردد ہے، چونکہ یہ بیمہ سرکار کی طرف سے جبراً کرایا جاتا ہے، اس لئے مالک وملازم دونوں میں سے شرعاً کوئی بھی گناہ گار نہ ہوگا، نیز ملازم کی موت کے بعد اگر اس کے ورثاء کو بیمہ میں جمع شدہ رقم سے زائد رقم بھی ملے تو بلا شبہ حلال وجائز ہے، اس لئے کہ زائد ملنے کی صورت میں یہ پراویڈیٹ فنڈ کے مشابہ ہوگا، اور ملازم اس رقم کا ابھی مالک بھی نہیں ہوا تھا، لہذا یہ اضافہ شدہ رقم انعام وتعاون کے حکم میں ہوکر جائز ہوگی۔ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۳۴۱۶/۵)

مسئلہ (۱۰): اگر کسی شخص نے گاڑی کا بیمہ جمع کروایا ہے، اور گاڑی ایکسیڈنٹ وغیرہ کی صورت میں کسی حادثہ کا شکار ہوجائے، اور بیمہ کمپنی اسے جمع کردہ رقم ادا کرے، تو وہ شخص اتنی ہی رقم استعمال کرے جو اس نے انشورنس کمپنی (Insurance Company) میں جمع کروائی ہے، اور زائد ملنے والی رقم غرباء پر تقسیم کردے۔ (فتاوی ہندیہ: ۳۴۹/۵)

مسئلہ (۱۱): چندلوگوں نے مل کر ایک فنڈ قائم کیا، جس میں ہر شخص اپنی تنخواہ میں سے چند روپئے جمع کرتا ہے، اور بوقت ضرورت ممبران میں سے جو بیمار ہوجائے اسے مالی امداد مہیا کرتے ہیں، لیکن اس فنڈ میں تجارتی اعتبار سے کسی کا کوئی فائدہ نہیں ہے، لہٰذا یہ صورت بلا کراہت جائز، بلکہ مستحب ہے، کیوں کہ اس کے کسی مرحلے میں سود یا قمار نہیں پایا جاتا ہے، اور نہ ہی کوئی چیز خلافِ شرع ہے، نیز علماء کرام کی طرف سے انشورنش اور امدادِ باہمی کی جو جائز صورتیں تجویز کی گئی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ (قرطبی: ۳۶۵/۲)

مسئلہ (۱۲): بیمہ چونکہ سود وقمار کی ایک شکل ہے، اس لیے اختیاری حالت میں بیمہ کرانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی ملک یا خطہ کی بدحالی ایسی ہوجائے کہ بغیر بیمہ کے جان ومال کا تحفظ متعذر ہوجائے، یا قانونی مجبوری ہو، تو اس اضطراری حالت میں بیمہ کرانا درست ہے، البتہ اپنی جمع شدہ رقم سے زائد رقم کو خود کسی کام میں نہ لائے، بلکہ اس کے وبال سے بچنے کے لیے بلانیتِ ثواب غرباء پر صدقہ کردے۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۸، ۲۷۹)

مسئلہ (۱۳): بیمہ کمپنیوں کا موجودہ نظام چونکہ سود وقمار پر قائم ہے، اس لئے بیمہ کمپنی کے لیے بطور ایجنٹ کام کرنا اور اس پر کمیشن لینا ناجائز ہے۔ (التفسیر المنیر: ۴۱۸/۳، سورۃ المائدۃ)

مسئلہ (۱۴): جو مال جہاز میں روانہ کیا جاتا ہے، اگر مالکِ جہاز اس کا بیمہ کرے، اس طرح کہ کرایہ کی اصل مقدار سے دو چند یا سہ چند کرایہ لے کر مال بھرے، اور نقصان کا ذمہ دار ہوجائے کہ اگر مال فلاں مقام پر صحیح سالم نہیں پہنچا، تو مالکِ جہاز اس

کا ذمہ دار ہوگا، تو اس صورت میں جہاز والا اجیر مشترک ہے، مال والے کی جانب سے ضمان کی کوئی شرط نہ ہونے کی صورت میں اصل مذہب کے اعتبار سے مال ہلاک ہونے کی صورت میں اجیر مشترک دو صورتوں میں ضامن ہوتا ہے:

۱- جہاں مال کی ہلاکت بفعلِ اجیر بتعدی ہو۔

۲- جہاں مال کی ہلاکت بفعل اجیر بلا تعدی ہو۔

اور ایک صورت میں ضامن نہیں ہوتا ہے، جہاں مال کی ہلاکت بدونِ فعلِ اجیر ہو، اور مال کو بچانا ناممکن ہو، جیسے غرق وغیرہ، اور ایک صورت میں اختلاف ہے، جہاں مال کی ہلاکت بدونِ فعلِ اجیر ہو، اور مال کو ہلاکت سے بچانا ممکن ہو، صاحبین کے نزدیک ضامن ہوگا، اور امام صاحب کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا، لیکن اگر مالکِ جہاز نے مال کا بیمہ (جس کی حقیقت ضمانت ہے) کیا ہے، تو پہلی دو صورتوں میں بیمہ کرنا جائز ہے، اور تیسری صورت میں جائز نہیں، اور چوتھی صورت میں اختلاف ہے، لیکن امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان ''اشباہ'' کی اس عبارت کی طرف ہے کہ ضمان کی شرط لگانے سے اجیرِ مشترک بہر صورت ضامن ہوتا ہے، لہٰذا مالکِ جہاز کے لیے مال کا بیمہ کرنا مطلقاً جائز ہے۔ (ردالمحتار:۹/۷۷)

مسئلہ (۱۵): اگر بیمہ کمپنی جہاز میں لدے ہوئے مال کا بیمہ کرائے، تو یہ مالکِ جہاز کی کفالت ہے، اور صحتِ کفالہ کے لیے اس حق کا مضمون ہونا شرط ہے، لہٰذا اگر بیمہ کمپنی نے مال ہلاک ہونے کی صورتوں میں سے کسی ایسی صورت میں بیمہ (جس کی حقیقت ضمانت ہے) کیا ہے، جس میں جہاز والے کے ذمہ ضمان ہے، تو یہ بیمہ جائز ہے، اور اگر ایسی صورت میں بیمہ کیا ہے جس میں جہاز والے کے ذمہ ضمان نہیں ہے، تو بیمہ جائز نہیں ہے، لیکن اگر انتظامِ حفاظت کا پورا معاوضہ بیمہ کمپنی کو دیا جائے، اور وہ اپنا خاص آدمی حفاظت ونگرانی کے لیے جہاز میں رکھے، تو اس صورت میں کمپنی کا بیمہ کرنا ہر حال میں جائز ہے، اس لیے کہ جس امانت کی حفاظت پر اجرت لی جاوے، اس کے تلف سے ضمان لازم ہوتا ہے۔ (بدائع الصنائع:۴/۲۰۷)

مسئلہ (۱۶): اگر کسی شخص کا سرکاری بس سے ایکسیڈنٹ ہوگیا، اور وہ شخص جائے حادثہ پر ہی فوت ہوگیا، تو اب اس کے اہل خانہ کے لیے ڈرائیور کے خلاف مقدمہ دائر کرنا، اور حکومت سے معاوضہ لینا دونوں درست ہے، البتہ معاف کردینا بہتر ہے، اس لئے کہ یہ حادثہ بہت سے بہت قتلِ خطا میں آسکتا ہے، اور قتل خطا میں قصاص یا قتل نہیں ہوتا، صرف دیت لازم آسکتی ہے۔ (سورۃ النساء:۹۲)

شرکت، مضاربت اور مزارعت کا بیان

مسئلہ (۱): بعض لوگ پارٹنر شپ (Partnership) میں کاروبار کرتے ہیں، جس میں دونوں کی رقم برابر ہوتی ہے، اور

ابتداء ہی سے آپس میں یہ بات طے کر لیتے ہیں کہ ہر ماہ قرعہ اندازی کی جائے گی، جس کا نام قرعہ اندازی سے نکل آیگا صرف وہی نفع ونقصان کا ضامن ہوگا، خواہ ہر مہینہ ایک ہی شریک کا نام نکلتا رہے، اس طرح سے کاروبار کرنا مکمل طور پر قمار یعنی جوا کو شامل ہے جو شرعاً حرام ہے، لہٰذا شرکت کا یہ طریقہ بھی ناجائز وحرام ہوگا۔ (ردالمحتار:۹/۵۷۷)

مسئلہ (۲): موجودہ زمانے میں تجارت کی ایک نئی صورت کا اضافہ ہوا ہے، اس کو اسٹاک مارکیٹ (Stock market) یعنی بازارِ حصص کہتے ہیں، پہلے زمانے میں جو شرکت ہوتی تھی وہ چند افراد کے درمیان ہوتی تھی، جس کو آج کل کی اصطلاح میں پارٹنر شپ (Partnership) کہا جاتا ہے، لیکن پچھلی دو تین صدیوں میں تجارت کے وسیع پھیلاؤ کی وجہ سے اس کی ایک صورت وجود میں آئی، جس کو جوائنٹ اسٹاک کمپنی (Joint stockc company) کہا جاتا ہے، جس کی وجہ سے کاروبار میں نئی صورتِ حال پیدا ہوئی، اور اس کے حصص (Shares) کی خرید وفروخت کا نیا مسئلہ وجود میں آیا، اس کی بنیاد پر دنیا بھر میں اسٹاک مارکٹس (Stock Market,s) کام کر رہے ہیں، اور اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ (فقہی مقالات:۱/۱۴۲،۱۴۳)

مسئلہ (۳): شیئرز کو اردو میں ''حصے'' سے اور عربی میں ''سہم'' سے تعبیر کرتے ہیں، اور یہ درحقیقت کسی کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر (Shares holder) شیئرز خریدنے والے کی ملکیت کے تناسب کی نمائندگی کرتا ہے، مثلاً: اگر آپ کسی کمپنی کا شیئرز خریدیں تو وہ شیئرز سرٹیفکیٹ (Shares certificate) جو ایک کاغذ ہے، وہ اس کمپنی میں آپ کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، لہٰذا کمپنی کے جو اثاثے اور املاک ہیں شیئرز خریدنے کی وجہ سے آپ ان کے متناسب حصے کے مالک بن گئے، جب کمپنی وجود میں آتی ہے تو وہ بازار میں اپنے شیئرز فلوٹ (Floot) کرتی ہے، مثلاً کوئی آدمی ٹیکسٹائل (Textile) کی کمپنی قائم کرے، اور اس کے لئے اس کو دس ارب روپئے کی ضرورت ہے، تو وہ اعلان کرتا ہے کہ ہماری کمپنی ایک ایک ہزار کا شیئرز فلوٹ کر رہی ہے، اس کے بعد اس کمپنی کے شیئرز مارکیٹ میں فروخت ہوتے ہیں، اب جو شخص ان کو خریدتا ہے وہ اس کمپنی کا شریک ہوجاتا ہے۔ (فقہی مقالات:۱/۱۴۲،۱۴۳)

مسئلہ (۴): ۱۔ کمپنی حرام کاروبار میں ملوث نہ ہو، مثلاً وہ سودی بینک نہ ہو، سود اور قمار پر مبنی انشورنس کمپنی نہ ہو، شراب کا کاروبار کرنے والی کمپنی نہ ہو، یا ان کے علاوہ دوسرے حرام کام کرنے والی کمپنی نہ ہو، ایسی کمپنی کے شیئرز لینا کسی حال میں جائز نہیں، نہ ابتداءً جاری (Float) ہونے کے وقت لینا جائز ہے، اور نہ ہی بعد میں اسٹاک مارکیٹ سے لینا جائز ہے۔

۲۔ کمپنی کے تمام اثاثے اور املاک سیال اثاثوں (Liquid Assets) یعنی نقد رقم کی شکل میں نہ ہوں، بلکہ اس کمپنی نے کچھ جامد اثاثے (Fixed Assets) حاصل کر لیے ہوں، مثلاً بلڈنگ بنالی ہو، یا زمین خرید لی ہو تو جائز ہے، اور اگر اثاثے

سیال یعنی نقد رقم کی صورت میں ہوں تو اس کمپنی کے شیئرز کو فیس ویلو (Face Value) سے کم یا زیادہ پر فروخت کرنا جائز نہیں، بلکہ برابر سرابر خریدنا ضروری ہے۔

۳- حتی الامکان کمپنی سود میں ملوث نہ ہو، اور اگر ہو بھی تو صرف فاضل (Surplus) رقم بینک میں رکھتی ہو، اور اگر کمپنی فنڈ بڑھانے کے لئے رکھے تب تو بالکل ہی جائز نہیں، لیکن پہلی صورت اس شرط کے ساتھ جائز ہے، کہ شیئرز ہولڈر کمپنی میں سودی کاروبار کے خلاف آواز اٹھائے، اگر چہ اس کی آواز صدا بصحرا ہی ثابت ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ کمپنی کی اے، جی، ایم (Annual general meting) میں اپنی یہ بات رکھے۔

۴- جب منافع تقسیم (Dividend) ہوں تو وہ انکم اسٹیٹ مینٹ (Income statement) کے ذریعے معلوم کرے، کہ آمدنی کا کتنا حصہ ڈپازٹ سے حاصل ہوتا ہے، اور اتنے فیصد رقم کا صدقہ کردے۔

نیز شیئرز دو مقصد سے خریدے جاتے ہیں:

۱- انوسٹمینٹ (Investment) یعنی کمپنی میں شریک ہو کر گھر بیٹھے منافع حاصل کرتے رہنا، یہ صورت مذکورہ چار شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔

۲- شیئرز کے خریدنے کی دوسری صورت کیپٹل گین (Capital Gain) کی ہوتی ہے، یعنی کمپنی کا شریک بننا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ لوگ اس کا اندازہ کرتے ہیں کہ کس کمپنی کے شیئرز کی قیمت میں اضافہ ہونے کا امکان ہے، چنانچہ اس کمپنی کے شیئرز خرید لیتے ہیں، اور پھر چند روز بعد جب قیمت بڑھ جاتی ہے تو ان کو فروخت کر کے نفع حاصل کر لیتے ہیں، اس طرح کی خرید وفروخت کے ذریعے نفع حاصل کرنا ان کا مقصود ہوتا ہے، مذکورہ شرائط کی رعایت کے ساتھ یہ خرید وفروخت جائز ہے، لیکن اگر اس میں سٹہ بازی کی صورت پیدا ہو جائے، وہ اس طور پر کہ شیئرز پر قبضہ (Dellivery) کرنے سے پہلے ہی اسے فروخت کیا جائے تو یہ صورت بالکل حرام ہے، اور شریعت میں اس کی اجازت نہیں۔ (جامع الترمذي:۱/۲۲۹)

مسئلہ (۵): شیئرز کی ایسی بیع وشراء کہ جس میں صرف فرق (Difference) برابر کرنا مقصود ہو، شیئرز لینا دینا مقصود نہ ہو، جیسا کہ آج اسٹاک ایکسچینج (Exchange) کمپنی میں ایک بہت بڑا کاروبار اسی قسم کا ہوتا ہے، اس میں شیئرز لینا دینا مقصود نہیں ہوتا ہے، اور نہ ہی شیئرز پر قبضہ ہوتا ہے، اور نہ قبضہ پیش نظر ہوتا ہے، بلکہ آخر میں جا کر آپس کا فرق (Difference) برابر کر لیا جاتا ہے، مثلاً یکم جنوری کو، ۳۰ مارچ کی تاریخ کے لیے غائب سودا کیا گیا، اور فی شیئرز دس روپئے قیمت مقرر ہوئی، لیکن جب ۳۰ / مارچ کی تاریخ آئی، تو شیئرز کی قیمت بڑھ کر بارہ روپئے ہوگئی، اب بائع خریدار کو شیئرز دینے کے بجائے دو روپئے فی

شیئرز ادا کرتا ہے، یا اگر قیمت گھٹ کر آٹھ روپئے رہ گئی، تو خریدار بجائے اس کے کہ بائع کو دس روپئے دے کر اس سے شیئرز وصول کرے، اسے فی شیئرز دو روپئے دیتا ہے، اس طرح سے بائع اور خریدار آپس کے فرق (Difference) کو برابر کرلیتے ہیں، یہ قمار وسٹہ ہے، جو کہ حرام ہے، شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ (اسلام اور جدید معیشت وتجارت: ص/۴۷-۹۱)

مسئلہ (۶): اگر کچھ لوگوں نے مشترکہ طور پر ایئر کنڈیشنر خریدا، اور وہ تمام لوگ ایک ہی کمرے میں رہتے تھے، لیکن بعد میں کچھ لوگ وہاں سے الگ ہونا چاہتے ہیں، تو انہیں مستعمل ایئر کنڈیشنر کی قیمت کے لحاظ سے رقم کا حصہ دیا جائے گا، نہ کہ قیمتِ خرید کے اعتبار سے۔ (ردالمحتار: ۹/۳۱۵)

مسئلہ (۷): کچھ لوگ مشترکہ طور پر ہوٹل چلاتے ہیں، اور ان میں سے کسی ایک شریک کے دوست وغیرہ آکر اسی ہوٹل میں چائے ناشتہ وغیرہ بھی کرتے ہیں، اور وہ شخص (جس کے یہ دوست ہیں) ان سے قیمت نہیں لیتا ہے، اور دوسرے شریک بھی تعلق کی بنا پر کچھ نہیں بولتے، اس کو برداشت کرلیتے ہیں، تو یہ ان کا اس شریک پر احسان ہے، یہ شخص اس احسان کے عوض بے ضابطہ کچھ رقم حسبِ صواب دے دیا کرے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (سنن النسائی: ۱/۲۷۶، سنن أبی داود: ص/۲۳۵)

مسئلہ (۸): ایکسپورٹر کسی چیز کے بنانے کا آرڈر لیتا ہے، لیکن اس کے پاس آرڈر کا مال تیار کرنے اور اسے سپلائی (ڈسکاؤنٹنگ) کرنے کے لیے پیسہ نہیں ہوتا، تو وہ بینک یا مالیاتی ادارہ سے مشارکہ کرتا ہے کہ آپ میرا مالی تعاون کریں اور میں بھی اپنا کچھ پیسہ لگا کر آرڈر کا مال تیار کرتا ہوں، پھر نفع کو آپس میں تقسیم کرلیں گے، تو اس طرح کا معاملہ کرنا یہ شرکت مع المضاربت ہے، جو کہ جائز ہے، کیوں کہ اس صورت میں مضاربت اصل ہے، کہ مال بینک یا مالیاتی ادارے کا ہے، اور محنت ایکسپورٹر کی ہے، لیکن ایکسپورٹر اپنا کچھ مال بھی لگوا رہا ہے، اس لیے اس شرکت کو بالتبع مانیں گے، اور نفع ان کے درمیان ان کی شرط کے مطابق تقسیم ہوگا۔ (صحیح البخاری: ص/۴۰۷، رقم الحدیث: ۲۳۲۵)

مسئلہ (۹): اگر کوئی تجارتی تعمیری کمپنی لوگوں سے نقد رقم مضاربت کے طور پر اس شرط کے ساتھ لیتی ہے کہ وہ اس رقم کو دو سال کے عرصہ میں دوگنی کرکے دے گی، تو اس کا یہ معاملہ شرعاً جائز نہیں ہے، کیوں کہ مضاربت کی ہر ایسی صورت جس میں نفع کی مقدار متعین کردی جائے اور نقصان کا خطرہ قبول نہ کیا جائے جائز نہیں ہے، بلکہ یہ سود ہے، کیوں کہ شریعت نے استحقاق نفع کی بنیاد رسک (Risk) یعنی ضمان پر رکھی ہے، **البتہ** اس معاملے کی جائز صورت یہ ہوسکتی ہے کہ نفع کی قطعی مقدار کے بجائے اس کا تناسب متعین کردیا جائے، مثلاً یہ کہا جائے کہ تمہارے اس سرمایہ پر جو نفع آئیگا اس کا پچاس فیصد میں تمہیں دوں گا، اب مضارب کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ دو سال بعد حساب کرے اور پچاس فیصد کے لحاظ سے جو رقم آئے اسے ادا کرے، خواہ یہ رقم

دوگنی ہو، یا اس سے زیادہ، یا اس سے کم۔ (بدائع الصنائع: ۵/۱۱۰، ۱۱۱)

مسئلہ (۱۰): ہمارے اس علاقے میں مزارعت اور بٹائی کی یہ صورت مروج ہے مثلاً زید کی زمین ہے، وہ بکر سے ایک رقم قرض لیکر اپنی زمین اس کے پاس رہن (گروی) رکھتا ہے، اور بکر زید سے اس کی اسی زمین میں بٹائی کا معاملہ بھی کرتا ہے، کہ زید اپنی اس زمین میں کاشت کرے، جتنے مصارف (اخراجات) ہوں گے بکر اس کو برداشت کرے گا، اور جب کٹ کر تیار ہو جائیگی، تو بکر اس میں سے پہلے اپنے مصارف نکال لیگا، بعد میں جو کچھ بچ جائیگا وہ دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہوگا، جبکہ مزارعت اور بٹائی کی یہ صورت شرعاً ناجائز ہے، کیوں کہ اس میں دو خرابیاں ہیں:

(۱) جس زمین کو گروی رکھا گیا اسی زمین میں بٹائی کا معاملہ کیا جا رہا ہے، جو شرعاً درست نہیں ہے، کیوں کہ گروی رکھی ہوئی زمین سے نہ راہن (گروی رکھنے والا) فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور نہ مرتہن (جس کے پاس گروی رکھی جائے)۔

(۲) زمیندار کو جو رقم کاشت کیلئے دی جا رہی ہے جو درحقیقت قرض ہے، اس کو فصل کٹنے پر واپس لیا جاتا ہے اور جو فصل بچ گئی وہ قرض خواہ اور قرض دار دونوں کے مابین تقسیم کر لی جاتی ہے، جبکہ اس طرح کی بٹائی کا معاملہ شرعاً صحیح نہیں ہے، کیوں کہ یہ قرض خواہ کا اپنے دیئے ہوئے قرض پر سود لینا ہوا، جو شرعاً حرام ہے۔ (منہاج المسلم: ص/۳۰۴)

مسئلہ (۱۱): ہمارے اس علاقے میں مزارعت اور بٹائی کی یہ صورت بھی مروج ہے، مثلاً: زید کی زمین ہے بکر نے اس سے بٹائی کا معاملہ اس طرح کیا کہ کاشت کے جتنے مصارف (اخراجات) ہوں گے بکر اس کو برداشت کرے گا، اور فصل کٹ کر تیار ہو جانے پر پہلے بکر اپنے مصارف اس سے نکال لے گا، بعد میں جو کچھ بچ جائیگا وہ دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہوگا، جبکہ مزارعت وبٹائی کی یہ صورت شرعاً ناجائز ہے، اس لئے کہ زید (زمیندار) کو کاشت کیلئے جو رقم دی جا رہی ہے وہ درحقیقت قرض ہے، کیوں کہ فصل کٹنے پر وہ پوری رقم واپس لی جاتی ہے، اب بکر کا یہ کہنا کہ فصل کٹنے پر وہ اپنے مصارف نکال لے گا اور اس کے بعد جو کچھ غلہ بچے گا دونوں کے مابین آدھا آدھا تقسیم ہوگا، تو یہ اپنے دیئے ہوئے قرض پر سود لینا ہوا، جو شرعاً حرام ہے۔
(فیض القدیر: ۵/ ۲۸، رقم الحدیث: ۶۳۳۶)

مسئلہ (۱۲): مزارعت اور بٹائی کا معاملہ ظاہر الروایۃ کے مطابق صرف تین صورتوں میں جائز ہے:

۱- زمین، بیج ایک کی طرف سے ہو، اور بیل وعمل (محنت) دوسری طرف سے۔

۲- زمین ایک کی طرف سے اور بیل، بیج اور عمل (محنت) دوسری طرف سے۔

۳- زمین، بیل اور بیج ایک کی طرف سے اور عمل (محنت) دوسری طرف سے۔

بشرطیکہ ان میں یہ شرط نہ لگائی گئی ہو کہ کاشتکاری کیلئے روپیہ لگانے والا شخص فصل کٹنے پر پہلے اپنی رقم نکال لے گا، اور بعد میں جو پیداوار بچ جائے گی وہ معاہدے کے مطابق تقسیم ہوگی، کیوں کہ یہ قرض پر سود لینا ہوگا جو شرعاً حرام ہے۔ (ہدایہ:۴/۴۰۹،۴۱۰)

اجارہ کا بیان

مسئلہ (۱): انعقادِ اجارہ کیلئے عاقدین یعنی اجیر اور مستاجر کا عاقل اور سمجھدار ہونا ضروری ہے، اسی وجہ سے اجارہ، مجنون اور صبیٔ غیر ممیّز کی طرف سے منعقد نہیں ہوتا، اور اگر بچہ عاقل اور سمجھدار ہے، اور اس کو اولیاء کی طرف سے لین دین کی اجازت ہے، تو اس صورت میں اگر صبیٔ ممیّز اپنے مال کو اجارہ کے طور پر دے، تو اس کا یہ عقدِ اجارہ منعقد ہوگا، اور اگر اولیاء کی طرف سے اجازت نہ ہو اور صبیٔ ممیّز نے کسی سے عقدِ اجارہ کرلیا، تو یہ عقدِ اجارہ اولیاء کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر اولیاء اس عقد کی اجازت دیدیں تو نافذ ہوگا ورنہ نہیں۔ (بدائع الصنائع:۵/۵۲۴، کتاب الإجارۃ)

مسئلہ (۲): اجارۂ فاسدہ یعنی اجارہ میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانا، مثلاً کرایہ پر لی ہوئی چیز میں جہالت یعنی وقت کا متعین نہ ہونا، یا اجرت کا مجہول ہونا، یعنی اجرت کی تعیین نہ کرنا، یا کرایہ پر لی ہوئی چیز کا مشترک ہونا، اور ان شریکوں میں سے کسی ایک کی اجازت کے بغیر کرایہ پر دیدینا، ان صورتوں میں اگر اجارہ کرلیا تو اجرتِ مثل لازم ہوگی، جبکہ اجرت متعین نہ ہو۔
(درر الحکام:۱/۵۱۳)

مسئلہ (۳): کرایہ کی وصولی کے لئے ضروری ہے کہ جس شیٔ کو کرایہ پر لیا جارہا ہے وہ کرایہ دار کے قبضہ میں ہو، اور جس وقت شیٔ ماجور کرایہ دار کے قبضہ میں آئیگی، اس وقت سے کرایہ دار کے ذمہ اس کا کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا، اس لئے اگر مالک عقد کے بعد کرایہ کا مطالبہ کرے، اور اب تک مالک نے کرایہ دار کو اس شیٔ ماجور پر قبضہ نہیں دیا تو مالک کیلئے کرایہ کا مطالبہ کرنا جائز نہیں، کیوں کہ شیٔ ماٗجور پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی اجرت شرعاً لازم نہیں ہوتی، چنانچہ کرایہ کی چیز پر قبضہ کیلئے چار چیزوں میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک چیز بھی نہ پائی جائے، تو کرایہ دار پر اس کا کرایہ لازم نہیں ہوگا، وہ چار چیزیں یہ ہیں:

۱۔ شیٔ ماجور کرایہ دار کے قبضہ میں اس طرح آئے کہ کرایہ دار کیلئے اس چیز کا استعمال کرنا ممکن نہ ہو، یا اسی طرح اگر مالک کی طرف سے کوئی ایسا سبب پایا گیا کہ جس کی وجہ سے کرایہ دار اس کو استعمال نہ کرسکے، یا کسی وجہ سے استعمال کرنے میں رکاوٹ ہو تو پھر کرایہ دار پر اس کا کرایہ لازم نہیں ہوگا۔

۲۔ عقدِ اجارہ صحیح ہو، فاسد نہ ہو، اگر عقدِ اجارہ صحیح ہو تو مکمل قبضہ کے بعد سے کرایہ دار پر اس کا کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا،

اگر چہ کہ کرایہ دار اس شیٔ ماجور کا استعمال شروع نہ کرے، ہاں اگر عقد فاسد ہو تو محض قبضہ سے کرایہ لازم نہیں ہوگا، جب تک کہ اس شیٔ ماجور کو استعمال میں نہ لائے۔

۳۔ کرایہ دار کو قبضہ دینے کا جو وقت طے کیا گیا، اگر اس وقت کرایہ دار کو قبضہ نہیں دیا، تو کرایہ دار پر اس کے کرایہ کی ادائیگی بھی لازم نہیں ہوگی، کیوں کہ اس کی مطلوبہ مدت کے بعد وہ شیٔ اس کے قبضۂ قدرت میں آئی ہے۔

۴۔ کرایہ دار کو جس جگہ قبضہ دینا طے ہوا تھا، اگر اس جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ قبضہ دیا گیا تو بھی کرایہ دار پر اس کا کرایہ لازم نہیں ہوگا۔ (درر الحکام: ۱/ ۵۴۵، کتاب الإجارۃ)

مسئلہ (۴): عام طور پر اکثر و بیشتر ممالک میں پل سے گزرنے کا کرایہ وصول کیا جاتا ہے، شرعی طور پر ''اجارۃ التعاطی'' کی صورت پائے جانے کی وجہ سے علماء نے اس کو جائز لکھا ہے اور اب تو اس کا عام رواج ہوگیا ہے، نیز شرعاً کوئی قباحت بھی نہیں، لہٰذا کرایہ لینا اور دینا دونوں شرعاً جائز ہے۔ (فتاوی ہندیہ: ۴/ ۴۰۹)

مسئلہ (۵): دنیا کے اکثر ممالک میں اور خاص طور پر غریب ممالک میں سڑک (Road) سے گزرنے کا بھی کرایہ وصول کیا جاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ جب گاڑی سڑک پر پہونچتی ہے تو وہاں پر کاؤنٹر بنے ہوئے ہوتے ہیں، گاڑی والا کاؤنٹر سے ٹکٹ لے کر یکمشت پہلے ہی اس کی قیمت ادا کر دیتا ہے اور ایجاب وقبول زبانی نہیں ہوتا ہے بلکہ معاطاۃ کے ذریعہ ہوتا ہے، جو کہ شرعاً اجارہ میں بھی جمہور فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔

۲۔ گاڑی کاؤنٹر (Counter) سے گزرتے وقت صرف ایک ٹوکن دیا جاتا ہے، جب گاڑی اس سڑک کو چھوڑ کر دوسری سڑک پر آتی ہے تو سڑک کے اختتام پر بھی کاؤنٹر ہوتے ہیں، تو اس کاؤنٹر والے فی میل (Per mile) یا فی کلومیٹر (Per k.m.) کے حساب سے اس گاڑی کے سڑک پر سے گزرنے کا کرایہ وصول کرتے ہیں، تو یہاں پر بھی فی کلومیٹر کے حساب سے اجرت اور منفعت معلوم ہو جاتی ہے، اور اس میں ایجاب وقبول بذریعۂ تعاطی ہوتا ہے، لہٰذا شرعی اعتبار سے اس طریقہ میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے اور یہ صورت بھی شرعاً جائز ہے۔ (ردالمحتار: ۷/ ۲۷، البحر الرائق: ۵/ ۴۴۰)

مسئلہ (۶): آج کل پلوں کے اجارہ کی ایک جدید صورت رائج ہے جس کو انگریزی میں (Built Operate Transfer) کہا جاتا ہے، جس کا مخفف بی، او، ٹی (B.O.T) ہے، اس طریقۂ کار کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ کمپنی اور کسی ملک کے درمیان یہ معاہدہ (Agreement) ہوتا ہے کہ کمپنی (Company) ملک میں کوئی پل (Bridge) یا سڑک (Road) تعمیر

کریگی اور اس ملک سے اس پل پر آنے والے اخراجات میں سے کچھ بھی وصول نہیں کیا جائیگا، بل کہ یہ کمپنی سرمایہ (Capital) بھی خود فراہم کرتی ہے اور اپنے ہی مزدور (Labour) لگا کر سڑک یا پل تعمیر کرتی ہے اور اس کے معاوضہ کے طور پر اس ملک سے یہ معاہدہ کرتی ہے کہ اس پل یا سڑک سے گزرنے کا کرایہ مثال کے طور پر بیس سال تک ہم لیتے رہیں گے، بیس سال کے بعد یہ پل اور اس کا کرایہ اس ملک کو ملے گا، اس طرح پل یا سڑک تعمیر ہونے کے بعد تعمیر کرنے والی کمپنی (Constraction Company) کے قبضہ ہی میں رہتا ہے اور اس کا کرایہ بھی وہی کمپنی وصول کرتی ہے، بیس سال (یا اس کے علاوہ جو بھی کوئی مدت فریقین باہم طے کرلیں) کے بعد وہ پل یا سڑک اس ملک کے قبضہ میں آجاتی ہے، اس طریقہ سے اس ملک کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس کا سرمایہ (Capital) اور محنت دونوں ہی بچ جاتے ہیں اور ایک نئی تعمیر وجود میں آجاتی ہے، یہ معاملہ دنیا کے بیشتر ممالک میں کیا جارہا ہے، جیسے ہندوستان میں سوپر ہائیوے، بروڈہ سے احمد آباد اسی عقد کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ **حاصل** یہ ہے کہ منفعت کے ذریعہ اجرت کی ادائیگی تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے، لہذا اگر بی، او ٹی (B.O.T) میں بھی منفعت ہی کو اجرت بنایا جائے اور اس طرح بی، او، ٹی (B.O.T) کا معاہدہ کیا جائے تو شرعاً جائز ہوگا۔ (ردالمحتار:۹/۸۵)

مسئلہ (۷): کارپارکنگ (Carparking) کا کرایہ آج کل معمول بن چکا ہے، اس کی دو صورتیں رائج ہیں:

(۱) گاڑی کا ایک متعین کرایہ وصول کیا جاتا ہے، چاہے گاڑی کتنی دیر تک پارکنگ (parking) میں کیوں نہ رہے،

(۲) کارپارکنگ کا کرایہ فی گھنٹہ (Per hour) کے حساب سے وصول کیا جاتا ہے۔

مذکورہ دونوں صورتوں کے جواز میں شرعاً کوئی شبہ نہیں، کیوں کہ پہلی صورت میں منفعت اور اجرت دونوں ہی متعین ہیں اور ایجاب وقبول بھی تعاطی کے ذریعہ ہوا ہے، **لیکن** ان دونوں صورتوں میں سے پہلی صورت پر یہ اشکال ہے کہ اس میں ایک متعین کرایہ وصول کیا جاتا ہے، مگر عاقدین کے مابین مدت کے بارے میں کوئی گفتگو تحریری یا زبانی نہیں ہوتی، لہذا جب مدتِ اجارہ مجہول ہوئی تو اس سے عقدِ اجارہ بھی درست نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ اجارہ میں مدتِ اجارہ کی تعیین ایک بنیادی شرط ہے جو یہاں مفقود ہے؟...... **چنانچہ** اس اعتراض کا حل یہ ہے کہ پہلی صورت میں مدتِ اجارہ مجہول نہیں ہے بلکہ معلوم ہے اور وہ اس طرح کہ جو ٹکٹ (Ticket) کرایہ لیکر دیا جاتا ہے وہ صرف اس روز کے لیے ہوتا ہے جس دن یہ خریدا گیا ہے، اور اکثر مقامات میں ٹکٹ پر اس دن کی تاریخ بھی درج ہوتی ہے، اس طرح مدتِ اجارہ زیادہ سے زیادہ صرف اس دن کے ختم تک کے لیے ہوتی ہے۔ **دوسری** صورت میں گاڑی کا کرایہ فی گھنٹہ (Per houre) کے حساب سے لیا جاتا ہے، اس صورت میں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ جب گاڑی پارکنگ میں آکر کھڑی ہوتی ہے تو خود گاڑی والے کو بھی بسا اوقات یہ معلوم نہیں ہوتا کہ میرا کام

یہاں کتنی دیر کا ہے، اس لیے وہ گاڑی کھڑی کرتے وقت حتمی طور پر مدت متعین نہیں کر سکتا، تو پھر یہاں بھی مدتِ اجارہ مجہول ہوئی جس کی وجہ سے عقدِ اجارہ جائز نہیں ہونا چاہئے۔...... **اس** کا شرعی اعتبار سے حل یہ ہوگا کہ جس وقت اس نے گاڑی پارک کی ہے اس وقت تو یہی سمجھا جائے گا کہ یہ گاڑی صرف اسی ایک گھنٹہ کے لئے کھڑی ہوتی ہے، لیکن جب یہ گھنٹہ مکمل ہو جائے اور اگلا گھنٹہ گزر جائے، تو پھر یہ عقد دوسرے گھنٹے کیلئے بھی ہو جائے گا، پھر دوسرے کے بعد تیسرا گھنٹہ شروع ہو جائے تو یہ عقد تیسرے میں بدل جائے گا، چنانچہ جب گاڑی پارکنگ ایریا (Parking Area) سے باہر نکالی جائے تو اس وقت مکمل مدت کا حساب لگا کر فی گھنٹہ (Per hour) کے حساب سے اس سے اجرت لی جائیگی۔ (دررالحکام: ۱/۵۶۲، المادۃ: ۴۸۸)

مسئلہ (۸): آج کل کار پارکنگ (Car Parking) کا سالانہ یا ماہانہ معاہدہ بھی اکثر ہونے لگا ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ حضرات جو روزانہ کسی جگہ پر اپنی گاڑیاں پارک کرتے ہیں تو وہ پارکنگ کے مالکان سے ماہانہ یا سالانہ کار پارکنگ (Car Parking) کا معاہدہ کر لیتے ہیں اور اس معاہدہ میں ایجاب وقبول، کرایہ کا تعین، مدت کا تعین زبانی یا تحریری ہوتا ہے، موجر اور مستاجر دونوں میں سے ہر ایک عقد کی جملہ تفصیلات طے کر کے عقد کرتے ہیں، تو یہ ماہانہ یا سالانہ معاہدہ کرنا شرعاً بالکل جائز اور درست ہے، اگر ایجاب وقبول، کرایہ یا مدت ان تینوں میں سے کوئی ایک چیز بھی واضح اور طے شدہ نہ ہوتی تو پھر عقد میں جہالت کی وجہ سے عقد جائز نہ ہوتا، اس لیے اس طرح کا عقد کرتے وقت ان چیزوں کو وضاحت کے ساتھ طے کر لینا ضروری ہے۔ (المغنی لابن قدامۃ: ۵/۲۶۲)

مسئلہ (۹): ریلوے اسٹیشن (Railway Station) میں پلیٹ فارم پر جانے کا کرایہ وصول کیا جاتا ہے، چونکہ ریلوے اسٹیشن (Railway Station) محکمۂ ریلوے کی ملکیت میں ہوتا ہے، لہذا اس کا کرایہ وصول کرنا جائز ہوگا، نیز اس وجہ سے بھی کہ اس میں مدت، منفعت اور کرایہ سب ہی متعین ہے، اور یہ ٹکٹ (Ticket) صرف اسی دن کیلئے کارآمد ہوگا جس دن کی تاریخ (Date) اس پر ڈالی گئی۔ (الفتاوی الہندیۃ: ۴/۴۱۱)

مسئلہ (۱۰): جہاز جب ایئر پورٹ پر اترتا ہے تو اس کا بھی کرایہ وصول کیا جاتا ہے، اور جتنی دیر تک جہاز ایئر پورٹ پر موجود رہتا ہے تو اس کا بھی کرایہ فی گھنٹہ (Per hour) کے حساب سے وصول کیا جاتا ہے، اس میں کرایہ، منفعت، مدت، ہر چیز طے شدہ ہوتی ہے، اس لئے اس کے جواز میں شرعاً کوئی شک نہیں، ہاں البتہ ایئر پورٹ پر کھڑا جہاز اگر تاخیر سے روانہ ہو تو اس تاخیر کا جرمانہ اس ایئر لائن (Airline) سے وصول کیا جاتا ہے، اس جرمانہ کی صورتِ حال یہ ہوتی ہے کہ مقررہ وقت سے جتنا اضافی وقت لگا ہے، اتنے وقت کا کرایہ مع جرمانہ طے شدہ معاہدہ کے مطابق وصول کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر شیڈول

کے مطابق جہاز اترنے اور کھڑے رہنے کا کرایہ فی گھنٹہ دس ہزار روپئے ہے، اور تاخیر کی صورت میں فی گھنٹہ پندرہ ہزار روپئے ہے، شرعی اعتبار سے یہ صورت بھی شرعاً جائز ہے، کیوں کہ تاخیر کی صورت میں اضافی رقم کی ادائیگی درحقیقت عقد ہی کا حصہ ہوگا، یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے، کہ اگر کوئی شخص درزی کے پاس جائے اور کہے کہ تم نے آج اگر یہ کپڑا تیار کر کے دیدیا تو اس کی اجرت دو درہم ہے، اور اگر آئندہ کل تیار کر کے دوگے تو اس کی اجرت ایک درہم ہوگی، یہ صورت فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق جائز ہے، بالکل اسی طرح یہ معاملہ بھی ہے کہ اگر جہاز تاخیر سے روانہ ہوگا، تو فریقین کو پہلے سے معلوم ہوگا کہ اس تاخیر میں کتنا کرایہ لازم ہوگا، غرض یہ کہ کسی بھی مرحلہ پر کرایہ میں یا مدت میں جہالت نہ ہوگی، جو بھی صورتِ حال پیش آئیگی اس کا معاملہ فریقین افہام وتفہیم سے طے کر چکے ہوتے ہیں، کوئی جہالت ایسی باقی نہیں رہتی جو باہمی تنازع کا سبب ہو، لہذا یہ صورت بھی شرعاً جائز ہوگی۔ (المبسوط للسرخسی: ۱۵/۱۱۲)

مسئلہ (۱۱): دوکاندار کا اپنی دوکان کے سامنے اشیاء فروخت کرنے والے سے وہاں کھڑے ہونے کی اجرت لینا جائز نہیں، کیوں کہ دوکان کے سامنے کی جگہ تو عام استعمال کے لئے ہوتی ہے، دوکاندار کی ملکیت میں نہیں ہوتی، اور کرایہ صرف اپنی ملکیت کی اشیاء کا وصول کرنا جائز ہے، ہاں اگر وہ جگہ دوکاندار کی ذاتی ملکیت میں ہے تو پھر کرایہ وصول کرسکتا ہے۔

(درر الحکام: ۱/۹۸، المادۃ: ۹۷، اسلام کا قانون اجارہ: ۴۴۰)

مسئلہ (۱۲): مالکِ مکان یا دوکان پگڑی کی بجائے پیشگی رقم (Advance payment) کے نام سے کچھ رقم کرایہ دار سے وصول کرتا ہے، اور یہ شرط لگاتا ہے کہ جب کرایہ دار مکان واپس کرے گا تو یہ رقم بھی واپس کردی جائیگی، البتہ اس پیشگی رقم کو ہم امانت تصور کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں شرعاً یہ جائز ہے، اس صورت میں کرایہ دار کیلئے اس رقم کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہ ہوگا، اور اگر کرایہ دار کو مالک یہ رقم بطور قرض کے دیدے تو پھر اس رقم کو چونکہ مکان کی مدتِ اجارہ کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے، اس لئے اس قرض میں تاجیل ہوئی، اور یہ حضراتِ حنفیہ رحمہم اللہ کے یہاں جائز نہیں ہے، جبکہ فقہائے شافعیہ رحمہم اللہ کے نزدیک قرض میں مدت مقرر کرنا جائز ہے، حضراتِ مالکیہ رحمہم اللہ کے نزدیک تاجیل صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے، سلف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عطاء رحمہ اللہ، حضرت عمرو بن دینار رحمہ اللہ وغیرہم اہلِ علم حضرات بھی قرض میں تاجیل کے قائل ہیں، البتہ ہمارے زمانہ کے تعاملِ ناس اور ضرورت کے پیشِ نظر جمہور کی رائے قبول کرلی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (النتف فی الفتاوی: ص/۳۵۱)

مسئلہ (۱۳): اگر کرایہ دار خود پگڑی دیئے بغیر مکان حاصل کرے اور دوسرے کرایہ دار سے پگڑی لے کر کرایہ پر دینا

چاہے یا مالکِ مکان کرایہ داری کا معاملہ ختم کر کے اپنی چیز کو واپس لینا چاہے اور کرایہ دار اس سے یعنی اصل مالک سے پگڑی کے نام پر رقم حاصل کرنا چاہے تو یہ ناجائز اور حرام ہے، جیسا کہ آج کل عام ہو چکا ہے، یاد رکھیں یہ رقم جو اصل مالک سے یا دوسرے کرایہ دار سے وصول کی جا رہی ہے حرام ہے، اس کا لینا کرایہ دار کیلئے بالکل جائز نہیں ہے، **البتہ** ایک کرایہ دار دوسرے کرایہ دار سے رقم (پگڑی کے نام پر) اس وقت لے سکتا ہے جبکہ موجودہ کرایہ دار نے اس مکان یا دوکان میں کوئی تعمیری کام کرایا ہو، **اگر** موجودہ کرایہ دار نے اس مکان میں کوئی تعمیری کام نہ کرایا ہو تو دوسرے کرایہ دار سے پگڑی نہیں لے سکتا، نیز موجودہ کرایہ دار مالکِ مکان سے پگڑی کی رقم کسی بھی صورت میں نہیں لے سکتا ہے۔ (المبسوط:۱۵/۱۳۰)

مسئلہ (۱۴): اگر کوئی شخص زمین کو متعین مدت اور متعین اجرت کیساتھ کرایہ پر لے تو عرفِ عام میں اس کو پٹہ کہا جاتا ہے، اگر اس میں اجارہ کی تمام شرائط کامل طریقہ سے پائی جائیں، تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں اور یہ معاملہ مدتِ اجارہ ختم ہونے سے یا زمیندار یا کرایہ دار کی موت واقع ہونے سے ختم ہو جاتا ہے، پھر کرایہ دار کو اپنا قبضہ برقرار رکھنے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

(مجموعۃ رسائل ابن عابدین:۲/۱۴۸)

مسئلہ (۱۵): اگر کسی شخص نے کسی سے بطورِ زراعت زمین لی ہو اور مدتِ اجارہ ختم ہو جائے یا فسخ ہو جائے اور کھیتی تیار ہونے میں کچھ وقت باقی ہو، تو مستاجر کو اجازت ہے کہ وہ کھیتی تیار ہونے کے بعد زمین واپس کرے، کیوں کہ پہلے واپس کرنے میں مستاجر کو نقصان ہے، لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جتنا وقت فسخِ اجارہ یا اختتامِ اجارہ کے بعد گزرے گا اس کی اجرتِ مثل کرایہ دار کے ذمہ واجب ہوگی، اس میں فریقین کی رعایت ہے، موجر کی رعایت تو اس طرح ہے کہ اس کو زمین کی اجرتِ مثل ملیگی اور کرایہ دار کی رعایت اس طرح ہے کہ اس کو کھیتی تیار ہونے تک کی مہلت مل جائیگی، البتہ اگر فریقین میں سے کسی کا انتقال ہونے کی وجہ سے معاملہ فسخ (Termination) ہوا ہے تو پھر کرایہ دار طے شدہ اجرت ہی دیگا، اور اگر یہ عقد اجارہ علی العمل ہو یعنی کسی شخص کو کوئی کام کرنے کیلئے اجرت پر رکھا گیا ہو اور پھر اجارہ کو منسوخ کر دیا گیا ہو تو چوں کہ اجارہ میں تنسیخ (Termination) جانبین کی رضامندی سے ہوتی ہے کوئی ایک فریق تنہا اپنی مرضی سے اجارہ کو ختم نہیں کر سکتا، تو ایسی صورت میں جانبین کو یہ چاہیے کہ وہ فسخِ اجارہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کے مفادات (Interest) کو سامنے رکھے۔ (المبسوط:۱۵/۷۹)

مسئلہ (۱۶): زمین کو چند شرطوں کے ساتھ کاشت کے لئے کرایہ پر دینا جائز ہے:

(۱) زمین کا قابلِ کاشت ہونا، (۲) کرائے پر دی جانے والی زمین میں کاشت کی جانے والی چیز کی تعیین، (۳) کتنی مدت کیلئے کرایہ پر لیا جا رہا ہے اس کی تعیین، (۴) متعینہ مدت کی اجرت کی تعیین۔ **اگر** ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اجارہ

اُرض (زمین کا اجارہ) فاسد ہو جائیگا، مثلاً: زمین کے اجارہ کے وقت مدتِ اجارہ طے نہ ہوئی، یعنی یہ طے نہ ہوا کہ اس زمین کو کتنی مدت کیلئے اجارہ پر لیا جا رہا ہے، یا اس کی اجرت غیر متعین رہی تو پھر جہالت کی وجہ سے یہ عقد فاسد ہو جائیگا، اسی طرح زمین میں کیا کاشت کی جائیگی، اس کی تعیین بھی ضروری ہے، عدمِ تعیین کی بنا پر اجارہ فاسد ہوگا، ہاں! اگر مستاجر کو اختیار دیدیا گیا کہ جو اس کا مَن چاہے کاشت کرے، اس صورت میں عقد درست ہوگا، لیکن اگر کسی نے نہ تعیین کی نہ تعمیم کی تو پھر یہ عقد فاسد ہو جائیگا۔
(بدائع الصنائع: ۶/ ۲۰، ۲۱)

مسئلہ (۱۷): پٹہ دوامی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص حکومت یا کسی وقف کے ادارے یا بیت المال یا کسی کی شخصی ملکیت سے کوئی زمین متعین کرایہ کے ساتھ لے لے، اس عقد میں زمیندار کرایہ دار کے نام پر لکھ کر دے دیتا ہے کہ یہ زمین ہمیشہ ہمیش کیلئے کرایہ دار کو دی جا رہی ہے، جس کے بعد کرایہ دار اور زمیندار اس بات سے بخوبی واقف رہتے ہیں کہ زمین پر اب ملکیت تو زمیندار کی رہے گی، لیکن اس کو ہمیشہ کیلئے استعمال کرنے کا حق کرایہ دار کے پاس ہی رہے گا، اور یہ معاملہ زمیندار یا کرایہ دار میں سے کسی ایک کی موت سے بھی ختم نہیں ہوتا، بلکہ استعمال کا یہ حق ایک نسل کے بعد دوسری نسل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور زمیندار کرایہ دار سے اس زمین کو کبھی بھی اس کی رضامندی کے بغیر واپس نہیں لے سکتا، فقہائے متأخرین نے جن صورتوں میں پٹہ دوامی کی اجازت دی ہے وہ صورتیں درجِ ذیل ہیں:

۱- جس زمین یا مکان کو پٹہ دوامی کے طور پر دیا گیا ہے، وہ عقد کے شروع ہی سے پٹہ دوامی کے طور پر دیا گیا ہو، اور کرایہ دار کو مالک نے اس امر کی یقین دہانی کرا دی ہو کہ کرایہ دار کا قبضہ اس پر سے ختم نہیں کیا جائیگا۔

۲- کرایہ دار نے مالک کی اجازت سے قبضہ ختم نہ کرنے کی یقین دہانی کے بعد، اس زمین پر اپنا روپیہ اور محنت لگائی ہو، اور کوئی مستقل پائیدار عین قائم کر دی ہو، مثال کے طور پر زمین ہموار کر کے اس میں کوئی کنواں یا نہر، یا حوض، یا عمارت وغیرہ تعمیر کر لی ہو۔

۳- پٹہ دوامی اوقاف کی زمین میں ہو، یا یہ زمین بیت المال کی ملکیت میں ہو، یا ایسی کرایہ کی زمین میں بھی پٹہ دوامی کیا جا سکتا ہے جس میں مالک نے کرایہ دار کو قبضہ ختم نہ کرنے کی یقین دہانی کروا کر پٹہ دوامی لکھ دیا ہو، جس کی بنیاد پر اس نے اس زمین پر کوئی پائیدار عین تعمیر کر لی ہو، ان شرائط کے ساتھ زمین کو پٹہ دوامی پر دینا شرعاً جائز ہے، اور کرایہ دار کا قبضہ اس وقت تک ختم کرنا جائز نہ ہوگا، جب تک کہ وہ مندرجہ ذیل شرائط کی پابندی نہ کرے:

(الف) جائداد کا متعین کرایہ یا بٹائی کا حصہ پابندی سے ادا کرتا ہے۔

(ب) کرایہ دار یا کاشتکار کیلئے لازم ہے کہ وہ اس زمین کی وہ اجرت ادا کرتا رہے جو اس وقت اس جائداد کی عرف ورواج میں

ہو، یعنی اجرتِ مثل ادا کرتا رہے، اگر اس جائداد کا کرایہ معاملہ کرنے کے بعد بڑھ جائے تو کرایہ دار کیلئے بھی لازم ہوگا کہ وہ بھی اس جائداد کا کرایہ بڑھادے، اور عرف ورواج کے مطابق کرایہ ادا کرتا رہے، لیکن یہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جائداد کی اجرتِ مثل میں اس حالت کا اعتبار کیا جائے گا جو کرایہ دار کے اس زمین میں عمل اور تصرف کرنے سے پہلے تھی، مثال کے طور پر ایک کرایہ دار نے زمین دس ہزار (10,000) روپئے ماہانہ کرایہ پر لی، بعد میں ایسی ہی حالت وصفت والی زمین کا کرایہ بارہ ہزار (12000) روپیہ ہوگیا، تو اب کرایہ دار کے لیے اس زمین کا کرایہ بارہ ہزار (12000) روپئے ہی ادا کرنا ضروری ہوگا، کاشتکار یا کرایہ دار کے عمل سے اس زمین کے کرایہ میں اگر کوئی اضافہ ہوا ہے تو اس کا اجرتِ مثل میں اعتبار نہیں کیا جائیگا، بلکہ اس عمل اور تصرف سے پہلے کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے اجرتِ مثل کا تقرر ہوگا۔

(ج) کاشتکار یا کرایہ دار اس زمین کو تین سال تک معطل نہ چھوڑے۔

اگر شرائطِ مذکورہ میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کی گئی تو کرایہ دار یا کاشتکار کا اس زمین پر سے دائمی حقِ استعمال ختم ہوجائیگا، اور اگر اس نے ان شرائط کی پابندی کی، تو اس کا اس جائداد پر دائمی حقِ استعمال ثابت ہوجائے گا، اور اس کے انتقال کے بعد یہی حق اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوجائیگا، لیکن یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ پٹہ دوامی میں جائداد پر جو دائمی ''حق'' کرایہ دار کو ملتا ہے اور اس کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوجاتا ہے وہ ملکیت کے ساتھ نہیں ہوتا، بلکہ ملکیت تو درحقیقت اصل مالک کی ہی رہتی ہے، اور اس زمین یا جائداد کو استعمال کرنے کا حق پٹہ دوامی میں کرایہ دار کو ملتا ہے، اس کے انتقال کے بعد یہی حق ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے، چونکہ پٹہ دوامی میں ملکیت نہیں ہوتی بلکہ ''حق'' ہوتا ہے، اسی لیے کرایہ دار کے انتقال کے بعد فقہاء کے نزدیک یہ حق ورثاء میں سے صرف لڑکوں کو ملے گا، لڑکیوں اور دوسرے ورثاء کو یہ حق منتقل نہیں ہوگا، **جب** کہ بعض فقہاء کے نزدیک لڑکے نہ ہونے کی صورت میں لڑکی اور اگر وہ نہ ہو تو حقیقی باپ، بھائی کو، اور وہ بھی نہ ہو تو حقیقی ہمشیرہ کو اور وہ بھی نہ ہو تو ماں کو حق دیا جائیگا۔

نوٹ-: پٹہ دوامی کی صورت چوں کہ اصل ضابطۂ اجارہ اور فقہاء کی ذکر کردہ تصریحات کے مطابق نہیں ہے، اس لیے فقہاء نے اجارہ کی اس صورت کو ناجائز کہا ہے، البتہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے مختلف فقہاء کی عبارتیں اس صورت کے عدمِ جواز پر نقل کی ہیں، پھر قنیہ سے اس کا جواز ثابت کیا ہے، اور اس کے جواز کی تائید میں امام خصاف رحمہ اللہ کی عبارت پیش کی ہے۔ **چونکہ** فقہاء کی عبارات اس مسئلہ میں مختلف ہیں اور ان کے درمیان اضطراب پایا جاتا ہے، اس لیے ان عبارتوں کے درمیان اس طرح تطبیق دی جائے گی کہ جن عبارتوں سے پٹہ دوامی کا عدمِ جواز ثابت ہوتا ہے، ان کا مطلب یہ سمجھا جائیگا کہ چونکہ پٹہ دوامی کی

عمومی نوعیت عام شرعی ضابطوں کے خلاف ہے اس لئے یہ صورت نا جائز ہوگی، اور جن عبارتوں سے پٹہ دوامی کا جواز ثابت ہوتا ہے، ان کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ ان سے مراد وہ خاص صورتیں ہیں جن کو اوپر بیان کیا گیا، اس لئے اگر ان خاص صورتوں کے مطابق پٹہ دوامی کو اختیار کیا جائے تو جائز طریقۂ کار کی وجہ سے وہ مستثنیٰ ہوگی، اور فقہاء کرام کے فتویٰ کے مطابق جائز ہوگی۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین: ۲/ ۱۴۷۔۱۵۴، اسلام کا قانون اجارہ: ۳۹۰)

مسئلہ (۱۸): اجارۃ الاعیان سے مراد چیزوں کو کرائے پر دینا، گاڑی کو کرائے پر دینا، اس میں ملکیتِ مالک باقی رہتی ہے، مستاجر صرف منفعت پر قابض ہوتا ہے۔ اجارۃ الأعیان کے صحیح ہونے کے لئے چند شرائط ہیں:

۱- عقد، منفعتِ مباحہ پر ہو، جیسے کسی کو دوکان، دکانداری کے لئے، یا دھوبی کام کیلئے دینا، اگر شراب بیچنے کیلئے مکان و دوکان کرائے پر دیا تو یہ جائز نہ ہوگا، اور حاصل ہونے والی اجرت بھی حرام شمار کی جائیگی، اسی طرح سودی بینک یا انشورنس آفس، یا غیر مسلم کی عبادت گاہ کے لیے کرایہ پر دینا وغیرہ جائز نہیں بلکہ حرام ہوگا، اسی طرح گانا بجانا، موسیقی، نوحہ خانی وغیرہ امور کے لیے کرایہ پر دینا اور اجرت لینا جائز نہ ہوگا۔

۲- مدت متعین ہو، تاکہ بعد میں جھگڑا و فتنہ پیدا نہ ہو۔

۳- لیز (Lease) یعنی اجارہ پر دی جانے والی چیز کا ذوات القیم میں سے ہونا ضروری ہے۔

۴- لیز (Lease) یعنی اجارہ کے صحیح ہونے کیلئے یہ ضروری ہے کہ لیز (اجارہ) پر دی گئی چیز مؤجر (Leaser) ہی کی ملکیت میں رہے، اور مستاجر (Lease holder) کو صرف حقِ استعمال منتقل ہو۔

لہٰذا ہر ایسی چیز جسے صَرف یعنی ختم کئے بغیر یا اپنے پاس سے نکالے بغیر استعمال نہیں کیا جاسکتا، ان کی لیز (Lease) بھی نہیں ہوسکتی، اسی لئے نقد رقم، کھانے پینے کی اشیاء، ایندھن اور گولہ بارود وغیرہ کو لیز (Lease) یعنی کرایہ پر دینا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ انہیں خرچ کئے بغیر ان کا استعمال ممکن نہیں، اور اگر ان مذکورہ اشیاء میں سے کوئی چیز لیز (اجارہ) پر دے دی گئی تو اسے قرض سمجھا جائے گا، اور قرض کے سارے احکام اس پر جاری ہوں گے، اس غیر صحیح لیز (اجارہ) پر جو بھی کرایہ لیا جائیگا، وہ قرض پر لیا جانے والا سود ہوگا۔

۵- لیز (Lease) پر دی گئی جائیداد مؤجر (Leaser) کی اپنی ذاتی ہو۔

۶- مستاجر (Lease holder) کی طرف سے اس چیز کے غلط استعمال، غفلت و کوتاہی کی وجہ سے جو نقصان ہو تو وہ اس کا معاوضہ دینے کا ذمہ دار ہوگا۔

۷- لیزنگ (Leasing) میں، مالک طے شدہ چیز کو، طے شدہ مدت کیلئے، مستاجر (Lease Holder) کے قبضہ میں انتفاع کیلئے کسی طے شدہ عوض کے ساتھ دیدے۔

۸- لیز پر دی جانے والی چیز کا اچھی طرح متعین ہونا ضروری ہے۔

۹- لیز (Lease) پر دی جانے والی چیز مدت کے دوران مؤجر (Leaser) کے ضمان (Risk) میں رہے گی، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی سبب سے نقصان ہوجائے، جو مستاجر (Lease Holder) کے اختیار سے باہر ہو، تو یہ اختیار مؤجر (Laser) یعنی مالک برداشت کرے گا۔ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۳۸۲۲/۵)

مسئلہ (۱۹): استعمالی اشیاء کا اجارہ جائز ہے، بشرطیکہ مدتِ اجارہ اور اجرت متعین ہو، مثال کے طور پر کوئی شخص ڈیکوریشن (Decoration) کا سامان، یا اسلحہ، یا اشیاء منقولہ میں سے کوئی چیز کرایہ پر لے، تو اس کے لئے ضروری ہے کہ مدتِ اجارہ اور اجرت کو متعین کرے، نیز اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس چیز کا استعمال عرف وعادت کے مطابق ہی کرے، مثلاً: گاڑی کرایہ پر لی تو اس کو ان راستوں پر چلائے جہاں عام طور پر گاڑیاں چلتی ہیں، نہ کہ ایسی جگہ جہاں گاڑیاں نہ چلتی ہوں، لہذا اگر غیر معروف راستہ پر گاڑی چلانے کی وجہ سے کوئی نقصان ہوجائے تو مستأجر ضامن ہوگا، اسی طرح اگر موجر اور مستاجر کے مابین یہ طے ہوجائے کہ وہ اشیاء ماجور کو فلاں کام کے لئے استعمال کریگا، لیکن عقد کرنے کے بعد مستاجر نے کرایہ پر لی ہوئی شئ سے وہ کام نہ لیا، بلکہ دوسرے کام میں استعمال کیا اور کوئی نقصان ہوگیا، تو اس صورت میں بھی مستاجر ضامن ہوگا۔

(درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام: ۶۱۹/۱)

مسئلہ (۲۰): آج کل بہت سے بینک اور کمپنیاں، مشینری، گاڑیاں اور مختلف ذرائعِ حمل ونقل کا اجارہ کرتی ہیں، اجارہ کرتے وقت وہ مختلف شرائط وضوابط پر مشتمل ایک معاہدہ (Agreement) تیار کرتی ہیں، جن پروجیکٹ (Project) یا مشنری (Machinery) کو بینک (Bank) یا لیزنگ کمپنی (Leasing Company) کرایہ داری پر دینا چاہتی ہے، تو وہ خواہش مند کمپنی سے ایک معاہدہ (Agreement) کرتی ہے، اس کے بعد بینک اس کمپنی کو اپنا مطلوبہ سامان بینک یا لیزنگ کمپنی (Leasing Company) کے اپنے نام پر خریدنے کی اجازت دے دیتا ہے (جس کے مصارف کی تعیین معاہدہ میں طے شدہ ہوتی ہے) معاہدہ کے مطابق بینک یا لیزنگ کمپنی سپلائرز (Supplyer,s) کو اس مال کی قیمت طے شدہ مدت کے اندر براہِ راست ادا کردیتی ہے۔ اس کے جواز وعدمِ جواز کی دو صورتیں ہیں:

۱- پہلی صورت تو یہ ہے کہ بینک یا لیزنگ کمپنی اشیاء اور سامان خود خرید کر بحیثیتِ مالک اس پر خود قبضہ بھی کرلے، اور

پھر اجرت و مدتِ معلومہ کے ساتھ اپنے گاہک کو کرایہ پر دیدے، چونکہ ان اشیاء کو بینک دوسرے شخص کو کرایہ پر دیتا ہے، اس لئے مدتِ اجارہ پوری ہو جانے کے بعد یہ اشیاء دوبارہ بینک کے قبضہ میں آجائیں گی، اس کے بعد فریقین کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ دو بارہ عقدِ اجارہ از سرِ نو کرلیں، یا فریقین آپس میں اس وقت کوئی ثمن طے کر کے عقدِ بیع کرلیں، بینک کو یہ بھی اختیار حاصل ہوگا کہ وہ ان اشیاء اور سامان کا کسی اور گاہک کے ساتھ کرایہ داری کا معاملہ کرلے، یا کسی دوسرے گاہک کے ہاتھ اس کو فروخت کردے، یہ طریقہ بالکل بے غبار اور شرعی اعتبار سے متفقہ طور پر جائز ہے۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ لیزنگ کمپنی (Leasing Company) اور بینک (Bank) ایسی اشیاء اور سامان کو کرایہ پر دے، جو کہ عقد کے وقت اس کی ملکیت میں نہ ہوں، یعنی عقد تو بینک یا لیزنگ کمپنی پہلے کرے، اور سامان کی خریداری اور اس کو کرایہ پر دینے کیلئے اپنی ملکیت میں لانے کا عمل عقدِ اجارہ کے بعد ہو، ایسی صورت میں عقدِ اجارہ کرنے کے بعد بینک وہ سامان اپنے گاہک (Customer) کے نام ہی پر خریدے، اور پھر بینک اپنے گاہک کو اس سامان پر قبضہ کرنے کا وکیل بنادے، ایسے موقع پر بینک ایک تاریخ مقرر کردیتا ہے، کہ فلاں تاریخ تک عقدِ بیع مکمل ہو جائیگا، اور اس کے بعد فلاں تاریخ سے عقدِ اجارہ شروع ہو جائیگا، لہذا اجارہ کی معینہ تاریخ کے بعد بینک اس سامان کا کرایہ وصول کرنا شروع کردیتا ہے، یہاں تک کہ عقدِ اجارہ کی مدت معاہدہ کے مطابق پوری ہو جائے، اور بینک اپنے تمام واجبات گاہک (Customer) سے وصول کرلے، تو پھر بینک وہ سامان معمولی قیمت پر اسی گاہک کے ہاتھ فروخت کردے گا، اس دوسری صورت میں فقہی اعتبار سے چند امور قابلِ غور ہیں؛

جس وقت بینک عقدِ اجارہ کرتا ہے، اس وقت بینک اس چیز کا مالک بھی نہیں، اور نہ ہی اس چیز پر بینک کا قبضہ ہوتا ہے، اور جو چیز ملکیت میں نہ ہو اس کو اجارہ پر دینا بھی جائز نہیں، اس لئے کہ یہ عقد ربح ما لم یضمن (ایسی چیز سے نفع حاصل کیا جائے جس کا رسک وہ قبول نہ کرے) کے قبیل سے ہے جو کہ حدیث شریف کی رو سے ناجائز ہے، لہذا شرعی اعتبار سے اس میں چند خرابیاں پائی جاتی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے؛

۱- یہ عقدِ اجارہ قبل القبض ہونے کی بناء پر ناجائز ہے۔

۲- یہ اشیاء کا، اپنے ضمان (Risk) میں آنے سے پہلے عقدِ اجارہ ہے، اور یہ بھی ناجائز ہے۔

۳- عقدِ اجارہ میں مدتِ اجارہ کے ختم پر اس چیز کو بیچنے کی شرط لگانا بھی ناجائز ہے۔

۴- صفقة في صفقة یعنی دو معاملات کو بیک وقت کرنا لازم آتا ہے، اور یہ بھی جائز نہیں، اس لیے اگر مذکورہ طریقے پر بھی

اجارہ کیا جائے تو یہ عقدِ اجارہ جائز نہ ہوگا۔

البتہ اس معاملہ کو شریعت کے مطابق کرنے کیلئے چند امور کا لحاظ کرنا ہوگا؛

ا- جس وقت معاملہ ہو، اس وقت عقدِ اجارہ کو منعقد نہ مانا جائے، بلکہ عقدِ اجارہ کا صرف وعدہ کیا جائے، اور گاہک کے پاس سامان آنے کے بعد بینک یا لیزنگ کمپنی (Leasing Company) گاہک سے عقدِ اجارہ با قاعدہ تحریری یا زبانی طور پر کرلیں، اب اگر سامان گاہک کی تعدی کے بغیر ہلاک ہوجائے، تو نقصان لیزنگ کمپنی یا بینک کا شمار ہوگا، کیونکہ عقدِ اجارہ کی وجہ سے سامان گاہک کے پاس امانت ہے، اور امانت پر بغیر تعدی کے ضمان نہیں آتا، اس صورت میں پہلی جو دو خرابیاں لازم آرہی تھیں وہ ختم ہوجائیں گی (یعنی قبضہ سے پہلے اجارہ، اور مالک کے رسک میں اس شئی کا نہ آنا)۔

۲- تیسری اور چوتھی خرابی کا حاصل یہ ہے کہ عقدِ اجارہ کے وقت بیع نہ کی جائے، بلکہ وعدۂ بیع کیا جائے، جس کو عقدِ اجارہ میں بطور شرط کے مقرر کرلیا جائے، احناف اور شوافع کے نزدیک گرچہ یہ جائز نہیں، لیکن مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے، لہذا ضرورتِ شدیدہ، تعاملِ ناس اور عمومِ بلویٰ جیسے اصولوں کی بناء پر مذہبِ غیر پر عمل کرکے تیسیرًا للناس اس کو اختیار کیا جائے، یا پھر وعدۂ بیع اور اجارہ کو آپس میں مشروط نہ کیا جائے، بلکہ دو عقد الگ الگ کئے جائیں، ایک عقد میں صرف وعدۂ بیع کیا جائے، اور دوسرے عقد میں اجارہ کیا جائے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ عقد میں وعدے کیلئے ایک معاہدہ (Agreement) تیار کیا جائے، جس میں یہ وعدہ ہو کہ ہم پہلے عقدِ اجارہ کریں گے، اب وعدہ کے مطابق دونوں کے درمیان وقتِ متعینہ پر عقدِ اجارہ ہوگا، جس میں بیع کا کوئی ذکر نہ ہوگا، پھر مدتِ اجارہ کے اختتام پر بیع کرلی جائے جس میں کوئی شرط نہ ہو، اس طرح دو عقد علیحدہ علیحدہ ہوجائیں گے اور غیر مشروط ہوں گے، لہذا اصفقة في صفقة اور اجارہ بالشرط والی دوسری دونوں خرابیاں بھی ختم ہوجائیں گی، یعنی عقدِ اجارہ کے وقت مدتِ اجارہ پر بیع کی شرط لگانا، اور دو معاملات کو ایک عقد میں کرنا، اس تھوڑی سی تبدیلی اور ترمیم سے یہ بیع شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہوجائیگی، اور معاملہ جائز ہوگا۔ (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید:۳۴۲/۴)

نوٹ:- یہ مسئلہ کافی پیچیدہ ہے لہذا سمجھ میں نہ آنے کی صورت میں مفتیانِ کرام کی جانب رجوع کیا جائے۔

مسئلہ (۲۱): ذیلی اجارہ کو عربی میں "إجارة على الإجارة" کہا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مستاجر کسی شخص سے کوئی چیز کرایہ پر لینے کے بعد پھر آگے کسی دوسرے کو کرایہ پر دیدے، اس کی تفصیل یہ ہے، کہ ایک شخص نے مثلاً کسی سے مکان کرایہ پر لیا، پھر مستاجر نے موجر کی اجازت سے اسی مکان کو کسی اور شخص کو کرایہ پر دیدیا اگر اس ذیلی اجارہ (Sub Leasing) میں اصل عقد کے برابر یا اس سے کم کرایہ طے کیا جائے اور موجر (Lessor) نے اس عقد کی اجازت بھی دیدی تو یہ ذیلی اجارہ

تمام فقہاء کرام کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے، اور اگر موجر نے ذیلی اجارہ کی اجازت نہیں دی، تو تمام فقہاء کرام کے نزدیک بالاتفاق یہ عقد (Contract) جائز نہیں ہوگا، اور اگر اس ذیلی اجارہ میں مستاجر نے آگے کسی اور شخص کو اصل عقد سے زیادہ کرایہ پر دیا، تو اس صورت کے جواز وعدم جواز میں حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کی آراء میں اختلاف ہے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور دوسرے فقہاء کرام کے نزدیک مستأجر کے لئے یہ کرایہ وصول کرنا جائز ہے، جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مستاجر کے لئے مستاجر ثانی (Sublessee) سے اصل عقد سے زیادہ کرایہ وصول کرنا دو صورتوں کے ساتھ جائز ہوگا؛ (۱) پہلی صورت یہ ہے کہ مستاجر جب کسی چیز کو کرایہ پر لے تو اس شئ ماجور میں اپنی جانب سے کسی عین کا اضافہ کر دے، مثلاً زمین کرایہ پر لیا تو اس میں نہر کھدوادے یا کنواں کھدوادے، یا اس زمین میں کوئی عمارت تعمیر کرادے، یا اس زمین کے ساتھ کوئی اور اپنی زمین ملادے، پھر اسے دوسرے کرایہ دار کو کرایہ پر دے، تو اب اس صورت میں مستاجر اول، مستاجر ثانی سے اصل عقد سے زیادہ کرایہ وصول کر سکتا ہے، اور اس کا یہ اضافی کرایہ وصول کرنا جائز ہوگا۔

(۲) دوسری صورت حنفیہ کے نزدیک اس عقد کے جائز ہونے کی یہ ہے کہ جس چیز کو کرایہ پر لیا گیا ہے اور اس کا کرایہ جس کرنسی میں طے ہوا ہے، مستاجر آگے کسی اور کو اس کے علاوہ کسی اور کرنسی میں کرایہ پر دیدے، مثلاً زید نے زمین کرایہ پر لی اور پاکستانی روپئے میں کرایہ طے کیا گیا، اب زید اگر عمرو کو یہی زمین اضافی کرایہ کے ساتھ دینا چاہتا ہے تو وہ پاکستانی کرنسی کے علاوہ کسی اور کرنسی میں مثلاً ریال، ڈالر (Doller) یا پاؤنڈ (Pound) وغیرہ میں آگے کسی اور کو کرایہ پر دیدے، اور اضافی کرایہ وصول کرلے، یہ بالاتفاق جائز ہوجائیگا، حضراتِ حنفیہ کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں جواز کی علت یہ ہے کہ مستاجر جب روپئے کے بدلہ ڈالر (Doller) یا پاؤنڈ (Pound) دیے، تو اختلافِ جنس کی وجہ سے اس طرح کرایہ پر دینا اور اضافی رقم کا وصول کرنا جائز ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر شئ ماجور پر کسی عین کا اضافہ کردیا گیا، تو اضافی کرایہ اضافی عین کے مقابلے میں ہوجائے گا، اور بقیہ کرایہ اصل کرایہ (Rent) کے بدلہ میں ہوجائے گا، اس لئے یہ عقد جائز ہوگا، حضرات حنفیہ نے اس معاملہ میں سود سے بچنے کے لئے انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے، اللہ تعالی سودی معاملات سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

(درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام: ۱/۶۷۱، المادۃ: ۵۸۷، اسلام کا قانون اجارہ: ۵۲۷)

مسئلہ (۲۲): بسا اوقات کوئی شخص کسی سے اس کا مکان یا دکان کرایہ پر لیتا ہے، جس میں مدتِ کرایہ داری بھی باہمی رضامندی سے طے ہوتی ہے، مثلاً معاملہ کرتے وقت یہ طے پاتا ہے کہ کرایہ داری کا یہ معاملہ صرف پانچ سال تک کے لیے ہے، اور اس کے بعد مالک کو اپنے مکان یا دکان کے خالی کرانے کا اختیار حاصل ہوگا، تو کرایہ دار پر اس معاہدہ کا پاس ولحاظ رکھنا واجب ہے، کیوں کہ معاہدہ شکنی گناہِ کبیرہ ہے، مگر عامۃً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کرایہ دار اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وقت پر

مکان یا دکان خالی نہیں کرتا، شرعاً اس کا یہ عمل گناہِ کبیرہ کا ارتکاب ہے، یا خالی کرنے پر راضی تو ہوتا ہے مگر خالی کرنے کے عوض مالک سے کسی رقم کا مطالبہ کرتا ہے اور مالک مجبوری میں اسے یہ رقم دے بھی دیتا ہے، کرایہ دار کے لیے اس رقم کا وصول کرنا حلال نہیں ہے، بلکہ مردار اور خنزیر کی طرح قطعی حرام ہے، جو شخص خدا، رسول اور آخرت کی جزا وسزا پر ایمان رکھتا ہو وہ ایسی حرام خوری کا ارتکاب نہیں کرسکتا، لہٰذا اس سے بچنے کی سخت ضرورت ہے، ہاں! اگر کرایہ دار نے کرایہ داری کا معاملہ کرتے وقت مالکِ مکان یا دکان کو پگڑی کی رقم دی تھی، تو جتنی رقم دی تھی اتنی رقم کا لینا جائز ہے، اس سے زائد لینا درست نہیں۔ (ردالمحتار: ۷/۳۰)

مسئلہ (۲۳): جب پگڑی کا رواج دنیا میں شائع اور ذائع ہوگیا، یعنی بہت زیادہ عام ہوگیا اور بعض صورتوں میں مستاجر اور بعض صورتوں میں موجر دونوں شرعی اصولوں کے خلاف عمل کرنے لگے، اور حلال وحرام کی کوئی تمیز باقی نہ رہی، تو بڑے بڑے فقہاء اور علماء معاصر سر جوڑ کر اس کا شرعی متبادل حل تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگے اور "**المجمع الفقه الإسلامي جده**" یعنی جدہ فقہ اکیڈمی نے اپنے چوتھے سیمینار (منعقدہ ۱۸ر تا ۲۳ر جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ مطابق: ۱۱ر فروری ۱۹۸۸ء) میں انتہائی بحث ومباحثہ کے بعد دنیا بھر سے جمع ہونے والے فقہاء وعلماء اسلام کے اتفاق سے ایک قرارداد منظور کی۔ اسی طرح اس موضوع پر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے دوسرے فقہی سیمینار (منعقدہ ۱۹۸۹ء بمقام ہمدرد سیمینار ہال دہلی) میں بڑی بحث وتمحیص کے بعد پگڑی کے صحیح حل پر تجاویز پیش کی، ان دونوں سیمیناروں کی تجاویز کو ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے، تاکہ پگڑی کا شرعی حل قارئین کے سامنے واضح ہوجائے، اور اسلامی طریقے سے اس پر عمل کیا جاسکے۔

جدہ فقہ اکیڈمی کی قرار داد؛ بدل الخلو کا شرعی حل:

اولاً: بدل الخلو یعنی حقِ کرایہ داری کے معاہدے کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱- عقدِ اجارہ کے شروع ہی میں مالکِ جائداد اور کرایہ دار کے درمیان بدل الخلو کا معاہدہ ہوجائے۔

۲- عقدِ اجارہ کے دوران یا اس کے اختتام پر مالکِ جائداد اور کرایہ دار کے درمیان بدل الخلو کی ادائیگی طے پائے۔

۳- بدل الخلو کا معاہدہ، پرانے کرایہ دار اور کسی نئے کرایہ دار کے درمیان عقدِ اجارہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے یا اس کے ختم ہونے کے بعد طے پائے۔

۴- نیا کرایہ دار، بدل الخلو کا معاہدہ مالکِ جائداد اور پرانے کرایہ دار دونوں سے طے کرے۔

ثانیاً: اگر مالکِ جائداد اور کرایہ دار دونوں اس بات پر متفق ہوں کہ کرایہ دار ایک معین رقم مالک کو ادا کرے گا جو (ماہانہ یا سالانہ) معین کردہ کرایہ کی رقم کے علاوہ ہوگی (جسے بعض ممالک میں بدل الخلو کہا جاتا ہے) تو شرعاً معین رقم کے لین دین میں

کوئی قباحت نہیں، بشرطیکہ اس رقم کو کل مدتِ کرایہ داری کی مجموعی اجرت کا ایک حصہ سمجھا جائے اور درمیانِ مدت میں کرایہ کا معاملہ فسخ کرنے کی صورت میں اس رقم پر اجرت ہی کے احکام جاری کیے جائیں۔

ثالثاً: اگر مالک اور کرایہ دار، کرایہ داری کی مدت پوری کرنے سے پہلے، اس بات پر اتفاق کرلیں کہ کرایہ دار اس جگہ کو خالی کردے، اور مدتِ اجارہ کے اختتام تک کرایہ دار کو اس جائداد سے نفع اٹھانے کا جو حق حاصل ہے، اس کے عوض میں مالک کرایہ دار کو ایک معین رقم ادا کرے گا، تو یہ بدل الخلو شرعاً جائز ہے، اس لئے کہ (بدل الخلو کی) یہ رقم اس رضا کارانہ دست برداری کا معاوضہ ہے، جس کے تحت کرایہ دار، جس منفعت کا خود حقدار تھا اس کو مالک کے حق میں چھوڑ رہا ہے، لیکن اگر کرایہ داری کی مدت ختم ہوگئی تھی، اور عقدِ اجارہ کی تجدید صراحتاً یا عقدِ اجارہ کی شرائط کے تحت خود کار طریقے سے ضمناً نہیں ہوئی تھی، تو اس صورت میں بدل الخلو (پگڑی) کے طور پر کوئی رقم لینا جائز نہیں، اس لئے کہ مدتِ اجارہ ختم ہونے پر کرایہ دار کا حق ختم ہوگیا، اب مالک اس جائداد کا زیادہ حقدار ہے۔

رابعاً: اگر مدتِ اجارہ کے دوران پرانے کرایہ دار اور نئے کرایہ دار کے درمیان یہ معاہدہ ہوجائے کہ پرانا کرایہ دار اپنے بقیہ حقِ کرایہ داری سے اس نئے کرایہ دار کے حق میں دست بردار ہوجائے گا، اور اس کے عوض وہ بدل الخلو کے طور پر کوئی معین رقم نئے کرایہ دار سے وصول کرے گا جو اصل (ماہانہ یا سالانہ) کرایہ کے علاوہ ہوگی، تو یہ معاہدہ شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ ان شرائط کی رعایت رکھی گئی ہو جو اول کرایہ دار اور مالکِ مکان کے درمیان طے ہوئی تھیں، اور ان رائج الوقت قوانین کی بھی رعایت رکھی گئی ہو جو احکامِ شرعیہ کے موافق ہوں۔ البتہ طویل المدت اجارہ میں پرانے کرایہ دار کے لئے مالک کی اجازت کے بغیر، وہ جائداد دوسرے کرایہ دار کو دینا اور اس پر بدل الخلو وصول کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ ایسا کرنا ان قوانین کے خلاف ہے جو عقدِ اجارہ کے بارے میں وضع کئے گئے ہیں۔ اور اگر مدتِ اجارہ ختم ہوجانے کے بعد پہلا کرایہ دار کسی نئے کرایہ دار سے کرائے کا معاملہ کرکے اس سے بدل الخلو وصول کرے، تو شرعاً اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ مدتِ اجارہ کے اختتام پر، پہلے کرایہ دار کا حق ختم ہوچکا ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی قرارداد؛

۱- مالکِ مکان زرِضمانت وڈپازٹ کے نام سے کرایہ دار سے جو پیشگی رقم وصول کرتا ہے، بہتر ہے کہ اس کو محفوظ رکھا جائے، اگر مالک اس کو خرچ کردے تو وہ اس بات کا ضامن ہوگا کہ کرایہ داری کی مدت ختم ہوتے ہی وہ رقم کرایہ دار کو فوراً واپس کردے۔

۲- اگر کوئی مکان یا دوکان کرایہ پر دی جائے اور مالکِ مکان مروّجہ ''پگڑی'' کے نام پر اصل ماہوار کرایہ کے علاوہ بھی رقم

کرایہ دار سے وصول کرے تو سمجھا جائے گا کہ مالکِ مکان نے بحیثیتِ مالک اپنے مکان کو کرایہ دار سے واپس لینے کے حق سے دست برداری کا عوض وصول کرلیا ہے، یہ رقم اس کے لئے اس حق کے عوض ہونے کی بنیاد پر جائز ہوگی، آئندہ اگر مالکِ مکان کرایہ دار سے مکان واپس لینا چاہے، تو کرایہ دار کو اس کا حق ہوگا کہ وہ مکان خالی کرنے کا عوض جس پر ہر دو فریق راضی ہوجائیں، مالکِ مکان سے وصول کرے، اور اس صورت میں کرایہ دار دوسرے کرایہ دار کے حق میں باہمی طے شدہ رقم کے عوض اپنے اس حق سے جو اس نے اصل مالک سے عوض دے کر حاصل کیا تھا دست بردار ہوسکتا ہے۔

۳- مالکِ مکان نے پگڑی لئے بغیر کرایہ پر دیا اور اجارہ کی مدت اصل معاہدہ میں مقرر نہیں کی گئی ہو تو اس صورت میں مالکِ مکان کو حق ہوگا کہ جب چاہے مکان خالی کرالے، البتہ مالک کو چاہیے کہ خالی کرانے کا نوٹس اور خالی کرنے کی تاریخ کے درمیان اتنی مہلت دے، جو مقامی حالات کے پیشِ نظر مناسب ہو، اور جس میں مالک اور کرایہ دار کو کوئی خاص ضرر لاحق نہ ہو، اور کرایہ دار کو بھی چاہیے کہ اس مناسب مہلت میں مکان خالی کردے۔ (المبسوط: ۱۵/۱۳۰، الفتاوی الہندیۃ: ۴/۴۲۵)

مسئلہ (۲۴): فوج کا بنیادی مقصد ملک کی سرحدوں کی حفاظت اور غیر معمولی حالات میں امن وامان کا قیام ہے، یہ دونوں مقاصد شریعتِ اسلامیہ میں بھی مطلوب ہیں، اس لیے مصلحتِ عامہ کے پیشِ نظر فوج کی ملازمت مسلمانوں کے لیے جائز ہے، البتہ حتی الامکان غیر شرعی اِقدام سے احتراز ضروری ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: ص/۳۰۶)

مسئلہ (۲۵): اگر کوئی مسلمان معاشی مسئلہ سے دوچار ہوجائے، اور تلاش بسیار کے باوجود اسے اپنے اسلامی ملک میں معاشی وسائل حاصل نہ ہوں، حتی کہ وہ ''قوت لا یموت'' (اتنی روزی جس سے جان بچ جائے) کا محتاج ہوجائے، اور غیر مسلم ملک میں کوئی جائز ملازمت مل جائے، تو چار شرطوں کے ساتھ غیر مسلم ملک میں رہائش اختیار کرسکتا ہے:

۱- اپنی ذات پر یہ اطمینان ہو کہ عملی زندگی میں دین کے احکام پر کاربند رہیگا۔

۲- وہاں رائج شدہ منکرات وفواحشات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے گا۔

۳- اس کے پاس ایسا علم ہو کہ جس سے وہ شبہات کو دفع کرسکتا ہو۔

۴- اس کے پاس اتنی دینداری ہو جو اسے شہوات سے روک سکتی ہو۔

کیوں کہ حلال کمانا بھی دوسرے فرائض کے بعد ایک فرض ہے، جس کیلئے شریعت نے کسی مکان اور جگہ کی قید نہیں لگائی، بلکہ عام اجازت دی ہے کہ جہاں چاہو رزق حلال تلاش کرو۔ (فتح القدیر للشوکانی: ۱/۴۱۱)

مسئلہ (۲۶): بہت سارے افراد ملازمت کا تحفظ چاہتے ہیں، اور اس کا مطالبہ بھی بکثرت کیا جاتا ہے، چنانچہ ملازمت

کے تحفظ کے لیے بعض اداروں نے قوانین بھی مرتب کئے ہیں، جیسا کہ سرکاری ملازمین کے رائج الوقت عام قوانین کے تحت ملازمین کی ریٹائرمنٹ (Retirement) کیلئے عمر کی ایک حد مقرر کی گئی ہے، جس سے پہلے ان کو ریٹائر نہیں کیا جاسکتا، اور انہی سرکاری ملازمین کی بعض ایسی کیٹگیریاں (Categories) ہیں جس میں افسرانِ بالا مفادِ عامہ کو بہانہ بنا کر ان کو ریٹائرمنٹ کی عمر آنے سے پہلے ہی ریٹائر کرسکتے ہیں، جبکہ اکثر پرائیویٹ اداروں نے اس سلسلہ میں یہ ضابطہ مقرر نہیں کر رکھا ہے، چنانچہ آجر (Employer) اور اجیر (Employee) باہمی رضامندی سے جتنی مدت تک چاہیں ملازمت کرتے رہتے ہیں اور جب ان میں سے ایک فریق ملازمت ختم کرنا چاہے تو اس کو ختم کرسکتا ہے، یہ ادارے ریٹائرمنٹ (Retirement) کے لئے پہلے سے کوئی حد مقرر نہیں کرتے، اس لیے اس دوسری صورت میں ملازمت کا تحفظ اس درجہ کا نہیں ہوتا جتنا کہ پہلی صورت میں ہوتا ہے، اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کی وضاحت کی جائے کہ ملازمت کے تحفظ کے بارے میں شرعی احکام کیا ہیں؟ اور قبل از وقت ریٹائرمنٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ **سرکاری** اور غیر سرکاری ملازمین کے قوانین کا تعلق درحقیقت ان کے اپنے مرتب کردہ نظام سے ہے، شریعت نے ان معاملات کی جزوی تفصیلات خود متعین نہیں فرمائی، بلکہ اس کو ہر دور کے مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ شریعت کے بنیادی اصولوں کے دائرے میں رہتے ہوئے یہ تفصیلات اپنے زمانے اور اپنے خطے کے حالات کے مطابق خود طے کرلیں، یہ تفصیلات جب تک شریعت کے بنیادی اصولوں میں سے کسی اصول سے نہ ٹکراتی ہوں اس وقت تک ان کو شریعت کے خلاف اور قرآن وسنت سے متصادم نہیں کہا جاسکتا۔

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ ملازمین کا تقرر آجر اور اجیر کے عام قواعد کے تحت کیا جائیگا اور ان کی ملازمتوں کو تحفظ حاصل ہوگا یا نہیں؟ اور کیا وقت سے پہلے ان کو ریٹائر کیا جاسکے گا یا نہیں؟ اس بارے میں بھی شریعت نے ہمیشہ کیلئے کوئی طریقِ کار اور اصول متعین نہیں کئے، بلکہ اس کو ہر دور کے مسلمانوں کی رائے پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنے اپنے دور کی مصلحتوں کو دیکھتے ہوئے جو طریقِ کار اختیار کرنا چاہیں کرلیں، اسلام ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا...... ملازمت کا قاعدہ یہ ہے کہ آجر (Employer) اور اجیر (Employee) کے درمیان مدتِ ملازمت، تنخواہ، ذمہ داریوں سے متعلق جو تفصیلات بھی باہمی رضامندی سے طے ہوجائیں، فریقین پر ان کی پابندی لازم ہوتی ہے، بشرطیکہ ان میں بذاتِ خود کوئی ناجائز بات شامل نہ ہو، ان شرائط کے مطابق کسی کارروائی کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا، نیز آجر (Employer) کو اس بات کا بھی حق حاصل ہے، کہ وہ مختلف اجیروں (Employees) سے مختلف شرائط (Temand Codition) طے کرے۔

آجر (Employer) کے لئے یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ وہ تمام ملازمین کے ساتھ ایک ہی مدتِ ملازمت طے کرلے، بلکہ

کسی کے ساتھ کوئی مدت طے کرسکتا ہے، اور کسی کے ساتھ دوسری طے ہوسکتی ہے، بلکہ ملازمت کی مدت افراد کے بدلنے سے مختلف ہوسکتی ہے، اور آجر اس فرق کی وجہ بیان کرنے کا پابند بھی نہیں، یہی وجہ ہے کہ فریقین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ملازمین کیلئے جو چاہیں مدت طے کرلیں، ایک آجر اپنے ماتحت مختلف افراد کے ساتھ مختلف مدتِ ملازمت طے کرسکتا ہے، اگر کسی آجر نے ایک شخص کو تین سال کیلئے ملازم رکھا اور یہ بات معاہدہ کی ابتداء سے ہی طے تھی تو پھر مدتِ ملازمت پوری ہونے پر، آجر اسے ملازمت سے علیحدہ کرسکتا ہے، اسی طرح اگر اسی آجر نے اپنے کسی دوسرے ملازم کو آٹھ سال کے لیے ملازم رکھا تو بھی مدتِ ملازمت پوری ہونے پر وہ اپنے ملازم کو ملازمت سے علیحدہ کرسکتا ہے، اس علیحدگی کی کوئی وجہ بتانا بھی آجر کے لئے کوئی ضروری نہیں ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مسلمان اپنی طے کی ہوئی شرائط کے پابند ہیں سوائے اس شرط کے جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دے۔'' -**اس حدیث** کی روشنی میں حضراتِ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ حکم بیان فرمایا ہے کہ ملازمت کے آغاز میں فریقین کے درمیان جتنی مدت مقرر ہوئی ہو، اس کے ختم ہوجانے پر اجارہ ختم ہوجاتا ہے، یہ بات تمام فقہاء کرام کے نزدیک مسلم ہے، جیسا کہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان اسباب میں سے ایک سبب مدت کا ختم ہوجانا ہے، الا یہ کہ کوئی مجبوری ہو، اس لیے کہ جو چیز کسی حد تک کیلئے ثابت ہو وہ اسی حد کے آنے پر ختم ہوجاتی ہے، لہٰذا اجارہ بھی اسی طے شدہ مدت کے ختم ہوجانے پر ختم ہوجائیگا۔'' --قرآن وسنت میں کوئی ایسی ہدایت نہیں جس کی رو سے ملازم کو ہمیشہ کیلئے کوئی تحفظ فراہم کیا گیا ہو، اور ریٹائرمنٹ کے لئے عمر کی کسی حد کو مقرر کرنا ضروری ہو، بلکہ یہ معاملہ مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے، کہ وہ اپنے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق، ملازمین کے ساتھ مدتِ ملازمت کے سلسلے میں جس قسم کا چاہیں معاہدہ کرلیں، یہی وجہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں ملازمین کا عزل ونصب تمام تر خلفاء کی رائے پر موقوف تھا، چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''عزل ونصب کو اللہ تعالی نے خلیفہ کی رائے پر چھوڑ دیا ہے، خلیفہ کو چاہیے کہ مسلمانوں کی اصلاح اور اسلام کی نصرت کی فکر کرے، اور اسی غور وفکر سے جو رائے قائم ہو اس پر عمل کرے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مصلحت کی وجہ سے کبھی کسی کو معزول کرکے دوسرے کو مقرر کردیتے، جیسا کہ فتحِ مکہ کے موقعہ پر انصار کے نشان کو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے ایک بات کی وجہ سے، جو ان کی زبان سے نکل گئی تھی لیکر ان کے بیٹے قیس بن سعد کو دے دیا، اور کبھی کسی مصلحت کی وجہ سے کمتر درجہ کے شخص کو مقرر فرماتے، جیسا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سردارِ لشکر مقرر کیا اور کبارِ مہاجرین کو ان کے ماتحت کیا، یہ تقرر آپ ﷺ نے آخری عمر میں کیا تھا، اسی طرح حضراتِ شیخین نے اپنے زمانۂ خلافت میں کیا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء بھی ہمیشہ اس دستور پر عمل کرتے رہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول فرما دیا تھا، جبکہ ان کے خلاف کوئی الزام عدالتی تحقیق کے معیار پر ثابت نہیں ہوا تھا، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں کسی جرم کی پاداش میں معزول نہیں کیا تھا، بلکہ ان کی معزولی کے بعد تمام گورنروں کو ایک خط لکھا جس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر فرمایا تھا: ''میں نے خالد کو کسی ناراضی یا ان کی کسی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا، لیکن لوگ ان کی (بہادری وغیرہ کی) وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو رہے تھے اور مجھے اندیشہ تھا کہ لوگ (اللہ تعالی کے بجائے) ان پر بھروسہ کرنے لگیں گے، اور اس طرح غلط عقیدہ میں مبتلا ہو جائیں گے، اس لئے میں نے چاہا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کرتا ہے، اور لوگ کسی فتنہ کا شکار نہ ہوں۔''

ان تمام مذکورہ بالا حوالوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معزولی مفادِ عامہ کے خاطر ہی کی تھی، نیز یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ شریعت نے مدتِ ملازمت کا معاملہ فریقین کی باہمی رضامندی پر چھوڑا ہے، **البتہ** بعض اوقات کسی کو ملازمت پر مقرر کرتے ہوئے معاہدہ میں یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ اس کو اتنی مدت کیلئے ملازمت پر رکھا جائیگا، اور پھر مقررہ مدت سے پہلے ہی اس کو ریٹائر (Retire) کر دیا جائے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ **شرعی** اعتبار سے اس کا رخ متعین کرنے کے لئے پہلے یہ دیکھا جائے گا، کہ اس طرح قبل از وقت ریٹائرمنٹ سے اس کو مجرم قرار دیا گیا ہے، یا مجرم سمجھا جا رہا ہے، یا اس کے کسی واجبی قانونی حق کا انکار کیا گیا ہے، ایسی صورت میں قبل از وقت ریٹائرمنٹ کو اس کے خلاف فیصلہ سمجھا جائے گا، جس کے لیے اس ملازم کو صفائی کا موقع دینا لازم اور ضروری ہے، اور اگر اس کو صفائی کا موقع نہ دیا جائے تو پھر یہ قرآن وسنت کے خلاف ہوگا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تمہارے پاس دو آدمی کوئی قضیہ لائیں تو پہلے کے حق میں اس وقت تک فیصلہ نہ کرو جب تک کہ دوسرے کی بات نہ سن لو۔'' (إزالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء: ۲/ ۴۷۹، التاریخ الأمم والملوک للطبری: ۳/ ۱۶۷، ۱۶۸)

مسئلہ (۲۷): اجیر کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، لہذا ذمی، حربی، کافر، مستامن سب کے ساتھ عقدِ اجارہ کرنا جائز ہے، البتہ اگر کوئی کام ایسا ہو جس میں وضو یا طہارت کی ضرورت ہو تو اجیر کا مسلمان ہونا ضروری ہے، جیسے قرآن کی پیکنگ، کمپوزنگ اور بک بائنڈنگ وغیرہ۔ (بدائع الصنائع: ۵/ ۵۲۶)

مسئلہ (۲۸): ۱- اجیر اپنا کام مکمل امانت داری کے ساتھ انجام دے، اور اپنے فرائضِ منصبی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے۔

۲- اجیر کو جو کام سپرد کیا جائے اس میں مکمل مہارت رکھتا ہو، لہذا اگر اجیر کو کوئی کام دیا جائے اور اس میں اس کو مہارت نہ ہو تو انکار کر دے، ورنہ کام کا حق ادا نہ کرنے کی صورت میں بھی امانتداری کے خلاف کرنے کا گناہ لازم ہوگا۔

۳- اگر وہ اجیر خاص ہو تو اس کے لئے ملازمت کے دوران کسی اور کام میں مشغول ہونا ذمہ دار کی اجازت کے بغیر ناجائز

ہوگا، مثلاً: مدرسہ کا معلم، اسکول کا ٹیچر، یونیورسٹی کا پروفیسر، فیکٹری کا ورکر، ادارے کا پرنسپل اور چپراسی وغیرہ، کام کے اوقات میں نہ تو ان کے لئے موبائل کا استعمال جائز ہے اور نہ ہی نفلی عبادت میں مشغول ہونا جائز۔

۴- اور اگر اجیر مشترک ہو مثلاً: درزی، رنگریز، دھوبی وغیرہ، تو ان کے لئے وعدہ کے مطابق وقت پر کام کر کے مستاجر کو دینا ضروری ہے۔

۵- اجیر مشترک اگر اس شرط پر کام لے کہ وہ خود اس کو انجام دے گا، تو اب کسی دوسرے سے کروانا اس کے لئے جائز نہ ہوگا، اور اگر وہ چیز اس دوسرے کے پاس ہلاک ہوگئی تو اجیر مشترک ضامن ہوگا، چاہے اس دوسرے نے تعدی کی ہو یا نہ کی ہو۔

۶- اگر خود کام کرنے کی شرط نہیں لگائی تو دوسرے سے کروانے میں کوئی حرج نہیں، اور دوسرے سے بلا تعدی ہلاک ہو جائے تو ضمان بھی عائد نہ ہوگا۔

۷- ہر وہ کام جو کسی کام کے تابع ہو، اور اس تابع کام کو اجیر کے ذمہ بطور شرط مقرر نہ کیا جائے، تو شریعتِ مطہرہ نے اس کا یہ ضابطہ طے کیا ہے، کہ اس کا مدار عرفِ عام اور عادت پر ہوگا، اگر اس شہر میں وہ کام جو تابع ہے اجیر عام طور پر بغیر شرط کے کر دیتا ہو، تو اجیر کے لئے اس کا کرنا لازم ہے، اگر شرط کے بغیر نہ کیا جاتا ہو تو موجر کی اجازت کے بغیر اس تابع کام کا کرنا لازم نہ ہوگا، جیسے دھوبی کو اگر آپ نے کپڑے دھونے کے لئے دیئے تو پریس کرنا لازم ہوگا یا نہیں؟ اگر پریس کرنا اس شہر میں عرف اور عادت میں رائج نہ ہو تو بغیر موجر کی شرط کے پریس کرنا دھوبی پر لازم نہ ہوگا۔

۸- اگر مزدور کو سامان اٹھانے کے لئے اجرت پر لیا تو مزدور پر مقررہ مقام تک سامان لے جانا لازم ہے، البتہ سامان کو اس کی جگہ پر رکھنا اس پر لازم نہ ہوگا، مثلاً کسی نے گاڑی کرائے پر لی اور اس کو کہا کہ میں فلاں گاؤں یا شہر کے فلاں محلے میں، فلاں مکان میں رہتا ہوں سامان وہاں پہنچا دو، تو اس پر اس سامان کا گھر تک پہنچانا لازم ہے، مگر گاڑی سے اتارنا اور گھر کے اندر لے جانا، اور اس کو سیٹ کر کے دینا وغیرہ، یہ سب امور اس پر لازم نہ ہوں گے، ہاں! اگر عرف میں ایسا ہو تو درست ہوگا، ورنہ پھر اس کی الگ سے مزدوری متعین کرنی ہوگی۔ (بدائع الصنائع: ۶/۵۳)

مسئلہ (۲۹): فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اس بات کی صراحت کی ہے، کہ اجیر کیلئے ضروری ہے کہ وہ ملازمت کے اوقات میں فرائض، واجبات، سنن مؤکدہ، جیسے پانچوں نمازوں وغیرہ کے لئے وقت نکالے، اور اس کا التزام کرے، اور ان فرائض کی انجام دہی میں جو وقت صرف ہو، موجر کے لئے جائز نہیں کہ اس وقت کی اجرت کم کرے، کیوں کہ یہ چیزیں ملازمت کے اوقات میں خود بخود مستثنیٰ ہوں گی، جیسے کھانے پینے کے اوقات مستثنیٰ ہوتے ہیں، اس لئے کہ شریعتِ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ دین بہر

حال مقدم ہوگا، اس میں کسی طرح کی کوتاہی برداشت نہیں کی جائیگی۔ (فتاوی عبدالحی:۱/ ۳۰۸)

مسئلہ (۳۰): اوورٹائم (Over time) یعنی اضافی کام کی اضافی اجرت عاقدین کے طے کرنے کی صورت میں ادا کرنا لازم ہوگا۔ (عمدۃ القاری:۱/ ۳۲۴)

مسئلہ (۳۱): بعض ادارے تنخواہ کے علاوہ دیگر سہولیات مثلاً: رہائش، مکان، بیماری میں علاج ومعالجہ وغیرہ کی سہولت اپنے ملازمین کو دیتے ہیں، تو یہ اجرت کا حصہ نہیں، بلکہ انعام اور تبرع ہے، لہذا اجیر کا اس میں کوئی استحقاق نہ ہوگا، مگر پھر بھی بوقتِ اجارہ جانبین کے درمیان معاملات واضح اور صاف ہوکر طے ہونے چاہیے، تاکہ جھگڑے فساد کا امکان باقی نہ رہے۔ (دررالحکام:۱/ ۶۵۳)

مسئلہ (۳۲): رخصتِ اتفاقیہ اور رخصتِ علالت کے سلسلہ میں فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اجیر کو رخصت لینے کا پورا حق ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ رخصت مع الاجرت ہوگی یا بدون الاجرت؟ **متقدمین** کی رائے یہ ہے کہ یہ رخصت بدون الاجرت ہوگی، کیوں کہ اجرت کا استحقاق تسلیمِ منافع سے ہوتا ہے، اور رخصت کے زمانے میں تسلیمِ منافع نہیں ہوتا، لہذا اجرت بھی لازم نہ ہوگی، البتہ عرف یہ ہے کہ ادارے عقدِ ملازمت کے شروع میں ہی یہ بات بتادیتے ہیں، کہ سال بھر میں ایک ملازم اتنی رخصتِ اتفاقیہ اور اتنی رخصت علالت لے سکتا ہے، جانبین اس پر اتفاق کرتے ہیں، اس لئے اس میں بظاہر کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی، نیز فقہاء معاصرین کا میلان بھی اسی جانب ہے۔ (ردالمحتار:۶/ ۶۳۰، کتاب الوقف)

مسئلہ (۳۳): حکومتی اداروں میں بہت سے ملازمین بلا وجہ شرعی اور بلا گھریلو مجبوری کے اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر رہتے ہیں، اور متعلقہ آفیسر سے اچھے تعلقات کی بنیاد پر غیر حاضری کے ایام بھی حاضری میں شمار کرواکر پوری تنخواہ وصول کرتے ہیں، جبکہ یہ آفیسر اس کا مجاز نہیں ہوتا، شرعاً یہ عمل ناجائز اور حرام ہے، اس لیے ملازمین پر لازم ہے کہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرکے اپنے مفوضہ کاموں کو ایمانداری کے ساتھ انجام دیں، کام کے وقت کو ضائع نہ کریں، اور بوقتِ ضرورتِ شدیدہ اپنے متعلقہ آفیسر سے باقاعدہ رخصت لے کر جائیں، اور اس پر سرکاری قانون کے مطابق ہی تنخواہ لیں، تاکہ دنیا وآخرت کی رسوائی اور ذلت سے سبکدوشی ممکن ہوسکے۔ (سورۃ التطفیف:۲،۳)

مسئلہ (۳۴): راحت اور آرام بھی انسان کا حق ہے، طویل وقت متواتر کام کرنے سے آدمی تھک کر نڈھال ہوجاتا ہے، شریعت نے اس کا بھی خیال رکھا ہے، حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''إن لنفسک حقاً، ولأهلک حقاً'' بے شک تمہارے نفس اور تمہارے اہل کا بھی حق ہے، لہذا جانبین (اجیر ومستاجر) اس کے لئے وقت مقرر کردیں، تاکہ بعد میں کوئی شکایت نہ ہو، اور اگر جانبین (اجیر ومستاجر) بوقتِ اجارہ آرام کا وقت متعین نہ کریں تو عرف اور عادت کے مطابق اجیر راحت

اور آرام کے لئے وقت نکال سکتا ہے، مستاجر کو کوئی حقِ اعتراض نہیں ہوگا۔ (صحیح البخاری: ص/ ۲۱۱، رقم الحدیث: ۱۱۵۳)

مسئلہ (۳۵): اجیر خاص اس اجیر کو کہتے ہیں، جو کسی فرد کا، یا کسی ادارہ میں ملازم ہو، جیسے فیکٹری کا ورکر (Worker) یا یونیورسٹی کا استاذ یا پروفیسر وغیرہ، ایسے اجیر کیلئے اپنے اوقاتِ ملازمت میں اپنی مفوضہ ذمہ داری کا کام چھوڑ کر کسی دوسرے کام میں مشغول ہونا یا وقت سے پہلے ہی کام چھوڑ دینا درست نہیں، اکثر ملازمین حضرات کا یہی حال ہے کہ وہ کام کے اوقات میں دفتر یا ادارہ میں رہتے ہیں، لیکن جو کام انہیں سپرد کیا گیا اسے انجام نہیں دیتے، بلکہ ادھر ادھر وقت ضائع کرتے ہیں، یا یا توں اور گپ شپ میں لگے رہتے ہیں، یہ بالکل ناجائز اور حرام ہے۔ (ردالمحتار: ۹/ ۹۴۔۹۶)

مسئلہ (۳۶): اجیرِ خاص یعنی یومیہ یا ماہنامہ اجرت پر کام کرنے والا اگر تاخیر سے حاضر ہو، اور وقتِ میعاد میں کام پر نہ پہنچے تو اس کی اجرت میں کٹوتی جائز ہوگی۔ (درر الحکام: ۱/ ۴۵۸، المادۃ: ۴۲۵)

مسئلہ (۳۷): بعض کمپنیاں علاج و معالجہ کی سہولت (Madical Facility) بھی اپنے ادارے کے ملازمین کو دیتی ہیں، لیکن علاج وغیرہ کی حیثیت ایک سہولت کی ہونی چاہیے، کیوں کہ اگر علاج کی حیثیت سہولت کی ہو، اور اجرت کے ساتھ مشروط نہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ علاج و معالجہ آجر کے ذمہ لازم نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ اس میں ایک ایسی چیز کا التزام ہے، جس کو شریعت نے لازم نہیں کیا، اگر کوئی شخص یا ادارہ علاج و معالجہ کو اجرت کا جزء قرار دے تو پھر عقدِ اجارہ باطل ہو جائے گا، کیوں کہ اس میں جہالت ہے، وہ اس طرح کہ علاج کی ضرورت کبھی پیش آتی ہے اور کبھی نہیں، کبھی اس کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کم ہوتی ہے، غرضیکہ اس میں جہالت ہوتی ہے، اس لیے اس کو اجرت کا جزء بنانے سے عقدِ اجارہ باطل ہو جائیگا۔ (درر الحکام: ۱/ ۵۰۴)

مسئلہ (۳۸): پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے ملازمین کی تنخواہوں میں سے کچھ رقم ہر مہینہ کاٹی جاتی ہے، اس رقم کی کٹوتی کی دو صورتیں ہوتی ہیں: جبری کٹوتی؛ اختیاری کٹوتی؛

۱۔ جبری کٹوتی یہ ہے کہ ہر ملازم کیلئے اپنی تنخواہ کا ایک حصہ لازماً کٹوانا پڑتا ہے، اور ملازمت کے اختتام پر حکومت اس پر سود بھی ادا کرتی ہے، وہ شرعاً سود نہیں بلکہ تنخواہ ہی کا ایک حصہ ہے جو اسے ریٹائر (Retire) ہونے کے بعد ملتا ہے، لہذا اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز ہے۔

۲۔ اختیاری کٹوتی یہ ہے کہ ملازم کو کٹوتی پر مجبور نہیں کیا جاتا، بلکہ ملازم خود اپنے اختیار سے رقم کٹواتا ہے، یہ رقم بھی ملازمت سے ریٹائر (Retire) ہونے کے بعد اسی ملازم کو واپس مل جاتی ہے، تو اس میں سود کا بھی شبہ ہے اور سود کا ذریعہ بنا لینے

کا اندیشہ ہے، لہذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ (البحر الرائق: ۷/۵۱۱)

مسئلہ (۳۹): پینشن اور گریجویٹی (Pension & Gratuity) کے بارے میں فقہائے معاصرین کی رائے یہ ہے، کہ اس کی حقیقت کو جاننے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ وہ اجرت کا حصہ نہیں بلکہ ادارے کی جانب سے ایک انعام ہے، جو اجیر کی خدمت کے اعتراف میں دیا جاتا ہے، لہذا اس کا لینا اور دینا دونوں جائز ہیں، البتہ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ پینشن موت کے بعد ترکہ میں شمار نہ ہوگی، بلکہ حکومت یا کمپنی جس وارث کو دے وہی اس کا مالک ہوگا، دوسرے وارثوں کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا، اور رہا مسئلہ گریجویٹی کا تو وہ ریٹائرمینٹ (Retirement) کے وقت ہی مل جاتی ہے، لہذا موت کے واقع ہونے کی صورت میں وہ ترکہ میں شمار کی جائیگی، اور اس پر ترکہ کے احکام جاری ہوں گے۔ (فتاوی ہندیہ: ۴/۴۱۳، خلاصۃ الفتاوی: ۳/۱۰۳)

مسئلہ (۴۰): اگر کوئی شخص کسی کمپنی، ادارے، یا کسی شخص کا ملازم ہو، اور وہ اپنی کمپنی، ادارے، یا اپنے مالک کو، اپنے کمیشن کی اطلاع دیئے بغیر کمیشن پر خرید وفروخت کرتا ہے، تو اس کا یہ کمیشن (Commission) لینا، اور دوکاندار یا کسی فرد کا کمیشن دینا دونوں ناجائز ہیں۔ اور اگر کمیشن ایجنٹ آزاد ہے، کسی کا ملازم نہیں ہے، یا وہ شخص ملازم تو ہے لیکن ملازمت کے مقررہ اوقات کے علاوہ بھی کمیشن لے کر کام کرتا ہے، تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

اول:......اگر اس کمیشن ایجنٹ نے کسی دوکاندار، ادارے، یا کسی فرد سے کمیشن طے نہیں کیا، تو ایسی صورت میں اس کمیشن ایجنٹ کا کمیشن طے کئے بغیر لینا دینا دونوں ناجائز ہیں، ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اجارہ کے صحیح ہونے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اجارہ میں اجرت کا متعین اور معلوم ہونا ضروری ہے، اور یہاں اجرت متعین نہیں ہے، اس لئے اس کا بغیر اجرت طے کئے کمیشن لینا اور دینا دونوں جائز نہیں۔

دوم:......اگر دوکاندار یا کوئی فرد اس ایجنٹ سے یہ طے کرلے کہ تمہیں فلاں کام پر اتنا فیصد کمیشن دوں گا، پھر یہ ایجنٹ وہ کام کردے، تو اب اس ایجنٹ کا یہ طے کردہ کمیشن لینا اور دوسرے شخص کا کمیشن دینا دونوں جائز ہیں، لیکن اس کا جواز چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے؛

(الف) کمیشن پر جو کام کیا جارہا ہے، وہ کام بنیادی طور پر جائز ہو۔

(ب) کمیشن ایجنٹ (Commission Agent) صحیح مال فراہم کرے، یا جو کام اس کے سپرد کیا گیا ہے اس کو صحیح طریقہ سے پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

(ج) کمیشن دینے والا اس چیز کی قیمت بڑھا کر وصول نہ کرے، بلکہ اپنی طرف سے کمیشن کی رقم ادا کرے۔

(د) اسی طرح اس سلسلے میں یہ اصول بھی یاد رکھنا چاہیے کہ فقہاء احناف کے یہاں کسی شئ کی فروخت (Sale) اسی وقت جائز ہوتی ہے، جب کہ وہ چیز بیچنے والے کے قبضہ میں آگئی ہو، اگر فروخت کی جانے والی شئ فروخت کرنے والے کے قبضہ میں نہ آئی ہوتو پھر اس کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں۔ اس کے جواز کی صورت یہ ہے، کہ وہ کمپنی سے پہلے خود یا کسی کو اپنا وکیل بنا کر مال پر قبضہ کرلے، اور پھر گاہک کو مال فراہم کرے۔ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ:۵/۳۸۱۷)

مسئلہ (۴۱): بروکریج (Brokrage) یعنی دلالی کا کام کرنا، چند شرائط کے ساتھ جائز ہے:

(۱) دلال اپنی اجرت اور کمیشن بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدنے والا) سے واضح طور پر طے کرلیں، (۲) دلال خریدار (Purchasar) کو دھوکہ دیکر یعنی گھٹیا چیز اچھی اور معیاری ظاہر کرکے نہ بیچیں، (۳) بولی لگانے والا خریدنے کی نیت سے بولی لگائے، محض قیمت بڑھانے کے لئے اور دوسروں کو اس میں پھنسانے کی غرض سے نہ ہو، جیسا کہ آج کل بہت سی دوکانوں میں ایجنٹ آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں، اس طرح کام کرکے اگر کوئی دلال اجرت حاصل کرتا ہے تو یہ ناجائز ہے، (۴) اگر دلال اجرتِ مثلی وصول نہ کرے، بلکہ بیع کی قیمت پر فیصد کے تناسب سے اجرت وصول کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ (ردالمحتار:۹/۶۴)

مسئلہ (۴۲): دلالی (Commision Agent) کی صورت یہ ہوتی ہے، کہ بائع دلال سے کہے کہ تو جو سامان بیچے گا، اس کی قیمت کا دو فیصد یا ایک فیصد تجھے ملے گا، اس طرح کی دلالی، اجرت متعین کرکے کیجاوے تو مفتی بہ قول کے مطابق جائز ہوگی۔ (ردالمحتار:۹/۸۷)

مسئلہ (۴۳): بعض تاجر (Business Men) اپنے کسی نوکر کو کسی کے پاس اپنی فروخت کردہ چیزوں کی قیمت وصول کرنے کیلئے بھیجتے ہیں، تو مرسَل الیہ (Despatchelto) شخص اس سے کوئی علامت کا مطالبہ کرتا ہے، اس لئے تاجر اپنے نوکر کے پاس پانچ روپئے یا دس روپئے کا نوٹ یا اور کوئی علامت دیتے ہیں، اور فون پر مرسَل الیہ کو اس کی اطلاع کردیتے ہیں، کہ ہمارے آدمی کے پاس اس نمبر کا پانچ یا دس کا نوٹ ہے، مرسل الیہ اس نوٹ کو دیکھ کر قاصد کو واجب الاداء رقم دیتا ہے، مرسَل الیہ کا کسی علامت کا مطالبہ کرنا اور مرسِل کا اپنے قاصد کے پاس کسی علامت کا دینا دونوں عمل شرعاً جائز ہیں۔ (منہاج المسلم للجزائری:ص/۳۱۲)

مسئلہ (۴۴): **لغت** میں جعالہ اس کو کہا جاتا ہے، کہ کوئی انسان کسی دوسرے کیلئے کسی کام کے عوض کچھ مال مقرر کردے۔

اصطلاح میں......جعالہ کہتے ہیں، کسی متعین عوض کو، کسی معلوم یا مجہول عمل کے کرنے پر لازم کرنا۔

جعالة کی صورت یہ ہوتی ہے، کہ کوئی شخص یہ اعلان کردے کہ جو شخص میرا گمشدہ سامان لادے گا، میں اس کو اپنی طرف سے اتنا اتنا انعام دوں گا، اس کے جواز کیلئے چار شرطیں ہیں:

۱۔ جعالہ کے درست ہونے کے لئے صیغۂ جعالہ ضروری ہے، جیسے کوئی شخص یہ کہے: "من رد علي ضالّتي فله كذا" جو شخص میرا گمشدہ سامان لا دے گا اس کو اتنا ملے گا۔

۲۔ صحتِ جعالہ کیلئے متعاقدین کا عاقل بالغ سمجھدار اور تصرف کا اہل ہونا ضروری ہے، لہذا نابالغ، مجنون اور سفیہ مجور کے اعلان کرنے سے جعالہ درست نہیں ہوگا۔

۳۔ جعالہ میں عمل خواہ معلوم ہو یا مجہول، دونوں صورتوں میں جعالہ درست ہوتا ہے۔

۴۔ جعالہ جس کو انعام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، اس کا متعین اور مباح ہونا ضروری ہے، لہذا اگر جعالہ مباح نہ ہو بلکہ حرام ہو تو اس کا وصول کرنا جائز نہیں، جعالہ کی یہ صورتِ مذکورہ ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کے نزدیک جائز ہے، فقہائے احناف نے جعالہ کو بوجہ عمومِ بلویٰ وضرورت استحساناً جائز کہا ہے، ورنہ قیاساً جعالہ جائز نہیں ہے۔

(الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۵/ ۳۸۶۶، بذل المجھود: ۱۱/ ۶۲۶، رقم الحدیث: ۳۸۹۹، جامع الترمذی: ۲/ ۲۶)

مسئلہ (۴۵): اسلامی بینک (Islamic bank) کے لئے اپنے قرض داروں سے بطور سروس چارج (Service charge) کے کچھ رقم وصول کرنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے: (۱) قرض دار سے جو رقم وصول کی جائے وہ ان اخراجات سے تجاوز نہ کرے، جو اس منصوبہ پر قرض کے اجراء کے لئے لازم آتے ہوں، (۲) اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ اگر اخراجات کی تحدید ممکن ہو تو یہ صورت احکامِ شریعت کے زیادہ موافق ہوگی، اور اس کے بارے میں کوئی کلام نہ ہوگا، اور اگر ہر منصوبہ کے الگ الگ اخراجات کی تحدید ممکن نہ ہو تو اس صورت میں بینک کے لئے اس سے واقعی اخراجات طلب کرنے کے بجائے، قرض جاری کرنے سے پہلے اور بعد میں کیجانے والی دفتری کارروائی کی اجرت وصول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ اجرت اس قسم کے کاموں پر لیجانے والی اجرتِ مثل سے زیادہ نہ ہو۔ (الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ: ۵/ ۴۹)

مسئلہ (۴۶): وہ کام جن کا تعلق مکان کی تعمیر اور عمارت سے ہے، ان کی اصلاح ومرمت کروانے کی ذمہ داری مالک کی ہے، جیسے رنگ وروغن کروانا، دیوار یا فرش وغیرہ کہیں سے خراب ہوجائے تو اس کی مرمت کرنا وغیرہ، چنانچہ جن کاموں کی ذمہ داری مالکِ مکان پر ہے، اور وہ ان کاموں کو انجام نہ دے، تو اس کی وجہ سے اگر کرایہ دار مکان یا دکان خالی کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، البتہ اگر کرایہ دار کرایہ کا معاملہ کرنے سے پہلے، یا کرتے وقت ان عیوب کو دیکھے جن کی اصلاح ومرمت مالک کی ذمہ داری ہے، اور اس پر راضی رہے اور اس کو ٹھیک کروانے کا مطالبہ نہ کرے، تو اس صورت میں کرایہ دار کو مکان خالی کرنے کی اجازت نہ ہوگی، اور اگر عقد کے وقت کرایہ دار نے ان خرابیوں کو دیکھ کر مرمت کروانے کا مطالبہ کردیا تھا، تو اس صورت میں کرایہ دار کو یہ حق حاصل ہوگا کہ ان

خرابیوں کی مرمت نہ ہونے کی وجہ سے عقدِ اجارہ فسخ کرکے دکان یا مکان خالی کردے۔ (خلاصۃ الفتاوی:۳/۱۴۸)

مسئلہ (۴۷): عام طور پر سامان کی شپ مینٹ (Shipment) یعنی سامان کو جہاز کے ذریعہ امپورٹر (Importer) کی طرف منتقل کرنے کے تین طریقے ہوتے ہیں:

پہلا طریقہ: ایف، او، بی (F.O.B) جس میں ایکسپورٹر (Exporter) کی صرف یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ سامان جہاز پر روانہ کرادے، آگے انکا کرایہ اور دوسرے مصارف خود امپورٹر یعنی درآمد کرنے والا ادا کرتا ہے، اس صورت میں شپنگ کمپنی (Shiping company) امپورٹر کی ایجنٹ ہوتی ہے، لہذا جس وقت شپنگ کمپنی اس سامان پر قبضہ کرلے گی تو اس کا قبضہ امپورٹر کا قبضہ سمجھا جائیگا، اور اس سامان کا ضمان (Risk) اسی وقت خریدار یعنی امپورٹر کی طرف منتقل ہوجائیگا۔

دوسرا طریقہ: سی اینڈ ایف (C.&.F) کے طریقے سے مال روانہ کرنا، یعنی جس میں سامان کو بھیجنے کا کرایہ، ایکسپورٹر (برآمد کرنے والا) ادا کرتا ہے، اس صورت میں بھی تاجروں کے درمیان موجودہ عرف یہی ہے کہ سی اینڈ ایف (C.&.F) کی صورت میں بھی شپنگ کمپنی (Shipping company) کو امپورٹر (درآمد کرنے والا) کا ہی ایجنٹ سمجھا جاتا ہے، جب کہ کرایہ ایکسپورٹر ادا کررہا ہے، تو جس وقت ایکسپورٹر نے وہ سامان شپنگ کمپنی کے حوالہ کردیا، اسی وقت اس سامان کا رسک (ضمان) امپورٹر کی طرف منتقل ہوجائیگا۔

تیسرا طریقہ: سی آئی ایف (C.I.F) کے ذریعہ سامان روانہ کرنا، چوں کہ تیسرا طریقہ بھی دوسرے طریقے ہی کی طرح ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ اس میں ایکسپورٹر، امپورٹر کے لیے مال کا بیمہ کراتا ہے، اور اس بیمہ کا فائدہ بھی امپورٹر کو حاصل ہوتا ہے، ایکسپورٹر بیمہ کرانے اور مال جہاز پر چڑھانے کے بعد فارغ ہوجاتا ہے، لہذا اس کا حکم بھی دوسرے طریقے کی طرح ہوگا، گویا عرفِ عام کی وجہ سے ایف، او، بی- سی اینڈ ایف- اور سی، آئی، ایف، تینوں طریقوں میں شپ مینٹ کے بعد مال کا ضمان (رسک) امپورٹر کی طرف شرعاً منتقل ہوجاتا ہے۔ (سنن الترمذي:۱/۲۳۸، السنن لأبي داود:۲/۴۸۰)

مسئلہ (۴۸): سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کے ظلم کی وجہ سے کبھی تنخواہ بڑھانے کے لیے ہڑتال (Tradeunion)، یا تالابندی کا سہارا لیا جاتا ہے، مگر شریعت میں اس کا کوئی جواز نہیں، اگر اسلامی قانونِ اجارہ کو نافذ کیا جائے، تو ان شاء اللہ اس طرح کی صورتِ حال ہی پیدا نہ ہو۔ (درر الحکام:۱/۲۰۵، المادۃ:۴۴۹)

مسئلہ (۴۹): آج کل لوگ بیرون ممالک سے مال منگوا کر تجارت کرتے ہیں، مال منگوانے کی صورت میں خریدار مال کی قیمت بذریعہ بینک ادا کرتا ہے، مثلاً ہندوستان کا ایک تاجر جاپان کے ایک تاجر سے کچھ مال منگواتا ہے، تو جاپان کا تاجر

ہندوستان کے تاجر سے کہتا ہے کہ تم اپنے کسی مقامی بینک کے ذریعہ میرے حق میں ایک لیٹر آف کریڈٹ کھولدو، ہندوستان کا بینک اپنی جاپان کی شاخ کو اس لیٹر آف کریڈٹ کے ذریعہ ہدایت کردے گا کہ وہ جاپان کے تاجر کا مال جہاز سے روانہ کرنے کے متعلق ضروری کاغذات وصول کر کے، اس کو مال کی قیمت ادا کردے، تو اس صورت میں بینک چونکہ خریدار کا وکیل ہے، اس لئے بذریعہ بینک قیمت ادا کرنا درست ہے، اور جب مال جاپانی شاخ کے قبضہ میں آجائے، تو اس کی بیع جائز ہے۔

(جامع الترمذی:۱/ ۲۳۸، أبواب البیوع)

مسئلہ (۵۰): آبِ زمزم کی تجارت میں بظاہر کوئی امر، مانعِ جواز نہیں، کہ وہ متقوم بھی ہے، اور احراز سے ملک بھی ثابت ہوجاتی ہے، نیز بلا نکیر ماءِ زمزم کے بیچنے کا تعامل بھی ہے، محض متبرک ہونا بیع کے لیے مانع نہیں بن سکتا، کیوں کہ قرآن کریم سب سے زیادہ متبرک ہونے کے باوجود اس کی بیع وشراء سب جائز ہے، اور مشتری کا کافر ہونا بھی بظاہر مانعِ صحتِ بیع نہیں، ہاں احتمالاً مخل احترام ہونے کی بنا پر خلافِ اولیٰ یا مکروہ کہا جاسکتا ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ:۳۸/ ۱۷)

مسئلہ (۵۱): موٹر ڈرائیونگ اسکول والوں کا لائسنس بنا کر دینا اور اس پر اجرت کا لینا جائز ہے، یہ اجارہ، اجارۂ صحیحہ ہے، اس لیے کہ اس میں ان کو دو قسم کی محنت کرنی پڑتی ہے: (۱) متعلقہ محکمہ کو درخواست وغیرہ دینا، (۲) پھر درخواست کو وصول کرنے کے بعد اُسے درخواست دہندہ کو پہنچانا۔ (معارج التفکر ودقائق التدبر:۹/ ۳۸۳)

مسئلہ (۵۱): اگر کوئی شخص کئی مرتبہ ایک اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن تک بلا ٹکٹ سفر کرے، جو جائز نہیں ہے، تو اسے چاہیے کہ جتنی دفعہ اس نے بلا ٹکٹ سفر کیا، اتنی دفعہ کے کرایہ کا حساب لگا کر ٹکٹ خرید لے اور ضائع کردے، اس طرح ان شاء اللہ اس کا ذمہ فارغ ہوجائے گا، کیوں کہ اس صورت میں حق، صاحبِ حق کو پہنچ جاتا ہے۔ (رد المحتار:۷/ ۲۲۳)

مسئلہ (۵۲): عام حالات میں بے پردہ ہو کر عورتوں کا دکان پر بیٹھ کر تجارت کرنا شرعاً ناجائز ہے، البتہ ضرورۃً پورے پردہ کے ساتھ تجارت کرسکتی ہے۔ (أحکام القرآن للجصاص:۳/ ۴۷۱، سورۃ الأحزاب، الآیۃ/ ۳۳)

مسئلہ (۵۳): آج کل لوگ گاڑی کرایہ پر لے کر سفر کرتے ہیں، اس کی عموماً دو صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) گاڑی اس وضاحت کے ساتھ کرایہ پر لے کہ صرف اور صرف وہی اس گاڑی پر سواری کرے گا، چنانچہ اگر وہ خود تنِ تنہا سوار ہوا، اور دورانِ سفر گاڑی کا کوئی پارٹ (Part) خراب ہوا تو کرایہ پر لینے والا ضامن نہیں ہوگا، بلکہ یہ نقصان گاڑی کے مالک کا شمار ہوگا۔ (۲) گاڑی کرایہ پر لی، اور اس طرح کی کوئی وضاحت نہیں کی کہ صرف وہی سوار ہوگا، یا کسی اور کو بھی سوار کریگا، پھر خود سوار ہوا اور دوسروں کو بھی سوار کیا، اور دورانِ سفر گاڑی کو کوئی نقصان پہنچا تو ائمۂ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور

امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک کرایہ دار نقصان کا ضامن ہوگا۔ (النتف فی الفتاوی:ص/۳۴۴)

مسئلہ (۵۴): آج کل لوگ اپنی ذاتی گاڑیاں کرایہ پر چلاتے ہیں، ان گاڑیوں کے مالکوں کے نزدیک ضابطہ یہ ہوتا ہے کہ جس شخص کو گاڑی کرایہ پر لینی ہوتی ہے، وہ گاڑی مالک کو اپنے سفر کی تاریخ اور وقت بتلا دیتا ہے، اور اس عقدِ اجارہ کی پختگی کیلئے بطورِ بیعانہ (جسے عرفِ عام میں اِسار کہا جاتا ہے) کچھ رقم دیدی جاتی ہے، اگر مستاجر یعنی کرایہ دار اس تاریخ کو یہ گاڑی کرایہ پر نہ لے تو بیعانہ کے طور پر دی ہوئی رقم سوخت ہو جاتی ہے، اور گاڑی مالک لی ہوئی رقم نہ واپس کرتا ہے، اور نہ مستاجر اس کا مطالبہ کرسکتا ہے، شرعاً یہ طریقہ ناجائز ہے، کیوں کہ عقدِ اجارہ میں اجرت منافع کی ہوتی ہے، اور منافع نہ حاصل کئے جانے کی صورت میں بھی اجرت کا واجب و لازم ہونا سراسر ظلم و زیادتی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ:۲/۱۹۱، بدایۃ المجتہد:۳/۲۱۸)

مسئلہ (۵۵): آج کل بعض کمپنیاں تعلیم کے نام پر غریبوں اور مفلسوں کا خون چوس رہی ہیں، مثلاً: ایک کمپنی ہے جس نے کمپیوٹر تعلیم کیلئے ایسی سی ڈی (C-D) تیار کی ہے جو ستاون (57) کورسیس پر مشتمل ہے، یہ ستاون کورسیس اگر کسی کالج یا تعلیمی ادارے میں حاصل کرنے ہوں تو ان کی فیس لاکھوں تک پہونچتی ہے، لیکن اگر کوئی آدمی ساڑھے سات ہزار روپئے دے کر، اس کمپنی کا ممبر بن جاتا ہے تو کمپنی یہ پورے ستاون (57) کورسیس اسے صرف ساڑھے سات ہزار روپئے میں سکھا دے گی، ممبر کے لئے سال میں تین کورسیس میں کامیاب ہونے پر کمپنی کی طرف سے یہ انعام ہوتا ہے، کہ اگر وہ دو ممبر اس کمپنی کے بنا دے جس کی مالیت پندرہ ہزار (15000) روپئے ہوتی ہے تو کمپنی اسے اس پندرہ ہزار (15000) میں سے دو ہزار (2000) روپئے بطورِ اجرت دے گی، شرعاً یہ صورت منع ہے، کیونکہ اس صورت میں اجیر کے عمل سے حاصل ہونے والی رقم ہی کا ایک جزء اس کی اجرت قرار دیا گیا جو شرعاً ناجائز ہے، نیز اس میں غرر بھی ہے، وہ اس طرح کہ اگر صرف ایک ممبر بنایا تو کوئی معاوضہ نہیں، اور اگر تین ممبر بنائے تو صرف دو پر اجرت دی جائے گی تیسرے پر نہیں، جب کہ آپ ﷺ نے غرر اور نجش سے منع فرمایا، نیز اس طرح کی کمپنیوں کے قیام کا مقصد، اور ان کی ممبر شپ حاصل کرنے کی غرض تعلیم کو فروغ دینا یا حاصل کرنا نہیں بلکہ پیسہ کمانا ہے، ویسے تو پیسہ کمانا فی نفسہ ممنوع نہیں، لیکن شریعت نے اسے حاصل کرنے کے بھی کچھ اصول وضوابط متعین کئے، اگر ان اصول وضوابط کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو بنگاہِ شرع یہ اکلِ اموال بالباطل میں داخل ہو کر حرام ہوتا ہے۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۹/۷۸، ۷۹)

مسئلہ (۵۶): آج کل بعض ممالک، سرکاری اور نیم سرکاری ادارے، اپنی ماتحتی و سرپرستی میں کھیلوں اور ان کی میچوں کو منعقد کرتے ہیں، اور ان میچوں کو دکھانے کیلئے پلے گراؤنڈ (Playground) یا اسٹیڈیم (Stadium) میں داخلے کیلئے ٹکٹ وصول کرتے ہیں، ان کھیلوں اور میچوں میں ٹکٹ لے کر اسٹیڈیم (Stadiam) میں جانا اور ان کھیلوں اور میچوں کا دیکھنا شرعاً اس

وقت جائز ہے، جب کہ ان کھیلوں اور میچوں میں ستر پوشی کا پورا انتظام ہو، اور غیر شرعی کام وہاں پر نہ کئے جاتے ہوں، اگر اسٹیڈیم میں نامحرم کھیل رہے ہوں، یا کھیلنے والوں کی سترِ شرعی ڈھکی ہوئی نہ ہو، یا اس کے علاوہ کوئی اور خلافِ شرع امر انجام دیا جارہا ہو، تو ٹکٹ لینا اور دینا اور اس میچ کا دیکھنا سبھی امور ناجائز ہیں۔ (فتاوی ہندیہ:۴/۴۴۹)

مسئلہ (۵۷): اسٹیڈیم میں مختلف قسم کے کھیل اور ان کے میچ وغیرہ ہوتے ہیں، ان میچوں کو دکھانے کیلئے اسٹیڈیم کی انتظامیہ داخلہ کا ٹکٹ وصول کرتی ہے، ٹکٹ لے کر اسٹیڈیم میں جانا اور میچ دیکھنا اس وقت جائز ہوگا، جبکہ اس میچ میں کھلاڑیوں کا پوشاک ایسا ہو جس سے ستر پوشی ہوتی ہو، کھیلنے والے نامحرم نہ ہوں، اور اسٹیڈیم میں کوئی خلافِ شرع امور انجام نہ دیئے جاتے ہوں، بے حیائی کے مظاہرے نہ ہوتے ہوں، اور اگر اسٹیڈیم میں نامحرم کھیل رہے ہوں، یا ان کے ستر ڈھکے ہوئے نہ ہوں، یا اس کے علاوہ کوئی اور خلافِ شرع امور انجام دیئے جارہے ہوں، یا اسٹیڈیم میں کھیل کے علاوہ کوئی اور خلافِ شرع پروگرام ہو رہا ہو، تو پھر ایسی صورت میں اسٹیڈیم کے ٹکٹ لینا اور دینا دونوں جائز نہیں ہیں، **لیکن** چونکہ اب یہ سب ممکن نہیں، اس لئے کہ وہاں تالیاں بجائی جاتی ہیں، سیٹیاں کسی جاتی ہیں، مزاق اڑایا جاتا ہے، ایک دوسرے کی دل آزاری کی جاتی ہے، عورتیں اغل بغل میں نیم برہنہ لباس میں ہوتی ہیں، اور سب سے اہم بات یہ کہ وقت ضائع ہوتا ہے، جبکہ وقت سب سے قیمتی سامان ہے، لایعنی کام میں آدمی مصروف رہتا ہے، نیز وہاں فاسقوں اور فاجروں کا اجتماع ہوتا ہے، اس لیے اس سے اجتناب ضروری ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه**". آدمی کے عمدہ اخلاق میں یہ ہے کہ وہ لایعنی (فضول، بے سود، بے کار و غیر مفید) امور کو ترک کردے، لہذا اولی و بہتر یہ ہے کہ اسٹیڈیم میں نہ جائے۔ (الفتاوی الہندیۃ:۴/۴۴۹)

مسئلہ (۵۸): بہت سے طلباء تعطیلات کے موقع پر پرائیوٹ گاڑیاں کرایہ پر کرتے ہیں اور چھوٹے بڑے بچوں سے یکساں کرایہ وصول کرتے ہیں، اگر کرایہ کا یہ معاملہ خود صبی ممیّز یا اس کا سرپرست طالب علم کرتا ہے تو جائز ہے، اور اگر صبی غیر ممیّز یا غیر سرپرست طالب علم کرتا ہے تو جائز نہیں ہے۔ (ہندیہ:۴/۴۱۱)

مسئلہ (۵۹): بعض طلباء اپنے طور پر گاڑی کرایہ پر لیتے ہیں پھر دوسرے طلباء سے اتنا کرایہ وصول کرتے ہیں کہ گاڑی کا کرایہ ادا کرنے کے بعد بھی کچھ رقم باقی رہتی ہے جسے وہ رکھ لیتے ہیں شرعاً یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کا یہ عمل اجارۂ ثانیہ ہے اور جب اجارۂ اولیٰ و ثانیہ دونوں کی اجرت ہم جنس ہو تو اجارۂ ثانیہ میں اجارۂ اولیٰ کی اجرت سے زائد اجرت لینا جائز نہیں ہے، لیکن اگر یہ طلباء اپنے ساتھیوں کی طرف سے وکیل یا دلال بن کر گاڑی کرایہ پر لے لیں اور پہلے سے اپنی محنت کی اجرت متعین کریں تو وہ اپنی متعینہ اجرت کے حقدار ہونگے۔ (ہندیہ:۴/۴۲۵)

مسئلہ (۶۰): آج کل موبائل کمپنیوں کی طرف سے بہت سے آفر آرہے ہیں، مثلاً 120 / روپئے میں 1200 / روپئے کا ٹاک ٹائم ملے گا، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں 120 / روپئے کے عوض 1200 / روپئے موصول ہوتے ہیں، اس لیے شرعاً یہ سود ہے، جبکہ یہ خیال صحیح نہیں ہے، کیوں کہ یہاں 120 / میں 1200 / روپئے کے عوض آنے والے وقت کی بقدر گفتگو کا حق دیا جارہا ہے، یعنی حقِ گفتگو کو فروخت کیا جارہا ہے، 120 / روپیے کو 1200 / روپئے کے عوض فروخت نہیں کیا جارہا ہے کہ سود پیدا ہو، 120 / روپئے اور حق گفتگو دو الگ الگ چیزیں ہیں، اس لیے ان کے درمیان کمی بیشی اور ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار دونوں جائز ہیں۔ (فتح القدیر:۶/۴۸۰)

مسئلہ (۶۱): بعض علاقوں میں آٹا پینے کی اجرت روپیوں کی شکل میں لی جاتی ہے، اور یہی غالب و مروج ہے، مگر بعض علاقوں میں آج بھی آٹا پینے کی اجرت اجناس کی شکل میں لیجاتی ہے، مثلاً دس کلو گیہوں پینے کی اجرت آدھا کلو گیہوں، شرعاً اس میں کوئی قباحت وکراہت نہیں ہے، البتہ اگر دس کلو گیہوں پسانے کی اجرت اسی پسے ہوئے آٹے میں سے آدھا کلو آٹا طے کیا جائے، تو یہ ''حدیث قفیز طحان'' کے حکم میں داخل ہوکر اجارۂ فاسد ہوگا، جو شرعاً ممنوع ہے، اس صورت کے جواز کا یہ حیلہ ہوسکتا ہے کہ آٹا پسانے والا اپنے گیہوں کی طرف نسبت نہ کرتے ہوئے مطلق یوں کہے کہ اس دس کلو گیہوں کو پیس دو، میں آپ کو اس کی اجرت لاعلی التعیین گیہوں کا آدھا کلو آٹا دوں گا، پھر آٹا پسانے کے بعد اسی پسے ہوئے آٹے میں سے دیدے تو یہ جائز ہوگا۔ (سنن الدار قطنی:۳/۴۲، رقم الحدیث:۲۹۶۶)

مسئلہ (۶۲): ''ایزی پیسہ'' کا کاروبار عقدِ اجارہ کی ایک ایسی صورت ہے، جو گاہک اور کمپنی کے مابین طے پاتی ہے، گاہک اپنی رقم کمپنی کے ایجنٹ کو دے دیتا ہے، تاکہ مطلوب و متعین شخص جس کے لیے یہ رقم بھیجی جارہی ہے، دوسرے شہر سے اِسے وصول کرے، کمپنی اپنی اِس سروس وخدمت پر کچھ رقم بطور فیس وصول کرتی ہے، جو درحقیقت اُس کے اِس مہیا کردہ خدمت کی اجرت ہوتی ہے، اِس طرح کا کاروبار اور اِس طریقے سے پیسہ بھیجنا دونوں عمل شرعاً درست ہیں، اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع:۱۵/۸۶)

مسئلہ (۶۳): بعض لوگ اپنے گھروں پر اسی طرح بعض گھر گھر جاکر بچوں کو قرآن کریم، دینیات کی تعلیم دیتے ہیں، اور ہر بچہ سے ماہانہ یا ہفتہ واری فیس وصول کرتے ہیں، شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (المحیط البرہانی:۶/۱۱۱)

مسئلہ (۶۴): اگر کوئی شخص کسی ادارہ یا کمپنی میں ملازم ہو اور ادارہ نے اسے مفوضہ کام کی انجام دہی کے لیے کچھ چیزیں مثلاً فون، فیکس مشین، زیراکس مشین، سواری اور کمپیوٹر وغیرہ دے رکھا ہو، تو یہ چیزیں بطورِ امانت اس کی تحویل میں ہوگی، اس لیے اپنی ذاتی ضرورتوں میں ان کا استعمال خیانت ہوگا، جو شرعاً ناجائز وحرام ہے، لہذا اس سے بچنا واجب ہے، ہاں اگر کمپنی یا ادارہ

اپنی ذاتی ضرورتوں میں استعمال کی اجازت دے تو جائز ہے۔ (جمہرۃ القواعد الفقہیۃ:۲/ ۶۸۸، رقم القاعدۃ:۶۰۲)

معاصی پر اجرت کا بیان

مسئلہ (۶۵): اصول وضوابط کی بے قاعدگیوں، سست طبی نگہداشت اور معاشی پریشانیوں کے سبب اپنا رحم کرائے پر دینے والی خواتین کی بآسانی دستیابی کی وجہ سے آج ہمارے ملک ہندوستان میں سروگیٹ پر یگیننسی یعنی رحمِ مادر کرایہ پر دینے کی تجارت بڑی تیزی سے پھل پھول رہی ہے اور بیرون ہند کے بہت سے لوگ اس تجارت سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہندوستان کا رخ کر رہے ہیں، ہمارے ملک ہندوستان میں رحمِ مادر کو تجارتی مقصد کے لئے کرایہ پر دینے کے جواز کو دو ہزار تین (2003) سے قانونی حیثیت حاصل ہے، **ہندوستان** کے متوسط طبقہ کی خواتین کو کبھی اپنے خاندان کو بہتر معیار زندگی فراہم کرنے کے لیے، کبھی کار خریدنے کے لیے، کبھی مکان بنانے کے لیے، کبھی اپنے گھر کی اندرونی سجاوٹ کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے، وہ مجبور و بے بس ہوتی ہیں تو اپنے رحم کو کسی اور مرد کے نطفہ کی نشو ونما کے لیے اپنے رحم کو کرایہ پر دیکر اس سے رقم حاصل کرتی ہیں، **اسلامی** نقطۂ نگاہ سے یہ عمل محرماتِ شرعیہ مثلاً اجلق دوسرے کے رحم میں اپنا نطفہ ڈالنا، ڈاکٹر کا بلاضرورت اجنبیہ کے ستر کا دیکھنا، اختلاطِ نسب، بلاضرورت برائے معصیت منافع کا اجارہ اور اس طریقہ کے طبائعِ سلیمہ کے مخالف، مزاجِ شرع وشارع سے متصادم اور انتہائی بے شرمی و بے حمیتی اور حدودِ شرع سے تجاوز کی وجہ سے ناجائز وحرام ہے۔ (فتح القدیر:۲/۳۳۴)

مسئلہ (۶۶): آج کل انٹرنیٹ (Internet) کا استعمال عام ہو چکا ہے، اور لوگ اسی عموم سے فائدہ اٹھا کر جگہ جگہ سائبر کیفے (Siber Cafe) کھول رہے ہیں، سائبر کیفے میں متعدد کمپیوٹر (Computer) ہوتے ہیں، جن میں نیٹ کنکشن (ConnectionNet) موجود ہوتا ہے، لوگ یہاں آ کر وقتِ محدود (Limited Time) تک متعین اجرت (Fixed Wadge) کے عوض ان کی خدمات کرایہ پر حاصل کرتے ہیں، کچھ لوگ اس وقتِ محدود میں نیٹ کا استعمال ناجائز کاموں کیلئے بھی کرتے ہیں، مثلاً گانا سننے کیلئے، یا فلم دیکھنے کیلئے، یا ایسے اخبار پڑھنے کے لیے جو اِن کے عقائد و ایمان اور تہذیب و اخلاق کیلئے سخت مضر ونقصان دہ ہوتے ہیں، ان کے ساتھ اجارہ کا یہ معاملہ تعاون علی الاثم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اور اس معاملے سے حاصل کردہ آمدنی بھی خبیث وناپاک ہے۔ (منہاج المسلم:ص/۳۰۵)

مسئلہ (۶۷): ایسی چیز کو اجرت اور کرایہ پر لینا جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ اس کے حصول میں حرام مال استعمال ہوا ہو جائز نہیں ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۴/۴۴۹)

مسئلہ (۶۸): گانا بجانا، نوحہ، طبلہ، موسیقی وغیرہ پر اجرت لینا شرعاً جائز نہیں، اس لیے کہ گانا بجانا موسیقی وغیرہ اسلام میں حرام

اور گناہِ کبیرہ ہے، اور گناہ پر اجرت لینا جائز نہیں، اسی طرح نر کو مادہ پر چڑھانے کی اجرت لینا بھی حرام ہے۔ (المبسوط:۱۶/ ۳۷، ۳۸)

مسئلہ (۶۹): انشورنس کمپنی کا ایجنٹ بننا تعاون علی الاثم کی بنا پر ناجائز ہے۔ (روح المعانی:۱۱/ ۸۵، مکتبۃ زکریا)

مسئلہ (۷۰): پیشۂ وکالت میں وکیل اجیرِ خاص کی طرح ہے، اس کو متعینہ اجرت لینے کا حق حاصل ہے، اور طاعتِ واجبہ پر اجرت کا عدمِ جواز ان طاعات کے ساتھ متعلق ہے، جو مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے، رہی نصرت واعانت تو وہ مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں ہے، اِس لئے اُس پر اجرت لینا جائز ہے۔ (السنن لابن ماجۃ:ص/ ۱۷۶، رقم الحدیث:۲۴۴۳)

مسئلہ (۷۱): دورِ حاضر میں وکالت کا پیشہ چونکہ جھوٹ، فریب اور چربِ لسانی کا ذریعہ ہوتا ہے، اور حق وباطل میں کوئی لحاظ باقی نہیں رہتا، لہذا وکالت کا پیشہ ترک کرکے اور کوئی حلال روزی تلاش کرنا چاہیے، ہاں! اگر اس بات کا التزام ہو کہ جو حق پر ہوگا اسی کی وکالت کریگا، اور خود کو اس پر پورا اطمینان بھی ہو، تو پھر پیشۂ وکالت جائز ہے۔ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ:۵/ ۴۰۷۲)

مسئلہ (۷۲): فائیو اسٹار (5-Star) ہوٹلوں میں اگر ملازمت کا تعلق حرام کاموں سے ہو، مثلاً شراب پیش کرنا وغیرہ، تو یہ ملازمت شرعاً ناجائز اور حرام ہے، ہاں اگر کوئی ملازمت نہ ملے اور فائیو اسٹار (5-Star) ہوٹل میں کوئی غیر حرام کام ہو، یا حرام اور حلال دونوں ہوں مگر حلال غالب ہو تو جائز ہے، مگر ساتھ ہی دوسری جگہ ملازمت کی فکر جاری رکھنی چاہیے، اور تنخواہ حلال یا غالب حلال آمدنی سے ہونی چاہیے۔ (جامع الترمذی:۱/ ۲۴۲)

مسئلہ (۷۳): عام طور پر فائیو اسٹار ہوٹلوں میں غیر اسلامی کام ہوتے ہیں، اگر کوئی شخص ان میں ملازمت اختیار کرے اور اُس کے ذمہ کسی غیر اسلامی کام کی انجام دہی نہ ہو، تو ان میں غیر اسلامی کام ہونے سے اس کی ملازمت اور تنخواہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، ملازمت جائز ہے اور تنخواہ بھی حلال ہے، لیکن اگر اس کے ذمہ کسی غیر اسلامی کام کی انجام دہی ہو، تو پھر نہ یہ ملازمت جائز ہے اور نہ تنخواہ حلال ہے، اس لیے کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ایسی کمپنی، ادارے یا ہوٹل میں ملازمت کی جائے، جس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ غیر اسلامی کام نہ کرنے پڑتے ہوں، تاکہ گناہ پر کسی بھی طرح کا تعاون لازم نہ آئے۔ (سورۃ المائدۃ:۲)

مسئلہ (۷۴): ویڈیو فلمیں کرائے پر دینے کا کاروبار جائز نہیں ہے، اس کی آمدنی بھی حرام ہے، لہٰذا اس کاروبار کو ترک کرکے حلال روزی تلاش کرنا چاہیے، اور چونکہ حرام آمدنی کے استعمال سے فرائض واعمال بھی قبول نہیں ہوتے، گرچہ فرض ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے، اس لئے توبہ واستغفار بھی کرنا چاہیے۔ (شعب الإیمان للبیہقی:۶/ ۴۰۲)

مسئلہ (۷۵): اگر کوئی شخص پرنٹنگ پریس میں کام کرتا ہو، اور وہ اخباروں میں خبروں کے ساتھ بہت سی جاندار تصویریں بھی چھاپتا ہو، تو اس صورت میں ایسے شخص کے لیے جانداروں کی تصویروں کا چھاپنا، شائع کرنا، اور ایسی پریس میں ملازمت بھی

ناجائز ہے، کیوں کہ ناجائز کاموں کی ملازمت بھی ناجائز ہوتی ہے، البتہ اگر جاندار کی تصویروں کے ساتھ دوسری جائز چیزیں بھی چھاپی جاتی ہوں، اور جائز چیزیں زیادہ ہوں، تو ایسی آمدنی پر حرام کا حکم نہیں لگایا جائیگا، پھر بھی بہتر یہی ہے کہ اس طرح کی ملازمت نہ کرے۔ (بیان القرآن:۲/۴۳، حاشیہ مسائل السلوک)

مسئلہ (۷۶): بینک کی ملازمت کے سلسلے میں فقیہ عصر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں: ''دراصل بینک کی ملازمت ناجائز ہونے کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ ملازمت میں سود وغیرہ کے ناجائز معاملات میں اِعانت ہے، دوسرے یہ کہ تنخواہ حرام مال سے ملنے کا احتمال ہے، ان میں سے پہلی وجہ یعنی حرام کاموں میں مدد کا جہاں تک تعلق ہے، شریعت میں مدد کے مختلف درجے ہیں، ہر درجہ حرام نہیں، بلکہ صرف وہ مدد ناجائز ہے جو براہِ راست حرام کام میں ہو، مثلاً سودی معاملہ کرنا، سود کا معاہدہ لکھنا، سود کی رقم وصول کرنا وغیرہ، لیکن اگر براہِ راست سودی معاملے میں انسان کو ملوّث نہ ہونا پڑے، بلکہ اس کے کام کی نوعیت ایسی ہو جیسے ڈرائیور، چپراسی، یا جائز ریسرچ وغیرہ تو اس میں چونکہ براہِ راست مدد نہیں ہے، اس لیے اس کی گنجائش ہے، جہاں تک حرام مال سے تنخواہ ملنے کا تعلق ہے، اس کے بارے میں شریعت کا اُصول یہ ہے کہ اگر ایک مال حرام اور حلال سے مخلوط ہو اور حرام مال زیادہ ہو، تو اس سے تنخواہ یا ہدیہ لینا جائز نہیں، لیکن اگر حرام مال کم ہو تو جائز ہے، بینک کی صورتِ حال یہ ہے کہ اس کا مجموعی مال کئی چیزوں سے مرکب ہوتا ہے؛

(۱) اصل سرمایہ، (۲) ڈپازیٹرز کے پیسے، (۳) سود اور حرام کاموں کی آمدنی، (۴) جائز خدمات کی آمدنی، اس سارے مجموعے میں صرف نمبر تین حرام ہے، باقی کو حرام نہیں کہا جاسکتا، اور چونکہ ہر بینک میں نمبر ایک و نمبر دو کی اکثریت ہوتی ہے، اس لیے یہ نہیں کہہ سکتے کہ مجموعے میں حرام غالب ہے، لہٰذا کسی جائز کام کی تنخواہ اس سے وصول کی جاسکتی ہے۔ یہ بنیاد ہے جس کی بنا پر علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ بینک کی ایسی ملازمت جس میں خود کوئی حرام کام کرنا نہ پڑتا ہو، جائز ہے، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ اس سے بھی اجتناب کیا جائے۔'' (فتاویٰ عثمانی:۳/۳۹۵، ۳۹۶)

مسئلہ (۷۷): عورتوں کا بینکوں میں سروس کرنا بالکل جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس میں تعاون علی الاثم کے ساتھ ساتھ دیگر بہت ساری خرابیاں پائی جاتی ہیں، البتہ بحالتِ مجبوری (کسی ایسے شخص کا موجود نہ ہونا جو اس کی اور اس کے بچوں کی نفقہ برداری کر سکے)، دیگر جائز کاموں کے لیے آفسوں میں، درج ذیل شرائط کے ساتھ کام کرنے کی گنجائش ہے:

(۱) شرعی پردہ کی مکمل رعایت ہو، (۲) خوشبو کے استعمال سے پرہیز ہو، (۳) لباس مردوں کے لیے باعثِ کشش نہ ہو، (۴) مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو، (۵) اجنبی مردوں کے ساتھ تنہائی کی نوبت نہ آئے، (۶) شوہر اور بچوں کے حقوق سے بے

اعتنائی نہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر:۱/۴۷۸، المائدۃ)

مسئلہ (۷۸): اگر کسی شخص کی ملازمت ایسی جگہ پر ہو، جہاں گناہ کا کام ہوتا ہے، اور اس ملازم شخص کو بھی اس میں شریک ہونا پڑتا ہے، جیسے رقص، بیئر بار اور موسیقی وغیرہ کی جگہیں، تو ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ حلال ذریعۂ معاش تلاش کرتا رہے، اور حلال ملازمت ملنے پر فوراً اس ملازمت کو ترک کردے، اور اپنے افعال پر ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، کیوں کہ معصیت کے کاموں میں تعاون کرنے والا بھی گناہ میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ (البحر المحیط:۳/۵۹۰)

مسئلہ (۷۹): گانے کا پیشہ بہرصورت ممنوع ہے، اور اگر اشعار کے مضامین خلافِ شرع ہوں، اور ساتھ ہی آلاتِ لہو کا بھی استعمال ہو، تو ایسے گانوں کا سننا اور سنانا دونوں بھی جائز نہیں، اور گانے کے عوض جو اجرت ملے وہ بھی حرام ہے۔
(أحکام القرآن للتھانوی:۳/۲۰۴)

مسئلہ (۸۰): ہارمونیم گانے بجانے کا آلہ ہے، اس کی تجارت کرنا تعاون علی الاثم کی بنا پر مکروہ ہے۔ (سورۃ المائدۃ:۲)

مسئلہ (۸۱): آج کل اسٹار ٹی وی (STAR TV) کا چلن عام ہو چکا ہے، بعض لوگ اسٹار کنیکشن کا بزنس کررہے ہیں اور پندرہ بیس ہزار روپئے ماہانہ کمارہے ہیں، اسی طرح بعض لوگ کلر ٹی وی، وی سی آر، اور فلمی کیسٹیں کرایہ پر دے کر اچھی خاصی کمائی کررہے ہیں، جب کہ یہ دونوں کاروبار اور اُن کی آمدنی شرعاً جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ لوگوں کو برائی کی طرف دعوت دینے اور بے شرمی کی تبلیغ واشاعت کرنے کے مترادف ہے، جو سخت گناہ ہے، شریعتِ اسلامیہ نے مسلمانوں کو حلال وغیر مشتبہ ذریعۂ آمدنی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے اس سے پرہیز ضروری ہے۔ (الفتاوی الولوالجیۃ:۳/۳۳۳)

مسئلہ (۸۲): بعض مسلم کپڑا فروش حضرات اپنے گاہکوں کو لُبھانے کے لیے شوروم میں مجسموں کو سنوار کر رکھتے ہیں، گاہکوں کو راغب کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، کیوں کہ شرعِ اسلامی میں مجسمہ سازی، اس کی خرید وفروخت اور اُسے اپنے مکان اور دکان میں رکھنے کی ممانعت ہے، گاہکوں کو راغب کرنے کے لیے شریعت نے صداقت ودیانت کے ساتھ تجارت کرنے کا حکم فرمایا ہے، اگر اسے اپنایا جائے تو گاہک خود بخود چل کر آئیں گے، اور اس غیر شرعی طریقے کو اختیار کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی، تاہم! تاجر نے اس غیر شرعی طریقہ پر تشہیر وآرائش کو اپنا کر جو مال فروخت کیا اور اس پر نفع کمایا، وہ حلال ہے، کیوں کہ اس تجارت میں دیگر کوئی خلافِ شرع بات نہیں ہوئی، بلکہ معصیت طریقۂ تشہیر میں واقع ہوئی۔
(صحیح البخاری:۲/۸۸۰)

مسئلہ (۸۳): بہت ساری جگہوں پر تاڑ اور کھجور کے درختوں کا سرکاری طور پر ٹھیکہ ہوتا ہے، اور ٹھیکیدار زمیندار کو فی

درخت دس یا پانچ روپئے دے کر تاڑی اور کھجور اترواتے ہیں، جب کہ اس معاملہ میں محض درختوں کو اجارہ پر لیا گیا ہے، اور درختوں کو اجارہ پر لینا صحیح نہیں ہے، اس لئے نہ یہ معاملہ صحیح ہے، اور نہ یہ روپئے (لگان) لینا جائز ہے۔ (ردالمحتار:۹/۱۰)

مسئلہ (۸۴): اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو ایک گائے اس شرط پر پالنے کے لیے دے کہ تم اس کو ایک سال تک پالو، ایک سال تک اس کا دودھ تمہارا ہوگا، اور گائے اور بچے میرے ہوں گے، اس طرح کا اجارہ، اجارۂ فاسدہ کہلاتا ہے، گائے، دودھ اور بچے سب مالک ہی کے ہوں گے، اور شخص آخر کو محض اجرتِ مثل ملے گی، اس لیے کہ اجارۂ فاسدہ میں مستأجر کے لیے اجرتِ مثل ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری:ص/۳۹۳)

طاعات پر اجرت کا بیان

مسئلہ (۸۵): بعض بیرونی ممالک مثلاً .U.K.U.S.A- وغیرہ میں لوگ اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھوانا چاہتے ہیں، مگر وہاں کوئی مستند و معتبر سہولت موجود نہیں ہوتی، اگر ہوتی بھی ہے تو بڑی مشکل سے ملتی ہے اور دور ہوتی ہے، اس لئے بعض لوگوں نے آن لائن قرآن کریم پڑھانا اور اس پر اجرت لینا شروع کر دیا، تعلیم قرآن کی اس صورت میں اگر پڑھانے والا قاری یا قاریہ تجوید کے ساتھ قرآن کریم پڑھانے کے ساتھ ساتھ صحیح عقائد و نظریات کے حامل ہیں، نیز کسی اور فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے، تو آن لائن پر قرآن کریم کی تعلیم دینا اور حاصل کرنا، اور اس خدمت میں مشغولیت کی وجہ سے قاری یا قاریہ کا اجرت و معاوضہ لینا تمام باتیں جائز ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح:ص/۳۴)

مسئلہ (۸۶): اجرت علی الطاعات یعنی تعلیمِ قرآن، فقہ، اذان، تدریس و حج بدل وغیرہ پر اجرت وصول کرنا جائز نہیں، مگر فقہائے متاخرین نے ضرورۃً (اندیشۂ ضیاعِ دین کی بناء پر) تعلیمِ قرآن و فقہ، اذان و تدریس وغیرہ پر اجرت وصول کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ (ردالمحتار:۹/۷۶)

مسئلہ (۸۷): (۱) محض تراویح میں قرآن شریف سنانے پر اجرت لینا اور دینا جائز نہیں ہے، اجرت دینے والے اور لینے والے دونوں گنہگار ہوں گے، اور اجرت لینے والا قرآن سنانے کے ثواب سے محروم رہے گا، اور اگر بلا اجرت تراویح سنانے والا نہ ملے تو "ألم تر کیف" سے تراویح پڑھیں۔ (۲) اگر کسی جگہ کا یہ رواج ہو کہ سنانے والے کو کچھ نہ دیا جاتا ہو، اور وہ محض ثواب کی نیت سے سناتا ہو، یا صاف طور پر تصریح کر دی جاتی ہو کہ یہاں سے کچھ نہیں دیا جائیگا، اور سنانے والے کے ذہن میں بھی یہ بات نہ ہو کہ یہاں سے کچھ ملے گا، اور کچھ نہ دینے کے باوجود بھی وہ آئندہ سنانے سے پہلو تہی نہیں کریگا، پھر اگر کوئی شخص ازخود قرآن کریم سنانے والے کی کوئی خدمت کرے، تو اس کو قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔

(مصنف ابن أبی شیبہ: ۵/۲۳۸، رقم الحدیث: ۲۸۲۴)

مسئلہ (۸۸): تعویذات بھی ایک قسم کا معالجہ ہے، اگر کوئی شخص اس سلسلے میں اچھی طرح واقفیت رکھتا ہو اور اس میں کوئی غلط چیز استعمال نہ کرتا ہو، اور نہ کسی غلط کام کے لئے تعویذ دیتا ہو، تو اس پر اجرت لینا درست ہے۔ (شرح معانی الآثار: ص/۲۴۶)

ھبہ، عاریت اور لقطہ کا بیان

مسئلہ (۱): مدرسہ میں بعض بڑے طلباء کی سرپرستی ونگرانی میں ان کے اپنے وطن، علاقہ یا عزیز وقریب کے چھوٹے نابالغ بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور ان کے روپئے پیسے ان ہی بڑے طلباء کے پاس جمع ہوتے ہیں، یا جب ان چھوٹے طلباء کے گھروں سے کھانے پینے کی اشیاء آتی ہیں، تو وہ اشیاء بھی ان ہی کے قبضہ میں ہوتی ہیں، چھوٹے طلباء اپنے ان سرپرست بڑے طلباء کو اپنی رقم میں سے کچھ رقم، یا اشیائے خوردنی میں سے کوئی شئ بطور ہدیہ یا ہبہ دیدیتے ہیں، اور یہ بڑے طلباء بلا تأمل ان کو استعمال کرتے ہیں، جبکہ شرعاً یہ عمل جائز نہیں ہے، کیوں کہ نابالغ بچہ کا ہبہ وہدیہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (ہندیہ: ۴/۳۷۴)

مسئلہ (۲): بعض کمپنیاں، ادارے اور دفتروں کے ذمہ داران اپنے یہاں کام کرنے والے ملازمین کو سال کے آخر میں بونس کے نام سے ایک رقم دیتے ہیں، جو درحقیقت سال بھر ان کی حسنِ کارکردگی کا انعام ہوتا ہے، اس کا لینا اور اپنے استعمال میں لانا شرعاً جائز ودرست ہے۔ (الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۴۰۹)

مسئلہ (۳): بعض لوگ اپنی حیات ہی میں بطورِ حفظ ماتقدم کہ آئندہ اہل وعیال میں جھگڑا وفساد نہ ہو، اپنی جائیداد تقسیم کردیتے ہیں، ان کا یہ عمل شرعاً جائز ہے، کیوں کہ آدمی اپنی مملوکہ جائیداد میں تصرف کا مجاز ومختار ہے، جس کو جس قدر مناسب سمجھے دے سکتا ہے، اور کسی کو اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ کسی ہونے والے وارث کو طبعی رنجش کی وجہ سے اِرث سے محروم کرکے ضرر پہنچانا مقصود نہ ہو۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۳۹/۳۲، ۳۳)

مسئلہ (۴): مختلف مواقع پر مثلاً بیماری کے بعد صحت یابی، نوکری یا کاروبار میں ترقی، کسی مقام پر جاکر واپس آنے، یا مختلف تقریبات مثلاً بچے کی پیدائش، نیا گھر یا جائداد کی خریدی، اسکول یا مدرسہ میں مطلوبہ درجہ میں داخلہ یا کامیابی کے موقع پر اپنے دوست واحباب اور متعلقین کو تحفہ دینا، نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسرے کو تحفہ دینے کی تلقین کی ہے، اور فرمایا ہے کہ اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے، نیز آپ ﷺ کا یہ معمول مبارک بھی تھا کہ تحفہ دینے والے کو اسی وقت یا کسی اور موقع پر تحفہ پیش فرماتے تھے، اگر کوئی شخص تحفہ دینے والے کو مالی بدلہ نہ دے سکے تو دعا کے کلمات کہہ دے، کہ یہ بھی ہدیہ کا جواب ہے، لیکن اس نیت سے کسی کو ہدیہ دینا کہ پھر اسی طرح کا ہدیہ اسے واپس مل جائے درست نہیں۔ (صحیح البخاری: ۱/۳۵۲)

مسئلہ (۵): بعض اوقات مریض کے بیماری سے شفا پانے پر دوست واحباب اُس کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالتے ہیں، دوستوں کا یہ عمل اظہارِ مسرت اور شکرِ نعمت کے لیے ہوتا ہے، اس لیے ایسا کرنا جائز ہے، مگر اس میں غلو کرنا جائز نہیں ہے، نیز اس قسم کی چیزیں ابتداءً صحیح نیت سے انفرادی طور پر شروع ہوتی ہیں، پھر آگے چل کر باقاعدہ رسم کی شکل اختیار کر جاتی ہیں، اور اُن کا التزام ہونے لگتا ہے، جس میں کئی قباحتیں اور ناجائز اُمور بھی شروع ہو جاتے ہیں، اِس لیے ان کے سدّ باب کے لیے ایسے اُمور سے احتراز ضروری ہے، شکرِ نعمت کی حقیقت یہ ہے کہ معاصی سے توبہ کی جائے اور منعمِ حقیقی کی طرف رجوع کیا جائے۔
(سورۃ الضحیٰ: ۱۱)

مسئلہ (۶): بعض لوگ بیماروں کو مصنوعی پھول ہدیہ میں دیتے ہیں، ان پھولوں کا نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی اہمیت، نہ ان سے بیمار کو شفا ملتی ہے، اور نہ ہی اس کی تکلیف اور درد کم ہوتا ہے، نہ ان سے صحت حاصل ہوتی ہے نہ امراض دور ہوتے ہیں، کیوں کہ یہ مصنوعی پھول ہیں، جو انسانی ہاتھوں اور آلات کی پیداوار ہیں، انہیں بنانے والے ان کو اونچی اونچی قیمتوں میں فروخت کرتے ہیں، اور خوب نفع کماتے ہیں، اس میں خریدنے والوں کا سراسر نقصان ہی نقصان ہے، کیوں کہ یہ پھول مریض کے پاس بڑی مشکل سے ایک دو گھنٹے یا ایک دو دن باقی رہتے ہیں، پھر ان کو ردیوں کے ساتھ پھینک دیا جاتا ہے، یہ رسم بلا سوچے سمجھے مغرب کی اندھی تقلید ہے، جو پیسہ ان کی خرید میں صرف (خرچ) ہوا، اس کا فائدہ نہ خریدنے والے کو ملا اور نہ مریض کو، جب کہ مال اللہ کی نعمت ہے، اس طرح اس کو ضائع کرنا شرعاً ناجائز وحرام ہے، اس لیے اس سے کلی اجتناب برتا جائے۔
(صحیح بخاری: ۱/۳۲۴)

مسئلہ (۷): آج کل مختلف پروگراموں، شادی بیاہ کے موقع پر آنے والے مہمانوں یا دلہے کو، پھولوں کا گلدستہ پیش کیا جاتا ہے، اور خود دلہے کے دوست واحباب، اعزا واقارب، اس گاڑی کو جس میں دلہا آتا ہے، اور دلہن رخصت ہو کر جاتی ہے، پھولوں سے سجانے کا اہتمام کرتے ہیں، شرعِ اسلامی میں اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ یہ غیر اسلامی تہذیب (یورپ) کی ایک رسم ہے، جس کی بلا سوچے سمجھے اندھی تقلید کی جاتی ہے، جو پیسہ ان کی خرید میں صرف ہوتا ہے وہ اِسراف ہے، اور شرعِ اسلامی میں اِسراف کی کوئی گنجائش نہیں، کیوں کہ مال اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اسے اِس طرح ضائع کرنا شرعاً ناجائز ہے، بہتر یہ ہے کہ آنے والے مہمانوں یا دلہے کو کوئی ایسا تحفہ یا ہدیہ دیں، جو دیرپا اور پائیدار ہو، بوقتِ ضرورت ان کے کام آئے، اور فضول خرچی سے خالی ہو۔ (صحیح البخاری: ۱/۳۲۴)

مسئلہ (۸): بسا اوقات، بس، ٹرین وغیرہ، کسی حادثہ کا شکار ہو جاتی ہے، تو حکومتِ وقت ہلاک ہونے والے افراد کے

لواحقین کو کچھ رقم دیتی ہے، یہ رقم چوں کہ حکومت کی طرف سے عطیہ ہوتی ہے، ہلاک شدہ کی ملکیت نہیں ہوتی، اس لیے اس میں وراثت کی تقسیم جاری نہیں ہوگی، بلکہ حکومت، متأثرہ خاندان کے جس فرد کو بھی یہ رقم دے گی، وہی اُس کا مالک ہوگا۔

(تبیین الحقائق:۷/۴۷۱)

مسئلہ (۹): طلباء جامعہ کو، جامعہ کی طرف سے جو کتابیں سال کے شروع میں پڑھنے کیلئے دی جاتی ہیں، اور سال کے آخر میں ان سے واپس لیجاتی ہیں، وہ ان کی ملکیت نہیں بلکہ عاریت ہے، اور عاریت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اس میں وہی تصرف جائز ہے جس کی عاریت پر دینے والے کی طرف سے اجازت ہو، اگر اس کی طرف سے اجازت نہیں ہے تو کوئی تصرف جائز نہیں، خواہ مفید ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر آپ کسی سے کتاب لیں، اور اس میں کتابت کی غلطی پائیں، تب بھی آپ کیلئے اسی وقت اصلاح جائز ہے جبکہ اس سے مالکِ کتاب کو ناراضگی نہ ہو، ورنہ اپنے طور پر اصلاح کرنا درست نہیں، جب کتابت کی غلطی کی اصلاح کے سلسلہ میں یہ حکم ہے، تو عاریت کی کتابوں پر اپنے نام لکھنا، ان پر حواشی چڑھانا اور افتتاح واختتام کتاب کی تاریخ مع تعیینِ ماہ وسن لکھنا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے، جبکہ جامعہ کی طرف سے اس کی ممانعت ہے، اس لئے اس سے احتیاط برتیں۔ (حاشیۃ قرۃ عیون الأخیار تکملۃ الشامیۃ علی الدر المختار:۱۲/۵۵۴)

مسئلہ (۱۰): لقطہ یعنی گری پڑی چیز کسی شخص کا وہ کھویا ہوا مال ہے جسے کوئی اور شخص اٹھالے، لقطہ کا اٹھانا کبھی مستحب ہوتا ہے کبھی مباح اور کبھی حرام، اگر اندیشہ ہو کہ نہ اٹھانے کی صورت میں وہ سامان ضائع ہوجائیگا تو اصل مالک تک پہنچانے کی نیت سے اسے اٹھالینا مستحب ہے، بلکہ شوافع کے نزدیک واجب ہے، اگر ضیاع کا اندیشہ نہ ہو تو اس کا اٹھانا مباح ہے، اور اس نیت سے اٹھانا کہ وہ خود رکھ لے گا اصل مالک تک نہ پہنچائے گا تو یہ حرام ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لقطہ یعنی گری پڑی چیز اٹھانا اس کے لیے حلال ہے جو اعلان کا ارادہ رکھتا ہو''۔ (فتاوی قاضیخان علی ہامش الہندیۃ:۶/۲۱۹)

مسئلہ (۱۱): اگر کسی شخص کی چپل یا جوتا مسجد سے تبدیل ہوگیا، یا جہاز یا بس وغیرہ میں بیگ تبدیل ہوگیا اور غلطی سے دوسرے کا بیگ آ گیا تو اس کا استعمال جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ بات یقینی نہیں ہے کہ جس نے جوتا یا چپل یا بیگ لیا ہے، یہ جوتا یا چپل اور بیگ اسی کا ہے، اور اگر یقین ہو بھی تو چونکہ باہمی اس کے مبادلہ کا کوئی معاملہ نہیں ہوا، اس لیے اس کا حکم لقطہ یعنی گری پڑی چیز کا ہوگا، اس کے مالک کو تلاش کرکے واپس کرنا لازم وضروری ہے، اور اگر مالک کے ملنے سے ناامید ہوجائے تو مالک کی طرف سے صدقہ کردے، اور اگر خود فقیر ہو تو اس کو استعمال کرسکتا ہے۔ (إمداد المفتیین المسمی بالفتاوی العزیزیۃ:۲/۲۷۷)

مسئلہ (۱۲): کسی کا مال بغیر اس کی اجازت کے لے لینا، اور استعمال کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، جبکہ حالتِ احرام

میں تو خصوصاً فسق وفجور سے احتراز لازم اور ضروری ہے، اس لیے مسجد حرام سے چپل وغیرہ کوئی بھی سامان جو اپنی ملکیت میں نہ ہو، اس کو اٹھانے اور استعمال کرنے سے بچنا واجب ہے، جبکہ بعض مفتیانِ کرام نے حرم شریف میں جوتوں کی تبدیلی کی بابت یہ تفصیل لکھی ہے کہ جن چپلوں کے بارے میں یہ خیال ہو کہ مالک اس کو تلاش کرے گا، ان کو نہ پہنے، اور جن چپلوں کو اس خیال سے چھوڑ دیا گیا ہو کہ کوئی ان کو پہن لے، تو ان کو پہننا جائز ہے، مگر اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ ان چپلوں کو اس خیال سے چھوڑ دیا گیا کہ کوئی ان کو پہن لے، کیوں کہ اس خیال کا تعلق صاحب خیال سے ہے، اور وہ معلوم نہیں ہے کہ اس سے دریافت کیا جا سکے، اور جب یہ معلوم نہیں ہو سکتا تو عدم جواز کا قول ہی بہتر اور مبنی بر احتیاط ہے۔ (سورۃ البقرۃ:۱۹۷)

مسئلہ (۱۳): بعض مرتبہ کسی کی چپل یا جوتا کوئی شخص مسجد سے یا کسی اور مقام سے چرا لے جاتا ہے تو وہ دوسرے کی چپل یا جوتا پہن لیتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرے لیے جائز وحلال ہے، کیوں کہ میری چپل یا جوتا بھی تو چوری ہو گیا، جب کہ اپنی کسی چیز کے چوری ہو جانے پر دوسرے کی چیز کی چوری جائز نہیں ہوتی، بلکہ ویسے ہی ناجائز وحرام ہے جیسے پہلے تھی۔ (تعلیق بدائع الصنائع:۹/۲۷۹)

مسئلہ (۱۴): لقطہ یعنی گری پڑی چیز کا اعلان کرنا واجب ہے، فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ بازار اور مساجد کے دروازوں پر اعلان کرے، لقطہ کی اہمیت اور قیمت کے لحاظ سے اعلان وتشہیر کے لیے رسائل، اخبار اور ریڈیو وغیرہ کا انتخاب بھی کیا جا سکتا ہے، جب لقطہ یعنی گری پڑی چیز کے مالک کا پتہ چل جائے تو اسے دیدے، اور اگر مناسب مدت مثلاً: ایک سال تک اعلان کیا اور مالک کا پتہ نہ چلا تو صدقہ کر دے، اور اگر خود مستحق ہو تو خود بھی استعمال کر سکتا ہے، پھر اگر مالک آ جائے تو اسے اختیار ہوگا، کہ اپنی چیز لے لے یا اجر وثواب حاصل کرے۔ (فتاوی ہندیہ:۲/۲۸۹)

مسئلہ (۱۵): بعض لوگ گھڑی ساز کے پاس اپنی گھڑیاں مرمت کیلئے دے کر واپس لینے نہیں آتے اور نہ اس کی امید ہوتی ہے کہ وہ آ کر لے جائیں، اس صورت میں گھڑی ساز کیلئے یہ حق نہیں ہے کہ وہ گھڑیوں کی قیمت خیرات کر کے ان گھڑیوں کو اپنی ملک بنا لے، بلکہ تمام عمر ممکن حد تک ان کی حفاظت کرنی چاہیے، تاوقتیکہ اصل مالک انہیں لے جائیں، یا ان کی طرف سے کوئی ہدایت وصول ہو، یا ان کی موت کا علم ہو جائے، تو ان کے ورثاء کے سپرد کر دی جائیں، کیوں کہ گھڑیاں گھڑی ساز کے پاس امانت ہیں، اور امانت کو لقطہ (گری پڑی چیز) کی طرح صدقہ نہیں کیا جا سکتا۔ (المحیط البرہانی:۶/۳۳۷)

مسئلہ (۱۶): بسا اوقات بس یا ٹرین کے ذریعہ سفر میں کوئی آدمی ہمارے ساتھ سفر میں ہوتا ہے، اس کی منزل آنے پر وہ اتر تا ہے، اور اس کا کوئی سامان وغیرہ ہمارے پاس رہ جاتا ہے، اور ہم اس کو نہ جانتے ہیں اور نہ ہمیں اس کا پتہ ہوتا ہے، تو اس سامان کا حکم یہ ہے کہ جب تک یہ خیال ہو کہ وہ شخص سامان کی تلاش میں ہوگا، اس وقت تک اسے تلاش کیا جائے، اور جب ملنے

سے مایوسی ہو جائے تو اسے صدقہ کر دیا جائے، یا خود مستحق ہو تو اسے استعمال کر لے۔ (بدائع الصنائع: ۵/ ۲۹۸، ۲۹۹)

مسئلہ (۱۷): بسا اوقات اپنی مرغی کے ڈربہ میں کسی اور کی مرغی انڈا دے جاتی ہے، اور پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کس کی مرغی ہے، تو اس انڈے کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ لقطہ کی طرح اصل مالک کو تلاش کر کے اس کے حوالہ کیا جائے، لیکن پوری تلاش کرنے کے بعد بھی اگر اصل مالک کا پتہ نہ لگے، تو کسی غریب کو دیدے، اور خود غریب ہو تو خود بھی استعمال کر سکتا ہے، لیکن اگر مالک آئے اور مطالبہ کرے، تو اس کی قیمت اپنے پاس سے ادا کرنے کا حکم ہے۔ (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنہر: ۲/ ۵۲۵)

مسئلہ (۱۸): بسا اوقات ندی، نہر اور سیلاب کے پانی میں تعمیراتی لکڑیاں، گھریلو سامان، کرسی اور برتن وغیرہ بہہ آتے ہیں، اس طرح کی چیزوں کی دو قسمیں ہیں: (۱) معمولی بے قیمت چیزیں، جن کی مالک کو تلاش نہیں ہوا کرتی، (۲) قیمتی چیزیں، جن کی مالک کو تلاش ہوا کرتی ہے۔...... پہلی قسم کی چیزیں ملیں تو اُن کی تشہیر اور اعلان کی ضرورت نہیں، اُٹھانے والا اُسے اپنے کام میں لاسکتا ہے، لیکن مالک آکر طلب کرے تو دینا ضروری ہوگا، البتہ دوسری قسم کی چیزوں کی تشہیر اور اعلان ضروری ہے، اور اتنی مدت تک رکھنا بھی ضروری ہے جب تک کہ مالک کے آنے کی امید ہو، اور اگر اس چیز کے بگڑنے کا اندیشہ ہو تو کسی غریب مستحق کو صدقہ کر دے، یا اٹھانے والا خود غریب ہو تو وہ بھی اسے استعمال کر سکتا ہے، لیکن اگر مالک آکر، اُٹھانے والے، یا جس غریب کو صدقہ کر دیا گیا، اُس سے طلب کرے، تو دینا ضروری ہوگا، اور اگر وہ چیز موجود نہ ہو تو مالک قیمت بھی لے سکتا ہے۔
(المبسوط للسرخسی: ۱۱/ ۳، ۴، ۸)

مسئلہ (۱۹): سیلاب وغیرہ میں بہت سی چیزیں بہہ کر آتی ہیں، ان کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں، کیوں کہ یہ لقطہ کی طرح ہیں، اور لقطہ کا حکم یہ ہے کہ مالک کو تلاش کر کے اس کے حوالہ کیا جائے، ہاں! اگر خود غریب مصرفِ صدقہ ہے، تو خود بھی استعمال کر سکتا ہے، لیکن اگر مالک آئے اور مطالبہ کرے، تو اس کی قیمت اپنے پاس سے ادا کر دے۔ (فتاوی ہندیہ: ۲/ ۲۹۱)

رھن، سرقہ اور غصب کا بیان

مسئلہ (۱): بعض لوگ بطورِ قرض دوسروں کو روپئے دیتے ہیں، اور وصولیٔ دین کو یقینی بنانے کیلئے کوئی چیز اپنے پاس بطور رہن یعنی گروی رکھتے ہیں، اور اس شیٔ مرہون (جس چیز کو گروی رکھا گیا ہے) سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں، جبکہ مرتہن (جس کے پاس کوئی چیز گروی رکھی گئی ہے) کا شیٔ مرہون سے فائدہ اٹھانا، یا نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے، گرچہ راہن (گروی رکھنے والا) نے نفع اٹھانے کی صراحۃً اجازت دی ہو، یا عرفاً اس کا رواج ہو، کیوں کہ یہ سود ہے، اگر مرتہن نے شیٔ مرہون سے فائدہ اٹھایا اور وہ شیٔ ہلاک ہوگئی، تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ (بدائع الصنائع: ۵/ ۲۱۲)

مسئلہ (۲): اگر کوئی شخص کسی سے قرض لے اور قرض خواہ کے پاس اپنی موٹر سائیکل گروی رکھے، تو قرض خواہ کیلئے اس کا استعمال جائز نہیں ہے، البتہ اگر استعمال کا کرایہ بازاری نرخ کے مطابق مقرر کر کے اسے قرض میں محسوب کیا جائے تو یہ جائز ہے، مگر اب عقد رہن ختم ہو کر عقد اجارہ ہو جائیگا، اور تجدید قبضہ ضروری ہوگا۔ (أحکام القرآن للجصاص:۱/۶۴۴)

مسئلہ (۳): بعض طلباء اپنے ساتھیوں کی چپل ان کی اجازت کے بغیر پہن کر چلے جاتے ہیں، اور ان کی جو منزلِ مقصود ہوتی ہے وہاں لیجا کر اسے چھوڑ دیتے ہیں، مثلاً درسگاہوں کے سامنے سے پہن کر مطبخ چلے جاتے ہیں اور وہیں چھوڑ دیتے ہیں، یا درسگاہوں میں سے پہن کر مسجد چلے جاتے ہیں اور وہیں چھوڑ دیتے ہیں، ان کا یہ عمل چوری ہے، جو شرعاً حرام ہے، اور چور پر لازم ہے کہ وہ عین مسروق، مسروق منہ کو یعنی چرائی ہوئی چیز اس کے اصل مالک کو لوٹا دے، اور ضائع ہونے یا کرنے کی صورت میں اگر اس کا مثلِ صوری موجود ہو تو مثلِ صوری، ورنہ مثل معنوی یعنی قیمت ادا کر دے، لہٰذا طلباء کو چاہیے کہ وہ اس طرح ایک دوسرے کی چیزیں بلا اجازت استعمال نہ کریں، کیوں کہ یہ جائز نہیں ہے، ورنہ مناسبِ حال تعزیر کرنا درست ہوگا۔
(منہاج المسلم:ص/۴۳۴، ۴۳۵)

مسئلہ (۴): آپریٹنگ سسٹم (Oprating System) اور سافٹ ویئرز (Softwears) جیسے ونڈوز (Windows) آفس (Office)، فوٹو شاپ (Photoshop) وغیرہ یہ سافٹ ویئرز انتہائی قیمتی اور نادر ہوتے ہیں، اور کمپنی اسے خطیر رقم دے کر بنواتی ہے، اگر متعلقہ کمپنی نے ان پروگراموں اور سافٹ ویئرز کی بلا اجازت کاپی کرنا ممنوع قرار دیا ہو تو اس طرح کے سوفٹ ویئر اور پروگراموں کی کاپی کر کے خرید و فروخت کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اس سے بچنا واجب ہے۔ (منہاج المسلم:ص/۴۲۷، ۴۲۸)

مسئلہ (۵): اگر کسی شخص نے کسی کے ہزار روپے غصب کر لئے، یا امانت میں خیانت کر کے رکھ لیا، اور اس ہزار روپے سے تجارت و کاروبار کیا، جس سے بڑا نفع ہوا، تو شخص مذکور پر لازم ہے کہ وہ ایک ہزار روپئے اصل مالک کو واپس دیدے، اور اپنی اس غلطی اور خیانت کی وجہ سے اس سے معافی بھی مانگے، توبہ استغفار بھی کرے اور جو کچھ نفع کمایا اس کو غرباء پر صدقہ کر دے۔
(مجمع الأنہر:۴/۸۱)

مسئلہ (۶): سرکاری زمینیں جو پنچائیت یا میونسپلٹی وغیرہ کی زمینیں کہلاتی ہیں، یا شارعِ عام، جس کے ساتھ عوام کا حقِ استفادہ متعلق ہوتا ہے، انہیں متعلقہ محکمہ کی اجازت کے بغیر اپنے قبضہ و تصرف میں لانا اور عوام کو تکلیف و مشقت میں ڈالنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ (روح المعانی:۲/۶۳۲)

مسئلہ (۷): اگر کسی ملک پر کمیونسٹوں کا قبضہ ہو جائے، اور اکثر مسلمان وہاں سے ہجرت کر جائیں، اور بعض مسلمان باقی رہ جائیں، تو جن لوگوں نے کمیونسٹوں کے قبضے کے بعد ہجرت نہیں کی اور انہیں کے ساتھ رہ رہے ہیں، اور مجاہدین کے خلاف ان کی اعانت نہیں کرتے ہیں، تو گرچہ یہ لوگ ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں، لیکن شریعتِ مقدسہ ان کو قصداً وارادۃً قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتی ہے، البتہ ان کے اموال کو ضبط کرنا جب کہ اس سے کفار کو فائدہ پہنچ رہا ہو، درست ہے۔
(ردالمحتار:۶/۱۶۰)

ضمان/تاوان کا بیان

مسئلہ (۱): کبھی دو فریق آپس میں لڑائی جھگڑا کرتے ہیں، تو ایک تیسرا فریق ان کے درمیان صلح کرنے کے لیے، ان میں سے جس کی غلطی ہو، اس پر مالی تاوان رکھتا ہے، تو یہ مالی تاوان لازم کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی معاملہ میں کسی فریق کا واقعی کچھ خرچ ہوا ہے، یا اس نے دوسرے فریق کا حق دبایا ہے، تو وہ لیا جاسکتا ہے۔ (ردالمحتار:۶/۷۶،۷۷)

مسئلہ (۲): اسکولوں اور مدرسوں میں طلباء کے چھٹیوں کے بعد تاخیر سے پہنچنے پر ان سے جرمانہ کی رقم وصول کی جاتی ہے، مالی جرمانہ جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں ائمۂ ثلاثہ کا اختلاف ہے، طرفین کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے، جبکہ جمہور علماء کے نزدیک مالی جرمانہ جائز نہیں ہے، اور یہی قول راجح اور مفتی بہ ہے، کیوں کہ مالی جرمانہ کی اجازت دینے سے ظلم کے راستے کھل جانے کا قوی اندیشہ ہے، لیکن اگر طلباء کے وقت پر آنے کو یقینی بنانا ہے، یا اگر جرائم کی روک تھام کرنی ہے، تو اس کے لیے یہ صورت اپنائی جاسکتی ہے کہ انتظامیہ طلباء سے ان کی رضامندی سے یہ معاہدہ کرلے کہ اگر وہ وقت پر نہ آئیں، یا انتظامیہ کا فلاں قانون توڑ دیں تو ان پر مثلاً ۱۰۰/روپئے رفاہِ عام کیلئے صدقہ کرنا لازم ہوگا، تو اس معاہدہ کی رو سے ۱۰۰/روپئے لینا، اور اسے متعین مد میں صرف کرنا جائز ہوگا، کسی استاذ یا کلاس ٹیچر یا پرنسپل کیلئے اسے اپنے استعمال میں لانا شرعاً جائز نہیں ہے، متعین مد میں صرف کرنا لازم ہے۔ (اعلاء السنن:۱۱/۷۳۳)

مسئلہ (۳): بسا اوقات بہت سے لوگ کسی پارکنگ (Parking) میں اپنی گاڑیاں ترتیب سے کھڑی کرتے ہیں، جہاں انہیں پارکنگ کا حق حاصل ہوتا ہے، اگر کسی گاڑی کا اسٹینڈ ٹوٹ جانے یا تیز ہوا وغیرہ چلنے کی وجہ سے وہ اپنی قریبی گاڑی پر گر جاتی ہے، جس کی وجہ سے یکے بعد دیگرے سب یا اکثر گاڑیاں گر جاتی ہیں، جس میں گاڑی مالکوں کا نقصان ہوجاتا ہے، اس صورت میں اس شخص پر کوئی ضمان واجب نہیں ہوگا، جس کی گاڑی گرنے کی وجہ سے دوسری گاڑیاں گر گئیں۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی:۸/ ۵۹۵، رقم الحدیث:۱۷۶۸۶)

مسئلہ (۴): اگر کسی شخص کا سرکاری یا کسی کی ذاتی سواری سے ایکسیڈنٹ ہوجائے اور وہ حادثہ میں فوت یا زخمی ہوجائے، تو فوت ہونے کی صورت میں اس کے ورثاء کو اور زخمی ہونے کی صورت میں خود اسے سرکار یا گاڑی مالک سے مالی معاوضہ لینا اور ان کے نہ دینے کی صورت میں ان کے خلاف مقدمہ دائر کرنا دونوں باتیں درست ہیں، البتہ معاف کردینا بہتر ہے۔ (ہندیہ:۶/۵۰)

مسئلہ (۵): جب دو سوار آپس میں ٹکرا جائیں اور ان دونوں میں سے کسی ایک ہی کی غلطی ہو تو اس پر دوسرے کے لیے ضمانِ نقصان واجب ہوگا، اور اگر دونوں کی غلطی ہو تو ہر ایک دوسرے کے لیے نقصان کا ضامن ہوگا۔ (مجمع الضمانات:ص/۴۰۳)

مسئلہ (۶): اگر دورانِ سفر ڈرائیور کے ہاتھوں گاڑی کا ایکسیڈنٹ (Accident) ہوجائے تو اس پر نقصان کی تلافی لازم نہیں ہوگی، کیوں کہ وہ اجیرِ خاص یعنی تنخواہ دار ملازم ہے، اس کی حیثیت امین (Trustee) کی ہے اور امانت کے ضائع ہونے پر امین پر ضمان لازم نہیں ہوتا، ہاں اگر ڈرائیور کی طرف سے کوئی مخالفت یا تعدی (Trespass) یا تعمد (Intention) پایا جائے تو ان صورتوں میں وہ ضامن ہوگا۔ (النتف فی الفتاوی:ص/۳۰۴)

مسئلہ (۷): بہت سے اچھے بھلے دیندار لوگ جو نماز روزہ کے پابند ہیں اور مجموعی اعتبار سے حلال وحرام، جائز وناجائز کی بھی فکر رکھتے ہیں، ٹریفک کے قواعد کی بلاجھجک خلاف ورزی کرتے ہیں، اور ان کے ضمیر پر نہ اس کا بوجھ ہوتا ہے، نہ اس طرزِ عمل کو غلط یا گناہ سمجھتے ہیں، چنانچہ غلط سمت میں سفر کرنا، رکنے کے سرخ اشارات پر نہ رکنا، پورے راستہ کو گھیر کر چلنا، راستہ پر چلتے ہوئے ہنسی مذاق کرنا، راستہ پر پان، گٹکھا یا تمباکو کھا کر تھوکنا وغیرہ کو گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا، جب کہ شرعاً یہ تمام چیزیں سخت گناہ ہیں۔ (ردالمحتار:۲/۱۷۲)

مباحات وممنوعات کا بیان

مسئلہ (۱): دورانِ قیامِ جامعہ جن علومِ دینیہ کو ہم طلباء نے حاصل کیا، انہیں دوسروں تک پہنچانا ہم پر فرضِ کفایہ ہے، ملکی وریاستی امیروں پر ہاتھ کے ذریعہ، علماء پر زبان کے ذریعہ، اور عوام پر دل کے ذریعہ امر بالمعروف فرضِ کفایہ ہے، امر بالمعروف پانچ چیزوں کا محتاج ہے:......(۱) علم: کیوں کہ جاہل ''امر بالمعروف'' بحسن خوبی انجام نہیں دے سکتا، (۲) اس کے ذریعہ اللہ کی رضامندی اور اسلام کی سربلندی مقصود ہو، (۳) جسے ''امر بالمعروف'' کیا جائے اس کے ساتھ نرمی اور شفقت کا معاملہ ہو، (۴) ''امر بالمعروف'' کرنے والا خوب صبر کرنے والا اور حلیم الطبع ہو، (۵) جس چیز کا دوسرے کو امر کرے خود اس پر عامل ہو، تاکہ فرمانِ الٰہی: ﴿لم تقولون ما لا تفعلون﴾ کا مصداق نہ بنے۔ (ہندیہ:۵/۳۵۳)

مسئلہ (۲): طلباء مدارس کا اپنے علم میں اضافہ کی خاطر، مطالعۂ کتبِ دینیہ ودرسیہ میں مشغول ہونا، عباداتِ نافلہ میں

مشغول ہونے سے افضل ہے، کیوں کہ عباداتِ نافلہ میں مشغول ہونا رافعِ درجات ہے جو نفعِ لازم ہے، اور تحصیلِ علمِ شریعت میں مشغول ہونا نفعِ متعدی ہے، اور نفعِ متعدی نفعِ لازم سے افضل ہے، لیکن اگر اس اشتغال سے ترکِ فرائض وواجبات لازم آتا ہو تو یہ اشتغال جائز نہیں ہوگا۔ (الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ:۶/ ۳۷۸)

مسئلہ (۳): دینی اور دنیوی تعلیم کے مثبت ومنفی دونوں نتیجے نکلتے ہیں، اچھا نتیجہ اور برا نتیجہ، دینی تعلیم کا اچھا نتیجہ، تخلیقِ انسانیت کے مقصد کی تکمیل، جب کہ اس پر عمل ہو، اور دینی تعلیم کا برا نتیجہ ذلتِ دوام اور اسی کے خلاف حجت ہونا جبکہ اس پر عمل نہ ہو، دنیوی تعلیم کا اچھا نتیجہ خدمتِ خلق اور کسبِ حلال اور برا نتیجہ مقصدِ حیات کے پورا کرنے میں رکاوٹ، جبکہ اس قدر انہماک ہو کہ فرائض سے بھی غافل کردے۔ (احیاء علوم الدین:۱/ ۷،۸)

مسئلہ (۴): مدارس وجامعات میں پڑھنے والوں کا مقصدِ قیام، تحصیلِ علوم شرعیہ ومعارفِ نافعہ ہے، اس لیے ان کا ایسے کام میں مشغول ہونا، جو اس عظیم مقصد میں مخل اور تضییعِ اوقات کا سبب وذریعہ بنے، مثلاً: رات دیر گئے تک لایعنی (فضول) باتیں کرنا، بلا مقصد فون کرنا، بلاضرورت بازاروں میں گھومنا، اور ہوٹلوں اور چوراہوں پر بیٹھنا وغیرہ، شرعاً سخت ناپسندیدہ اور ناجائز ہے۔ (جمع الجوامع:۶/ ۳۹۳، رقم الحدیث:۲۰۰۰۷)

مسئلہ (۵): فرائضِ خمسہ: کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور علمِ اخلاص کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، کیوں کہ صحتِ عمل اسی پر موقوف ہے، اسی طرح علمِ حلال وحرام، اور علمِ ریاء کا حاصل کرنا بھی فرض ہے، کیوں کہ عابد ریاء کے سبب اپنے عمل کے ثواب سے محروم ہوتا ہے، علمِ حسد وعجب کا حاصل کرنا بھی فرض ہے، کیوں کہ یہ دونوں چیزیں نیک عمل کو ایسے ہی کھا جاتی ہیں جیسے آگ لکڑی کو، خرید وفروخت، نکاح وطلاق کا علم اس شخص پر حاصل کرنا فرض ہے، جو ان امور میں داخل ہونا چاہتا ہے، اُن الفاظ وکلمات کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے، جس سے انسان اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، ہم طلباء مدارسِ دینیہ اسی (فرض) علم کی تحصیل میں مشغول ہیں، اس لئے ہر ایسا کام جو اگرچہ مباح ہو، مگر ہمارے اس مقصدِ عظیم میں مخل ہو، ہمارے لئے اس کا کرنا مکروہِ تحریمی ہوگا، مثلاً: بلاضرورت موبائل کا استعمال، بازاروں میں فضول گھومنا پھرنا، اور رات دیر گئے تک گپ بازی کرنا وغیرہ، کیوں کہ شریعتِ اسلامیہ ایسے مباح کام سے بھی منع کرتی ہے جو فرائض وواجبات کی ادائیگی میں مخل ہو، یا دین میں کسی خرابی کا ذریعہ بنے، فقہ اسلامی میں اس کی بے شمار نظیریں موجود ہیں، مثلاً: (۱) عام حالات میں خرید وفروخت مباح ہے، مگر اذانِ جمعہ کے بعد اس میں مشغول ہونا مکروہِ تحریمی ہے، کیوں کہ یہ ایک واجبِ شرعی یعنی اداءِ جمعہ میں مخل ہے، (۲) کسی بھی وقت نفل نماز پڑھنا مباح ہے، مگر تین اوقات میں مکروہِ تحریمی ہے، کیوں کہ اس سے کافروں کے ساتھ مشابہتِ ظاہرہ لازم آتی

ہے،(۳) خالق کی خلقت وصنعت کو دیکھنا اور اس میں غور وفکر کرنا گرچہ مباح ہے، مگر جب غیر محرم سامنے ہو تو نظر کو نیچے کرنا واجب ہے، کیوں کہ یہ امرِ ممنوع کے ارتکاب کا ذریعہ ہے۔ (شامی:۱/۱۲۶،مقدمہ)

مسئلہ (۶): اخبار پڑھنا گرچہ جائز ہے، مگر طالب علم کے لیے اس کا پڑھنا لایعنی اور ضیاعِ وقت کا باعث ہونے کے علاوہ تشویش کا بھی موجب ہے، جو ذہنی یکسوئی کو ختم کرنے کی وجہ سے تعلیم کے لیے زہرِ قاتل ہے، اس لئے اس سے احتراز لازم ہے۔ (جمع الجوامع:۶/۳۹۳،رقم الحدیث:۲۰۰۰۷)

مسئلہ (۷): لڑکا جب بالغ ہو جائے تو اس کا نفقہ اس کے باپ پر واجب نہیں رہتا، بلکہ اس کا نفقہ خود اس کی ذات پر واجب ہے، کہ کسب وغیرہ کے ذریعہ اپنے نفقہ کا انتظام خود کرے، مگر اسلاف نے طلب علم میں واقعی مشغول ورشید بالغ لڑکے کے بقدر کفایت نفقہ کو اس کے باپ پر واجب کیا ہے، تا کہ کسب معاش میں مشغولیت علم دین کے حاصل کرنے میں رکاوٹ بن کر، علم دین ضائع نہ ہو جائے، لیکن طلباء اس کا غلط فائدہ اٹھاتے ہیں، کہ فضول و بے جا خرچ کر کے اپنے مصارف بڑھا لیتے ہیں، اور ان فضول و بے جا مصارف کو پورا کرنے کیلئے باپ کو منی آرڈر بھیجنے پر مجبور کرنے کیلئے، مدرسہ چھوڑ دینے، تعلیم چھوڑ کر گھر آجانے، یا کسی اور جگہ چلے جانے کی دھمکی دے کر منی آرڈر منگواتے ہیں، شرعاً یہ عمل جائز نہیں ہے۔ (ہدایہ:۲/۴۴۵)

مسئلہ (۸): امتحان کا مقصود، نصاب سے مطلوب، طلباء کی استعداد وصلاحیت کو جانچنا اور پرکھنا ہے، اس لیے کسی طالب علم کا بحالت امتحان، کسی کی جوابی کاپی دیکھ کر نقل کرنا یا کروانا، یا اپنے ساتھ جوابی تحریر لے جانا، احکامِ انتظامیہ کی خلاف ورزی، ممتحن کے ساتھ دھوکہ دہی، اور جھوٹ وخیانت جیسی عظیم قباحتوں کا موجب ہونے کی وجہ سے شرعاً ناجائز اور سخت گناہ ہے۔ (ترمذی:۱/۲۴۵)

مسئلہ (۹): طلباء کرام کا داخلہ فارم پر کرتے وقت مدرسے کے جملہ اصول وضوابط کی پاسداری کا عہد کر لینے کے بعد، اس کا پورا کرنا ان پر واجب ہو جاتا ہے۔ **امتحان** ہال میں طلباء عزیز کو جوابی کاپی رکھ کر لکھنے کیلئے جو پیڈ (Pad) یعنی پُٹھا دیا جاتا ہے، اس سلسلے میں جامعہ کا اصول یہ ہے کہ ان پر اپنا نام و پتہ، اسی طرح رَف (Rough) یعنی غیر مرتب وتخمینی جواب نہ لکھے جائیں، اور امتحان سے فارغ ہونے کے بعد اسے ذمہ داران امتحان کے پاس جمع کر دیں، لہذا اس اصول کی پاسداری بھی ان پر لازم ہے، بلا اجازت انہیں اپنے درسگاہوں یا ہاسٹلوں (Hostel,s) میں لے جانا، یا ان پر نام و پتہ اور رَف جواب لکھنا وغیرہ گناہ کی بات ہے، اس لئے اس سے احتراز لازم ہے، امید کہ طلباء عزیز اس پر توجہ دیں گے۔ (أحکام القرآن للتھانوی:۲/۲۹۲)

مسئلہ (۱۰): قلم ذرائعِ علم میں سے ایک ذریعہ ہے، اور ذرائع ووسائل کا ادب واحترام بواسطۂ وجوبِ مقصود یعنی علم کے واجب ہونے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، اس لئے بیت الخلاء، حمام اور اس جیسے دیگر مقامات پر قلم سے ناصحانہ کلمات لکھنا، یا

کسی پر کوئی الزام لگانا، یا کسی کے عیوب کا افشاء کرنا وغیرہ، شرعاً ناجائز اور مکروہِ تحریمی ہے۔ (معارف القرآن: ۸/۷۸۶)

مسئلہ (۱۱): اچھا یہ ہے کہ آدمی سیدھے ہاتھ سے لکھے، مگر کچھ لوگ کوشش کے باوجود اس میں کامیاب نہیں ہوتے، ان کا سیدھا ہاتھ لکھنے میں کام نہیں کرتا، اس پر دوسرے لوگ اسے یہ کہتے ہیں کہ آپ اُلٹے ہاتھ سے اللہ، رسول، حضرات صحابہ اور بزرگ ہستیوں کے نام لکھتے ہو، یہ گناہ ہے، ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے، کیوں کہ سیدھے ہاتھ سے لکھنے میں معذوری ہو تو اُلٹے ہاتھ سے لکھنا مجبوری ہے، اور مجبوری کی صورت میں اُلٹے ہاتھ سے لکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية: ۲/۴۸۵)

مسئلہ (۱۲): بسا اوقات اسکولوں اور مدرسوں میں معلمین، طلباء کے سبق یاد نہ کرنے پر انہیں مرغا بناتے ہیں، مرغا بنانے پر طلباء کی جو ہیئت ہوتی ہے، وہ کسی مذہب میں عبادت کی صورت نہیں ہے، بلکہ یہ محض سزا کی ایک شکل ہے، اس لئے اس کے جواز میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ (شامی: ۶/۹۶)

مسئلہ (۱۳): آج کل بہت سے لوگ حقیقت میں پروفیسر، مفتی یا عالم نہیں ہوتے ہیں، مگر اپنے نام کے ساتھ پروفیسر، مفتی یا عالم کا لفظ استعمال کرتے ہیں، شرعاً یہ خلافِ واقعہ اور جھوٹ ہے، لہذا ان سے پرہیز کرنے کی سخت ضرورت ہے، کیوں کہ پروفیسر ایک خاص اصطلاح ہے، جو خاص لوگوں کیلئے بولی جاتی ہے، اور مفتی و عالم کا لفظ اس شخص کیلئے استعمال ہوتا ہے، جو درسِ نظامی کا فارغ التحصیل ہو، اور باقاعدہ اس نے کسی سے علم دین حاصل کیا ہو۔ (السنن لأبي داود: ص/۶۸۱)

مسئلہ (۱۴): والدین، استاد، اہلِ علم یا دوسرے قابلِ تعظیم افراد کے لیے کھڑا ہونا بغرضِ اکرام جائز ہے، بلکہ فقہاء کرام نے اسے مستحب لکھا ہے۔ (صحیح البخاری: ۲/۹۲۶)

مسئلہ (۱۵): اگر کوئی شخص قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہو، اور اس درمیان اس کے پاس کوئی شخص آجائے، تو قاریٔ قرآن کے لیے اس کی تعظیم میں کھڑا ہونا جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ آنے والا شخص عالمِ دین ہے، یا اس قاری کا باپ ہے، یا اس کا استاذ ہے، جس نے اس کو علمِ دین کی تعلیم دی، تو اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے۔ (فتاوی ہندیہ: ۵/۳۱۶)

مسئلہ (۱۶): اہلِ علم و فضل، صاحبِ ورع و تقویٰ، دین کے مقتدیٰ و رہنما، اور جو کوئی بھی عظیم المرتبت شخصیت ہو، اس کی تعظیم و تکریم کے لیے کھڑا ہونا، ''خیر مقدم'' و ''مرحباً بکم'' اور تہنیتی کلمات کہنا شرعاً درست ہی نہیں بلکہ امرِ مستحسن ہے، اور ہر ایسا نعرہ جس سے خلافِ شرع امر کی تائید و تاکید ہوتی ہو لگانا جائز نہیں ہے، اور جن نعروں میں خلافِ شرع امر کی تائید و تاکید نہ ہو، اور نہ اس سے خلافِ شرع امر مقصود ہو تو ان کا لگانا جائز ہے۔ (اسد الغابة في معرفة الصحابة: ۳/۳۲۱)

مسئلہ (۱۷): آج کا دور اعلان و تشہیر اور ایڈوٹائز کا دور ہے، ہر شعبہ میں تشہیر پر خوب توجہ دی جارہی ہے، خواہ وہ

سیاست ہو یا تجارت، زراعت ہو یا صنعت وحرفت، انسانی خدمات کے ادارے ہوں یا تعلیمی شعبے، اعلان وتشہیر میں ضابطہ یہ ہے کہ:......(۱) وہ مقاصدِ شرع کے خلاف نہ ہو ورنہ وہ حرام ہے۔(۲) جس چیز کا اعلان کیا جارہا ہے وہ خلافِ حقیقت نہ ہو، ورنہ غرر ہے، جس سے اسلام نے منع کیا ہے، (حضور ﷺ نے بیعِ غرر اور دھوکہ دہی سے منع فرمایا)۔(۳) اعلان وتشہیر میں ممنوعاتِ شرعیہ کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو، مثلاً کوئی دواساز کمپنی اپنی دوا کی تشہیر کے لیے کسی خاتون کی خدمات حاصل کرے، اور وہ اپنے جسم کے اس حصے کو اخباروں اور ٹی وی پر ظاہر کرے، جہاں اس دوا کے مفید اثرات مرتب ہوئے ہوں۔(۴) یہ اعلان وتشہیر کسی حرام وناجائز کام میں وقوع کا سبب وذریعہ نہ بنے، جیسے فلموں کی یا خرید وفروخت کی اُن صورتوں کی تشہیر جو شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ (الموافقات فی أصول الأحکام للشاطبی:۴/۲)

مسئلہ (۱۸): تبرکاً وتعظیماً قرآن مجید کو بوسہ دینا، اور بوسہ لے کر آنکھوں اور ماتھے سے لگانا شرعاً درست ہے، اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی منقول ہے۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۹/۵۵۲)

مسئلہ (۱۹): جن کاغذوں، اخباروں اور رسالوں کے اوراق پر آیاتِ قرآنیہ، یا مباحث ومسائلِ شرعیہ، یا احادیث تحریر ہوں، ان میں منجن، گل، یا کسی کھانے پینے کی چیز وغیرہ کی پڑیاں باندھنا، اس کو بلا وضوء چھونا، راستے یا کوڑے دان میں پھینک دینا، یا ردّی میں بیچ دینا جہاں اس کی بے حرمتی لازم آتی ہو شرعاً ناجائز ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۵/۳۲۲)

مسئلہ (۲۰): قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو جلانا درست نہیں، بلکہ قرآن کریم کے ناقابلِ انتفاع نسخوں کو کسی محفوظ جگہ پاک وصاف کپڑے میں دفن کردینا چاہیے، یا ان اوراق کو جاری پانی میں ڈال دینا چاہیے۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۱/۳۲۰)

مسئلہ (۲۱): قرآنِ مجید اور کتبِ احادیث وفقہ سے تکیہ کا کام لینا، یا ان پر ٹیک لگانا مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ تمام چیزیں تحصیلِ علمِ دین کے ذرائع ہیں، اور ذرائع کا احترام مقصد کے تابع ہوکر فرض اور واجب ہوتا ہے، البتہ اگر کہیں سفر میں چوری ہونے کا اندیشہ ہو، اور حفاظت کا اور کوئی طریقہ نہ ہو تو جائز ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۵/۳۲۲)

مسئلہ (۲۲): مکان اور دوکان میں قرآنی آیات جیسے: ﴿هذا من فضل ربي﴾ وغیرہ آویزاں کرنا یا لکھنا مکروہ ہے، اور اگر ایسی جگہ پر آویزاں کرے جہاں تصویریں ہوں یا ٹی وی (TV) چلایا جاتا ہو تو جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس سے قرآن کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ (ہندیہ:۱/۱۱۰)

مسئلہ (۲۳): بعض تعلیمی ادارے، تجارتی کمپنیاں اور کتب فروش حضرات، سال کے آغاز میں اسلامی کیلنڈر شائع کرتے ہیں، اور ان کیلنڈروں پر جلی حرفوں میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ قرآنی آیات کو بھی چھپواتے ہیں، جو نہ صرف جائز بلکہ تبلیغِ دین

کا بڑا ذریعہ بھی ہے، مگر اِن کیلنڈروں کا حل سب جانتے ہیں کہ جب ان کا استعمال باقی نہیں رہتا، تو وہ کوڑے کرکٹ، نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں، یا پھر چولہوں میں جلا دیئے جاتے ہیں، جب کہ یہ صورتِ حال یقیناً احترامِ قرآن کریم کے خلاف اور موجبِ وبال ہے، اس کی اصلاح اور روک تھام کی فکر بہت ضروری ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ کیلنڈروں پر قرآنی آیات نہ چھپوائی جائیں، لیکن اگر چھپوائی گئیں، تو ان کے احترام کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ (فتح القدیر للشوکانی:۲/۸۱۳)

مسئلہ (۲۴): جیب میں ایسی ڈائری یا کاغذ ہو جس میں قرآن شریف کی آیت یا حدیث لکھی ہوئی ہو، اسی حالت میں بیت الخلاء میں یا کسی ناپاک جگہ میں جانا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا اس سے احتراز ضروری ہے۔ (المحیط البرہانی:۱/۷۹)

مسئلہ (۲۵): بذاتِ خود قرآن کریم کی تلاوت کرنا انتہائی اجر و ثواب کا باعث ہے، لیکن اگر کوئی شخص از خود قرآن کریم کو صحیح نہ پڑھ سکتا ہو، اور صحت کے لیے کیسٹ چلا کر اس کے مطابق قرآن کریم کو پڑھنے کی کوشش کرتا ہو، تو یقیناً اس کا یہ عمل بھی انشاء اللہ باعثِ اجر و ثواب ہوگا۔ (التفسیر المنیر للزحیلی:۱۰/۶۲۳)

مسئلہ (۲۶): قرآن کریم کی تلاوت کیسٹ سے سننے کی بہ نسبت، بذاتِ خود تلاوت کرنا زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔ (کنز العمال:۱/۲۶۱)

مسئلہ (۲۷): ریڈیو دراصل خبروں کو نشر کرنے کے لیے ایجاد کیا گیا تھا، لیکن اب اس کا استعمال غالباً گانے بجانے وغیرہ میں استعمال ہونے لگا ہے، اس لئے ریڈیو پر قرآن کریم کی تلاوت کرنا خلافِ ادب ہے، اور اگر تلاوت استخفافاً ہو تو کفر ہے۔
(فتح القدیر للشوکانی:۲/۸۱۳)

مسئلہ (۲۸): جس ڈور بیل میں بٹن دبانے پر اللہ اکبر کی آواز نکلے، گھر یا آفس میں اسے استعمال کرنا شرعاً ناجائز ہے، کیوں کہ اس میں ''اللہ اکبر'' کے بابرکت وباعظمت الفاظ کا کسی کو اپنے آنے کی اطلاع وخبر دینے، یا کسی کو بلانے کے لئے استعمال کرنا لازم آتا ہے جو ناجائز ہے، اور اس کے اس طرح استعمال کرنے میں اللہ تعالیٰ کے معظم ومتبرک نام کی توہین بھی لازم آتی ہے۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۹/۶۱۷)

مسئلہ (۲۹): کسی شخص کو رخصت کرتے وقت، یا فون پر بات ختم کرتے وقت خدا حافظ کہنا جائز ہے، لیکن مسنون اور افضل طریقہ یہ ہے کہ '' **السلام علیکم**'' یا''**أستودع الله دينک**''، یا جو دعائیں آپ ﷺ سے منقول ہیں وہ پڑھی جائیں۔
(مشکوۃ:ص/۳۹۹)

مسئلہ (۳۰): گھر سے جاتے وقت والدین کا اپنے بچوں کو ہاتھ کے اشارے سے ٹاٹا، بائے بائے(Tata,Bye,Bye)

کہنا، یا بوقتِ صبح گڈ مارننگ (Good Morning)، یا بوقتِ ظہر گڈ آفٹرنون، (GoodAfterNoon) یا بوقتِ شب گڈ نائٹ (GoodNight) کہنا، شرعاً خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، یہ یہود ونصاریٰ کا طریقہ ہے، اور ہمیں ان کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ گھر سے باہر نکلتے وقت، اور داخل ہوتے وقت'' السلام علیکم '' یا''أستودع الله دينک وأمانتک وآخر عملک ''، جیسے الفاظ استعمال کرنے چاہیے، جس کی ہمیں آپ ﷺ نے تعلیم دی ہے۔ (ترمذی:۲/۱۸۲)

مسئلہ (۳۱): جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کرے تو اسے چاہیے کہ اس کو سلام کرے، سلام کے الفاظِ مسنونہ یہ ہیں؛'' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''، لیکن بعض لوگ سلام میں'' السلام علیک'' یا جواب میں'' وعلیک السلام'' کہتے ہیں، جبکہ سلام اور جواب دونوں میں افضل یہ ہے کہ لفظِ جمع سے سلام کرے اور لفظِ جمع سے ہی جواب دے، اسی طرح بعض لوگ جواب میں الفاظِ مسنونہ'' وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' پر اضافہ'' جنت المقام ودوزخ الحرام'' وغیرہ کہتے ہیں جو غیر مناسب ہے، کیوں کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر چیز کا ایک منتہا ہے اور سلام کا منتہا لفظ البرکات ہے۔ (شامی:۹/۵۰۷)

مسئلہ (۳۲): جب دو مسلمانوں کی آپس میں ملاقات ہو اور دونوں ایک ساتھ ایک دوسرے کو سلام کریں تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کے سلام کا جواب دے۔ (ہندیہ:۵/۳۲۵)

مسئلہ (۳۳): دورانِ درس جب استاذ کی تقریر جاری ہو، یا وعظ وتقریر کی مجلس میں وعظ ونصیحت جاری ہو، تو ایسی صورت میں بعد میں آنے والا سلام نہ کرے، کیوں کہ ایسے وقت سلام کرنا مکروہ ہے، اگر کسی نے ناواقفیت کی بنا پر سلام کرلیا تو حاضرین پر جواب دینا واجب نہیں۔ (الدر مع الرد:۲/۲۷۳،۲۷۴)

مسئلہ (۳۴): اگر اہلِ ہنود بوقتِ ملاقات'' نمستے''۔'' رام رام'' یا ایسے کلمات سے سلام کریں (جو ان کے یہاں بطورِ سلام استعمال ہوتے ہیں) تو جواب میں محض'' وعلیکم'' کہہ دیا کریں۔ (بخاری:۱/۴،۵، باب بدء الوحي)

مسئلہ (۳۵): سلام کرنا مسنون ہے، لیکن بدعتی، متکبر اور فاسق جو علانیہ مرتکبِ کبیرہ ہو، مثلاً ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا، ٹخنوں کے نیچے پاجامہ پہننا، ٹی وی دیکھنا، سب وشتم کرنا، غیبت کرنا وغیرہ یہ سب علانیہ گناہ ہیں، جب تک وہ ان گناہوں سے علانیہ توبہ نہ کرے، ایسے شخص کو سلام میں پہل کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی فاسق سے جان پہچان ہو، اور اسے سلام نہ کرنے میں تہمتِ کبر، اور اس کے لئے دینداروں سے مزید تنفر کا باعث ہو تو ایسی صورت میں گنجائش ہے۔ (شامی:۹/۵۹۵)

مسئلہ (۳۶): بوقتِ سلام صرف ہاتھ یا ہتھیلی کے اشارے سے سلام کا تلفظ کئے بغیر سلام کرنا شرعاً جائز نہیں، اور اس کا جواب دینا بھی واجب نہیں، کیوں کہ صرف انگلیوں کے اشارے سے سلام کرنا یہود کا طریقہ ہے، اور صرف ہتھیلی کے اشارے

سے سلام کرنا نصاریٰ کا طریقہ ہے، اور نبی کریم ﷺ نے ہمیں ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، ہاں اگر کوئی عذر ہو، یا کسی وجہ سے سلام کی آواز پہنچنا مشکل ہو تو اشارہ مع تلفظِ سلام یعنی سلام کے الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ اشارہ جائز ہے۔
(ہندیہ:۵/۳۲۶، کتاب الکراہیۃ)

مسئلہ (۳۷): بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی کو سلام کرتے ہیں، تو جھک کر سلام کرتے ہیں، جب کہ بوقتِ سلام جھکنے کو حضراتِ فقہاء کرام نے مکروہ قرار دیا ہے، اس لیے اس سے احتراز کیا جائے۔ (جامع الترمذی:۲/۱۰۲)

مسئلہ (۳۸): بہت سارے اسکولوں میں کراٹے سکھائے جاتے ہیں، طلبہ جب اپنے اساتذہ کے سامنے آتے ہیں، تو ہاتھ کھلا چھوڑ کر ان کے سامنے اس طرح جھکتے ہیں جس میں رکوع کی ہیئت پائی جاتی ہے، فقہاء کرام نے اس طرح کی تعظیم کو مکروہ کہا ہے، کیوں کہ ماسوی اللہ کسی کی بھی ایسی تعظیم کرنا جس میں رکوع کی طرح جھکنا پایا جائے، غیر اللہ کو سجدہ کرنے کے مترادف ہے۔ (جامع الترمذی:۲/۱۰۲)

مسئلہ (۳۹): بعض لوگ سلام کرنے پر جواب میں ''وعلیکم السلام'' کی بجائے ''جیتے رہو''، ''خوش رہو، آباد رہو، اور شاد رہو''، وغیرہ جملہ کہتے ہیں، شرعاً یہ خلافِ سنت ہے، کیوں کہ حضور اکرم ﷺ سے سلام کے جواب میں یہ کلمات منقول نہیں ہیں، بلکہ جواب دینے والے کیلئے افضل اور بہتر یہی ہے کہ وہ ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہے، اس لیے کہ یہی سنت ہے، اور اس میں بڑی معنویت اور جامعیت بھی ہے، یہ ایسی دعا ہے جو دنیا سے آخرت تک کی تمام نعمتوں کو شامل ہے۔ (سورۃ النساء:۸۶)

مسئلہ (۴۰): بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ خود تو سلام میں پہل نہیں کرتے، اور اگر کوئی اُنہیں سلام کرے، تو جواب میں صرف ''والسلام'' کہتے ہیں، صرف والسلام-سلام کا پورا جواب نہیں ہے، قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جواب سلام سے بہتر دینا چاہیے، یا اس کے مثل لوٹا دینا چاہیے، یعنی اگر کوئی ''السلام علیکم'' کہے تو جواب دینے والا ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' کہے، اور اگر سلام کرنے والا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہے تو جواب دینے والا ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہہ دے، ہم مسلمان ہیں، ہمیں قرآن وحدیث کی اِن تعلیمات پر دھیان دینا چاہیے، امید کہ اس کا خیال رکھا جائیگا۔
(أحکام القرآن للجصاص:۵/۲۹۹، حاشیۂ مسلم:۲/۲۱۲،۲۱۳)

مسئلہ (۴۱): مصافحہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ وہ دونوں ہاتھوں سے ہو، جیسا کہ عبداللہ ابن مسعود کی روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے: '' کان کفّي بين كفّيه'' کہ میری ہتھیلی آپ ﷺ کے دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اس بارے میں صریح ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا، رہی یہ بات کہ حضرت عبد

اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صرف اپنی ایک ہتھیلی کا ذکر کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی آپ کی ہتھیلی سے ملی ہوئی نہیں تھی بلکہ اس کے پشت پر تھی، اس لیے انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا، ورنہ یہ بات بعید از عقل ہے کہ آپ ﷺ تو اپنے دونوں مبارک ہاتھوں سے مصافحہ فرمائیں، اور صحابیٔ رسول وہ بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ، صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کریں، نیز اسی روایت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے مسنون ہونے کو ثابت فرمایا ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۹۲۶)

مسئلہ (۴۲): ایک بار معانقہ یعنی گلے ملنا مسنون ہے، اور تین بار خلافِ سنت ہے، اگر تین بار گلے ملنے کو ثواب سمجھا جائے تو خلافِ سنت ہی نہیں بلکہ بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے، اس لئے اس سے احتراز لازم ہے۔ (شامی:۹/۵۴۶)

مسئلہ (۴۳): بعض لوگ سلام و مصافحہ کے بعد اپنے ہاتھوں کو اپنے سینہ پر پھیرتے ہیں، جبکہ مصافحہ کے بعد سینہ پر ہاتھ پھیرنا نہ کسی حدیث میں مذکور ہے، اور نہ ہی فقہائے کرام نے کتبِ فقہ میں اس کا تذکرہ کیا ہے، یہ محض ایک رواج ہے، اس لیے اس سے گریز کرنا چاہیے۔ (صحیح البخاری:۱/۳۷۱)

مسئلہ (۴۴): جس طرح ایک مرد دوسرے مرد سے مصافحہ و معانقہ کرسکتا ہے، اسی طرح ایک عورت دوسری عورت سے مصافحہ و معانقہ کرسکتی ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ بھی کرتے ہیں، تو الگ ہونے سے پہلے ان کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔'' -آپ ﷺ نے اپنے فرمان میں مردوں اور عورتوں کی کوئی تفریق نہیں کی، اور نہ فقہائے کرام نے فرق کیا، اس لیے عورتیں بھی آپس میں مصافحہ و معانقہ کرسکتی ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح:ص۴۰۱)

مسئلہ (۴۵): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ''ویلکم'' عربی کا لفظ ''ویل لکم'' کی طرح ہے، جس کے معنی تمہارے لئے تباہی و بربادی کے ہیں، اس لئے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے، کیوں کہ ''ویلکم'' یہ لفظ عربی زبان کا نہیں انگریزی کا ہے، جو کسی کی آمد پر ''خوش آمدید'' کے طور پر بولا جاتا ہے، اس کا استعمال گرچہ جائز ہے، مگر آج کل اپنی اسلامی زبان چھوڑ کر انگریزی الفاظ استعمال کرنے کی ایک ہوا چل پڑی ہے، جو غلامانہ ذہن کی عکاس ہے، اس لئے اس سے اجتناب برتنا چاہیے، ہاں بوقتِ ضرورت استعمال کرنے میں کوئی حرج و مضائقہ نہیں ہے۔ (شعب الإیمان للبیہقی:۲/۲۳۰، رقم الحدیث:۱۶۱۰)

مسئلہ (۴۶): نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے کہ عبادتوں میں اخلاص واجب ہے اور ریاء و دکھلاوا حرام ہے، اپنی عبادتوں میں اللہ کی رضا کا مقصود ہونا اخلاص ہے، کسی اور چیز کا مقصود ہونا ریاء ہے، آپ ﷺ نے ریاء کو شرکِ اصغر فرمایا ہے، اگر کوئی شخص اس لئے نماز پڑھے کہ لوگ ترکِ صلوٰۃ کرتے ہوئے دیکھیں گے تو کیا کہیں گے، یا کوئی طالبِ علم نماز چھوڑنے پر سزا کے ڈر سے نماز پڑھے تو یہ بھی ریاء میں داخل ہے، اس طرح سے پڑھی جانیوالی نماز صحیح تو ہو جائیگی مگر ثواب سے خالی ہوگی، کیوں کہ صحت

ثواب کو اور ثواب صحت کو مستلزم نہیں ہے، صحت شرائط وارکان سے متعلق ہے اور ثواب اخلاص سے، لھٰذا جب کوئی عبادت کی جارہی ہو تو اخلاص کے ساتھ کی جائے تاکہ وہ صحیح بھی ہو جائے اور آخرت میں ثواب بھی حاصل ہو اور یہی عبادت کی غرض ہے۔
(أدب الدنیا والدین: ص/۸۵)

مسئلہ (۴۷): آج کل سالِ نو کے آغاز میں کیلنڈر اور ڈائریاں تقسیم کرنے کا رواج ہے، اصلاً یہ کسی کمپنی یا ادارہ کا اشتہار ہوتی ہیں، اگر یہ کیلنڈر اور ڈائریاں ایسی کمپنی کی ہیں جن کا کاروبار حرام ہے، مثلاً سودی بینک، تو ان کو اپنی آفسوں میں رکھنا اور استعمال کرنا حرام میں تعاون کے مترادف ہے، اس سے بچنا لازم ہے، اور اگر ان کا کاروبار جائز اور مباح ہے، مثلاً بلڈ پو، جوتا یا کپڑے کی کمپنی، تعمیرات میں لگنے والی اشیاء کی کمپنی، یا ملبوسات ومطعومات کی کمپنی، تو ان کے رکھنے اور استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (أحکام القرآن للجصاص: ۲/۳۸۱)

مسئلہ (۴۸): عصر کے بعد مجلس تلاوت میں یا کسی اور مجلس میں جب قرآن کریم کی تلاوت کی جارہی ہو تو سامعین پر تلاوتِ قرآن کا سننا واجب ہے، اور تلاوت قرآن کے وقت ہر ایسا مباح کام بھی ممنوع وناجائز ہے، جو تلاوت کے سماع میں مخل ہو، چہ جائیکہ قرآن کی تلاوت کے وقت دنیوی باتیں کرنا، اور موبائل سے گیم کھیلنا، کیوں کہ فی نفسہ یہ دونوں باتیں مسجد میں ممنوع ہیں، اور تلاوتِ قرآن کے سماع میں مخل ہونے کی وجہ سے اس میں مزید قباحت وشناعت آجاتی ہے، اس لئے عام مصلیوں بالخصوص طلباءِ عزیز کو اس طرح کی باتوں سے احتراز کرنا لازم ہے۔ (جمع الجوامع: ۶/۳۹۳، رقم الحدیث: ۱۹۹۹۷)

مسئلہ (۴۹): مکان، دکان یا بحالت سفر گاڑی میں تلاوتِ قرآن پاک کو سننا نہ صرف جائز بلکہ باعث اجر وثواب ہے، لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ ٹیپ ریکارڈ کا سوئچ (Switch of the Teprecorder) آن (On) کرکے لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوجاتے ہیں، اور بعض جگہوں پر تو مجلس یا محفل کے لوگوں کو جوڑنے وجمع کرنے کیلئے قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے، کہ مجمع جڑ جائے، اور اس کے بعد کسی واعظ یا مقرر کی تقریر ہو، جب کہ قرآن کریم کی تلاوت استماع (خوب غور سے سننے) کے لیے ہے، نہ کہ اجماع (لوگوں کو جمع کرنے) کے لیے، تو ان مذکورہ حالتوں میں تلاوت قرآن کریم بجائے ثواب کے موجب گناہ ہوگی، لہذا جب بھی تلاوت قرآن کریم ہورہی ہو تو اسے خوب غور سے سنا جائے، ورنہ ٹیپ ریکارڈ وغیرہ کا سوئچ بند کردیں، تاکہ گناہ لازم نہ آئے۔ (سورۃ الأعراف: ۲۰۴)

مسئلہ (۵۰): شریعتِ اسلامی میں ہر معظم شئ کی تعظیم واحترام کا حکم ہے، چونکہ آیات قرآنی اور احادیث وغیرہ کے اوراق انتہائی معظم اور مکرم ہیں، اور بیت الخلاء میں ساتھ لے جانے سے ان کی تحقیر ہوتی ہے، اس لئے قصداً ایسا کرنے سے

اجتناب کیا جائے، رسول اللہ ﷺ بذات خود بیت الخلاء جاتے وقت اپنی انگوٹھی اتار لیتے تھے، جس میں محمد رسول اللہ ﷺ لکھا ہوا تھا، البتہ اگر ایسے اوراق کے رکھنے کے لیے کوئی مناسب جگہ نہ ہو، اور اُن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، تو پھر اِس صورت میں ساتھ لے جانے سے گناہ نہ ہوگا۔ (سنن أبی داود:۱/۴)

مسئلہ (۵۱): انگریزی سیکھنا فی نفسہ ممنوع نہیں ہے، اس لیے انگریزی زبان کا سیکھنا اگر مصلحتِ دینی مثلاً ردّ نصاریٰ وہنود، یا مصلحتِ دنیوی مثلاً کسبِ معاش وغیرہ کے لیے ہو تو جائز ہے، لیکن اگر انگریزی کا سیکھنا کسی مفسدۂ شرعیہ کی طرف مفضی ومؤدّی ہو، یعنی اطوارِ دینیہ وعقائدِ شرعیہ کی تخریب کا ذریعہ وسبب بنے تو شرعاً ناجائز ہے۔ (ترمذی:۳/۴۹۵، ۴۹۶، رقم الحدیث:۲۷۱۵)

مسئلہ (۵۲): زبانیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں، اور دلی باتوں کے اظہار کا ذریعہ ہیں، کوئی بھی زبان اپنے آپ میں مذموم وبری نہیں ہے، اب یہ انسان کا اپنا کام ہے کہ وہ اپنے جائز کاموں کیلئے استعمال کرتا ہے، یا ناجائز کاموں کیلئے، صرف اس وجہ سے کوئی زبان مذموم وناپسندیدہ نہیں ہوتی کہ اس کو بولنے والے زیادہ تر غیر مسلم ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت کو عبرانی زبانی سیکھنے کا حکم دیا تھا، جبکہ عبرانی زبان یہودیوں کی زبان تھی، اس لیے اگر کوئی شخص انگریزی، ہندی، مراٹھی اور سنسکرت وغیرہ زبان سیکھتا ہے، اور ان زبانوں کو سیکھنے کا مقصد محض ان سے واقفیت یا ان کے ذریعہ کسبِ معاش میں آسانی وسہولت پیش نظر ہے تو ان کا سیکھنا جائز ہے، اور اگر یہ مقصد ہو کہ ان زبانوں کو سیکھ کر اسلام کی دعوت دوں گا، یا ان زبانوں میں اسلامی تعلیمات کو عام کروں گا، تو اس صورت میں ان زبانوں کا سیکھنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب وباعثِ اجر وثواب بھی ہے۔
(جامع الترمذی:۲/۱۰۰)

مسئلہ (۵۳): کسی بھی ملک کا جھنڈا اور پرچم اس ملک کی عزت، بلندی، اور شان کا نشان ہوتا ہے، ہمارے ملک ہندوستان کا بھی ایک پرچم ہے، جوانہی چیزوں کی علامت ونشانی ہے، ۱۵/اگست یا ۲۶/جنوری کو پرچم کشائی کے موقع پر اسکولوں اور کالجوں کے طلباء واساتذہ اور دیگر محکموں کے افسران وملازمین اسے اپنے ہاتھ کے اشارے سے سلامی دیتے ہیں، یہ عمل محض عرفی طریقہ پر اس کا احترام ہے، اس میں اس کی عبادت وتعظیم کا کوئی پہلو نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی مسلم اس کا یہ احترام اس نیت سے کرتا ہے کہ وہ قابلِ تعظیم وعبادت ہے، کیوں کہ اس کا عقیدہ ہے کہ لائق عبادت وتعظیم صرف اللہ کی ذات ہے، اس لیے شرعاً اسے جائز ہونا چاہیے، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''یہ محض سیاسی چیز ہے اور حکومتوں کا طریقہ ہے، اسلامی حکومتوں میں بھی ہوتا ہے، بچنا اچھا ہے، اگر فتنہ کا ڈر ہو تو بادلِ ناخواستہ کرنے میں مواخذہ نہیں ہوگا۔'' (فتاوی رحیمیہ۱۰/۱۸۰)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''جھنڈے کو سلامی مسلم لیگ بھی کرتی ہے، اور اسلامی حکومتوں میں بھی ہوتی

ہے، وہ ایک قومی عمل ہے، اس میں اصلاح ہوسکتی ہے، مگر مطلقاً اس کو مشرکانہ فعل قرار دینا صحیح نہیں ہے۔" (کفایت المفتی: ۹/ ۳۷۸)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں کہ "جھنڈا الہرانا درست ہے، اور اہل علم نے اس کو جائز قرار دیا ہے، البتہ اس موقع پر ایسا عمل کرنا جس سے جھنڈے کی غیر معمولی تعظیم ظاہر ہوتی ہو، جیسے دونوں ہاتھ جوڑنا یا جھکنا جائز نہیں ہے۔"

(کتاب الفتاوی: ۱/ ۲۸۲)

مسئلہ (۵۴): آج کل بھیک مانگنا ایک پیشہ بن چکا ہے، یہاں تک کہ بعض لوگ حج جیسی عظیم عبادت کا سفر بھی بھیک مانگنے کیلئے کررہے ہیں، جیسا کہ سعودی نیوز پیپروں کے ذریعہ اس طرح کی خبریں شائع ہوچکی ہیں، جبکہ شرعاً بلا ضرورتِ شدیدہ بھیک مانگنا بالکل جائز نہیں ہے، اور نہ ہی ایسے بھکاریوں کو بھیک دینا جائز ہے، جنہوں نے بھیک مانگنے کو اپنا پیشہ بنالیا ہو، کیوں کہ ایسے بھکاریوں کو بھیک دینا حرام میں تعاون کرنے کے مترادف ہے۔ نیز جو لوگ بلا ضرورت شدیدہ بھیک مانگتے ہیں، وہ سخت وعید کے مستحق بھی ہیں، کہ قیامت کے دن ان کے چہروں پر خراشیں اور ذلت طاری ہوگی، اس لیے بلا ضرورت بھیک مانگنے سے بچنا انتہائی ضروری ہے، ہاں البتہ ضرورت شدیدہ کے وقت جان بچانے، اور اس کی حفاظت کیلئے بقدرِ ضرورت سوال کرنا جائز ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: ص/ ۱۶۲)

مسئلہ (۵۵): بعض لوگوں نے مسجدوں اور ہوٹلوں کے باہر، اسی طرح ٹریفک سگنلوں اور دیگر گزرگاہوں پر، بھیک مانگنے کو اپنا پیشہ بنالیا ہے، جب کہ شریعت کا فرمان یہ ہے کہ جس شخص کے پاس ایک دن کی غذا موجود ہے، یا وہ صحیح اور تندرست ہے، کما کر اپنی گزر بسر کرسکتا ہے، اس کے لیے بھیک مانگنا اور سوال کرنا حلال نہیں ہے، اور جس شخص کو مانگنے والے کی یہ حالت معلوم ہو، اس کے باوجود وہ اسے کچھ دیدے، تو وہ مستحق ثواب ہونے کے بجائے گناہگار ہوگا، کیوں کہ اس نے حرام کام پر اعانت کی، اور فقہ کا قاعدہ ہے کہ: "جیسے حرام کام کرنا گناہ ہے، ایسے ہی اس پر اعانت بھی گناہ ہے۔" (شامی: ۳/ ۴۲)

مسئلہ (۵۶): اگر کسی مدرسہ میں طلباء کیلئے کسی نماز سے پہلے یا نماز کے بعد قرآن کریم، حدیث نبوی ﷺ، یا ادعیۂ مأثورہ، سنانے کا معمول ہو، اور طلبہ اس معمول پر باری باری عمل پیرا ہوتے ہوں، تو کسی طالب علم کے لیے اپنی باری اپنے علاوہ طالب علم کو دینا، اس طور پر کہ اس کی دوبارہ باری نہ آئے، درست نہیں ہے، اس لئے کہ مذکورہ چیزوں کا یاد کرنا اور سنانا عبادت ہے، اور عبادت میں ایثار جائز نہیں ہے۔ (الأشباہ والنظائر لابن نجیم: ۱/ ۳۹۹)

مسئلہ (۵۷): آج کل راشن دکان پر راشن کارڈ والوں کو شکر، ڈالڈا، اور دیگر اشیاء ملتی ہیں، لوگ انہیں اپنے کارڈ پر حاصل کرکے بلیک دام میں، جو عموماً زیادہ ہوتے ہیں، فروخت کرتے ہیں، ان کا یہ عمل شرعاً درست ہے، کیوں کہ راشن کارڈ کے ذریعہ

خرید کر آدمی مالک ہوجاتا ہے، اور مالک کو اپنی چیز فروخت کرنے کا حق ہے، جس قیمت پر چاہے فروخت کرے، لیکن اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اگر یہ خلاف قانون ہے، تو پھر عزت اور مال کا خطرہ ہے، نفع کی خاطر عزت اور مال کو خطرہ میں ڈالنا دانشمندی کی بات نہیں ہے۔ (شرح المجلۃ: ص/۶۵۴، المادۃ: ۱۱۹۲)

مسئلہ (۵۸): اگر کسی کو کسی مقدمہ میں جھوٹ بولنا، یا ناحق کو حق ثابت کرنا پڑے، تو اس کیلئے اس طرح کا مقدمہ لڑنا جائز نہیں ہے، اور ایسی وکالت کی آمدنی بھی حرام ہے، لیکن جس مقدمہ میں یہ کام نہ کرنے پڑیں، اس میں وکالت جائز ہے، اور آمدنی بھی حلال ہوگی۔ (سورۃ المائدۃ: ۲)

مسئلہ (۵۹): اسلام کی نظر میں ذات پات کی بنیاد پر نہ کوئی اَپر کلاس (Upper Class) ہے، نہ بیک ورڈ کلاس (Backword Class)، لیکن حکومت وقت نے برادرانِ وطن کے سماجی مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے، مسلمانوں کی کچھ برادریوں کو بیک ورڈ قرار دیا ہے، اور انہیں مخصوص قسم کی مراعات دے رکھی ہے، اگر کوئی شخص اس برادری سے تعلق نہ رکھتا ہو، اور اس کی طرف نسبت کرکے اور اس کا سرٹیفکیٹ (Certificate) بنوا کر ان مراعات کو حاصل کرتا ہے، تو یہ سخت گناہ ہے، جھوٹ اور دھوکہ تو ہے ہی، لیکن خاص کر خاندانی نسبت کے بارے میں غلط بیانی کی رسول اللہ ﷺ نے بڑی سخت مذمت فرمائی ہے، اس لئے غلط بیانی کے ذریعہ او بی سی سرٹیفکیٹ بنانا اور اس سے فائدہ اٹھانا گناہ ہے، لیکن اگر اس کے ذریعہ کوئی ملازمت حاصل کی گئی، تو حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہوگی، کیوں کہ یہ صورت منہی عنہ قبیح لغیرہ کے قبیل سے ہے، جس میں فعل بذاتِ خود مشروع ہوتا ہے، لیکن اپنے غیر کی وجہ سے ممنوع ہوتا ہے۔ (سورۃ الحجرات: ۱۳)

مسئلہ (۶۰): بعض لوگ ریلوے میں ملازم ہوتے ہیں، ریلوے کے قانون کے مطابق ان لوگوں کو ایک سال میں کئی مرتبہ مفت پاس ملتا ہے، کہ وہ جہاں چاہیں بلا ٹکٹ کے پاس دکھا کر آ جا سکتے ہیں، اب یہ لوگ دوسرے کے بچوں اور رشتہ داروں کو اپنا بچہ اور رشتہ دار بتا کر پاس دے کر ان سے روپئے وصول کرتے ہیں، ان کا یہ عمل شرعاً ناجائز ہے، کیوں کہ یہ طریقہ دھوکہ دہی اور خیانت پر مبنی ہے، جو شرعِ اسلامی میں منع ہے۔ (صحیح مسلم: ۱/۷۰)

مسئلہ (۶۱): اگر کوئی شخص ایک اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن تک بلا ٹکٹ سفر کرے، جو جائز نہیں ہے، تو اسے چاہیے کہ جتنی دفعہ اس نے بلا ٹکٹ سفر کیا، اتنی دفعہ کرایہ کا حساب لگا کر ٹکٹ خرید لے اور ضائع کردے، اس طرح ان شاء اللہ اس کا ذمہ فارغ ہوجائیگا، کیوں کہ اس صورت میں حق، صاحبِ حق کو پہنچ جاتا ہے۔ (ردالمحتار: ۷/۲۲۳)

مسئلہ (۶۲): بعض لوگ سفر کرنے کے لیے ریلوے کا سیکنڈ کلاس (SECOND CLASS) ٹکٹ لیتے ہیں، اور

سیکنڈ کلاس میں بھیڑ ہونے کی وجہ سے فرسٹ کلاس (FIRST CLASS) میں سفر کرتے ہیں، ایسا کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ حکومت کی طرف سے سیکنڈ کلاس کے ٹکٹ کی جو منفعت متعین ہے، ٹکٹ کا خریدار (مستاجر) اسی منفعتِ متعینہ کا حق دار ہے، اگر اس سے زائد منفعت اٹھاتا ہے، تو وہ اس زائد منفعت کی قیمت کا ضامن ہوگا، اس لیے کہ سیکنڈ کلاس کے ٹکٹ کی بہ نسبت فرسٹ کلاس ٹکٹ کی مالیت زیادہ ہوتی ہے۔ (مختصر القدوری: ص/۱۰۱)

مسئلہ (۶۳): بعض لوگ کسی شخص کا موبائل نمبر کہیں سے حاصل کرکے، بذریعہ ایس ایم ایس (SMS) یا کال، اپنے آپ کو کسی مشہور کمپنی کا ایجنٹ اور نمائندہ بتا کر کہتے ہیں کہ کمپنی نے اپنے گاہکوں کے درمیان قرعہ اندازی کرکے آپ کو مثلاً ۲۰/ لاکھ یا ۲۵/ لاکھ کے انعام کا مستحق قرار دیا ہے، اس لیے آپ اپنا بینک اکاؤنٹ نمبر ہمیں بھیج دیں، ہم آپ کے انعام کی رقم اس اکاؤنٹ نمبر سے آپ کو روانہ کردیں گے، البتہ اس رقم کے روانہ کرنے پر جو خرچ آئے گا، وہ آپ کو برداشت کرنا ہوگا، لہٰذا آپ خرچ کی وہ رقم ہمارے فلاں اکاؤنٹ میں جمع کردیں، اس کے بعد ہی آپ کے انعام کی یہ رقم آپ کے اکاؤنٹ میں منتقل کی جائیگی، سامنے والا فریق مطلوبہ رقم ان کے بتائے ہوئے اکاؤنٹ میں جمع کرتا ہے، تو اسے متوقع انعام کی رقم تو نہیں ملتی مگر وہ اپنی رقم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، اور رنج والم کا شکار ہوتا ہے، اس طرح کسی کو دھوکہ دے کر اس سے رقم اینٹھنا اور اسے استعمال کرنا شرعاً ناجائز وحرام ہے، جس پر بڑی سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ عام لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس طرح کے ٹھگوں اور لُٹیروں سے ہوشیار وچوکنا رہیں، تاکہ ان کے گاڑھے پسینے کی حلال کمائی، کوئی اس طرح دھوکہ دے کر نہ لینے پائے۔ (سورۃ النساء: ۲۹)

مسئلہ (۶۴): کسی مقرر، شاعر یا نعت خواں وغیرہ کے کلام کے دوران، یا اس کے اختتام پر حوصلہ افزائی کے لیے تالیاں بجانا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، اسی طرح بعض لوگ کسی مقرر، شاعر یا نعت خواں سے کسی اچھی بات یا اچھے شعر کے سننے پر منہ میں اپنی زبان کو حرکت دے کر ''چُک چُک'' کی آواز نکالتے ہیں، یہ عمل بھی صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ جب مقرر کے کلام میں ملک وملّت کی خیرخواہی، مالکِ حقیقی کی حمد وثنا، آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف کو سنے، تو بوقتِ ضرورت ''سبحان اللہ''، ''ماشاء اللہ''، اور ''بارک اللہ'' جیسے کلمات سے اس کی حوصلہ افزائی کریں، بے موقع ''سبحان اللہ''، ''ماشاء اللہ'' اور ''بارک اللہ'' جیسے کلمات کہنا، اس میں جہاں اِن کلمات کا استخفاف معلوم ہوتا ہے، وہیں مقرر، شاعر یا نعت خواں کی تحقیر کی بُو آتی ہے، اور یہ دونوں باتیں شرعاً ممنوع ہیں۔ (تفسیر النسفی لأبی البرکات: ۱/۶۴۳، ۶۴۴)

مسئلہ (۶۵): بعض حضرات اپنے چھوٹے بچوں کی یا خود کی سالگرہ مناتے ہیں یہ ایک غیر شرعی عمل اور کفار سے مشابہت ہے، نہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی اور اپنے بچوں کی سالگرہ منائی نہ صحابہ نے نہ بعد کے صالحین نے، یہ مغربی تہذیب کی دَین

ہے، لہذا اس کا چھوڑنا ضروری ہے۔ (بذل المجہود:۱۳/۳۳، رقم الحدیث:۴۶۲۲)

مسئلہ (۶۶): بعض لوگ اپنی شادی کی سالگرہ مناتے ہیں، وہ اس طرح کہ میاں بیوی اس خوشی کے دن کی یاد میں سیر وتفریح کے لیے نکلتے ہیں، گھر سے باہر کسی اچھی ہوٹل میں ڈنر (کھانا) کھاتے ہیں، اور ایک دوسرے کو کوئی گفٹ وغیرہ دیتے ہیں، شرعاً سیر وتفریح کے لیے نکلنا، کسی ہوٹل میں کھانا کھانا، اور میاں بیوی کا ایک دوسرے کو ہدیہ دینا، اس میں کوئی قباحت نہیں، یہ سب امور مباح ہیں، لیکن مسلمانوں میں اس کا رواج گمراہ قوموں کی تقلید سے ہوا ہے، جو قابلِ مذمت عمل ہے، کیوں کہ جب آپ ﷺ نے ہمیں عبادتوں میں غیروں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا، تو اس طرح کے رسم ورواج میں ان کی تقلید کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔ (الآداب للبیہقی:ص/۴۰، رقم الأحادیث:۱۰۰، ۱۰۱)

مسئلہ (۶۷): تھرٹی فرسٹ نائٹ (Thirty First Naight) کے نام سے عوام میں مقبول، ۳۱/دسمبر کی شب میں منائے جانے والے جشن میں برادرانِ وطن بڑی مقدار میں شریک ہوتے ہیں، اور اس رات چھیڑ چھاڑ اور طوفان بدتمیزیوں کے بہت سے واقعات رونما ہوتے ہیں، جس کے انسداد اور روک تھام کیلئے حکومتِ وقت مختلف سیکورٹی وحفاظتی اقدامات کرتی ہے، اور اس پر غریب عوام سے مختلف ناموں سے وصول کی جانے والی رقم بڑی مقدار میں صرف کرتی ہے، آج کل مسلم نوجوان بھی بلا جھجک اس میں شریک ہونے لگے ہیں، جبکہ اس طرح کے تہوار وجشن میں شریک ہونا شرعاً جائز نہیں ہے، ہماری عیدیں صرف دو ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس طرح کے میلوں اور جشنوں کو منانے اور اس میں شرکت سے نہ صرف خود بچیں، بلکہ دوسروں کو بھی اس کی قباحت، برائی اور دنیوی واخروی نقصانات بتا کر روکیں۔ (حاشیۃ القونوی:۱۰/۲۲۶)

مسئلہ (۶۸): تھرٹی فرسٹ نائٹ (Thirty First Naight) یعنی سال کی تکمیل، جس کی خوشی اور نئے سال کی آمد پر پوری رات شراب وشباب چلتا ہے، محفلیں سجائی جاتی ہیں، تھرٹی فرسٹ نائٹ یعنی ۳۱ دسمبر کی رات آنے سے قبل ہی کئی دنوں قبل اس کی تیاریاں کی جاتی ہیں، تھرٹی فرسٹ نام کی ایسی کوئی چیز نہیں جس کی بنیاد پر محفلیں سجائی جائیں، اور خوشیاں منائی جائیں، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، کیوں کہ تھرٹی فرسٹ نائٹ خوشی منانے کا نہیں بلکہ خود احتسابی کا موقع ہے، انسان اپنا محاسبہ کرے اور آئندہ کے لیے برائیوں اور گناہوں سے بچنے کا عزم کرے، نہ یہ کہ سال کا آغاز ہی برائیوں کے ارتکاب، یا ایسی محفلوں میں شرکت سے کیا جائے، جن میں ایسی فحاشی وعیاشی کی دعوت دی جاتی ہے، جس سے سماج ومعاشرہ شرمسار اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ غضبناک، ہوتے ہیں، اور اجتماعی طور پر برائیاں وجود میں آتی ہیں، لہٰذا تمام مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں کو ایسی مجالس میں شرکت سے احتراز کرنا چاہیے۔ (تفسیر أبی السعود:۲/۵۳۸، سورۃ المائدۃ:۹۰)

مسئلہ (۶۹): نئے سال کی آمد پر جو خوشی منائی جاتی ہے، اور اس خوشی کے اظہار کیلئے جو افعال اختیار کئے جاتے ہیں مثلاً: پٹاخے پھوڑنا، تالیاں بجانا، سیٹیاں بجانا، ناچ گانا کرنا، Happy New Year کہنا، یا نئے سال کی مبارکبادی دینے کیلئے موبائل سے ایک دوسرے کو SMS بھیجنا وغیرہ، یہ سب ناجائز ہیں، اور اس میں شرکت یہود ونصاریٰ کی مشابہت اختیار کرنا ہے، جس پر سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ (مشکوۃ المصابیح:ص/۲۷)

مسئلہ (۷۰): نئے سال کی آمد پر جو ہولی ڈے اور چھٹی رکھ کر جشن منایا جاتا ہے، وہ یہود ونصاریٰ کی رسم ہے، شریعتِ اسلامی میں اس کی کوئی اصل وبنیاد نہیں ہے، بلکہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو یہود ونصاریٰ کی مشابہت اور ان کی عیدوں اور تہواروں میں کسی بھی طرح کی شرکت سے سختی کے ساتھ منع فرمایا، اور اس پر سخت وعید بیان فرمائی، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ ان ہی میں سے ہے''- اور جو شخص مسلمان ہوتے ہوئے غیروں کے رسم ورواج کا طالب ہو، وہ عند اللہ سخت مبغوض اور ناپسندیدہ ہے، اس لیے کرسمس ڈے، برتھ ڈے، مدر ڈے، ویلین ٹائن ڈے، اور دیگر تمام ڈیز کو بطورِ عید منانا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے۔ (مشکوۃ:ص/۲۷)

مسئلہ (۷۱): اسکولوں اور کالجوں میں ہر سال ۱۴/ فروری کو ویلنٹائن ڈے (Valentine day) کے نام سے ایک جشن منایا جاتا ہے، جس میں آپس میں اسٹوڈینٹس (Studentes) ایک دوسرے کو گلاب کا پھول وغیرہ پیش کر کے محبت کا اظہار کرتے ہیں، یہ ویلنٹائن ڈے منانا شرعاً ناجائز وحرام ہے، کیونکہ یہ مغربی تہذیب کی دَین اور اس کی نشر واشاعت کے مترادِف ہے اور ہمیں اس کی تہذیب کی پیروی اور اس کی نشر واشاعت دونوں سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ (التفسیر المنیر:۶/۴۹۲)

مسئلہ (۷۲): مغرب کی بے سوچے سمجھے تقلید کے شوق میں ہمارے معاشرے میں جن رسموں کو رواج دیا گیا، ان میں سے ایک رسم ''اپریل فول'' منانے کی رسم بھی ہے، اس رسم کے تحت یکم اپریل کی تاریخ میں جھوٹ بول کر کسی کو دھوکہ دینا اور دھوکہ دے کر بیوقوف بنانا نہ صرف جائز سمجھا جاتا ہے، بلکہ اسے ایک کمال قرار دیا جاتا ہے، جو شخص جتنی صفائی اور چابک دستی سے دوسرے کو جتنا بڑا دھوکہ دے، اتنا ہی اسے قابل تعریف اور یکم اپریل کی تاریخ سے فائدہ اٹھانے والا سمجھا جاتا ہے، یہ مذاق جسے درحقیقت بدمذاقی کہنا چاہیے، نہ جانے کتنے افراد کو بلا وجہ جانی ومالی نقصان پہنچا چکا ہے، بلکہ اس کے نتیجے میں بعض اوقات لوگوں کی جانیں چلی گئی ہیں، کہ انہیں کسی ایسے صدمے کی جھوٹی خبر سنا دی گئی، جسے سننے کی وہ تاب نہ لا سکے اور زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، **اس رسم** کی ابتداء کے سلسلے میں بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ فرانس میں سترہویں صدی سے پہلے، سال کا آغاز جنوری کی بجائے اپریل سے ہوا کرتا تھا، اس مہینے کو رومی اپنی دیوی وینس (Venus) کی طرف منسوب کر کے اسے مقدس سمجھا کرتے

تھے، جس کا ترجمہ یونانی زبان میں Aphro dite کہا جاتا ہے، اور شاید اسی یونانی نام سے مشتق کر کے اس مہینے کا نام اپریل رکھ دیا گیا ہے۔ **بعض مؤرخین** کا کہنا ہے کہ ’’۲۱؍مارچ‘‘ سے موسم میں تبدیلیاں آنی شروع ہوتی ہیں، ان تبدیلیوں کو بعض لوگوں نے اس طرح تعبیر کیا کہ معاذ اللہ قدرت ہمارے ساتھ مذاق کر کے ہمیں بیوقوف بنا رہی ہے، لہٰذا لوگوں نے بھی اس زمانے میں ایک دوسرے کو بیوقوف بنانا شروع کیا، بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی بیان کردہ روایات کے مطابق یکم اپریل وہ تاریخ ہے، جس میں رومیوں اور یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمسخر اور استہزا کا نشانہ بنایا گیا، موجودہ نام نہاد انجیلوں میں اس واقعہ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، اسلامی نقطۂ نظر سے یہ رسم چونکہ جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، دوسرے کو اذیت دینا، ایک ایسے واقعہ کی یاد منانا، جس کی اصل یا تو بت پرستی ہے، یا توہم پرستی، یا پھر ایک پیغمبر کے ساتھ گستاخانہ مذاق، جیسے بدترین گناہوں کا مجموعہ ہے، اس لئے شرعاً یہ رسم منانا ناجائز اور منع ہے۔ امید کہ مسلمان اس سے پرہیز کریں گے۔ (صحیح البخاری:۱/۱۰)

مسئلہ (۷۳): اگر کسی آدمی کا حلال مال، غالب و اکثر، اور حرام مال قلیل و مغلوب ہو، تو اس کا مال نیک کاموں میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے، کیوں کہ حرامِ قلیل سے بچنے میں حرج ہے، اور دین میں حرج نہیں ہے، تاہم بہتر اور اَولیٰ یہ ہے کہ نیک کاموں میں خالص مال خرچ کیا جائے، اور اگر غالب و اکثر مال حرام ہے، تو اُسے مصارفِ خیر یعنی نیک کاموں میں خرچ کرنا حرام ہوگا۔ (مرقاۃ المفاتیح:۶/۱۸)

مسئلہ (۷۴): بعض کسان لوگ بیج کے لیے غلہ روکے رکھتے ہیں، اور یہ نیت کرتے ہیں کہ تخم ریزی کے وقت فروخت کروں گا، تو ان کا یہ عمل شرعاً درست ہے، کیوں کہ یہ احتکار نہیں ہے۔ (رد المحتار:۹/۴۸۶)

مسئلہ (۷۵): کسی طالب علم، استاذ و معلم، اور ملازم و نوکر کے غیر حاضر ہونے کے باوجود، کسی دوسرے شخص کا اس کی حاضری لگانا، اور اسے خدمتِ انسانیت سمجھنا محض شیطانی دھوکہ ہے، اور بروزِ قیامت باعثِ مؤاخذہ ہے، کیوں کہ اس کا یہ عمل ان ممنوعاتِ شرعیہ سے مرکب ہے: (۱) جھوٹ، (۲) ادارہ و انتظامیہ کے ساتھ خیانت، (۳) اکل مال بالباطل کا ذریعہ بننا، وہ اس طرح کہ غائب کی حاضری لگانے سے، وہ ان تمام مراعات و عوض کا حقدار ہوگا، جو حاضر کو ملا کرتا ہے۔

نوٹ:- اتنی بات یاد رہے کہ جتنے کام بر بناء انسانیت کئے جائیں وہ محمود و مستحسن نہیں، بلکہ محمود وہی ہیں جو موافقِ شرع ہوں، اور جو مخالفِ شرع ہوں وہ امور انسانی نہیں بلکہ بہیمی ہیں۔ (ابوداود:ص/۶۷۹)

اکل وشرب کا بیان

مسئلہ(۷۶): ہمارے ملک میں کوکا کولا (Coca Cola)، فنٹا (Fanta)، اوران کے مانند دیگر مشروبات بکثرت مستعمل ہیں، اور بالتحقیق یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ ان مشروبات میں الکحل ملا ہوا ہوتا ہے، تو اب اس صورت میں یہ دیکھا جائے کہ اگر عصیر العنب اور عصیر الرطب سے بنایا گیا الکحل مشروبات کی اِن بوتلوں میں ڈالا جاتا ہے، تو اُن کا پینا درست نہیں ہوگا، اور اگر ان کے علاوہ کسی اور پاک چیز کی شراب، مثلاً مکئی، جوار، بیر، آلو، چاول یا پیٹرول وغیرہ سے بنا ہوا الکحل ڈالا جاتا ہے، تو ان کا استعمال جائز ہے۔ **فقیہ العصر** حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''احسن الفتاویٰ'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''تحقیق سے ثابت ہوا کہ اشربہ وادویہ میں عصیر العنب یا عصیر الرطب نہیں ڈالا جاتا ہے۔''- **اسی** طرح فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم کی تحقیق بھی یہی ہے کہ'' آج کل الکحل کے لیے انگور اور کھجور استعمال نہیں کی جاتی، لہٰذا شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے مذکورہ مشروبات کا استعمال جائز ہوگا۔''

(تکملۃ فتح الملہم: ۳/ ۶۰۸، کتاب الأشربۃ)

مسئلہ (۷۷): بیئر (Bear) چونکہ شراب ہی کی ایک قسم ہے، جو ''جَوْ'' سے بنائی جاتی ہے، اس لیے بیئر بھی مسکرات میں شامل ہے، لہٰذا اس کا پینا بھی ناجائز وحرام ہے۔ (سنن أبی داود: ص/ ۵۱۸)

مسئلہ(۷۸): تاڑ اور کھجور کے رس میں جب تک نشہ نہ ہو اس کا پینا حلال ہے، البتہ نشہ پیدا ہونے کے بعد اس کا پینا درست نہیں ہے۔ (الہدایۃ شرح الہدایۃ: ۳/ ۱۷۰)

مسئلہ(۷۹): بھنگ پینا حرام ہے، اس لیے کہ بھنگ زیادہ مقدار میں پینے سے نشہ پیدا ہوتا ہے، اور قاعدہ ہے: ''جس چیز کا کثیر مسکر ہو، اس کا قلیل بھی حرام ہے''۔ یہ قول امام محمد رحمہ اللہ کا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنہر: ۴/ ۲۵۰)

مسئلہ (۸۰): چرٹ پینا مثلِ حقہ کے مکروہ ہے، بلکہ چرٹ پینے میں نصاریٰ کے ساتھ مشابہت کی بنا پر زیادہ کراہت ہے۔ (صحیح مسلم: ۷/ ۹۱)

مسئلہ(۸۱): اگر کسی قریب المرگ شخص کے بارے میں ڈاکٹر یہ کہے کہ اگر اس کو شراب پلائی جائے تو شاید وہ شفایاب ہوجائے، تو ایسی صورت میں ڈاکٹر کا یہ کہنا کہ شاید شفا ہوجائے، یعنی شراب پلانے کے باوجود بھی شفا کا بالکلیہ یقین نہیں ہے، تو شراب پلانا درست نہیں ہے۔ (المحیط البرہانی: ۶/ ۱۱۶)

مسئلہ(۸۲): اگر ماکولات ومشروبات کچھ گرم ہوں، تو ان کا کھانا پینا مکروہ نہیں، ہاں! اگر زیادہ گرم ہو تو مکروہ ہے، لیکن

جو چیز ایسی ہو کہ سرد ہونے سے اس کا مزہ یا ذائقہ ختم ہو جائے، تو مکروہ نہیں، جیسے چائے کافی وغیرہ۔ (البحر الرائق:۸/ ۳۳۷)

مسئلہ(۸۳): ایسا کوکین جس میں نشہ نہ ہو فی نفسہ وہ مباح ہے، اس لیے کہ تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے، لیکن اس کے کھانے سے منہ سُن پڑ جاتا ہے، بالکل سوکھ جاتا ہے اور زرد پڑ جاتا ہے، اس کو کھائے بغیر ایک لمحہ بھی چین نہیں آتا، تو ان مضرتوں کی وجہ سے اس کا کھانا ممنوع قرار پائیگا۔ (البحر المحیط:۱/ ۱۹۳)

مسئلہ(۸۴): ریڈ بُل (Red Bull) ایک مشروب ہے، جس سے اِنَرجی اور قوت حاصل کی جاتی ہے، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس میں الکحل ملایا جاتا ہے، اس لیے اس کا استعمال حلال نہیں ہے، لیکن اس سلسلے میں تھوڑی تفصیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر اس میں ملایا جانے والا الکحل انگور اور کھجور سے بنایا جاتا ہے، تو اس کا استعمال درست نہیں ہے، اور اگر انگور و کھجور کے علاوہ کسی دوسری چیز سے بنایا جاتا ہے، اور اتنی کم مقدار میں ملایا جاتا ہے جس سے نشہ نہیں آتا تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ (تکملۃ فتح الملہم:۳/ ۶۰۸)

مسئلہ(۸۵): تمباکو کی اقسام واغراض اور خواص مختلف ہوتی ہیں، اس لئے اس کے استعمال میں مختلف اقوال ہیں، لیکن غالبًا اس کا استعمال بلاغرضِ صحیح یعنی علاج وغیرہ کے لئے نہیں ہوتا ہے، اور شریعت اسلامیہ اپنے ماننے والوں کو ہر ایسی چیز کے کھانے اور پینے سے منع کرتی ہے، جو اسے فوراً یا آہستہ آہستہ ہلاک کر دے، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة﴾ اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔[البقرة : ۱۹۵] اس پر یہ شاہد ہے، اس لیے اگر تمباکو کے استعمال سے نشہ ہو تو اس کا استعمال حرام ہے، اور اگر نشہ نہ ہو تب بھی اس میں مال کو ضائع کرنا اور دوسروں کو تکلیف پہنچانا، دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں، اس لئے اس کا استعمال ممنوع ومکروہ ہے۔ (صحیح البخاری:۱/ ۳۲۵، مجمع الزوائد:۴/ ۱۳۸، ابن ماجہ:ص/ ۱۵۹)

مسئلہ(۸۶): تمباکو اور گٹکھا کھانا، گل یا تپکیر کا دانتوں پر گھسنا، اگر ان سے نشہ آتا ہو تو شرعاً مکروہِ تحریمی ہوگا، اگر نشہ نہ بھی آتا ہو تب بھی اس کے استعمال میں مال کو ضائع کرنا، دوسروں کو تکلیف پہنچانا، اور خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا لازم آتا ہے، اس لئے یہ بھی مکروہِ تحریمی ہوگا۔ (شامی:۲/ ۴۳۵)

مسئلہ (۸۷): لغۃً صحت بیماری کی ضد ہے اور ذہابِ مرض کو کہتے ہیں، بدنی صحت سے مراد وہ حالتِ طبعی ہے جس کے ساتھ انسانی افعال طبعی طور پر جاری ہوتے ہیں، صحت وتندرستی شرعاً مطلوب ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے بیماریوں سے پناہ مانگی ہے، اور شریعتِ اسلامیہ نے اپنے ماننے والوں کو ان چیزوں کے استعمال سے منع کیا ہے، جو صحت کیلئے مضر اور نقصان دہ ہیں، اس لئے گٹکھا کھانا، تمباکو استعمال کرنا، راستوں اور سیڑھیوں پر تھوکنا جس سے عام لوگوں کو تکلیف پہنچے شرعاً ناجائز ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ:۲۶/ ۳۱۷)

مسئلہ (۸۸): بعض لوگ سڑکوں پر لگی ہوئی سبیل یا مسجد میں رکھے ہوئے کولر وغیرہ کا پانی کھڑے ہوکر پیتے ہیں، اُن کا یہ عمل مکروہِ تنزیہی ہے، کیوں کہ پانی بیٹھ کر پینا چاہیے، ہاں! اگر ازدحام اور بھیڑ کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ نہ ہو، یا کیچڑ کی وجہ سے کپڑے خراب ہونے کا اندیشہ ہو، یا اسی قسم کا اور کوئی عذر ہو، تو کھڑے ہوکر پینا بلا کراہت جائز ہوگا۔ (صحیح البخاری:۲/۸۴۰)

مسئلہ (۸۹): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آبِ زمزم کھڑے ہوکر پینا ضروری ہے، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ زمزم کے پانی کو بیٹھ کر پینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ سے جو کھڑے ہوکر زمزم پینا ثابت ہے، محققین کی تحقیق یہ ہے کہ یہ ایک طبعی فعل تھا، اس کا اہتمام کرنا سنت نہیں ہے، لہذا کھڑے ہوکر زمزم پینے کو بیانِ جواز پر محمول کیا گیا ہے، تاہم اکثر علماء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چونکہ کھڑے ہوکر زمزم پیا ہے، لہذا کھڑے ہوکر پینے میں بہر حال اتباعِ نبوی کی رعایت ہے، اور امورِ طبعیہ میں بھی آپ ﷺ کی اتباع اجر وثواب سے خالی اور مستحب سے کم تر نہیں ہے۔
(الموسوعۃ الفقہیۃ:۲۴/۱۵)

مسئلہ (۹۰): بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہومیو پیتھک دواؤں میں الکحل ملا ہوتا ہے، اس لئے انہیں استعمال کرنا درست نہیں ہے، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ آج کل دواؤں میں جو الکحل ملائی جاتی ہے، وہ عموماً انگور اور کھجور کے علاوہ دیگر اشیاء، مثلاً گندم، جو، گندھک، چنبیلی اور دیگر پھولوں اور سبزیوں سے کشید ہوتی ہے، اور ایسی الکحل کا استعمال مختلف فیہ ہے، اس لئے اس قسم کی دوائیں، چاہے وہ ہومیو پیتھک کی ہوں یا ایلو پیتھک کی، ان کا استعمال مطلقاً ناجائز وحرام نہیں، بلکہ ان کے استعمال کی گنجائش ہے، اگرچہ ایسی دواؤں کے استعمال سے بچنا بہتر ہے۔ (تکملۃ فتح الملہم:۳/۶۰۸)

مسئلہ (۹۱): بیماری یا وائرس کوئی بھی ہو اس کی روک تھام کے لیے انسدادی تدابیر اختیار کرنا مقاصدِ شرعیہ میں داخل ہیں، اس لیے سوائن فلو کی ویکسین (Swinflu Vaccine) استعمال کرنا شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ اس کے اجزاء ترکیبی میں کسی حرام چیز کی آمیزش نہ کی گئی ہو۔ (السنن لأبی داود:ص/۵۳۹)

مسئلہ (۹۲): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم دوائی کے طور پر جتنے بھی کیپسول (Capsule) لیتے ہیں، وہ جیلاٹین (Gelatine) سے بنتے ہیں، اور یہ عموماً جانور کی چربی سے حاصل کی جاتی ہے، پودوں سے بہت کم کیپسول بنتے ہیں، اس لیے ان کا استعمال درست نہیں ہے، اُن کی یہ بات اس وقت تک قابلِ تسلیم نہیں، جب تک ان کیپسولوں میں حرام اجزاء کے شامل ہونے کا قطعی طور پر یقین نہ ہوجائے، بالخصوص اس صورت میں جب کہ ان کیپسولوں کا استعمال عام ہے، اور ہر طرح کے لوگ ان کو استعمال کررہے ہیں، تو محض شک وشبہ کی وجہ سے ان کے استعمال سے بچنے کا حکم نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ان کا استعمال کرنا جائز

ہوگا، ہاں! جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ ان میں حرام اجزاء شامل ہوتے ہیں، تو اس وقت ان کا حکم مختلف ہوگا۔
(فتاوی تاتارخانیہ:۱/۷۹)

مسئلہ (۹۳): طبی ادویات کے عرقیات، جن کو انگریزی زبان میں "ٹنگچر" کہتے ہیں، ان میں عموماً الکحل یعنی شراب کا جوہر، مفید ومقوی ہونے کی وجہ سے شریک رہتا ہے، اگر یہ انگور کی کچی و پکی شراب، کھجور کی کچی شراب، منقی کی کچی شراب کے سوا ہو، جیسا کہ غالب ہے، تو مختلف فیہ ہے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اُس کا استعمال جائز ہے، البتہ بچنا بہتر ہے۔
(تکملۃ فتح الملہم:۹/۵۰۶، بیروت)

مسئلہ(۹۴): کھانا کھانے کی پانچ صورتیں ہیں: فرض۔ مباح۔ حرام۔ مندوب۔ مکروہ۔

(۱) **فرض**: اس قدر کھانا کہ جان بچ جائے اور فرائض کو ادا کرسکے فرض ہے۔

(۲) **مباح**: پیٹ بھر کر کھانا تاکہ قوی اور مضبوط ہو مباح ہے۔

(۳) **حرام**: پیٹ بھر جانے کے بعد اس قدر کھانا جو مضر ہو حرام ہے، مگر یہ کہ روزہ کے لئے قوت حاصل کرنا یا اپنے مہمان کو شرم سے بچانا وغیرہ مقصود ہو تو یہ حرام نہ ہوگا۔

(۴)**مندوب**: وہ کھانا جو تحصیلِ نوافل اور تعلیم وتعلم میں معاون ہو۔

(۵)**مکروہ**: پیٹ بھر جانے کے بعد اس قدر کھانا جو مضر نہ ہو۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ:۹/۴۱۲)

مسئلہ(۹۵): عبادتوں کی قبولیت کے لیے اکلِ حلال (حلال کھانے) کا اہتمام ضروری ہے، اگر کوئی آدمی حرام مال کا ایک لقمہ بھی کھاتا ہے، تو چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی، تاہم قبول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس عبادت پر جو اجر وثواب ہونا چاہیے تھا وہ نہ ہوگا، اگرچہ فرض ذمہ سے ساقط ہوجائیگا، مگر یہ کتنا عظیم خسارہ ہے کہ آدمی عبادت کرے اور ثواب سے محروم رہے، اس لیے حلال کمانے، حلال کھانے اور حلال پہننے اوڑھنے کا اہتمام ہونا چاہیے۔ (مشکوۃ المصابیح:ص/۲۴۳)

مسئلہ(۹۶): بہت سے مسلمان خاندان ایسے ہیں، جن کے مرد حرام چیزوں کا کاروبار کرتے ہیں، اُن کے بیوی بچے اگرچہ اُن کے اِس کاروبار کو ناپسند کرتے ہیں، لیکن اُن کی پرورش بھی اسی آمدنی سے ہو رہی ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں بیویوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہروں سے حرام کاروبار چھڑانے کی پوری کوشش کریں، لیکن اِس کوشش کے باوجود اگر وہ اس کاروبار کو نہ چھوڑیں، تو پھر اگر ان بیویوں کے لیے جائز طریقے سے اپنے اخراجات برداشت کرنا ممکن ہو، تو اس صورت میں ان کے لیے اپنے شوہروں کے حرام مال میں سے کھانا جائز نہیں، لیکن اگر ان کے لیے اپنے اخراجات برداشت کرنا ممکن نہ ہو، تو اس صورت

میں ان کے لیے اپنے شوہروں کے مال میں سے کھانا جائز ہے، اور حرام کھلانے کا گناہ ان کے شوہروں پر ہوگا، نابالغ اور چھوٹے بچوں کے لیے بھی یہی حکم ہے، اور حرام کھلانے کا گناہ باپ پر ہوگا، البتہ بالغ اور بڑی اولاد خود کما کر کھائیں، باپ کے حرام مال سے نہ کھائیں۔ (فتاوی قاضیخان علی ہامش الہندیۃ:۴۰۲/۳)

مسئلہ (۹۷): بعض لوگ کھانے کیلئے یہ کہہ کر ہاتھ نہیں دھوتے کہ ہم ابھی نماز پڑھ کر آئے ہیں، جب کہ کھانے کیلئے ہاتھ دھونا مستقل سنت ہے، گرچہ وضو، غسل اور نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر ہی آیا ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح:ص/۳۶۶)

مسئلہ (۹۸): بعض لوگ جب کھانے کے لیے ہاتھ دھوتے ہیں، تو اُنہیں تولیہ اور رومال وغیرہ میں پونچھتے ہیں، اور بعض پونچھتے نہیں، مگر چھڑکتے ہیں، یہ دونوں باتیں اخلاق وآداب کے خلاف ہیں، ادب یہ ہے کہ کھانے کے لیے جب ہاتھ دھوئیں، تو اُنہیں تولیہ رومال میں نہ پونچھیں، اور نہ چھڑکیں، کیوں کہ یہ بدتہذیبی ہے، ہاں! کھانے کے بعد اور وضو یا غسل کے بعد پونچھ سکتے ہیں۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۴۱۳/۹)

مسئلہ (۹۹): بعض لوگ دعوت کے موقع پر یوں کہہ کر کھانا شروع کر دیتے ہیں کہ جس کے سامنے کھانا آچکا ہے اس کو شروع کر دینا چاہیے، پوری جماعت کے سامنے کھانا آجانے کا انتظار کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ اس میں کھانے کا احترام فوت ہوجاتا ہے، جب کہ یہ حکم اس وقت ہے جب آدمی اپنے گھر میں کھارہا ہو، لیکن اگر کسی دعوت میں ہو تو وہاں انتظار کرنا چاہیے، یا پھر دعوت دینے والے کی اجازت ہو تو شروع کر دے، کیوں کہ ایسا نہ کرنے میں انتظام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ (فتاوی لکنوی:ص/۳۷۶)

مسئلہ (۱۰۰): ایک دسترخوان پر الگ الگ روٹی رکھ کر کھانا، یا ایک روٹی میں سے سب کا توڑ کر کھانا، یا ایک روٹی کے چار حصہ کر کے کھانا، سب طرح ٹھیک ہے، الگ الگ روٹی رکھ کر کھانا اس لئے صحیح ہے کہ اپنی خوراک کا اندازہ باقی رہتا ہے، افراط وتفریط نہیں ہوتی، ایک روٹی میں سے سب کا کھانا اس لئے درست ہے کہ اس میں اتحاد واتفاق کا پہلو غالب ہے، اور چار ٹکڑے کر کے کھانے کا دستور ان علاقوں میں ہے جن میں شیعوں کا زور ہے، اور اس سے اشارہ خلفاء اربعہ کی طرف ہے کہ ہم چاروں کو مانتے ہیں، شیعوں کی طرح دو یا تین کے منکر نہیں ہیں۔ (السنن لابن ماجۃ:ص/۵)

مسئلہ (۱۰۱): نمک سے کھانے کی ابتدا اور نمک ہی پر کھانیکا اختتام کا سنت ہونا کتبِ فقہ میں تو مذکور ہے، لیکن اس بارے میں کسی حدیثِ صحیح کے موجود نہ ہونیکی وجہ سے اس کو مستحب بمعنی محبوب ومرغوب کہنا درست ہوگا، مگر سنت کہنا صحیح نہیں ہے۔ (خلاصۃ الفتاوی:۳۶۰/۴)

مسئلہ (۱۰۲): بعض لوگوں سے عامۃً یہ سنا جاتا ہے کہ کھانے کے بعد میٹھا کھانا سنت ہے، جب کہ یہ کسی حدیث سے

ثابت نہیں ہے، ہاں ! البتہ آپ ﷺ میٹھی چیز اور شہد پسند فرماتے تھے، لہذا میٹھی چیز یا شہد کو سنتِ عادیہ کی نیت سے کھائے تو یہ درست ہے، اور اتباعِ سنت کی نیت سے کھائے، تو ان شاء اللہ موجبِ اجر بھی ہوگا۔ (صحیح البخاری:۲/ ۸۱۷)

مسئلہ (۱۰۳): بعض لوگ کھانے سے فارغ ہونے پر، پلیٹ میں پانی ڈال کر اس میں انگلی ڈال کر اسے پی لیتے ہیں، اور اپنے اس عمل کو سنت خیال کرتے ہیں، جبکہ اس عمل کا سنت ہونا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے، حدیث پاک میں محض انگلیوں اور پلیٹ کو صاف کرنے کی ترغیب وارد ہے۔ البتہ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں برتن دھو کر پینے کے عمل پر ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب لکھا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: ص/۳۶۳)

مسئلہ (۱۰۴): بہت سے حضرات کھانے کے درمیان گفتگو کرنے کو خلافِ ادب وسنت سمجھتے ہیں، جب کہ بالکل خاموش رہنے کو فقہاء کرام نے مکروہ قرار دیا ہے، کیونکہ یہ مجوسیوں کی عادت ہے، اس لیے اس تشبہ سے بچنے کے لئے کھانے کے دوران نیکی اور بھلائی کی بات کرے، لیکن اس کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ اتنے زور زور سے نیکی اور بھلائی کی بات کرے جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے، کیونکہ اس قدر بلند آواز سے گفتگو کرنا جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے شرعاً منع ہے۔ (شامی:۹/ ۴۱۳)

مسئلہ (۱۰۵): بعض لوگ کھانے کیلئے دسترخوان کے طور پر اخبارات بچھاتے ہیں، سیٹیں پوچھتے ہیں، اور کھانے کے بعد اس سے ہاتھ صاف کرتے ہیں، اگر ان اخبارات میں قرآنی آیات، احادیث، یا دینی مضامین ہوں، تو ایسے کاموں کیلئے ان کا استعمال قطعاً جائز نہیں، بلکہ اردو اخبارات کو سرے سے ایسے کاموں کیلئے استعمال نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ ان میں اللہ اور رسول ﷺ کا نام مختلف انداز سے آہی جاتا ہے۔ **ہاں** ! ایسے اخبارات جن میں کوئی دینی بات نہ ہو، ضرورتاً ایسے مقاصد کیلئے استعمال کرسکتے ہیں، گو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ دعوت میں انگلیوں کو پونچھنے اور ہاتھ کو صاف کرنے کی غرض سے کاغذ کا استعمال مکروہ ہے، لیکن یہ کراہت سادہ کاغذ کے بارے میں ہے، جس پر لکھنے کی گنجائش ہو، کیوں کہ وہ آلۂ کتابت ہے، اور اس لحاظ سے اس کا احترام ضروری ہے۔ **جو کاغذ** استعمال شدہ ہو کہ اس پر لکھنے کی گنجائش نہ ہو، یا جو کاغذ ہاتھ پونچھنے اور دسترخوان بنانے ہی کیلئے بنایا گیا ہو، لکھنے کے لائق نہ ہو، انہیں استعمال کرنے کی گنجائش ہے، اس لیے جن اخبارات میں آیات واحادیث اور دینی مضامین نہ ہوں، تو ان کو ضرورتاً ان مقاصد کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ (جمہرۃ القواعد الفقہیۃ:۲/ ۶۱۶)

مسئلہ (۱۰۶): بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''اجینو موٹو'' کا استعمال کھانے میں صحیح نہیں ہے، کیوں کہ یہ خنزیر کی چربی سے نکالا جاتا ہے، اگر یہ بات باقاعدہ تحقیق سے ثابت ہو، اور خنزیر کی چربی کی حقیقت وماہیت کو کسی کیمیاوی طرزِ عمل کے ذریعہ تبدیل نہیں کیا گیا، تو کھانے میں اس کا استعمال ناجائز وحرام ہوگا، اور اگر یہ بات تحقیق سے ثابت نہیں ہے، تو محض افواہوں سے

کوئی حلال چیز حرام نہیں ہوتی۔ (شامی:۱/۴۶۳)

مسئلہ(۱۰۷): جس علاقہ میں کرسی پر بیٹھ کر کھانا کفار وفساق کا شعار ہے، وہاں مسلمانوں کیلئے کرسی پر بیٹھ کر کھانا بالکل ممنوع ہے، اور جہاں کفار وفساق کا شعار نہیں ہے، بلکہ عام ہے کہ صالحین کا بھی یہی طریقہ ہے، وہاں اس میں تشدد نہیں بلکہ خفت ہے، لیکن پھر بھی خلافِ سنت ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح:ص/۳۶۴)

مسئلہ (۱۰۸): اگر میز کرسی پر کھانا کھانے میں کفار وفساق، یا متکبرین کے ساتھ تشبہ کی نیت ہوتو میز کرسی پر کھانا ناجائز ہے، اگر تشبہ کی نیت نہ ہوتب بھی خلافِ سنت ہے، اس لئے اس سے احتراز لازم ہے، لیکن آج کل ہوٹلوں میں نیچے بیٹھ کر کھانے کا انتظام نہیں ہوتا، یا ایسے مقامات جہاں اس میں ابتلاء عام ہوتو میز کرسی پر کھانے کی گنجائش ہے۔ (الأشباہ لابن نجیم:۱/۱۱۳)

مسئلہ (۱۰۹): بعض لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ جب ان کے سامنے گرم گرم کھانا لایا جاتا ہے، تو وہ اس پر پھونک مار مار کر جلدی کھانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کا یہ عمل خلافِ ادب ہے، ذرا صبر کرنا چاہیے، تاکہ کھانا زیادہ گرم نہ رہے، اور سہولت سے کھایا جاسکے، کیوں کہ آپ ﷺ نے کھانے کو ٹھنڈا کر کے کھانے کا حکم فرمایا ہے۔ (مجمع الزوائد:۵/۸)

مسئلہ(۱۱۰): کبھی کوئی مرغی، بکری یا گائے بیمار ہوتی ہے، تو ان کے مالک یہ سوچ کر کہ اگر اس کو یوں ہی چھوڑ دیا جاتا ہے، تو وہ مر جائیگی، اور کسی کے منہ میں بھی نہ جاسکے گی، اس لیے اس کو ذبح کر دیتے ہیں، اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس طرح کے جانور کو ذبح کرتے وقت، اگر اتنا خون بہا جو صحت مند مرغی، بکری یا گائے کا بہتا ہے، یا بوقتِ ذبح اس نے حرکت کی، تو وہ حلال ہے، اور اگر اتنا خون نہیں بہا، یا اس نے کوئی حرکت نہیں کی تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ (ہندیہ:۵/۲۸۶)

مسئلہ (۱۱۱): آج کل بڑے بڑے اسٹورس (Stores) میں کھانے کی خشک پیکٹس (Packets) مثلاً چکن سُوپ وغیرہ فروخت ہو رہے ہیں، ان پر کوئی حلال کی نشانی نہیں ہوتی، ایسا کھانا عام طور پر یورپین ممالک سے اِمپورٹ (Import) کیا جاتا ہے، اسٹور مالکوں کو حلال وحرام سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، ان کے پیش نظر محض اپنا نفع ہوتا ہے، اس لیے جب تک یہ اطمینان نہ ہوجائے کہ اس کو اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا، اور ذبح کے بعد بھی حرام گوشت کے ساتھ اس کی آمیزش نہیں کی گئی، تو اس وقت تک اس کے استعمال سے احتراز کرنا چاہیے۔ (فتاوی ہندیہ:۵/۳۰۸)

مسئلہ(۱۱۲): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسٹیل کے برتن میں کھانا پینا مکروہ ہے، کیوں کہ وہ لوہا ہے، ان کی یہ بات صحیح نہیں ہے، کیوں کہ حضرات فقہاء کرام نے تانبے اور پیتل کے برتنوں میں کھانے کو مکروہ لکھا ہے، اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ اس کا زنگ کھانے میں شامل ہوجاتا ہے، جو صحت کے لیے مضر ہے، لیکن قلعی کرنے کے بعد ان کا استعمال بھی جائز ہے، رہے

اسٹیل کے برتن تو ان میں یہ علت نہیں پائی جاتی، اس لیے ان کا استعمال بلا کراہت درست ہے۔ (الدر مع الرد:۹/ ۴۱۷)

مسئلہ (۱۱۳): روٹی، گوشت وغیرہ جو آج کل شادی بیاہ میں چھری سے کاٹ کر کھایا جاتا ہے، تو مناسب اور بہتر یہ ہے کہ حتی الامکان روٹی اور پکے ہوئے گوشت کو چھری سے کاٹ کر نہ کھائیں، اس لیے کہ روٹی کا ادب اور احترام ضروری ہے، لیکن شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کے مواقع پر ضرورۃً ایسا کرنا جائز ہے۔ (ردالمحتار:۹/ ۵۵۲)

مسئلہ (۱۱۴): کھانے کے بعد میزبان کے گھر دیر تک بیٹھے رہنا جائز نہیں ہے، اس سے میزبان کو تکلیف ہوتی ہے، اور وہ اخلاق ومروت کی وجہ سے جانے کے لیے کہنے سے حجاب محسوس کرتا ہے، ہاں! اگر کسی اہم کام کے لیے دیر تک بیٹھنے کی ضرورت ہو، یا میزبان کے ساتھ ایسا خصوصی تعلق ہو کہ اس کی ایذا و تکلیف کا باعث نہ ہو، تو دیر تک بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
(سورۃ الأحزاب:۵۳)

مسئلہ (۱۱۵): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عام طور پر دودھ فروش پاکی ناپاکی کا اہتمام نہیں کرتے، اور یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ تھنوں پر اور اس کے آس پاس جو پیشاب اور گوبر لگا رہتا ہے، اس کو وہ بہت تھوڑے پانی سے دھوتے ہیں، جس سے نجاست اور پھیل جاتی ہے، اور اس کے قطرے برتن میں ٹپکتے رہتے ہیں، جس سے دودھ ناپاک ہوجاتا ہے، اس لیے اس کا استعمال جائز نہیں ہونا چاہیے، اُن کی یہ بات درست نہیں ہے، کیوں کہ اصول یہ ہے کہ محض شک کی وجہ سے یقین زائل اور ختم نہیں ہوتا، اور اشیاء میں اصل اباحت ہے، جب تک حرمت کا یقین نہ ہو، اور اِن ہی دو اُصولوں کی بنیاد پر کثیر الاستعمال اشیاء مثلاً پانی، غلہ، دودھ اور پھل وغیرہ کے استعمال میں حضراتِ فقہاء کرام نے وسعت دی ہے، لہٰذا جب تک دودھ میں نجاست گرتے ہوئے، یا پیشاب کے قطرے پڑتے ہوئے نہ دیکھے جائیں، اس وقت تک دودھ کے ناپاک ہونے اور اس کے استعمال کے ممنوع ہونے کا حکم نہیں لگایا جائیگا۔ (الأشباہ والنظائر لابن نجیم:۱/ ۲۲۰، کذا فی قواعد الفقہ: ص/ ۵۹)

مسئلہ (۱۱۶): غیر مسلم اپنی دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کی غرض سے ان کے لیے ناریل، مٹھائیاں وغیرہ لا کر ان پر چڑھاتے ہیں، جسے بعد میں مندروں کے پجاری تبرکاً سب زائرین میں تقسیم کرتے ہیں، اسے وہ لوگ ''پرساد'' کہتے ہیں، جب کہ شریعتِ مطہرہ ہر ایسی چیز سے بچنے کا حکم دیتی ہے جو غیر اللہ کے نام پر قربان کی گئی ہو، یا اس سے غیر اللہ کی خوشنودی مقصود ہو، لہٰذا کسی کو خوش کرنے کے لیے، یا ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں کے لیے ایسی چیزوں کے استعمال سے احتراز لازم ہے۔ (بیان القرآن:۱/ ۱۰۸)

مسئلہ (۱۱۷): غیر مسلموں کا کھانا اگر حلال اور پاک وصاف ہونے کا یقین ہو، اور کسی موقع پر اُسے کھانا پڑ جائے تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس کی مستقل عادت بنالینا جو دوستانہ تعلقات کو جنم دیتا ہے جائز نہیں، اس سے بچنا چاہیے۔
(فتاوی ہندیہ:۵/ ۳۴۷)

مسئلہ (۱۱۸): ہندوؤں کے برتنوں میں کھانا پینا اس وقت درست ہوگا، جبکہ ان کی پاکی کا علم ہو، لیکن اگر یہ معلوم ہوجائے کہ برتن ناپاک ہیں، تو اُن کو دھونے سے پہلے ان میں کھانا پینا درست نہیں، اور اگر علم نہ ہو تو مکروہ ہے۔ (جامع الترمذی:۲/۲)

مسئلہ (۱۱۹): اگر کسی غیر مسلم بورڈنگ یا ہاسٹل میں کھانا پکانے والا کوئی غیر مسلم باورچی ہے، وہ حرام وحلال دونوں طرح کا گوشت پکاتا ہے، تو اب اس میں احتیاط دشوار ہے، ہوسکتا ہے ایک گوشت میں چمچ چلا کر دوسرے میں بھی وہی چمچ چلا دیا، اور ایک کی بوٹی یا مسالا دوسرے میں آجانا بعید از قیاس نہیں ہے، گرچہ وہ غیر مسلم باورچی یہ کہے کہ میں دونوں گوشت کو الگ الگ پکاتا ہوں، تب بھی اس کا یہ قول شرعاً قابلِ قبول نہیں ہے، ایسی جگہوں پر رہنے والے حضرات کو غیر مسلم باورچی کے ہاتھ کا بنایا ہوا کھانا نہیں کھانا چاہیے۔ (تبیین الحقائق:۷/۲۷)

مسئلہ (۱۲۰): غیر مسلموں کے ساتھ کھانا پینا مکروہ ہے، اگر کسی مجبوری سے کہیں ایک دو دفعہ مبتلا ہوجائیں تو گناہ نہیں، یہ حکم اُس وقت ہے جب کہ ان کا کھانا اور برتن پاک ہوں، یا ان کی ناپاکی کا علم نہ ہو، اور اگر یہ علم ہو کہ ان کے برتن ناپاک ہیں، یا کھانا حرام مردار وغیرہ ہے، تو اب ان کے ساتھ کھانا ہرگز درست نہیں۔ (خلاصۃ الفتاوی:۴/۳۴۶)

مسئلہ (۱۲۱): جو قوم کسی نبی کی نبوت پر ایمان رکھے، اور کسی کتابِ سماوی کے تسلیم کرنے کی مدعی ہو، اس کے ذبیحہ کو استعمال کرنے کی گنجائش ہے، جب کہ وہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے، اگر ذبیحۂ مسلم میسر آجائے تو وہ بہر حال مقدم ہے۔
(تفسیر المظہری:۳/۷۰، سورۃ المائدۃ)

مسئلہ (۱۲۲): غیر مسلم اپنے تہوار ''دسہرہ'' کے موقع پر بُت کے نام بکرا ذبح کرتے ہیں، وہ یہ بکرا کسی مسلمان کے ہاتھوں ذبح کراتے ہیں، مسلمان ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہہ کر اُسے ذبح کرتا ہے، مگر غیر مسلم کی نیت بُت کے نام ذبح کرنے کی ہوتی ہے، تو محض مسلمان کے ''بسم اللہ اللہ اکبر'' پڑھ کر اُس کو ذبح کرنے سے جانور حلال نہیں ہوگا، اور نہ اس جانور کا گوشت کھانا مسلمان کے لیے حلال ہوگا۔ (روح المعانی:۴/۸۷، تفسیر المظہری:۳/۵۲)

مسئلہ (۱۲۳): اگر کوئی شخص سودی بینک میں ملازمت کرتا ہے، اور حلال کمائی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، تو ایسے شخص کی دعوت قبول کرنے سے پرہیز کیا جائے، کیوں کہ سودی بینک کی تنخواہ حلال نہیں ہے، اور اگر وہ شخص کچھ ہدیہ وغیرہ دیتا ہو، تو اس کے ہدایا کسی محتاج کو دیدیئے جائیں، اور اگر کسی شخص نے اس کے گھر کھانا کھالیا ہے، تو وہ توبہ واستغفار کریں، کیوں کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حرام کمائی کا ایک لقمہ بھی اگر کسی شخص کے پیٹ میں چلا جائے، تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم:۲/۲۱۳)

مسئلہ (۱۲۴): جھینگے کو عربی زبان میں ''رُوبِیان'' یا ''اِرْ بِیَانْ'' کہا جاتا ہے، اور انگریزی میں ''Shrimp'' یا ''Prawn'' کہتے ہیں، ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کے نزدیک جھینگے کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں، کیوں کہ اُن کے ہاں کچھ استثنائی جانوروں کے علاوہ تمام سمندری جانور حلال ہیں، فقہاء احناف کے نزدیک سمندری جانوروں میں سے جو مچھلی یعنی سمک کی تعریف میں داخل ہے وہ حلال ہے، البتہ جھینگے کی حلت میں اختلاف ہے، جن حضرات نے ماہرین لغت کی تحقیق کے مطابق اُسے مچھلی میں شمار کیا ہے اُن کے ہاں اس کا کھانا حلال ہے، اور جن حضرات نے ماہرین حیوانات کی رائے کو مانتے ہوئے اسے مچھلی کی تعریف سے خارج کر دیا ہے، انہوں نے اس کے کھانے کو ممنوع قرار دیا ہے، البتہ جواز کا قول راجح معلوم ہوتا ہے، کہ اس قسم کے مسائل میں شریعت کا مزاج یہ ہے کہ وہ لوگوں کے عرفِ عام کا اعتبار کرتا ہے، فنی باریکیوں کو نہیں دیکھتا، اس لیے جھینگے کے مسئلے میں سختی کرنا مناسب نہیں، بالخصوص جب کہ بنیادی طور پر یہ مسئلہ اجتہادی ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جھینگے کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں، نیز کسی مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف تخفیف کا باعث ہوتا ہے، تاہم اس کے کھانے سے اجتناب کرنا زیادہ مناسب، زیادہ احوط اور زیادہ اَولیٰ ہے۔ (حیاۃ الحیوان:۱/۳۵۳، تکملۃ فتح الملہم:۳/۵۱۳، ۵۱۴)

مسئلہ (۱۲۵): بگلہ حلال ہے، اور گُرسل و نیل کنٹ کی حلت کا مدار غذا پر ہے، اگر وہ دانا کھانے والے ہوں تو حلال ہیں، اور اگر ان کی غذا غلاظت و مردار ہے، تو وہ ناجائز ہیں۔ (بذل المجہود:۱۱/۵۲۶)

مسئلہ (۱۲۶): اگر پایہ کے اوپر کی جلد نہ ہٹائی جائے بلکہ صرف بالوں کو جلا دیا جائے، اور اُن کی جڑیں اس جلد میں باقی رہ جائیں، تب بھی پایہ کھانا مکروہ یا حرام نہیں ہے، کیوں کہ فقہاء کرام نے چمڑے کو گوشت کے مثل جائز قرار دیا ہے، جب کہ چمڑے میں بالوں کی جڑیں بھی رہتی ہیں۔ (التنویر و شرحہ مع الشامیۃ:۱۰/۳۹۵، ۳۹۶)

مسئلہ (۱۲۷): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ گوشت کھا کر ہڈیاں نہیں چبانا چاہیے- کہ ان پر اللہ تعالیٰ جنات کی غذا پیدا فرماتے ہیں، اُن کی یہ بات اِس حد تک تو درست ہے کہ- اللہ پاک ان پر جنات کی غذا پیدا فرماتے ہیں، مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ہڈیوں کو نہیں چبانا چاہیے، صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ان ہڈیوں پر اللہ رب العزت کا غذا کو پیدا کرنا، اس میں ہڈیوں کو چبانے اور نہ چبانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ وہ قادرِ مطلق ہے، بغیر ہڈیوں کے بھی جنات کے لیے غذا پیدا کر سکتا ہے، اُن کو چبانے کی صورت میں بھی غذا پیدا کر سکتا ہے، اور نہ چبانے کی صورت میں بھی۔ (شرح معانی الآثار:۱/۹۴)

مسئلہ (۱۲۸): بعض لوگ حلال جانور کے خصیے (فوطے) کھاتے ہیں، جب کہ یہ حرام ہیں، کیوں کہ حضراتِ فقہاء کرام نے حلال جانور میں سات چیزوں کو حرام قرار دیا ہے: (۱) دم سائل، (۲) ذَکر، (۳) خصیے، (۴) قُبل، (۵) غُدّہ، (۶) مثانہ

(۷) پِتہ، لہٰذا ان چیزوں کے استعمال سے بچنا لازم ہے۔ (بدائع الصنائع:۶/۲۷۲)

مسئلہ (۱۲۹): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مکہ مدینہ میں چکن کا سالن، اور ''اُلبیک ریسٹورنٹ'' کا چکن کھانا، جائز نہیں ہے، اُن کی یہ بات علی الاطلاق (بلا قید) درست نہیں ہے، بلکہ اس میں قدرے تفصیل ہے، اور وہ یہ کہ- اگر یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو کہ مرغ کو شرعی طریقہ پر ذبح کیا گیا ہے، نیز ذبح کے بعد اس کو گرم پانی میں اتنی دیر نہ رکھا گیا ہو کہ نجاست کے اثرات گوشت میں جذب ہو جائیں، تو اس کا کھانا شرعاً حلال و جائز ہے، اور اگر یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو کہ مرغ کو شرعی طریقہ پر ذبح نہیں کیا گیا، یا ذبح کے بعد گرم پانی میں اتنی دیر تک رکھا گیا کہ نجاست کے اثرات گوشت میں سرایت کر گئے، تو اس کا گوشت حلال و جائز نہیں ہے، اور اگر ان دونوں باتوں میں شک ہے، تو اُس گوشت کا کھانا جائز نہیں ہے، کیوں کہ گوشت میں اصل حرمت ہے، اور جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اسے کسی مسلمان نے ذبح کیا ہے، یا ایسے کتابی نے ذبح کیا ہے، جو شرائطِ شرعیہ کی پابندی کرتا ہے، اس وقت تک اس کو کھانا جائز نہیں ہے۔ (ردالمحتار:۱/۴۷۱،۴۷۲،۴۷۴)

مسئلہ (۱۳۰): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ پولٹری فارم (Poultry Farm) کی مرغیوں کی جس دانہ سے پرورش ہوتی ہے، وہ دانہ خنزیر کی چربی سے تیار ہوتا ہے، اسی لیے وہ چالیس دنوں میں اتنی صحت مند ہو جاتی ہیں، اور یہ دانہ بیرونی ممالک سے درآمد کیا جاتا ہے، اس لیے ان کا کھانا حلال نہیں ہے، اُن کی یہ بات درست نہیں ہے، کیوں کہ اس دانہ کی وجہ سے گوشت میں کوئی تغیر نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس دانہ کا کوئی اثر باقی رہتا ہے، بلکہ وہ نیست و نابود ہو جاتا ہے، اس لیے ان کا کھانا حلال ہے، ہاں! اگر اِس دانہ کی وجہ سے گوشت متغیر ہو جائے، اس کی اصلی و فطری بُو بدل جائے، تو پھر اُسے اس وقت تک کھانا درست نہ ہوگا، جب تک کہ ذبح سے پہلے کم از کم تین روز اسے حلال و پاک غذا نہ دی جائے، ورنہ درست نہ ہوگا۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۹/۴۱۴،۴۱۵)

مسئلہ (۱۳۱): ''**سانڈا**'' جس کی چربی کا تیل نکالا جاتا ہے، خبیث جانوروں میں سے ہے، لہٰذا اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر اس کا تیل بطورِ دوا- خارجِ بدن یعنی بیرونی جسم میں استعمال کیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ نماز سے پہلے اس کو دھولیا جائے۔ (المبسوط للسرخسی:۱۱/۲۴۰، الدر المختار مع الشامیۃ:۹/۳۷۰)

نوٹ-: گوہ کی قسم کا ایک جانور جس کا تیل نکال کر گٹھیا کے درد کے لیے یا طِلا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ (فیروز اللغات:ص/۷۶۹)

مسئلہ (۱۳۲): مچھلی کھانے کے بعد دودھ پینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، البتہ اطباء اِس سے منع کرتے ہیں، کہ اس سے سفید داغ ہونے کا اندیشہ ہے، اس لیے اِس سے بچنا بہتر ہے۔ (المطاعم والمشارب:ص/۹۸،۹۹، اُسعد محمد سعید الصاغرجی)

مسئلہ (۱۳۳): بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ رات میں پیاز کھانا جائز نہیں، اُن کی یہ بات درست نہیں، کیوں

کہ جس طرح دن میں پیاز کھانا جائز ہے، اسی طرح رات میں کھانا بھی جائز ہے، ہاں! البتہ حضراتِ فقہاء کرام نے یہ لکھا ہے کہ پیاز یا اور کوئی بدبودار چیز کھا کر بلا مسواک کیے مسجد میں نہیں آنا چاہیے، خواہ دن میں ہو یا رات میں۔

(صحیح البخاری:۱/۱۱۸، رقم الحدیث:۸۵۵، صحیح مسلم:۱/۲۰۹)

مسئلہ (۱۳۴): اسکول و کالج کے بعض طلباء کی طرف سے یہ بات دریافت کی جاتی ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ کھانے کی وہ چیزیں جن کا ای کوڈ -(100، 110، 120، 140، 141، 153، 210، 213، 214، 216، 234، 252، 270، 280، 325، 326، 327، 334، 335، 336، 337، 422، 430، 431، 432، 433، 435، 436، 440، 470، 471، 472، 473، 474، 475، 476، 477، 478، 481، 482، 483، 491، 492، 493، 494، 495، 542، 570، 572، 631، 904)- ہوتا ہے، اُن میں خنزیر کی چربی شامل ہوتی ہے، تو ان کا کھانا درست ہے یا نہیں؟ اُن کے اِس سوال کے جواب میں یہ عرض ہے کہ - اگر کوئی کمپنی حرام کھانا بنانے میں معروف نہ ہو تو محض کسی مخصوص کوڈ یا کسی کمپنی کی اشیاء ہونے کی وجہ سے کسی چیز کو شرعاً حرام یا حلال قرار نہیں دیا جاسکتا، مگر یہ کہ یقین کے ساتھ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کے اجزاء ترکیبیہ (بشمول تمام ای کوڈ) میں سے کوئی چیز حرام ہے، اور کسی کیمیاوی طریقہ سے اس کی حقیقت و ماہیت کو تبدیل نہیں کیا گیا، تب تو اس سے بچنا لازم ہوگا، جب کہ تقویٰ کا تقاضہ یہ ہے کہ جس چیز کی حلت و حرمت میں شک ہو، اسے استعمال میں لانے سے احتراز کیا جائے۔

(الأشباہ والنظائر مع شرحہ الحموی:۱/۲۵۲)

مسئلہ (۱۳۵): اگر کوئی بسکٹ کمپنی کتے اور بلی کی شکل میں بسکٹ بناتی ہے، تو اولاً ذی روح تصاویر کا بنانا ہی جائز نہیں ہے، چہ جائیکہ وہ کتے اور بلی کی شکل میں بنائے جائیں، اور تصویر خواہ کسی بھی چیز کی بنی ہو، ناجائز و حرام ہے، لہٰذا ایسی چیزوں کے استعمال سے پرہیز کیا جائے۔ (صحیح البخاری:ص/۱۰۲۲)

مسئلہ (۱۳۶): وہ تمام چیزیں جن کا سڑکوں پر چلتے ہوئے کھانا پینا عرفاً خلافِ مروت نہیں سمجھا جاتا، ان کے کھانے پینے سے انسان مردود الشہادت نہیں ہوگا، لیکن جن چیزوں کا کھانا پینا مخل بالمروت ہے، تو ان کے کھانے پینے سے آدمی مردود الشہادت ہوجائیگا۔ (البنایۃ شرح الہدایۃ:۸/۱۷۸)

مسئلہ (۱۳۷): اگر کسی کمپنی میں حلال اشیاء کی ایڈورٹائز (Advertise) ہوتی ہو، لیکن کبھی کبھی شراب وغیرہ کی بھی ایڈورٹائز ہوتی ہو، تو ایسی کمپنی میں ملازمت کرنا جائز ہے، کیوں کہ اصل کام تو حلال کا ہے، البتہ جہاں تک ہوسکے شراب وغیرہ کے ایڈورٹائز سے بچنا چاہیے۔ (المحیط البرہانی:۹/۱۹۰، کتاب الإجارات)

مسئلہ (۱۳۸): جاپانی رینٹ جو پنیر میں ڈالا جاتا ہے، نباتات سے تیار ہوتا ہے، اور یوروپین رینٹ حیوانات سے تیار کیا جاتا ہے، لہٰذا جس پنیر میں نباتات سے تیار کردہ رینٹ ملائی جاتی ہے، اُس کا استعمال درست ہے، اور جس پنیر میں حیوانات سے تیار کردہ رینٹ ملائی جاتی ہے، اُس کا استعمال درست نہیں ہے۔ **بعض** حضرات یہ سوال کرتے ہیں کہ حیوانات سے تیار کردہ رینٹ ایک چمچہ کی مقدار سات سیر دودھ میں ملائی جاتی ہے، لہٰذا "للأکثر حکم الکل" کے تحت اس پنیر کے استعمال کی اجازت ہونی چاہیے، نیز اس میں عمومِ بلویٰ بھی ہے، تو ایسے حضرات سن لیں کہ- اگر سات سیر دودھ میں ایک چمچہ پیشاب، شراب یا خون کا مخلوط کر دیا جائے، تو کیا "للأکثر حکم الکل" کے تحت اس دودھ کو پینے کی اجازت دے دی جائیگی؟ اگر ناجائز پنیر کو استعمال نہ کیا جائے تو کیا زندگی کا کوئی شعبہ یا شریعت کا کوئی حکم معطل رہے گا؟ پھر (عمومِ بلویٰ) ابتلائے عام کے تحت اس حکم میں تسہیل کی گنجائش بے محل ہے۔ (تکملۃ فتح الملہم: ۳/ ۶۰۸، کتاب الأشربۃ)

مسئلہ (۱۳۹): جو برتن گھروں میں ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں، اُن میں کھانا پینا مکروہ ہے، کیوں کہ ان سے ہاتھ وغیرہ کے زخمی ہونے، شیٔ ماکول ومشروب کے ضائع ہونے، اور اُن کے منہ میں چُبھنے کا خطرہ واندیشہ ہوتا ہے، اور اس مقام پر چوں کہ مَیل وغیرہ بھی جَما ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اُن کا استعمال طبعِ سلیم کے خلاف ہے۔ (سنن أبی داود: ص/ ۵۲۳)

مسئلہ (۱۴۰): چمچ سے کھانا جائز ہے، لیکن سنت یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے کھانا کھایا جائے۔ (صحیح البخاری: ۲/ ۸۱۰)

مسئلہ (۱۴۱): چونا دو طرح کا ہوتا ہے، ایک وہ جو پتھر سے بنتا ہے، اور دوسرے وہ جو صدف جلا کر بنایا جاتا ہے، دونوں قسم کے چونے کا ایک ہی حکم ہے، یعنی پان میں بقدرِ ضرورت کھانا جائز ہے۔ (نفع المفتی: ۴/ ۱۴۸، الفتاوی الہندیۃ: ۵/ ۳۴۱)

مسئلہ (۱۴۲): بعض طلباء اطراف واکناف میں موجود کھیتوں کے درختوں سے، ان کے مالکوں کی اجازت کے بغیر پھلوں کو توڑ کر کھالیتے ہیں، یا بسا اوقات توڑتے نہیں، بلکہ گرے ہوئے پھلوں کو اٹھا کر کھالیتے ہیں، یا لے آتے ہیں، تینوں صورتیں شرعاً جائز نہیں ہیں۔ (ہندیہ: ۵/ ۳۳۹، ۳۴۰)

مسئلہ (۱۴۳): گوبر کے اپلوں کو کھانا وغیرہ پکانے کے لیے استعمال کرنا جائز ہے، اس میں کوئی قباحت وحرج نہیں ہے۔ (فتاوی حقانیہ: ۲/ ۵۸۸)

مسئلہ (۱۴۴): اگر کوئی شخص کسی کو کوئی ہدیہ دے، یا اس کی ضیافت ومہمانی کرے اور اس کا غالب واکثر مال حرام ہے، تو اس وقت تک اس کا ہدیہ یا ضیافت قبول نہ کرے جب تک کہ وہ اس بات کی وضاحت نہ کردے کہ یہ ہدیہ یا ضیافت مالِ حلال سے ہے، میں نے فلاں سے قرض لیکر یا وراثت میں ملے مال سے اس کا انتظام کیا ہے، اور اگر ہدیہ دینے والے یا ضیافت کرنے

والے کا غالب واکثر مال حلال ہے تو اس کا ہدیہ یا ضیافت قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، تا آنکہ یہ معلوم نہ ہو کہ یہ مالِ حرام سے ہے۔ **یہ تفصیل** اس لیے کی جاتی ہے کہ لوگوں کے مال، حرامِ قلیل سے خالی نہیں ہوتے جب کہ حرامِ کثیر سے خالی ہوتے ہیں، اس لیے غالب کا اعتبار کرتے ہوئے حکم اسی پر مبنی ہوگا۔ (المحیط البرہانی:۶/۱۱۰)

مسئلہ (۱۴۵): مدارسِ اسلامیہ میں سال کے اخیر میں کتابوں کے اختتام پر، کسی درجہ کے استاذِ محترم اپنے ذاتی مصارف سے اپنے طلباء اور دیگر اساتذہ، یا کوئی طالبِ علم اپنے اساتذہ ودیگر اساتذہ وطلباء کی دعوتِ طعام یا ناشتہ کرے تو شرعاً جائز ہے، کیوں کہ دعوت کے سلسلے میں ضابطۂ اسلامی یہ ہے: ''الدعوۃ عند السرور'' جس کی اصل حضرت جابر بن عبداللہ کی یہ روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک اونٹ یا گائے ذبح فرمائی۔ **لیکن** آج کل کتابوں کے اختتام پر دعوتِ طعام وناشتہ میں یہ رَواج چل پڑا ہے، کہ تمام طلباء اپنے ساتھیوں سے رقم جمع کرتے ہیں، جن میں بعض ایسے غیر مستطیع طلباء بھی ہوتے ہیں، کہ ان کی ضرورتیں وظیفہ کی رقم سے ہی پوری ہوتی ہیں، وہ اپنی ضرورتوں کو پسِ پشت ڈال کر، اور بعض وہ طلباء جن کا وظیفہ بند ہے، اور ذاتی رقم بھی نہیں رکھتے تو وہ دوسروں سے قرض لے کر اس اجتماعی چندہ میں شریک ہوتے ہیں، تا کہ اپنے ساتھیوں کے طعن وتشنیع، تحقیر وتذلیل، یا اپنے استاذ کی ناراضگی وخفگی سے اپنے آپ کو بچائے، یا پھر اپنی غربت وافلاس پر پردہ پڑا رہے، اس طرح کی دعوتِ طعام یا ناشتہ کا اہتمام کرنا، کروانا، کھانا، کھلانا سب ناجائز وحرام ہے، کیوں کہ جس رقم سے یہ دعوتِ طعام وناشتہ کی جارہی ہے، اس میں وہ رقم بھی شامل ہے جو بطیبِ خاطر، برضا ورغبت نہیں دی گئی، لہٰذا یہ حرام ہے۔
(صحیح بخاری:۱/۴۳۴)

مسئلہ (۱۴۶): قرآن کریم کو پڑھنا اور اس کو یاد کرنا انتہائی فضیلت وبزرگی والا عمل ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص قرآن کریم کو پڑھے گا اور اس کو یاد کرے گا، اللہ رب العزت اسے جنت میں داخل فرمائیں گے، اور اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس لوگوں کے حق میں اس کی شفاعت وسفارش قبول فرمائیں گے جن پر دوزخ واجب ہوچکی ہوگی۔''

قرآن کریم کی تکمیلِ حفظ کا موقع، موقعِ مسرت ہے، اس موقع پر شکرانہ کے طور پر احباب ومتعارفین کو دعوت دینا اور غرباء واحباب کو کھانا کھلانا، یہ اس عظیم نعمت کی قدر دانی ہے، ممنوع نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورۂ بقرہ یاد کی تھی، تو ایک اونٹ ذبح کر کے احباب وغرباء کو کھلا دیا تھا، **لیکن** یہ بات یاد رہے کہ اللہ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے، ریاء وفخر کیلئے جو کام کیا جائے وہ مقبول نہیں ہوتا، اور نیت کا حال خدا ہی کو معلوم ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ مخفی طور پر غرباء کو ان کی ضرورت کی اشیاء دیدی جائیں، اور بچے نے جہاں ختم کیا، وہاں پڑھنے والے بچوں اور ان کے ساتذہ کو شیرینی وغیرہ دیدی جائے، اور

مدرسہ کی امداد کی جائے۔ **طلباء**، اساتذہ اور اہل مدرسہ کا، ختم کرنے والے بچہ کے والیان وسرپرستوں سے شیرینی، دعوت وہدیہ، یا امداد کا سوال کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ اساتذہ واہل ادارہ نے یہ خدمت خالصۃً اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے انجام دی، جس کا اجر وہ خود کل قیامت کے دن انہیں عطا کرے گا۔ (السنن لأبی داود: ص۲۳۵، السنن للنسائی: ۱/۲۷۶)

مسئلہ (۱۴۷): آج کل بعض نوجوان ہوٹل یا کینٹن وغیرہ میں جمع ہوکر آپس میں قرعہ اندازی کرتے ہیں، اوراس میں یہ شرط لگاتے ہیں، کہ جس کا نام قرعہ اندازی سے نکل آئے وہی کھلائے گا یا پلائے گا، اس میں اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آدمی کا نام ہفتہ میں چار مرتبہ آئے، کسی کا دو مرتبہ، اور کسی کا ایک مرتبہ بھی نہ آئے، اسی طرح بعض لوگوں کی کبھی کبھار ہوٹل یا کینٹن وغیرہ میں ملاقات ہوجاتی ہے تو آپس میں قرعہ اندازی کرتے ہیں، جس کا نام نکل آئے وہ اس دن کے پورے خرچ کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس طرح سے کھلانا پلانا، کھانا اور پینا صریح قمار یعنی جوا ہے، جو شرعاً ناجائز اور حرام ہے، البتہ پہلی صورت میں اگر یہ طریقہ ہو کہ جس کا نام ایک بار قرعہ میں نکل آئے دوبارہ اس کا نام شامل نہ کیا جائے، یہاں تک کہ تمام ساتھیوں کی باری پوری ہوجائے تو جائز ہے۔ (البحر المحیط: ۳/۳۲۲)

مسئلہ (۱۴۸): آج کل بڑے بڑے ہوٹلوں میں یہ طریقہ مروج ہے کہ خریدار کے سامنے مختلف قسم کے کھانے پیش کئے جاتے ہیں، جن کی ایک متعینہ قیمت ہوتی ہے، اس میں خریدار کو اختیار ہوتا ہے کہ جو چاہے کھانا پسند کرے، کم کھائے یا زیادہ کھائے لیکن قیمت ایک ہی ہوگی، اگرچہ اس صورت میں مبیع کی مقدار مجہول ہے کہ خریدار کتنا کھائیگا، مگر چوں کہ اس طرح کرنے سے باہمی کوئی نزاع نہیں ہوتا، نیز عرفِ عام بھی ہوگیا ہے اس لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۳۱/۱۵۱)

مسئلہ (۱۴۹): بسا اوقات آدمی اپنی بساط وطاقت سے زیادہ مہمان کے لیے ضیافت میں تکلف کرتا ہے، شرعاً اُس کا یہ عمل درست نہیں ہے، بلکہ جو کچھ موجود ہو اور بآسانی دستیاب ہوجائے، وہی مہمان کے سامنے حاضر کردے، جیسا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''**نهانا رسول الله ﷺ أن نتكلّف للضّيف**''۔ ''آپ ﷺ نے ہمیں مہمان کی خاطر (کھانے میں) تکلف کرنے سے منع فرمایا ہے''، اور ویسے بھی شریعت ہر چیز میں سادگی وبے تکلفی کو پسند کرتی ہے۔

(شعب الإیمان للبیہقی: ۷/۹۴، رقم الحدیث: ۹۵۹۸)

مسئلہ (۱۵۰): اگر کسی شخص کی کہیں دعوت ہو اور وہ اُس دعوت میں حاضر ہوکر کھانا کھا رہا ہو، اِس درمیان اُس کا بچہ یا اُس سے متعلق کوئی شخص کسی ضرورت سے اُس کے پاس آئے، تو وہ اپنے اس بچے یا متعلق شخص کو میزبان کی اجازت کے بغیر کھانے میں شریک نہیں کرسکتا، اور نہ دستر خوان کی کوئی چیز اُنہیں دے سکتا ہے، بعض مہمان ایسے موقع پر بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے

ہیں، جو بڑی اچھی صفت ہے، مگر اس کا موقع اپنا دسترخوان ہوتا ہے، نہ کہ دوسروں کا، اسی طرح بعض مہمان آپس میں ایک دوسرے کو کھانے کی ترغیب دیتے ہیں، حالانکہ وہ اِس کے مجاز نہیں ہوتے ہیں، لہٰذا ایسی باتوں سے بچنا چاہیے۔
(المحیط البرہانی:٦/١١٠،١١١)

مسئلہ (١٥١): شادیوں کے موسم میں بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جہاں کہیں منڈپ لگا ہوا ہے، کھانا جاری ہے، تو بیٹھ گئے، کھانا کھالیا اور چل دیئے، جب کہ انہیں نہ تو کھانے کی دعوت ہوتی ہے، اور نہ اجازت، اس طرح بغیر دعوت اور بغیر اجازت (صراحۃً یا دلالۃً) کے کسی کے یہاں کھانا - کھانا جائز نہیں ہے، اور غیرت وحمیت کے بھی خلاف ہے، حدیث پاک میں ہے: ''جو شخص بغیر دعوت کے کھانے کے لیے گیا، وہ چور بن کر داخل ہوا، اور لُٹیرا بن کر واپس ہوا۔''
(مشکوۃ المصابیح:ص/ ٢٧٨، رقم الحدیث:٣٢٢٢)

مسئلہ (١٥٢): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضراتِ علماء کرام کو دعوتوں میں اکثر مرغی کا گوشت کھلایا جاتا ہے، کیا آپ ﷺ نے مرغی کھائی، اور کیا آپ ﷺ کے زمانے میں مرغیاں دستیاب تھیں؟ - جواباً عرض ہے کہ - حضراتِ علماء کرام انبیاء علیہم السلام کے وارثین ہیں، اُن کا اکرام واعزاز لازم ہے، اور مہمان جس قدر عظیم ہوتا ہے، میزبان اسی قدر اس کی مہمانی ومیزبانی کا اہتمام کرتا ہے، علماء کو دعوتوں میں مرغی کا گوشت پیش کرنا یہ بھی اسی اکرام کا جزء ہے، رہی یہ بات! کہ کیا آپ ﷺ نے مرغی کھائی؟ - تو ترمذی شریف کی یہ روایت (کہ - حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود آپ ﷺ کو مرغی کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا) - سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مرغی کا گوشت تناول فرمایا ہے۔ (أحکام القرآن للجصاص:١/٨٣)

مسئلہ (١٥٣): بعض لوگ کھانے سے فراغت کے بعد پڑھی جانے والی دعا میں بھی ہاتھ اُٹھاتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ یہ دعا ہے، اور دعا میں ہاتھ اُٹھانا مسنون ہے، اُن کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیوں کہ طواف کرتے وقت دعا مسنون ہے، مگر اس میں ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے، نماز کے اندر بھی دعا ہوتی ہے، سوتے وقت بھی دعا ہوتی ہے، مسجد میں داخل ہوتے وقت، مسجد سے نکلتے وقت، بیت الخلاء میں جاتے وقت اور نکلتے وقت بھی دعا ثابت ہے، مگر اِن تمام دعاؤں میں ہاتھ اُٹھانا ثابت نہیں، ایسے ہی کھانا کھانے کے بعد بھی دعا ثابت ہے، مگر اس میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہے، اسی طرح کھانے کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی ثابت نہیں۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص/ ٣١٩)

تفریحی امور کا بیان

مسئلہ (۱۵۴): شریعت اسلامیہ میں وقت کی حفاظت اور با مقصد زندگی کے قیام کا حکم دیا گیا، لہو ولعب اور لغو کی ممانعت کی گئی، ممانعت کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ تفریح کی بھی ممانعت ہے، بلکہ شرعاً ایک حد تک مستحسن ومطلوب ہے، تاکہ اس تفریح کے ذریعے جسم وروح کی سستی دور ہوکر طبیعت میں نشاط وچستی، حوصلہ وہمت پیدا ہو، اور انسان مکمل طور پر زندگی کے اعلیٰ مقصد عبادت کی طرف متوجہ ہوسکے، لہذا تفریحی کھیل کود کے سلسلے میں فقہاء وعلماء نے قرآن وحدیث سے چند ضوابط اخذ کئے ہیں۔

۱- ایسا کھیل جس میں دینی ودنیوی کوئی مصلحت ومقصد نہ ہو، نہ اس کی غرض، غرضِ صحیح ہو، بلکہ محض وقت گذاری ہو تو ایسا کھیل ناجائز ہے۔

۲- ایسا کھیل جس میں کوئی مصلحت وغرضِ دینی یا دنیوی تو ہو مگر اس کی ممانعت کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ سے ثابت ہو، تو وہ بھی ناجائز ہے۔

۳- ایسا کھیل جس میں لوگوں کے لیے مصلحت وفوائد تو ہوں، مگر تجربہ سے یہ بات ثابت ہوچکی ہو کہ اس کے نقصانات فوائد سے زیادہ ہیں، اور ان کا کھیلنا انسان کو اللہ کی یاد، نماز اور فرائضِ شرعیہ سے غافل کردیتا ہے، تو یہ کھیل بھی ناجائز ہے۔

۴- ایسا کھیل جس کا مقصد دینی یا دنیوی مصلحت وفوائد کو حاصل کرنا ہو تو مباح ہے، بشرطیکہ یہ کھیل کفار وفساق کا شعار نہ ہو اور اس میں ہار جیت پر مال کی شرط نہ ہو۔ (تکملۃ فتح الملہم:۴/۴۳۴)

مسئلہ (۱۵۵): ہر ایسا کھیل جو انسان کو اس پر واجب حقوق سے غافل کردے، خواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد، یا منکرات ومنہیاتِ شرعیہ پر مشتمل ہو، یا اس کے نقصانات اس کے فوائد سے زیادہ ہوں، ناجائز ومکروہ تحریمی ہے، اور شریعتِ اسلامیہ اپنے ماننے والوں کو اس طرح کا کھیل کھیلنے سے منع کرتی ہے، کرکٹ چوں کہ بہت سے دینی ودنیوی خرابیوں کا مجموعہ ہے، مثلاً اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز باجماعت کا فوت ہونا بلکہ قضا ہوجانا، ملازمین کے فرائض وواجبات میں کوتاہی وخلل کا واقع ہونا، اپنے قیمتی اوقات واموال کو ضائع کرنا، کسی ٹیم کے ہارنے پر اس کو ذلیل ورسوا کرنا، حالانکہ یہ سب ناجائز ومنع ہیں، نیز شریعت ہر اس ذریعہ سے بھی منع کرتی ہے جو انسان کو برائی تک پہنچاتا ہے، لہٰذا ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پورے وثوق کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کرکٹ کھیلنا شرعاً ناجائز ہے، لیکن اگر کرکٹ کا کھیل مذکورہ تمام ممنوعاتِ شرعیہ سے پاک

ہو،تو پھراس کے کھیلنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے، جب کہ واقعہ اورمشاہدہ یہ ہے کہ ایسا ہوتا نہیں۔ (ردالمحتار:۵/۲۲۳،ط:نعمانیہ)

مسئلہ (۱۵۶): اسلام میں بامقصد تفریح کی جو اجازت دی گئی ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اسلام سستی اور کاہلی کو ناپسند کرتا ہے، اور چستی وفرحت کو پسند کرتا ہے، کیوں کہ شریعت عین انسانوں کی مصلحت کے مطابق نازل کی گئی ہے، اس لیے اسلامی تعلیمات پر مسلمانوں کو خوشی خوشی عمل کرنا چاہیے، اور جسم وروح کے نشاط کے ساتھ زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، چنانچہ اسلام نے چند تفریحات کی اجازت ہی نہیں بلکہ ترغیب دی ہے، جن پر اجر وثواب کا بھی وعدہ ہے، مثلاً نشانہ بازی، سواری کی مشق، تیراکی کی مشق، پیدل دوڑنا، شریعت کے اصول وقوانین کی پاسداری کرتے ہوئے ان سب چیزوں میں مسابقت کرنا جہاں اجر وثواب کا باعث ہے وہیں روحانی وجسمانی ورزش بھی ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی:۱۰/۲۶،رقم الحدیث:۱۹۷۴۱)

مسئلہ (۱۵۷): شریعت اسلامیہ نے جہاں بہت سے تفریحی کھیلوں کی اجازت دی ہے، وہیں چند ایسے کھیلوں کو جو آپسی جھگڑوں، تضییعِ اوقات، جوا، قمار کا ذریعہ ہیں، سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، مثلاً چوسر، شطرنج، کبوتر بازی، مرغ بازی، بٹیر بازی، پتنگ بازی، جانوروں کو لڑانا، ویڈیو گیم، گوٹی، لوڈو، تاش کھیلنا وغیرہ، ان تمام کھیلوں میں سوائے نقصانات کے دینی یا دنیوی کوئی فائدہ نہیں، اس لیے یہ سب ممنوع ہیں۔ (أحکام القرآن للتھانوی:۳/۲۰۲،سورۃ لقمان:۴)

مسئلہ (۱۵۸): جائز کھیل کی ایک وقتی تفریح کی حد تک تو گنجائش ہے، مگر اس کو زندگی کا مقصد بنالینا جائز نہیں ہے۔
(أحکام القرآن للتھانوی:۳/۱۹۶)

مسئلہ (۱۵۹): تعلیم وکسب معاش کی جائز سرگرمیوں کو چھوڑ کر، اپنے آپ کو کھیل کیلئے وقف کردینا شرعاً جائز نہیں ہے۔
(أحکام القرآن للتھانوی:۳/۱۹۶)

مسئلہ (۱۶۰): وقت گزاری کے لیے گیم یا لوڈو وغیرہ کا کھیلنا اور ہر ایسی چیز جو طلب علم کے عظیم مقصد میں مخل ہو اور تضییعِ اوقات کا ذریعہ بنے، شرعاً سخت ناپسندیدہ اور ناجائز ہے۔ (سورۃ المؤمنون:۱۱۵)

مسئلہ (۱۶۱): وقت انسانی زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے، لہٰذا ازروئے شرع کوئی بھی ایسا کھیل کراہت سے خالی نہیں ہوگا، جو اپنے طریقے اور لباس کے اعتبار سے تو محرمات پر مشتمل نہ ہو، لیکن اس میں کھیلنے یا دیکھنے والوں کا کافی وقت ضائع ہوتا ہے۔ (المؤمنون:۱۱۵)

مسئلہ (۱۶۲): ایسے کھیل جو انسان کے وسیع تر مفاد میں ہوں، جن سے جسمانی قوت چستی ونشاط کی بحالی میں مدد ملتی ہو جائز ہیں، بشرطیکہ وہ منکرات سے خالی ہوں، دینی یا دنیوی حقوق وفرائض سے غفلت یا کسی بھی جاندار کی اذیت کا باعث نہ ہوں۔ (تکملۃ فتح الملہم:۴/۴۳۴)

مسئلہ (۱۶۳): عام حالات میں شریعت نے مرد و عورت کی ستر پوشی کیلئے جو اصول مقرر کیئے ہیں، کھلاڑیوں کے لئے بھی ان کی پابندی ضروری ہے، لہٰذا کھلاڑیوں کا ایسا لباس پہننا جس میں مرد عورتوں، اور عورتیں مردوں کی مشابہت اختیار کریں، یا جس سے حلیہ اور وضع قطع اس طرح بدل جائے کہ غیر مسلموں سے بظاہر کوئی امتیاز باقی نہ رہے، یا ایسا لباس پہننا جس میں ستر دکھائی دے، شرعاً جائز نہیں ہے۔ (تفسیر ماجدی: ص/ ۳۲۸)

مسئلہ (۱۶۴): چند شرطوں کے ساتھ والی بال کھیلنا جائز ہے، وہ شرطیں یہ ہیں:

(۱) فرائض و واجبات میں کوتاہی نہ ہو، (۲) ہار جیت پر مال کی شرط نہ ہو، (۳) کھیل محض وقت گزاری کے لیے نہ ہو، (۴) کھلاڑی فحش کلامی، دروغ گوئی اور گالی گلوچ سے اجتناب کریں۔ (فتاوی عصریۃ: ص/ ۱۲۰، حکم ألعاب الجیم والکمبیوتر)

مسئلہ (۱۶۵): فٹ بال، کبڈی اور دنگل میں کشتی لڑنا، اگر ورزش، مشقِ جہاد اور تندرستی باقی رکھنے کی غرض سے ہو، تو درست ہے، مگر ستر پوشی اور حدود شرعیہ کی پابندی لازم ہے، لیکن اس قدر انہماک نہ ہو کہ احکام شرعیہ مثلاً نماز و جماعت وغیرہ میں مخل ہو، ورنہ ممنوع ہوگا۔ (الألعاب الریاضیۃ: ص/ ۱۲۹، دار النفائس الأردن)

مسئلہ (۱۶۶): تاش، چوسر اور شطرنج، لہو و لعب کے طور پر کھیلنا مکروہِ تحریمی ہے، اور عام طور پر کھیلنے والوں کی غرض یہی ہوتی ہے، نیز ان کھیلوں میں مشغولی اکثری طور پر فرائض و واجبات کی تفویت کا سبب بنتی ہے، اور اس صورت میں اس کی کراہت حدِ حرمت تک پہنچ جاتی ہے، لیکن بعض علماء نے کرکٹ، ہاکی وغیرہ کو بغیر شرط لگائے جائز لکھا ہے، لیکن جمہور کی رائے مطلقاً عدمِ جواز کی ہے۔ (أحکام القرآن للتھانوی: ۳/ ۲۰۲، الملاهي المحرمة الرائجة)

مسئلہ (۱۶۷): مداری کا کھیل دکھانا مثلاً سر بدن سے جدا کرنا، یا ڈبے سے کوئی کھانے پینے کی چیز یا پیسے وغیرہ نکالنا، چاقو مارنا وغیرہ، یہ محض دھوکہ دہی اور خداع ہے، اس میں نفع کچھ بھی نہیں، اس لیے یہ سب اُمور ناجائز ہیں۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۰۲)

مسئلہ (۱۶۸): مسلمانوں کا غیر مسلموں کے تہوار میں کرتب یا کمال بتلا کر انعام حاصل کرنا درست نہیں، اس لئے کہ ان کے اجتماع کو اپنی شرکت سے رونق دینا درست نہیں ہے۔ (جامع الترمذی: ۲/ ۴۲)

مسئلہ (۱۶۹): جو لوگ کھیل میں شریک نہیں ہیں، لیکن کسی فریق یا فرد کے جیتنے پر آپس میں پیسوں کی بازی لگائیں، تو یہ بھی قمار میں داخل ہے اور حرام ہے۔ (المحیط البرہانی: ۶/ ۵۴)

مسئلہ (۱۷۰): بعض دفعہ کھیل کی ہار جیت میں پیسے کی شرط لگائی جاتی ہے، اگر یہ شرط یک طرفہ ہو، یا کسی تیسرے فریق کی جانب سے ہو، تو ایسی شرط لگانا جائز ہے، اور اگر یہ شرط جانبین سے ہو تو ناجائز ہے۔ (فتاوی ہندیہ: ۵/ ۳۲۴)

مسئلہ (۱۷۱): بعض لوگ کرکٹ میچ ٹی وی پر دیکھنے کو جائز سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بے شمار منکرات ومفاسد مثلاً، نیم عریاں عورتوں کا اسکرین پر دکھائی دینا، اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز باجماعت کا فوت ہوجانا، ملازمین کے فرائض وواجبات میں کوتاہی وخلل کا واقع ہونا، مساجد جو عبادت کی جگہیں ہیں ان میں اسی عنوان پر گفت وشنید، تذکرہ وتبصرہ کا ہونا، کھیل کے دنوں میں سرکاری ونیم سرکاری، شخصی ونجی اداروں کا معطل ہوکررہ جانا وغیرہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اس لیے کرکٹ کھیلنا، کھلانا، اسے میدان یا ٹی وی پر دیکھنا، دکھانا، اسی طرح ریڈیو پر اس کی کمنٹری (Commentory) سننا اور سنانا اور اس پر بحث ومباحثہ کرنا یہ سب معصیت کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے اور زندگی کے قیمتی اوقات کو ضائع کرنے میں داخل ہے، جب کہ یہ دونوں چیزیں شرعاً حرام ہیں۔ (معارف القرآن:۸/۶۹۳تفسیر المظہری:۱۰/۱۸۹)

مسئلہ (۱۷۲): ٹی وی پر کرکٹ میچ دیکھنا بے شمار منکرات ومفاسد، مثلاً نیم عریاں عورتوں کا اسکرین پر دکھائی دینا، اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز باجماعت کا فوت ہونا، مساجد جو عبادت کی جگہیں ہیں، ان میں اسی موضوع پر تذکرے وتبصرے کا ہونا، وغیرہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اس لیے کرکٹ میچ کو ٹی وی پر دیکھنا دکھانا، اور اس پر بحث ومباحثہ کرنا یہ سب معصیت کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون، اور زندگی کے قیمتی اوقات کو ضائع کرنے میں داخل ہے، جب کہ یہ دونوں چیزیں شرعاً ممنوع ہیں۔ (صحیح مسلم:۱/۱۵۴، باب تحریم النظر إلی عورات)

مسئلہ (۱۷۳): ریڈیو کا استعمال قرآن پاک کی تلاوت وتفسیر، دینی تقاریر، خبروں اور حالاتِ حاضرہ پر مطلع ہونے کی غرض سے جائز ہے، البتہ گانے سننے، سنانے یا فحش مکالموں کو سننے سنانے کے لئے اس کا استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے، اور اس سے کلی اجتناب لازم ہے۔ (فتاوی معاصرۃ للقرضاوی:۱/۶۹۴، مشاہدۃ التلیفزیون)

مسئلہ (۱۷۴): ٹی وی (TV) ام الخبائث ہے، معاشرہ میں عریانی، فحاشی، زناکاری، بدکاری، ڈاکہ زنی، اولاد کا بے مہار ہوکر اپنے والدین کے لیے وبال جان بننے، نوجوانوں کے دین سے برگشتہ ہونے اور پورے معاشرے کے لیے ناسور بننے کا ذریعہ اور اصل سبب ہے، جو وعیدیں تصویر کے مسئلہ میں لکھی گئی ہیں، وہ تمام وعیدیں ٹی وی پر بطریقِ اَولیٰ منطبق ہوتی ہیں، جو شخص اس گناہِ کبیرہ اور بے حیائی کا مرتکب ہو، وہ بہت بڑا فاسق ہے، اور اس کی شہادت مردود ہے۔ (ردالمحتار:۲/۹۳)

مسئلہ (۱۷۵): موجودہ دور میں ٹی وی کا کوئی پروگرام معاصی ومنکراتِ شرعیہ جیسے گانے، باجے اور سارنگی سے خالی نہیں ہوتا، نیز ٹی وی اور ڈش وغیرہ کے جو نتائج انسانی معاشرے پر مرتب ہورہے ہیں، وہ عریانی فحاشی اور بے حیائی جیسے مہلک امراض کا جنم لینا ہے، ایسی صورتِ حال میں ٹی وی پر کسی جائز اور اصلاحی پروگرام کا دیکھنا بھی جائز نہیں ہے، نیز ٹی وی پر تفسیرِ قرآن

سننے یا حج بیت اللہ وغیرہ کا براہِ راست پروگرام دیکھنے یا دنیا کی نت نئی معلومات حاصل کرنے جیسی دل لبھاتی اغراض کے بہانے سے بھی ٹی وی کو خریدنا اور اسے گھر میں داخل کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ مقاصد کے اچھے ہونے سے ناجائز کام جائز نہیں ہوتا۔
(تکملۃ فتح الملہم:۴/۱۶۴)

مسئلہ (۱۷۶): ہماری شریعت میں جاندار کی تصویر حرام ہے، اور آپ ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے، اور ٹیلی ویژن میں تصویریں ہوتی ہیں، اس لیے ٹیلی ویژن دیکھنا شرعاً جائز نہیں ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان چیزوں کو اچھے مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے، یہ خیال بالکل لغو ہے، اور ٹیلی ویژن چوں کہ آلاتِ لہو ومعصیت میں سے ہے، اس لیے اس پر دینی پروگرام دیکھنا بھی شرعاً صحیح نہیں ہے۔ (صحیح مسلم:۲/۲۰۰، حاشیۃ القونوی علی تفسیر البیضاوی:۵/۲۷۲، بیروت)

مسئلہ (۱۷۷): ٹی وی (T.V) اور ویڈیو فلم (Video film) کا کیمرہ جو تصویریں لیتا ہے، وہ اگرچہ غیر مرئی (دکھائی نہ دینے والی) ہوتی ہیں، لیکن تصویر بہر حال محفوظ ہوتی ہیں، اور اس کو ٹی وی پر دیکھا اور دکھایا جاتا ہے، اس کو تصویر کے حکم سے خارج نہیں کیا جاسکتا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہاتھ سے تصویر بنانے کے پرانے فن کے بجائے سائنسی ترقی میں تصویر سازی کا ایک دقیق طریقہ ایجاد کرلیا گیا ہے، جب شارع نے تصویر حرام قرار دیا ہے تو تصویر سازی کے لیے خواہ کیسا بھی طریقہ اپنایا جائے تصویر بہر حال حرام ہی رہے گی، بلکہ ہاتھ سے تصویر سازی میں وہ قباحتیں اور برائیاں نہیں تھیں جو ٹی وی اور ویڈیو فلم نے پیدا کردی ہیں، **ٹی وی** اور ویڈیو کیسٹ کے ذریعے ہر گھر سنیما گھر بن گئے ہیں، اور یہ بات معقول بھی نہیں کہ شارع ہاتھ کی تصویروں کو حرام قرار دے، اس کے بنانے والے کو ملعون اور قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں مبتلا ہونے والا بتائے، اور فواحش وبے حیائی کے اس طوفان کو جسے ہم عرف میں ٹی وی کہتے ہیں حلال اور جائز قرار دے۔ **رہے** اس کے کچھ فوائد تو وہ بھی شراب وجوئے کے فوائد کی طرح قابلِ قبول نہیں ہیں اس لیے گھر میں ٹی وی رکھنا، دیکھنا اور دکھانا سب شرعاً ممنوع وناجائز ہے۔

نوٹ:- کسی عالمِ دین یا مقتداء کا ٹی وی پر آنا اس کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا، کیوں کہ جواز وعدم کی دلیل کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماعِ امت اور قیاس ہے، نہ کہ کسی کا عمل۔ (شامی:۵/۲۳۳)

مسئلہ (۱۷۸): ناچ اور گانا حرام وگناہِ کبیرہ ہے، لہٰذا ٹیلی ویژن پر ان کو دیکھنا، دکھانا، سننا اور سنانا، اور اس طرح کے پروگرام میں کام کرنا، اس میں تعاون کرنا، سب ناجائز اور گناہ کے کام ہیں۔ (أحکام القرآن للجصاص:۳/۲۶۶)

مسئلہ (۱۷۹): ۱- کوئی بھی فلم تصویر کشی کے بعد ہی منظر عام پر آتی ہے، جب کہ تصویر کشی یہ ناجائز وحرام ہے۔

۲- فلم میں گانا، بجانا پایا جاتا ہے، یہ بھی ناجائز وحرام ہے۔

۳- فلم میں رقص وسرود بھی پایا جاتا ہے، جو خلافِ شرع ہے۔

۴- فلم میں نامحرم کو دیکھنا بھی پایا جاتا ہے، جب کہ حضور اکرم ﷺ نے دونوں پر، یعنی دیکھنے والے، اور جسے دیکھا جائے اس پر بھی لعنت فرمائی ہے۔

۵- فلم میں مرد وعورت کا اختلاط بھی پایا جاتا ہے، جو شرعاً منع ہے۔

۶- فلم میں جو مواد پیش کیا جاتا ہے، اور جن مناظر کو دکھایا جاتا ہے، وہ دیکھنے والوں کے دین واخلاق کے لیے تباہ کن ہوتے ہیں، فلمیں نئی نسل کے ذہن کے بگاڑنے، ان میں مجرمانہ ذہنیت پیدا کرنے، اور ملک کے اندر جرائم پھیلانے میں، جو افسوسناک کردار ادا کر رہی ہیں، وہ کسی ہوش مند پر مخفی نہیں ہے۔ **اس** لیے جس طرح تھیٹروں میں فلموں کو دیکھنا دکھانا منع وناجائز ہے، اسی طرح بازاروں سے ان کی سی ڈیاں خرید کر، اپنے کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، یا موبائل میں ڈاؤن لوڈ کر کے، یا براہ راست ٹی وی پر دیکھنا و دکھانا بھی شرعاً ناجائز ومنع ہے۔ (سورۃ النور:۱۹)

مسئلہ (۱۸۰): فلم دیکھنا خواہ ٹی وی، کمپیوٹر، موبائل یا کسی اور جگہ ہو، ہر حال میں ناجائز وممنوع ہے، کیوں کہ اس میں مرد وعورت کا اختلاط، کھلے چہروں اور برہنہ بازوؤں کی نمائش، گانا بجانا، گانا سننا، لہو ولعب، غفلت عن ذکر اللہ، اضاعتِ مال واضاعتِ وقت، جیسے منکراتِ شرعیہ موجود ہیں۔ (صحیح البخاری:۲/۷۸۷)

مسئلہ (۱۸۱): ایک فلم جو "الرسالۃ/ پیغام" کے نام سے شائع ہوئی ہے، جس میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روپ میں ایک عیسائی نے کام کیا ہے، نیز آپ ﷺ کو ایک سائے کی طرح بتلایا گیا ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر میں ایک سایہ اینٹیں اٹھار ہا اور رکھ رہا ہے، اس کا دیکھنا، دکھانا سب ناجائز وحرام ہے، نیز یہ ایک یہودی سازش ہے، کہ جس ذات نے تصویر کی حرمت بیان کی ہو اسی کی تصویر، خواہ سائے کی شکل میں ہو، امت کے سامنے پیش کی جائے، تا کہ لوگ اس سائے کو بنگاہِ احترام دیکھے، اور مسلمانوں کے گھروں میں تصویریں عام ہو جائے، اور شرک کا دروازہ کھل جائے، کیوں کہ دنیا میں شرک کا وجود اسی طرح سے شروع ہوا کہ شیطان نے صلحاء کی تصویریں بنا کر دھیرے دھیرے اُن کی عبادت پر کھڑا کر دیا، یقیناً یہ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کی توہین ہے، جس کا انجام بہت ہی برا ہوگا۔ (صحیح مسلم:۱/۲۰۱)

مسئلہ (۱۸۲): آج کل نئی نئی فلمیں منظرِ عام پر آنے لگی ہیں، من جملہ ان میں سے ایک فلم "فجر اسلام" بڑے زور وشور سے چلی، جس میں حضور ﷺ کے مبعوث فرمائے جانے سے پہلے کے لوگوں کی اَبتر حالت کو ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا یہ اور اس طرح کی

جتنی فلمیں منظرِ عام پر آرہی ہیں ان میں اصل کردار دشمنانِ اسلام کا ہے، اس لیے علماء اسلام نے ان کو مردود اور ناجائز قرار دیا ہے، اس میں مفسدات کے انبار ہیں، مثلاً عورتوں کا بے پردہ اسکرین پر آنا، تصاویر کا پایا جانا، اور عوام الناس کا اس میں مشغول ہوکر مالھم وما علیھم حقوق کا ملیامیٹ کرنا وغیرہ، اس طرح کی دیگر خرابیوں کی وجہ سے ناجائز اور ممنوع ہے۔ (سورۂ لقمٰن:۴)

مسئلہ (۱۸۳): ایسی اسلامی فلم جس میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت امیر حمزہ، حضرت بلال حبشی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، اور حضور اکرم ﷺ کی اونٹنی کی آواز مختصر طور پر سنائی گئی ہے، یہ فلم اسلامی فلم نہیں، بلکہ اسلام اور اکابر اسلام کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے، اس کا دیکھنا گناہِ کبیرہ ہے۔ (کتاب الخراج:ص/۱۸۲)

مسئلہ (۱۸۴): فلم بنانا، دیکھنا اور دکھانا فی نفسہ مطلقاً ناجائز وحرام ہے، اور جب اس فلم میں واقعات وشخصیاتِ اسلام کو فرضی کرداروں کے ساتھ فلمایا گیا ہو، جیسے فلم "الرسالۃ" یعنی دَمیسیج آف اسلام (The Message Of Islam) تو اس کی برائی اور بڑھ جاتی ہے، کیوں کہ اسلام اور تاریخ اسلام کے ساتھ یہ انتہائی بدترین وسنگین قسم کا مذاق ہے، اور شریعت نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا، ان کے اسباب وذرائع کو بھی حرام قرار دیا۔ (المقاصد الشرعیۃ:ص/۴۶، اعلام الموقعین:۳/۱۷۵)

مسئلہ (۱۸۵): گانا سننا فی نفسہ حرام ہے، اس کے باوجود بہت سے نوجوان گانا سننے سنانے سے اجتناب نہیں کرتے، حالانکہ بعض انڈین (بھارتی) گانے ایسے ہوتے ہیں، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان میں انتہائی گستاخی اور توہین آمیز ہوتے ہیں، جس سے ذاتِ الٰہی کی طرف جہل، عجز، نقص کو منسوب کرنا لازم آتا ہے، جو آدمی کو کفر وشرک تک پہنچادیتا ہے، اس لیے ان کفریہ جملوں پر مشتمل گانوں کو سننا، سنانا، گنگنانا اور اسے اچھا سمجھنا کفر ہے۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۹/۵۰۲)

مسئلہ (۱۸۶): بعض طلباء بال بنوانے کے لیے حجام کی دوکان پر جاتے ہیں، وہاں اور لوگوں کے نمبر لگے ہونے کی وجہ سے یہ اپنے نمبر کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں، حالانکہ دوکان میں گانوں کی کیسٹ یا سی ڈی بج رہی ہوتی ہے، یہ بیٹھے بیٹھے گانوں کو سنا کرتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی گناہ نہیں ہوگا، کیوں کہ ہم نے یہ کیسٹ یا سی ڈی نہیں لگائی، جب کہ اس صورت میں بھی گانوں کا سننا حرام ہے، اس لیے یا تو مالکِ دوکان سے اسے بند کرنے کی درخواست کرے یا وہاں سے اٹھ جائے، کسی اور جگہ بال بنوائے۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی:۱۰/۳۳۷، رقم الحدیث:۲۱۰۰۷)

مسئلہ (۱۸۷): آج کل نعتوں، نظموں اور حمدوں کو فلمی دھنوں اور سروں میں پڑھنے کا رواج عام ہوتا جارہا ہے، جو بلاشبہ نعت ونظم جیسی روح پرور عبادت کو کھیل تماشا بنانے اور اسکے ساتھ کھلا مذاق ہونے، عبادت کو حرام کے متشابہ بنا کر پیش کرنے اور موسیقی کو رواج دینے جیسی قباحتوں کی بنا پر شرعاً ناجائز ومکروہِ تحریمی ہے، اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ (شعب الإیمان:۲/۵۴۰، رقم الحدیث:۲۶۴۹)

مسئلہ (۱۸۸): نعت ونظم کو گانوں کے طرز پر پڑھنا، اور اس کے ساتھ میوزک اور موسیقی شامل کرنا، اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت گانے کے طرز پر کرنا، جس سے گانے کی طرف دھیان جائے، یا گانے کی لذت محسوس ہو شرعاً جائز نہیں ہے۔
(مشکوۃ:ص/۱۹۱)

مسئلہ (۱۸۹): حمد ونعت کے اشعار قوالی کے نام پر ڈھول تاشے اور سارنگی کی آوازوں پر گانا اور انہیں عبادت سمجھنا قبیح ترین بدعات ومنکرات میں داخل ہے، کیوں کہ احادیثِ شریفہ میں گانے بجانے کی سخت مذمت وارد ہے، زمانۂ قدیم میں یہ بدعت اکثر مزارات پر عرس کے موقع پر انجام دی جاتی تھی، مگر جب سے نئے الکٹرانک آلات: موبائل، ٹیپ ریکارڈ اور گراموفون ایجاد ہوئے، یہ چیز بہت عام ہوگئی، اور اُسے قطعاً برا نہیں سمجھا جاتا، حالانکہ عام گانوں کے مقابلہ میں مذہبی اشعار کی قوالیاں اور زیادہ خطرناک ہیں، اس لیے کہ ان میں اللہ اور رسول کا نام میوزک کے ساتھ لیا جاتا ہے، جو اللہ اور رسول کے احکام کے ساتھ بھونڈے مزاق کا مظاہرہ کرنے کے مرادف ہے، جسے کوئی غیرتمند مسلمان ہرگز برداشت نہیں کرسکتا، فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان صاحب (جو اہلِ بدعت کے نزدیک انتہائی قابلِ احترام ہیں) فرماتے ہیں: ''قوالی حرام ہے، حاضرین سب گنہگار ہیں، اوران سب کا گناہ عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے، مگر اس سے حاضرین کے گناہ میں کوئی تخفیف نہیں ہوگی، بلکہ ہر ایک پر اپنا پورا گناہ ہوگا''، لہٰذا قوالی کا انتظام، اس میں حاضری یا موبائل وغیرہ میں اسے ڈاؤن لوڈ کر کے سننا شرعاً ناجائز ومنع ہے، اس لیے ایسے ناجائز کام سے خود بھی بچیں، اور دوسروں کو بچانے کا فرض بھی انجام دیں۔ (الترغیب والترہیب:۴/۳۵۰)

مسئلہ (۱۹۰): آج کل گھروں میں بچوں کے کھلونے تقریباً ہر جگہ موجود ہوتے ہیں، کوئی جانوروں کی شکل میں ہوتے ہیں تو کوئی گڑیا وغیرہ کے مجسمہ کی صورت میں، ان کا حکمِ شرعی یہ ہے کہ جن گڑیوں کے نقوش یعنی ناک، کان اور دیگر اعضاء نمایاں نہیں ہوتے، بلکہ وہ محض ایک ہیولا سا ہوتا ہے، ان کے ساتھ بچوں کا کھیلنا اوران کو گھروں میں رکھنا جائز ہے، لیکن پلاسٹک کے جو کھلونے بازار میں ملتے ہیں عام طور پر ان کے اعضاء چونکہ پوری طرح نمایاں ہوتے ہیں، اس لیے وہ مجسمے ہیں اور مجسموں کی خرید وفروخت کرنا اوران کو گھر میں رکھنا جائز نہیں۔ (تکملۃ فتح الملہم:۴/۱۵۵)

مسئلہ (۱۹۱): بچوں کے کھیلنے کیلئے جاندار کی مجسمہ نما گڑیاں وغیرہ لانا جائز نہیں ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۸۰)

مسئلہ (۱۹۲): آج کل بہت سے نوجوان فحش ناول، کامکس، اخبار ورسائل اور ماہنامہ جرائم وغیرہ پڑھتے ہیں، جن میں جرائم پیشہ افراد کے حالات و واقعات، طریقہائے جرم، فحش اور گندے اشعار، فحاشی اور عریانیت کو عام کرنے والے مواد، اور بعض ایسے جملے اور ڈائیلاگ ہوتے ہیں، جن سے اسلامی اخلاق سوزی اور ایمان کشی لازم آتی ہے، انہیں پڑھنا اور شائع کرنا

شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ (المعجم الأوسط للطبرانی: ۵/ ۲۳۶، رقم الحدیث: ۶۱۸۳)

مسئلہ (۱۹۳): کسی جلسے جلوس، دینی یا دنیوی پروگرام، فنکشن ومیٹنگ، کانفرنس وسیمینار میں کسی اچھی اور دل لبھاتی بات پر، یا کھیل کود یا کسی اور ہنگامی صورت میں اظہارِ مسرت کیلئے تالیاں اور سیٹیاں بجا کر داد وتحسین دینا اور چیخنا چلانا شرعاً ممنوع اور مکروہِ تحریمی ہے، اولاً: اس وجہ سے کہ یہ لہولعب کی صورت ہے، اور ثانیاً: اس وجہ سے کہ کفارِ یورپ وغیرہ کی مشابہت ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص کسی قوم کی مشابہت پیدا کرے گا وہ اسی قوم میں سے ہوگا''۔ (سورۃ الأنفال: ۳۵)

مسئلہ (۱۹۴): ۱۔ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی وہمدردی، محبت والفت کا سلوک رواں رکھیں۔

۲۔ ایک دوسرے کی پردہ دری وعیب جوئی اور تحقیر وتذلیل نہ کریں۔

۳۔ ایک دوسرے کو گالی گلوچ نہ کریں، اور نہ ہی آپس میں جھگڑا کریں۔

۴۔ اپنے اوقات کو انہیں کاموں میں لگائیں، جن میں کوئی دینی یا دنیوی مصلحت ہو۔

۵۔ ہر ایسے قول وفعل سے اپنے آپ کو بچائیں، جس سے معاشرے کا چین وسکون ختم ہوکر، کرب وبے چینی پنپتی ہو، اور اللہ ورسول ﷺ کی نافرمانی لازم آتی ہو۔ (ترمذی: ۲/ ۱۴)

مسئلہ (۱۹۵): راستہ پر چلنا ہر کسی کے لئے جائز ومباح ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ کسی کو کوئی تکلیف نہ ہو، بعض لوگ راستہ پر چلتے وقت ہنسی مذاق کرتے ہیں، اور پورا راستہ گھیر کر چلتے ہیں، اسی طرح راستہ پر ایسی چیزیں ڈالتے ہیں، جس سے راہ گزر کو تکلیف پہنچتی ہے، جیسے ''کیلے'' وغیرہ کھا کر اس کے چھلکے راستے پر ہی ڈال دیتے ہیں، جس سے بسا اوقات راستہ پر چلنے والا انسان پھسل کر گر جاتا ہے، اور اسے سخت تکلیف پہنچتی ہے، یہ تمام باتیں جہاں غیر اخلاقی، غیر اسلامی اور غیر شرعی ہیں، وہیں ایک مہذب اور دیندار معاشرہ کی اعلیٰ اقدار کے سراسر منافی ہیں، اس لئے اس سے کلی اجتناب برتا جائے، ان کے ارتکاب سے انسان سخت گنہگار اور لعنت کا مستحق ہوتا ہے۔ (بخاری: ۱/ ۶، مسلم: ۱/ ۴۷)

مسئلہ (۱۹۶): آتش بازی کرنا، پٹاخے پھوڑنا شرعاً ناجائز وحرام ہے، کیونکہ اس میں اپنے مال کو ضائع کرنا اور کافروں کی ایک مذہبی رسم میں تعاون لازم آتا ہے، اور اسلام نے ہمیں ان دونوں سے منع کیا ہے۔ (مختصر تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۳۷۴)

مسئلہ (۱۹۷): آلاتِ لہو ولعب کا استعمال اگر مسجد کے قریب استخفاف واذلالِ دین، یا اہلِ دین کو غصہ دلانے یا مشغول کرنے کے لیے ہو، تو موجبِ کفر ہے، اور اگر اس نیت سے نہ ہو تب بھی کراہت سے خالی نہیں۔ (سورۃ الأنفال: ۳۵)

مسئلہ (۱۹۸): مزاح و مذاق جائز ہے، کیوں کہ مزاح و مذاق آپ ﷺ اور حضرات صحابہؓ کرام سے ثابت ہے، لیکن اس بات کا خیال رہے کہ وہ جھوٹ فحش، نیز استہزاء اور ایذاء رسانی پر مشتمل نہ ہو۔

(الشمائل للترمذی: ص/ ۱۶، الأدب المفرد للبخاری: ص/ ۲۶۰، قضایا اللھو والترفیۃ: ص/ ۱۹۶)

مسئلہ (۱۹۹): کئی کئی گھنٹوں کے ایسے مزاحیہ پروگرام یا مزاحیہ مشاعرے جن سے دینی یا دنیوی مصالح متاثر ہوں، جائز نہیں ہیں۔ (۴/ ۱۹۰۷، سورۃ المطففین)

مسئلہ (۲۰۰): لطیفہ گوئی یا مزاح نویسی کو پیشہ یا ذریعہ آمدنی بنالینا مناسب نہیں ہے۔ (سورۃ لقمان: ۶)

مسئلہ (۲۰۱): ایسے پروگرام جن کا مقصد صرف ہنسنا ہنسانا ہو، شریعت کے مزاج کے خلاف ہے، البتہ بغرضِ علاج اس کی گنجائش ہے۔ (مسند أحمد بن حنبل: رقم الحدیث: ۲۰۸۹)

مسئلہ (۲۰۲): اسراف سے بچتے ہوئے، تفریحی مقصد کیلئے ایک شہر سے دوسرے شہر، اور ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرنا جائز ہے۔ (صحیح البخاری: ۱/ ۳۲۴، الرقم: ۲۴۰۸)

مسئلہ (۲۰۳): ایسے مقامات جہاں جان یا عزت وآبرو کا تحفظ خطرے میں ہو، وہاں نہ خود جانا درست ہے، اور نہ اہل وعیال کو ساتھ لے جانا درست ہے۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۹۵)

مسئلہ (۲۰۴): تفریح کیلئے ایسی جگہوں میں جانا، جہاں غیر شرعی امور کا غلبہ ہو جائز نہیں ہے، اور ایسے مقامات پر جانے والوں کو سواری کرائے پر دینے، یا اشیاء خورد ونوش فروخت کرنے کیلئے دکان لگانے کی حضرت امام اعظم کے نزدیک گرچہ گنجائش ہے، مگر صاحبین کے قول کے مطابق مکروہ ہے، اس لئے اس سے بچنا بہتر واولیٰ ہے۔ (قواعد الفقہ: ص/ ۱۵، رقم الأصول: ۱۷)

مسئلہ (۲۰۵): آج کل ٹور پر لے جانے کیلئے مختلف تجارتی کمپنیاں قائم ہیں، جو آمد ورفت کے لئے ٹکٹ اور قیام کیلئے سہولتوں کا نظم کرتی ہیں، سفر کرنے والوں کی چوں کہ مختلف قسمیں ہوتی ہیں، اس لئے جو لوگ جائز مقاصد کیلئے سفر کرتے ہیں، تو ان کیلئے ٹکٹ اور قیام کی سہولتیں فراہم کرنے کیلئے ٹراویلس کمپنیوں کو قائم کرنا شرعاً درست ہے، اور ان کی آمدنی بھی جائز ہے۔

(کتاب الکسب للشیبانی: ص/ ۲۸۱)

مسئلہ (۲۰۶): ایسی عکس بندی جس میں کسی عورت کی تصویر، یا انبیاء وصحابہ کی تمثیل ہو، یا دیگر کوئی شرعی منکر ہو، بنانا اور ان کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔ (صحیح مسلم: ۲/ ۲۰۱)

مسئلہ (۲۰۷): تفریحی مقاصد کیلئے ذی روح کی عکس بندی یعنی فوٹوگرافی جائز نہیں۔ (صحیح البخاری: ۲/ ۸۸۰)

مسئلہ (۲۰۸): فوٹوگرافی اور ویڈیوگرافی، ان سے ذی روح (جاندار) کی تصویر بھی لی جاتی ہے اور غیر ذی روح (غیر جاندار) کی بھی، ذی روح کی تصویر لینا حرام ہے، اور غیر ذی روح جیسے درخت، پہاڑ اور دریا وغیرہ کی تصویر کشی جائز ہے، معلوم ہوا - اِن آلات کا استعمال جائز و ناجائز دونوں کاموں کے لیے ہوتا ہے، اور اس کا مدار استعمال کرنے والوں پر ہوتا ہے کہ وہ جائز کاموں کے لیے استعمال کرتے ہیں یا ناجائز کاموں کے لیے، اس لیے اِن آلات کی خرید و فروخت، اُن کی مرمت کا کام اور اس کی اجرت جائز ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۸۰)

مسئلہ (۲۰۹): بلاضرورت تصویر کھینچنا، کھنچوانا اور رکھنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، جو شخص پاسپورٹ اور شناختی کارڈ وغیرہ کی ضرورت کے بغیر تصویر کھینچتا، کھنچواتا یا رکھتا ہے، وہ فاسق ہے، اور فاسق کی شہادت مردود ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۸۰)

مسئلہ (۲۱۰): غیر ذی روح اشیاء مثلاً تاریخی مقامات اور قدرتی مناظر کی عکس بندی یعنی فوٹوگرافی جائز ہے۔ (حاشیۃ النووی علی صحیح مسلم:۲/۱۹۹)

مسئلہ (۲۱۱): تعلیمی، اصلاحی اور دعوتی مقاصد کیلئے عکس بندی یعنی فوٹوگرافی اور اس سے استفادہ کی گنجائش ہے، خواہ اس میں ضمناً ذی روح کا عکس آ گیا ہو۔ (شرح المجلۃ:ص/۱۷، ۱۸، المقالۃ الثانیۃ، رقم المادۃ:۲)

مسئلہ (۲۱۲): فوٹو اور تصویریں قصداً مکان میں رکھنا حرام ہے، اور بلاقصد کسی اخبار یا کتاب میں رہ جائے تو یہ حرام نہیں، مگر مکروہ یہ بھی ہے، اور رحمت کے فرشتے روکنے کے لیے کافی ہے۔ (صحیح مسلم:۲/۲۰۰)

مسئلہ (۲۱۳): حرم کے سامنے کھڑے ہو کر تصویر کشی کرنا، جس میں جانداروں کی تصویریں بھی لی جائیں، ناجائز و حرام ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے تصویر کشی کرنے والوں کے بارے میں سخت وعیدیں بیان فرمائی ہیں، نیز اس سے حرمات اللہ کی توہین لازم آتی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حرمات اللہ کی تعظیم کا حکم دیا ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۸۰)

مسئلہ (۲۱۴): اگر کسی آدمی کا پریس کا کام ہے، اور اس کے پاس کوئی شخص جاندار کی تصویروں یا کارٹونوں کا کام لے کر آئے، تو اس کیلئے ایسے جاندار کی تصویر یا اس کارٹون جس کے اعضاء بالکل نمایاں ہوں، کا بنانا ناجائز ہے، البتہ ایسے کارٹون جن کے ناک، کان، آنکھیں نمایاں نہ ہوں، کے بنانے کی گنجائش ہے، جب کہ غیر جاندار اشیاء کی تصویریں بنانا بلاشبہ جائز و درست ہے، ان تینوں صورتوں کی آمدنی کا حکم بھی اسی ترتیب سے ہے، پہلی صورت میں ناجائز ہے، دوسری صورت میں گنجائش، بلکہ اس سے بچنا افضل ہے، اور تیسری صورت میں بلاشبہ جائز و درست ہے۔ (ہندیہ:۴/۴۵۰)

مسئلہ (۲۱۵): آج کل بہت سے لوگ، بالخصوص طلبۂ مدارس محبت وعقیدت کی بنا پر اپنے اکابرین مثلاً: حکیم الامت علامہ تھانوی، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہم اللہ وغیرہ کی تصاویر، اپنے گھر یا جیب وغیرہ میں رکھتے ہیں، جب کہ ان کا رکھنا ناجائز وحرام، اور ان کا ازالہ اور محو کرنا واجب ہے۔ (الدر مع الرد:۹/۵۱۹)

مسئلہ (۲۱۶): بعض حضرات پاسپورٹ اور ویزے کا کاروبار کرتے ہیں، بسا اوقات وہ کسی خاص شخص کے ویزے یا پاسپورٹ پر دوسرے کا فوٹو چسپاں کر کے اسے بیرون ملک بھیجتے ہیں اور اس سے خطیر رقم وصول کرتے ہیں، ان کا یہ عمل شرعاً جھوٹ اور دھوکہ دہی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز وحرام ہے، اور انہیں اس سے بچنا ضروری ہے۔ (صحیح مسلم:۲/۳۲۵)

مسئلہ (۲۱۷): بلا کسی ضرورت کے اپنا فوٹو اپنے پاس رکھنا، یا کسی کے پاس بھیجنا ناجائز ہے۔ (عمدۃ القاری:۲۲/۱۱۰)

مسئلہ (۲۱۸): آج کل حکومت کی طرف سے شناختی کارڈ فوٹو کے ساتھ رکھنا ضروری ہوگیا ہے، جس کے پاس نہ ہو وہ مستحقِ سزا ہوتا ہے، اس لیے ملکی قوانین پر عمل کرنا ضروری ہے، قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں ناقابلِ برداشت سزا بھی مل سکتی ہے، اس لیے بحالت مجبوری شناختی کارڈ فوٹو کے ساتھ رکھنا جائز ہے۔ (تکملۃ فتح الملہم:۴/۱۶۴)

مسئلہ (۲۱۹): گھروں میں تصویریں آویزاں کرنا گمراہ امتوں کا دستور ہے، مسلمانوں کے لیے یہ چیزیں ممنوع وحرام قرار دی گئی ہیں، حدیث میں فرمایا گیا ہے: ''جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں۔''
(صحیح البخاری:ص/۲/۱۰۷۲، ۱۰۷۳، رقم الحدیث:۵۹۵۸-۵۹۴۹)

مسئلہ (۲۲۰): اسکول کی ایسی کتابیں جن میں تصاویر بنی ہوتی ہیں، یا ایسی ڈائجسٹ اور رسالے جن کے مضامین جھوٹ اور فحش گوئی وغیرہ سے پاک ہوں، ان کو محض مضمون نگاری سیکھنے یا معلومات کی غرض سے پڑھا جائے تو درست ہے، اور ایسی کتب ورسائل کی خرید وفروخت، اور ان سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی حلال اور جائز ہے، تاہم ایسے رسائل اور کتابیں جن میں جھوٹی کہانیاں، من گھڑت باتیں اور اخلاق وحیا سوز مضامین ہوں، تو ان کا پڑھنا، اور خرید وفروخت کرنا سب ناجائز ہے۔
(فتاوی بزازیہ مع الہندیۃ:۲/۱۳۴)

مسئلہ (۲۲۱): بہت سے رسائل جو فلم اسٹاروں اور کھلاڑیوں کی رنگ برنگ تصاویر شائع کرتے ہیں، اور لوگ اسی وجہ سے ان کو خریدتے بھی ہیں، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ روزنامہ اخبار میں ہفتہ میں ایک کوئی بڑی تصویر ہوتی ہے، تو بعض لوگ اسی تصویر کی وجہ سے اس کو خریدتے ہیں، تو چونکہ ان رسائل واخبار کے خریدنے میں تصاویر ہی مقصود ہوتی ہیں، لہٰذا ان کی خرید وفروخت جائز نہیں ہوگی۔ (صحیح البخاری:۲/۸۸۰)

مسئلہ (۲۲۲): بعض اردو عربی اَخباروں کے ہاکرس (گھوم پھر کر اخبار بیچنے والے) صبح سویرے، اپنے گاہکوں کے گھروں میں اخباروں کو پھینکتے ہوئے جاتے ہیں، جب کہ ان اخباروں میں قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ بھی لکھی ہوتی ہیں، گرچہ یہ بات مسلم ہے کہ اخبارات کا وہ حکم نہیں ہے جو قرآن کریم، احادیث اور متبرک کلمات پر مشتمل کتابوں کا ہے، تاہم اخبارات میں بھی اسماء الٰہیہ اور قرآنی آیات کے تراجم اور احادیث ہوتی ہیں، اس لیے حتی الامکان ایسی صورت اختیار کرنی چاہیے، کہ اسماء الٰہیہ کی بے ادبی نہ ہو، اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ متعلق شخص کے مشورے سے ایک جگہ متعین کرلی جائے، جہاں ہاکرس اِن اخباروں کو رکھ کر چلے جایا کریں، اور بعد میں وہ حسبِ سہولت اٹھالیا کرے۔ (حاشیۃ الطحطاوی:ص/۱۴۸)

مسئلہ (۲۲۳): آج کل پرچوں اور اخباروں میں معمے آتے ہیں، انہیں بھر کر بھیجا جاتا ہے اور صحیح نکلنے پر بڑے بڑے انعام دیئے جاتے ہیں، اور اس کے لئے صرف فیس بھرنی پڑتی ہے، یہ شرعاً قمار یعنی جوا ہے، جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔
(أحکام القرآن للجصاص:۲/۵۸۲)

مسئلہ (۲۲۴): بعض تاجر سیمنٹ یا لوہے کی تصویر دار جالی بنا کر بیچتے ہیں، جس میں ذی روح جانوروں یا پرندوں کی تصویر بنی ہوتی ہے، ایسی تصویر دار جالی کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ غیر ذی روح کی تصویر بنا کر بیچنے کی اجازت ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۸۰)

مسئلہ (۲۲۵): نعت و نظم یا حرم شریف وغیرہ کی تراویح، یا مناظرہ، یا اور کوئی دینی پروگرامس کی تصاویر والی سی ڈی (C-D) تیار کرنا، کروانا، اسی طرح ان سی ڈیز کو ٹی وی (T-V) یا کمپیوٹر (Computer) پر دیکھنا، دکھانا، اور اس کی خرید و فروخت جمہور علماء ہند کے نزدیک شرعاً ناجائز و ممنوع ہے، کیوں کہ ذی روح کی تصویر کشی و تصویر سازی بلا ضرورتِ شدیدہ حرام ہے۔ (الدر المختار مع الشامیۃ:۹/۵۱۹)

مسئلہ (۲۲۶): کسی بھی جاندار کا مجسمہ اور شکل بنانا، خواہ کسی بھی دھات سے ہو، سخت حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، اگر مشرکین کی عبادت کی اشیاء مثلاً مورتی وغیرہ بنائی جاتی ہو، تو براہِ راست تعاون علی الشرک کی بنا پر مزید حرام اور عذابِ الٰہی کا باعث ہوگا۔ (صحیح البخاری:۲/۸۸۰)

مسئلہ (۲۲۷): جس مجسمہ کے نقوش نمایاں نہیں ہوتے، محض ایک ہیولا سا ہوتا ہے، اس کے ساتھ بچوں کا کھیلنا اور اس کو گھروں میں رکھنا جائز ہے، لیکن پلاسٹک وغیرہ کے وہ کھلونے جو مورتی کی شکل یا جاندار کی شکل کے ہوتے ہیں، ان سے بچوں کا کھیلنا اور ان کو گھروں میں رکھنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ تصویر کے حکم میں ہے، اور احادیث میں تصویر کی ممانعت صراحۃً وارد ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ:۱۲/۱۰۱)

مسئلہ (۲۲۸): تربیتی مقصد سے بچوں کیلئے ایسے کارٹون بنانا، جس میں خدوخال واضح نہ ہوں، اور بچوں کیلئے نفسیاتی، اخلاقی اور لسانی نقطۂ نظر سے مفید ہوں، جائز ہے۔ (ہدایہ:۱/۱۴۲)

مسئلہ (۲۲۹): ایسے کارٹون بنانا جن میں خدوخال واضح ہوں، وہ تصویر میں شمار ہوکر ناجائز ہیں۔ (صحیح البخاری:۲/۸۸۰)

مسئلہ (۲۳۰): ایسے کارٹون بنانا جس سے کسی کی اہانت مقصود ہو، جائز نہیں ہے، اگرچہ اس میں خدوخال واضح نہ ہوں۔ (سورۃ الحجرات:۱۱)

مسئلہ (۲۳۱): رسولوں، انبیاء اور حضرات صحابۂ کرام کے کارٹون (Cartoon) یعنی خیالی تصویریں بنانا شرعاً ناجائز ہے، کیوں کہ اس پر بہت سے مفاسدِ شرعیہ مرتب ہوتے ہیں، اور اس کے ناجائز ہونے پر کبارِ علماء عرب کی قرارداد بھی موجود ہے۔ (فقہ النوازل:۴/۳۲۰)

مسئلہ (۲۳۲): ایسے کارٹون بنانا جو عریانیت پر مشتمل ہوں، یا برائی کی ترغیب دے رہے ہوں، وہ جائز نہیں ہیں۔ (النحل:۹۰)

مسئلہ (۲۳۳): کارٹون سازی کی جو شکلیں جائز ہیں، ان کو ذریعۂ آمدنی بنانے اور اس مقصد کیلئے ملازمت کرنے کی گنجائش ہے۔ (کتاب الکسب للشیبانی:ص/۱۴۰)

مسئلہ (۲۳۴): اچھے کاموں کی ترغیب اور معاشرہ کے مفاسد پر تنقید کیلئے مکالمات اسٹیج کئے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ اس میں موسیقی، یا کسی کی کردارکشی، یا مردوزن کا اختلاط، یا انبیاء وملائکہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی تمثیل نہ ہو، نیز غیر شرعی اور غیر اخلاقی امور سے پاک ہو۔ (أحکام القرآن للجصاص:۳/۲۴۷)

مسئلہ (۲۳۵): ہپناٹزم (جس کو عمل تنویم بھی کہتے ہیں) اور ٹیلی پیتھی، ان فنون کے ذریعے آج طب وعلاج میں بڑی مدد لی جاسکتی ہے، اس لئے سیکھنے سکھانے والے دونوں کی نیت درست ہو تو اس کو جائز قرار دیا جانا چاہیے، ورنہ نہیں۔ (فتح الملہم:۱/۲۵۵)

موبائل، کمپیوٹر وانٹرنیٹ کا بیان

مسئلہ (۱): لفظ ''ہیلو'' (Hello) کے معنیٰ کسی کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا ہے، عام فہم زبان میں اس کے معنیٰ ''سنو'' ہوتے ہیں اور یہ کلام میں داخل ہے، اس لئے ٹیلیفون پر ''السلام علیکم'' کے بجائے ''ہیلو'' سے کلام کا آغاز کرنا خلافِ سنت ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے ہمیں کلام سے پہلے سلام کی تعلیم فرمائی۔ (ترمذی:۲/۹۹)

مسئلہ (۲): ٹیلیفون یا موبائل پر لفظِ ''ہیلو'' سے کلام کا آغاز خلافِ سنت ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے ہمیں کلام سے پہلے سلام کی تعلیم فرمائی ہے، اس لیے جب کال ریسیو کرے تو ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہے اور جب گفتگو کے ختم کا وقت

آجائے تب بھی رخصتی سلام کے ساتھ گفتگو ختم کرے، البتہ اس صورت میں کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ جو شخص کال کر رہا ہے وہ غیر مسلم ہو یا کوئی غیر محرم عورت ہو، تو اس میں کوئی قباحت اور گناہ نہیں ہے، کیوں کہ یہ سلام کافر کو بے خبری وانجانے میں کیا گیا ہے، جان بوجھ کر نہیں، جو ممنوع ہے۔ **اسی** طرح اجنبیہ کو سلام اس وقت ممنوع ہے جب ہیجان اور فتنہ کا خطرہ ہو، جبکہ بے خبری میں غیر محرم عورت کو سلام کرنے میں نہ کوئی ہیجان ہے اور نہ ہی کوئی فتنہ، اس لیے یہ ممنوع اور موجبِ گناہ بھی نہیں۔

(جمع الفوائد:۳/ ۳۲۷،رقم الحدیث:۸۶۸۱)

مسئلہ (۳): موبائل میں جاندار یا غیر جاندار کی تصویر والے گیم ڈاؤن لوڈ کر کے کھیلنا، جیسے کرکٹ، فٹبال، کیرم بورڈ وغیرہ، اس میں ضیاعِ وقت لازم آتا ہے، بالخصوص جب کہ اس میں تصاویر بھی موجود ہوں، تو اس کی برائی اور بڑھ جاتی ہے، لہٰذا اس سے اجتناب لازم ہے۔ (جمع الجوامع:۶/۳۹۳، المیم مع النون، رقم الحدیث:۱۹۹۹۷۰)

مسئلہ (۴): موبائل میں کسی شخص کی تصویر فیڈ (Feed) کرنا، کہ جب بھی فون کیا جائے تو بجائے نمبر کے اس شخص کی تصویر آئے درست نہیں ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۸۰)

مسئلہ (۵): موبائل پر کسی اجنبیہ سے میسیج کے ذریعہ گفتگو کرنا ایسا ہی ہے جیسے آمنے سامنے گفتگو کرنا، اس لئے یہ ناجائز ہے۔ (الدر مع الرد:۹/۵۳۰)

مسئلہ (۶): کسی شخص کے کہنے پر یا ازخود کسی دوسرے کے موبائل پر، جانداروں کی تصویر والے میسیج بھیجنا، اسی طرح ایک موبائل سے دوسرے موبائل میں فلم، یا گانا بھیجنا شرعاً ناجائز اور سخت گناہ ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی:۱۱/ ۱۵۷، رقم الحدیث:۱۱۴۷۸)

مسئلہ (۷): بعض لوگ اپنے دوستوں کو موبائل فون پر قرآنی آیات اور احادیث وغیرہ میسج کرتے ہیں، اور وہ بوقت ضرورت انہیں ڈلیٹ (Delete) کر دیتے ہیں، بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ان کو ڈلیٹ کرنے سے گناہ ہوتا ہے، ان کا یہ خیال درست نہیں ہے، کیوں کہ موبائل پر لکھے میسج کو مٹانا، کاغذ، دیوار اور کپڑے وغیرہ پر لکھی عبارت کو مٹانے کے حکم میں نہیں ہے، علاوہ ازیں جب در و دیوار پر لکھے اسم باری تعالیٰ کے مٹانے کی اجازت ہے، جس میں بے ادبی کا شائبہ بھی ہے، تو موبائل پر میسج مٹانے میں کیا حرج ہے، جب کہ اس میں اس بے ادبی کا احتمال بھی نہیں ہے، لہذا میسج کو مٹانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

(فتاوی ہندیہ:۵/ ۳۷۷)

مسئلہ (۸): آج کل بذریعۂ SMS یا E-Mail، موبائل و انٹرنیٹ پر کبھی تو کوئی حدیث پاک، تو کبھی کوئی دینی معلومات، تو کبھی کوئی خبر موصول ہوتی رہتی ہے، اور بسا اوقات اس کے متعلق یہ بھی لکھا ہوتا ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچا کر عام کیجئے۔

اس پر یہ فائدہ ہوتا ہے، ورنہ فلاں نقصان بھی ہوسکتا ہے، وغیرہ- جب کہ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ نہ SMS کرنے والا معلوم ہوتا ہے، اور نہ اس حدیث پاک یا دینی معلومات وخبر کی صحت وصداقت کا کوئی علم، تو ایسی صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب تک اس حدیث پاک یا دینی معلومات وخبر کی صحت وصداقت کا علم نہ ہو، اُسے دوسروں تک پہنچانا درست نہیں۔
(صحیح البخاري:۱/۲۱، رقم الحدیث:۱۰۷)

مسئلہ (۹): موبائل پر میوزک یا گانے سننا، اسی طرح موبائل میں ان چیزوں کو لوڈ کرنا، اور رنگ ٹون میں گانے کی میوزک یا گانے سیٹ کرنا شرعاً ممنوع وحرام ہے۔ (شامی:۹/۵۰۲،۵۰۳)

مسئلہ (۱۰): کیمرے والے موبائل سے گفتگو کرنا ناجائز نہیں ہے، بلکہ اس کا غلط استعمال ناجائز ہے، علماء، ائمّہ، و مقتدیانِ کرام کیلئے تہمت سے بچنے کیلئے احتیاط اسی میں ہے، کہ وہ کیمرے والے موبائل کے بجائے سادہ موبائل استعمال کریں۔ (الأشباہ لإبن نجیم:۱/۱۱۳)

مسئلہ (۱۱): موبائل میں رنگ ٹون کی جگہ آیاتِ قرآنیہ، یا کلماتِ اذان وغیرہ کے فیڈ (Feed) کرنے میں ابتذال وامتہان، یعنی تحقیر وتذلیل لازم آتی ہے، اس لئے یہ ناجائز ہے، اور فقہ کا قاعدۂ مسلمہ ہے: کہ امور مقاصد کے تابع ہوتے ہیں۔
(الأشباہ لإبن نجیم:۱/۱۱۳-۱۱۶)

مسئلہ (۱۲): بہت سے لوگ موبائل خراب ہونے پر اسے کم قیمت میں فروخت کردیتے ہیں، اور خریدار کو موبائل میں موجود عیوب اور خرابیوں پر آگاہ نہیں کرتے، اس طرح کی بیع دھوکہ دہی ہے جس سے آپ ﷺ نے ہمیں منع فرمایا......اس بیع کے بعد خریدار کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو پوری قیمتِ خرید پر رکھ لے، اور اگر چاہے تو واپس کردے، لیکن یہ اختیار نہیں ہے کہ موبائل رکھ لے، اور عیب کی وجہ سے کچھ قیمت کے واپسی کا مطالبہ کرلے۔ (العرف الشذی علی ہامش الترمذی:۱/۲۴۷)

مسئلہ (۱۳): مسجد میں موبائل کھلا رکھ کر آنا یہ احترامِ مسجد کے خلاف ہے، کیونکہ اگر گھنٹی بجی تو شوروغل ہوگا، جو کہ ممنوع ومکروہ ہے، ابوداؤد کے حاشیہ میں "باب کراھیة انشاد الضالة" کے تحت مکتوب عبارت:" ویلحق به ما في معناه من البیع والشراء والإجارة ونحوها من العقود وکراھیة رفع الصوت في المسجد". کراھیة رفع الصوت في المسجد کی صراحت سے موبائل کی گھنٹی کا شوروغل مکروہ وممنوع قرار پائیگا۔ (ہندیہ:۵/۳۲۱)

مسئلہ (۱۴): ایسا کام جس کے کرنے والے کو دیکھ کر یہ یقین ہو، کہ وہ نماز میں نہیں ہے، وہ عملِ کثیر ہے، اور جس کام کے کرنے والے کو دیکھ کر یہ شک ہو، کہ وہ نماز میں نہیں ہے، یہ عملِ قلیل ہے۔ (درمختار) **اگر** دورانِ نماز موبائل بجنا شروع ہوا، اور اسے عملِ قلیل یعنی جیب کے اوپر ہی سے محض بٹن دبا کر بند کرنا ممکن ہو تو بند کردے، نماز کراہیت کے ساتھ صحیح ہوگی، اور اگر یہ

ممکن نہ ہو، تو نماز توڑ کر بند کرنا مباح ہونا چاہیے، تاکہ دیگر مصلیوں کے خشوع وخضوع میں خلل واقع نہ ہو، اور مسجد کا ادب بھی ملحوظ رہے، پھر دوبارہ تحریمہ سے امام کی اقتداء کرلے، جتنی نماز مل جائے اسے پڑھ لے، اور جو چھوٹ جائے اس کو پوری کرلے۔ (الدر مع الرد: ۲/ ۴۲۵)

مسئلہ (۱۵): داخلہ فارم پر کرتے وقت مدرسہ کے جملہ اصول وضوابط کی پاسداری کا عہد کرلینے کے بعد اس کا پورا کرنا واجب ہوجاتا ہے، بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہو، لہٰذا کسی ادارہ میں اگر طالب علم کیلئے مدرسہ کے احاطے یا تعلیمی اوقات میں اساتذہ یا انتظامیہ کی طرف سے موبائل فون کے استعمال پر پابندی ہو، تو ان اوقات میں اس کا استعمال بغیر اجازت بلاشبہ گناہ کی بات ہے، اس لیے بلا اجازت استعمال کرنے سے احتراز لازم ہے۔ (روح المعانی: ۹/ ۱۰۲)

مسئلہ (۱۶): بعض لوگ ان کی اپنی ضروریات ہونے کے باوجود محض مس کال (Missed Call) کرتے ہیں، تو اس طرح مس کال کرنے والوں کو جوابی فون کرنا شرعاً ضروری نہیں ہے، کیوں کہ جب کوئی شخص کسی سے ملنے کیلئے اس کے گھر آئے، تو اسے اختیار ہے چاہے ملے چاہے نہ ملے، جبکہ آنے والا شخص مسافت طے کرکے آیا ہے، جس میں مشقت ہے، اور مس کال کرنے والا بلا کسی صَرف کے مس کال کرتا ہے، جس میں کوئی مشقت نہیں، تو جوابی کال کرنے اور نہ کرنے میں اسے بدرجۂ اولیٰ اختیار ہوگا، البتہ اخلاقی طور پر مس کال پر جوابی فون کرلیا جائے تو یہ احسان ہے، اور اگر نہ کیا جائے تو کوئی گناہ لازم نہیں آئیگا، کیوں کہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ ''ترکِ احسان گناہ نہیں ہے''۔ (سورۃ النور: ۲۷، ۲۸)

مسئلہ (۱۷): بعض لوگ اپنی ضرورت سے کسی کو فون لگاتے ہیں، جسے فون لگایا گیا وہ اپنی مصروفیت، مشغولیت یا کسی مصلحت کی وجہ سے فون نہیں اٹھاتا، گھنٹی بج بج کر بند ہوجاتی ہے، اور کال، مس کال ہوجاتی ہے، تو یہ فون لگانے والا شخص اس قدر ناراض ہوجاتا ہے کہ جب سامنے والے شخص کا جوابی فون آتا ہے، تو یہ بھی ناراضگی کے اظہار میں یا انتقاماً، اس کا فون ریسیو نہیں کرتا، شرعاً یہ رویہ اسلامی اخلاق کے خلاف ہے، کیوں کہ جب شریعت نے دور سے ملنے آنے والے شخص سے ملنا اہلِ خانہ پر لازم نہیں کیا، تو فون پر رابطہ کرنے والے کی کال ریسیو کرنا بطریقِ اولیٰ لازم نہیں ہوگا۔ (أحکام القرآن للجصاص: ۳/ ۴۰۴، ۴۰۶)

مسئلہ (۱۸): بچے کے پیدا ہونے پر اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا مستحب ہے، جس کی حکمت یہ ہے کہ دنیا میں آتے ہی اس کے کانوں میں پہلا جو کلمہ پڑے وہ اللہ کی وحدانیت اور نیکی کی جانب پکار کا ہو، اس لیے پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اذان دینی چاہیے، بعض لوگ کسی اور شہر یا ملک میں رہتے ہیں، اور جب ان کے یہاں کسی بچے کی ولادت ہوتی ہے، تو ٹیلی فون یا موبائل کے ذریعہ اپنے بچے کے کان میں اذان واقامت کہتے ہیں، جس سے اوپر ذکر کردہ

مقصد گرچہ حاصل ہوجاتا ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ موجود شخص اذان واقامت کہے، کیوں کہ یہی طریقہ آپ ﷺ سے ماثورومنقول ہے۔ (جامع الترمذی:۱/۲۷۸)

مسئلہ(۱۹): بسا اوقات کسی ٹیکنیکل غلطی کی وجہ سے موبائل فون وقت مقررہ سے زائد چلتا ہے، جو کمپنی کے قانون کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے، مثلاً 15 رجنوری تک کا وقت ہے، پھر بھی مذکورہ تاریخ پر موبائل فون کی سروس منقطع نہیں ہوئی، تو دیانت کا تقاضہ یہ ہے کہ فوراً موبائل کمپنی سے رابطہ کرکے اس ٹیکنیکی غلطی پر اسے مطلع کریں، اور مقررہ مدت کے بعد جس قدر بھی موبائل کا استعمال ہوا ہے، اس کی اجرت کمپنی کے کھاتے میں جمع کرادے۔ (سورۃ النساء:۲۹)

مسئلہ (۲۰): اگر کوئی شخص اپنے موبائل میں ریچارج کررہا تھا، لیکن غلط نمبر ڈائل کرنے کی وجہ سے کسی اور کے موبائل میں ریچارج ہوگیا، تو اسے اس شخص سے جس کے موبائل میں یہ ریچارج ہوگیا، اپنی ریچارج کردہ رقم کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا، اور شخص آخر کیلئے اس ریچارج کا استعمال اس وقت تک حلال نہیں ہوگا، جب تک اتنی رقم شخصِ اول کو ادا نہ کردے۔

(۹/ ۷، تتمۃ حرف اللام والألف، رقم الحدیث:۲۶۷۵۹)

مسئلہ (۲۱): دین اسلام کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ یہ دین ہم تک اساتذہ کے ذریعہ پہنچا ہے، اور یہی چیز دینِ اسلام کی حفاظت کی ذمہ دار ہے، عبد اللہ ابن مبارک رحمہ اللہ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''اگر دین میں سند نہ ہوتی تو کوئی بھی شخص اسلام کے متعلق جو چاہتا کہہ دیتا''، اور علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ ''اگر کوئی شخص فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے، اس نے کسی استاذ سے علم فقہ حاصل نہیں کیا، اور اپنے مطالعہ کے زور پر فتویٰ دیتا ہے تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ وہ عامی جاہل ہے، اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔'' **موجودہ** دور میں جہاں معاشرہ کی مذہبی اَقدار کو کم کیا جارہا ہے، وہیں والدین اور اسلامی علوم کے اساتذہ کی عزت واحترام کو بھی گھٹایا جارہا ہے، اسکولوں میں بچوں کو اساتذہ کی بجائے کمپیوٹر سے پڑھانے کا رجحان بڑھ رہا ہے، اور اب یہ رجحان اسلامی علوم میں مُنعکس ہونا شروع ہوچکا ہے، کہ قرآن کریم حفظ کرنے والوں کے لیے کمپیوٹر پروگرام نکل آئے ہیں، لیکن یہ سب اسی سازش کا حصہ ہے، جسے ابھی ابھی آپ کے گوش گزار کردیا گیا، لہٰذا والدین کو چاہیے کہ وہ اس سازش کا حصہ نہ بنیں، کیوں کہ بچے استاذ کے بغیر محض کمپیوٹر کے ذریعہ کبھی بھی ٹھوس، معتبر اور مستند علم حاصل نہیں کرسکتے، اسلامی تعلیم اساتذہ سے ہی دلوائیں، ہاں! البتہ کمپیوٹر پر مطالعہ وتحقیق کا کام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (الإسناد من الدین: ص/۱۱، مصنفہ للشیخ عبد الفتاح أبوغدہ)

مسئلہ (۲۲): کمپیوٹر پر کام کرنے کے دوران، جب کہ آدمی خاموشی سے کام کررہا ہوتا ہے، بیک گراؤنڈ میں حمد باری

تعالیٰ اور نعت پاک ﷺ لگانا جائز اور درست ہے، مگر یہ بات بھی یاد رہنی چاہیے کہ ملازم ہونے کی صورت میں اس سے مفوضہ کام میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہوتی ہو، ورنہ یہ درست نہیں ہوگا۔ (أحکام القرآن لإبن العربی:۴/۱۹۰۸)

مسئلہ (۲۳): قرآن کریم کو ''پی ڈی ایف ایکسل'' (PDF Excel) یا کسی بھی الیکٹرونکل فارمیٹ (Electronical Format) جس کو ختم کیا جاسکتا ہو، میں محفوظ کرنا جائز ہے، مگر جب تک وہ اس میں محفوظ رہے، اس کا ادب واحترام رکھنا لازم ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۳۹)

مسئلہ (۲۴): انٹرنیٹ ایک ایسا جدید مواصلاتی نظام ہے، جس کے ذریعے دنیا ایک چھوٹی سی آبادی کی شکل میں تبدیل ہوگئی ہے، انسان گھر بیٹھے دنیا کے چپے چپے اور مختلف الاجناس افراد کی سیر کرتا ہے، انٹرنیٹ کے ذریعے انسان دین واسلام کو گھر بیٹھے دنیا کے ہر طبقے میں متعارف کراسکتا ہے، اور پورے عالم کو اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں غور کرنے، توحید ورسالت اور آخرت کی دعوت دینے میں استعمال کرسکتا ہے، اسی طرح تعصب وعناد، اختلاف وانتشار اور بداخلاقی وغیرہ کی بھی انٹرنیٹ کے ذریعہ دعوت دی جاسکتی ہے، جس سے افرادِ انسانی میں اختلاف وانتشار کی فضا آخری حدتک عام کی جاسکتی ہے۔ **اگر** انٹرنیٹ کا استعمال پہلے مقصد کیلئے ہے تو اس کا استعمال جائز ہے، اور اگر دوسرے مقصد کے لیے ہے تو اس کا استعمال ناجائز اور حرام ہے۔
(المقاصد الشرعیۃ:ص/۴۶، اعلام الموقعین:۳/۱۵۷)

مسئلہ (۲۵): انٹرنیٹ میں کچھ پروگرامس ہوتے ہیں، جیسے یاہو میسینجر (Massenger Yahoo)، ایم، ایس، این میسینجر (MsnMassenger)، ریڈیفبال (Rediffball) وغیرہ، یہ پروگرامس ای میل (E-mail) اور چیٹنگ (Chating) کے لیے مخصوص ہوتے ہیں، جن کے ذریعہ دنیا میں کسی بھی فرد سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے، بہت سے نوجوان انٹرنیٹ چیٹنگ (Internet,Chating) کے ذریعے اجنبی لڑکیوں سے فرینڈشپ (Friendship) اور عشق ومحبت کی باتیں کرتے ہیں، اور آپس میں ایک دوسرے کو فحش اور عریاں تصاویر ای میل (E-mail) کرتے ہیں، جو شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔
(ردالمحتار:۹/۵۳۰، الحظر والإباحۃ)

مسئلہ (۲۶): انٹرنیٹ، موبائل اور کمپیوٹر پر گیم کھیلنے سے اگر فرائض کا ترک لازم آتا ہے، تو یہ کھیل ناجائز اور حرام ہوگا، اور اگر ترکِ واجب لازم آتا ہو تو مکروہ تحریمی ہوگا، اور اگر ترکِ سنن ومستحبات لازم آتا ہو تو مکروہ تنزیہی ہوگا، کیوں کہ ہر وہ کام جو ترکِ فرض کا ذریعہ بنے وہ حرام، اور جو ترکِ واجب کا ذریعہ بنے وہ مکروہِ تحریمی، اور جو ترکِ سنن ومستحبات کا ذریعہ بنے وہ مکروہِ تنزیہی ہوگا۔ (بخاری:ص/۳۸۴، الفروق للقرافی:۳/۴۳۷)

مسئلہ (۲۷): ایسی تمام ویب سائٹس (Web Site) جن میں غیر محرم مرد وعورتیں اپنی تصویریں اور ویڈیو دیکھتے ہیں، بے حیائی وبے شرمی پر مبنی اپنے افکار وخیالات کا تبادلہ کرتے ہیں، یا جو ویب سائٹس فحاشی وبے حیائی کی طرف مائل کرتی ہوں، شعائر اسلام کی توہین پر مشتمل ہوں، اُن کا دیکھنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح:۹/۳۲۴)

مسئلہ (۲۸): اگر کوئی شخص، یا ادارہ، یا کمپنی، یا حکومت اپنے راز دارانہ معاملات، کوڈ ورڈ/ password)(Codeword کے ذریعہ انٹرنیٹ یا کمپیوٹر پر فائلوں میں محفوظ کر لے، تو کسی دوسرے شخص کا جاسوسی کر کے کوڈ ورڈ (Codeword) کو حاصل کرنا، اور فائلوں میں محفوظ راز دارانہ معلومات سے فائدہ اٹھانا شرعاً ناجائز ہے، اور اس سے بچنا واجب ہے۔ (صحیح مسلم:۲/۳۱۶)

مسئلہ (۲۹): انٹرنیٹ کے ذریعہ کسی کا کریڈٹ کارڈ (Credit Card) نمبر اور اس کا پاس ورڈ (Password) حاصل کر کے، اس کے کھاتے سے خفیہ طور پر خرید وفروخت کرنا، جس کا بل کریڈٹ کارڈ والے کو آتا ہو، شرعاً ناجائز وحرام ہے، اور اس طرح کے مال کے استعمال پر سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ (صحیح مسلم:۲/۳۱۷)

مسئلہ (۳۰): انٹرنیٹ کے ذریعہ قرآنِ کریم، حدیثِ نبوی ﷺ، عقائدِ اسلام، احکامِ اسلام ونظریاتِ شرع پر غیروں کی طرف سے جو یلغار کی جارہی ہے، اور اسلام واہلِ اسلام کی جو غلط شبیہ پیش کی جارہی ہے، اس کا جواب انٹرنیٹ کے ذریعہ ہی دینا ممکن ہے، اس لئے اس مقصد کے خاطر انٹرنیٹ کا استعمال جائز ہی نہیں بلکہ بعض اوقات لازم ہے۔ (فقہ النوازل:۳/۲۲۵)

مسئلہ (۳۱): اگر انٹرنیٹ پر بائع اور مشتری دونوں موجود ہوں، اور ایجاب کے فوراً بعد دوسرے کی طرف سے قبول ظاہر ہو جائے تو بیع منعقد ہو جائیگی، اور اس صورت میں عاقدین کو متحد المجلس تصور کیا جائیگا، کیوں کہ اتحادِ مجلس کا مقصد ایک ہی وقت میں ایجاب کا قبول سے مربوط ہونا ہے۔ (ابوداود:۲/۴۸۹)

مسئلہ (۳۲): اگر کسی شخص نے کسی شخص کو ای میل (E-Mail) کے ذریعہ بیع (بیچنے) کی پیشکش کی، تو جب وہ شخص جسے یہ پیشکش کی گئی، اس ای میل (E-Mail) کو پڑھے، اسی وقت اس کی جانب سے قبولیت کا اظہار صحتِ بیع کے لئے ضروری ہوگا، اور یہ صورت تحریر وکتابت کے ذریعہ بیع (بیچنے) کی ہوگی، اور بیع بصورتِ تحریر وکتابت درست وجائز ہے۔

(درر الحکام:۱/ ۶۹، المادۃ:۶۹، قواعد الفقہ :ص/ ۹۹، رقم القاعدۃ:۲۱۹)

مسئلہ (۳۳): عقدِ نکاح بمقابلۂ عقدِ بیع نازک ہے، اور اس میں عبادت کا بھی پہلو ہے، دو گواہ بھی شرط ہے، اس لئے براہِ راست انٹرنیٹ، ویڈیو کانفرنسنگ اور فون پر نکاح کا ایجاب وقبول شرعاً معتبر نہیں ہوگا، ہاں اگر ان ذرائع ابلاغ پر کسی کو نکاح کا وکیل بنایا جائے، اور وہ دو گواہوں کے سامنے اپنے مؤکل کی طرف سے ایجاب وقبول کرلے تو نکاح درست ہوگا، بشرطیکہ گواہ

مؤکل غائب کو جانتے ہوں، یا بوقتِ ایجاب وقبول اس کا نام مع ولدیت لیا گیا ہو۔ (خلاصۃ الفتاوی:۲/۱۵)

مسئلہ (۳۴): ٹیپ ریکارڈ، ویڈیو کیسٹ، سی ڈی، اور سافٹ ویئر وغیرہ کا استعمال عام ہو چکا ہے، اس لئے تبلیغِ دین اور اشاعتِ حق کے خاطر ایسی کیسٹیں، سیڈیاں اور سافٹ ویئر بنانا، جس میں اخلاقی وتربیتی تعلیمات کو ریکارڈ کیا گیا ہو (خواہ صرف آواز یا آواز کے ساتھ حروف ہوں) جائز ہے، بشرطیکہ اس میں ذی روح کی تصاویر نہ ہوں۔ (الأشباہ والنظائر لابن نجیم:۱/۲۵۲)

لباس اور زیب وزینت کا بیان

مسئلہ (۱): گھروں اور صحنوں کو صاف ستھرا، اور اسباب وسامان کو ترتیب وسلیقہ مندی سے رکھنا شرعاً مطلوب ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: " إنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيبَ ، نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ ، كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ ، جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُودَ ، فَنَظِّفُوا " - یعنی "اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہیں، پاکیزگی کو پسند فرماتے ہیں، صاف ونظیف ہیں، صفائی ونظافت کو پسند فرماتے ہیں، درگزر کرنے والے ہیں، درگزر کرنے کو پسند فرماتے ہیں، سخی ہیں، سخاوت کو پسند فرماتے ہیں، لہٰذا تم بھی صفائی ستھرائی کو اختیار کرو۔" - **علوم شرعیہ** کے پڑھنے پڑھانے والوں کو اس کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ ہم جن جگہوں میں رہتے ہیں، پڑھتے ہیں، عبادت کرتے ہیں، وہ صاف ستھری ہوں، اور ہمارے پڑھنے لکھنے اور استعمال کی تمام چیزیں بھی اپنی جگہوں پر ترتیب وسلیقہ مندی کے ساتھ رکھی ہوں، عدم نظافت وترتیب کو عدم فرصت اور طبیعت کی سادگی پر محمول کرنا، اپنی غیر نظافت پسند اور غیر سلیقہ مند طبیعت کو حسین الفاظ کا جامہ پہنا کر اُسے چھپانے کے مترادف ہے، جو اچھی چیز نہیں ہے۔

(جامع الترمذی:۳/۵۳۷، الموسوعۃ الفقہیۃ:۲۱/۲۷۴)

مسئلہ (۲): اسلام ایک پاکیزہ مذہب ہے، اس نے اپنے ماننے والوں کو جہاں ظاہری اور باطنی پاکی وطہارت کا حکم دیا، وہیں اس بات کا بھی امر فرمایا کہ جن جگہوں پر ان کی سکونت ورہائش ہے، وہ بھی صاف ستھری رہیں، کیوں کہ گھروں اور کمروں میں کوڑا کرکٹ جمع کرنا، صفائی کا خیال نہ رکھنا، کیڑے مکوڑوں، کھٹملوں اور مچھروں وغیرہ کی آمد، اور بیماریوں کے پھیلنے کا ذریعہ وسبب بنتا ہے، نیز یہ عدمِ نظافت وطہارت میں یہودیوں سے مشابہت اختیار کرنا ہے، جو ناجائز وممنوع ہے، اس لیے خود بھی صاف ستھرا رہیں، اور اپنے ماحول کو بھی صاف ستھرا رکھیں۔ (صحیح مسلم:۱/۱۱۸)

مسئلہ (۳): ہر آدمی کے لئے اس قدر کپڑا پہننا فرض ہے جس سے وہ اپنے ستر کو چھپا سکے، اور اس کے لئے سردی گرمی سے دفاع ممکن ہو، کیوں کہ ستر چھپائے بغیر نماز نہیں ہوتی، اور خلقۃً انسان سخت سردی اور گرمی کا متحمل نہیں، اس لئے لباس میں موسم کی رعایت اولیٰ اور بہتر ہے، سرما میں متوسط درجہ کا "اونی" یا کوئی اور گرم کپڑا، اور گرما میں متوسط درجہ کا "سوتی" کپڑا اولیٰ

ہے، تاکہ انتہائی سستے کپڑے میں اس کی تحقیر لازم نہ آئے، اور نہ انتہائی نفیس اور قیمتی کپڑے کے پہننے میں اس کا شمار متکبرین میں ہو، کیوں کہ آپ ﷺ نے دو شہرتوں سے منع فرمایا، ایک وہ شہرت جو انتہائی نفاست میں ہو، اور دوسری وہ شہرت جو انتہائی خساست میں ہو۔ (مجمع الأنہر شرح ملتقی الأبحر:۴/۱۹۱، الاختیار لتعلیل المختار:۱/۶۹)

مسئلہ (۴): لباس کے بارے میں شریعت کی تعلیمات بڑی معتدل ہیں، شریعت نے کسی مخصوص لباس کو متعین نہیں کیا، البتہ لباس کی حدود مقرر کی ہیں، جو لباس ان شرعی حدود میں ہوگا وہ لباسِ شرعی کہلائے گا، وہ حدود یہ ہیں:

۱- لباس اتنا چھوٹا اور باریک اور چست نہ ہو کہ وہ اعضاء ظاہر ہو جائیں جن کا چھپانا واجب ہے۔

۲- لباس ایسا نہ ہو جس میں کفار و فساق کے ساتھ مشابہت ہو۔

۳- لباس سے تکبر و تفاخر، اسراف و تنعم مترشح نہ ہوتا ہو، ہاں اسراف و تنعم اور نمائش سے بچتے ہوئے اپنا دل خوش کرنے کے لیے قیمتی لباس پہننا جائز ہے۔

۴- مرد کی شلوار، تہبند اور پاجامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو۔

۵- مرد کا لباس اصلی ریشم کا نہ ہو، کیوں کہ وہ حرام ہے۔

۶- مرد ''زنانہ'' اور عورتیں ''مردانہ'' لباس نہ پہنیں۔

۷- خالص سرخ رنگ کا لباس پہننا مردوں کے لیے مکروہ ہے، البتہ کسی اور رنگ کی آمیزش ہو، یا سرخ دھاری دار ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (مجمع الأنہر والدر المنتقی:۴/۱۹۲)

مسئلہ (۵): آج کل عورتوں میں ایسا باریک و پتلا لباس پہننے کا رواج ہو چلا ہے، کہ جس سے تمام یا بعض اعضاء نمایاں ہو جاتے ہیں، اسی طرح بعض عورتیں موٹا کپڑا پہنتی ہیں، مگر وہ اس قدر چست اور چھوٹا ہوتا ہے، کہ اس سے جسم کے اعضاء نمایاں ہو جاتے ہیں، لہذا خواتین کے لئے ایسے لباس کا پہننا حرام اور ناجائز ہے۔ (صحیح مسلم:۲/۳۸۳)

مسئلہ (۶): آج کل عورتیں برقع یا چادر اس طرح اوڑھتی ہیں کہ ماتھے تک بال وغیرہ ڈھک جاتے ہیں، اور نیچے سے چہرہ ناک تک ڈھکا رہتا ہے، صرف آنکھیں کھلی رہتی ہیں، اس طرح کا برقع پہننا گرچہ درست ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ آنکھ کے حصہ پر ایسی جالی ہو جس سے آنکھیں نظر نہ آئیں، کیوں کہ آنکھوں ہی آنکھوں میں بھی بہت سی باتیں ہوتی اور کیجاتی ہیں۔ (سورۃ الأحزاب:۵۹)

مسئلہ (۷): جو لباس کفار یا فساق کا شعار ہو، ان کا پہننا منع ہے، اور جو لباس ان کا شعار نہ ہو، اس کا پہننا جائز ہے، جیسے قمیص، علی گڑھی پاجامہ، اور پینٹ پہننے کا رواج مسلمانوں میں بھی عام ہو چکا ہے، مگر آج بھی اُسے غیر اسلامی لباس سمجھا جاتا

ہے،اس لئے اس سے بچنا چاہیے، ہاں! اگر پتلون اتنی چست ہو کہ اس سے اعضاء کی بناوٹ اور ساخت نظر آئے،تو اس کا پہننا ممنوع ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۲۲۲/۸، کتاب اللباس)

مسئلہ (۸): نصف ساق تک کرتہ پہننا مسنون ہے،اس سے کچھ نیچے تک بھی درست ہے،تاہم یہ سنیت ،سننِ زوائد میں سے ہے،جس کا حکم یہ ہے کہ بنیتِ اتباع اختیار کرنے میں ثواب ملے گا،اور ترک کرنے میں ثواب سے محرومی ہوگی،البتہ گنہگار نہیں ہوگا،لیکن کفار یا فساق کے شعار کو اختیار کرے گا،تو گنہگار ہوگا۔ (سنن ابی داود: ص ۵۵۹،مشکوۃ المصابیح: ص ۳۷۵)

مسئلہ (۹): کالردار قمیص اور بڑے پائچوں کا پاجامہ کفار یا فساق کا شعار نہیں ہے،اس لیے یہ تشبہ ممنوع میں داخل نہیں، لہذا ان دونوں کا پہننا جائز ہے،تاہم لباس کے سلسلے میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اتقیاء وصلحاء کا لباس ہو، کیوں کہ اخلاق واعمال پر لباس کا بھی اثر پڑتا ہے،اور یہ ایسی بات ہے کہ ہم اور آپ اسے محسوس کر سکتے ہیں۔ (تکملۃ فتح الملہم: ۷۶/۴)

مسئلہ (۱۰): اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ نوکری اور ملازمت کرتا ہو، جہاں کام پر آنے کیلئے پینٹ شرٹ پہن کر آنا شرط ہے، ورنہ نوکری سے نکال دیا جاتا ہے،تو اس کیلئے بحالتِ مجبوری اپنا قومی لباس چھوڑ کر ایسی ڈھیلی ڈھالی پینٹ وشرٹ پہننے کی گنجائش ہے،جس میں اعضاء کی ساخت نمایاں نہ ہو،اور نہ ہی مردوں کیلئے ممنوع کپڑے کی بنی ہو،اور اس پینٹ کے پائچے بھی ٹخنوں سے اوپر رہیں۔ (سورۃ الأعراف: ۲۶)

مسئلہ (۱۱): حجاب مسلمان عورتوں کی عزت وآبروں کی اہمیت اور اس کی عصمت کی حفاظت کا ضامن ہے،عام حالات میں عورتوں کو اپنے گھروں سے نہیں نکلنا چاہیے، بہت زیادہ مجبوری وضرورت کے وقت اگر نکلنا ہی پڑے تو پورے حجاب کے ساتھ نکلے،اور حجاب بھی ایسا ہو جو پورے جسم کو اچھی طرح چھپاتا ہو،ایسا نہ ہو جس سے جسم کا نشیب وفراز دکھائی دے،اور نہ ایسا ہو کہ مردوں کو اپنی طرف مائل کرے، بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج حجاب بجائے اس کے کہ گناہوں کیلئے مانع اور رکاوٹ بنتا، گناہوں کی دعوت دینے والا ثابت ہورہا ہے، نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ صرف مردوں کو ہی یہ حکم نہیں ہے کہ وہ غیر محرم عورتوں کو نہ دیکھیں، بلکہ عورتوں کو بھی اس بات کا حکم ہے کہ وہ غیر محرم مردوں کو نہ دیکھیں۔ (السنن لأبی داود: ص ۵۶۸)

مسئلہ (۱۲): اگر کسی عورت کو گھر سے باہر کسی کام سے جانا ہو،تو اس پر لازم ہے کہ وہ بھرپور لباس اور پردہ کے ساتھ نکلے، نگاہیں نیچی رکھے، اجنبی مردوں کے ساتھ تنہائی اور اختلاط سے گریز کرے،اور ضرورت پوری ہوتے ہی فوراً اپنے گھر لوٹ جائے، کیوں کہ سخت ضرورت کے موقع پر ہی عورت گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔ (سورۃ الأحزاب: ۵۹)

مسئلہ (۱۳): عمامہ باندھنا ہر مسلمان کے لیے مستحب ہے،اس سے مسلمانوں کا وقار بڑھتا ہے،غیروں پر ہیبت طاری

ہوتی ہے، لیکن جب کوئی غیرِ عالم و حافظ عمامہ باندھتا ہے، تو بعض لوگ اس پر یوں طعن کرتے ہیں کہ- بڑا عالم و حافظ بن گیا، جو عمامہ باندھ رکھا ہے- اُن کا یہ طعن کرنا، نادانی پر مبنی ہے، کہ عمامہ کو عالم، حافظ کے ساتھ خاص کر رہے ہیں، جب کہ عمامہ عالم، حافظ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر مسلمان کے لیے اس کا باندھنا مستحب ہے۔ (سنن أبي داود: ص/۵۶۳، ۵۶۴، رقم الحدیث: ۴۳۷۱)

مسئلہ (۱۴): ہر مرد و عورت پر فرض ہے کہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں یعنی ہر وہ چیز جسکی طرف دیکھنے سے شریعت نے منع فرمایا ہے اس کو نہ دیکھیں، کیونکہ بدنظری حرام ہے البتہ اگر اچانک نظر پڑ جائے تو معاف ہے لیکن فوراً اپنی نگاہ ہٹا لیں۔
(روح المعاني: ۱۰/۲۰۴)

مسئلہ (۱۵): عورتوں کیلئے غیر محرم دس سالہ لڑکے سے پردہ واجب ہے، اس لیے کہ اس میں شعور بیدار ہو جاتا ہے۔
(أحکام القرآن للجصاص: ۳/۴۱۲)

مسئلہ (۱۶): عام طور پر گھر کے اجنبی ملازموں سے گھر کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں، جب کہ ان سے پردہ کرنا بھی فرض ہے، اس فرض سے بے توجہی کے بڑے سنگین نتائج معاشرے پر مرتب ہو رہے ہیں، کہ آئے دن ملازموں کی طرف سے گھر کی عورتوں کی عصمت دری کے واقعات، اخباروں کی سرخیاں بنتے جا رہے ہیں۔ (أحکام القرآن للجصاص: ۳/۴۸۶)

مسئلہ (۱۷): موجودہ دور میں عورتوں میں ملازمتوں کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے، اور پرائیویٹ آفسوں میں عورتوں کو اپنے سیکریٹری کے طور پر رکھا جاتا ہے، اور آفس مالکان ان سے تنہائی میں خوش گپیوں میں مصروف دکھائی دیتے ہیں، جب کہ شریعت مطہرہ نے اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، تو ان کے ساتھ دل بہلانے اور خوش گپیوں کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے، جو شرعاً ناجائز و حرام ہے۔ (تفسیر القرطبي: ۱۲/۲۲۷)

مسئلہ (۱۸): بہت سے گھروں میں اجنبیہ عورتوں کو ملازمہ اور خادمہ کی حیثیت سے رکھا جاتا ہے، وہ عام طور پر پردہ کرنے میں بے احتیاطی برتتی ہیں کہ کبھی سر کھلا ہوتا ہے، تو کبھی آستین چڑھی ہوتی ہے، اور گھر کے مرد اُن سے پردہ نہیں کرتے، جب کہ ان سے پردہ کرنا بھی ضروری ہے، اسی طرح ان خادماؤں پر بھی لازم ہے کہ کام کرتے وقت اوڑھنی کو نہ اتاریں، آستین کو نہ چڑھائیں، تا کہ وہ گناہ سے بچ جائیں۔ (روح المعاني: ۱۰/۲۰۴)

مسئلہ (۱۹): گھر میں عورت کے لیے اپنے محارم کے سامنے آدھی آستین کی قمیص پہننے میں کوئی حرج نہیں، مگر بہتر یہ ہے کہ ایسی قمیص نہ پہنے، کیوں کہ اس میں بے پردگی کا احتمال ہے، گھر کے باہر آدھی آستین والی قمیص پہن کر نکلنا، یا گھر میں غیر محارم کے سامنے آدھی آستین والی قمیص پہن کر آنا شرعاً ناجائز و حرام ہے۔ (تفسیر المظہري: ۶/۳۸۹)

مسئلہ (۲۰): اگر کسی ہسپتال میں بآسانی لیڈی ڈاکٹر مل جائے، یا سخت ضرورت نہ ہو، تو عورت کے لیے مرد ڈاکٹر سے مستور اعضاء کا علاج کروانا جائز نہیں، لیکن اگر لیڈی ڈاکٹر نہ ہو اور ضرورت، ضرورتِ شدیدہ ہو، تو پھر عورت کے لیے مرد ڈاکٹر سے مستور اعضاء کا علاج کرانے کی گنجائش ہے، اور اس صورت میں بھی بقدرِ ضرورت ہی ستر کھولنے کی اجازت ہے، نیز مرد ڈاکٹر کو بھی چاہیے کہ وہ حتی الامکان غیر ضروری مقام پر نگاہ نہ پڑنے دیں۔ (فتاوی ہندیہ: ۵/۳۳۰)

مسئلہ (۲۱): لیڈی ڈاکٹر کا خواہ اپنے مطب میں ہو یا کسی اسپتال میں، نامحرموں کے سامنے اپنے چہرے کو کھولنا جائز نہیں ہے، بلکہ اسے چاہیے کہ وہ اپنے اوپر کوئی ایسا نقاب ڈالے رہے، جس سے بے پردگی نہ ہو۔ (أحکام القرآن للجصاص: ۳/۴۸۶)

مسئلہ (۲۲): عورت اپنی حوائج وضروریات، اسی طرح زیورات خریدنے کیلئے بازار جاسکتی ہے، مگر مردوں کے ہاتھوں سے چوڑیاں پہننا اور دوکانداروں کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا ناجائز اور سخت باعثِ گناہ ہے۔ (أحکام القرآن شفیعی: ۳/ ۳۱۷-۳۱۹)

مسئلہ (۲۳): مدرسۃ البنات یعنی لڑکیوں کے اقامتی اداروں کے قیام کے متعلق ہمارے علماء کے مابین اختلافِ رائے پایا جاتا ہے، بعض اسے جائز اور بعض ناجائز کہتے ہیں، جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ علم دین کا سیکھنا شرعاً مرد وعورت دونوں پر لازم ہے، **اب** اگر کسی عورت کیلئے گھریلو زندگی کے دوران اور گھر میں رہتے ہوئے اپنے محارم میں سے کسی سے علم دین حاصل کرنے کی ترتیب بن سکتی ہو، تو اس کیلئے سب سے بہتر یہ ہے کہ وہ ان سے عبادات، اخلاقیات، معاملات اور معاشرت کے ضروری مسائل سیکھ لے، اور اس کے موافق عملی زندگی گزارنے کی فکر کرے، لیکن اگر یہ ترتیب نہ بن سکتی ہو اور وہ قریب کے کسی معتمد مدرسۃ البنات میں کسی محرم کے ساتھ آجاسکتی ہو، یا گھریلو مجبوریوں کے تحت ایسے مدرسہ میں قیام کرنا پڑتا ہو، اور اس آمد ورفت اور مدرسہ کی رہائش کے دوران کسی قسم کے فتنہ اور فساد کا اندیشہ نہ ہو، اور نہ بے پردگی ہوتی ہو، بلکہ شرعی پردہ میں رہتے ہوئے اپنے محارم کی اجازت کیساتھ علم دین حاصل کرے تو بلاشبہ اس کی اجازت ہونی چاہیے۔ **جو** علماء کرام لڑکیوں کے اقامتی اداروں کے قیام کو، لڑکیوں کی طرف سے آمد ورفت کے سلسلے میں ہونے والی بے احتیاطی، اور دورانِ قیام، انتظامیہ کی طرف سے ان کے اخلاق وعادات کی صحیح طور پر نگرانی نہ کرنے کی بناء پر ناجائز کہتے ہیں، اگر یہ خرابیاں نہ ہوں تو غالباً انہیں بھی جواز کے قائل ہونے میں کوئی تأمل نہیں ہوگا، کیوں کہ فقہ کا قاعدہ ہے: ''حکم کا مدار علت پر ہوتا ہے، علت کے ختم ہونے پر حکم بھی ختم ہوجاتا ہے۔'' البتہ انتہائی دور دراز کی لڑکیوں کو اقامتی اداروں میں رکھنا بڑے مسائل پیدا کرتا ہے، اس لئے اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: ص/۳۴)

مسئلہ (۲۴): عورتوں کا تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کی خاطر ٹی وی پر آنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ قرآن وحدیث میں

عورتوں کو لزومِ بیت اور پردہ کی تاکید فرمائی گئی ہے، حتی کہ عورت کی آواز کو بھی پردہ بتایا گیا ہے۔ (روح المعانی:۱۲/ ۱۳۸)

مسئلہ(۲۵): آج کل دعوتوں، مخلوط محفلوں اور طنز و مزاح کے پروگراموں میں مرد خواتین، نوجوان لڑکے، لڑکیاں، اور کمسن بچے بچیاں، زوردار، گرجدار اور حد سے زیادہ بلند آواز میں قہقہے لگاتے ہیں، دورانِ قہقہہ مصافحہ بھی کرتے ہیں، نیز نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کی ہتھیلیوں کو پکڑتے بھی ہیں، جب کہ شرعاً مخلوط محفلوں کا انعقاد جائز نہیں ہے، اسی طرح مردوں کے ساتھ عورتوں کا بلند آواز میں قہقہہ لگانا، اور دورانِ قہقہہ اجنبی مردوں سے مصافحہ کرنا بھی قطعاً ناجائز و حرام ہے۔ (ابوداود:ص/۷۱۴، ۷۱۵)

مسئلہ(۲۶): اسلام نے شرعی مسافتِ سفر تک کے، سفر کے لیے عورت کے ساتھ کسی محرم کے ہونے کو ضروری قرار دیا ہے، لیکن محرم سے مراد ایسا رشتہ دار محرم ہے، جو عاقل و بالغ ہو، اور حفاظت کرنے پر قادر ہو، چنانچہ اگر سفر میں عورت کے ساتھ صرف نابالغ محرم ہو، تو یہ سفر کے جائز ہونے کے لیے کافی نہیں، اور عورت کا اس طرح نکلنا درست نہیں ہوگا۔

(اتحاف أولی الألباب بحقوق الطفل وأحکامہ:ص/۴۷۳)

مسئلہ (۲۷): کسی بھی مرد اور عورت کے لیے اجنبی غیر محرم عورت اور مرد سے بلا ضرورت، بغیر حجاب بات چیت کرنا شرعاً ناجائز ہے، خواہ آپس میں وہ کلاس ساتھی ہی کیوں نہ ہو، البتہ بات کرنے کی ضرورت پڑ جائے، تو ضرورت کے بقدر پردہ کے ساتھ بات کرنے کی گنجائش ہے، اور عورت کو چاہیے کہ نرم لہجہ میں بات نہ کرے، بلکہ سخت لہجہ میں بات کرے۔

(أحکام القرآن للجصاص:۳/۴۷۰)

مسئلہ(۲۸): بعض علاقوں میں یہ رواج ہوتا ہے کہ جس عورت کا کوئی بھائی نہیں ہوتا، وہ کسی اجنبی شخص کو اپنا منہ بولا بھائی بنالیتی ہے، اسی طرح جس آدمی کی کوئی بہن نہیں ہوتی، وہ کسی اجنبیہ عورت کو اپنی منہ بولی بہن بنالیتا ہے، اور اس منہ بولے بھائی یا بہن کو حقیقی بھائی بہن کا درجہ دے کر اس سے پردہ بھی نہیں کیا جاتا ہے، جب کہ شرعاً منہ بولے بھائی یا بہن کی کوئی حیثیت نہیں، وہ اجنبی ہیں، اور اُن سے پردہ ضروری ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح:۳/۴۱۰)

مسئلہ (۲۹): بعض عورتیں گھر میں رہتے ہوئے خرید و فروخت کا کچھ چھوٹا موٹا کام کرتی ہیں، اسی طرح بعض عورتیں ملازمت کی تمام شرطوں کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے ملازمت کرتی ہیں، تو ان کی اپنی آمدنی حلال ہوتی ہے، اب وہ اپنی اِس آمدنی میں سے کچھ رقم اپنے شوہر کو دیتی ہیں، تو بعض لوگ شوہر سے یہ کہتے ہیں کہ بیوی کی کمائی گھر والوں کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں، ان کی یہ بات غلط ہے، صحیح بات یہ ہے اگر بیوی اپنی حلال آمدنی میں سے کچھ رقم اپنے شوہر کو اپنی رضامندی وخوشی سے دیتی ہے، تو شوہر کے لیے اس کا استعمال بلاشبہ جائز ہے، ہاں! اگر بیوی کی آمدنی حرام ہو تو پھر اس کا استعمال صرف شوہر ہی کے لیے نہیں، بلکہ خود بیوی کے لیے بھی ناجائز و حرام ہے۔ (سنن الدارقطنی:۳/۲۲)

مسئلہ (۳۰): ایسی ٹوپی، جوتی یا کپڑا جس میں خالص سونے (زَری)، چاندی یا ریشم سے کام کیا گیا ہو، مردوں کے لیے اُن کا استعمال جائز نہیں ہے، ہاں! اگر عرض میں چار انگل سے کم ہو، تو پھر اس کا استعمال درست ہے۔ (العرف الشذی:۳/ ۲۴۸)

مسئلہ (۳۱): کشتی نما ٹوپی ہندوستان میں زمانۂ دراز سے مستعمل تھی، اس کا نام تحریک کے زمانہ میں گاندھی ٹوپی رکھ لیا گیا، اس لئے کشتی نما ٹوپی پہننا جائز ہے، اور صرف اس کا نام گاندھی ٹوپی ہوجانے سے وہ ناجائز نہیں ہوجائیگی، حدیث میں جو غیروں کی مشابہت سے منع کیا گیا، اس سے مراد ایسی مشابہت ہے، جو اس غیر قوم کے ساتھ مخصوص ہو، یا اس قوم کا خاص شعار ہو، اور اِس نیت سے اُسے اختیار کیا جائے کہ وہ ان کے مشابہ ہوجائے۔ (تحفۃ الأحوذی:۵/ ۳۹۷)

مسئلہ (۳۲): پی، اے، ایف (P.A.F) میں ملازمین نیکر پہن کر پی ٹی (فوجی مشقیں) کرتے ہیں، جس میں ران وغیرہ برہنہ ہوتی ہیں، جب کہ قرآن وحدیث اور فقہاء کرام کی عبارتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ مسلمانوں کے لیے سترِ عورت فرض ہے، مردوں کے لیے ناف سے لے کر گھٹنوں تک، اور عورت کے لیے پورا بدن ستر ہے، سوائے چہرہ، ہتھیلی اور قدم کے، لہٰذا ستر کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ (أحکام القرآن للجصاص:۳/ ۳۹)

مسئلہ (۳۳): بہت سے کھیل ایسے ہوتے ہیں جنہیں کھلاڑی صرف شرٹ و نیکر پہن کر کھیلتے ہیں، جیسے ہاکی، ٹینس، بیڈ منٹن، باسکٹ بال وغیرہ، اور کچھ کھیل ایسے ہیں جنہیں صرف نیکر پہن کر کھیلا جاتا ہے، اور باقی پورا جسم برہنہ ہوتا ہے، اس طرح کے کھیل شرعاً ممنوع ہیں، کیوں کہ مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک، اور عورت کا ستر، سوائے چہرہ، دونوں ہتھیلیوں اور قدم کے، پورا بدن ہے، جن کا چھپانا ہر حال میں فرض ہے، اسی طرح ایسا پتلا اور تنگ لباس پہننا جس میں اعضاء مستورہ صاف نظر آتے ہوں، اور اعضاء کی ساخت نمایاں ہوتی ہو، شرعاً درست نہیں ہے۔ (أحکام القرآن للجصاص:۳/ ۳۹)

مسئلہ (۳۴): آج کل جدید تعلیم یافتہ لوگ ٹائی (Tiey) کو بڑے فخر سے اپنے گلے میں لٹکاتے ہیں، یہ شرعاً بالکل ناجائز ہے، اس لئے کہ یہ صلیب نما ہوا کرتی ہے، اور صلیب (Red cross) شعارِ نصاریٰ ہے، اور ہمیں ان کے شعار میں مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح:۸/ ۲۲۲)

مسئلہ (۳۵): آج کل سردی کا موسم جاری ہے، لوگ سردی سے بچنے کی خاطر سُوئیٹر (Sweater) وغیرہ استعمال کررہے ہیں، جو نہ صرف مباح بلکہ اپنے آپ کو مضر اور نقصان دہ چیزوں سے بچانا شرعاً ضروری ہے، مگر بعض لوگ سردی سے دفاع کے لیے ایسے کپڑے استعمال کرتے ہیں، جن میں جاندار کی تصویریں اُتاری ہوئی ہوتی ہیں، ایسے کپڑوں کا خریدنا اور عام حالات میں ان کا استعمال گناہ ہے، شریعت نے نماز میں خاص طور پر تصویر دار کپڑوں کے استعمال سے منع کیا ہے، کیوں کہ اس

سے تصویر پرستی کا وہم پیدا ہوتا ہے، اگر کوئی شخص ایسے کپڑوں کو پہن کر نماز پڑھ لے تو نماز تو ادا ہو جائے گی، لیکن اس کا یہ عمل مکروہِ تحریمی ہوگا اور نماز بھی مکروہ ہوگی، اس لیے ایسے کپڑوں کے پہننے سے احتراز کرنا چاہیے، جن کو پہن کر انسان چلتا پھرتا فوٹو اسٹوڈیو (Photo Studio) یا کسی کمپنی کا مکمل اشتہار (Advertise) نظر آتا ہو۔ (صحیح مسلم:۲/۲۲۰)

مسئلہ (۳۶): بعض کمپنیاں ایسے کپڑے ڈیزائن (Design) کرتی ہیں، جو انتہائی عریانیت اور فحاشیت کی غرض سے پہنے جاتے ہیں، اور یہ کمپنیاں اُن کپڑوں کی نہ صرف اندرون ملک تجارت کرتی ہیں، بلکہ یورپ اور امریکہ وغیرہ بھی برآمد کرتی ہیں، اور وہاں کی بداخلاق اور فحاش عورتیں ان کو پہنتی ہیں، ایسے لباس بنانا اور بیچنا مکروہ ہے، اس سے احتراز کرنا چاہیے، گرچہ ان کی آمدنی حرام نہیں، جب کہ ان کا پہننا حرام ہے۔ (فتاویٰ بنوریہ، رقم الفتویٰ:۸۷۲۵)

نوٹ:- مکروہ سے مراد، مکروہِ تنزیہی ہے۔

مسئلہ (۳۷): بعض عورتیں اپنے بچوں کو ریشم کا کپڑا پہناتی ہیں، اور کہتی ہیں کہ یہ ابھی بچہ ہے، ان کا یہ عمل درست نہیں ہے، کیوں کہ مردوں کے لیے ریشم اور سونے کا استعمال حرام ہے، نبی کریم ﷺ نے ان دونوں چیزوں کے بارے میں فرمایا: ''یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں کے لیے حرام ہیں''، آپ کا یہ ارشاد چوں کہ عام ہے، اس لیے حضراتِ فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ان چیزوں کا استعمال بالغ مردوں کے لیے حرام ہے، اسی طرح نابالغوں کے لیے بھی اس کی ممانعت ہے، اس کے باوجود اگر نابالغ بچہ کو اس کے ذمہ دار اِن چیزوں کا استعمال کرائیں، تو وہی گنہگار ہوں گے، کیوں کہ ان کا فرض تھا کہ ان چیزوں سے بچوں کی حفاظت کریں۔ (الدر مع الرد:۹/۵۲۲)

مسئلہ (۳۸): اگر لڑکے محض زینت کے لیے چہرے کے کریم (CREAM) استعمال کرتے ہیں، تو عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے کی وجہ سے اس کے استعمال کی اجازت نہیں ہے، اور اگر دانوں، دھبوں یا چہرے کے زائد بال، جو آنکھ یا ناک کے بالمقابل اُگ آئے ہیں، ان سے نجات پانا مقصود ہے، تو اس کی گنجائش ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۷۴)

مسئلہ (۳۹): بعض لڑکے ایسے کریم و پاؤڈر استعمال کرتے ہیں جن کا مقصد زینت ہوا کرتا ہے، یہ شرعاً ناجائز ہے۔ (بخاری:۲/۸۷۴)

مسئلہ (۴۰): اگر لڑکے محض زینت کے لیے چہرے کے کریم استعمال کرتے ہیں، تو عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے کی وجہ سے اس کے استعمال کی اجازت نہیں ہے، اور اگر دانوں، دھبوں یا چہرے کے زائد بال جو آنکھ یا ناک کے بالمقابل اُگ آئے ہیں، ان سے نجات پانا مقصود ہے، تو اس کی گنجائش ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۷۴، کتاب اللباس)

مسئلہ (۴۱): عورتوں کا محض زینت کے لیے کسی ایسی دوا کا استعمال کرنا مکروہ ہے، جو جلد اور چمڑی کو نقصان پہنچاتی ہو، اور چہرے پر سختی کے ساتھ ملی جاتی ہو، کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے چہرہ چھیل کر رنگ نکھارنے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے، اور یہ فعل چہرہ گدوانے کے مشابہ ہے، اس لئے یہ ناجائز ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۷۹)

مسئلہ (۴۲): اگر بیوٹی سپاٹ جسم کو گدا کر کیا جائے، مثلاً پہلے سوئی وغیرہ سے جسم کو گود کر رنگ بھرا جائے، تو یہ ناجائز اور سخت حرام ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ لعنت کرے گودنے والی اور گدوانے والی پر'' - اور اگر یہی عمل نظرِ بد سے بچنے کے لیے کیا جائے، تب بھی ناجائز ہے، لیکن اگر جسم کو گودے بغیر سیاہ نقطہ وغیرہ چہرے پر لگایا جائے، تو اس کی گنجائش ہو سکتی ہے، اس لیے کہ یہ تغییر فی خلق اللہ میں داخل نہیں ہے۔ (صحیح البخاری:ص/۲/۱۰۷،رقم الحدیث:۵۹۴۸)

مسئلہ (۴۳): آج کل لڑکیاں بیوٹی پارلر میں جا کر پلکیں بنواتی ہیں، ان کا یہ عمل جائز نہیں ہے، کیوں کہ جو عورتیں پلکیں بنواتی ہیں وہ لعنتِ رسول اللہ ﷺ میں داخل ہیں۔ (صحیح مسلم:۲/۲۰۴)

مسئلہ (۴۴): فیس مساج (Face massage) کروانا، یعنی گال، ناک، گردن وغیرہ پر کریم (Cream) یا اس جیسی چیز سے اتنی مالش کرنا کہ چمڑی باریک ہو جائے، اس عمل کا کرنا اور کروانا دونوں ناجائز ہیں۔ (أحکام تجمیل النساء:ص/۲۰۰،۲۰۱)

مسئلہ (۴۵): محض خوبصورتی کے لیے سرجری کروانا کسی بھی حالت میں جائز نہیں، ہاں البتہ اگر ہاتھ یا پیر کی انگلی زائد ہو، یا عورت کو داڑھی نکل آئے تو ایسی صورت میں درست ہے۔ (سورۃ النساء:۱۱۹)

مسئلہ (۴۶): انٹی ایجنگ (Anti aging) یعنی کم عمر دکھانے کی کوشش کرنا، عام طور پر عمر رسیدہ فیشن کی دلدادہ عورتیں، بوڑھاپے کی وجہ سے جلد سکڑ جانے پر سرجری (Surgery) کرواتی ہیں، جسے سکین ٹائٹنگ (Skin tighting) بھی کہتے ہیں، یہ عمل سراسر ممنوع اور ناجائز ہے۔ (أحکام تجمیل النساء:ص/۳۷۸)

مسئلہ (۴۷): ماہرینِ جمالیات کے نزدیک گالوں اور ہونٹوں پر تل کا نشان علامتِ حسن ہے، اسی لیے گال یا ہونٹ پر مصنوعی تل بنائے جاتے ہیں، عام طور پر اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں: (۱) پہلی صورت یہ ہے کہ کسی کالے رنگ کے مادہ، مثلاً: کاجل وغیرہ کے نقطے تل نما بنائے جاتے ہیں، (۲) دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ آرٹیفیکل میل (Artifical male) یعنی داغ دے کر تل بنائے جاتے ہیں، یا سوئی سے سوراخ کر کے سرمہ وغیرہ بھر دیا جاتا ہے، تاکہ وہ سبز ہو جائے، تو پہلی صورت جائز اور دوسری صورت ناجائز و حرام ہے، کیوں کہ یہ تغییر فی خلق اللہ میں داخل ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ گودنے والیوں، گدوانے والیوں، بالوں کو نوچنے والیوں، نچوانے والیوں، اور خوبصورتی کیلئے دانتوں کو کشادہ کرنے والیوں

اور اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی کرنے والیوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

نوٹ-: الواشمۃ: وَشْمٌ سے ماخوذ ہے، وشم عورتوں میں گودنے کا ایک قدیم فیشن ہے، جس میں سوئی وغیرہ کے ذریعے بدن کے کسی حصہ یعنی رخسار، ہونٹ، کلائی وغیرہ میں باریک سوراخ کیا جاتا ہے، پھر اس میں کاجل سرمہ وغیرہ بھر دیا جاتا ہے، جس میں سیاہ یا کسی اور رنگ کے نقطے ابھر آتے ہیں، جس کو حسن میں زیادتی کا باعث سمجھا جاتا ہے، اس عمل کے کرنے والیوں کو واشمات اور جس کے ذریعہ کرایا جائے اس کو مستوشمات کہتے ہیں۔ (فتح الملہم:١٠/ ١٦٧، صحیح مسلم:٢/ ٢٠٥، صحیح البخاري:٢/ ٨٧٨)

مسئلہ(۴۸): حسن اور خوبصورتی کی غرض سے دانتوں کو باریک کروانا اور کشادہ کروانا بھی ناجائز ہے۔ (فتح الملہم:١٠/ ١٦٧)

مسئلہ (۴۹): عورت کیلئے ایسی خوشبو کا استعمال کرنا جائز ہے جس میں مہک انتہائی کم ہو کہ محض شوہر سونگھ سکے، ورنہ حدیث میں ہے کہ ''جو عورت مردوں کی مجلس کے پاس سے گزرے، اور وہ لوگ اس کی خوشبو محسوس کریں، تو عورت کا یہ عمل زنا میں شمار ہوگا۔'' (الآداب للبیهقي:ص/ ٢٤٠، رقم الحدیث:٧٩٧)

مسئلہ(۵۰): بالی وغیرہ پہننے کے لیے لڑکیوں کے کان چھدوانا درست ہے۔ (ردالمحتار:٩/ ٥٥٨)

مسئلہ(۵۱): سنت یہ ہے کہ پورے سر پر بال رکھے جائیں، یا سب کے سب منڈوا دیئے جائیں، یا مساوی (برابر) طور پر کٹوا دیئے جائیں، انگریزی اور فیشن ایبل بال رکھنا، مثلاً: سولجر کٹ (Soldier Cut)، اسٹیپ کٹ (Step Cut)، مشروم کٹ (Mashroom Cut) ہپی کٹ (Hippy Cut)، بے بی کٹ (Baby Cut)، راؤنڈ کٹ (Round Cut) وغیرہ میں مخالفتِ سنت اور مشابہتِ قومِ آخر لازم آتی ہے، اس لیے یہ مکروہ ہے۔ (شامی:٩/ ٥٨٤)

نوٹ-: نبی کریم ﷺ کے بال کبھی نصف کان، کبھی کانوں کی لو، اور کبھی مونڈھے تک رہا کرتے تھے، اور حلق (سر مونڈوانا) بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ (سنن أبي داود:ص/ ٥٧٧)

مسئلہ(۵۲): **سر پر بال رکھنے کی جائز صورتیں**: ١- **پٹے** رکھنا،

اس کی تین قسمیں ہیں:(١) ''وَفْرَہ''، یعنی کانوں کی لَو تک بال رکھنا،(٢) ''لِمَّۃٌ''، یعنی کانوں کی لَو اور کندھوں کے درمیان تک بال رکھنا،(٣)''جُمَّۃٌ''، یعنی کندھوں تک بال رکھنا۔

٢- **حلق** یعنی پورے سر کے بال منڈوانا۔

٣- **پورے** سر کے بالوں کو برابر کاٹنا۔

اِن میں سب سے افضل پہلی صورت ہے، پھر دوسری صورت، اور آخری صورت کی صرف گنجائش ہے۔

تنبیہ: پٹے کے مسنون ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں، البتہ حلق یعنی منڈانے کی سنیت میں اختلاف ہے، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دائمی عمل ہونے کی وجہ سے مسنون کہا ہے، اسی طرح امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی سنیت نقل کی ہے، بہر حال! حلق کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور بچوں کی تربیت کی خاطر اُن کے سر کو منڈوانا افضل ہے، بلکہ غلبۂ فساد کی وجہ سے ضروری ہے۔ (داڑھی اور بالوں کے احکام: ص/۴۱، ۴۲)

مسئلہ (۵۳): انگریزی بالوں کو سنت کے مطابق تبدیل کرنے میں کوئی قباحت نہیں، بلکہ یہ مستحسن اور باعثِ اجر ہے، لیکن پہلے سب بال برابر کر لیے جائیں، اس کے بعد سنت کے مطابق بال رکھے جائیں، کیوں کہ آپ ﷺ نے چھوٹے بڑے بال رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲/۲۰۳)

مسئلہ (۵۴): بالوں میں مصنوعی وِگ (Wig) یعنی بناوٹی بالوں کی ٹوپی لگانا، جو کہ جسم سے علیحدہ نہ ہو سکے، یا عارضی طور پر لگانا کہ جب چاہا لگا لیا اور جب چاہا اتار لیا، دونوں صورتیں ناجائز اور حرام ہیں۔ (صحیح البخاری: ۲/۸۷۸)

مسئلہ (۵۵): بال عورتوں کی زینت ہیں، انہیں بلا عذر شرعی کاٹنا جائز نہیں، اس لیے اس سے احتراز لازم ہے، البتہ اگر کسی عورت کے بالوں میں کوئی ایسی بیماری لگ گئی ہو کہ اس سے سرے ٹوٹ کر شاخ دار ہو جاتے ہوں، تو ایسے بالوں کے شاخدار کنارے کاٹ دینے کی شرعاً گنجائش ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ یہ عمل بھی کسی ایسے معالج کے مشورے سے ہو، جو بالوں کی بیماری اور اس کے علاج میں مہارت اور تجربہ رکھتا ہو۔ (فتاویٰ بنوریہ، رقم الفتویٰ: ۱۳۱۶۰)

مسئلہ (۵۶): بیوٹی پارلر (Beauty parlour) یا ہیئر اسٹائلس (Hair styl,s) میں جا کر، یا گھر میں عورت کا بال کٹوانا، اور مختلف ڈیزائن سے بالوں کو فیشن ایبل (Fashionable) بنانا، خواہ سامنے کی جانب سے ہو یا دائیں بائیں، یا پیچھے کی جانب سے ہو، بہر صورت حدیث میں ممانعت کی وجہ سے ناجائز اور مکروہِ تحریمی ہے۔ (صحیح البخاری: ۲/۸۷۴، مشکوۃ المصابیح: ص ۳۸۵)

مسئلہ (۵۷): بچوں کے بال انگریزی اور فیشن ایبل طریقہ پر بنانا ناجائز اور ممنوع ہے۔ (تفسیر المظہری: ۴/۴۳۰)

مسئلہ (۵۸): جب بچی سات سال کی ہو جائے تو اس کے بال نہ کاٹے جائیں۔ (مشکوۃ المصابیح: ص/۳۸۰)

مسئلہ (۵۹): مسلمانوں میں آڑی مانگ نکالنے کا رواج گمراہ قوموں کی تقلید سے ہوا ہے، لہٰذا اس کو ترک کرنا واجب ہے، مانگ سیدھی نکالنی چاہیے، کیوں کہ حدیث شریف سے حضور ﷺ کا سیدھی مانگ نکالنا ثابت ہے، اور جن امور میں رسول کریم ﷺ نے مرد اور عورت کے احکام میں فرق نہیں فرمایا، ان میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۴۳۳)

مسئلہ (۶۰): آج کل کے اس ماڈرن فیشن ایبل دور میں، مختلف قسم کے ہیئر ڈائز (Hairdies)، ہیئر کلرس

(Hair,Colours)، جیسے برگنڈی، کلرمیٹ (Colour,Mate)، ہائیڈروجن کیمیکلس (Hydrogen,Chemicals) وغیرہ نکلے ہیں، جنہیں دورِ حاضر کے فیشن پرست نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بکثرت استعمال کرتی ہیں، اگر یہ سیاہ ہیں تو ان کا استعمال مکروہِ تحریمی ہے، اور اگر اس کے علاوہ ہیں تو جائز ہے، بشرطیکہ اور کوئی مانعِ شرعی موجود نہ ہو۔ (ابوداود:ص/۵۷۸)

مسئلہ (۶۱): سرخ خضاب مرد اور عورت دونوں کے لیے جائز بلکہ مستحب ہے، اور سیاہ خضاب مرد و عورت دونوں کے لیے مکروہِ تحریمی ہے، البتہ مرد کے لیے میدانِ جہاد میں دشمنانِ اسلام کو مرعوب کرنے کے لیے سیاہ خضاب کرنا بالاتفاق محمود و مستحسن ہے۔ **اسی** طرح ہیئر کلر کے نام سے جو مہندی لگائی جاتی ہے، اگر وہ بالوں کو خالص سیاہ کردے تو مکروہ تحریمی، اور اگر سیاہ مائل بسرخ کردے تو بلا کراہت اس کا استعمال جائز ہے، بشرطیکہ اس میں اور کوئی مانعِ شرعی موجود نہ ہو، **حضرت** جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ فتحِ مکہ کے روز حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں لائے گئے، درآں حالانکہ ان کے سر اور داڑھی کے بال ثغامہ گھاس کی طرح سفید تھے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان کی سفیدی کسی چیز سے بدل دو لیکن سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔ **حدیث** مذکور سیاہ خضاب کی ممانعت اور اس کے ماسواء خضاب کے جواز پر دال ہے۔ (صحیح مسلم:۲/۱۹۹)

مسئلہ (۶۲): آج کل بہت سے فیشن پرست نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، بطور زینت مختلف قسم کے ہیئر ڈائز (ہائیڈروجن کیمیکلس وغیرہ) بکثرت استعمال کرتے ہیں، اور اپنے بالوں کو رنگین اور کلرفل بناتے ہیں، اولاً تو یہ فیشن قابل ترک ہے، اور اگر خالص سیاہ خضاب ہے تو اس کا لگانا سخت گناہ ہے، سرخ یا مہندی کا خضاب لگایا جائے، لیکن اگر کسی نے ناجائز ہونے کے باوجود خالص سیاہ خضاب، یا اور کوئی مباح خضاب لگالیا، اور وہ پانی یا مہندی کی طرح اتنا پتلا اور رقیق ہو کہ خشک ہونے کے بعد بالوں تک پانی پہنچنے کے لیے مانع نہ بنتا ہو، تو اس صورت میں وضو اور غسل صحیح ہو جائے گا، اور اگر وہ خضاب اتنا گاڑھا ہو کہ بالوں تک پانی نہیں پہنچتا، تو پھر وضو اور غسل صحیح نہ ہوگا۔ (شامی:۱/۵۳۷)

مسئلہ (۶۳): بہت سی عورتیں بھوؤں کے بالوں کو اکھاڑ کر انہیں باریک کرتی ہیں، اسی طرح چہرہ کے بالوں کو اکھاڑتی ہیں یا کسی سے اکھڑواتی ہیں، تاکہ وہ حسین و جمیل معلوم ہوں، ان کا یہ عمل حرام ہے۔ (صحیح مسلم:۲/۲۰۵)

مسئلہ (۶۴): اگر کسی عورت کے چہرے اور بازوؤں پر کافی گھنے بال ہوں، تو ان کو صاف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلکہ ان بالوں کو صاف کرنا مستحب ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح:۸/۲۷۴، کتاب اللباس)

مسئلہ (۶۵): داڑھی رکھنا اسلامی و قومی شعار، تمام انبیاء کی سنت، شرافت و بزرگی کی علامت اور چہروں کا جمال ہے، اسی سے مردانہ شکل کی تکمیل ہوتی ہے، اور چھوٹے بڑے کے درمیان فرق ہوتا ہے، لہٰذا ایک مشت داڑھی رکھنا واجب، اور ایک

مشت تک پہنچنے سے پہلے منڈوانا، کاٹنا یا کٹوانا گناہِ کبیرہ ہے۔ (أشعة اللمعات:۱/۲۱۲، حجۃ اللہ البالغۃ:۱/۴۱۰)

مسئلہ (۶۶): احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں باجماعِ امت داڑھی رکھنا واجب اور داڑھی منڈانا حرام ہے، اسی طرح ایک قُبضہ (مٹھی) سے کم ہونے کی صورت میں کتروانا بھی حرام ہے، ائمہ اربعہ (حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ) کا اس پر اتفاق ہے، داڑھی کی حدود یہ ہیں: کنپٹی کے قریب اُبھری ہوئی ہڈی سے نیچے اور نیچے والے جبڑے کے اوپر نیچے، ٹھوڑی کے اوپر نیچے اور نیچے والے ہونٹ کے ساتھ متصل اُگنے والے تمام بال داڑھی کے حکم میں داخل ہیں۔ (کتاب الآثار:۲/۸۵۷)

مسئلہ (۶۷): داڑھی کے متعلق لوگ مختلف باتیں کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے ٹھوڑی کے نیچے سے اس کو شروع کرو، کوئی کہتا ہے ہونٹ کے نیچے سے ایک مشت رکھو، کوئی کہتا ہے اتنی رکھو کہ دور سے نظر آنی چاہیے، کوئی کہتا ہے کہ جتنی نیچی جائے جانے دو، کاٹنا حرام ہے، اِس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں داڑھی رکھنا واجب ہے، اور کم از کم ایک مشت داڑھی ہونا ضروری ہے، اور اس ایک مشت کا شمار ٹھوڑی ک نیچے سے ہوگا۔

نوٹ:- داڑھی کی حدود کنپٹی سے قریب اُبھری ہوئی ہڈی سے نیچے، اور نیچے والے جبڑے کے اوپر نیچے، ٹھوڑی کے اوپر نیچے، اور نیچے والے ہونٹ کے ساتھ متصل اُگنے والے تمام بال، داڑھی کے حکم میں داخل ہیں۔ (کتاب الآثار:۲/۸۵۷)

مسئلہ (۶۸): مونچھوں کو اس حد تک تراشنا کہ اوپر والے ہونٹ کے کنارے کے برابر ہو جائے، سنت ہے، اور مونچھوں کو نہ کاٹتے ہوئے لبوں کے نیچے تک لٹکائے رکھنا خلافِ سنت ہے، جس پر حدیث میں سخت وعید وارد ہوئی ہیں۔

(صحیح البخاری: ص/۱۰۶۶، رقم الحدیث:۵۸۹۱)

مسئلہ (۶۹): مونچھیں اتنی بڑھانا کہ پانی یا کوئی دوسری مشروب چیز پیتے وقت، اس کے بال پانی وغیرہ میں لگیں، شرعاً جائز نہیں، اسی طرح مونچھوں کے دائیں بائیں والے کنارے اور نوکیں بڑھانا غیروں کے ساتھ تشبہ کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۷۵)

مسئلہ (۷۰): بعض لوگ اپنی مونچھوں کا استرے سے بالکل حلق کرتے ہیں، جبکہ حدیث میں لفظ "جـــزوا" یا "أحفوا" وارد ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ مونچھوں کو اس طرح کاٹیں کہ مونڈنے کے قریب ہو جائیں، صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ مونچھوں کا حلق کرنا بدعت ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ حلق سنت ہے۔ اور اصول یہ ہے کہ جب کسی فعل کے سنت یا بدعت ہونے میں تردد ہو، تو اس کا ترک اولیٰ ہوتا ہے۔ لہٰذا مونچھوں کو استرے سے بالکل نہیں مونڈنا چاہیے، بلکہ اس طرح کاٹیں کہ وہ مونڈنے کے قریب ہو جائے۔ (صحیح مسلم:۱/۱۲۹)

مسئلہ (۷۱): ناخن یا بال وغیرہ کو جلانا یا ایسے مقام پر جہاں ان کی توہین وتذلیل ہو، مثلاً بیت الخلاء وغیرہ

میں ڈالنا یا فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ بال اور ناخن اعضاء انسانی کا جز ہے اور انسان کا ہر جز محترم و مکرم ہے، لہٰذا بال اور ناخن کو دفن کر دینا چاہیے۔ (الفتاوی الھندیۃ: ۵/ ۳۵۸)

مسئلہ (۷۲): آج کل فیشن کے طور پر بڑے بڑے ناخن ناخن رکھنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے، جب کہ شریعتِ مقدسہ نے ناخن کاٹنے کو امورِ فطرت میں شمار کیا ہے، اور اس کے لیے دن بھی مقرر کیے ہیں، یعنی ہفتہ میں ایک بار کاٹنا مستحب، پندرہ دنوں کے بعد جائز، اور چالیس دن سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ ہے، جس کی وجہ سے انسان گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس لیے فیشن کے طور پر لمبے ناخن رکھنا مکروہ ہے۔ (صحیح البخاری: ۲/ ۸۷۵، رقم الحدیث: ۵۸۹۰)

مسئلہ (۷۳): ناخن جس طرح چاہیں کاٹ سکتے ہیں، کوئی مخصوص طریقہ لازم و متعین نہیں، اچھا یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی سے ابتدا کریں، اور چھوٹی انگلی پر ختم کریں، پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے کاٹتے ہوئے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کریں، اور پیر کے ناخن میں دائیں پیر کی چھوٹی انگلی سے ابتدا کریں، اور بائیں پیر کی چھوٹی انگلی پر ختم کریں، درمختار اور اس کے حاشیہ میں ایسا ہی تحریر کیا گیا ہے۔ (حاشیۃ البخاری: ۲/ ۸۷۵)

مسئلہ (۷۴): عورتوں کے لیے ڈیزائن (Design) سے مہندی لگانا جائز ہے، خواہ ہاتھوں میں ہو یا پاؤں میں، ایک خاتون نے پردہ سے حضور ﷺ کو ایک تحریر دی، آپ ﷺ نے خط لیا، اور دریافت فرمایا: کہ یہ ہاتھ مرد کا ہے یا عورت کا؟ انہوں نے عرض کیا عورت کا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اگر تم عورت ہوتی تو اپنے ناخن کو متغیر کرتی، یعنی مہندی لگاتی۔''

(سنن أبی داود: ۲/ ۵۷۴، سنن النسائی: ۲/ ۲۳۷، مشکوۃ المصابیح: ص ۳۸۳)

مسئلہ (۷۵): لپ اسٹک (Lip stick) اگر ایسی چیز سے بنائی جاتی ہو، جو جلد تک پانی پہنچنے کے لیے مانع ہے، تو اس کا استعمال جائز نہیں ہے، اور اگر پانی جلد تک بآسانی پہنچ جائے تو جائز ہے۔ (الدر مع الشامیۃ: ۱/ ۲۸۵-۲۸۹، کتاب الطہارۃ)

مسئلہ (۷۶): میک اپ (Makeup) غیر ملکی سامان، پاوڈر (Powder) لپ اسٹک (Lip stick) اور تیل وغیرہ کے بارے میں اگر یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو، کہ ان میں سور کی چربی یا مردار جانوروں کی چربی ملائی گئی ہے، مگر ملانے کے بعد اس کی حقیقت و ماہیت کو کسی کیمیاوی عمل کے ذریعہ اس طرح بدل دیا گیا، کہ وہ ایک حقیقت سے دوسری حقیقت بن گئی، تو ان کا استعمال جائز ہوگا، غیر ملکی سامان میں سور کی چربی یا مردار جانوروں کی چربی ہونے کا محض شک، اس کے استعمال کے جواز کو عدمِ جواز میں تبدیل نہیں کرسکتا، کیونکہ فقہ کا قاعدہ ہے: " **الیقین لا یزول بالشک**". "**الأصل في الأشیاء الإباحة حتی یدل الدلیل علی عدم الإباحة**"۔ (الأشباہ والنظائر لابن نجیم: ۱/ ۲۵۲)

مسئلہ (۷۷): اپنے شوہر کے سامنے شرعی حدود میں رہتے ہوئے، عورت کے لیے میک اپ کرنا جائز ہے، کیوں کہ عورت کا یہ عمل اس کے ساتھ شوہر کی محبت میں اضافہ کا باعث ہوگا، اور یہی شارع کا مقصود بھی ہے، اور قاعدہ ہے: "الأمور بمقاصدها"۔ (أحکام تجمیل النساء: ص/۲۰۱)

مسئلہ (۷۸): اونچی ایڑی کے جوتے اور چپل پہننا یوں تو جائز ہے، لیکن نہ پہننا بہتر ہے، اس لیے کہ اب یہ فاحشہ اور بدکار عورتوں کی پسندیدہ چیزوں میں شمار ہوتی ہے، اور ان سے مشابہت اختیار کرنے کو ترک کرنا اولیٰ ہے۔ (فتاوی المرأۃ المسلمۃ: ص/۵۳۱، ۵۳۲)

مسئلہ (۷۹): آج کل آنکھوں کی زینت کیلئے آئی لینس (Eye Lens) لگوائے جاتے ہیں، جو مختلف کلر کے ہوتے ہیں، اگر ان کے لگانے میں طبی اعتبار سے کوئی ضرر لاحق نہ ہوتا ہو، تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر غیروں کی تقلید میں اور کسی دوسرے کو دھوکہ دینے کی غرض سے مذکور عمل اختیار کرنا، قطعاً درست نہیں ہے، اس سے احتراز کرنا چاہیے۔
(مرقاۃ المفاتیح: ۲۲۲/۸، رقم الحدیث: ۴۳۴۷)

مسئلہ (۸۰): گھڑی اگر زیور کے طور پر ہاتھ میں نہ باندھی جائے، بلکہ وقت دیکھنے کیلئے ہو، تا کہ ہر کام کا نظام صحیح رہے اور اپنے وقت سے نہ ہٹے اور وقت ضائع نہ ہو، جیسا کہ وہ اسی مقصد کیلئے بنائی گئی ہے، تو ممنوع نہیں ہے، اب بعض لوگ بائیں اور بعض لوگ دائیں ہاتھ میں باندھتے ہیں، اگر کسی مخصوص ہاتھ میں باندھنا غیروں کا شعار نہیں ہے، تو دونوں میں سے جس میں دل چاہے باندھ سکتے ہیں، اور اگر کسی مخصوص ہاتھ میں باندھنا غیروں کا شعار ہے تو اس سے بچنا چاہیے۔ (السنن لأبی داود: ص/۵۵۹)

مسئلہ (۸۱): "راڈو" گھڑی جس میں سونے کے پرزے لگے ہوتے ہیں، اسی طرح اور کوئی گھڑی جس میں "پلاٹینم گولڈ"- جو کہ سونے سے بھی دُگنی قیمت کا دھات ہے- کا استعمال درست ہے، کیوں کہ یہ براہِ راست سونے کا استعمال نہیں ہے، بلکہ گھڑی کے تابع ہے، اس لیے جائز ہے۔ (الدر المختار مع الشامیۃ: ۵۱۱/۹)

مسئلہ (۸۲): خالص سونے یا چاندی کی بنی ہوئی گھڑی پہننا مرد کیلئے ناجائز ہے، ہاں اگر گھڑی کا اندرونی حصہ سونے یا چاندی کا ہو، اور باہری حصہ لوہے وغیرہ کا ہو، تو مرد و عورت دونوں کیلئے جائز ہے۔ (الدر مع الشامیۃ: ۵۱۶/۹)

مسئلہ (۸۳): آج کل مارکیٹ میں ایسی گھڑیاں آ گئی ہیں، جن میں جانداروں کی تصاویر بنی ہوتی ہیں، اگر وہ تصاویر واضح ہوں، تو ایسی تصاویر والی گھڑیوں کو پہن کر نماز پڑھنا اور نماز کے علاوہ عام حالات میں پہننا دونوں مکروہِ تحریمی ہے، اور اگر وہ تصویر اتنی چھوٹی ہے کہ اس کا خدوخال دیکھنے والے کو دکھائی نہ دے، تو ایسی تصویر والی گھڑیوں کے پہننے کی گنجایش ہے، تاہم بہتر یہ ہے کہ نہ پہنے۔ (فتاوی ہندیہ: ۱۰۷/۱)

مسئلہ (۸۴): مرد وعورت ہر دو کیلئے کلائی گھڑی پہننا جائز ہے۔ (صحیح البخاری:۲/۸۷۳)

مسئلہ (۸۵): حضرات فقہاء کرام ۴ رگرام ۳۷۴ رملی گرام چاندی کی انگوٹھی پہننے کو جائز اور نہ پہننے کو افضل کہتے ہیں، اور دلیل میں دُرِّ مختار کی عبارت " ترک التختم لغير السلطان والقاضي أفضل " لکھتے ہیں، تو اس پر بعض لوگوں کی طرف سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب آپ ﷺ نے انگوٹھی پہنی ہے، تو پھر وہ سنت کیسے نہیں ہوگی، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے لیے حجت آپ ﷺ کا عمل ہے، نہ کہ دُرِمختار کی عبارت، اس طرح کے لوگوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ جس علت کی بنا پر حضور ﷺ نے انگوٹھی پہنی تھی، وہ آج کل مفقود ہے، اس لیے اُسے سنت نہیں کہا جاسکتا، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کو خطوط لکھے، تو آپ سے کہا گیا کہ یہ لوگ بغیر مُہر کے کوئی خط قبول نہیں کرتے، تو آپ ﷺ نے انگوٹھی بنوائی، جس کا حلقہ یعنی رِنگ چاندی کا تھا، اور اس میں " مُحمدٌ رَسُولُ اللّٰهِ " نقش تھا، اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی عادتِ شریفہ انگوٹھی پہننے کی نہیں تھی، جب آپ کو عجمی حکمرانوں کو خطوط لکھنے کی ضرورت پیش آئی، اور آپ کو یہ بتایا گیا کہ وہ بغیر مہر کے خطوط قبول نہیں کرتے، تو مہر لگانے کی غرض سے آپ نے انگوٹھی بنوائی، آج بھی اگر کوئی حاکم یا قاضی اس غرض سے انگوٹھی پہنے، تو اس کے لیے یہ سنت ہوگا، اسی بات کو صاحبِ دُرِمختار نے ان الفاظ میں لکھا ہے:" ترک التختم لغير السلطان والقاضي أفضل ، أشار إلى أن التختم سنة لمن يحتاج إليه ، كما في الاختيار" - نیز اُن لوگوں کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ دُرِمختار میں قرآن وحدیث سے الگ کوئی فقہ پیش نہیں کی گئی، اُس کے مسائل قرآن وحدیث ہی سے مستنبط ہیں، اور وہ اُسی کی توضیح وتشریح ہیں، جیسا کہ صاحب دُرِمختار فرماتے ہیں:" ومَحطُّها أنَّ الفِقهَ هُو ثَمرةُ الحَديث ، ولَيسَ ثواب الفقيه أقلَّ من ثواب المُحدِّث " - یعنی "مقصودِ کلام یہ ہے کہ فقہ، حدیث کا ثمرہ ہے، اور فقیہ کا ثواب، محدِّث کے ثواب سے کم نہیں ہے" - اس لیے اس طرح کے اشکالات سے بچنا چاہیے۔ (فتاوی سراجیہ علی ہامش فتاوی قاضی خان:۳/۲۹)

مسئلہ (۸۶): بادشاہ، امیر، قاضی اور متولیٔ وقف کے لئے مہر لگانے کی غرض سے چاندی کی انگوٹھی، جس کا وزن ایک مثقال، یعنی ۴ رگرام ۳۷۴ رملی گرام ہو، جائز ہے، جب کہ یہ غرض اب فوت ہوچکی، اور دیگر اسٹامپ نے اس کی جگہ لے لی، اس واسطے تمام مردوں کیلئے بلا ضرورت انگوٹھی پہننا خلافِ افضل ہے، اور اگر زینت وتکبر مقصود ہو تو مکروہِ تحریمی ہے۔ (شامی:۹/ ۵۱۷-۵۲۰)

مسئلہ (۸۷): مرد کیلئے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات مثلاً سونا، لوہا، تانبا، پیتل وغیرہ کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں ہے، اسی طرح عورت کے لیے بھی سونا چاندی کے علاوہ دوسرے دھاتوں کی انگوٹھی پہننا مکروہ ہے، البتہ لوہے کی وہ انگوٹھی جس پر چاندی چڑھائی گئی ہو اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ (ہندیہ:۵/ ۳۳۵)

مسئلہ(۸۸): مرد کے لئے چاندی اور عورت کے لیے سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں ہے۔ (فتاوی قاضیخان علی ہامش الہندیۃ:۳/۴۱۳)

مسئلہ(۸۹): بعض لوگ چاندی کی انگوٹھی پہنتے ہیں اور اس میں مختلف قسم کے پتھر لگواتے ہیں، مثلاً عقیق، فیروز، یاقوت وغیرہ اور یہ اعتقاد و یقین رکھتے ہیں کہ فلاں پتھر میری زندگی پر اچھے اثرات ڈالتا ہے، زندگی پر اچھے برے اثرات انسان کے اپنے عملِ صالح یا عملِ بد سے ہیں نہ کہ پتھر سے، لہذا اس عقیدے کے ساتھ انگوٹھیوں کو پہننا ناجائز و حرام ہے۔ لیکن اگر کسی کا یہ عقیدہ نہ ہو اور وہ ان پتھروں کو اپنی انگوٹھی میں محض نگینہ کے طور پر لگالیں تو جائز ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ:۱۱/ ۲۹)

مسئلہ (۹۰): ایسا زیور پہننا جو بجتا ہو مثلاً جھانجن، پایل اور ہاتھ کے کڑے وغیرہ، شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس گھر میں گھنٹی ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے''۔ (مشکوۃ المصابیح:ص/ ۳۷۹)

مسئلہ(۹۱): عورتوں کیلئے پلاسٹک (Plastik) المونیم (Almonium) سونا یا چاندی یا اور کوئی دھات کے زیور پہننا جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کسی بد دین کی مشابہت نہ ہو۔ (جامع الترمذی:۱/۲۰۳)

مسئلہ(۹۲): عورتوں کیلئے سونے چاندی کا استعمال جائز ہے، کیوں کہ عورتوں کیلئے سونے چاندی کے استعمال میں صریح اور صحیح احادیث موجود ہیں، تاہم اگر ان زیورات کا استعمال فخر و تکبر اور زینت کی عام نمائش کا سبب بنے، اور عدمِ ادائے زکوٰۃ کا اندیشہ ہو تو اُحوط اور اُولی یہ ہے کہ ان زیورات کو استعمال نہ کرے۔ (سنن النسائی:۲/۲۴۲)

مسئلہ (۹۳): عورت کو زیور، ریا کاری و دکھلاوے کے لیے نہیں پہننا چاہیے، حدیث پاک میں ہے کہ ''جو عورت ظاہر کرنے (دکھلاوے) کے لیے زیور پہنے گی تو اس کو عذاب دیا جائیگا''۔ (التعلیق الصبیح:۴/ ۵۲۶، سنن النسائی:۲/ ۲۴۱)

مسئلہ(۹۴): آج کل ایک منکر (برائی) کو بہت زیادہ رواج دیا جا رہا ہے، اور وہ ہے صلیب (Red cross) کی علامت، استعمال کی چیزیں، خصوصاً چٹائیوں، چادروں، بستروں، مصلوں، تولیوں، پتلون، ٹی شرٹس، برتنوں، چمچوں، قومی اور ملکی جھنڈوں میں اس کی علامت کو اتنی مہارت کے ساتھ بنایا جاتا ہے کہ وہ محسوس تک نہیں ہو پاتی، اور ہم اسے استعمال کرتے رہتے ہیں، حالانکہ آپ ﷺ نے صلیب کو توڑنے کا حکم فرمایا ہے، اس لیے ان چیزوں کو خریدتے وقت ہم پر واجب ہے کہ دھیان سے دیکھیں، کہ کہیں صلیب کی علامت تو نہیں ہے۔ (بخاری:۲/۸۸۰، رقم الحدیث:۵۹۵۳)

مسئلہ(۹۵): جس سویٹر، جوتے، پینٹ، ٹی شرٹ اور ٹوپی وغیرہ پر نائک (NIKE) لکھا ہوا ہو، اور اس کے ساتھ نائک کی علامت بنی ہوئی ہو، تو حتی الامکان ایسی چیز کی خرید و فروخت سے احتراز کیا جائے، کیوں کہ نائک کا فل فارم

ہے ''نو اسلام کنگ ڈم اون ارتھ'' (No islamic kingdom on earth) یعنی زمین پر کوئی اسلامی حکومت نہیں ہونی چاہیے، **اور** ''دَ گارلیئر انٹرنیشنل ڈکشنری'' (The gorlier international dictionary) کے مطابق ''یونانیوں کی کامیابی کی دیوی'' کا نام ہے، ظاہر ہے کہ یہ ایک شرکیہ نام ہے، درحقیقت کفار و مشرکین ابتداءً غیر محسوس طریقے سے، مسلمانوں کے درمیان شرکیہ عقائد پر مشتمل اس قسم کے الفاظ وعلامت کی اشاعت کرتے رہے ہیں، جو عام فہم نہیں ہوا کرتے تھے، انہیں میں سے ایک نائک ہے، کہ بہت سی اشیاء پر یہ الفاظ وعلامات مشاہدہ میں آتی ہیں، اگر ان کی خرید وفروخت سے احتراز ناممکن ودشوار ہو جائے، تو ان کی خرید وفروخت کی گنجائش ہے، مگر ان الفاظ یا علامات کو مٹانا لازم ہوگا۔

(معارف القرآن: ۴/ ۶۶۸، الدر المنثور فی التفسیر المأثور: ۳/ ۶۳۶، ۶۳۷، تفسیر النسفی: ۲/ ۸۸)

مسئلہ (۹۶): خواتین کا مردوں کی طرح چال ڈھال اور لباس اپنانا، اسی طرح مردوں کا خواتین کے مشابہ رہن سہن اختیار کرنا، جسے دورِ حاضر میں ''ایمو کلچر'' کے نام سے نہ صرف متعارف کرایا جارہا ہے، بلکہ اسلام دشمن طاقتیں پوری منصوبہ بندی کے ساتھ اِسے فروغ دینے کے لیے سرگرم وکوشاں ہیں، جب کہ ایمو کلچر اسلامی تہذیب وثقافت کے خلاف ہے، اس لیے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح البخاری: ۲/ ۸۷۴)

مسئلہ (۹۷): جو چیزیں ہم روزمرّہ استعمال کرتے ہیں، مثلاً ٹوتھ پیسٹ، صابون وغیرہ، ان میں بہت سارے کیمیکل ہوتے ہیں، ان میں صنعتی الکحل بھی ہوتا ہے، جو پٹرولیم سے بنایا جاتا ہے، اور کھجور وانگور سے بھی بنایا جاتا ہے، جب تک شرعی تحقیق سے یہ ثابت نہ ہو کہ ان میں حرام الکحل کی آمیزش کی گئی، اور اس کی ماہیت کو کسی طریقہ سے تبدیل نہیں کیا گیا، تب تک ان کے استعمال پر حرام ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، اور ان کا استعمال درست ہے، البتہ اگر کسی کو یہ شک ہو کہ ان میں حرام چیزوں کی آمیزش کی جاتی ہے، تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ ان کے استعمال سے اپنے آپ کو بچائے۔ (جامع الترمذی: ۱/ ۲۲۹)

مسئلہ (۹۸): آج کل سینٹ (پرفیومس) اور عطر وغیرہ میں جو ''الکحل'' ملایا جاتا ہے، اگر وہ انگور یا کھجور کی شراب سے بنا ہوا ہو تو وہ ناپاک ہے، اس کا استعمال ناجائز ہے، اور اگر وہ اِن دونوں شرابوں کے علاوہ کسی اور پاک چیز کی شراب سے، مثلاً: مکئی، جوار، بیر، آلو، چاول یا پیٹرول وغیرہ سے بنا ہوا ہو تو اس کے کپڑوں پر لگانے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، اس کا استعمال جائز ہے، اگر کسی نے ایسا پرفیوم (Perfume) کپڑے پر لگا کر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز صحیح ہوگی، لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

نوٹ:- البتہ صاحبِ ''احسن الفتاویٰ'' حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب پاکستانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ آج کل ''اسپرٹ'' اور ''الکحل'' کیلئے انگور اور کھجور استعمال نہیں کی جاتی، لہٰذا شیخین رحمہما اللہ کے قول کے مطابق

پاک ہے، حضراتِ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اگرچہ فسادِ زمان کی حکمت کی بناء پر امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے، مگر آج کل ضرورتِ تداوی وعمومِ بلویٰ کی رعایت کے پیشِ نظر شیخین رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ویسے بھی اصولِ فتویٰ کے لحاظ سے قولِ شیخین رحمہما اللہ کو ترجیح ہوتی ہے، إلا لعارضٍ۔ (تکملۃ فتح الملہم:۳/۶۰۸)

طب وصحت کا بیان

مسئلہ (۱): بسا اوقات کوئی مسلم خاتون اچھی طبیبہ ہوتی ہے، وہ حلال آمدنی کے علاوہ اچھا وقت گزارنے اور مسلم خواتین کو علاج کی سہولت پہنچانے کے لیے دواخانہ قائم کرنا چاہتی ہے، تو اس کا شوہر اُسے اس سے منع کرتا ہے، اگرچہ شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عورت کو کوئی ذریعۂ معاش اختیار کرنے سے منع کرے، بالخصوص اس صورت میں جب کہ اس کی وجہ سے خود اس کے اور بچوں کے حقوق متاثر ہو رہے ہوں، لیکن اگر صورتِ حال ایسی نہ ہو تو شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کو اس کی اجازت دیدے، اور عورت شرعی پردہ کی مکمل رعایت کے ساتھ اس پیشہ کو اختیار کرے، کیوں کہ شریعت میں یہ بات مطلوب ہے کہ عورتوں کا علاج عورتیں ہی کریں، تاکہ مریض خواتین کو مردوں کے سامنے بے پردہ نہ ہونا پڑے، اور ایسا اسی وقت ممکن ہے جب کہ خواتین طبیبات موجود ہوں۔ (التنویر وشرحہ مع الشامیۃ:۹/۵۳۳)

مسئلہ (۲): انسان اپنے بدن کے کسی بھی عضو کا مالک نہیں ہے، کہ وہ اس میں آزادنہ تصرف کر سکے، اسی بنا پر اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنا کوئی عضو کسی دوسرے شخص کو قیمتاً یا بلا قیمت دے، بلکہ انسان اپنے بدن کے اعضاء کا صرف نگراں ومحافظ ہے، ہاں! اگر کسی مریض کی اضطراری صورت ایسی ہو جائے کہ اس کے دونوں گردے خراب ہو جائیں، اس کو نکال کر اس کی جگہ دوسرا لگانا ضروری ہو جائے، اور ماہر معالجوں کے نزدیک جانبری اور زندگی بچانے کے لیے اس عمل کے بغیر کوئی چارہ نہ رہے، بلکہ یہی عمل متعین ہو جائے، اور صحت وبقاء زندگی کا غالب گمان حاصل ہو، اور مریض کے رشتہ داروں میں سے کوئی اپنی رضامندی سے گردہ دینے کے لیے تیار ہو جائے، اور اس دینے کی وجہ سے معطی کی زندگی کو کسی خطرے کا اندیشہ نہ ہو، تو اس کے لیے مریض کو اپنا گردہ دینے کی گنجائش ہوگی۔ (أحکام القرآن لمفتی جمیل أحمد:۴/۱۳۱،۱۳۲)

مسئلہ (۳): کسی بھی انسان کی آنکھ کا استعمال دوسرے انسان کے لیے جائز نہیں ہے، اور نہ ہی اس کی خرید وفروخت جائز ہے، چاہے وہ آنکھ کسی زندے کی ہو یا مردے کی۔ (سنن أبي داود:ص/۴۵۷،۴۵۸)

مسئلہ (۴): کسی فوت شدہ انسان کا جگر، آنکھ، دل وغیرہ دوسرے انسان کے جسم میں نہیں لگا سکتے، انسان کے مکرم ہونے کی وجہ سے اس کے کسی عضو سے انتفاع جائز نہیں، اور اگر کوئی شخص اس طرح کی وصیت کر کے مرے تو اس کی وصیت بھی قابلِ

نفاذ نہیں، کیوں کہ نفاذِ وصیت کے لیے کسی چیز کا وصی کی ملکیت میں ہونا ضروری ہے، جب کہ انسان اپنے ان اعضاء کا مالک نہیں ہے۔ (ہدایہ:۱/۱/۴۱)

مسئلہ (۵): انسانی لاش کی چیر پھاڑ اور اس پر تجربات کرنا ناجائز وحرام ہے، اس لیے کہ اس میں آیتِ صریحہ: ﴿ولقد کرّمنا بني آدم﴾ کی صریح خلاف ورزی لازم آتی ہے، نیز انسان جس طرح قبل الموت قابلِ تعظیم وتکریم ہے، اسی طرح بعد الموت بھی وہ اس کا مستحق ہے، جب کہ چیر پھاڑ میں انسان کو برہنہ کرنا اور اس کی توہین لازم آتی ہے، جو حرام ہے، بالخصوص جب تجربات کے لیے ایسے جاندار موجود ہوں، جن کے اعضاء، اعضاء انسانی کے مشابہ ہوں، تو انسانی لاش پر ایسے تجربات کی اجازت کیوں کر دی جاسکتی ہے، فقہ کا قاعدہ ہے کہ ہر ایسا عمل جو ارتکابِ حرام کا سبب ہو اس کا ترک، واجب ہوتا ہے۔

(أوجز المسالک:۴/ ۵۸۷، ۵۸۸، مرقاۃ المفاتیح:۴/ ۷۰)

مسئلہ (۶): پوسٹ مارٹم میں میت کی بے حرمتی اور انسانیت کی توہین ہوتی ہے، لہٰذا شرعاً یہ ممنوع ہوگا، اگر قانونی طور پر پوسٹ مارٹم ضروری ہو تو بر بنائے مجبوری اس کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ (أوجز المسالک:۴/ ۵۸۷، ۵۸۸، کتاب الجنائز)

مسئلہ (۷): عارضی منعِ حمل کی تدابیر اور ادویہ کا استعمال مردوں اور عورتوں کے لیے دو صورتوں میں درست ہے:

۱- عورت بہت زیادہ کمزور ہو، اور ماہر اطباء کی رائے میں وہ حمل کی متحمل نہیں ہوسکتی، اور استقرارِ حمل سے اسے شدید ضرر لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

۲- ماہر اطباء کی رائے میں عورت کو ولادت کی صورت میں، ناقابلِ برداشت تکلیفوں اور ضرر میں مبتلا ہونے کا قوی خطرہ ہو۔

نوٹ:- ان دو صورتوں کے علاوہ عام حالات میں (بلا ضرورتِ شدیدہ) کسی مرد وعورت کے لیے، منعِ حمل کی تدابیر اختیار کرنا جائز نہیں، بلکہ ایسا کرنا قتلِ اولاد کے زمرے میں داخل ہے۔ (فقہ النوازل:۴/ ۱۸)

مسئلہ (۸): موجود بچہ کی پرورش، رضاعت، اور نشو ونما میں اگر ماں کے جلد حاملہ ہونے کی وجہ سے نقصان کا خطرہ ہے، تو ایسی صورت میں بچوں میں مناسب وقفہ قائم رکھنے کے لیے، عارضی مانعِ حمل تدابیر اختیار کرنا جائز ہے۔ (فقہ النوازل:۴/ ۱۶، وثیقۃ رقم:۲۲۰)

مسئلہ (۹): کوئی ایسا عمل جس کا مقصد نسلِ انسانی کو منقطع کرنا، یا محدود کرنا ہو، اسلام کے بنیادی تصورات کے خلاف اور ناجائز ہے۔ بطور فیشن خاندان کو مختصر کرنا جیسے آج کل یہ نعرہ دیا جارہا ہے ''ہم دو اور ہمارا ایک'' -''ہم دو ہمارے دو'' دو بچوں میں ہے خوشحالی، روز منا ؤ عید دیوالی، اور یہ بہانہ بنا کر، کہ بچوں کی کثرت مشغولیتوں کو متاثر کرنے اور سماجی دلچسپیوں میں رکاوٹ کا ذریعہ ہوا کرتی ہے، آپریشن کروانا اور ولادت کے سلسلے کو روک دینا بھی کسی حال میں جائز نہیں۔

(الجامع الصغیر فی أحادیث البشیر النذیر للسیوطی:ص/ ۲۰۲، حرف التاء، رقم الحدیث:۳۳۶۶)

مسئلہ (۱۰): بعض مرتبہ طبی اغراض کے پیش نظر عورت دورانِ حمل اَلٹرا ساؤنڈ (Ultra Sound) کرواتی ہے، جس کے ذریعہ جہاں دیگر طبی امور کی تفتیش و تشخیص مطلوب ہوتی ہے، وہیں پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہے یا لڑکی یہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے، ایسے موقع پر عورت کا یہ دریافت کرنا کہ حمل لڑکا ہے یا لڑکی؟ اسی طرح معالج کا اس استفسار کا جواب دینا، گرچہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر یہ عمل فضول ہونے کے ساتھ ساتھ بسا اوقات میاں بیوی میں اختلاف ونزاع کا سبب بن کر علیحدگی تک کے واقعات دیکھنے اور سننے میں آتے ہیں، نیز کئی ایک واقعات میں خلافِ توقع نتیجہ سامنے آنے کی بناء پر لڑکی ذہنی ٹینشن کی وجہ سے بچہ کی پیدائش کے دوران اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہے، یا پھر حمل کے ضائع ہونے کا شدید اندیشہ ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حکومتِ وقت نے بھی اس طرح کی جانچ پر پابندی لگا رکھی ہے، جس میں یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ حمل لڑکا ہے یا لڑکی؟ بہر کیف اس لایعنی حرکت سے احتراز ہی بہتر ہے۔ (فتاویٰ بنوریہ، رقم الفتویٰ: ۱۰۱۴۸)

مسئلہ (۱۱): اگر کسی شخص کو اولاد نہ ہوتی ہو، لیکن کوئی ڈاکٹر شوہر سے یہ کہے کہ تم اپنے ہاتھ سے مادۂ منویہ نکال کر دو، تمہاری اہلیہ کی بچہ دانی میں کسی آلہ کے ذریعہ منتقل کریں گے، اور اس عمل سے امید ہے کہ بچہ پیدا ہو جائیگا، تو مشت زنی کی اجازت تو نہیں ہے، البتہ بوقتِ صحبت عزل کا طریقہ اختیار کر کے منی محفوظ کی جا سکتی ہے، اولاد حاصل کرنے کا یہ طریقہ ضرورۃً جائز ہے، جب کہ شوہر خود یہ عمل کرے، مگر یہ طریقہ غیر فطری اور مکروہ ہے، اور ڈاکٹر سے ایسا عمل کرانا قطعی حرام ہے، کیوں ستر عورت فرض ہے، اور عورت کی شرمگاہ یہ ستر غلیظ ہے۔ (تحفۃ الفقہاء: ۳/۳۳۴، المبسوط للسرخسی: ۱۰/۱۵۶)

مسئلہ (۱۲): استقرارِ حمل کی غیر فطری مصنوعی صورت یعنی ٹیسٹ بے بی ٹیوب (Testbabytube) کو اپنا کر، عورت کے رحم میں اس کے شوہر کے علاوہ کسی اور شخص کے مادۂ منویہ کو داخل کرنا، اگرچہ شوہر کی اجازت ہی سے کیوں نہ ہو شرعاً حرام ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/ ۲۴۸، باب العدۃ)

مسئلہ (۱۳): حیوانات میں چونکہ نسب کا لحاظ رکھنا شرعی اعتبار سے ضروری نہیں، اور جانوروں میں اصل ماں ہوتی ہے، اور بچہ حلت وحرمت میں ماں کے تابع ہوتا ہے، اس لیے جانوروں کی افزائشِ نسل کے لیے انجکشن لگانا قبیح عمل نہیں ہے۔
(المبسوط للسرخسی: ۱۲/۲۲)

مسئلہ (۱۴): بیوی اور باندی کے علاوہ کسی اور طریقے سے جنسی خواہش کو پورا کرنا جائز نہیں ہے، یہی حکم ربڑ کی مصنوعی عورت سے جماع کرنے کا ہے، لیکن اگر کسی نیم پاگل شخص کے متعلق مسلمان حاذق ڈاکٹر نے یہ کہا ہو کہ کسی عورت کے ساتھ جماع کرنے سے ہی اُس کا علاج ہو سکتا ہے، لیکن کوئی اس سے شادی کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، اور اس کے علاوہ کوئی دوا بھی

نہ ہو، اور نہ دوا ملنے کی توقع ہو، نیز اس سے شفا کا یقین ہو، تو ایسی صورت میں تداوی بالمحرمات کے قاعدے سے علاجاً، اس نیم پاگل کے لیے ربڑ کی عورت سے جماع کرنے کی اجازت ہوگی۔ (ردالمحتار:۳/۳۳۲)

مسئلہ (۱۵): بعض دوا ساز کمپنیاں اپنی دواؤں کی فروخت اور ان کی تشہیر کے لیے ڈاکٹروں کو مخصوص مقدار میں کمیشن اور گفٹ وغیرہ دیتی ہیں، کمپنیوں کا ڈاکٹروں کو کمیشن اور گفٹ دینا اور ڈاکٹروں کا اسے لینا شرعاً جائز و درست ہے، مگر مریض کا معائنہ کرنے اور مرض کی تشخیص ہو جانے کے بعد، دوسری وہ دوا جو زیادہ کارآمد اور مفید ہو، تجویز نہ کرنا، بلکہ محض کمیشن وغیرہ کی غرض سے زیادہ کمیشن والی دوا تجویز کرنا، اس پیشہ کے ساتھ دھوکہ دہی، خیانت اور مریض کے ساتھ سراسر ظلم ہے، اور اس طرح کمیشن اور گفٹ لینا اور دینا بھی شرعاً ناجائز ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔ (صحیح مسلم:۱/۷۰)

ختنہ اور ناموں کا بیان

مسئلہ (۱): بچے کی ولادت کے بعد اس کو دیکھنے کے لیے آنا، اور اس کو کچھ رقم دینے کو ضروری سمجھنا شرعِ اسلامی میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، ہاں اگر کوئی شخص برضا ورغبت کچھ رقم یا کوئی شیٔ بطور ہدیہ دیدے تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، کیوں کہ انسان اس عمل کو عرف وعادت کی بنا پر کرتا ہے نہ کہ عبادت کے طور پر۔ (اتحاف أولی الألباب بحقوق الطفل وأحکامہ:ص/۱۰۵)

مسئلہ (۲): اسلام نے باپ پر بچے کے جن حقوق کو بیان کیا ہے، ان میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بچے کا اچھا نام رکھے، بچہ کی پیدائش کے بعد اس کا نام کب رکھا جائے اس سلسلے میں دو طرح کی روایتیں ملتی ہیں، بعض روایتوں میں پیدائش کے دن ہی نام رکھنے کا ثبوت ملتا ہے، جب کہ دیگر میں یہ ثبوت ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے پیدائش کے ساتویں روز نام رکھنے کا حکم دیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی مہتم بالشان تصنیف ''صحیح بخاری'' میں اِن دونوں طرح کی روایتوں پر ایسا باب قائم کیا ہے، جس سے دونوں طرح کی روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ جو شخص ولادت کے ساتویں روز عقیقہ کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ ساتویں دن نام رکھے، اور جو یہ ارادہ نہ رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ ولادت کے دن ہی اپنے بچے کا نام رکھ لے، شارحِ بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ''یہ بڑی عمدہ اور بہترین تطبیق ہے، جسے میں نے بخاری کے علاوہ اور کہیں نہیں دیکھا۔'' (صحیح مسلم:۲/۲۰۹)

مسئلہ (۳): بعض لوگ اپنے بچہ کا نام ''محمد'' رکھتے ہیں، تو لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں، جب کہ آنحضرت ﷺ کے اسم مبارک پر اپنے بچوں کا نام رکھنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے، اور یہ نام صحابۂ کرام سے لے کر آج تک مسلمانوں میں رائج ہے، اور احادیث مبارکہ میں اس کا جواز بلکہ فضائل منقول ہے، اس لیے اس نام پر معترض ہونا درست نہیں ہے، البتہ اس اسم

شریف کی وجہ سے مسمی کی تعظیم لازم ہے، اوراس کے ساتھ دیگر اسماء کا معاملہ نہیں کیا جائے گا، اور مسمیٰ پر لازم ہے کہ وہ اس اسم شریف کا پاس ولحاظ رکھے۔ (صحیح مسلم:۲/۲۰۶)

مسئلہ (۴): بعض لوگ اپنے بچوں کے نام فرشتوں کے نام پر رکھتے ہیں، جیسے جبرئیل، عزرائیل، میکائیل اوراسرافیل وغیرہ، جب کہ آپ ﷺ نے فرشتوں کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "سمّوا بأسماء الأنبياء ، ولا تُسمّوا بأسماء الملائكة" کہ "تم اپنے بچوں کے نام انبیاء کے نام پر رکھو، فرشتوں کے نام پر مت رکھو"، لہٰذا اس طرح کے نام رکھنے سے پرہیز کیا جائے۔ (فیض القدیر:۴/۱۱۳، رقم الحدیث:۴۷۱۷)

مسئلہ (۵): بعض لوگ کسی بچے کے مسلسل بیمار رہنے پر اس کا نام تبدیل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، یہ محض توہم پرستی ہے، کیوں کہ بیماری وصحت کا تعلق ناموں کے ساتھ نہیں بلکہ قضا وقدر سے ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اپنے بچوں کے نام انبیاء علیہم السلام صحابہ کرام اور صحابیات کے ناموں پر رکھیں، اس لیے کہ کل قیامت کے دن انہی ناموں سے پکارا جائیگا، اوراگر ایسا نام رکھا گیا جس کا معنی ومطلب درست نہیں ہے، تو اسے تبدیل کردے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک خاتون جس کا نام "عاصیہ" تھا بدل کر "جمیلہ" رکھا۔ "عاصیہ" کے معنی "نافرمانی کرنے والی" اور "جمیلہ" کے معنی ہیں "خوبصورت"۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی:۹/۵۱۶، رقم الحدیث:۱۹۳۱۳)

مسئلہ (۶): ختنہ سنتِ ابراہیمی اور شعائرِ اسلام میں سے ہے، بلوغ سے پہلے پہلے جب بھی بچہ میں تحمل کی طاقت ہو ختنہ کرادینا چاہیے، حضرت امام اعظم رحمہ اللہ سے اس کے وقت کے متعلق کوئی روایت منقول نہیں ہے، البتہ بعض فقہاء کرام نے سات سال اور بعض نے نو سال کا وقت تجویز کیا ہے، اگر کوئی شخص بالغ ہوگیا اوراس کی ختنہ نہیں کی گئی، یا کوئی عمر دراز شخص اسلام میں داخل ہوگیا، تو اگر اس میں ختنہ کرانے کی قوتِ برداشت ہو، تو ختنہ کرادینا بہتر ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی "۸۰" سال کی عمر میں اپنی ختنہ کی تھی، لیکن اگر برداشت کی قوت نہ ہو، تو اس کو اسی طرح چھوڑ دیا جائیگا، مجبور نہیں کیا جائیگا۔
(مجمع الأنہر:۴/۴۹۰، ۴۹۱)

مسئلہ (۷): بچہ اگر ماں کے پیٹ سے ہی مختون (ختنہ کیا ہوا) پیدا ہوا، اور اطباء حضرات دوبارہ ختنہ کرانے سے منع کریں، یعنی دوبارہ ختنہ کرنے کی گنجائش وضرورت باقی نہ رہے، تو ایسے مختون بچے کا ختنہ نہ کیا جائے۔ (اتحاف أولی الألباب:ص/۲۴۴)

مسئلہ (۸): ختنہ شعائرِ اسلام اوراس کے خصائص میں سے ہے، مسلم کے لیے اس کی اتنی اہمیت نہیں جتنی نومسلم کے لیے ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمان بچہ ہو تو اس کی ختنہ کا حکم ہے، لیکن جب وہ بالغ ہوجائے تو اس کی ختنہ کا حکم نہیں ہے، کیوں

کہ ختنہ سنت ہے، اور سترِ عورت فرض ہے، اور قاعدہ ہے کہ سنت کی خاطر فرض کو ترک نہیں کیا جا سکتا، بخلاف کافر کے، اگر بالغ کافر مسلمان ہو جائے تو بالاتفاق اس کی ختنہ کا حکم ہے، اس لیے کہ سترِ عورت کے مقابلے میں اس کی ختنہ زیادہ اہمیت رکھتی ہے، چوں کہ کافر بالغ ہونے کے باوجود دینِ اسلام کی مخالفت کرتا رہا، اور اب مسلمان ہو کر اس کی مخالفت کو ترک کرنا چاہتا ہے، تو پوری طرح ترکِ مخالفت اُسی وقت ہوگی جب خلافِ اسلام کوئی ظاہری علامت بھی اس میں باقی نہ رہے، نیز ختنہ اس کی صداقت اور استقامت کی دلیل اور اسلام پر ثابت قدم رہنے میں مفید و معین ہے، اس لیے اس کی ختنہ کرانی ضروری ہے، البتہ اس صورت میں ضروری ہے کہ ختنہ کا مخصوص مقام ہی کھولا جائے، اس کے علاوہ نہیں، اور ختنہ کرنے والا جہاں تک ممکن ہو نظر و ہاتھ بچا کر کام کرے، ہاں! اگر نومسلم بے حد ضعیف و کمزور ہو اور ختنہ کی تاب نہ لا سکے تو پھر ختنہ لازم نہیں۔

(مجموعۃ الفتاوی لکھنوی: ۳/ ۹۶، بحوالہ فتاوی رحیمیہ: ۱۰/ ۱۳۴)

مسئلہ (۹): ختنہ کے وقت لوگوں کو جمع کرنا غلط ہے، لیکن ختنہ سے فراغت کے بعد اگر ادائے سنت کے شکریہ کے طور پر دعوت کرے، خواہ عقیقہ کے ساتھ یا بغیر عقیقہ کے، درست ہے، البتہ اس دعوت کو ضروری تصور کرنا غلط ہے۔ (مسند احمد: ۴/ ۲۱۷، رقم الحدیث: ۱۷۴۵)

مسئلہ (۱۰): بعض علاقوں میں بچوں کی ختنہ کے موقع پر لوٹا بھر کر اناج یا اور کوئی چیز امام یا مؤذن وغیرہ کو رسماً یا جبراً ہدیہ میں دی جاتی ہے، اس طرح کے رسمی اور جبری ہدیہ کے لینے دینے سے بچنا اَحوط ہے، لیکن جہاں کہیں رسم اور جبر نہ ہو، وہاں ختنہ یا دیگر خوشی کے موقع پر ہدیہ و تحفہ لینا دینا دونوں درست ہیں، کیوں کہ ہدیہ کا لین دین محبت و مودّت کا ایک بہترین اور مؤثر ذریعہ ہے۔ (السنن الکبری للبیہقی: ۶/ ۱۶۶، رقم الحدیث: ۱۱۵۴۵)

مسئلہ (۱۱): دعوتِ ختان کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، نہ تو نصاً اس کا کہیں ذکر ہے، اور نہ ہی ضابطہ مشروعیتِ دعوت: "الدعوۃ في السرور" میں داخل ہے، پھر اس کو سنت سمجھنے میں بدعت ہونے کی قباحتِ شنیعہ، مزید تبدیع (بدعت) کے لئے عدمِ ثبوت ہی کافی تھا، اور یہاں تو قرون مشہود لہا بالخیر میں صراحت سے اس پر نکیر موجود ہے، اس لیے یہ دعوت جائز نہیں۔

(مسند أحمد: ۱۳/ ۵۴۳، رقم الحدیث: ۱۷۸۳۳)

مسئلہ (۱۲): احناف کے نزدیک عقیقہ واجب نہیں، کہ اس کے ترک پر شفاعت سے محرومی ہو۔ "سُقط" یعنی وہ ناتمام بچہ جو ساقط ہو گیا ہو، وہ بھی شفاعت کریگا، جب کہ اس کا عقیقہ نہیں کیا گیا۔ (اعلاء السنن: ۱۷/ ۱۲۶)

مسئلہ (۱۳): عقیقہ زندگی میں کیا جاتا ہے، مرنے کے بعد عقیقہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں ہے، اگر مردہ بچہ کے عقیقہ کو مستحب نہ سمجھا جائے، محض شفاعت کی امید اور مغفرت کی لالچ سے کر دیا جائے، تو گنجایش معلوم ہوتی ہے، جیسے کسی نے حج نہیں کیا اور بلا وصیت مر گیا، اور وارث نے اس کی مغفرت کی امید پر اپنے خرچ سے حج بدل کیا، تو امید ہے کہ حق تعالیٰ قبول فرمائے،

اِس صورت میں عقیقہ کا جانور مستقل ہو، احتیاطاً قربانی کے جانور میں شرکت نہ کرے۔ (اعلاء السنن: ۱۷/ ۱۳۱، فیض الباري: ۵/ ۶۴۸)

مختلف مسائل

مسئلہ (۱): بعض لوگ ہر مسئلہ اور حادثہ کا حکم قرآن وحدیث سے مانگتے ہیں، ان کا یہ مطالبہ درست نہیں، کیوں کہ قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ میں ہر پیش آنے والے مسئلہ اور حادثہ کا حکم صاف اور صریح موجود نہیں ہے، البتہ ایسی کلیات اور اصول یقیناً موجود ہیں، جن میں اجتہاد واستنباط کے ذریعہ، قیامت تک پیش آنے والے ہر مسئلہ وحادثہ کا حکم معلوم کیا جاسکتا ہے، اور یہ اجتہادی واستنباطی احکام بھی دین ہی کا حصہ ہیں، جسے ہم فقہ اسلامی سے تعبیر کرتے ہیں، حضراتِ فقہاء کرام نے کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ ﷺ اور اجماعِ امت میں انتہائی غور وفکر کرکے، اِن مسائل کا استنباط فرمایا ہے (فجزاهم الله خير الجزاء)، اور اس عملِ استنباط واجتہاد کا دلیلِ شرعی ہونا، کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

(معالم السنن للخطابي: ۴/ ۱۵۳، تحت رقم الحدیث: ۱۴۲۵)

مسئلہ (۲): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شریعت کے اوامر ونواہی میں فرض، واجب، سنت، مستحب اور حرام ومکروہِ تحریمی سے فرق کیوں کیا جاتا ہے؟......تو جواباً عرض ہے کہ دلائلِ شرعیہ کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ جس دلیل کا ثبوت اور مفہوم ومدلول قطعی ہو، اسے قطعی الثبوت والدلالۃ کہتے ہیں، جیسے قرآن کریم کی آیاتِ مفسرہ ومحکمہ اور وہ سنتِ متواترہ جن کا مفہوم قطعی ہو۔

۲۔ جس دلیل کا ثبوت تو قطعی ہے، مگر اس کا مفہوم ومدلول ظنی ہو، اسے قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ کہتے ہیں، جیسے قرآن کریم کی وہ آیات جن میں تاویل کی گئی۔

۳۔ جس دلیل کا ثبوت ظنی ہو اور مفہوم ومدلول قطعی ہو، اسے ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ کہتے ہیں، جیسے وہ اخبارِ آحاد جن کا مفہوم قطعی ہو۔

۴۔ جس دلیل کا ثبوت اور مفہوم ومدلول دونوں ظنی ہوں، اسے ظنی الثبوت وظنی الدلالۃ کہتے ہیں، جیسے وہ اخبارِ آحاد جن کا مفہوم ظنی ہو۔

دلیل کی پہلی قسم سے کسی شیٔ کی فرضیت وحرمت ثابت ہوتی ہے، دوسری اور تیسری قسم سے کسی شیٔ کا وجوب یا کراہتِ تحریمی ثابت ہوتی ہے، اور چوتھی قسم سے کسی شیٔ کی سنیت اور استحباب ثابت ہوتا ہے، اس لیے یہ فرق کیا جاتا ہے۔ (رد المحتار: ۹/ ۴۸۷)

مسئلہ (۳): بعض لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ مسئلہ پیش کرنے کے بعد، اُس مسئلے کی دلیل بیان کرنے کے لیے ''الحجة

علی ما قلنا " کہنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ "علیٰ" ضرر کے لیے آتا ہے، اور کسی کے خلاف دلیل پیش کرنے کے معنی میں "حجۃ" "علیٰ" صلہ کے ساتھ آتا ہے؟ اُن کا یہ اشکال اُس وقت درست ہوتا جب کہ "علیٰ" یہاں "حجۃ" کا صلہ ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ "علیٰ" یہاں " موجودةٌ " شبہ فعل (جو کہ "علیٰ" حرفِ جار سے پہلے مقدر ہے) کا صلہ ہے، اور " علیٰ ما قلنا " جار مجرور " موجودة " شبہ فعل سے متعلق ہوکر "الحجة" کی خبر واقع ہو رہی ہے، اور "الحجة" دلیل اور برہان کے معنی میں ہے، جو کہ اسم ہے، اور قاعدہ ہے کہ کبھی خبر بظاہر جار مجرور اور ظرف کے شکل میں ہوا کرتی ہے، مگر وہ کسی فعل یا شبہ فعل کے متعلق ہوکر ہی خبر بنتی ہے، نہ کہ اسم سے، لہٰذا اُن کا یہ اشکال درست نہیں۔ نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کلامِ عرب میں اکثر و بیشتر الفاظ کئی معانی کے لیے مستعمل ہوتے ہیں، اس طور پر کہ اُن کا ایک حقیقی معنی ہوتا ہے اور ایک مجازی، اسی طرح کلامِ عرب میں حروف بھی اپنا ایک حقیقی معنی رکھتے ہیں اور ایک مجازی، اسی طرح "علیٰ" بھی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً:

۱- **استعلاء** : بلندی کے معنی کو ظاہر کرنے کے لیے، جیسے " وعلی الفلک تحملون " .

نوٹ-: "علیٰ" استعلاء کے لیے آتا ہے، خواہ یہ استعلاء حقیقی ہو، جیسے " زیدٌ علی السطح " (زید چھت پر ہے)، یا استعلاء مجازی جیسے " علیه دَینٌ " (اس پر قرض ہے)۔

۲- **سببیت وتعلیل** : سبب وعلت ظاہر کرنے کے لیے جیسے " ولتُکبِّروا الله علی ما هداکم " (لما هداکم)

۳- **ظرفیت**: فی کے معنی میں جیسے " ودخل المدینة علی حین غفلة من أهلها " (في حين)

نوٹ-: صاحبِ کافیہ رحمہ اللہ کے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ شے جس میں استقرار اور استعلاء دونوں کے معنی بن سکتے ہوں، وہاں دونوں (علیٰ، فی) حرفوں میں سے جس کو لایا جائے درست ہے، جیسے " جلستُ علی الأرض ، جلستُ في الأرض "۔

۴- **مصاحبت** : مع کے معنی میں، جیسے " وآتی المال علی حبه " (مع حبه)

۵- **بمعنی مِن**: جیسے " الذین إذا اکتالوا علی الناس یستوفون " (اکتالوا منهم)

۶- **بمعنی با** : جیسے " حقیق علیٰ أن لا أقول علی الله إلا الحق" (حقیق بي)

۷- **لزوم**: لزوم کے لیے جیسے " کُتبَ علیکم الصیامُ " .

الغرض! کلامِ عرب کا دائرہ بہت وسیع ہے، جس کا احاطہ خود اہلِ عرب بھی آج تک نہیں کر سکے۔ (کافیہ ابن حاجب: ص/۲۰)

مسئلہ (۴): بعض لوگ آپ ﷺ کے ارشاد: "النفقة کلها في سبیل الله إلا البناء فلا خیر فیه " (پورا کا پورا

نفقہ اللہ کی راہ میں ہے، سوائے تعمیر کے، کہ اس میں خیر نہیں) سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہر تعمیر میں لگنے والا روپیہ خیر سے خالی ہے، جب کہ آپ ﷺ کے فرمان کی مراد یہ نہیں ہے، صحیح مراد یہ ہے کہ جو تعمیر محض دکھلاوا، تفاخر اور ضرورت سے زائد ہوگی، اس پر آنے والے اخراجات اِسراف میں داخل ہونے کی وجہ سے خیر سے خالی ہے، لہٰذا انسان اپنی ضرورت کے لیے جو بھی تعمیر کرے گا، خواہ وہ ضرورت ذاتی استعمال کی ہو، یا تجارتی، جیسا کہ آج کل تعمیرات نے مستقل پیشہ کی حیثیت اختیار کرلی، کہ تعمیراتی کمپنیاں، رہائشی کالونیاں، شاپنگ سینٹرس وغیرہ بنا کر فروخت کرتی ہیں، تو وہ اس حدیث کی وعید میں داخل نہیں ہے۔ (مشکوۃ:ص/۴۴۱،۴۴۲)

مسئلہ (۵): بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ جب ایک جنتی مرد کو ستر ستر (۷۰،۷۰) حوریں ملیں گی، تو جنتی عورت کو کیا ملے گا؟ جواباً عرض ہے کہ جنتی عورتوں کو ان کے شوہر ملیں گے، جنہیں جنتی قوت اور حسن وغیرہ صفات عطا کی جائیں گی، اگر کسی عورت نے دنیا میں شادی نہ کی ہو، تو اس کو اختیار دیا جائے گا کہ جس مرد سے چاہے نکاح کرلے، اور اگر وہ کسی کو پسند نہ کرے تو حق تعالیٰ حورِعین میں سے ایک مرد پیدا کرکے اس کے ساتھ اس کا نکاح کردیں گے، اور جس عورت کے کئی نکاح یکے بعد دیگرے ہوئے تو اس سلسلے میں دو قول ہیں: (۱) آخری خاوند سے اس کا نکاح ہوگا، (۲) اسے اختیار دیا جائے گا کہ جس خاوند سے چاہے نکاح کرلے۔ (فتاویٰ عبدالحی عن الغرائب:ص/۴۸۲، رقم الفتویٰ:۷۶۵،۷۶۶)

مسئلہ (۶): بعض لوگ انگریزی، مراٹھی اور ہندی زبانوں کو غیر اسلامی زبانیں قرار دے کر، اپنے بچوں کو ان کے سیکھنے سے منع کرتے ہیں، اُن کا یہ عمل درست نہیں ہے، کیوں کہ کوئی زبان فی نفسہٖ ناجائز اور غیر اسلامی نہیں ہے، بلکہ الگ الگ زبانیں یا لب ولہجہ یہ قدرت کی عظیم نشانیوں میں سے ہے، نیز کسی زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، بلکہ کسی مذہب کی کوئی زبان ہوتی ہے، اور محض اس وجہ سے کہ وہ کسی مذہب کی زبان ہے، اُسے غیر اسلامی اور غیر شرعی نہیں کہا جاسکتا، لیکن عام طور پر چونکہ مذکورہ زبانوں کی تعلیم بے دینی کے ماحول میں دی جاتی ہے، اس لیے علماء کرام اِس سے احتراز کی بات لکھتے ہیں، مگر جب ان زبانوں کی تعلیم اسلامی ماحول میں دی جائے، تو ان کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، اور ان زبانوں کا سیکھنا نہ صرف مستحب بلکہ جب اِن سے مصلحتِ عامہ وابستہ ہوجائے تو فرضِ کفایہ ہے، جس کی طرف ہم مسلمانوں کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ (سورۃ الروم:۲۲)

مسئلہ (۷): بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وراثت میں بالغ اور نابالغ رشتہ داروں میں فرق ہے، یعنی بالغ کو زیادہ اور نابالغ کو کم حصہ ملے گا، جب کہ ان کا یہ خیال درست نہیں ہے، کیوں اسلام میں وراثت کی بنیاد رشتہ داری پر ہے، جو جتنا قریبی رشتہ دار ہوگا، وراثت میں اسے اتنا ہی زیادہ حصہ ملے گا، اس میں بالغ اور نابالغ کے درمیان کوئی تفریق نہیں رکھی گئی ہے، جن صورتوں میں ایک بڑا بھائی وراثت کا مستحق ہوگا، ان صورتوں میں اس کا چھوٹا اور نابالغ بھائی بھی اتنی ہی مقدار میں وراثت کا

حقدار ہوگا، محض کم سنی اور بچپن کی وجہ سے نہ ہی اسے میراث سے محروم رکھا جاسکتا ہے، اور نہ ہی اس کے حصۂ میراث میں کچھ کمی کی جاسکتی ہے۔ (فتاوی ہندیہ:۶/ ۴۴۷)

مسئلہ (۸): کبھی گھروں میں چوہے بہت زیادہ ہوجاتے ہیں، اور گھروں میں موجود غلہ جات اور دیگر اسباب وسامان کو کافی نقصان پہنچاتے ہیں، تو ایسی صورت میں ان کو زہر دے کر مارنا، یا ویسے ہی مار دینا، دونوں صورتیں درست ہیں۔
(ترتیب اللآلی فی سلک الأمالی: ص/ ۸۰۱)

مسئلہ (۹): آج کل مچھر اور حشرات یعنی کیڑے مکوڑے مارنے کیلئے لوگ بجلی کے کرنٹ والی مشین استعمال کرتے ہیں، اگر مچھروں اور دیگر حشرات کو پکڑ کر اس مشین میں نہ ڈالا جاتا ہو، بلکہ مشین لگادی جاتی ہو اور مذکورہ چیزیں خود بخود اس کی زد میں آکر مرجاتی ہوں، تو اس میں حرج نہیں، ورنہ مکروہ ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: ص/ ۳۰۷)

مسئلہ (۱۰): آج کل مواشی رکھنے والوں نے بھینس کا دودھ نکالنے کی ایک تدبیر یہ نکالی ہے کہ جو بھینس دودھ نہ دے، اور دو چار گھنٹے اس کے نیچے بیٹھے رہیں، لیکن وہ لات مارتی ہے، تو میڈیکل اسٹور سے ایک دوا کی چھوٹی شیشی خرید کر سرنج میں بھر کر بھینس کو لگاتے ہیں، جس سے بھینس اپنا پورا دودھ تھنوں میں اتار لیتی ہے، جس سے آسانی سے دودھ نکالا جاتا ہے، دودھ نکالنے کی یہ صورت شرعاً جائز ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو انسان کے نفع کے لیے پیدا فرمایا، اس لیے اس سے انتفاع میں ان کو کچھ تکلیف بھی ہو، تو کوئی حرج نہیں، اسی لیے گوشت کی بہتری کی غرض سے حیوان کا خصی کرنا بالاتفاق جائز ہے، آپ ﷺ نے خصی دنبوں کی قربانی کی ہے، جب کہ خصی کرنے کی تکلیف انجکشن لگانے سے بہت زیادہ ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۸/ ۱۴)

مسئلہ (۱۱): جب کسی دودھ دینے والی بھینس یا گائے کا بچہ مرجاتا ہے، اور وہ دودھ دینے میں پریشان کرنے لگتی ہے، تو اس کا دودھ نکالنے کے لیے یہ ترکیب اپنائی جاتی ہے کہ کسی چیز سے بچہ کی صورت بنا کر اس بھینس یا گائے کے سامنے رکھ دی جاتی ہے، جسے وہ اپنا بچہ سمجھ کر دودھ اُتار لیتی ہے، اور دودھ نکالنا آسان ہوجاتا ہے، یہ ترکیب شرعاً درست ہے، جب کہ اس کے سامنے رکھے جانے والے مصنوعی بچہ کا چہرہ اور آنکھیں پوری طرح ظاہر نہ ہوں، بلکہ ایسے ہی ایک شکل بنادی گئی ہو۔
(الموسوعۃ الفقہیۃ: ۱۲/ ۱۱۷)

مسئلہ (۱۲): آج کل سفارشوں اور اپنے اثر ورسوخ کے استعمال کا دور دورہ ہے، یہ بھی نہیں دیکھا جاتا کہ سفارش جائز حق کے لیے ہے یا ناجائز؟ اور جس کے لیے کسی چیز کی سفارش کی جارہی ہے وہ اُس کا اہل وحقدار ہے بھی یا نہیں؟ حالانکہ شریعتِ اسلامیہ میں کسی کی سفارش کے لیے یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ:

۱- سفارش جائز حق کے لیے ہو، ناجائز حق کے لیے نہیں۔

۲- طالبِ سفارش اپنے مطالبہ کو بوجہ کمزوری خود بڑے لوگوں تک نہ پہنچا سکتا ہو۔

۳- سفارش کرنے والا اپنی سفارش کے قبول کرنے پر اُس بڑے شخص کو مجبور نہ کرے، جس سے وہ سفارش کر رہا ہے۔

اگر اس ضابطہ کے تحت کسی کی سفارش کی جاتی ہے، تو یہ شفاعتِ حسنہ ہے، ایسی سفارش پر ثواب ملے گا، ورنہ یہ سفارش، شفاعتِ سیئہ میں داخل ہوگی، اور سفارش کرنے والا گنہگار ہو کر مستحقِ عذاب ہوگا، اس لیے کسی بھی شخص کی سفارش کرتے وقت اس ضابطۂ شرعیہ کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ (فتح الباري:۳/ ۲۹۹، صحیح مسلم:۴/ ۲۰۲۶)

مسئلہ (۱۳): بعض طلباء کی طرف سے یہ سوال ہوتا ہے کہ- استاذ اپنے نام کے آگے ''غُفِر لہٗ'' یا ''عُفِی عنہٗ'' لکھتا ہے، تو کیا ہم بھی اپنے نام کے آگے اس طرح لکھ سکتے ہیں؟ اور اس کا کیا مطلب ہے؟ تو جواباً عرض ہے کہ- آپ بھی اپنے نام کے آگے ''غفرلہٗ'' یا ''عفی عنہٗ'' لکھ سکتے ہیں، کیوں کہ یہ دعائیہ کلمہ ہے، جس کے معنی ہیں ''اس کی مغفرت کی جائے'' یا ''اللہ اس کی بخشش کرے، اُسے معاف کیا جائے''۔ (اتحاف السادۃ للمتقین بشرح إحیاء علوم الدین:۵/ ۲۷، ۲۸، مدارج السالکین:۱/ ۱۷۵)

مسئلہ (۱۴): آپ ﷺ نے وضو کرتے وقت پانی کو احتیاط کے ساتھ خرچ کرنے کی اس قدر تاکید فرمائی کہ ایک حدیث میں آپ نے یہاں تک فرمایا: ''پانی کو فضول خرچ کرنے سے بچو، خواہ تم کسی بہتے ہوئے دریا کے پاس کھڑے ہو۔'' **ظاہر** ہے جو شخص کسی بہتے ہوئے دریا سے وضو کر رہا ہو، اُسے پانی کی کمی کا کوئی اندیشہ نہیں ہوسکتا، لیکن آپ ﷺ نے اُسے بھی پانی احتیاط کے ساتھ استعمال کرنے کی تاکید فرمائی، آپ ﷺ کا یہ ارشاد بابِ وضو میں گرچہ خاص ہے، مگر ہر چیز کے استعمال میں احتیاط برتی جائے، اس بابت عام ہے، کیوں کہ فقہ کا قاعدہ ہے: '' **العبرة لعموم الألفاظ لا لخصوص السبب** '' اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے، نہ کہ خصوصِ سبب کا۔ **ہم** طلباء مدارسِ دینیہ، نبی آخر الزماں ﷺ کے وارث ہیں، زمانۂ طالبِ علمی ہی سے ہمارے مزاج میں احتیاطی پہلو غالب رہنا چاہیے، اہلِ مدارس کی طرف سے پانی، روشنی، کھانے پینے کی چیزیں اور لکھنے پڑھنے کے آلات وغیرہ کی جو سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں، اُن کا استعمال احتیاط کے ساتھ بقدرِ ضرورت ہی ہونا چاہیے، قیام گاہوں، درسگاہوں میں بلب جلائیں، پنکھے چلائیں تو ضرورت پوری ہونے پر انہیں بند کردیں، وضو اور غسل سے فراغت پر نلوں کو اچھی طرح بند کردیں، کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ احترام برتیں، نہ یہ کہ جس قدر چائے پینی تھی پی لی، بقیہ وہی انڈیل دی، جس قدر کھانا، کھانا تھا کھالیا، بقیہ یوں ہی چھوڑ دیا، **اگر** ہم نے اپنی یہ عادت نہ بدلی، فضول خرچی کو چھوڑ کر احتیاط کو نہیں اپنایا، تو یہ بات ہمارے لئے بڑی نقصان دہ ثابت ہوگی، حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ''جب کسی قوم کا مزاج یہ بن

جائے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو بے دریغ، بلاضرورت استعمال کریں، تو ایسی قوم کے لیے بہتے دریا بھی ناکافی ہو سکتے ہیں''۔ **امید** کہ طلباء عزیز اس جانب خاص توجہ فرمائیں گے۔ (سنن ابن ماجہ:۱/۲۷۲)

مسئلہ (۱۵): شرعی باندیاں وہ ہیں جو جہاد میں گرفتار کرکے مالِ غنیمت میں شامل کرلی گئی ہوں، اور امیر یعنی خلیفۃ المسلمین یا اس کے نائب نے ان کو دارالحرب سے اپنے اسلامی علاقہ - دارالاسلام - میں لاکر قاعدۂ شریعت کے مطابق تقسیم کیا ہو، دارالاسلام میں لانے اور امیر کی تقسیم سے پہلے باندی کسی کے لیے حلال نہیں، حتی کہ امام المسلمین یا امیرِ لشکر نے اعلان کردیا ہو کہ جس کے قبضہ میں جو باندی آئے وہ اس کی ہے، تب بھی دارالاسلام میں لائے بغیر قبضہ کرنے والے غازی یا مجاہد کے لیے وہ حلال نہیں، آج نہ تو کوئی مُلک حقیقی معنی میں دارالاسلام ہے، اور نہ ہی خلیفۃ المسلمین کا کہیں وجود، نیز انجمن اقوامِ متحدہ میں شامل تمام ممالک نے آپس میں یہ معاہدہ کر رکھا ہے کہ کوئی حکومت کسی انسان مرد یا عورت کو غلام یا باندی بنانے کی اجازت نہیں، اس لیے موجودہ زمانہ میں غلام باندیوں کا وجود دنیا میں کہیں بھی نہیں ہے، آج کل گھروں یا کارخانوں میں جو ملازم اور نوکر رکھے جاتے ہیں، اُن کا حکم غلام باندیوں جیسا نہیں ہے، بلکہ یہ سب لوگ آزاد ہیں، ان کے اپنے الگ حقوق ہیں، جن کی پاسداری ضروری ہے، اسی طرح غریب علاقوں سے جو عورتیں خرید کر لائی جاتی ہیں، یا کہیں سے اِغوا کرکے اُن کی خرید وفروخت کی جاتی ہے، شرعاً یہ عمل حرام ہے، نیز جو خواتین بوجہ مجبوری وغربت کے دوسروں کے گھر میں جاکر اجرت پر کام کرتی ہیں، اُن کے ساتھ باندیوں جیسا سلوک کرنا، بغیر نکاح کے ان کے ساتھ جسمانی تعلق قائم کرنا، یہ بھی ناجائز وحرام ہے، جس سے اجتناب لازم ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ:۲۳/۱۲)

مسئلہ (۱۶): بیماری وصحت، مصیبت وراحت، انسانی زندگی کا لازمہ ہے، مگر بسا اوقات انسان مسلسل بیماریوں اور بلاؤں میں گھر جاتا ہے، یا کسی ایسے مہلک مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے، جس سے بظاہر افاقہ کی امید نظر نہیں آتی، اور وہ انتہائی درد وتکلیف کے عالَم میں اپنی زندگی کے شب وروز گزارتا ہے، کبھی اِس درد وتکلیف کی وجہ سے کراہتا ہے، تو کبھی چیختا چلاتا ہے، اور کبھی دھاڑیں مار مار کر روتا ہے، اور عاجز آکر اپنے لیے موت کی دعائیں مانگنے لگتا ہے: یا اللہ! مجھے اُٹھالے، مجھے موت دیدے، وغیرہ۔ **اور** کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اُس کے عزیز وقریب اُس کی اِس تکلیف کو دیکھ کر بہ جذبۂ رحم کہتے ہیں: ''اب اللہ میاں نے اُسے اُٹھالینا چاہیے، ہم سے اُس کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی، وغیرہ۔ جب کہ مصیبت ومرض میں گرفتار انسان کا خود اپنے لیے موت کی دعا مانگنا، یا اُس کے عزیزوں کا اُس کے لیے موت کی تمنا کرنا، دونوں باتیں شرعاً جائز نہیں ہیں، کیوں کہ بیماری اور مصیبت بھی تقدیر کا حصہ ہے، اور اس پر صبر کرنا، صبر کی قسموں میں داخل ہے، جس کے بدلہ اُسے اللہ پاک کی خوشنودی، اُس کی نیکیوں میں اضافہ اور آخرت میں درجات کی بلندی ملا کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا اُس

مصیبت کی وجہ سے نہ کرے، جو اُسے پہنچی ہے، اور اگر ایسا کرنا ضروری ہی سمجھے تو یہ کہے کہ:- اے اللہ! جب تک میرا زندہ رہنا میرے لیے بہتر ہے، اُس وقت تک مجھے زندہ رکھ، اور مرجانا میرے لیے بہتر ہے تو مجھے موت دیدے۔

(صحیح البخاری: ص/۱۰۳۴، رقم الحدیث: ۵۶۷۱)

مسئلہ (۱۷): شریعتِ اسلامی میں جان کی بڑی اہمیت ہے، اور جہاں تک ممکن ہو اُس کی حفاظت خود اُس شخص کا اور دوسروں کا فریضہ ہے، اِس لیے:

۱- کسی مریض کو شدید تکلیف سے بچانے، یا اُس کے متعلقین کو علاج اور تیمارداری کی زحمت سے نجات دلانے کے لیے جان بوجھ کر ایسی تدبیر اختیار کرنا کہ جس سے اُس کی موت واقع ہو جائے، شرعاً حرام ہے، اور یہ قتلِ نفس کے حکم میں ہے۔

۲- ایسے مریض کو مہلک دوا نہ دی جائے، مگر قدرت کے باوجود اُس کا علاج ترک کر دیا جائے، تاکہ جلد سے جلد اُس کی موت واقع ہو جائے، شرعاً یہ بھی جائز نہیں ہے۔ (روح المعانی: ۲/ ۱۱۸، البحر المحیط: ۲/ ۱۱۹، ۱۲۰)

مسئلہ (۱۸): کسی بھی فن میں پوری مہارت کے بغیر اس فن سے متعلق اظہارِ رائے معیوب وناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے، مگر علم دین حاصل کیے بغیر دینی مسائل میں دخل دینے کو ناپسندیدہ نہیں سمجھا جاتا، اور کسی دلیلِ شرعی کے بغیر اتنا کہنے کو کافی سمجھا جاتا ہے کہ-''ہمارا یہ خیال ہے''- گویا دین انتہائی معمولی چیز ہے، اور اس میں ہر کس وناکس کو بدونِ دلیلِ شرعی دخل دینے کی اجازت ہے، معاشرہ میں یہ رُجحان بڑھتا ہی جارہا ہے، جو انتہائی معصیت اور بری بات ہے، آپ ﷺ نے اس کی پیش گوئی اِن الفاظ میں فرمائی تھی، کہ میری امت میں ۷۲ فرقے ہوں گے، میری امت کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہوگا کہ لوگ احکام ومسائل میں شرعی دلیل کے بغیر اپنی رائے سے قیاس کریں گے، حرام کو حلال اور حلال کو حرام کریں گے، بنی اسرائیل کا معاملہ درست رہا یہاں تک کہ ان میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے شرعی دلیل کے بغیر رائے سے فیصلے کیے، خود گمراہ ہوئے، دوسروں کو گمراہ کیا، اِس لیے بغیر علم دین حاصل کیے، اور بغیر دلیلِ شرعی کے احکام ومسائل میں دخل دینے سے پرہیز کرنا انتہائی ضروری ہے۔

(معجم کبیر للطبرانی: ۱۲/ ۴۱۵، رقم الحدیث: ۱۴۵۱۷، مسند البزار: ۶/ ۴۰۲، رقم الحدیث: ۲۴۲۴، بوادر النوادر: ص/ ۶۷۴)

مسئلہ (۱۹): حقیقت میں سید وہ ہے جو باپ کی طرف سے نسبت کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ کی اولاد میں ہو، جب کہ بعض لوگ ماں کی طرف سے نبی کریم ﷺ کی اولاد میں سے ہوتے ہیں، اور اپنے آپ کو سید لکھنا شروع کر دیتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ بلاتحقیق اپنے نام کے ساتھ سید لکھنا شروع کر دیتے ہیں، یہ ایک قسم کا جھوٹ ہے، جو شرعاً ممنوع ہے، البتہ تحقیق کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ خاندان میں یہ بات مشہور چلی آتی ہے کہ یہ سادات کے خاندان میں ہیں، تو پھر سید لکھنے میں کوئی

مضائقہ نہیں، لیکن اگر سید ہونا معلوم نہیں ہے، اور نہ اس کی دلیل موجود ہے، تو اس میں بھی جھوٹ بولنے کا گناہ ہے، جس سے بچنا ضروری ہے۔ (صحيح البخاري: ۱/ ۱۰، رقم الحديث: ۳۳)

مسئلہ (۲۰): قرآن کریم یاد کرنا بڑی سعادت مندی کی بات ہے، احادیثِ مبارکہ میں اس پر بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں، البتہ قرآن کریم یاد کرنے کے بعد بھلا دینے پر بھی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اس لیے اگر کوئی لڑکی قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد پڑھنے اور یاد رکھنے کا اہتمام کرسکتی ہو، تو وہ بلا شبہ حفظ کرسکتی ہے، مگر لڑکیاں عام طور پر گھریلو مصروفیت اور شرعی معذوری کی وجہ سے بھول جاتی ہیں، اس لیے انہیں چاہیے کہ بجائے پورا قرآن کریم حفظ یاد کرنے کے چند مخصوص سورتیں یاد کرلیں، یہ ان کے لیے زیادہ بہتر ہے، اور ان سورتوں کا یاد رکھنا بھی اتنا مشکل نہ ہوگا، جتنا پورے قرآن کریم کو یاد رکھنا۔
(صحيح البخاري: ۲/ ۷۵۲، رقم الحديث: ۵۰۲۷)

دوستی و دشمنی

مسئلہ (۲۱): اللہ تعالی نے انسان کو یہ صلاحیت بخشی کہ انسانوں کے ساتھ سچے رشتے قائم کرے اور وہ رشتے جو خون کے نہیں ہوتے ان میں دوستی کا رشتہ سب سے پاکیزہ، مضبوط اور خوبصورت ہوتا ہے۔ **اچھے** لوگوں کی دوستی نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی مفید ہوتی ہے اور بروں کی دوستی نہ صرف دنیا میں مضر بلکہ آخرت میں بھی باعثِ حسرت وندامت ہوگی، آدمی قدرتی طور پر اپنے ہم نشین کی عادت واخلاق کو اور اعمال سے متاثر ہوتا ہے، اس لیے اللہ رب العزت اور رسول اللہ ﷺ نے اچھے دوستوں کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ (صفوة التفاسير: ۱/ ۵۲۸)

مسئلہ (۲۲): دوستی یا دشمنی کے حقدار ہونے کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وہ لوگ جو ایسی خالص محبت اور دوستی کے حقدار ہیں کہ جن میں عداوت ونفرت کا کوئی حصہ شامل نہ ہو۔

(۲) وہ لوگ جو ایسی عداوت وبغض کے حقدار ہیں جن میں دوستی ومحبت کا کوئی عنصر شامل نہ ہو۔

(۳) وہ لوگ جو بعض وجوہات کی بناء پر محبت کئے جانے اور بعض وجوہات کے اعتبار سے نفرت وعداوت کے حقدار ہیں۔

پہلی قسم میں خالص مؤمنین جن میں سرِ فہرست حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام پھر صدیقین پھر شہداء اور صالحین داخل ہیں۔ **دوسری قسم** میں کفار، مشرکین، منافقین اور ملحدین داخل ہیں۔ **تیسری قسم** میں وہ مؤمنین داخل ہیں جن میں کچھ نافرمانیاں پائی جاتی ہیں لیکن عقیدہ صحیح ہے، یہ لوگ دولتِ ایمان کی وجہ سے محبت کئے جانے اور بعض نافرمانیوں کی وجہ سے ناراضگی کے مستحق ہیں۔ (بذل المجهود: ۱۳/ ۲۵۴)

مسئلہ (۲۳): جب کوئی شخص کسی سے محبت کرے تو اسے چاہئے کہ دھیرے دھیرے محبت کرے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کا یہ دوست کسی دن اس کا دشمن بن جائے، اسی طرح جب کسی کے ساتھ دشمنی کرے تو دشمنی بھی دھیرے دھیرے کرے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کا یہ دشمن کسی دن اس کا محبوب اور دوست بن جائے، یعنی دوستی ومحبت، دشمنی ونفرت ہر دو میں اعتدال رکھے، کیونکہ اللہ رب العزت نے ہر معاملہ میں اعتدال کا حکم دیا ہے۔ (تحفۃ الأحوذی:۶/۱۲۴)

مسئلہ (۲۴): شریعت اسلامیہ میں اللہ ہی کیلئے محبت اور اللہ ہی کیلئے دشمنی کو سب سے افضل عمل قرار دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں جہاں بھی مطلق محبت اور دشمنی کو بیان کیا گیا ہے اس سے مراد اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے دشمنی ہوتی ہے، اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے دشمنی کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص سے اس کے تقویٰ وطہارت، اطاعت اور اعمالِ صالحہ میں اشتغال کی وجہ سے محبت کی جائے، اور اس کے گناہوں میں اشتغالِ کبائر کے ارتکاب، صغائر پر اصرار اور طاعتِ خداوندی سے اعراض وانحراف کی وجہ سے نفرت کی جائے، اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے ناجائز طریقہ پر کسی سے محبت کرنا یا اپنے ہوسِ نفس کے لیے کسی سے دشمنی کرنا شریعتِ اسلامیہ کی روح کے بالکل منافی ہے، کیوں کہ اسلام اس طریقہ کی محبت ودشمنی کو سختی کے ساتھ منع کرتا ہے اور اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ (فتح الباری:۱/۸۴)

مسئلہ (۲۵): کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان سے تعلق ختم کردے، لیکن اگر کسی سے تعلق رکھنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس سے میل جول نہ رکھے، مگر سلام کرنا نہ چھوڑے خواہ وہ سلام کا جواب نہ دیتا ہو، البتہ اگر وہ شخص یہ کہہ دے کہ آپ کے سلام کرنے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے تو اس صورت میں سلام نہ کرے، کیونکہ سلام کرنا سنت ہے اور مسلمان کو تکلیف پہنچانا حرام ہے اور فقہ کا قاعدہ ہے کہ ''جس سنت سے حرام کا ارتکاب لازم آتا ہو وہ واجب الترک ہے''۔ (سنن أبی داود:ص/۶۷۳)

مسئلہ (۲۶): کسی دنیوی امر مثلاً آپسی رنجش، خاندانی جھگڑا وفساد وغیرہ کی بنا پر کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلم بھائی سے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق کرے، لیکن اگر یہ ترکِ تعلق کسی دینی امر کی وجہ سے ہو، جیسے اہلِ بدعت واہلِ ہویٰ سے، اُن کے مرتکبینِ بدعت ومتبعینِ ہویٰ ہونے کی وجہ سے ترکِ تعلق ہو، تو یہ تین دن سے زائد بھی درست ہے۔
(التعلیق الصبیح:۵/۲۶۷)

مسئلہ (۲۷): اگر کوئی شخص کسی کی غیبت کرے، تو جس کی غیبت کی گئی، جب تک اُسے اپنی غیبت کا علم نہ ہو، یہ غیبت حقوق اللہ میں داخل ہے، جس کے لیے صرف توبہ واستغفار کافی ہوتا ہے، اور اگر اس شخص کو اپنی غیبت کا پتہ چل جائے، تو پھر یہ غیبت حقوق العباد میں داخل ہے، لہٰذا اُس سے معافی مانگنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ بنوریہ، رقم الفتویٰ:۱۳۰۱۲)

غیر مسلموں سے متعلق

مسئلہ (۲۸): آج کل اسلام کے خلاف ایک عجیب وغریب سازش زور پکڑتی جارہی ہے، اور وہ ہے تہذیبی وثقافتی انضمام اور وحدتِ ادیان کا تصور، جب دشمنانِ اسلام کی- اسلام کے مخالف تمام تدابیر ناکام ہوئیں، تو انہوں نے مایوس ہوکر یہ گھناؤنی سازش اپنائی اور نعرہ لگایا کہ تمام مذاہب کا معبود ایک ہی ہے، صرف نام کا فرق ہے وغیرہ وغیرہ، قرآن وحدیث کی رو سے یہ تصور باطل اور عملی طور پر غیر مفید ہے، بلکہ ایمان وعقیدہ کے لیے انتہائی مضر ہے، اس سے اسلامی تشخص باقی نہیں رہتا، حالانکہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اسلام حق ہے، اور اس کے مقابل سب ادیان باطل ہیں، اسی لئے قرآن نے اعلان کردیا: ﴿ومن يبتغ غير الإسلام ديناً فلن يقبل منه﴾. ''اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا۔'' (البقرة:۸۵) اور ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿إن الدين عند الله الإسلام﴾. ''یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔'' (آل عمران:۱۹)...... یہ دونوں آیتیں اور ان جیسی اور بھی دیگر آیات اس پر شاہد ہیں، لہذا مسلمانوں کو اس معاملہ میں کشادہ دلی جتلانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، اللہ ہم سب کو تا دمِ اخیر دین اسلام پر ثابت قدم، اور ہر طرح کی باطل سازشوں سے محفوظ رکھے۔ (مختصر تفسیر ابن کثیر:۱/۲۹۶، آل عمران:۸۵، تفسیر القشیری:۱/۱۵۷)

مسئلہ (۲۹): قرآن وحدیث کی بہت سی تعلیمات وہ ہیں جو مسلم معاشرہ کے پیش نظر دی گئی ہیں، لیکن معنوی لحاظ سے یہ عام ہدایات ہیں، ان سے غیر مسلم خارج نہیں ہیں، ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی ساتھ جو سلوک کرنا چاہیے وہی سلوک غیر مسلم کے ساتھ بھی روا رکھنا چاہیے، خصوصاً اس معاملہ میں پڑوسی مقدم ہیں، کیوں کہ انسان کا عملاً سب سے قریبی تعلق اس کے پڑوسی سے ہوتا ہے، یہ تعلق جتنا مضبوط ہو وہ اتنا ہی سکون اور اطمینان محسوس کرتا ہے، اگر کسی کو یہ یقین ہو کہ پڑوسی سے اس کو کوئی گزند، خطرہ اور نقصان نہیں پہنچے گا، بلکہ اس کی جان، مال، عزت وآبرو محفوظ رہیگی، اور وہ اس کے دکھ و درد اور خوشی وغمی میں شریک رہیگا، تو وہ یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ کاروبارِ زندگی میں اپنی ذمہ داری ادا کرسکتا ہے، ورنہ اسے سخت دشواریوں کا سامنا ہوگا، اسلام نے انسان کو بہترین پڑوسی بننے کی تعلیم دی ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ دے۔''

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے محبوب ﷺ نے مجھ سے تاکید کے ساتھ فرمایا کہ ''جب سالن پکاؤ تو پانی بڑھا دو، اور اپنے پڑوسیوں میں سے جس کے گھر ضرورت ہو اس میں سے کچھ بھیج دو۔''

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے یہاں بکری ذبح ہوئی تو آپ نے گھر والوں سے دریافت کیا کہ ہمارے فلاں

یہودی پڑوسی کو اس میں سے کچھ بھیجا ہے؟ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل مجھے پڑوسی کے سلسلے میں اس قدر تاکید کرتے تھے، کہ مجھے خیال ہوتا تھا کہ وہ اسے وارث نہ بنادیں۔

قرآن کریم میں پڑوسی کی ایک قسم "الجار الجنب" بتائی گئی ہے، بعض علماء نے اس سے یہودی اور نصرانی کو مراد لیا ہے، علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا مندوب اور پسندیدہ ہے، خواہ پڑوسی مسلمان ہو یا کافر، مزید فرماتے ہیں کہ علماء نے کہا کہ پڑوسی کے اکرام واحترام میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ مطلق ہیں، اس میں مسلم وکافر کی کوئی قید نہیں، لہٰذا اس کا بھی اکرام واحترام کرنا چاہیے۔...... مذکورہ احادیث اور فقہاء کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات عام ہیں، اس کا تعلق صرف مسلمانوں سے نہیں ہے، ان پر عمل جس طرح اسلام کے ماننے والوں کے ساتھ ہوگا، اسی طرح دیگر مذاہب والوں کے ساتھ بھی ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۲/ ۳۲۹، کتاب البر والصلۃ)

مسئلہ (۳۰): انسانی ہمدردی کے تحت شرعی حدود میں رہتے ہوئے، مسلمانوں کا غیر مسلم برادری کے ساتھ حسنِ سلوک، مالی تعاون، مظلوموں کی مدد، بایں طور جائز ہے کہ وہ اسلام کے قریب ہوں، اور نفرت کی بنیادیں ختم ہوں، تاکہ دعوتِ اسلام ان تک پہنچانا آسان ہو، نیز ان کو اسلامی تعلیمات کے اعلیٰ اخلاق اور کردار بتائے جائیں، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے: "إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق"، کہ میں عمدہ اخلاق کے اتمام ہی کی غرض سے دنیا میں بھیجا گیا ہوں، لیکن ان کو اپنا دوست اور راز دار نہ بنائے، اور نہ ہی انہیں مسلمانوں پر کسی اعتبار سے فوقیت دے، نیز ان کی طرف قلبی میلان بھی نہ ہو۔

(السنن للترمذی: ۲/ ۱۴، مشکوۃ المصابیح: ص ۴۲۳)

مسئلہ (۳۱): قدرتی آفات مثلاً: زلزلہ، سیلاب، متعدی امراض اور طوفان وغیرہ جب آتے ہیں، تو اس کا اثر سماج میں بسنے والے تمام ہی لوگوں پر پڑتا ہے، ایسے موقع پر مسلم تنظیموں کو حسنِ سلوک اور حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اور ہمارا رویہ برادرانِ وطن کے ساتھ ہمدردانہ ہونا چاہیے، اگرچہ وہ لوگ ایسے موقع پر بھی تنگ نظری سے کام لیں، مگر ہمیں اس کے جواب میں وسعتِ ظرفی اور وسعتِ نظری کا ثبوت دینا چاہیے، اور اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسوہ کو اپنانا چاہیے، کیوں کہ آپ ﷺ نے مکہ میں قحط کے موقع پر جانی دشمنوں کی بھی مالی امداد فرمائی، البتہ عام حالات میں مسلمانوں کی ضرورتوں کو ترجیح دینا چاہیے۔ (شرح کتاب السیر الکبیر: ۱/ ۶۹، ۷۰، باب صلۃ المشرک)

مسئلہ (۳۲): اگر کسی شخص کو اپنے ملک میں اس قدر معاشی وسائل حاصل ہیں، جس کے ذریعہ وہ اپنے شہر کے لوگوں کے معیار کے مطابق زندگی گذار سکتا ہے، لیکن محض معیارِ زندگی بلند کرنے اور خوشحالی اور عیش وعشرت کی زندگی گذارنے کی غرض

سے، کسی غیر مسلم ملک کی طرف ہجرت کرتا ہے، تو ایسی ہجرت کراہت سے خالی نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں اپنے آپ کو اور اپنی دینی واخلاقی حالت کو خطرہ میں ڈالنا لازم آتا ہے، کیوں کہ جو لوگ محض عیش وعشرت اور خوشحالی کی زندگی بسر کرنے کیلئے وہاں رہائش اختیار کرتے ہیں، مشاہدہ یہ ہے کہ ان میں دینی حمیت کمزور پڑ جاتی ہے، اور یہ لوگ کافرانہ محرکات کے سامنے بڑی تیزی سے پگھل جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں شدید ضرورت وتقاضے کے بغیر مشرکین کے ساتھ رہائش اختیار کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ (سورۃ آل عمران:۲۸)

مسئلہ (۳۳): اگر کسی مسلمان کو اس کے وطن میں کسی جرم کے بغیر تکلیف پہنچائی جارہی ہو، یا اس کو ظلماً قید کرلیا جائے، یا اس کی جائداد ضبط کرلی جائے، اور کسی غیر مسلم ملک میں رہائش اختیار کرنے کے سوا ان مظالم سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو، تو ایسی صورت میں کسی غیر مسلم ملک میں رہائش اختیار کرنا، اور اس ملک کا باشندہ بن کر وہاں رہنا چار شرطوں کے ساتھ جائز ہوگا:

(۱) اپنی ذات پر اطمینان ہو کہ عملی زندگی میں دین کے احکام پر کاربند رہے گا۔ (۲) وہاں رائج شدہ منکرات وفواحشات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے گا۔ (۳) اس کے پاس ایسا علم ہو کہ جس سے وہ شبہات کو دفع کرسکتا ہو۔ (۴) اس کے پاس اتنی دینداری ہو جو اسے شہوات سے روک سکتی ہو۔ (مجموع الثمین للعثیمین: ص/۵۰، بحوالہ الہجرۃ إلی بلاد غیر المسلمین: ص/۱۷۹)

مسئلہ (۳۴): مسلمانوں کو مخلوط آبادی میں رہائش پذیر ہونا مناسب نہیں، بلکہ مسلمانوں کی اپنی الگ آبادی ہونی چاہیے، یا مسلم اکثریتی علاقوں میں رہنا بہتر ہے، تاکہ مسجد کی وجہ سے نماز کا اہتمام، اور مکتب کی وجہ سے اپنی اولاد کی بنیادی تعلیم کا نظم ہو سکے، مخلوط علاقے میں رہنے سے پڑوس کی وجہ سے تہذیب کا اثر پڑتا ہے، جیسا کہ ماضی میں اس کا تجربہ ہو چکا ہے، ان کے درمیان رہنے سے نفع کم اور مضرت وخطرات زیادہ ہیں، اور مزید یہ کہ غیر مسلموں میں رہنے کی وجہ سے ان کی تہذیب کے اثرات سے نئی نسل کا متاثر ہو جانا بھی یقینی ہے، جس سے عقائد، عادات وعبادات پر زد پڑ سکتی ہے، اور ملک کے حالات کے پیش نظر، اور آئے دن ہونے والے فسادات کی وجہ سے جانی ومالی نقصان سے بچنے کی تدبیر بھی یہ ہے کہ ان علاقوں میں نہ رہا جائے، **مولانا** ابوبکر قاسمی نے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے حوالے سے غیر مسلموں کے ساتھ رہائش اختیار کرنے کی پانچ صورتیں لکھی ہیں، جن میں سے تین صورتوں میں رہائش اختیار کرنا جائز اور دو صورتوں میں ناجائز لکھا ہے۔

جواز کی صورتیں:

۱- مسلمانوں کی آبادی میں جان ومال کو تحفظ حاصل نہ ہو، یا یہ کہ ہمہ وقت بلا کسی جرم کے گرفتار ہو جانے یا قتل کر دیے جانے کا شدید خطرہ لاحق ہو، اور غیر مسلموں کی مخلوط آبادی میں رہائش اختیار کرنے کے علاوہ بچنے کی کوئی صورت نہ ہو۔

۲۔ مسلمانوں کی آبادی میں معاشی وسائل حاصل نہ ہوں، اس کے برعکس غیر مسلموں کی آبادی میں رہنے سے جائز ملازمت مل جائے یا کسی مسلمان کو حلال روزی کے حصول کے خاطر غیر مسلموں کی آبادی میں رہنا پڑ جائے۔

۳۔ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے اور ان کو مسلمان بنانے کی نیت، یا جو مسلمان پہلے سے غیر مسلموں کے ساتھ مقیم ہیں، ان کو دینِ اسلام پر جمے رہنے کی تلقین کرنے کی غرض سے رہائش اختیار کی جائے۔ **لیکن** یہ تینوں صورتیں اس وقت جائز ہیں، جب کہ ان میں دو شرطیں پائی جائیں:

۱۔ احکامِ اسلام پر مکمل طور پر کاربند رہیں،

۲۔ مروجہ منکرات ومحظورات سے بالکل محفوظ رہیں۔

عدمِ جواز کی صورتیں:

۱۔ بقدرِ کفاف معاشی وسائل حاصل ہونے کے باوجود، خوش حالی وخوش عیشی کی نیت سے غیر مسلموں کے ساتھ رہائش اختیار کی جائے۔

۲۔ سماج وسوسائٹی میں معزز بننے، یا دوسرے مسلمانوں پر اپنی بڑائی کے اظہار، یا اپنی عملی زندگی میں غیر مسلموں کا طرز اختیار کرکے، ان جیسا بننے کی نیت سے رہائش اختیار کی جائے، تو شرعاً یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔ (بدائع الصنائع:۹/۴۰۲)

مسئلہ (۳۵): غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات جن میں شرکیہ افعال انجام دیئے جاتے ہوں، مثلاً: رام لیلا دسہرہ، دیوالی، جنم دن گرو گوبند سنگھ، جنم دن گرو بابا نانک وغیرہ میں، مسلمانوں کا شرکت کرنا، کفار کے اجتماعات کی زینت ورونق بننے کے مترادف ہے، جو ناجائز اور حرام ہے۔ (روح المعانی:۴/۲۵۳-۲۵۵)

مسئلہ (۳۶): غیر مسلموں کو ان کے تہواروں کے موقع پر مبارکباد دینا درست نہیں ہے، البتہ خیر سگالی کی غرض سے مبارکباد کے بدلہ بدھائی کا لفظ استعمال کرنے کی ضرورۃً گنجائش ہے، بشرطیکہ یہ دو باتیں پیش نظر ہوں: (۱) مذہب کی بنیاد پر منافرت کا ماحول ختم ہوگا، (۲) غیر مسلموں کے سماج میں مسلمانوں کے لیے محبت وہمدردی کے جذبات پیدا ہونگے۔
(مختصر تفسیر ابن کثیر:۱/۲۷۶، آل عمران:۲۸)

مسئلہ (۳۷): غیر مسلم کو مجلسِ نکاح کیلئے مسجد میں بلانا مناسب نہیں، البتہ شادی وغیرہ میں کھانے کی دعوت دے سکتے ہیں۔ (فتاوی ہندیہ:۵/۳۴۶)

مسئلہ (۳۸): لباس وگفتار میں غیروں کی نقل، مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی مدد، ان سے طلبِ مدد، ان پر اعتماد

کرنا، ان کو ہمراز ومشیر بنانا، اسلامی تاریخ کو چھوڑ کر ان کے ہاں مروجہ تاریخ کو اپنانا، ان کے تہوار میں شرکت کرنا، ان کی تہذیب وتمدن کی تعریف کرنا، ان کے عقائدِ باطلہ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ان کے اخلاق ومہارت سے خوش ہونا، ان کے لئے دعائیں کرنا، یہ سب غیروں سے محبت کی علامتیں ہیں، جبکہ شریعتِ اسلامیہ نے ان سے محبت کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم اس ممنوعِ شرعی سے پرہیز کریں۔ (البحر المحیط: ۵/۳۵۰، روح المعانی: ۷/۳۳۱)

مسئلہ (۳۹): ملی وقومی مفاد کے تحت ایسی غیر مسلم پارٹیوں سے معاہدہ کرنا چاہیے، جو متعصب، اسلام دشمن اور اسلام مخالف نہ ہو، اور اس معاہدہ میں کوئی ایسی شق نہ ہو جو اسلام یا مسلم مخالف ہو، یا جس سے اسلامی عقائد پر کوئی زد پڑتی ہو، اسی طرح وہ پارٹی مسلمانوں کے حق میں اچھی رائے رکھتی ہو، اور ساتھ ہی ساتھ معاہدہ شرعی حدود میں رہ کر ہو، ناجائز مطالبات کی تائید اس میں نہ کی جائے، ان آداب اور شرطوں کے ساتھ معاہدہ کرنا جائز ہے، ورنہ معاہدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں الگ ہوجانا ضروری ہوگا۔ (أحکام القرآن للجصاص: ۳/۹۰)

مسئلہ (۴۰): ایسے امیدوار کو ووٹ دینا، یا ایسی جماعت میں شامل ہوکر الیکشن میں حصہ لینا جو اسلام اور مسلم دشمن ہو جائز نہیں، اس لیے کہ اس سے مسلمانوں کو نقصان ہوگا، اور جرم وسرکشی پر تعاون کرنا جائز نہیں ہے، البتہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ مصلحت کے پیش نظر اس جماعت کے نظریہ سے متفق نہ ہوتے ہوئے، اپنے ایمان کی حفاظت کی شرط کے ساتھ، مسلمانوں کے مفاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شمولیت کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ (سنن النساء: ۲/۱۶۶، کتاب البیعۃ)

مسئلہ (۴۱): مسلمانوں کے لیے قطعاً جائز نہیں کہ وہ اپنے معاملات غیر اسلامی عدالتوں میں لے جائیں، کیوں کہ غیر مسلم قاضی (جج) کا فیصلہ مسلمان کے حق میں قابل قبول نہیں، اس لیے فقہائے کرام نے واجب قرار دیا ہے کہ اگر مسلمان ایسے ملک میں آباد ہوں، جہاں غیر مسلموں کا غلبہ ہو وہاں مسلمان، بادشاہِ وقت (جو کہ غیر مسلم ہے) سے مطالبہ کریں کہ مسلمانوں کے معاملات کے نفاذ کے لیے مسلم قاضی مقرر کرے، اور اس غیر مسلم بادشاہ کا مقرر کردہ مسلمان قاضی، شرعی قاضی ہوگا، بشرطیکہ قاضی کو تنفیذِ احکام کا اختیار بھی دیا گیا ہو، اور احکامِ شرعیہ کے موافق فیصلہ کرنے سے نہ روکا جائے، ورنہ مسلمانوں کو چاہیے کہ غیر مسلم حکومت میں رہتے ہوئے خود سے اپنا ایک امیر مقرر کریں، پھر وہ امیر مسلمانوں کے باہمی مقدمات کے فیصلہ کے لیے کسی کو قاضی مقرر کرے، یہ بات ذہن نشین رہیکہ شرعی قاضی وہی ہوگا جس کو بادشاہِ وقت مقرر کرے گا، اور یہ جو باہمی مقدمات کے حل کے لیے مسلمانوں نے قاضی مقرر کیا ہے، اس پر شرعی قاضی کا حکم نافذ نہ ہوگا، یعنی غیر مسلم حکومت کے قوانین کے خلاف شرعی حد اور قصاص وغیرہ جاری نہیں کرسکتا، لیکن نجی قوانین جیسے نکاح، طلاق، فسخِ نکاح، حلال، حرام، قیامِ جمعہ وعیدین اور دیگر روزمرہ

معاملات کے احکام جاری کرسکتا ہے، تا کہ مسلمان خلفشار وانتشار سے بچ سکیں۔ (سورۃ النساء:۱۴۱)

مسئلہ (۴۲): غیر مسلموں کے مذہبی کام مثلاً مندر کی تعمیر وغیرہ میں چندہ دینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی تعمیر یا پوجا پاٹ میں چندہ دینا صراحۃً کفر وشرک میں تعاون ہے اور تعاون فی الشرک گناہِ عظیم ہے، لیکن اگر ایسی اضطراری حالت پیش آجائے کہ نہ دینے کی صورت میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو، تو مانگنے والے کو یہ کہہ کر دے، کہ میں تم کو اس رقم کا مالک بناتا ہوں، اب تم جہاں چاہو خرچ کرو، یہ اس لیے تا کہ کم از کم براہِ راست فعلِ شرک میں تعاون نہ ہو۔ (سورۃ المائدۃ:۲)

مسئلہ (۴۳): ایسی جگہ جہاں ہندوؤں کا غلبہ ہو اور مسلمان تعداد میں کم ہوں، تو اگر یہ اپنی پوجا وغیرہ کے لئے مسلمانوں سے پیسہ مانگیں تو اگر پیسہ دیئے بغیر چھٹکارا نہ ہو اور نہ دینے کی وجہ سے دشمنی بڑھ جانے کا خوف ہو، تو مسلمانوں کو چاہیے کہ جو لوگ مانگنے آتے ہیں ان کو مالک بنانے کی نیت سے دیدیں، پھر وہ اپنی طرف سے جہاں چاہیں خرچ کریں، نیز مٹھائی اور کھوپرا بھی اگر لینا ضروری ہو تو اس کو لے لیں پھر کسی جانور کو کھلا دیں، اسی طرح پوجا کی مٹھائی وغیرہ بھی خود نہ کھائیں۔ (سورۃ البقرۃ:۱۷۳)

مسئلہ (۴۴): بتوں پر چڑھائے ہوئے کھانے اور مٹھائیوں کا کھانا جسے ''پرساد'' کہا جاتا ہے درست نہیں ہے، البتہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو قبول کرلے، لیکن اسے کھائے نہیں بلکہ کسی غیر مسلم ہی کو دیدے۔ اسی طرح غیر مذہبی تقریبات کے کھانے اور تحفے قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ کوئی ناپاک چیز نہ ملی ہو، **اگر** غیر مسلم کی غالب کمائی حرام ہے مثلاً: سود، جوا، رشوت، ڈکیتی اور حرام چیزوں کا کاروبار وغیرہ تو کوئی معقول عذر پیش کردے، یا لے کر کسی غیر مسلم ہی کو دیدے یا ضائع کردے، مگر خود اپنے استعمال میں نہ لائے اور نہ کسی مسلمان کو دے۔ نیز کسی بھی مسلم کا غیر مسلم کی مذہبی تقریبات میں، اسی طرح غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی تعمیرات میں تعاون کرنا ہرگز جائز نہیں۔ (فتاوی عبدالحی: ص/۴۰۳)

مسئلہ (۴۵): بعض مسلم تنظیمیں، سیاسی جماعتیں، سرکاری یا نیم سرکاری ادارے، کسی دینی یا سیاسی شخصیت کے انتقال پر تعزیتی جلسوں میں چند منٹ کی خاموشی اختیار کر کے اسے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں، جبکہ یہ طریقہ نہ صرف غیر اسلامی بلکہ بدعت، اور عاداتِ قبیحہ میں کافروں کی مشابہت اختیار کرنا ہے، مسلمانوں کے لیے اپنے مردوں اور شہیدوں کے بارے میں اسلامی تعلیم یہ ہے: (۱) ان کے حق میں دعائے مغفرت کی جاوے، (۲) ان کی طرف سے صدقہ کر کے انہیں ایصالِ ثواب کیا جائے، (۳) ان کی خوبیوں کو بیان کیا جائے اور عیوب ونقائص پر پردہ ڈالا جائے۔ (مشکوۃ: ص/۲۷)

پانی سے متعلق

مسئلہ (۴۶): پانی کی حفاظت اوراس کا ذخیرہ کرنا اصلاً حکومت کی ذمہ داری ہے، تاہم افراد پر بھی اس کی ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے، کہ زیرزمین پانی کی مناسب سطح باقی رکھنے کے لئے مناسب تدبیر اختیار کریں اور تعاون کریں۔ (بدائع الصنائع:۵/۲۸۰)

مسئلہ (۴۷): پانی کی نکاسی کا نظام بنانا اور شہریوں کی صحت کا خیال رکھنا یہ حکومت کی ذمہ داری ہے، اور عوام کا فریضہ ہے کہ وہ حکومت کے ایسے نظام وقوانین کا پورا لحاظ رکھیں، نیز اخلاقی طور پر ہر شخص اس کا مکلّف و پابند ہے کہ اپنے مستعمل پانی کی نکاسی کا ایسا انتظام کرے کہ پڑوسی، محلّہ اور آبادی کی فضا آلودہ نہ ہو۔ (بدائع الصنائع:۶/۱۹۲)

مسئلہ (۴۸): ہرشہری کو پانی کی فراہمی حکومت کی ذمہ داریوں میں سے ہے، وہ اس پر مناسب معاوضہ بھی لے سکتی ہے، اور معاوضہ پر قدرت رکھنے والوں سے اجرت نہ ادا کرنے کی صورت میں پانی روک لینے کا حق رکھتی ہے۔ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ:۶/۴۶۷۰)

مسئلہ (۴۹): پانی پر ملکیت حاصل ہونے والی تمام شکلوں میں پانی کی تجارت جائز ہے، جب کہ مفادِ عامہ متاثر نہ ہو، لہذا عوامی نلوں اور پانی کے ذخائر سے اپنے حق سے زیادہ لے کر اور دوسروں کو ان کے حق سے محروم کرکے، اس پانی کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ (کنز الدقائق مع البحر:۸/۳۹۱،۳۹۲)

مسئلہ (۵۰): وہ تمام صورتیں جن میں پانی کو کسی چھوٹے بڑے برتن یا کسی چیز میں بالقصد محفوظ کرلیا جائے، ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، لہذا آج کل بوتلوں اور پاؤچ وغیرہ میں پیک کرکے، یا ٹینکر وغیرہ میں بھر کر جو پانی فروخت کیا جاتا ہے، شرعاً جائز ہے، البتہ پانی کو مملوک بنانے کیلئے ایسی شکل اختیار نہ کی جائے، جس سے عوام الناس کو ضرر لاحق ہو۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ:۲۵/۳۷۶)

مسئلہ (۵۱): نہروں سے فائدہ اٹھانا بقدر ضرورت جائز ہے، بشرطیکہ اس سے نہروں اور دوسرے لوگوں کو نقصان نہ ہو، کیوں کہ دوسروں کو ضرر پہنچائے بغیر اپنی جائز ضرورتوں کو پورا کرنا درست ہے۔ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ:۶/۴۶۶۵)

مسئلہ (۵۲): سیلاب اور بارشوں کی کثرت کی بناء پر جب ڈیم کے پانی کو چھوڑنے کی ضرورت پڑ جائے، تو ایسے موقع پر بالائی اور نشیبی دونوں آبادیوں کے تحفظ کا خیال رکھا جائے، اور حتی الامکان وہ صورت اختیار کی جائے جس میں کم سے کم نقصان ہو۔ (موسوعۃ القواعد الفقہیۃ:۶/۲۵۷)

مسئلہ (۵۳): بوقت ضرورت مفاد عامہ کے پیش نظر ڈیم تعمیر کرنے کیلئے آبادی منتقل کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ جن لوگوں کو منتقل کیا جارہا ہے، انہیں فوری طور پر ایسا عادلانہ مبنی بر انصاف معاوضہ ادا کیا جائے، جو ان کیلئے تلافی مافات اور باز آبادکاری کیلئے کافی ہوسکے۔ (موسوعۃ الفقہ الإسلامی المعاصر:۳/۱۹۱)

مسئلہ (۵۴): موقوفہ پانی میں اسراف یعنی زائد ضرورت استعمال حرام ہے، اور اگر مملوکہ ومباح پانی ہے، تو اس میں اسراف مکروہِ تحریمی ہے، مدرسہ اور مسجد میں موجود حوض ونل کا پانی موقوفہ ہے، لہذا اعضاء مغسولہ میں مسنون تکرار پر اضافہ، یا وضو واستنجا کے بعد نل وغیرہ کو یوں ہی کھلا چھوڑ دینا، یا اسے ٹھیک سے بند نہ کرنا کہ پانی ضائع ہوتا رہے، شرعاً ممنوع وناجائز ہے۔ (بدائع الصنائع: ۱/۱۱۳)

مسئلہ (۵۵): جن امور میں پانی استعمال کرنے کی اجازت ہے، ان میں بلاضرورت یا ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا اسراف ہے۔ (عون المعبود: ص/۶۱)

مسئلہ (۵۶): آج کل شہروں میں آبادی کے پھیلاؤ کا ایک پہلو یہ ہے کہ بہت سے نشیبی علاقوں (جو تالاب کی صورت میں تھے) میں لوگ پلاٹنگ کر کے انہیں فروخت کررہے ہیں، اور وہاں آبادیاں بسائی جارہی ہیں، اس سے ایک طرف یہ نقصان ہو رہا ہے کہ جو پانی ان نشیبی علاقوں میں جمع ہوتا تھا اب وہ آبادیوں میں پھیل جاتا ہے، اور دوسری طرف یہ نقصان ہو رہا ہے کہ پانی کی ذخیرہ اندوزی بھی متاثر ہو رہی ہے، اور بہ حیثیت مجموعی پانی کی سطح نیچے چلی جارہی ہے، جس سے پوری آبادی کو نقصان پہنچ رہا ہے، اس لئے نشیبی علاقوں میں پلاٹنگ کر کے انہیں فروخت کرنا اور آبادیاں بسانا، جب کہ اس سے ضرر عام لاحق ہو درست نہیں ہے، خواہ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو۔ (قواعد الفقہ: ص/۱۰۶، رقم القاعدۃ: ۲۵۲)

مسئلہ (۵۷): مملوکہ زمین کے نیچے پانی مباح الاصل ہے، کسی کی ملک نہیں، بوقتِ ضرورت، مصلحتِ عامہ کے پیشِ نظر حکومت بورنگ کرانے سے روک سکتی ہے۔ (السنن لابن ماجۃ: ص/۱۷۸)

آدابِ مناظرہ

مسئلہ (۵۸): مناظرہ ایک دینی اور شرعی ضرورت بلکہ تبلیغ کی ایک خاص قسم ہے، اور جس طرح تبلیغ کی ضرورت قیامت تک باقی رہے گی، مناظرہ کی ضرورت بھی قیامت تک باقی رہے گی، کیوں کہ یہ دین ابدی ہے، اس لیے مناظرہ فی نفسہ نہ صرف جائز بلکہ کبھی واجب، کبھی مستحب اور کبھی حرام ہوتا ہے، البتہ اس کے جواز کے لیے کچھ شرائط اور اصول وضوابط ہیں، جن کا پاس ولحاظ رکھنا ضروری ہے ورنہ وہ جائز نہ ہوگا۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۳۹/۷۴)

مسئلہ (۵۹): جب اہلِ باطل متردد اور حق کا طالب ہو اور عقائدِ اسلامیہ ومسائلِ قطعیہ سے متعلق اپنے شکوک وشبہات کو صاف کرنا چاہتا ہے اور اس غرض سے گفتگو یا مناظرہ کی دعوت دیتا ہے، تو جو شخص حق کی تائید پر قادر اور اہلِ باطل سے مناظرہ کا عالم ہے، اس کے علاوہ اور کوئی شخص اس کا اہل نہیں ہے، تو اس پر اس کے ساتھ مناظرہ کرنا فرضِ عین ہے، اور اگر اس کے علاوہ

اور بھی لوگ اس کی اہلیت وقدرت رکھتے ہوں، تو ان کے لیے مناظرہ کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۳۹/۷۶، احکام مناظرہ: ص/۱۲)

مسئلہ (۶۰): اگر مناظرہ کا مقصد حق کو مٹانا اور باطل کو سر بلند کرنا ہو یا کسی مسلمان پر غلبہ حاصل کرنا اور اس کی تذلیل وتحقیر ہو یا دنیا، مال اور قبولیتِ عامہ حاصل کرنا ہو تو ایسا مناظرہ کرنا حرام ہے۔ (الدر مع الرد: ۹/۵۱۷)

مسئلہ (۶۱): جب مناظرہ کا مقصد تاکید وتائیدِ حق ہو اور جس اہلِ باطل متردد کے ساتھ مناظرہ کیا جارہا ہے، اس کے قبولِ اسلام کی امید ہو تو اس صورت میں مناظرہ کرنا مستحب ہوگا۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۳۹/۷۶)

مسئلہ (۶۲): مناظرہ میں آدابِ مناظرہ کا پاس ولحاظ رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ مناظرہ کا مقصد اظہارِ حق ہو۔

۲۔ مناظر ایجاز واختصار اور غیر مانوس کلام سے پرہیز کرے، تاکہ فہم میں مخل نہ ہو۔

۳۔ کلام اتنا طویل نہ ہو کہ اکتاہٹ لازم آئے۔

۴۔ ایسے الفاظ استعمال نہ کرے جو دو معنی کا احتمال رکھتے ہیں۔

۵۔ فریقِ مخالف کی بات کو پوری طرح سمجھنے سے پہلے درمیان میں کلام شروع نہ کرے، اگر بات سمجھ میں نہ آئے تو اس سے دوبارہ پوچھ لے۔

۶۔ اپنے مقصود سے نہ ہٹے۔

۷۔ ہنسی، مذاق، بلند آواز سے کلام اور سفاہت (بیوقوفی) سے پرہیز کرے، کیوں کہ یہ ایسی چیزیں ہیں جن سے جاہل لوگ اپنی جہالت کو چھپاتے ہیں۔

۸۔ بارعب اور محترم شخصیت مثلاً استاذ سے مناظرہ نہ کرے، کیوں کہ رعب اور احترام بسا اوقات مناظر کی دقتِ نظری اور حدتِ ذہنی کو زائل کر دیتی ہے۔

۹۔ فریقِ مخالف کو حقیر نہ سمجھے، کیوں کہ اس صورت میں مناظر سے ایسا کلام صادر ہوگا جس کی وجہ سے فریقِ مخالف غالب آسکتا ہے۔

۱۰۔ بدگوئی، تلخ کلامی سے پرہیز کرے، ورنہ اہلِ مجلس اس سے نفرت کریں گے۔

(موسوعہ فقہیہ: ۳۹/۷۷، ۷۸، تحفۃ المناظر: ص/۴۹، عقائد مذاہب باطلہ: ص/۲۲)